إِنَّمَا شِفَاءُ الْعِيِّ السُّؤَالُ

آپ کے مسائل اور اُن کا حل

اضافہ و تخریج شدہ ایڈیشن

جلد ہفتم

خرید و فروخت اور محنت مزدوری کے اُصول اور ضابطے، تجارت اور مالی معاملات، ذخیرہ اندوزی بیعانہ، حصص کا کاروبار، مضاربت یعنی شراکت کے مسائل، مکان دُکان اور دُوسری چیزیں کرایہ پر دینا، قسطوں کا کاروبار، امانت رشوت، قرض کے مسائل، جوا، سود کمیشن، وراثت کے مسائل جہاد اور شہید کے احکام وصیت، سیاست

حضرت مولانا
محمد یوسف لدھیانوی شہید رحمہ اللہ تعالیٰ

ترتیب و تخریج
حضرت مولانا سعید احمد جلالپوری شہید رحمہ اللہ تعالیٰ

إِنَّمَا شِفَاءُ الْعِيِّ السُّؤَالُ (الحديث)

لاعلمی کی شفا سوال کرنے میں ہے

آپ کے مسائل اور اُن کا حل

۷

اضافہ وتخریج شدہ ایڈیشن

حضرت مولانا

محمد یوسف لدھیانوی شہید رحمہ اللہ تعالیٰ

ترتیب وتخریج

حضرت مولانا سعید احمد جلالپوری شہید رحمہ اللہ تعالیٰ

مکتبہ لدھیانوی

18- سلام کتب مارکیٹ بنوری ٹاؤن کراچی، دفتر ختم نبوت پرانی نمائش ایم اے جناح روڈ کراچی

0321-2115502, 0321-2115595,02134130020

نام کتاب	:	آپ کے مسائل اور اُن کا حل
مصنف	:	حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانوی شہیدؒ
ترتیب وتخریج	:	حضرت مولانا سعید احمد جلالپوری شہیدؒ
قانونی مشیر	:	منظور احمد میو راجپوت (ایڈووکیٹ ہائی کورٹ)
طبع اوّل	:	۱۹۸۹ء
اضافہ وتخریج شدہ ایڈیشن	:	مئی ۲۰۱۱ء
کمپوزنگ	:	محمد عامر صدیقی
پرنٹنگ	:	شمس پرنٹنگ پریس

مکتبہ لدھیانوی

18- سلام کتب مارکیٹ بنوری ٹاؤن کراچی

دفتر ختم نبوت پرانی نمائش ایم اے جناح روڈ کراچی

0321-2115502, 0321-2115595, 02134130020

فہرست

خرید و فروخت اور محنت مزدوری کے اُصول اور ضابطے

غیر مسلموں سے کاروبار کرنا

تجارت اور مالی معاملات میں دھوکا دہی

غصب کی ہوئی چیز کا لین دین

نقد اور اُدھار کا فرق

مال قبضے سے قبل فروخت کرنا

ذخیرہ اندوزی

بیعانہ

حصص کا کاروبار

مضاربت یعنی شراکت کے مسائل

مکان، زمین، دُکان اور دُوسری چیزیں کرایہ پر دینا

قسطوں کا کاروبار

قرض کے مسائل

امانت

رشوت

خرید و فروخت کے متفرق مسائل

معاملات

سود

بینک وغیرہ سے سود لینا دینا

سود کی رقم کا مصرف

بینک کی ملازمت

بیمہ کمپنی، انشورنس وغیرہ

جوا

پرائز بونڈ، بیسی اور اِنعامی اسکیمیں

کمیشن

وراثت

ورثہ کی تقسیم کا ضابطہ اور عام مسائل

لڑکیوں کو وراثت سے محروم کرنا

نابالغ، یتیم، معذور، رضاعی اور منہ بولی اولاد کا ورثہ میں حصہ

سوتیلے اعزّہ میں تقسیمِ وراثت کے مسائل

ترکہ میں بھائی، بہن، بھتیجے، چچا، پھوپھی وغیرہ کا حصہ

والدین کی زندگی میں فوت شدہ اولاد کا حصہ

مورث کی زندگی میں جائیداد کی تقسیم

عورت کی موت پر جہیز و مہر کے حق دار

جائیداد کی تقسیم میں ورثاء کا تنازع

وراثت کے متفرق مسائل

وصیت

ذَوِی الارحام کی میراث

جہاد اور شہید کے اَحکام

سیاست

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

خرید و فروخت اور محنت مزدوری کے اُصول اور ضابطے

تجارت میں منافع کی شرعی حد کیا ہے؟

سوال:...تجارت میں منافع کس قدر جائز ہے؟ اس کی حدِ شرعی متعین ہے یا نہیں؟

جواب:...نہیں! منافع کی حد تو مقرّر نہیں ہے،[1] البتہ بازار کی عام اور متعارف قیمت سے زیادہ وصول کرنا اور لوگوں کی مجبوری سے غلط فائدہ اُٹھانا جائز نہیں۔[2]

---

(۱) عن أبی سعید قال: غلا السعر علٰی عهد رسول الله صلی الله علیه وسلم فقالوا له: لو قوّمت لنا سعرنا، قال: إنّ الله هو المقوّم أو المسعّر انی لأرجوا أن افارقکم ولیس أحدکم یطلبنی بمظلمة فی مال ولَا نفس. (مسند أحمد ج:۳ ص:۸۵).
وعن أنس بن مالک رضی الله عنه قال: غلا السعر علٰی عهد رسول الله صلی الله علیه وسلم فقالوا: یا رسول الله! قد غلا السعر فسعّر لنا، فقال: إن الله هو المسعّر، القابض الباسط الرازق. (سنن ابن ماجة ص:۱۵۹، ابواب التجارات). أیضًا: ولَا یسعر حاکم لقوله علیه الصلاة والسلام: "لَا تسعروا فإن الله هو المسعر القابض الباسط الرازق" إلّا إذا تعدی الأرباب عن القیمة تعدیا فاحشًا فیسعر بمشورة أهل الرأی. (الدر المختار مع رد المحتار، کتاب الحظر والإباحة، فصل فی البیع ج:۶ ص:۴۰۰). ومن اشتریٰ شیئًا وأغلٰی فی ثمنه فباعه مرابحة علٰی ذالک جاز. وقال أبو یوسف رحمه الله تعالٰی: إذا زاد زیادة لَا یتغابن الناس فیها فإنی لَا أحب أن یبیعه مرابحة حتّٰی یبین .... والأصل أن عرف التجار معتبر فی بیع المرابحة. (فتاویٰ عالمگیری ج:۳ ص:۱۶۱، کتاب البیوع، الباب الرابع عشر فی المرابحة والتولیة، طبع رشیدیه کوئٹه).

(۲) عن علیّ ابن أبی طالب رضی الله عنه قال: سیأتی علی الناس زمان عضوض یعض الموسر علی ما فی یدیه، ولم یؤمر بذالک، قال الله تعالٰی: "ولَا تنسوا الفضل بینکم" ویباع المضطرون، قد نهی النبی صلی الله علیه وسلم عن بیع المُضطر ...الخ. (سنن أبی داوٗد، ج:۲ ص:۱۲۳، باب بیع المضطر، طبع امدادیه ملتان). أیضًا: وفی إعلاء السُّنن ج:۱۴ ص:۲۰۵ (کتاب البیوع، باب النهی عن بیع المضطر، تحت هٰذا الحدیث) .... قال الشامی: وهو أن یضطر الرجل إلٰی طعام وشراب أو غیرها، ولَا یبیعه البائع إلّا بأکثر من ثمنها بکثیر، وکذٰلک فی الشراء منه .... مثال البیع المضطر أی بان اضطر إلٰی بیع شیء من ماله ولم یرض المشتری إلّا بشرائه بدون ثمن المثل بغبن فاحش، ومثاله لو ألزمه القاضی یبیع ماله لإیفاء دینه أو ألزم الذمی بیبع مصحف أو عبد مسلم ونحو ذالک انتهٰی. (بذل المجهود ج:۴ ص:۲۵۲). فیه أیضًا ما قال الخطابی: إن عقد البیع مع الضرورة علٰی هٰذا الوجه جائز فی الحکم ولَا یفسخ، إلّا أن سبیله فی حق الدِّین والمروءة ان لَا یباع علٰی هٰذا الوجه، وان لَا یفتات علیه بماله ولٰکن یعاوَن ویقرض ویستمهل له إلی المیسرة حتّٰی یکون له فی ذالک بلاغ اهـ. وأیضًا: قال ابن عابدین: التسعیر حضر معنی، لأنه منع عن البیع بزیادة فاحشة. (رد المحتار ج:۶ ص:۴۰۱).

کیا اسلام میں منافع کی شرح کا تعین کیا گیا ہے؟

سوال:... میں جناب کی توجہ ایک انتہائی اہم مسئلے کی طرف مبذول کرانا چاہتا ہوں جس کی وجہ سے آج کل عام لوگ بہت زیادہ پریشان ہیں۔ مسئلہ یہ ہے کہ اگر کوئی دُکان دار کسی چیز پر جتنا زیادہ بھی منافع وصول کرے، آیا وہ شرعی طور پر دُرست ہے؟ مثلاً ایک کپڑے کا بیوپاری دس روپے گز کے حساب سے کپڑا خریدتا ہے اور اسے تیس روپے گز میں فروخت کرتا ہے، تو کیا اس طرح اصل قیمت سے دوگنا زیادہ رقم منافع کی صورت میں وصول کرنا دُرست ہے؟ یہی مثال میکینکوں کی ہے، مثلاً اگر کوئی شخص اپنی گھڑی کسی میکینک کے پاس ٹھیک کروانے کے لئے جاتا ہے تو وہ میکینک گاہک کے انجانے پن کا ناجائز فائدہ اُٹھاتے ہوئے اس سے تیس، چالیس روپے بٹور لیتا ہے، جبکہ اصل نقص چاہے دو چار روپے کا ہو، اور گھڑی ٹھیک کرنے میں میکینک کا وقت چاہے دو چار منٹ ہی کیوں نہ صرف ہوں، تو کیا اس کی یہ کمائی جائز ہے؟ اسلام چونکہ دینِ فطرت ہے اور اس طرح کسی کی ناجائز کھال اُتارنے کی اجازت کبھی نہیں دے گا، اس لئے براہِ کرام یہ وضاحت کردیں کہ اسلام میں منافع کی شرح کے تعین کا کیا طریقۂ کار ہے؟

جواب:... شریعت نے منافع کا تعین نہیں فرمایا کہ اتنا جائز ہے اور اتنا جائز نہیں، تاہم شریعت صریح ظلم کی اجازت نہیں دیتی (جسے عرفِ عام میں ''جیب کاٹنا'' کہا جاتا ہے)۔[1] جو شخص ایسی منافع خوری کا عادی ہو اس کی کمائی سے برکت اُٹھ جاتی ہے،[2] اور حکومت کو اختیار دیا گیا ہے کہ منصفانہ منافع کا ایک معیار مقرّر کرکے زائد منافع خوری پر پابندی عائد کردے۔[3]

حدیث میں کن چھ چیزوں کا تبادلے کے وقت برابر اور نقد ہونا ضروری ہے؟

سوال:... میں نے ایک حدیث سنی جس میں چند اشیاء کا ذکر ہے، اس کو خریدتے وقت یعنی ضروری ہے کہ برابر برابر اس کا بدل دے اور اسی وقت یعنی ہاتھ ہی ہاتھ لوٹائے۔ پوچھنا یہ ہے کہ وہ کون سی اشیاء ہیں جن میں ان شرطوں کا لحاظ رکھنا ضروری بتلایا گیا ہے؟ اور اگر کوئی شخص ان شرطوں کا لحاظ نہیں کرتا تو وہ خرید و فروخت حرام کے درجے میں داخل ہوجاتی ہے۔ براہ مہربانی اس قسم کی کوئی

---

(۱) قال ابن عابدین: التسعیر حجر معنی، لأنه منع عن البیع بزیادة فاحشة. (رد المحتار ج:۶ ص:۴۰۱)۔ ومن اشتری شیئًا وأغلٰی فی ثمنه فباعه مرابحة علٰی ذالک جاز وقال أبو یوسف رحمه الله تعالٰی: إذا زاد زیادة لَا یتغابن الناس فیها فإنی لَا أحب أن یبیعه مرابحة حتّٰی یبین. (عالمگیری ج:۳ ص:۱۶۱، کتاب البیوع، الباب الرابع عشر فی المرابحة)۔

(۲) عن حکیم ابن حزام ان رسول الله صلی الله علیه وسلم قال: البیعان بالخیار ما لم یفترقا، فإن بینا وصدقا بورک لهما فی بیعهما، وإن کذبا وکتما محق برکة بیعهما. (رواه النسائی ج:۲ ص:۲۱۲، کتاب البیوع)۔

(۳) ولَا یسعر حاکم إلّا إذا تعدّی الأرباب عن القیمة تعدیًا فاحشًا فیسعر بمشورة أهل الرأی. (تنویر الأبصار ج:۲ ص:۴۰۰ کتاب الحظر والإباحة، فصل فی البیع۔" وأیضًا: واعلم أنه لَا رد بغبن فاحش هو ما لَا یدخل تحت تقویم المقومین فی ظاهر الروایة وبه أفتی بعضهم مطلقًا کما فی القنیة ثم رقم وقال ویفتی بالرد رفقًا بالناس وعلیه أکثر روایات المضاربة وبه یفتی ثم رقم وقال إن غره أی غر المشتری البائع أو بالعکس أو غره الدلّال فله الرد وإلّا لَا وبه أفتی صدر الإسلام وغیره. (درمختار ج:۵ ص:۱۴۲، کتاب البیوع، باب المرابحة والتولیة)۔ أیضًا: وإن کان أرباب الطعام یتحکمون علی المسلمین، ویتعدون عن القیمة تعدیًا فاحشًا، وعجز القاضی عن صیانة حقوق المسلمین إلّا بالتسعیر فلا بأس بالتسعیر بمشورة من أهل الرأی والبصر. (المحیط البرهانی ج:۸ ص:۲۶۸، الفصل الخامس والعشرون)۔

حدیث بھی ذکر فرمادیں۔

جواب:... جو چیزیں بھی ناپ کر یا تول کر فروخت کی جاتی ہیں، جب ان کا تبادلہ ان کی جنس کے ساتھ کیا جائے تو ضروری ہے کہ دونوں چیزیں برابر، برابر ہوں، اور یہ معاملہ دست بدست کیا جائے، اس میں اُدھار بھی ناجائز ہے اور کمی بھی ناجائز ہے۔ مثلاً: گیہوں کا تبادلہ گیہوں کے ساتھ کیا جائے تو دونوں باتیں ناجائز ہوں گی، یعنی کمی بھی ناجائز اور اُدھار بھی ناجائز اور اگر گیہوں کا تبادلہ مثلاً: جو کے ساتھ کیا جائے تو کمی جائز، مگر اُدھار ناجائز ہے۔[1] وہ حدیث یہ ہے کہ:

"عن عبادة بن الصامت رضي الله عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: الذهب بالذهب، والفضة بالفضة، والبر بالبر، والشعير بالشعير، والتمر بالتمر، والملح بالملح، مثلا بمثل سواءً بسواء يدًا بيد فإذا اختلف هذه الأصناف فبيعوا كيف شئتم إذا كان يدًا بيدًا. رواه مسلم۔" (مشکوٰۃ ص:۲۴۴)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے چھ چیزوں کا ذکر فرمایا، سونا، چاندی، گیہوں، جَو، کھجور، نمک، اور فرمایا کہ: جب سونا، سونے کے بدلے، چاندی، چاندی کے بدلے، گیہوں، گیہوں کے بدلے، جَو، جَو کے بدلے، کھجور، کھجور کے بدلے، نمک، نمک کے بدلے فروخت کیا جائے تو برابر ہونا چاہئے اور ایک ہاتھ لے دُوسرے ہاتھ دے، کمی سود ہے۔[2]

ایک چیز کی دو جنسوں کا باہم تبادلہ کس طرح کریں؟

سوال:... "مسئلہ سود" مصنفہ حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب "مفتیٔ اعظم پاکستان، طبع مارچ ۱۹۸۶ء کے پڑھنے کا حال ہی میں اتفاق ہوا ہے، اس کتاب کے صفحہ نمبر:۸۸ اور ۸۹ پر احادیثِ پاک: ۳۱، ۳۲، ۳۳ اور ۳۳ نقل کی گئی ہیں، اس مضمون کی ایک حدیثِ پاک صفحہ نمبر:۱۷۰ پر بھی درج ہے، ان احادیثِ پاک میں چھ چیزوں کے لین دین کا ذکر کیا گیا ہے، یعنی سونا، چاندی، گیہوں، جو، چھوارے اور نمک۔

اگرچہ ان کے ساتھ اُردو ترجمہ تو لکھا ہے مگر تشریح ایسی نہیں جو عام آدمی سمجھ سکے کہ ان اشیاء کے لین دین کا کون سا طریقہ

---

(۱) (وعلته) أي علة تحريم الزيادة (القدر) المعهود بكيل أو وزن (مع الجنس فإن وجدا حرم الفضل) أي الزيادة (والنسأ) بالمد التأخير فلم يجز بيع قفيز بُرٍّ بقفيز منه متساويًا وأحدهما نسأ (وإن عدما) بكسر الدال من باب علم (حلا) كهروى بمرويين لعدم العلة فبقي على أصل الإباحة (وإن وجد أحدهما) أي القدر وحده أو الجنس (حل الفضل وحرم النسأ)۔ (در مختار مع ردالمحتار ج:۵ ص:۱۷۲، باب الربا، وأيضًا: في الهداية ج:۳ ص:۷۹، باب الربا)۔

(۲) عن عبادة بن الصامت عن النبي صلى الله عليه وسلم قال: الذهب بالذهب مثلًا بمثلٍ، والتمر بالتمر مثلًا مثلٍ، والبُرّ بالبُرّ مثلًا بمثلٍ، والملح بالملح مثلًا بمثلٍ، والشعير بالشعير مثلًا بمثل، فمن زاد أو ازداد فقد أربى، بيعوا الذهب بالفضة كيف شئتم يدًا بيدٍ وبيعوا البُرّ بالتمر كيف شئتم يدًا بيدٍ، وبيعوا الشعير بالتمر كيف شئتم يدًا بيدٍ. (رواه الترمذي، ج:۱ ص:۲۳۵، أبواب البيوع، طبع قديمي، وأيضًا: مسند أحمد ج:۲ ص:۲۳۲، وأيضًا: مشكوة ص:۲۴۴)۔ عن أبي هريرة رضي الله عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: الحنطة بالحنطة والشعير بالشعير والتمر بالتمر والملح بالملح كيلًا بكيلٍ وزنًا بوزنٍ، فمن زاد أو ازداد فقد أربى إلّا ما اختلف ألوانه۔ (مسند أحمد ج:۲ ص:۲۳۲)۔

جائز ہے اور کون سا ناجائز؟ ہمارے ہاں دیہاتوں میں یہ رواج چلا آرہا ہے کہ جس آدمی کا غلہ گھر کی ضرورت کے لئے کافی نہ ہو، یا اس کے گھر کا بیج خالص نہ ہو (زمین میں بونے کے قابل نہ ہو) تو وہ اپنے کسی رشتہ دار سے بقدرِ ضرورت جنس اُدھار لے لیتا ہے اور نئی فصل کے آنے پر اتنی ہی مقدار میں وہی جنس اس کے مالک کو لوٹا دیتا ہے، ان احادیثِ پاک کی روشنی میں کیا یہ طریقہ دُرست ہے؟

دُوسرا اِشکال یہ ہے کہ اب ملک میں گندم کی بے شمار اقسام کاشت کی جارہی ہیں اور ان کی قیمت بھی ایک دُوسرے سے مختلف ہے۔ یہاں مثال کے طور پر میں اپنے علاقے میں کاشت کی جانے والی مختلف اقسام میں سے صرف دو قسموں کا ذکر کر رہا ہوں:

۱:...گندم پاک ۸۱، اس کی قیمت مقامی منڈیوں میں ۷۰ روپے سے ۸۰ روپے فی من ہے۔

۲:...گندم سی ۵۹۱، اس کی قیمت مقامی منڈیوں میں تقریباً ۱۲۰ روپے تک فی من ہے۔

پہلی قسم کی پیداوار زیادہ ہوتی ہے، جبکہ دُوسری قسم کھانے میں بہ نسبت پہلی کے زیادہ لذیذ ہے، یہی وجہ ہے کہ ان کی قیمتوں میں ۴۰ سے ۵۰ روپے فی من تک کا فرق پایا جاتا ہے۔ اگر ان کے تبادلے کی ضرورت پیش آئے تو وہ کس طرح کیا جائے؟ قیمت کے لحاظ سے یا جنس کی مقدار کے مطابق؟ ان اِشکال کا فقہی جواب دے کر مشکور فرمادیں۔

جواب:... غلے کا تبادلہ جب غلے کے ساتھ کیا جائے تو اگر دونوں طرف ایک ہی جنس ہو، مگر دونوں کی نوع (یعنی قسم) مختلف ہو تو دونوں کا برابر ہونا اور دست بدست لین دین ہونا شرط ہے، کمی بیشی بھی جائز نہیں،[1] اور ایک طرف سے اُدھار بھی جائز نہیں۔[2] آپ نے گندم کی جو دو قسمیں لکھی ہیں، ان میں ایک من گندم کے بدلے میں مثلاً: ڈیڑھ من گندم لینا جائز نہیں، بلکہ دونوں کا برابر ہونا ضروری ہے، اگر دونوں کی قیمت کم و بیش ہے تو جنس کا تبادلہ جنس کے ساتھ نہ کیا جائے، بلکہ دونوں کا الگ الگ سودا، الگ الگ قیمت کے ساتھ کیا جائے۔[3]

---

(۱) (قوله وجيده كرديه) أي جيد ما جعل فيه الربا كرديه حتّٰى لَا يجوز بيع أحدهما بالآخر متفاضلًا لقوله عليه السلام: جيدها ورديها سواء. (البحر الرائق ج:۶ ص:۱۳۰، باب المرابحة والتولية). وفي الهداية: ولَا يجوز بيع الجيد بالردي مما فيه الربا إلّا مثلًا بمثل لَاهدار التفاوت في الوصف. (هداية ج:۳ ص:۸۰، باب الربا، أيضًا: فتاویٰ شامی ج:۵ ص:۱۷۹).

(۲) (وإن وجد أحدهما) أي القدر وحده أو الجنس (حل الفضل وحرم النسا) ولو مع التساوي، حتّٰى لو باع عبدًا بعبد إلى أجل لم يجز لوجود الجنسية. (درمختار ص:۱۷۲). أيضًا: قال أبوجعفر: ولَا يجوز بيع شيء من المكيلات بجنسه نسيئة ...... والأصل فيه قول النبي صلى الله عليه وسلم في حديث عبادة بن الصامت: وإذا اختلف النوعان فبيعوا كيف شئتم يدًا بيد، وفي بعض الألفاظ: وإذا اختلف الصنفان ...إلخ. (شرح مختصر الطحاوي ج:۳ ص:۴۲ كتاب البيوع).

(۳) عن أبي سعيد وأبي هريرة أن رسول الله صلى الله عليه وسلم استعمل رجلًا على خيبر فجاءه بتمر جنيب فقال. أكلّ تمر خيبر هكذا؟ قال: لَا والله يا رسول الله! إنا لنأخذ الصاع من هذا بالصاعين والصاعين بالثلاث، فقال. لَا تفعل، بع الجميع بالدراهم ثم ابتع بالدراهم جنيبًا۔ أيضًا: وعن أبي سعيد قال: جاء بلال إلى النبي صلى الله عليه وسلم بتمر برني فقال له النبي صلى الله عليه وسلم: من أين هذا؟ قال: كان عندنا تمر ردي فبعت منه صاعين بصاع، فقال: أوّه عين الربوٰا، لَا تفعل ولٰكن إذا أردت أن تشتري فبع التمر ببيع آخر ثم اشتر به. متفق عليه. (مشكوٰة ص:۲۴۵، كتاب البيوع، باب الربوا).

تجارت کے لئے منافع پر رقم لینا

سوال:... ایک شخص سے میں نے تجارت کے لئے کچھ رقم مانگی، وہ شخص کہتا ہے کہ تجارت میں جو منافع ہوگا اس میں میرا کتنا حصہ ہوگا؟ میں اندازاً اتنی رقم اس کو بتاتا ہوں کہ وہ رقم دینے پر راضی ہوجاتا ہے۔ آپ سے گزارش ہے کہ قرضہ لے کر اس طرح تجارت کرنا جس میں مجھ کو بھی معقول منافع کی توقع ہے کیا جائز ہے؟

جواب:... کسی سے رقم لے کر تجارت کرنا اور منافع میں سے اس کو حصہ دینا، اس کی دو صورتیں ہیں۔ ایک صورت یہ ہے کہ یہ بات طے کرلی جائے کہ تجارت میں جتنا نفع ہوگا اس کا اتنا فیصد (مثلاً: ½) رقم والے کو ملے گا، اور اتنا کام کرنے والے کو۔[1] اور اگر خدانخواستہ تجارت میں خسارہ ہوا تو یہ خسارہ بھی رقم والے کو برداشت کرنا پڑے گا۔[2] یہ صورت تو جائز اور صحیح ہے۔

دُوسری صورت یہ ہے کہ تجارت میں نفع ہو یا نقصان، اور کم نفع ہو یا زیادہ، ہر صورت میں رقم والے کو ایک مقررہ مقدار میں منافع ملتا رہے، (مثلاً: سال، چھ مہینے کے بعد دو سو روپیہ، یا کل رقم کا دس فیصد) یہ صورت جائز نہیں۔[3] اس لئے اگر آپ کسی سے رقم لے کر تجارت کرنا چاہتے ہیں تو پہلی صورت اختیار کریں۔ اور اگر رقم قرض مانگی تھی تو اس پر منافع لینا دینا جائز نہیں ہے۔[4]

کاروبار میں حلال و حرام کا لحاظ نہ کرنے والے والد سے الگ کاروبار کرنا

سوال:... ایک شخص پابند پانچ نماز، اپنے باپ کی دُکان پر باپ کے ساتھ کام کرتا ہے، باپ اس پابندِ نماز بیٹے پر (جو شادی شدہ ہے) بے جا تنقید کرتا ہے اور کہتا ہے کہ: ''تم دُکان پر دِل لگاکر کام نہیں کرتے'' باپ نہ حلال کو دیکھتا ہے اور نہ حرام کو، اب اس لڑکے کا خیال ہے کہ میں باپ سے الگ ہوکر کاروبار کروں یا نوکری وغیرہ کروں، کیا شرعاً اس کا الگ ہونا دُرست ہے یا نہیں؟

جواب:... اگر والد کے ساتھ اس کا نباہ نہیں ہوسکتا اور خود والد بھی علیحدہ ہونے کے لئے کہتا ہے تو شرعاً علیحدہ کام کرنے میں

---

(۱) ومن شرطها أن يكون الربح بينهما مشاعًا لا يستحق أحدهما منه دراهم مسماة لأن شرط ذلك يقطع الشركة لجواز أن لا يحصل من الربح إلّا تلك الدراهم المسماة قال في شرحه إذا دفع إلٰى رجل مالًا مضاربة علٰى ان ما رزق الله فللمضارب مائة درهم فالمضاربة فاسدة۔ (الجوهرة النيرة ج:۱ ص:۳۵۰، كتاب المضاربة). أيضًا: وشرطها (أى المضاربة) أمور سبعة .... وكون نصيب كل منهما معلومًا عند العقد۔ (درمختار، كتاب المضاربة ج:۵ ص:۶۴۷، ۶۴۸، طبع سعيد).

(۲) وما هلك من مال المضاربة فهو من الرِّبح دون رأس المال؛ لأنّ الربح اسم للزيادة على رأس المال؛ فلا بدّ من تعيين رأس المال حتّٰى يظهر الزّيادة وإذا زاد الهالك على الرِّبح فلا ضمان على المضارب فيه؛ لأنه أمينٌ۔ (اللّباب فى شرح الكتاب ج:۲ ص:۶۴، ۶۵)۔ أيضًا: وفى الجوهرة: وما هلك من مال المضاربة فهو من الربح دون رأس المال لأن الربح تبع لرأس المال وصرف الهلاك إلٰى ما هو التبع أولى .... وان زاد لهالك على الربح فلا ضمان على المضارب لأن مال المضاربة مقبوض علٰى وجه الأمانة فصار كالوديعة۔ (الجوهرة النيرة ج:۱ ص:۲۹۸ كتاب المضاربة، طبع بمبئى).

(۳) شرطها أى المضاربة .... (وكون الربح بينهما شائعًا فلو عين قدرًا فسدت۔ (درمختار فى الشامى ج.۵ ص:۶۴۸)۔ أيضًا: ولَا يجوز الشركة إذا شرط لأحدهما دراهم مسماة من الربح لأنه شرط يوجب إنقطاع الشركة فعساه لَا يخرج إلّا قدر المسمّٰى لأحدهما۔ (هداية ج:۲ ص:۶۳۲، كتاب الشركة، طبع مكتبه شركت علميه ملتان).

(۴) قوله كل قرض جرّ نفعًا حرام أى إذا كان مشروطًا ...إلخ۔ (فتاوىٰ شامى ج:۵ ص:۱۶۶، فصل فى القرض).

کوئی حرج نہیں، بلکہ اس کی خدمت، اور دیگر جائز اُمور میں ان کی اطاعت کو اپنے اُوپر لازم سمجھے، اس لئے کہ والدین کی خدمت واطاعت کے بارے میں بڑی اہمیت کے ساتھ قرآن وحدیث کی نصوص وارد ہوئی ہیں۔[۱]

مختلف گاہکوں کو مختلف قیمتوں پر مال فروخت کرنا

سوال:... ہمارے پاس ایک ہی قسم کا مال ہوتا ہے، جس کو ہم حالات، وقت اور گاہک کے مطابق مختلف قیمتوں پر فروخت کرتے ہیں، کیا اس طرح مختلف گاہکوں کو مختلف قیمتوں پر فروخت کرنا صحیح ہے یا ایک ہی قیمت مقرر کی جائے؟

جواب:... ہر ایک کو ایک ہی دام پر دینا ضروری نہیں ہے، کسی کے ساتھ رعایت بھی کرسکتے ہیں۔[۲] لیکن ناجائز منافع کی اجازت نہیں، اور نہ ہی کسی کی مجبوری کی بنا پر زیادہ قیمت لینے کی اجازت ہے۔[۳]

کسی سے کم اور کسی زیادہ منافع لینا

سوال:... میں کپڑے کا کام کرتا ہوں، دُکان داری میں کمی بیشی کرنا پڑتی ہے، گاہک ایک دام سے سودا نہیں لیتا، بعض گاہک کہتے ہیں کہ "منہ مانگی تو موت نہیں ملتی، آپ ایک دام کیسے کہہ رہے ہیں؟" گاہک کو کپڑے کے دام بتائے جاتے ہیں تو کمی بیشی کے بعد گاہک خرید لیتا ہے، معلوم یہ کرنا ہے کہ منافع کی کمی بیشی صحیح ہے؟ مثلاً گاہک کو ایک کپڑے کے ساٹھ روپے میٹر کے حساب سے قیمت بتائی، تو کوئی گاہک تو ساٹھ روپے ہی میں لے جاتا ہے، اور کوئی پچپن روپے میں لے جاتا ہے، اس طرح کسی سے کم، کسی سے زیادہ منافع لینا دُرست ہے یا نہیں؟

جواب:... گاہک کے ساتھ کپڑے کے بھاؤ میں کمی بیشی کرنا جائز ہے، اگر آپ ایک گاہک کو ساٹھ روپے بتاتے ہیں، اور وہ

---

(۱) قال الله تعالیٰ "وَقَضٰی رَبُّکَ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّآ اِیَّاهُ وَبِالْوَالِدَیْنِ اِحْسٰنًا، اِمَّا یَبْلُغَنَّ عِنْدَکَ الْکِبَرَ اَحَدُهُمَآ اَوْ کِلٰهُمَا فَلَا تَقُلْ لَّهُمَآ اُفٍّ وَّلَا تَنْهَرْهُمَا وَقُلْ لَّهُمَا قَوْلًا کَرِیْمًا" (الإسراء:۲۳)۔ وعن عبدالله بن عمر قال: قال رسول الله صلی الله علیه وسلم: رضی الربّ فی رضی الوالد، وسخط الربّ فی سخط الوالد. رواه الترمذی۔ (مشکوٰة ج:۲ ص:۴۱۹)۔ وعن ابن عباس قال: قال رسول الله صلی الله علیه وسلم: من أصبح مطیعًا لله فی والدیه أصبح له بابان مفتوحان من الجنّة وإن واحدًا فواحد، ومن أصبح عاصیًا لله فی والدیه أصبح له بابان مفتوحان من النّار، إن کان واحدًا فواحد، قال رجل: وإن ظلماه؟ قال: وإن ظلماه! وإن ظلماه! وإن ظلماه! (مشکوٰة ج:۲ ص:۴۲۱، باب البر والصلة، الفصل الثالث)۔

(۲) وصح الحط منه ولو بعد هلاک المبیع وقبض الثمن والزیادة والحط یلتحقان بأصل العقد. وفی الشرح: قوله وصحح الحط منه أی من الثمن وکذا من رأس مال السلم والمسلم فیه کما هو صریح کلامهم رملی علی المنح. (ردالمحتار علی الدرالمختار ج.۵ ص:۱۵۴)۔ أیضًا: وأما إذا باع بکذا من الثمن وقبل المشتری ثم أبرأه من الثمن أو وهبه أو تصدق علیه صح. (عالمگیری ج:۳ ص:۵، کتاب البیوع، الباب الأوّل، فی تعریف البیع)۔

(۳) وقد نهی النبی صلی الله علیه وسلم عن بیع المضطر .... قال الشامی: وهو أن یضطر الرجل إلٰی طعام وشراب أو غیرها ولَا یبیعه البائع إلّا بأکثر من ثمنها بکثیر وکذالک فی الشراء منه ... . قال الخطابی: إن عقد البیع مع الضرورة علی هذا الوجه جائز فی الحکم ولَا یفسخ إلّا أن سبیله فی حق الدین والمروءة أن لَا یباح علٰی هذا الوجه وأن لَا یقتات علیه بماله ولٰکن یعاون ویقرض ویستمهل له الی المیسرة. (إعلاء السُّنن ج:۱۴ ص:۲۰۵، کتاب البیوع، باب النهی عن بیع المضطر، طبع إدارة القرآن کراچی)۔

اسی قیمت پر لے جانے کے لئے راضی ہوجاتا ہے تو اِنصاف کا تقاضا یہ ہے کہ بعد میں اس کے پیسے واپس کردیئے جائیں۔[1] واللہ اعلم!

کپڑا عیب بتائے بغیر فروخت کرنا

سوال:... میں کپڑے کا بیوپار کرتا ہوں، گاہک جب کپڑے کے متعلق معلوم کرتا ہے تو میں اکثر گول مول سا جواب دے دیتا ہوں، جبکہ میں کپڑے کے بارے میں بہت کچھ جانتا ہوں۔ میں نے ایک صاحب سے سنا ہے کہ وہ مسلمان نہیں جو اپنی چیز بیچتے وقت اس کے عیب نہ بتائے۔ کیا مجھے کپڑے کو بیچتے وقت گاہک کے نہ پوچھنے کے باوجود بھی اس کے عیب بتانے چاہئیں یا اس کے پوچھنے پر ہی بتایا جائے؟ آپ کے جواب کا بے چینی سے انتظار رہے گا۔

جواب:... جی ہاں![2] ایک مسلمان کا طریقۂ تجارت یہی ہے کہ گاہک کو چیز کا عیب بتادے، یا کم سے کم یہ ضرور کہہ دے کہ: ''بھائی! یہ چیز تمہارے سامنے ہے، دیکھ لو! میں اس کے کسی عیب کا ذمہ دار نہیں۔''[3] حضرت اِمام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کپڑے کی تجارت کرتے تھے، ایک بار اپنے رفیق سے یہ فرماکر کہ: ''یہ کپڑا عیب دار ہے، گاہک کو بتادینا'' خود کہیں تشریف لے گئے، ان کے ساتھی نے حضرت اِمامؒ کی غیرحاضری میں کپڑا فروخت کردیا، آپؒ واپس آئے تو دریافت فرمایا کہ اس کپڑے کا عیب بتادیا تھا؟ اس نے نفی میں جواب دیا، آپؒ نے بہت افسوس کا اظہار فرمایا اور اس دن کی ساری آمدنی صدقہ کردی۔[4]

زبانی کلامی خرید کرکے چیز کی زیادہ قیمت قسم کھاکر بتلانا

سوال:... عمر، زید، بکر ایک ہی دُکان کرتے ہیں، آپس میں باپ اور بیٹے ہیں، عمر (باپ کا نام) ایک چیز خرید کے آتا ہے ۱۴ روپے کی، وہ زید (یعنی لڑکے کو) ۱۶ روپے میں زبانی بیچ دیتا ہے، تو زید اسی چیز کو زبانی بکر (یعنی بھائی کو) ۲۰ روپے میں بیچ دیتا ہے، پھر جب کوئی گاہک وہ چیز خریدنے آتا ہے تو بکر قسم کھاکر کہتا ہے کہ: ''میں نے یہ چیز ۲۰ روپے میں خریدی ہے'' عمر یا زید، بکر سے پوچھتے ہیں کہ یہ چیز کتنے کی خریدی تھی؟ (تھوک قیمت) تو وہ قسم اُٹھاکر گاہک کو بتلادیتا ہے کہ ۲۰ روپے کی، پھر وہ چیز ۲۴ یا ۲۵ روپے

---

(۱) وصح الحط منه أی من الثمن وكذا من رأس المال السلم والمسلم فيه۔ (رد المحتار ج:۵ ص:۱۵۴، كتاب البيوع، باب المرابحة والتولية)۔ وأيضًا: وأما إذا باع بكذا من الثمن وقبل المشترى ثم أبرأه من الثمن أو وهبه أو تصدق عليه صح۔ (عالمگیری ج:۳ ص:۵، كتاب البيوع)۔

(۲) (فروع) لا يحل كتمان العيب فی مبيع أو ثمن لأن الغش حرام إلّا فی مسئلتين، قال ابن عابدين (قوله الغش حرام) ذكر فی الخير إذا باع سلعة معيبة عليه البيان وإن لم يبين قال بعض مشائخنا يفسق وترد شهادته ... إلخ۔ (ردالمحتار على الدرالمختار ج:۵ ص:۴۷، وأيضًا: بحر الرائق ج:۶ ص:۲۵)۔

(۳) وفی الشامية. (قوله وصح البيع بشرط البراءة من كل عيب) بأن قال: بعتك هٰذا العبد علىٰ إنّی برئ من كل عيب۔ (ردالمحتار ج:۵ ص:۴۲ مطلب فی البيع بشرط البراءة)۔

(۴) عن علی بن حفص البزاز قال: كان حفص بن عبدالرحمٰن شريك أبی حنيفة (وكان أبو حنيفة يجهز عليه) فبعث إليه أبو حنيفة بمتاع وأعلمه أن فی ثوب كذا وكذا عيبًا فإذا بعتهٗ فبيّن، فباع حفص المتاع ونسی أن يبيّن (العيب) ولم يعلم ممن باعهٗ، فلما علم أبو حنيفة تصدق بثمن المتاع كله وكان ثلاثين ألف درهم وفاصل شريكهٗ۔ (عقود الجمان فی مناقب الإمام الأعظم النعمان ص:۲۲۰، ۲۲۱)۔

میں بیچ دی جاتی ہے۔ آیا اسلام میں ایسی کوئی زبانی جمع خرچ کرکے قسمیں کھا کر تجارت کرنا صحیح ہے؟

جواب:... یہ محض فریب و دھوکا ہے، اور یہ تجارت دھوکے کی تجارت ہے۔[1]

دُکان داروں کا ہاتھ میں قرآن لے کر چیز کم پر نہ بیچنے کا حلف اُٹھانا

سوال:... ہم کچھ دُکان دار ہاتھ میں قرآن پاک لے کر یہ عہد کرتے ہیں کہ ہم سب کمپنی کی مقرر کردہ قیمت سے کوئی سامان کم قیمت پر فروخت نہیں کریں گے، کیا یہ حلف اُٹھانا شرعی اِعتبار سے دُرست ہے؟

جواب:... ایسا حلف اُٹھانا دُرست نہیں، اور حلف اُٹھا کر اگر توڑ دیا ہو تو قسم کا کفارہ یعنی دس مسکینوں کو دو وقت کا کھانا کھلانا یا اس کی قیمت ادا کردینا ضروری ہے۔[2]

خرید و فروخت میں جھوٹ بولنے سے کمائی حرام ہوجاتی ہے

سوال:... آج کل کاروباری دُنیا میں منافع حاصل کرنے کے لئے اکثر و بیشتر جھوٹ بولا جاتا ہے۔ ایک پارٹی سے طے ہوا کہ میں اس کا کیمیکل ۴۵ روپے کے حساب سے فروخت کرواؤں گا، جبکہ کیمیکل میں نے ۵۰ روپے کے حساب سے بیچا، اور پارٹی کو یہ بتایا کہ کیمیکل ۴۲ روپے کے حساب سے فروخت ہوا، وہ اس پر رضامند ہوگئے اور میں نے ۴۲ روپے کے حساب سے ان کو رقم دے دی۔ معلوم یہ کرنا ہے کہ اس طرح جھوٹ بول کر جو میں نے ۸ روپے کے حساب سے منافع کمایا، وہ میرے لئے حلال ہے؟ اگر حلال نہیں تو اس کو پاک کرنے کا کیا طریقہ ہے؟

جواب:... جھوٹ بول کر کمائی کرنا حرام ہے، اور اس کے حلال کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ اس پارٹی کو صحیح حقیقت بتادی جائے اور اس سے معافی مانگ لی جائے۔[3]

---

(۱) باب الحلف الواجب للخديعة في البيع۔ عن أبي هريرة رضي الله عنه عن رسول الله صلى الله عليه وسلم: ثلاثة لا يكلّمهم الله عزّ وجلّ ولا ينظر إليهم يوم القيامة ولا يزكّيهم ولهم عذاب اليم ...... ورجلٌ ساوم رجلًا على سلعة بعد العصر فحلف له بالله لقد أعطى بها كذا وكذا فصدقه الآخر۔ وفي رواية: والمنفق سلعته بالكذب۔ (رواه النسائي ج:۲ ص:۲۱۲)۔ أيضًا: عن أبي هريرة رضي الله عنه أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: آية المنافق ثلاث: إذا حدّث كذب، وإذا وعد أخلف ...إلخ۔ (نسائي شريف ج:۲ ص:۲۳۲، بخاري ج:۱ ص:۳۸۴)۔

(۲) "فَكَفَّارَتُهٗ إِطْعَامُ عَشَرَةِ مَسٰكِيْنَ مِنْ اَوْسَطِ مَا تُطْعِمُوْنَ اَهْلِيْكُمْ اَوْ كِسْوَتُهُمْ اَوْ تَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ ...إلخ۔ (المائدة:۸۹)۔ وكفارة اليمين عتق رقبة ..... وإن شاء أطعم عشرة مساكين وتجزئ في الإطعام التمليك والتمكين فالتمليك أن يعطي كل مسكين نصف صاع من بُرّ أو دقيقه أو سويقه .... وأما ما عدا هذه الحبوب .... فلا يجزيه إلّا على طريق القيمة۔ (الجوهرة ج:۲ ص:۲۹۲، كتاب الأيمان)۔

(۳) عن أبي هريرة رضي الله عنه أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: آية المنافق ثلاث: إذا حدّث كذب، وإذا وعد أخلف، وإذا اؤتمن خان۔ (نسائي ج:۱ ص:۲۳۲، بخاري ج:۱ ص:۳۸۴)۔ عن أبي ذر رضي الله عنه أنه سمع رسول الله صلى الله عليه وسلم: من ادعى ما ليس له فليس منّا، وليتبوأ مقعده من النار۔ (مشكوة ص:۳۲۷ باب الأقضية والشهادات، طبع قديمي)۔

خالص دُودھ زیادہ قیمت میں اور پانی ملا گورنمنٹ ریٹ پر بیچنے والے کا حکم

سوال:...دُودھ کی قیمت حکومت نے ۹ روپے کلو مقرّر کی ہے، لیکن ایک صاحب کہتے ہیں کہ میں دُودھ ۱۱ روپے کلو دُوں گا، کیونکہ اس میں پانی نہیں ملاتا۔ دُوسرا آدمی کہتا ہے کہ میں مقررہ قیمت پر دُودھ دُوں گا لیکن اس کی خالص ہونے کی گارنٹی نہیں دیتا۔ سوال یہ ہے کہ ان دونوں میں کون سچا ہے؟ ایک دُودھ میں پانی ملاتا ہے اور دُوسرا ۲ روپے اِضافے سے فروخت کرتا ہے۔ میں یہ سمجھتا ہوں کہ ان دونوں میں کوئی فرق نہیں بلکہ دونوں خدا کے سامنے مجرم ہیں۔

جواب:...دُودھ میں پانی ملانے والا تو مجرم ہے ہی،[1] جبکہ وہ خالص دُودھ کہہ کر بیچتا ہو، اور جو شخص ۱۱ روپے میں خالص دُودھ دیتا ہے، اگر اس کے مصارف اُٹھانے کے بعد اس کی بچت بس بقدرِ مناسب ہی بچتی ہے، تو وہ مجرم نہیں، اور اگر ناجائز منافع خوری کا مرتکب ہے تو مجرم ہے۔[2] آپ نے جو لکھا ہے کہ ”آپ کے نزدیک کوئی فرق نہیں“ یہ نظر کی کمزوری ہے، ورنہ دونوں کے درمیان وہی فرق ہے جو اُونٹ اور گدھے کے درمیان ہے...!

چائے میں چنے کا چھلکا ملاکر بیچنے والے کی دُکان کے ملازم کا ہدیہ

سوال:...ہمارا ایک رشتہ دار ایسی دُکان میں ملازم ہے جس میں چائے میں چنے کا چھلکا ملاکر بیچا جاتا ہے، اس شخص کی کمائی کیسی ہے؟ نیز اگر وہ ہدیہ دے تو اس کا لینا کیسا ہے؟

جواب:...اس کی اُتنی کمائی تو حرام ہے جس قدر اس نے ملاوٹ کی ہے،[3] اور اس کا ہدیہ لینا بھی جائز نہیں ہے جبکہ اس کی غالب آمدنی حرام ہو۔[4]

کسی کی مجبوری کی بنا پر زیادہ قیمت وصولنا بددیانتی ہے

سوال:...بعض مرتبہ ایسا گاہک سامنے آتا ہے جس کے بارے میں ہمیں یقین ہوجاتا ہے کہ یہ ہمارے یہاں سے ضرور مال خریدے گا، کبھی مارکیٹ میں کہیں مال نہ ہونے کی بنا پر، کبھی کسی اور بنا پر، ایسی صورت میں ہم اس گاہک سے فائدہ اُٹھاتے ہوئے مارکیٹ سے زائد پر مال فروخت کرتے ہیں، کیا اس طرح کی زیادتی جائز ہے؟

---

(۱) لا یحل کتمان العیب فی مبیع أو ثمن لأن الغش حرام .... إذا باع سلعة معیبة علیه البیان وإن لم یبین قال بعض مشائخنا یفسق وترد شهادته۔ (رد المحتار علی الدر المختار ج:۵ ص:۴۷، باب خیار العیب)۔

(۲) قال ابن عابدین: التسعیر حجر معنی، لأنه منع عن البیع بزیادة فاحشة۔ (رد المحتار ج:۶ ص:۴۰۱)۔

(۳) ایضاً حاشیہ نمبر۱ ملاحظہ ہو۔

(۴) إذا کان غالب مال المهدی حلالًا، فلا بأس بقبول هدیته وأکل ماله ما لم یتبین أنه من حرام۔ (الأشباه والنظائر ص:۱۲۵، طبع إدارة القرآن کراچی)۔ ایضًا: أهدی إلی رجل شیئًا أو أضافه إن کان غالب ماله من الحلال فلا بأس إلّا أن یعلم بأنه حرام فإن کان الغالب هو الحرام ینبغی أن لا یقبل الهدیة ولا یأکل الطعام۔ (عالمگیری ج:۵ ص:۳۴۲، کتاب الکراهیة، الباب الثانی عشر فی الهدایا والضیافات، طبع رشیدیه کوئٹه)۔

جواب:... شرعاً تو جتنے داموں پر بھی سودا ہوجائے جائز ہے، لیکن کسی کی مجبوری یا ناواقفیت کی وجہ سے زیادہ وصول کرنا کاروباری بددیانتی ہے۔[1]

گاہکوں کی خرید و فروخت کرنا ناجائز ہے

سوال:... اخبار بیچنے والے اور دُودھ بیچنے والے جب اخبار اور دُودھ گھر گھر پہنچانے کا اپنا کاروبار خوب مستحکم کرلیتے ہیں تو کچھ عرصہ بعد پورے علاقے کو کسی نئے تاجر کے پاس فروخت کردیتے ہیں، گویا یہ ایک قسم کی "پگڑی" ہوتی ہے، کیا یہ کمائی ان کی شرعاً جائز ہے؟

جواب:... دریا کی مچھلیوں کا ٹھیکے پر دینا، چونگی ٹھیکے پر دینا، فقہاء نے دونوں کو ناجائز لکھا ہے۔[2] اسی طرح گاہکوں کو بیچ دینا بھی ناجائز ہے،[3] اور اس سے حاصل ہونے والی رقم حرام ہے۔

خرید شدہ مال کی قیمت کئی گنا بڑھنے پر کس قیمت پر فروخت کریں؟

سوال:... اگر کسی چیز کی موجودہ قیمت، خرید سے کئی گنا زائد ہوچکی ہے، اب اس کی قیمتِ فروخت کا تعین کس طرح کیا جائے؟

جواب:... جو چیز لائقِ فروخت ہو، یہ دیکھا جائے کہ بازار میں اس کی کتنی قیمت اس وقت مل سکتی ہے؟ اتنی قیمت پر فروخت کردی جائے۔

شوہر کی چیز بیوی بغیر اس کی اجازت کے نہیں بیچ سکتی

سوال:... ایک شخص جبکہ اپنے گھر میں موجود نہیں اور اس کی بیوی کسی وکیل کو پکڑ کر کوئی چیز وغیرہ فروخت کردے، جبکہ شوہر کو معلوم ہونے کے بعد غصہ آیا اور فوراً ایک خط انکار کا بھیجا، کیا یہ تصرف عورت کا جائز ہے؟

جواب:... عورت کا شوہر کی کسی چیز کو اس کی اجازت کے بغیر بیچنا صحیح نہیں، شوہر کو اختیار ہے کہ معلوم ہونے کے بعد اس

---

(۱) وقد نهى النبي صلى الله عليه وسلم عن بيع المضطر .... قال الخطابي: إن عقد البيع مع الضرورة على هٰذا الوجه جائز في الحكم ولَا يفسخ إلّا أن سبيله في حق الدين والمروءة أن لَا يباع على هٰذا الوجه. (إعلاء السُّنن ج:۱۴ ص:۲۰۵، باب النهي عن بيع المضطر).

(۲) الإجارة إذا وقعت على العين لَا يجوز فلا يصح إستئجار الأجام والحياض لصيد السمك. (بزازية في عالمگيری ج:۵ ص:۴۸). وأيضًا: ولَا يجوز بيع السمك قبل أن يصطاد لأنه باع ما لَا يملكه ولَا حظيرة إذا كان لَا يؤخذ إلّا بصيد لأنه غير مقدور التسليم ...إلخ. (هداية ج:۳ ص:۵۵، باب البيع الفاسد). بيع السمك في البحر والبئر لَا يجوز. (فتاوى عالمگيری ج:۳ ص:۱۱۳، كتاب البيوع، الباب التاسع، الفصل الرابع في بيع الحيوانات).

(۳) ولَا يجوز الإعتياض عن الحقوق المجردة كحق الشفعة. (درمختار في الشامي ج:۴ ص:۵۱۸، كتاب البيوع، مطلب لَا يجوز الإعتياض ...إلخ. أيضًا: الأشباه والنظائر ص:۲۴۹ كتاب البيوع، الفن الثاني، طبع إدارة القرآن).

سودے کو جائز رکھے یا مسترد کردے۔[۱]

کسی کو لاکھ کی گاڑی دِلوا کر ڈیڑھ لاکھ لینا

سوال:... میرے کچھ دوست زرعی اجناس کے علاوہ کاروں، ٹرکوں کا کاروبار بھی کچھ اس طرح کرتے ہیں کہ کسی پارٹی کو وہ ایک کار خرید کر دیتے ہیں، اور یہ طے کرتے ہیں کہ ''اس ایک لاکھ کی رقم پر جس سے کار دِلوائی گئی ہے، اس پر مزید ۵۰ ہزار روپے زیادہ وصول کروں گا'' اس کے لئے وقت کم و بیش سال یا ڈیڑھ سال مقرّر کرتے ہیں، اور میرے خیال میں جو لوگ سود کا کاروبار کرتے ہیں وہ بھی رقم پر سود اور اس کی واپسی پہلے طے کرتے ہیں۔

جواب:... اگر ایک لاکھ کی خود کار خرید لی اور سال ڈیڑھ سال اُدھار پر ڈیڑھ لاکھ کی کسی کو فروخت کردی تو جائز ہے۔[۲] اور اگر کار خریدنے کے خواہشمند کو ایک لاکھ روپے قرض دے دیئے اور یہ کہا کہ: ''ڈیڑھ سال بعد ایک لاکھ پر پچاس ہزار زیادہ وصول کروں گا'' تو یہ سود ہے اور قطعی حرام ہے۔[۳]

کیا گاڑی خریدنے کی یہ صورت جائز ہے؟

سوال:... کچھ دن پہلے میں نے ایک عدد گاڑی درج ذیل طریقے سے حاصل کی تھی، آپ بغیر کسی چیز کا لحاظ رکھتے ہوئے اس کا جواب تحریر فرمائیں، تاکہ ہم حکمِ خداوندی اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقے کو چھوڑنے والے نہ بنیں۔

گاڑی کی قیمت: ۹۵,۰۰۰ روپے

---

(۱) عن أبی أمامة قال: سمعت رسول الله صلی الله علیه وسلم یقول فی خطبته عام حجة الوداع: لَا تنفق امرأة شیئًا من بیت زوجها إلّا بإذن زوجها، قیل: یا رسول الله! ولَا لطعام؟ قال: ذلک أفضل أموالنا۔ (مشکوٰة ج:۱ ص:۱۷۲، باب صدقة المرأة من مال الزوج، ترمذی ج:۱ ص:۱۴۵)۔ أیضًا: ومن باع ملک غیره بغیر أمره، فالمالک بالخیار: إن شاء أجاز البیع وإن شاء فسخ۔ (الهدایة ج:۳ ص:۸۸ کتاب البیوع، باب الإستحقاق طبع شرکت علمیه ملتان)۔ ومن باع ملک غیره فللمالک أن یفسخه ویجیزه إن بقی العاقدان والمعقود علیه، وله وبه لو عرضا یعنی أنه صحیح موقوف علی الإجازة۔ (البحر الرائق ج:۶ ص:۱۶۰ باب الإستحقاق، فصل فی بیع الفضولی، طبع دار المعرفة بیروت)۔

(۲) لأن للأجل شبهًا بالمبیع ألا تریٰ أنه یزاد فی الثمن لأجل الأجل۔ (هدایة ج:۳ ص:۷۰ باب المرابحة والتولیة، طبع شرکت علمیه)۔ وفی البحر الرائق ج:۶ ص:۱۲۴، ۱۲۵ باب المرابحة (طبع دار المعرفة)۔ لأن للأجل شبهًا بالبیع ألا تریٰ أنه یزاد فی الثمن لأجل الأجل .... الأجل فی نفسه لیس بمال ولَا یقابله شیء حقیقة إذا لم یشرط زیادة الثمن بمقابلته قصدًا، ویزاد فی الثمن لأجله إذا ذکر الأجل بمقابلته زیادة الثمن قصدًا، فاعتبر مالًا فی المرابحة إحترازًا عن شبهة الخیانة ولم یعتبر ولَا فی حق الرجوع عملًا بالحقیقة۔ وفی المبسوط للسرخسی ج:۱۳ ص:۹ باب البیوع الفاسدة: وإذا عقد العاقد علی أنه إلی أجل کذا بکذا، وبالنقد بکذا، أو قال: إلی شهر بکذا، أو إلی شهرین بکذا، فهو فاسد، لأنه لم یعاطه علی ثمن معلوم، ونهی النبی صلی الله علیه وسلم من شرطین فی بیع ...... وهذا إذا افترقا علی هذا، فإن کان یتراضیان بینهما ولم یفرقا حتّٰی قاطعه علی ثمن معلوم وأتما العقد علیه فهو جائز۔

(۳) عن علیّ أمیر المؤمنین مرفوعًا: کل قرض جر منفعة فهو ربًا۔ وقال فی الشرح: وکل قرض شرط فیه الزیادة فهو حرام بلا خلاف۔ (إعلاء السُّنن ج:۱۴ ص:۵۱۲، طبع إدارة القرآن، أیضًا فیض القدیر ج:۹ ص:۴۴۸۷، طبع بیروت)۔

جو رقم نقد ادا کی گئی: ۲۰,۰۰۰ روپے

بقایا رقم: ۷۵,۰۰۰ روپے

چونکہ جس شخص سے گاڑی لی گئی تھی اس سے گاڑی اس صورت میں لینا طے پائی تھی کہ گاڑی جتنی بھی قیمت کی ہوگی ہم گاڑی فروخت کرنے والے شخص کو ۵۰,۰۰۰ کی رقم پر ۱۱,۰۰۰ روپے مزید ادا کریں گے، لہٰذا اس صورت میں جو ان کی ۷۵,۰۰۰ روپے کی رقم تھی اس پر وہ ہم سے ۱۶,۵۰۰ روپے اسی شرط کے مطابق وصول کریں گے۔ جو رقم انہوں نے گاڑی خریدنے میں صرف کی وہ ۷۵,۰۰۰ روپے، واجب الادا رقم جو اَب ہم ان کو ادا کریں گے ۹۱,۵۰۰ روپے بنتی ہے، اور یہ رقم ہم ان کو ۱۵ ماہ کے عرصے میں ادا کرنے کے مجاز ہوں گے۔

جواب:... گاڑی کا سودا کرنے کی یہ صورت تو صحیح نہیں ہے کہ اتنے روپے پر اتنے روپے مزید لیں گے۔ گاڑی والا گاڑی خریدے، اس کے بعد وہ جتنے روپے کی چاہے بیچ دے اور اپنا نفع جتنا چاہے لگالے تو یہ صورت صحیح ہوگی۔[1]

رقم دے کر کپڑا ابک کروائے لیکن قبضہ نہ کرے، بلکہ جب ریٹ زیادہ ہو تو آگے بیچ دے، تو کیا یہ جائز ہے؟

سوال:... پچھلے سال میں نے ایک پاورلومز کے مالک کو کچھ رقم دی کہ آج جو کپڑے کا بھاؤ ہے اس ریٹ پر میرا اتنے میٹر کپڑا ابک کرلیں، کپڑا آپ کے پاس ہی رہے گا، جب ریٹ زیادہ ہوگا تو میں آپ سے کہہ دُوں گا کہ میرا کپڑا فروخت کردو، آپ میرا کپڑا بیچ کر رقم مجھے دے دینا۔ مالک نے کہا کہ اگر آپ کپڑا لینا چاہیں تو لے لیں، ورنہ پرچی لے جائیں، میں نے پرچی لینے کو ترجیح دی تاکہ نہ کپڑا سنبھالنا پڑے، نہ رکھوالی کرنا پڑے۔ اس نے کپڑا فروخت کرکے رقم مجھے دے دی۔

دُوسری دفعہ یہ ہوا کہ میں نے رقم دے کر پرچی لے لی، کچھ عرصے کے بعد بھاؤ گرگیا، جو قیمتِ خرید سے کم تھا، مالک نے کہا کہ اگر میں ۴ یا ۵ ماہ تک رقم نہ لوں اور وہ رقم مالک اپنے کاروبار میں لگائے رکھے تو مجھے ڈھائی روپے فی میٹر قیمتِ خرید سے زیادہ دے گا، جبکہ منڈی میں ریٹ قیمتِ خرید سے کم ہے۔ میں نے مالک سے کہا کہ تم ساڑھے تین روپے فی میٹر دو، مگر وہ ڈھائی روپے فی میٹر سے زیادہ دینے پر رضامند نہ ہوا۔

اس سے قطعِ نظر میں نے ایک جگہ پڑھا ہے کہ جب تک سامان پر مشتری کا قبضہ نہ ہوجائے، یا سامان متعین نہ ہوجائے تب تک وہ اُسے آگے فروخت نہیں کرسکتا۔ اگر یہ دُرست ہے تو کپڑا فروخت کرتے وقت اگر مالک سے یہ کہہ دیا جائے کہ میرا کپڑا کون سا ہے؟ مجھے دِکھادو، مالک کپڑا دِکھادے کہ یہ کپڑا ہے، اور میں کپڑا دیکھ کر اسے کہہ دُوں کہ اسے بیچ کر مجھے رقم دے دی جائے، تو کیا یہ سودا صحیح ہوجائے گا؟ اس کے علاوہ اُوپر ذِکر کی گئی سودے کی دونوں صورتوں کے بارے میں بھی بتائیں کہ وہ شرعاً جائز ہیں یا نہیں؟

---

(۱) طلب الزيادة بطريق التجارة غير محرم في الجملة قال الله تعالٰى: ليس عليكم جناح أن تبتغوا فضلًا من ربكم. (تفسير مظهري ج ۱ ص۔ ۲۹۹، طبع اشاعت العلوم دهلي)۔

جواب:... پہلی اور دُوسری صورت شرعاً صحیح نہیں، اور یہ جو آپ نے مسئلہ لکھا ہے کہ خریدی ہوئی چیز پر قبضہ ہوجائے، یہ مسئلہ صحیح ہے۔ لیکن جب آپ کسی سے کوئی چیز خریدیں تو وہ چیز متعین طور پر آپ کے قبضے میں آگئی، آپ اس کو اُٹھوا کر چاہے اسی کے پاس امانت رکھ دیں، تو یہ صحیح ہے۔[1]

جو مال اپنے قبضے میں نہ ہو اُس کا آگے سودا کرنا

سوال:... ہمارا پیشہ تجارت ہے، ہمیں دُوسرے ملکوں سے کسی تاجر کا ٹیلیفون آتا ہے، جو کہتا ہے کہ ہمیں ۱۰۰ ٹن چاول چاہئے، ہم اس سے اسی وقت نرخ مقرّر کرکے اور نمونے کے مطابق مال دینے کی تاریخ مقرّر کرتے ہیں، اس کے بعد ہم مارکیٹ سے مال خرید کر اُن کو دیتے ہیں، مال تو مارکیٹ میں موجود ہوتا ہے، لیکن ہمارے قبضے اور ملکیت میں نہیں ہوتا، کیا اس طرح سودا کرنا دُرست ہے؟

جواب:... یہ مال دینے کا وعدہ ہے، اگر وہ اس مال کو قبول کرلے تو گویا وعدے کا ایفا ہوگیا، اور سودا صحیح ہوگیا، اور اگر قبول نہ کرے تو سودا نہیں ہوا، واللہ اعلم!

فلیٹ قبضے سے پہلے فروخت کرنا، نیز اس رقم کو اِستعمال کرنا

سوال:... میں نے ایک فلیٹ بک کرایا تھا جو کہ اگلے سال ملے گا، کیا اس کو رکھوں یا بیچ دُوں؟ کیونکہ ابھی مجھے اس کے زیادہ پیسے ملیں گے، مطلب یہ کہ جتنے میں نے جمع کرائے ہیں اس سے زیادہ، کیونکہ اب اس کی قیمت بہ نسبت اس کے کہ جب یہ بک کرایا تھا، زیادہ ہے۔

جواب:... اگر پیسے ادا کرنے سے پہلے آپ کو قبضہ دیا جاچکا ہے تو بیچنا جائز ہے، ورنہ نہیں۔[2]

سوال:... اس پیسے کو جو فلیٹ بیچ کر ملے گا یعنی جمع کرانے سے زیادہ جسے ہم پریمیم کہتے ہیں، اس کو رکھ سکتا ہوں؟

جواب:... اُوپر کی شرط کے مطابق اگر فروخت کیا تو زائد رقم حلال ہے۔[3]

سوال:... اس پیسے کو جو فلیٹ سے ملے گا اُدھار کے طور پر بھائیوں کو دے سکتا ہوں؟

جواب:... اگر رقم حلال ہے تو جس کو چاہے دیں۔

---

(۱) قال أبو جعفر ولَا يجوز بيع ما لم يقبض من الأشياء المبيعة إلّا العقار .... انما تعتبر التخلية في جواز البيع، وتقام مقام النقل فيما يتأتى فيه القبض الحقيقي۔ (شرح مختصر الطحاوی ج:۳ ص:۱۱۰، ۱۱۱، كتاب البيوع)۔

(۲) قال الخجندی: إذا اشترىٰ منقولًا لَا يجوز بيعه قبل القبض لَا من بائعه ولَا من غيره .... . وقال محمد. لا يجوز بيع العقار قبل القبض اعتبارًا كالمنقول۔ أيضًا "ان المرابحة انما تصح بعد القبض ولَا تصح قبله۔" (الجوهرة النيرة ج:۱ ص:۲۱۲، ۲۱۳، كتاب البيوع، باب المرابحة والتولية، طبع مجتبائی دهلی)۔

(۳) أيضًا۔

کسی چیز کا سودا کر کے قبضے سے پہلے اُس کا سیمپل دِکھا کر آرڈر لینا

سوال:... ہمارے ہاں کاروبار کی شکل کچھ اس طرح ہے کہ میں کسی صاحب سے کچھ خریدنا چاہتا ہوں، اس سے مال کا نمونہ لے کر کچھ دیر کا وقت لیتا ہوں، پھر اسی نمونے کو بازار میں مختلف لوگوں کو دِکھاتا ہوں اور نفع کے ساتھ قیمت بتاتا ہوں، اگر کوئی صاحب اس مال کو لینے کے لئے تیار ہو جاتے ہیں تو پھر میں اس مال کو خرید لیتا ہوں، یعنی جب میں لوگوں کو مال کا نمونہ دِکھا کر فروخت کر رہا ہوتا ہوں، اس وقت تک میں خود اس مال کا مالک نہیں ہوتا، جب وہ فروخت ہو جاتا ہے تو پھر خرید لیتا ہوں، کیا اس طرح کرنا صحیح ہے؟

جواب:... آدمی جس چیز کا مالک نہیں، اس کو آگے بیچ بھی نہیں سکتا، اس لئے اگر کسی سے آپ مال لیتے ہیں یعنی نمونے کے طور پر اور گاہک کو وہ نمونہ دِکھاتے ہیں تو نہ تو آپ نے اس چیز کو خریدا اور نہ اس چیز کو بیچا، البتہ اس کے ساتھ خریدنے کا اور بیچنے کا وعدہ کیا، لہٰذا جب تک کہ آپ چیز خرید نہیں لیتے اس شخص کے ذمے اس چیز کا دینا ضروری نہیں، اور جب تک اس کو بیچ نہیں دیتے گاہک کے ذمے اس کا خریدنا ضروری نہیں۔ [1]

گاڑی پر قبضے سے پہلے اس کی رسید فروخت کرنا

سوال:... اگر کوئی شخص ایک گاڑی دس ہزار روپے میں بک کراتا ہے، اور وہ گاڑی اس کو چھ مہینے پہلے بک کرائی ہے، تو جب اس کی گاڑی چھ مہینے میں نکلے تو اس کو اس وقت اس میں کچھ نفع ہو تو وہ گاڑی بغیر نکالے صرف ''رسید'' فروخت کر سکتا ہے؟ یا پورے پیسے بھر کر پھر گاڑی کو فروخت کرے؟ اس طرح دُکان کا بھی، گھر کا بھی اور پلاٹ کا بھی مسئلہ بیان کریں۔

جواب:... جو چیز خریدی جائے جب تک اس کو وصول کر کے اس پر قبضہ نہ کر لیا جائے، اس کا آگے فروخت کرنا جائز نہیں۔ دُکان، مکان اور پلاٹ کا بھی یہی مسئلہ ہے کہ جب تک ان پر قبضہ نہ ہو جائے ان کی فروخت جائز نہیں۔ گویا اُصول اور قاعدہ یہ ٹھہرا کہ قبضے سے پہلے کسی چیز کو فروخت کرنا صحیح نہیں۔ [2]

معاہدے کی خلاف ورزی پر زرِ ضمانت ضبط کرنے کا حق

سوال:... عبدالغفار نے ایک مسجد کی دُکان کرایہ پر لی، اور اقرارنامہ و کرایہ نامہ سرکاری اسٹامپ پر تحریر کیا۔ اس کی شرط نمبر ۲ میں ہے کہ: ''دُکانِ مذکور میں نے اپنے کاروبار کے لئے لی ہے، جب تک کرایہ دار خود آباد رہے گا صرف اپنا کاروبار کرے گا، اور کسی بھی شخص کو اس میں رکھنے کا یا کاروبار کرانے کا مجاز نہ ہوگا، اور نہ اس دُکان کو کسی ناجائز ذریعہ سے کسی دُوسرے شخص کو ٹھیکے یا پگڑی

---

(۱) وشرط المعقود علیه .... کونه موجودًا مالًا متقومًا مملوکًا فی نفسه. (رد المحتار ج ۴ ص:۵۰۵ کتاب البیوع، مطلب شرائط البیع أنواع أربعة). أیضًا وأما شرطه .... منها فی المبیع وهو أن یکون موجودًا فلا ینعقد بیع المعدوم وماله خطر العدم کبیع نتاج النتاج والحمل کذا فی البدائع وأن یکون مملوکًا فی نفسه ... إلخ. (عالمگیری ج:۳ ص ۲).

(۲) ومن اشتری شیئًا مما ینقل ویحول لم له یجز بیعه حتی یقبضه .... ولم یقل لم یجز ان یتصرف فیه لیفع المسئلة علی الإتفاق وقال محمد لا یجوز بیع العقار قبل القبض اعتبار بالمنقول وصار کالإجارة والإجارة لا تجوز قبل القبض إجماعًا علی الصحیح. (الجوهرة النیرة ص:۲۱۲ باب المرابحة، الترمذی ج:۱ ص:۲۳۳).

پردے گا، اس قسم کی تحریری اجازت کمیٹی مذکور سے لازمی ہوگی۔" لیکن کچھ عرصہ بعد عبدالغفار بغیر کسی اطلاع کے دُکانِ مذکور کسی کو پگڑی پردے کر غائب ہوگیا اور موجودہ شخص کہتا ہے کہ: "اب کرائے کی رسیدیں میرے نام بناؤ" آپ بتائیں منتظمہ کمیٹی ان سے کیا سلوک کرے؟ نیز عبدالغفار کا زَرِضمانت جمع ہے، جو دُکان خالی کرنے پر واپس کردیا جائے گا۔

جواب:... عبدالغفار کرایہ دار کو اِقرارنامے کی خلاف ورزی نہیں کرنی چاہئے تھی،[1] اب مسجد کمیٹی چاہے تو دُوسرے کرایہ دار کی توثیق کرسکتی ہے۔ البتہ مسجد کمیٹی کو زَرِضمانت ضبط کرنے کا حق شرعاً نہیں ہے۔[2]

کفالت اور ضمانت کے چند مسائل

سوال:... میں دراصل کفالت (ضمانت) کے بارے میں معدودے چند سوالات کرنا چاہتا ہوں کہ آیا مدعی کے مطالبے پر وقتِ معین پر مدعا علیہ کا حاضر کرنا ضروری ہے، اگر کفالت میں یہ شرط ہو کہ: "میں وقتِ مقرّرہ پر مدعا علیہ کو حاضر کردُوں گا" اگر وہ وقتِ مقرّرہ پر حاضر نہ کرے تو حاکم، ضامن کے ساتھ کیا سلوک کرنے کا مجاز ہے؟

جواب:... اگر مدعا علیہ کے ذمہ مال کا دعویٰ ہے تو اس کے وقتِ مقرّرہ پر حاضر نہ ہونے کی صورت میں وہ مال کفیل سے وصول کیا جائے گا۔[3] اور اگر ضمانت صرف اس شخص کو حاضر کرنے کی تھی اور کفیل اسے حاضر نہ کرسکا تو مدعی کے مطالبے پر کفیل کو نظربند کیا جاسکتا ہے۔[4]

سوال:... آیا ضمانت سے بری الذمہ ہونے کو کسی شرط سے متعلق کرنا جائز ہے یا نہیں؟

جواب:... اس میں اختلاف ہے، اَصح یہ ہے کہ جائز ہے۔[5]

---

(۱) قال الله تعالى: "وَاَوْفُوْا بِالْعَهْدِ اِنَّ الْعَهْدَ كَانَ مَسْئُوْلًا" (الإسراء:۳۴)۔ وعن أنس رضي الله عنه قلّما خطبنا رسول الله صلى الله عليه وسلم إلّا قال: .... ولَا دِين لمن لَا عهد له. (مشكوٰة ج:۱ ص:۱۵)۔ أيضًا: قال النووي: أجمعوا على أن من وعد إنسانًا شيئًا ليس بمنهيّ عنه فينبغي أن يفي وعده. (مرقاة المفاتيح ج:۸ ص:۶۱۴ آخر باب الخراج، طبع رشيديه)۔

(۲) قال ابن عابدين: (قوله لَا بأخذ مال في المذهب) قال في الفتح وعن أبي يوسف يجوز التعزير للسلطان بأخذ المال وعندهما وباقي الأيمة لَا يجوز ومثله في المعراج وظاهره أن ذٰلك رواية ضعيفة عن أبي يوسف قال في الشرنبلالية ولَا يفتى بهذا لما فيه من تسليط الظلمة على أخذ مال الناس فيأكلونه. (ردالمحتار ج:۴ ص:۶۱، مطلب في التعزير بأخذ المال)۔

(۳) والمكفول له بالخيار إن شاء طالب الذي عليه الأصل وإن شاء طالب كفيله. (هداية ج:۳ ص:۱۲۰)۔

(۴) فإن شرط في الكفالة بالنفس تسليم المكفول به في وقت بعينه لزمه إحضاره إذا طالبه في ذٰلك الوقت وفاء بما التزمه فإن احضره وإلّا حبسه الحاكم لِامتناعه عن إيفاء حقٍ مستحق عليه. (هداية ج:۳ ص:۱۱۳، كتاب الكفالة)۔

(۵) قال ابن نجيم: (قوله وبطل تعليق البراة من الكفالة بالشرط) .... فعلىٰ هذا فكلام المؤلف محمول على شرط غير متعارف وأراد من الكفالة الكفالة بالمال إحتراز عن كفالة النفس فإنه يصح تعليق البراءة منها ...إلخ. (البحر الرائق ج:۶ ص:۲۴۹، كتاب الكفالة، طبع دار المعرفة، بيروت)۔

کاروبار کے لئے مرزائی کی ضمانت دینا شرعاً کیسا ہے؟

سوال:... عرض یہ ہے کہ میں آپ سے ایک مسئلہ پوچھنا چاہتا ہوں۔ جناب! الحمدللہ ہمارے شہر میں پہلے تو مرزائی بالکل نہیں تھے، لیکن اب ان کی آمد شروع ہوئی ہے، تو ہر مہینے ایک مرزائی آجاتا ہے۔ جناب! شروع میں جب یہ آنے لگے، تو شہر میں کوئی بھی ان کو دُکان، مکان کرائے پر دینے کو تیار نہیں ہوا، پھر یہ لوگ ایک آدمی کو جو اسی شہر سے تعلق رکھتا ہے اور مسلمان ہے، ضامن ڈال کر پانچ چھ دُکانیں کرائے پر حاصل کرلیں۔ جناب! میری آپ سے گزارش ہے کہ جس شخص نے مرزائیوں کی ضمانت لی ہے، اور جنہوں نے ان کو دُکانیں کرائے پر دی ہیں، اسلام ان کی کیا حیثیت متعین کرتا ہے؟ براہِ کرم تمام اُمت کے مسلمانوں کی قرآن و حدیث کی روشنی میں رہنمائی فرمائیں۔

جواب:... اس شخص نے بہت بُرا کیا، مرزائیوں نے ذرا زیادہ کرائے کی پیشکش کی ہوگی، اور یہ بے چارہ چند ٹکوں کی خاطر اپنے دِین و ایمان سے بے پروا ہوگیا۔ بہرحال اس کا یہ فعل دِین و ایمان کے لحاظ سے بہت غلط ہے، اس کو کہا جائے کہ وہ اس سے توبہ کرے۔

کاروبار میں لین دین کی ضمانت لینے والے کو اگر کچھ رقم چھوڑ دی جائے تو جائز ہے

سوال:... امین کی ضمانت پر یوسف ایک دُکان دار سے مالی لین دین کرتا ہے، وہ صرف ذاتی واقفیت کی بنا پر اس کی ذمہ داری قبول کرتا ہے، دُکان کی کچھ رقم یوسف پر رہ جاتی ہے، جسے وہ دینے سے اِنکار کرتا ہے، اب امین اپنی ذمہ داری کو محسوس کرتے ہوئے دُکان دار سے ادائیگی کا وعدہ کرتا ہے، دُکان دار امین کی سچائی کو دیکھ کر کچھ رقم اپنی خوشی سے معاف کرتا ہے، اس صورت میں امین وعدے کے مطابق پوری رقم ادا کرے یا دُکان دار کی خوشی کے مطابق رقم ادا کرے؟

جواب:... جب دُکان دار نے باقی رقم معاف کردی ہے تو جتنی رقم باقی ہے وہ ادا کردے۔

لفظِ ''اللہ'' والے لاکٹ فروخت کرنا اور اسے استعمال کرنا

سوال:... لاکٹ گلے میں عورتیں اور بچے لٹکاتے ہیں، جس پر لفظِ ''اللہ'' لکھا ہوا ہے، اسے بہت کم لوگ حمام میں داخل ہوتے وقت نکالتے ہیں، اکثر بے پروا لوگ کم احترام کرتے ہیں، اس طرح لفظِ ''اللہ'' کی بے قدری ہوتی ہے۔ ایسے لاکٹ کو بیچ کر اس سے فائدہ حاصل کرنا جائز ہے یا نہیں؟

جواب:... ایسے لاکٹ فروخت کرنا جائز ہے، بے ادبی کرنے والے اس بے ادبی کے خود ذمہ دار ہیں۔ [1]

---

(۱) ولو كتب على خاتمه اسمه أو بسم الله تعالى أو ما بدا له من أسماء الله تعالى نحو حسبي الله ونعم الوكيل، أو ربي الله أو نعم القادر الله، فإنه لا بأس به ويكره لمن لا يكون على الطهارة أن يأخذ فلوسًا عليها اسم الله تعالى كذا في فتاوى قاضيخان ...إلخ۔ (عالمگیری ج:۵ ص:۳۲۳، كتاب الكراهية، الباب الخامس)۔

محنت کی اُجرت لینا جائز ہے

سوال:... ہم فریج اور ایئر کنڈیشن کا کام کرتے ہیں، اگر کسی صاحب کے فریج یا ایئر کنڈیشن میں گیس چارج کرنا ہو تو ہم کاریگران سے ساڑھے تین سو روپے وصول کرتے ہیں، جبکہ اس سے بہت کم خرچہ آتا ہے۔ کام میکینکل ہے لہٰذا محنت اور دانشمندی سے کرنا پڑتا ہے، غلطی کی صورت میں نقصان کا اندیشہ ہوتا ہے، جس کا ہرجانہ کاریگر کے ذمہ ہوتا ہے۔ بتایئے زائد رقم لینا دُرست ہے یا نہیں؟ اگر نہ لیں تو کاروبار کرنا فضول ہوگا۔

سوال ۲:... اس میکینکل کام میں بعض اوقات کسی فنی خرابی یا کوئی اور خرابی دُور کرنے میں پیسہ خرچ نہیں ہوتا، مگر ہم لوگ نوعیت کے اعتبار سے ۵۰ یا ۱۰۰ روپے وصول کرتے ہیں، کیونکہ دماغ کا کام ہوتا ہے۔ بتایئے ایسا کرنا جائز ہے یا ناجائز؟

جواب:... یہ محنت کی اُجرت ہے، اور محنت کی اُجرت لینا جائز ہے۔[1]

پھل آنے سے قبل باغ بیچنا جائز نہیں بلکہ زمین کرائے پر دیدے

سوال:... ایک شخص قبل پھل آنے کے اپنا باغ بیچ دیتا ہے، کیا اس پر عشر ہے؟ اس کی رقم سال بھر رہے تو کیا اس پر زکوٰۃ ہے؟

جواب:... پھل آنے سے قبل باغ بیچ دینا جائز نہیں،[2] اور اگر یہ مراد ہے کہ باغ کی زمین مع باغ کے کرائے پر دے دی تو صحیح ہے،[3] اس صورت میں عشر اس کے ذمہ نہیں، البتہ سال پورا ہونے پر اس کے ذمہ زکوٰۃ ہوگی۔[4]

گنے کی کھڑی فصل اس شرط پر خریدنا کہ مالک اس کی حفاظت کرے گا

سوال:... ہمارے ہاں زیادہ تر کاشت گنے کی فصل کی ہوتی ہے، جب شکر کے کارخانوں میں کام ہوتا ہے اور سیزن ہوتا ہے تو گنا ۳۶ روپے من کے حساب سے خریدتے ہیں، ۴ روپے من ٹرک کا کرایہ کاٹنے کے بعد ۳۲ روپے من کے حساب سے کاشت کار کو کارخانہ ادائیگی کرے گا۔ ابھی چونکہ کارخانے میں شکر سازی کا کام اور سیزن شروع ہونے میں چار ماہ باقی ہیں، تو کاشت کار اپنی ضرورت کے پیشِ نظر یہ گنا ۲۰ روپے سے لے کر ۲۴ روپے فی من کے حساب سے بیوپاریوں کو فروخت کر رہے ہیں، چونکہ گنا ابھی کھیت میں ہی ہے اور شوگر مل میں کام کے آغاز تک اس کی دیکھ بھال بھی کاشت کار کے ذمے ہوگی، جب کارخانے میں کام کا آغاز ہوگا

---

(۱) (وأما بيان أنواعها) فنقول انها نوعان: نوع يرد على منافع الأعيان .... يرد على العمل كاستئجار المحترفين للأعمال ..... . وأما حكمها فوقوع الملك في البدلين ساعة فساعة ...الخ۔ (فتاویٰ عالمگیری ج:۴ ص:۴۱۱)۔

(۲) وأما الذي يرجع إلى المعقود عليه، فأنواع، منها أن يكون موجودًا، فلا ينعقد بيع المعدوم وما له خطر العدم .. . . وكذا بيع الثمر والزرع قبل ظهور لأنها معدومان ...الخ۔ (البدائع الصنائع ج:۵ ص:۱۳۸، كتاب البيوع)۔

(۳) لو اشترى الرطبة بأصلها ليقلعها ثم استأجر الأرض ليبقيها جاز ولو استأجر الأرض في ذلك كله جاز۔ (عالمگیری ج ۴ ص:۴۴۷)۔

(۴) رجل آجر أرضه ثلاث سنين كل سنة ثلثمائة درهم فحين مضى ثمانية أشهر ملك مائتي درهم فينعقد عليه الحول فإذا مضى حول بعد ذلك يزكي ثمانمائة إلّا ما وجب عليه من زكاة خمسمائة۔ (عالمگیری ج:۱ ص:۱۸۱)۔

تو کاشت کاروہ گنا کنواں کے کارخانے میں بیوپاری کے نام بھیجے گا اور یوں چار یا پانچ ماہ کے بعد بیوپاری کو تقریباً ۱۰ یا ۱۲ روپے فی من کے حساب سے منافع ہوگا۔

آپ سے پوچھنا یہ چاہتا ہوں کہ اس قسم کا کاروبار جائز ہے یا نہیں؟ اور یہ منافع سود میں تو شامل نہیں ہوگا؟

جواب:... گنے کا بیچنا تو صحیح ہے، لیکن بیچنے کے بعد اس کا کاٹنا ضروری ہے، اور اس شرط پر کہ گنا کھڑا رہے گا، یہ صحیح نہیں۔ [۱]

بور آنے سے قبل آموں کا باغ فروخت کرنا

سوال:... میرا آموں کا باغ ہے، جو کہ میں ہر سال ''بور'' یعنی پھل آنے پر ٹھیکے پر دیتا ہوں، کچھ زمیندار حضرات آموں کے باغات ''بور'' یعنی پھل آنے سے پہلے دو دو سال کے لئے ٹھیکے پر دیتے ہیں، حالانکہ ان باغات میں ابھی بور نہیں آیا ہوتا، آپ میری قرآن وسنت کی روشنی میں رہنمائی فرمائیں کہ آیا ''بور'' یعنی پھل آنے پر ٹھیکے پر دینا جائز ہے؟ یا وقت سے پہلے باغ ٹھیکے پر دینا جائز ہے؟

جواب:... بور آنے سے پہلے آم فروخت کرنے کا کوئی جواز نہیں، [۲] البتہ ایک صورت یہ ہے کہ اتنے عرصے کے لئے آپ اس پوری زمین کو ٹھیکے پر دے دیں اور اس کی میعاد مقرّر کرلیں کہ فلاں تاریخ سے فلاں تاریخ تک۔ [۳]

نمازِ جمعہ کے وقت کاروبار کرنا اور فیکٹری چلانا

سوال:... ہماری مٹھائی کی دُکان ہے، اس کے اُوپر کارخانہ ہے، جمعہ کی پہلی اَذان کے وقت ہم اپنی دُکان بند کردیتے ہیں، پھر نماز کے بعد کھول لیتے ہیں۔ کیا ہم پر جمعہ کی نماز کے دوران کارخانہ بھی بند کرنا لازم ہے؟ یا کاریگروں کو اُن کے اختیار پر چھوڑ دیں؟

جواب:... جمعہ کے دوران کسی قسم کا کاروبار بھی ممنوع ہے، حتیٰ کہ فیکٹری بھی چالو رکھنا جائز نہیں۔ [۴]

---

(۱) ومن باع ثمرة .... وجب على المشتري قطعها في الحال تفريغًا لملك البائع فهذا إذا اشتراها مطلقًا أو بشرط القطع اما إذ اشرط تركها على رؤس النخل فسد البيع لأنه شرط لا يقتضيه العقد. (الجوهرة النيرة ج:۱ ص:۱۹۲، كتاب البيوع). وأيضًا: ويجب على المشتري في الحال قطعها أي قطع ثمرة .... وشرط تركها على الشجر والرضى به يفسد البيع عندهما وعليه الفتوىٰ كما في النهاية. (جامع الرموز ج:۳ ص:۱۱ كتاب البيع، طبع اسلاميه ايران).

(۲) وأما الذي يرجع إلى المعقود عليه، فأنواع، منها أن يكون موجودًا، فلا ينعقد بيع المعدوم وما له خطر العدم ... .. وكذا بيع الثمر والزرع قبل ظهور لأنها معدومان ...إلخ. (البدائع الصنائع ج:۵ ص:۱۳۸).

(۳) والحيلة أن يأخذ الشجر معاملة على أن له جزء من ألف ويستأجر الأرض مدة معلومة يعلم فيها الإدراك باقي الثمن إلخ. (رد المحتار، مطلب فساد المتضمن يوجب فساد المتضمن ج:۴ ص:۵۵۷، طبع ايچ ايم سعيد).

(۴) "يٰأَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا إِذَا نُوْدِيَ لِلصَّلٰوةِ مِنْ يَّوْمِ الْجُمُعَةِ فَاسْعَوْا إِلٰى ذِكْرِ اللهِ وَذَرُوا الْبَيْعَ... الخ." (الجمعة:۹). عن ابن عباس قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: حرمت التجارة يوم الجمعة ما بين الأذان الأوّل إلى الإقامة. (الفقه الحنفي وأدلّته ج ۲ ص ۳۷، البيوع المنهي عنه). أيضًا: كان السعي للجمعة واجبًا حكمه حكم الجمعة لأنه ذريعة إليها. فاسعوا إلى ذكر الله، والتبكير إليها فضيلة وكان ترك أعمال التجارة من بيع وشراء ومختلف شؤون الحياة أمرًا لازمًا لئلا يتشاغل عنها ويؤدي ذالك إلى إهمالها أو تعطيلها. (الفقه الإسلامي وأدلّته ج:۲ ص:۲۶۲، المطلب الثاني، فصل السعي).

اوقاتِ نماز میں دُکان کھلی رکھنا

سوال:... میرے والد صاحب کی پرچون کی دُکان ہے، فجر اور عشاء کی جماعت کے وقت تو بند ہوتی ہے، مگر ظہر، عصر، مغرب تینوں نمازوں کے وقت کھلی ہوتی ہے۔ مسئلہ یہ ہے کہ اب ان تین نمازوں کو میں اور والد صاحب کس طرح باجماعت نماز اَدا کریں؟ کیونکہ دونوں اِکٹھے باجماعت نماز اَدا کرنے جاتے ہیں تو پیچھے دُکان پر کوئی شخص نہیں ہوتا، جس میں چوری کا اندیشہ بھی رہتا ہے۔ اگر صرف والد صاحب باجماعت نماز اَدا کرتے ہیں تو میری جماعت نکل جاتی ہے، اگر دُکان بند کرتے ہیں تو سامان باہر اندر کرنے میں کافی ٹائم صَرف ہوتا ہے، اور دُکان بند ہونے سے گاہکوں پر بھی کافی اثر ہوتا ہے۔ برائے مہربانی شریعت کی رُو سے آسان طریقہ بتادیں، نوازش ہوگی۔

جواب:... دُکان بند کردیا کرو۔

جمعہ کی اَذان کے بعد خرید و فروخت کرنا

سوال:... سنا ہے کہ جمعہ کی اَذان کے بعد خرید و فروخت کرنا بالکل حرام ہے، کیا یہ ٹھیک ہے؟ اگر یہ بات ٹھیک ہے تو کون سی اَذان کے بعد؟ یعنی پہلی اَذان کے بعد یا دُوسری اَذان کے بعد؟

جواب:... قرآنِ کریم میں اَذانِ جمعہ کے بعد خرید و فروخت کی ممانعت فرمائی گئی ہے، اس لئے جمعہ کی پہلی اَذان کے بعد خرید و فروخت اور دیگر کاروبار ناجائز ہے:[1]

"یٰـاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اِذَا نُوْدِیَ لِلصَّلٰوةِ مِنْ یَّوْمِ الْجُمُعَةِ فَاسْعَوْا اِلٰی ذِکْرِ اللهِ وَذَرُوا الْبَیْعَ... الخ۔" (الجمعة:۹)

کرنسی کی خرید و فروخت کا طریقہ

سوال:... کیا روپوں کا روپوں کے ساتھ تبادلہ جائز ہے یا ناجائز؟ اور اگر جائز ہے تو کیا لینے والا اس کے بدلے میں روپیہ ایک دن کے بعد دے سکتا ہے یا ضروری ہے کہ اسی وقت دے؟ اور اگر اسی وقت دینا ضروری ہے اور کسی کے پاس اس وقت نہ ہو تو کیا یہ حرام ہوگا یا حلال؟ برائے مہربانی قرآن و حدیث کی روشنی میں بتلائیں۔

جواب:... روپیہ کا تبادلہ روپیہ کے ساتھ جائز ہے، مگر رقم دونوں طرف برابر ہو، کمی بیشی جائز نہیں، اور دونوں طرف سے نقد

---

(۱) وقال الحنفية في الأصح: يجب السعي بعد الأذان الأوّل .... ويكره تحريمًا عند الحنفية ويحرم عند غيرهم التشاغل عن الجمعة بالبيع وغيره من العقود من إجارة ونكاح وصلح وسائر الصنائع والأعمال. (الفقه الإسلامي وأدلّته ج:۲ ص ۲۶۴، البيع وقت النداء ...إلخ). أيضًا: البيع عند أذان الجمعة، يعني الأذان الأوّل بعد الزوال لقوله تعالىٰ: وذروا البيع .. .. وهٰذا البيوع المذكورة مكروهة تحريمًا .... أخرج ابن مردوية عن ابن عباس قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: حرمت التجارة يوم الجمعة ما بين الأذان الأوّل إلى الإقامة. (الفقه الحنفي وأدلّته ج:۲ ص:۴۷).

معاملہ ہو، اُدھار بھی جائز نہیں۔[1]

سوال:… اگر کسی کے پاس اس وقت رقم نہ ہو تو کوئی ایسی صورت ہے جس کی وجہ سے وہ رقم (روپیہ) ابھی لے لے اور اس کے بدلے میں رقم (روپیہ) بعد میں دے دے؟

جواب:… رقم قرض لے لے، بعد میں قرض ادا کردے۔

سوال:… بعض مرتبہ ہم لوگ ایک ملک کی کرنسی (ڈالر یا ریال) لیتے ہیں اور اس کے بدلے میں دُوسرے ملک کی کرنسی (روپیہ) وغیرہ دیتے ہیں، تو کیا اس میں بھی اسی وقت دینا ضروری ہے یا نہیں؟ اگر ہے تو جائز کی کیا صورت ہوگی؟

جواب:… اس میں معاملہ نقد کرنا ضروری ہے۔[2]

سونے چاندی کی خرید و فروخت دونوں طرف سے نقد ہونی چاہئے

سوال:… اگر کوئی شخص سونا یا چاندی گھر والوں کو پسند کرانے کے لئے لاتا ہے اور پھر بعد میں دُوسرے دن یا کچھ عرصے کے بعد اس کی رقم بیچنے والے کو دیتا ہے تو کیا یہ خرید و فروخت دُرست ہے یا نہیں؟ اگر دُرست نہیں ہے تو کون سی صورت دُرست ہے؟ کیونکہ گھر والوں کو دِکھائے بغیر یہ چیز خریدی نہیں جاتی۔

جواب:… گھر والوں کو دِکھانے کے لئے لانا جائز ہے،[3] لیکن جب خریدنا ہو تو دونوں طرف سے نقد معاملہ کیا جائے، اُدھار نہ کیا جائے۔[4] اس لئے گھر والوں کو دِکھانے کے لئے جو چیز لے گیا تھا اس کو دُکان دار کے پاس واپس لے آئے، اس کے نقد دام ادا کرکے وہ چیز لے جائے۔

زرگری اور سونے کے زیورات کی خرید و فروخت کی شرعی حیثیت

سوال:… سونے کی خرید و فروخت زیور اور سونے سے دیگر اشیائے زیبائش بنانا، کیا یہ کاروبار جائز ہے یا ناجائز ہے؟ اس کی شرعی حیثیت کیا ہے؟ اور کیا یہ کاروبار حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں ہوتا تھا؟

---

(۱) (وعلته) أى علة تحريم الزيادة (القدر) المعهود بكيل أو وزن (مع الجنس فإن وجدا حرم الفضل) أى الزيادة (والنسا) بالمدّ التأخير فلم يجز بيع قفيز برّ بقفيز منه متساويًا وأحدهما نسأ (وإن عدما) بكسر الدال من باب علم (حلا) كهروى بمرويين لعدم العلّة فبقى على أصل الإباحة (وإن وجد أحدهما) أى القدر وحده أو الجنس (حلّ الفضل وحرم النسا). (در الدر المختار ج.۵ ص ۱۷۲، باب الربا، طبع سعيد، وأيضًا في الهداية ج:۳ ص:۷۹، باب الربا).

(۲) بخلاف ما إذا سلم فلوس فى فلوس فإنه لا يجوز لأن الجنس بانفراده يحرم النسأ. (البحر الرائق ج.۶ ص ۱۴۰ باب الربا، طبع دار المعرفة، بيروت).

(۳) وأما خيار الرؤية فثابت فى العين دون الدين. (البحر الرائق ج:۶ ص:۱۹۲، باب خيار الرؤية، طبع بيروت).

(۴) باب الصرف هو لغة: الزيادة، وشرعًا: بيع الثمن بالثمن أى ما خلق للثمنية ومنه المصوغ جنسًا بجنس أو بغير جنس كالذهب بفضة ويشترط عدم التأجيل والخيار والتماثل …… والتقابض بالبراجم لا بالتخلية قبل الإفتراق … إلخ. (درمختار، باب الصرف ج:۵ ص:۲۵۷، طبع ايج ايم سعيد كراچى).

جواب:... سونے کا کام تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں بھی ہوتا تھا، لیکن شرط یہ ہے کہ سونے کے بدلے میں سونے کا سکہ دیا جائے یا چاندی کے بدلے میں چاندی کا سکہ دیا جائے، تو اس میں اُدھار جائز نہیں، بلکہ معاملہ نقد ہونا چاہئے۔[1]

ریزگاری فروخت کرنے میں زیادہ قیمت لینا جائز نہیں

سوال:... ریزگاری بیچنا جائز ہے یا ناجائز؟

جواب:... ریزگاری فروخت کرنا جائز ہے البتہ زیادہ قیمت لینا جائز نہیں، کیونکہ یہ سود ہوگا۔[2]

سبزی پر پانی ڈال کر بیچنا

سوال:... ہم لوگ سبزی کا کام کرتے ہیں، آپ کو معلوم ہے کہ سبزی پر پانی ڈالا جاتا ہے، اس میں کچھ سبزیاں ایسی ہیں جو بہت پانی پیتی ہیں، کیا ایسا کام کرنا ٹھیک ہے؟

جواب:... بعض سبزیاں واقعی ایسی ہیں کہ ان پر پانی نہ ڈالا جائے تو خراب ہوجاتی ہیں، اس لئے ضرورت کی بنا پر پانی ڈالنا تو صحیح ہے،[3] مگر پانی کو سبزی کے بھاؤ نہ بیچا کریں، بلکہ اتنی قیمت کم کردیا کریں۔[4]

حلال وحرام کی آمیزش والے مال سے حاصل کردہ منافع حلال ہے یا حرام؟

سوال:... اگر کسی کے پاس جائز رقم، ناجائز رقم کے مقابلے میں کم، زیادہ یا برابر تھی، اگر اس مجموعی رقم سے کوئی جائز کاروبار کیا جائے تو اس سے حاصل ہونے والا منافع قابلِ استعمال ہے یا نہیں؟

جواب:... منافع کا حکم وہی ہے جو اَصل مال کا ہے، اگر اَصل مال حلال ہے تو منافع بھی حلال، اور اگر اَصل حرام ہے تو

---

(۱) فإن باع فضة بفضة أو ذهبًا بذهب لم يجز إلّا مثلًا بمثل لأن المساواة شرط في ذٰلک .... ولَا بد من قبض العوضين قبل الإفتراق لقوله عليه السلام: يدًا بيد. (الجوهرة النيرة، باب الصرف ج:۱ ص:۲۲۴، طبع دهلی).

(۲) قال: الصرف هو البيع إذا كان كل واحد من عوضيه من جنس الأثمان .... قال فإن باع فضة بفضة أو ذهبًا بذهب لَا يجوز إلّا مثل بمثل وإن اختلف في الجودة والصياغة (وفي البناية) أما في الجودة بأن يكون أحدهما أجود من الآخر في ذاته، وأما في الصياغة بأن يكون أحدهما أحسن صياغة من الآخر ...إلخ. (البناية شرح هداية ج:۱۱ ص:۸۳، باب الصرف، طبع مكتبه حقانيه ملتان، درمختار ج:۵ ص:۲۵۷).

(۳) الضرورات تبيح المحظورات .... والثانية ما ابيح للضرورة يقدر بقدرها. (الأشباه والنظائر، الفن الأوّل ج:۱ ص:۳۳، طبع إدارة القرآن كراچی).

(۴) عن أبي هريرة أن رسول الله صلى الله عليه وسلم مرّ على صبرة من طعام فأدخل يده فيها فنالت أصابعه بللًا فقال. يا صاحب الطعام! ما هذا؟ قال: أصابته السماء يا رسول الله! قال: أفلا جعلته فوق الطعام حتّى يراه الناس، ثم قال: من غش فليس منّا. وقال: والعمل على هذا عند أهل العلم كرهو الغش وقالوا الغش حرام. (رواه الترمذی ج:۱ ص:۲۴۵).

منافع کا یہی حال ہوگا۔ لہٰذا جس نسبت سے حلال مال اصل میں لگا ہے اسی نسبت سے منافع بھی پاک ہوگا، باقی حرام۔ [۱]

ٹی وی، وی سی آر فروخت کرنا

سوال:... ٹیلی ویژن اور وی سی آر فروخت کرنا جائز ہے یا نہیں؟ ریڈیو اور ٹیپ ریکارڈ کا کیا حکم ہے؟ نیز سگریٹ کا کاروبار کیسا ہے؟

جواب:... ٹی وی کی خرید و فروخت کو میں تو ناجائز سمجھتا ہوں۔ [۲] ریڈیو اور ٹیپ ریکارڈر کی خرید و فروخت جائز ہے، اسی طرح سگریٹ کی بھی۔ [۳]

نئے نوٹوں کا کاروبار کرنا

سوال:... زید نئے نوٹوں کا کاروبار کرتا ہے، اور ایک سو کا نیا پیکٹ ایک سو پانچ روپے میں دیتا ہے، کیا ایسا کاروبار جائز ہے؟

جواب:... جائز نہیں۔ [۴]

---

(۱) عن ابن عباس قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: .... ان الله إذا حرم على قوم أكل شيء، حرم عليهم ثمنه. (اعلاء السُّنن ج:۱۴ ص:۱۰۴)۔ أيضًا: قال ابن عابدين (قوله اكتسب حرامًا إلخ) قال رجل اكتسب مالًا حرامًا ثم اشترى فهذا على خمسة أوجه، اما ان دفع تلك الدراهم إلى البائع أوّلًا ثم اشترىٰ منه بها أو اشترىٰ قبل الدفع بها ودفعها أو اشترى قبل الدفع بها ودفع غيرها أو اشترىٰ مطلقًا ودفع تلك الدراهم او اشترىٰ بدراهم أُخر ودفع تلك الدراهم قال ابو نصر يطيب له ولا يجب ان يتصدق إلّا في الوجه الأوّل لكن هذا خلاف ظاهر الراوية فإن نص في جامع الصغير وقال الكرخي في الوجه الأوّل والثاني لا يطيب وفي الثلاث الأخير يطيب وقال ابوبكر لا يطيب في الكل لكن الفتوىٰ على قول الكرخي ...إلخ. (شامي ج:۵ ص:۲۳۵، باب المتفرقات، مطلب إذا اكتسب حرامًا ثم اشترى فهو على خمسة أوجه)۔

(۲) قال تعالى: "وَتَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَى الْإِثْمِ وَالْعُدْوَانِ" (المائدة:۲)۔ أيضًا: والثالث: بيع أشياء ليس لها مصرف إلّا في المعصية، فيتمحض بيعها واجارتها وان لم يصرح بها ففي جميع هذه الصور قامت المعصية بعين هذا العقد، والعاقدان كلاهما آثمان بنفس العقد، سواء استعمل بعد ذٰلك أم لا۔ (جواهر الفقه ج:۲ ص:۴۴۸ تفصيل الكلام في مسئلة الإعانة على الحرام أيضًا لكن الإعانة هي ما قامت المعصية بعين فعل المُعين، ولا يتحقق إلّا بنية الإعانة أو التصريح بها أو تعينها في إستعمال هذا الشيء بحيث لا يحتمل غير المعصية. (جواهر الفقه ج:۲ ص:۴۵۲ أقسام السبب وأحكامه القسم الثاني)۔ وفي رد المحتار ج:۶ ص:۳۵۰، كتاب الحظر والإباحة: وما كان سببًا لمحظور، فهو محظور۔ أيضًا. ونظيره كراهة بيع المعازف لأن المعصية تقام بها عينها. (رد المحتار ج:۴ ص:۲۶۸، باب البغاة)۔

(۳) قلت وأفاد كلامهم ان ما قامت المعصية بعينه يكره بيعه تحريمًا وإلّا فتنزيهًا. قوله نهر: عبارته وعرف بهذا انه لا يكره بيع ما لم تقم المعصية به كبيع الجارية المغنية به والكبش النطوح والحمامة الطيارة والعصير والخشب الذى يتخذ منه المعازف۔ (رد المحتار ج:۴ ص:۲۶۸، باب البغاة ...إلخ)۔

(۴) الصرف هو البيع ... إذا كان كل واحد من عوضيه من جنس الأثمان .... فإن باع فضة بفضة أو ذهبًا بذهب لم يجز إلّا مثلًا بمثل لأن المساواة شرط في ذٰلك ...إلخ۔ (الجوهرة النيرة، باب الصرف ج:۱ ص:۲۲۳)۔ أيضًا: وحرم الفضل والنساء بما أى بالقدر والجنس لوجود العلة بتمامها. (البحر الرائق ج:۶ ص:۱۳۹، باب الربا)۔

غیرشرعی کتب کا کاروبار شرعاً کیسا ہے؟

سوال:... ایک شخص کتابوں کا کاروبار کرتا ہے، معاملاتِ دِین میں بھی باشعور ہے، اس کے باوجود غیرشرعی کتابیں بلکہ شرکیہ کتب بھی فروخت کرتا ہے، جب اس سے کہا جاتا ہے کہ یہ کتابیں آپ کیوں فروخت کرتے ہیں؟ تو کہتا ہے: میں کتابیں پڑھتا نہیں صرف بیچتا ہوں۔

جواب:... ایسی کتابوں کا کاروبار دُرست نہیں، ان صاحب کو یہ کاروبار ترک کردینا چاہئے۔[۱]

گانے بجانے کے کیسٹ فروخت کرنا شرعاً کیسا ہے؟

سوال:... موجودہ دور و حالات میں دن بدن آسائش و تعیش کے سامان میں اِضافہ بلکہ مزید اضافہ ہوتا جارہا ہے، جن میں سے ایک میوزک گانا بجانا وغیرہ، اور دُوسرا کہانیوں اور ڈائجسٹ جو کہ سراسر جھوٹ و فریب پر مبنی ہوتے ہیں۔ آپ حضرات سے یہ عرض ہے کہ ان حضرات کا کاروبار جائز ہے یا نہیں؟ ان حضرات سے دُعا و سلام رکھنی چاہئے یا نہیں؟ ان حضرات کی کھانے پینے کی اشیاء کو قبول کرنا چاہئے یا نہیں؟ وغیرہ۔ یہ حضرات دلیل قائم کرتے ہیں کہ موسیقی رُوح کی غذا ہے اور گانے بجانے کی کیسٹ کے ساتھ ساتھ ہم اپنی دِینی اور علمائے کرام کی تقاریر بھی بیچتے ہیں۔ لائبریری والے حضرات اسکول، کالج وغیرہ کی کاپیاں و پین وغیرہ کا عذر کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ کہانیاں اور ڈائجسٹ پڑھنے سے ہماری نالج میں اِضافہ ہوتا ہے اور ہم اُردو اچھی بول لکھ سکتے ہیں وغیرہ۔

ان حضرات کے عذر و دلیل قرآن و سنت میں کیا حیثیت رکھتی ہے؟ قرآن و سنت کی روشنی میں وضاحت فرمائیں۔

جواب:... جو چیزیں بذاتِ خود ناجائز ہیں، ان کی خرید و فروخت بھی ناجائز ہے۔[۲] باقی ان حضرات کے دلائل غلط ہیں۔

فروخت کرتے وقت قیمت نہ چکانا غلط ہے

سوال:... بہت سے لوگ اپنا مال فروخت کرتے وقت دُکان دار یا آڑھتی کو یہ کہہ دیتے ہیں کہ: ''میں بھاؤ ابھی نہیں کروں گا، جس وقت میرا دِل چاہا اس وقت کروں گا'' اور مال اس کو تول دیتے ہیں، اور بھاؤ بعد میں کسی وقت جاکر کرتے ہیں، اس کے بارے میں کیا حکم ہے؟

---

(۱) "وَتَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَى الْإِثْمِ وَالْعُدْوَانِ" (المائدة:۲)۔ ولا يجوز الإستئجار على المعاصي كاستئجار الإنسان للعب واللهو المحرم ..... وانتساخ كتب البدع المحرمة ... .. لأنه إستئجار على معصية، والمعصية لا تستحق بالعقد. (الفقه الإسلامي وأدلّته ج:۴ ص:۷۴۴، الفصل الثالث، عقد الإيجار)۔

(۲) قلت وأفاد كلامهم ان ما قامت المعصية بعينه يكره بيعه تحريمًا وإلّا فتنزيهًا۔ قوله نهر: عبارته وعرف بهذا انه لا يكره بيع ما لم تقم المعصية به۔ (رد المحتار ج:۴ ص:۲۶۸، باب البغاة)۔ أيضًا: ونظيره كراهة بيع المعازف لأن المعصية تقام بها عينها۔ (ردالمحتار ج:۴ ص:۲۶۸، باب البغاة)۔

جواب:... یہ جائز نہیں، فروخت کرتے وقت بھاؤ چکانا ضروری ہے۔ (۱)

حرام کام کی اُجرت حرام ہے

سوال:... درزی غیر شرعی کپڑے سی کر مثلاً: مردوں کے لئے خالص ریشمی کپڑا سیتا ہے، اور ٹائپسٹ غلط بیان والی دستاویزات ٹائپ کر کے روزی حاصل کرتا ہے، دونوں کی آمدنی گناہ کے کام میں تعاون کی وجہ سے حرام ہوگی یا مکروہِ تنزیہی؟

جواب:... حرام کام کی اُجرت بھی حرام ہے۔ (۲)

قیمت زیادہ بتاکر کم لینا

سوال:... جو چیز ہم تیار کرتے ہیں اس چیز کو فروخت کرنے کے لئے ایک ریٹ مقرّر کرنا ہوتا ہے کہ یہ چیز اتنے پیسے میں دُکان دار کو دینی ہے، اگر ہم اتنے پیسے ہی دُکان دار کو بتائیں تو وہ اتنی قیمت پر نہیں لیتا، کچھ نہ کچھ کم کراتا ہے، اگر ہم اس مسئلے کو زیرِ نظر رکھتے ہوئے کچھ روپے زیادہ بتادیں تاکہ اوسط برابر آجائے جتنا وہ کم کرائے گا، تو کیا ایسا کرنا مناسب ہے یا یہ بات جھوٹ میں شمار ہوتی ہے؟ شریعت کے مطابق جواب سے نوازیئے۔

جواب:... گو، دام بتاکر اس میں سے کم کرنا جھوٹ تو نہیں، اس لئے جائز ہے، (۳) مگر اُصولِ تجارت کے لحاظ سے یہ رواج غلط ہے، ایک دام بتانا چاہئے، شروع میں تو لوگ پریشان کریں گے، مگر جب سب کو معلوم ہوجائے گا کہ یہ بازار سے بھی کم نرخ ہے اور یہ کہ ان کا ایک ہی اُصول ہے تو پریشان کرنا چھوڑ دیں گے، بلکہ اس میں راحت محسوس کریں گے۔

چیز کا وزن کرتے وقت خریدار کی موجودگی ضروری ہے

سوال:... جو چیزیں وزن کر کے، یعنی تول کر بکتی ہیں ان کی خریداری کے وقت خریدار کا، اس وقت جبکہ وزن کیا جا رہا ہو، موجود ہونا ضروری ہے؟ کیونکہ اس صورت میں خریدار کے وقت کا حرج ہوتا ہے۔ کیا وہ دُکان دار پر اعتبار کرسکتا ہے؟ اگر اعتبار کرسکتا ہے تو اپنی ملکیت میں آنے کے بعد اس کا وزن کر کے اطمینان کرلینا ضروری ہے یا بغیر وزن کئے اپنے استعمال میں لاسکتا ہے یا آگے اس کو فروخت کرسکتا ہے؟

---

(۱) شروط صحة البيع، شروط الصحة قسمان: عامة وخاصة، فالشروط العامة .... جهالة الثمن كذلك فلا يصح بيع الشيء بثمن مثله، أو بما سيستقر عليه السعر۔ (الفقه الإسلامي وأدلّته ج:۴ ص:۳۷۹، شروط صحة البيع)۔

(۲) ما حرم فعله حرم طلبه، فكما إن فعل السرقة والقتل والظلم ممنوع فإجراء ذٰلك بواسطة أخرىٰ ممنوع أيضًا۔ (شرح المجلة لسليم رستم باز ص:۳۴ المادة:۳۵)۔ أيضًا: لَا يجوز الإستئجار على المعاصي كاستئجار الإنسان للعب واللهو المحرم وتعليم السحر والشعر المحرم وانتساخ كتب البدع المحرمة وكاستئجار المغنية والنائحة للغناء والنوح، لأنه إستئجار علىٰ معصية والمعصية لَا تستحق بالعقد۔ (الفقه الإسلامي وأدلّته ج:۴ ص:۷۴۴)۔

(۳) وصح الحط منه (درمختار)۔ (قوله وصح الحط منه) أى من الثمن وكذا من رأس المال السلم - إلخ۔ (ردالمحتار على الدر المختار ج:۵ ص:۱۵۴، باب المرابحة والتولية، مطلب فى تعريف الكر)۔

جواب:... جو چیز وزن کر کے لی جائے، اس کی تین صورتیں ہیں:

ایک صورت یہ ہے کہ جب دینے والے نے وزن کر کے دی، اس وقت خریدار یا اس کا نمائندہ تول پر موجود تھا، اس صورت میں آگے فروخت کرتے وقت دوبارہ تولنا ضروری نہیں، بغیر وزن کئے آگے بیچ سکتے ہیں، اور خود کھا پی سکتے ہیں۔ [1]

دُوسری صورت یہ کہ اس وقت خریدار یا اس کا نمائندہ موجود نہیں تھا، بلکہ اس کی غیرموجودگی میں دُکان دار نے چیز تول کر ڈال دی، اس صورت میں اس چیز کو اِستعمال کرنا اور آگے بیچنا بغیر تولنے کے جائز نہیں۔[2] البتہ اگر دینے والے دُکان دار کو یہ کہہ دیا جائے کہ مثلاً: اس تھیلے میں جتنی بھی چیز ہے، خواہ کم یا زیادہ وہ اتنے پیسوں میں خریدتا ہوں تو دوبارہ وزن کرنے کی ضرورت نہیں۔ [3]

تیسری صورت یہ ہے کہ بوریوں، تھیلوں اور گانٹھوں کے حساب سے خرید و فروخت ہو، تو خواہ ان کا وزن کم ہو یا زیادہ، ان کو دوبارہ تولنے کی ضرورت نہیں۔ [4]

ٹرانسپورٹ کی گاڑیوں کی خرید و فروخت میں بدعنوانیاں

سوال:... کیا فرماتے ہیں علمائے کرام و مفتیانِ عظام اس مسئلے کے بارے میں کہ کراچی میں ٹرانسپورٹ کے کاروبار اکثر اس طرح سے ہوتے ہیں کہ مثلاً: ایک آدمی نے ایک گاڑی نقد پچاس ہزار روپے میں خریدی، پھر دُوسرے آدمی پر ساٹھ ہزار اُدھار پر فروخت کی، اور خریدنے والا ہر مہینے میں تین ہزار قسط ادا کرے گا، مگر اس خرید و فروخت میں ایک شرط یہ رکھی جاتی ہے کہ یہ رقم گاڑی پر ہوگی، آدمی پر نہیں ہوگی، خدانخواستہ اگر گاڑی کہیں جل جائے یا گم ہوجائے تو بیچنے والا شخص خریدنے والے پر رقم کا مطالبہ نہیں کرسکتا اور یہ شرط معروف ہے، برابر ہے کہ کوئی خرید و فروخت کے وقت اس کا اظہار کرے یا نہ کرے، بہرصورت اس پر عمل ہوتا ہے اور خریدنے والے نے جتنی رقم ادا کی ہو وہ بھی گاڑی کے ضائع ہونے پر ختم ہوجاتی ہے۔

۱:... کیا یہ خرید و فروخت اَز رُوئے شریعت جائز ہے؟

---

(۱) (وکفى كيله من البائع بحضرته) أى المشترى بعد البيع. (قوله وكفى كيله إلخ) قال فى الخانية لو اشترىٰ كيليا مكايلة أو موزون موازنة فكال البائع بحضرة المشترى قال الإمام ابن الفضل يكفيه كيل البائع ويجوز له أن يتصرف فيه قبل أن يكيله. (رداحتار على الدر المختار ج:۵ ص:۱۵۱، مطلب فى تصرف البائع فى المبيع قبل القبض، كتاب البيوع).

(۲) (اشترى مكيلا بشرط الكيل حرم) أى حرم تحريمًا بيعه وأكله حتّٰى يكيله) وقد صرحوا بفساده. قال الشامى (قوله وقد صرحوا) صرح محمد فى الجامع الصغير بما نصه محمد عن يعقوب عن أبى حنيفة قال: إذا اشتريت شيئًا مما يكال أو يوزن أو يعد فاشتريت ما يكال كيلًا ويوزن وزنًا ويعد عدًّا فلا تبعه حتّٰى تكيله وتزنه وتعده فإن بعته قبل أن تفعل وقد قبضته فالبيع فاسد فى الكيل والوزن. (رداحتار مع الدر المختار ج:۵ ص:۱۴۹، وفى البحر الرائق ج:۶ ص:۱۱۷، كتاب البيوع).

(۳) كبيع التعاطى فإنه لا يحتاج فى الموزونات إلى وزن المشترى ثانيًا لأنه صار بيعًا بالقبض بعد الوزن فيه وعليه الفتوىٰ خلاصة (قوله كبيع التعاطى إلخ) عبارة البحر وهذا كله غير بيع التعاطى .... وهذا كله أنه لا يتقيد بالموزونات بل التعاطى فى المكيلان والمعدودات كذلك ..إلخ. (ردالمحتار على الدر المختار ج:۵ ص:۱۵۰، ومجموعة الفتاوىٰ ص:۲۳۰).

(۴) (قوله بخلافه مجازفة) محترز قوله بشرط الكيل وقوله شرط الوزن والعداى لو اشترىٰ مجازفة له أن يتصرف فيه قبل الكيل والوزن لأن كل المشار إليه له أى الأصل والزيادة. (رد المحتار ج:۵ ص:۱۵۰، فصل فى التصرف فى المبيع).

۲:... اگر جائز نہیں تو اس سے حاصل کیا ہوا منافع سود میں شمار ہوگا یا نہیں؟ یہ رقم خریدنے والے پر ہوگی یا گاڑی پر؟ اور اس گاڑی کے کاغذات بھی بیچنے والے کے پاس ہوتے ہیں جب تک قرضہ ختم نہ ہوجائے، کیا اس سے خرید و فروخت پر کوئی اثر پڑے گا یا نہیں؟

جواب:... صورتِ مسئولہ میں مذکورہ خرید و فروخت شرطِ فاسد پر مشتمل ہونے کی بنا پر شرعاً ناجائز ہے۔[۱] شریعت کے قانون کے مطابق جب ایجاب و قبول مکمل ہوجاتے ہیں تو خرید و فروخت مکمل ہوجاتی ہے،[۲] اور بیچنے والے پر واجب ہوجاتا ہے کہ خریدار کو سودا سپرد کرے، اور خریدار پر واجب ہوجاتا ہے کہ وہ سودے کی قیمت ادا کرے۔[۳] اور اس میں کوئی فرق نہیں ہے کہ قیمت ادا کرنے سے قبل مبیع ہلاک ہوجائے، ضائع ہوجائے، وغیرہ وغیرہ۔ بہرحال مشتری (خریدار) پر واجب ہے کہ وہ قیمت ادا کرے، کیونکہ قیمت کا تعلق خریدار کے ساتھ ہے نہ کہ سودے کے ساتھ، یعنی قیمت خریدار پر واجب ہوتی ہے نہ کہ سودے پر، اور خرید و فروخت میں اس قسم کی شرط لگانا کہ "اگر سودا قیمت ادا کرنے سے قبل ضائع ہوگیا تو بقیہ قیمت ختم ہوجائے گی" شرعاً فاسد ہے، اور ایسی شرط کے ساتھ خرید و فروخت کرنا ناجائز ہے۔[۴] لہٰذا اگر کوئی شخص مذکورہ شرطِ فاسد کے ساتھ خرید و فروخت کرے تو اس پر شرعاً واجب ہے کہ وہ اس خرید و فروخت کو منسوخ کردے اور شرطِ فاسد کو ختم کرکے دوبارہ از سرِ نو خرید و فروخت کرے۔[۵] لیکن اگر اس قسم کی شرطِ فاسد کے ساتھ خرید و فروخت کرنے کے بعد مبیع (سودا) ضائع ہوجائے جبکہ ابھی تک قیمت ادا کرنا باقی ہے تو خرید و فروخت ناقابلِ منسوخ ہونے کی وجہ سے خریدار کے ذمہ قیمت ادا کرنا اور بھی مستحکم ہوگیا ہے، لہٰذا خریدار پر شرعاً قیمت ادا کرنا لازم ہے۔[۶] ہاں! بیچنے والا اگر سودا ہلاک ہوجانے

---

(۱) كل شرط لا يقتضيه العقد وفيه منفعة لأحد المتعاقدين أو للمعقود عليه وهو أهل الإستحقاق يفسده. (هداية ج:۳ ص:۵۹، باب البيع الفاسد). أيضًا: كل شيء يشرطه المشترى على البائع يفسد به البيع. (درمختار ج:۵ ص:۸۵، باب البيع الفاسد). والبيع الفاسد غير جائز. (درمختار ج:۵ ص:۴۹، باب البيع الفاسد).

(۲) البيع ينعقد بالإيجاب والقبول إذا كانا بلفظى الماضى مثل أن يقول أحدهما: بعت، والآخر: إشتريت ...إلخ. (هداية ج:۳ ص:۱۸، كتاب البيوع). وإذا حصل الإيجاب والقبول لزم البيع ولا خيار لواحد منهما. (هداية ج:۳ ص:۲۰).

(۳) ومن باع سلعة بثمن قيل للمشترى: إدفع الثمن أوّلًا لأن حق المشترى تعين فى المبيع فيقدم دفع الثمن لتعين حق البائع بالقبض لما انه لا يتعين بالتعين تحقيقًا للمساواة. (هداية ج:۳ ص.۳۳، ۳۴، كتاب البيوع).

(۴) ولو كان البيع بشرط لا يقتضيه العقد، وفيه نفع لأحد المتعاقدين أى البائع والمشترى أو لمبيع يستحق النفع بأن يكون آدميًا، فهو أى هذا البيع فاسد. (مجمع الأنهر ج:۳ ص:۹۰ كتاب البيوع، باب البيع الفاسد). أيضًا: وكل شرط لا يقتضيه العقد، وفيه منفعة لأحد المتعاقدين أو للمعقود عليه، وهو من أهل الإستحقاق يفسده. (الهداية ج:۳ ص:۶۲، كتاب البيوع، باب البيع الفاسد). ولو كان فى الشرط منفعة لأحد المتعاقدين بأن شرط البائع أن يقرض المشترى أو على القلب، يفسد العقد. (خلاصة الفتاوىٰ ج:۳ ص:۵۰ كتاب البيوع، الفصل الخامس، طبع رشيديه).

(۵) ويجب على كل واحد منهما فسخ قبل القبض أى فسخ البيع الفاسد أو بعده ما دام المبيع بحال فى يد المشترى إعدامًا للفساد لأنه معصية، فيجب رفعها. (الدر المختار مع رد المحتار، باب بيع الفاسد ج:۵ ص:۹۰، ۹۱). أيضًا. ولكل منهما فسخ يعنى كل واحد منهما فسخه، لأن رفع الفساد واجب عليهما. (تبيين الحقائق، كتاب البيوع ج:۴ ص:۳۰۲).

(۶) وإذا قبض المشترى المبيع برضاء بائعه صريحًا أو دلالةً بأن قبضه فى مجلس العقد بحضرته فى البيع الفاسد .. .. ملكه .. .... بمثله إن مثليا وإلّا فبقيمته يعنى إن بعد هلاكه أو تعذر رده ...إلخ. (درمختار مع تنوير الأبصار ج.۵ ص۸۸-۹۰، كتاب البيوع، باب البيع الفاسد، طبع ايچ ايم سعيد).

کی بنا پر خریدار کو تبرعاً معاف کردے تو کچھ حرج نہیں ہے۔ اور بصورتِ مذکورہ بیع فاسد ہونے کے باوجود چونکہ مشتری کی ملکیت میں گاڑی آگئی تھی اس لئے خریدار کے واسطے اس گاڑی سے انتفاع حاصل کرنا جائز ہے۔[1] نیز بائع اگر قیمت وصول کرنے تک کاغذات اپنے پاس بطورِ وثیقہ رکھنا چاہے تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے، لیکن حقوقِ ملکیت مشتری کو مل جانا ضروری ہے۔

مزدوری حلال کمائی سے وصول کیجئے

سوال:... مولانا صاحب! جیسا کہ آپ جانتے ہیں کہ دینِ اسلام نے ہم پر ناجائز کمائی حرام کی ہے۔ اگر ایک مسلمان سارا دن محنت مزدوری کرتا ہے یا کوئی کاروبار یا تجارت وغیرہ کرتا ہے، محنت سے اپنی مزدوری کماتا ہے لیکن اس کے پاس جو رقم آئے فرض کریں کہ وہ حرام کی ہے تو کیا اس شخص پر بھی یہ روپیہ حرام ہے، جبکہ اس شخص نے یہ روپیہ اپنی محنت سے کمایا ہے اور اپنی محنت کے مطابق ہی حاصل کیا ہے؟ براہِ کرم اس سوال کا جواب تسلی بخش دیں۔

جواب:... اگر آپ کی محنت جائز تھی تو آپ کے لئے مزدوری حلال ہے، دو شرطوں کے ساتھ۔ ایک یہ کہ آپ نے کام صحیح کیا ہو، اس میں کام چوری سے احتراز کیا ہو۔ دوم یہ کہ جو کام آپ نے کیا، شرعاً اس کا کرنا جائز بھی ہے۔ اس کے بعد اگر مالک حرام کے پیسے سے آپ کو اُجرت دیتا ہے تو اسے قبول نہ کیجئے، بلکہ اس کو مجبور کیجئے کہ کسی سے حلال روپیہ قرض لے کر آپ کا محنتانہ ادا کرے۔[2] اس کے حرام روپے سے آپ کا محنتانہ لینا جائز نہیں ہوگا، اگر آپ کو معلوم ہو کہ فلاں فرد یا ادارہ حرام کے روپے سے آپ کی مزدوری دے گا، اس کی مزدوری ہی نہ کی جائے۔

کیا بلڈنگ وغیرہ کا ٹھیکہ جائز ہے؟

سوال:... کسی بلڈنگ وغیرہ کے بنانے کا یا کوئی چیز بھی جس کے فائدے نقصان دونوں کا احتمال ہو، ٹھیکہ کرنا جائز ہے کہ نہیں؟ اس میں بعض دفعہ بہت فائدہ ہوجاتا ہے اور بعض دفعہ نقصان۔

---

(۱) بخلاف البیع الفاسد فإنه لا یطیب له لفساد عقده ویطیب للمشتری فیه لصحة عقده۔ وفی الشامیة: (قوله بخلاف البیع الفاسد) فإن رده واجب علی البائع قبل البیع لا علی المشتری لعدم بقاء المعنی الموجب للرد کما قدمنا فلم یتمکن الخبیث فیه فلذا طاب للمشتری، وهذا لا ینافی ان نفس الشراء مکروه لحصوله للبائع سبب حرام ولأن فیه إعراضًا عن الفسخ الواجب هذا ظهر لی۔ (ردالمحتار مع الدر المختار ج:۵ ص:۹۸، مطلب البیع الفاسد لا یطیب له، باب بیع الفاسد)۔

(۲) ما حرم أخذه حرم إعطاءه۔ وفی الحاشیة: کالربا ومهر البغی والرشوة وحلوان الکاهن وأجرة النائحة والزامر۔ (قواعد الفقه ص.۱۱۵، طبع صدف پبلشرز کراچی)۔ أیضًا: الحرام ینتقل أی تنتقل حرمته وإن تداولته الأیدی وتبدلت الأملاک۔ (رد المحتار ج:۵ ص:۹۸، باب بیع الفاسد)۔ أیضًا: لو رأی المکاس مثلًا یأخذ من أحد شیئًا من المکس ثم یعطیه آخر ثم یأخذ من ذالک الآخر آخر فهو حرام اهـ (رد المحتار ج:۵ ص:۹۸، باب البیع الفاسد، مطلب الحرمة تتعد، أیضًا. إمداد الفتاوی ج:۳ ص:۳۷۷ کتاب الإجارة)۔

جواب:... ایسا ٹھیکہ جائز ہے۔[۱]

ٹھیکیداری کا کمیشن دینا اور لینا

سوال:... گورنمنٹ کے مختلف محکموں میں ٹھیکیداری کے سلسلے میں چند مسائل دریافت کرنے ہیں۔ ٹھیکے کی بولی (ٹینڈر) کے وقت ٹھیکیدار حضرات آپس میں بیٹھ کر فیصلہ کرتے ہیں کہ اسلم، زید یا فلاں شخص ٹھیکہ لے لیں اور ٹھیکے کے بدلے میں دُوسرے ٹھیکیداروں کو رینگ دے دیں، یعنی کچھ رقم جو بقایا ٹھیکیدار آپس میں بانٹ لیں گے، رینگ لینے والے ٹھیکیدار حضرات جواز یہ پیش کرتے ہیں کہ:

* :... ہم نے گورنمنٹ کو باقاعدہ فیس دی ہے۔
* :... موجودہ ٹھیکے کے لئے کال ڈپازٹ ۲٪ (دو فیصد) بطور ضمانت اسی ٹھیکے کے لئے پیشگی جمع کردی۔
* :... ٹھیکے کے لئے ٹینڈر فارم کے پیسے ناقابلِ واپسی ۵۰۰ روپے یا ۲۵۰ روپے جمع کرتے ہیں، چاہے ہم ٹھیکہ لیں یا نہ لیں، لہٰذا یہ رینگ ہمارا محنت، سرمایہ اور فیس کی وجہ سے حق بنتا ہے۔

نوٹ:... کال ڈپازٹ کی رقم واپسی ہوتی ہے۔

رینگ کی صورت میں وہ ٹھیکیدار جو ٹھیکہ لیتا ہے، پورا پورا ریٹ (پریمیم) بھرلیتا ہے، مقابلے کی صورت میں ہر ٹھیکیدار کم ریٹ بھرتا ہے، اس صورت میں محکمہ کو بھی نقصان، اپنا بھی نقصان اور کام کا بھی نقصان ہوتا ہے، اور رینگ کی صورت میں ایک حد تک کام صحیح ہوتا ہے، یعنی شرعاً اس صورتِ حال کو دیکھتے ہوئے کیا حکم ہے کہ رینگ لینا دینا کیسا ہے؟

جواب:... یہ رینگ رشوت کے حکم میں ہے اور یہ جائز نہیں،[۲] لینے والے حرام کھاتے ہیں۔[۳] مقابلے سے بچنے کے لئے وہ

---

(۱) کل ما ینتفع به مع بقاء عینه تجوز إجارته وما لَا فلا۔ (الفقه الإسلامي وأدلّته ج:۴ ص:۷۳۳، الفصل الثالث، عقد الإیجار)۔ أیضًا: والإجارة لَا تخلوا إمّا أن تقع علٰی وقت معلوم أو علٰی عمل معلوم، فإن وقعت علٰی عمل معلوم، فلا تجب الأجرة إلّا بإتمام العمل إذا کان العمل مما لَا یصلح أوله إلّا بآخره، وإن کان یصلح أوّله دون آخره فتجب الأجرة بمقدار العمل۔ (النتف في الفتاویٰ ص:۳۳۸ کتاب الإجارة، طبع سعید)۔ أیضًا: إستأجره لیبني له حائطًا بالآجرّ والجص وعلم طوله وعرضه جاز .... ولو إستأجره لحفر البئر إن لم یبین الطول والعرض والعمق، جاز إستحسانًا ...إلخ۔ (فتاوی عالمگیری ج:۴ ص:۴۵۱، کتاب الإجارة، الباب الخامس، طبع رشیدیه کوئٹه)۔

(۲) الرشوة: مثلثة ما یعطي لِإبطال حق، أو لِإحقاق باطل، قاله السید، وفي کشاف المصطلحات· الرشوة لغة ما یتوصل به إلی الحاجة بالمصانعة بأن تصنع له شیئًا لیصنع لک شیئًا آخر، قال ابن الأثیر: وشرعًا. ما یأخذه الآخذ ظلمًا بجهة یدفعه الدافع إلیه من هذه الجهة وتمامه في صلح الکرماني، فالمرتشي الآخذ والراشي هو الدافع کذا في جامع الرموز في کتاب القضاء وفي البرجندي: الرشوة مال یعطیه بشرط أن یعینه والذی یعطیه بلا شرط فهو هدیة کذا في فتاویٰ قاضیخان۔ (قواعد الفقه ص:۳۰۷، طبع صدف پبلشرز کراچی)۔

(۳) عبدالله بن عمر قال: لعن رسول الله صلی الله علیه وسلم الراشي والمرتشي۔ (رواه الترمذی ج:۱ ص ۲۴۸، وأبوداوٗد ج ۲ ص:۱۴۸)۔ أیضًا في الدر المختار: الرشوة لَا تملک بالقبض۔ (الدر المختار مع الرد المحتار ج ۶ ص.۴۲۳، فصل في البیع)۔

یہ بھی تو کر سکتے ہیں کہ آپس میں یہ طے کرلیا کریں کہ فلاں ٹھیکہ فلاں شخص لے گا، اس طرح آپس میں ٹھیکے بانٹ لیا کریں۔

سوال:... سرکاری محکموں میں یہ ایک قسم کا رواج ہے کہ جس طرح بھی اچھا کام کریں لیکن آفیسر صاحبان اپنا کمیشن لیتے ہیں، بغیر کمیشن آپ کا کام جتنا بھی صحیح ہو حکومت یا محکمے کے شیڈول کے مطابق کام ہو، پھر بھی کمیشن نہیں چھوڑتے اور کام نامنظور ہو جاتا ہے، اور اگر کمیشن نہ دو تو ٹھیکیداری چھوڑنا ہوگی، جبکہ ٹھیکیداری میری مجبوری ہے، لہٰذا کمیشن دینا کیسا ہے؟ اور میرا ٹھیکیداری کا بقایا یعنی کمایا ہوا روپیہ کیسا ہے، جائز یا ناجائز؟

جواب:... یہ بھی رشوت ہے، اگر دفعِ ظلم کے لئے رشوت دی جائے تو توقع ہے کہ دینے والے پر پکڑ نہیں ہوگی، لیکن لینے والا بہرحال حرام کھائے گا۔[1]

سوال:... ٹھیکے میں بعض یار باش آفیسر، ٹھیکیدار کو بطور تعاون بل زیادہ دیتا ہے، مثلاً: کھدائی ۹۰ فٹ ہوئی ہے اور آفیسر ۱۰۰ فٹ کے پیسے دیتے ہیں، یہ زائد ۱۰ فٹ کے پیسے کیسے ہیں؟

جواب:... خالص حرام ہیں۔[2]

سوال:... جبکہ آفیسر جواز یہ پیش کرتا ہے کہ جس کام کے لئے گورنمنٹ نے جو پیسہ یا رقم مختص کی ہے اور ہمیں استعمال کی اجازت ہے، وہی کام مکمل کر کے بقیہ رقم ٹھیکیدار کا حق ہے، اس لئے ہم زائد بل بناتے ہیں۔ اور بعض دفعہ اس زائد رقم کو ٹھیکیدار اور آفیسر بانٹ لیتے ہیں۔

جواب:... ٹھیکیدار سے یہ طے کرلیا جائے کہ اتنا کام، اتنی ہی رقم میں کرائیں گے،[3] کام کم کرانا اور پیسے زیادہ کے دینا جائز نہیں، اور مال حرام ملی بھگت ہی سے کھایا جاتا ہے۔

اسلام میں حقِ شفعہ کی شرائط

سوال:... کیا اسلام میں شفعہ کرنا جائز ہے؟ جس طرح کہ اگر والدین اپنی جائیداد کا کچھ حصہ یا ساری جائیداد کسی دُوسرے کے ہاتھ فروخت کردیں تو اس شخص کی اولاد یا اس کے رشتہ دار حقِ شفعہ کر سکتے ہیں؟ اور وہ لوگ اسلامی قوانین کی رُو سے واپس لینے کے

---

(۱) ثم الرشوة أربعة أقسام .... الرابع: ما يدفع لدفع الخوف من المدفوع إليه على نفسه، أو ماله، حلال للدافع، حرام على الآخذ، لأن دفع الضرر عن المسلم واجب. (فتاوىٰ شامی ج:۵ ص:۳۶۲). أيضًا: لو اضطر إلى دفع مرشوة لإحياء حقه جاز له الدفع وحرم على القابض. (رد المحتار ج:۵ ص:۷۲، مطلب في التداوي بلبن البنت للرمد).

(۲) يا أيها الذين امنوا لا تأكلوا أموالكم بينكم بالباطل. بما لم تبحه الشريعة من نحو السرقة، والخيانة، والغصب، والقمار، وعقود الربا. (التفسير النسفي ج:۱ ص:۳۵۱، طبع دار ابن كثير، بيروت).

(۳) قال ابن همام: (قوله ولا تصح حتى تكون المنافع معلومة والأجرة معلومة لما روينا وهو قول عليه السلام من استأجر أجيرًا فليعلمه أجره، وهذا الحديث بعبارته دل على إشتراط اعلام الأجرة وبدلالته على إشتراط اعلام المنافع ...الخ. (فتح القدير ج:۸ ص:۲، كتاب الإجارة). أيضًا: وفي البزازية- وكذا لو قال أصلح هذا الجدار بهذا الدرهم يجوز وإن لم يذكر الوقت لأنه يمكن نه الشروع في العمل حالًا ...الخ. (البزازية بهامشه عالمگيری ج:۵ ص:۳۰، طبع رشيديه كوئٹه).

حق دار ہیں یا کہ نہیں؟ میں نے ایک آدمی سے سنا ہے کہ حقِ شفعہ اسلام میں جائز نہیں۔

جواب: اسلام میں حقِ شفعہ تو جائز ہے،[1] مگر اس کے مسائل ایسے نازک ہیں کہ آج کل نہ تو لوگوں کو ان کا علم ہے، اور نہ ان کی رعایت کرتے ہیں۔ مختصر یہ کہ امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک حقِ شفعہ صرف تین قسم کے لوگوں کو حاصل ہے:

اوّل:...وہ شخص جو فروخت شدہ جائیداد (مکان، زمین) میں شریک اور حصہ دار ہے۔

دوم:...وہ شخص جو جائیداد میں تو شریک نہیں، مگر جائیداد کے متعلقات میں شریک ہے، مثلاً: دو مکانوں کا راستہ مشترکہ ہے، یا زمین کو سیراب کرنے والی پانی کی نالی دونوں کے درمیان مشترک ہے۔

سوم:...وہ شخص جس کا مکان یا جائیداد فروخت شدہ مکان یا جائیداد سے متصل ہے۔

ان تین اَشخاص کو علی الترتیب حق شفعہ حاصل ہے، یعنی پہلے جائیداد کے شریک کو، پھر اس کے متعلقات میں شریک شخص کو، اور پھر ہمسائے کو حقِ شفعہ حاصل ہوگا۔ اگر پہلا شخص شفعہ نہ کرنا چاہے، تب دُوسرا کرسکتا ہے، اور دُوسرا نہ کرنا چاہے، تب تیسرا کرسکتا ہے۔[2]

اس سے معلوم ہوا ہوگا کہ فروخت کنندہ کی اولاد یا اس کے رشتہ داران تین فریقوں میں سے کسی فریق میں شامل نہیں ہیں، تو ان کو محض اولاد یا رشتہ دار ہونے کی بنا پر شفعہ کا حق نہیں۔

پھر جس شخص کو شفعہ کا حق حاصل ہے، اس کے لئے لازم ہے کہ جب اسے مکان یا جائیداد کے فروخت کئے جانے کی خبر پہنچے، فوراً بغیر کسی تاخیر کے یہ اعلان کرے کہ: ''فلاں مکان فروخت ہوا ہے اور مجھے اس پر حقِ شفعہ حاصل ہے، میں اس حق کو استعمال کروں گا'' اور اپنے اس اعلان کے گواہ بھی بنائے۔[3]

اس کے بعد وہ بائع کے پاس یا مشتری کے پاس (جس کے قبضے میں جائیداد ہو) یا خود اس فروخت شدہ جائیداد کے پاس

---

(۱) عن جابر قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: الشفعة فى كل شرك ربعة أو حائط لا يصح أن يبيع حتى يؤذن شريكه فإن باع فهو أحق به حتى يؤذنه. وعن سمر عن النبى صلى الله عليه وسلم: جار الدار أحق بدار الجار والأرض. وعن جابر بن عبدالله قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: الجار أحق بشفعة جاره ينتظر بها وإن كان غائبًا إذا كان طريقهما واحد. (رواه ابوداؤد ج:۲ ص:۱۴۰، باب فى الشفعة).

(۲) قال فى الهداية: الشفعة واجبة للخليط فى نفس المبيع ثم للخليط فى حق المبيع كالشرب والطريق ثم للجار. أفاد بهذا اللفظ ثبوت حق الشفعة لكل واحد من هؤلاء وأفاد الترتيب، أما الثبوت فلقوله عليه السلام: الشفعة لشريك لم يقاسم، ولقوله عليه السلام: جار الدار أحق بالدار ...إلخ. (هداية ج:۴ ص:۳۹۰، كتاب الشفعة). أيضًا. قال ابن همام وأما الترتيب فلقوله عليه السلام: الشريك أحق من الخليط والخليط أحق من الشفيع فالشريك فى نفس المبيع والخليط فى حقوق المبيع والشفيع هو الجار. ...إلخ. (هكذا فى فتح القدير ج:۸ ص:۳۰۰، كتاب الشفعة). أيضًا. قال فى الهداية وليس لشريك فى الطريق والشرب والجار شفعة مع الخليط فى الرقبة لما ذكرنا انه مقدم. قال فإن سلم فالشفعة للشريك فى الطريق فإن سلم أخذها الجار. لما بينا من الترتيب ...إلخ. (هداية ج:۴ ص:۳۹۰).

(۳) وإذا علم الشفيع بالبيع اشهد فى مجلسه ذٰلك على المطالبة وقال فى الكفاية وكذٰلك إن كان بمحضر من الشهود يبغى له أن يشهدم علٰى طلبه .(فتح القدير ج:۸ ص:۳۰۷، كتاب الشفعة).

جا کر بھی یہی اعلان کرے، تب اس کا شفعہ کا حق برقرار رہے گا،[1] ورنہ اگر اس نے بیع کی خبر سن کر سکوت اختیار کیا اور شفعہ کرنے کا فوری اعلان نہ کیا تو اس کا حقِ شفعہ ساقط ہوجاتا ہے۔[2] ان دو مرتبہ کی شہادتوں کے بعد وہ عدالت سے رُجوع کرے اور وہاں اپنے استحقاق کا ثبوت پیش کرے۔[3]

اب آپ دیکھ لیجئے کہ آج کل جو شفعہ کئے جارہے ہیں، ان میں ان اَحکام کی رعایت کہاں تک رکھی جاتی ہے۔ اس لئے اگر کسی سے آپ نے یہ سنا ہے کہ: ''اسلام میں اس قسم کے حقِ شفعہ کی اجازت نہیں'' تو ایک درجے میں یہ بات صحیح ہے۔ لوگ تو رائج الوقت قانون کو دیکھتے ہیں، شریعت میں کون سی بات صحیح ہے، کون سی صحیح نہیں؟ اس کی رعایت بہت کم لوگ کرتے ہیں۔

کیا حکومت چیزوں کی قیمت مقرّر کرسکتی ہے؟

سوال:... حکومت بعض چیزوں کی قیمت مقرّر کردیتی ہے، تو کیا اس طرح قیمت مقرّر کرنا دُرست ہے؟ اور کیا اس سے زائد قیمت میں بیچنا خفیہ طریقے سے جائز ہے یا نہیں؟

جواب:... قیمت مقرّر کردینا ضرورت کے وقت جائز ہے، جبکہ اَربابِ اَموال تعدّی کرتے ہوں۔ اسی طرح ضرورت کے وقت حنفیہ کے نزدیک ہر چیز کی قیمت مقرّر ہوسکتی ہے۔ زائد قیمت پر فروخت کرنا بہتر تو نہیں ہے، لیکن اگر فروخت کردیتا ہے تو بیع (یعنی فروخت مکمل) ہوجائے گی۔[4]

مالکان کی بتلائی قیمت سے زیادہ گاہکوں سے وصول کرکے آدھی رقم اپنے پاس رکھنا

سوال:... میرے چھوٹے بھائی کی حال ہی میں ایک دُکان پر نوکری لگی ہے، کام کی نوعیت یہ ہے کہ جو سامان انہیں فروخت کرنا پڑتا ہے، مالکان اس کی قیمت بھی بتادیتے ہیں کہ فلانی چیز اس قیمت پر فروخت کرنی ہے، اگر اس سے زیادہ قیمت پر فروخت

---

(۱) (لم ينهض منه) يعني من المجلس ويشهد على البائع إن كان المبيع في يده) معناه لم يسلم إلى المشتري أو على المبتاع أو عند العقار فإذا فعل ذٰلك استقرت شفعته. وصورة هٰذا الطلب أن يقول ان فلانا اشترى هٰذه الدار وأنا شفيعها وقد كنت طلبت الشفعة وأطلبها الآن فاشهدوا على ذٰلك ...إلخ. (هداية ج:۴ ص:۳۹۱، باب طلب الشفعة).

(۲) اعلم ان الطلب على ثلاثة أوجه، طلب المواثبة وهو أن يطلبها كما علم حتّى لو بلغ الشفيع ولم يطلب شفعته بطلت الشفعة لما ذكرنا ولقول عليه السلام الشفعة لمن واثبها ...إلخ. (هداية ج:۴ ص:۳۹۰، باب طلب الشفعة).

(۳) وإذا تقدم الشفيع إلى القاضي فادعى الشراء وطلب الشفعة سأل القاضي المدعٰى عليه فإن اعترف بملكه الذي يشفع به وإلّا كلفه بإقامة البينة ...إلخ. (هداية ج:۴ ص:۳۹۲، باب طلب الشفعة والخصومة فيها).

(۴) فإن كان أرباب الطعام يتحكموا ويتعدون عن القيمة تعديا فاحشا وعجز القاضي عن صيانة حقوق المسلمين إلّا بالتسعير فحينئذ لَا بأس به بمشورة من أهل الرأي والبصيرة فإذا فعل ذٰلك وتعدى رجل عن ذٰلك وباع بأكثر منه اجازه القاضي وهٰذا ظاهر عند أبي حنيفة لأنه لَا يرى الحجر على الحر وكذا عندهما إلّا أن يكون الحجر على قوم بأعيانهم، ومن باع فهم بما قدروه الإمام صح لأنه غير مكره على البيع. (هداية ج:۴ ص:۴۷۰ كتاب الكراهية، فصل في البيع). أيضًا: ولَا يسعّر الحاكم إلّا إذا تعدى الأرباب تعديًا فاحشًا، فيسعّر بمشورة أهل الرأي. (الدر المختار ج:۶ ص:۴۰۰ كتاب الحظر والإباحة، فصل في البيع، أيضًا: المحيط البرهاني ج:۸ ص:۲۶۸ الفصل الخامس والعشرون طبع غفاريه).

کرتے ہیں اور مالکوں کو پتا چل جائے تو وہ نوکری سے بھی نکال سکتے ہیں۔ لیکن میرا بھائی موقع پاتے ہی دُگنی قیمت پر چیزیں فروخت کرتا ہے، پھر اصل قیمت مالکوں کو دیتا ہے، باقی اپنے لئے رکھ لیتا ہے۔ اس کام میں اس کے ساتھ کچھ اور لڑکے بھی شریک ہیں، میری نظر میں یہ سراسر حرام ہے، کیونکہ جس چیز پر وہ دُگنی قیمت لیتے ہیں وہ ان کی نہیں، اور جن کی ہے ان کی طرف سے اِجازت بھی نہیں، اور پھر اس کے فروخت کرنے کے لئے وہ جھوٹ بھی بولتے ہیں۔ محترم! اگر یہ آمدنی جائز نہیں تو میرے گھر والوں کے لئے کیا حکم ہے جو اس کی حمایت کرتے ہیں؟

جواب:... آپ کا بھائی جس دُکان پر ملازم ہے، چیزیں فروخت کرنے میں ان کا وکیل ہے، اور وکیل کے لئے یہ جائز نہیں کہ زیادہ قیمت کی چیز بیچ کر مالک کو تھوڑے پیسے دے،[1] اس لئے آپ کے بھائی کی یہ زائد آمدنی سراسر حرام اور خنزیر کی طرح پلید ہے، اس کو اس سے توبہ کرنی چاہئے اور گھر والوں کو بھی، ورنہ قبر اور حشر میں اس کا حساب دینا ہوگا اور ''نیکی برباد، گناہ لازم'' والا معاملہ ہوگا، نماز اور عبادت بھی قبول نہیں ہوگی۔[2] واللہ اعلم!

صرّاف لاپتا زیورات کا کیا کرے؟

سوال:... ہمارے ایک دوست صرّاف ہیں، ان کے پاس ان کے والد صاحب مرحوم کے وقت میں مختلف لوگوں نے زیورات بنانے کے لئے سونا دیا تھا، ان کے والد صاحب کا انتقال ہوگیا ہے، جس کو تقریباً بیس سال ہوچکے ہیں۔ ان کے بعد کئی لوگ آئے اور اپنا سونا زیورات کی شکل میں لے گئے، لیکن اب بھی کچھ لوگ ایسے ہیں جو اپنی چیز واپس لینے نہیں آئے، اب وہ ساتھی پوچھ رہے ہیں کہ اس سونے کو کیا کیا جائے؟ براہِ کرم اس کا جواب عنایت فرمائیں۔

جواب:... عام طور پر صرّافوں کے پاس اپنے گاہکوں کے نام اور پتے لکھے ہوتے ہیں (اور چونکہ موت و حیات کا پتا نہیں، اس لئے لکھ لینا بھی ضروری ہے)، پس جن لوگوں کی امانتیں والد صاحب کے زمانے سے پڑی ہیں، اگر ان کے نام اور پتے محفوظ ہیں تو ان کے گھر پر اطلاع کرنا ضروری ہے، اور اگر محفوظ نہ ہوں تو کسی ممکنہ ذریعے سے تشہیر کردی جائے، اور تشہیر کے ایک سال بعد تک اگر کوئی نہ آئے تو ان کا حکم گمشدہ چیز کا ہوگا، اور مالک کی طرف سے ان کو صدقہ کردیا جائے گا۔[3] لیکن اگر صدقہ کرنے کے بعد مالک یا اس

---

(۱) الوكيل إذا باع أن يكون أمينًا فيما يقبضه من الثمن. (الفقه الحنفي وأدلّته ج:۲ ص:۱۳۴، كتاب الوكالة). أيضًا: فإن الوكيل ممن لَا يثبت له حكم تصرفه وهو الملك فإن الوكيل بالشرى لَا يملك المشترى والوكيل بالبيع لَا يملك الثمن. . لأن الوكيل يملك التصرف من جهة الموكل. (الجوهرة النيرة ص:۳۰۰ كتاب الوكالة، طبع حقانيه).

(۲) عن ابن عمر قال: من اشترى ثوبًا بعشرة دراهم وفيه درهم حرام لم يقبل الله تعالى له صلٰوة ما دام عليه، ثم ادخل اصبعيه في اذنيه وقال. صمّتا ان لم يكن النبي صلى الله عليه وسلم سمعته يقوله. رواه أحمد والبيهقي. (مشكُوة ص:۲۴۳، كتاب البيوع، باب الكسب وطلب الحلال، طبع قديمي).

(۳) قال. فإن كانت أقل من عشرة دراهم عرفها أيامًا وإن كانت عشرة فصاعدًا عرفها حولًا، قال العبد الضعيف: وهذا رواية عن أبي حنيفة وقوله أيامًا معناه على حسب ما يراه الإمام وقدره محمد في الأصل بالحول من غير تفصيل بين القليل والكثير. (هداية ج:۲ ص:۵۹۴، كتاب اللقطة، طبع محمد على كارخانه).

کے وارثوں کا پتا چلا تو ان کو مطلع کرنا لازم ہے، پھر ان کو اِختیار ہوگا کہ اگر وہ چاہیں تو اس صدقے کو بحال رکھیں اور چاہیں تو اپنی چیز وصول کرلیں۔

اگر وہ اپنی چیز کا مطالبہ کریں تو جو رقم اس نے صدقہ کی ہے وہ خود اس کی طرف سے سمجھی جائے گی اور مالک کو اتنی رقم ادا کرنا لازم ہوگا۔[1] اس لئے ضروری ہوگا کہ صدقہ کرنے کی صورت میں یہ یادداشت تحریری طور پر لکھ کر رکھی جائے کہ ''فلاں شخص کے اتنے زیورات، مالک کا پتا نشان نہ ملنے کی وجہ سے اس کی طرف سے صدقہ کردیئے گئے ہیں، اگر کبھی اس شخص کا یا اس کے وارثوں کا پتا چلا، اور انہوں نے اس کا مطالبہ کیا تو انہیں اس کا معاوضہ ادا کردیا جائے'' اس تحریر کا وصیت نامہ کی شکل میں محفوظ رہنا ضروری ہے۔

درزی کے پاس بچا ہوا کپڑا کس کا ہے؟

سوال:... میرے چھوٹے بھائی نے چند ماہ پہلے درزی کی دُکان کی تھی اور اس سال اس کا یہ پہلا رمضان تھا، چونکہ رمضان میں درزیوں کے پاس بہت کام آتا ہے، چنانچہ اس کے پاس بھی آیا اور بہت سارے کپڑوں کے ٹکڑے بچے۔ میرے بھائی کا کہنا ہے کہ: ''گاہک تو خود پانچ یا چھ میٹر کپڑا جوڑے کے حساب سے لاتا ہے، اب اگر میں اپنے طور پر کٹنگ کرکے کپڑا بچالوں تو کوئی حرج نہیں ہے، اور بعض اوقات ایک ہی گھر کے کئی کئی جوڑے ایک ہی رنگ کے ہوتے ہیں، چنانچہ کٹنگ کے اختتام پر زیادہ کپڑا بچ جاتا ہے جو کار آمد ہوتا ہے'' یہ کپڑا جو بچا، ہم اپنے گھر میں استعمال کرسکتے ہیں یا نہیں؟ اور اگر ہم یہ کپڑا کسی غریب کو دے دیں تو کیا یہ عمل ٹھیک ہوگا؟ یا یہ کپڑا گاہک کو واپس کرنا ضروری ہے؟

جواب:... جو کپڑا بچ جائے وہ مالک کا ہے، اس کو واپس کردینا لازم ہے، اس کو خود اِستعمال کرنا یا کسی غریب کو دینا جائز نہیں، ورنہ چوری اور خیانت کا گناہ ہوگا۔[2]

ہنڈی کا کاروبار کیسا ہے؟

سوال:... عرض یہ ہے کہ ہمارے یہاں دُبئی وابوظہبی میں کچھ لوگ ہنڈی کا کاروبار کرتے ہیں، اور لوگ ان کو یہاں پر دُبئی

---

(۱) فإن جاء صاحبها وإلّا تصدق بها ایصالًا للحق إلى المستحق وهو واجب بقدر الإمكان وذٰلک بإیصال عینها عند الظفر بصاحبها .. .. فإن جاء صاحبها یعني بعد ما تصدق بها فهو بالخیار إن شاء أمضى الصدقة وله ثوابها لأن التصدق وإن حصل بإذن الشرع لم یحصل بإذنه فیتوقف على إجازته ...... وإن شاء ضمن الملتقط لأنه سلم ماله إلى غیره بغیر إذنه ..الخ۔ (هدایة ج:۲ ص ۵۹۵ کتاب اللقطة، طبع محمد علی کارخانه اسلامی کتب)۔

(۲) کیونکہ یہ امانت ہے، اور اَمانت کو بروقت ادا کرنا ضروری ہے۔ ان الله یأمرکم أن تؤدوا الأمانات إلى اهلها۔ (النساء:۵۸)۔ عن أبی هریرة قال: قال رسول الله صلى الله علیه وسلم: أدّ الأمانة إلى من ائتمنک ولَا تخن من خانک۔ (سنن ابی داوٗد ج:۲ ص:۱۴۲ کتاب البیوع)۔ أیضًا: عن أبی هریرة رضی الله عنه عن النبی صلى الله علیه وسلم قال: آیة المنافق ثلاث: إذا حدّث کذب، وإذا وعد أخلف، وإذا اؤتمن خان۔ (صحیح البخاری ج:۱ ص:۱۰ کتاب الإیمان)۔ أیضًا: لَا یجوز لأحد أن یتصرف فی ملک غیره بلا إذنه أو وکالة منه۔ (شرح المجلة لسلیم رستم باز ص:۶۱ رقم المادة:۹۶، طبع حبیبیه کوئٹه، أیضًا: الأشباه والنظائر ص:۲۷۶ الفن الثانی، طبع إدارة القرآن کراچی)۔

کی کرنسی یعنی درہم دیتے ہیں اور موجودہ پاکستانی بینکوں سے تھوڑا ریٹ زیادہ دے کر رقم پاکستانی کرنسی میں بھیجنے والے کے گھر منی آرڈر یا بینک ڈرافٹ بھیج دیتے ہیں، یا دستی نقد رقم گھر پہنچا دیتے ہیں۔ باوجودیکہ یہاں متحدہ عرب امارات میں عرب مسلمانوں کی حکومت ہے اور بعض مسلمانوں اور غیرمسلموں کو حکومت نے لائسنس (اجازت نامہ) دیئے ہوئے ہیں، اور باقاعدہ نظم و ضبط کے ساتھ ہنڈی کا کاروبار کرتے ہیں، لاکھوں، کروڑوں روپے کی ہر قسم کی کرنسی ان کے شوکیسوں میں ہر وقت بھری رہتی ہے۔ تو ان کے خلاف تو آج تک کسی نے آواز نہیں اُٹھائی، مگر دُوسرے حضرات جن کی رجسٹریشن نہیں ہے، ہر ہفتے ''بلادی'' روزنامہ ''جنگ'' میں ان کے خلاف مراسلے لکھ کر شائع کر رہے ہیں کہ یہ کاروبار حرام ہے، حب الوطنی کے خلاف اور ناجائز ہے۔

جواب:... ہنڈی کے کاروبار کو صاحبِ ہدایہ نے مکروہ[1] اور بعد کے فقہاء نے جائز لکھا ہے۔[2] اس لئے اگر گورنمنٹ کا قانون اجازت دیتا ہے تو گنجائش نکل سکتی ہے، اور حکومت کا بعض کو اجازت دینا اس امر کی دلیل ہے کہ یہ اَزرُوئے قانون جائز ہے، مگر اس کے لئے لائسنس ہونا چاہئے۔

گورنمنٹ کی زمین پر ناجائز قبضہ کرنا

سوال:... کراچی میں رہائشی پلاٹ ''کے ڈی اے'' قیمتاً فروخت کرتی ہے، ہر مکان کے باہر سڑک سے متصل کچھ زمین چھوڑ دی جاتی ہے، جس کی قیمت پلاٹ خریدنے والا ادا نہیں کرتا، اس لئے اس کی ملکیت بھی نہیں ہوتی۔ لیکن مشاہدہ یہ ہے کہ آبادی کی اکثریت اس کو اپنے استعمال میں لاتی ہے، ذاتی باغ بنا کر جس میں عوام کا گزر نہیں ہوسکتا، یا مکان کا کچھ حصہ اس پر تعمیر کر کے۔ کیا یہ لوگ اس وعید میں نہیں آتے جس میں کہا گیا ہے کہ اگر کوئی کسی کی ایک بالشت زمین پر قبضہ کرے گا تو وہ قیامت کے دن اس کے گلے میں طوق بنا کر ڈالی جائے گی؟

جواب:... یہ لوگ واقعی اس وعید میں داخل ہیں۔[3]

سوال:... دُوسرے وہ لوگ ہیں جن کے پاس رہنے کو مکان نہیں ہے، اور نہ اتنا مال کہ قیمتاً خرید سکیں، انہوں نے خالی زمینوں پر قبضہ کیا اور مکان بنا کر رہنے لگے، پھر ان مکانوں اور زمینوں کی خرید و فروخت بھی شروع کردی، جیسے ''اورنگی ٹاؤن'' میں

---

(۱) ویکرہ السفاتج وھی قرض استفادہ بہ المقروض سقوط خطر الطریق وھذا نوع استفید بہ وقد نھی الرسول علیہ السلام عن قرض جر نفعًا۔ (ھدایۃ ج:۳ ص:۱۳۱، کتاب الحوالۃ، أیضًا رد المحتار ج:۴ ص:۵۱۷ مطلب فی بیع الجامکیۃ، وج:۵ ص:۳۵۰ کتاب الحوالۃ، طبع ایچ ایم سعید)۔

(۲) قال ابن نجیم: (قولہ وکرہ السفاتج) حاصلہ عندنا قرض استفاد بہ المقرض أمن خطر الطریق للنھی عن قرض جر نفعہ وقیل إذا لم تکن المنفعۃ مشروطۃ فلا بأس بہ وفی البزازیۃ من کتاب الصرف ما یقتضی ترجیح الثانی فلا بأس بقبول ھدیۃ الغریم وإجابۃ دعوتہ بلا شرط ...إلخ۔ (ھکذا فی البحر الرائق ج:۶ ص:۲۵۴، کتاب الحوالۃ)۔

(۳) ان سعید ابن زید قال: سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من ظلم من الأرض شیئًا طوقہ من سبع أرضین۔ (صحیح بخاری ج:۱ ص:۳۳۲، باب إثم من ظلم شیئًا من الأرض)۔ وعن یعلی بن مرۃ قال: سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایما رجل ظلم شبرًا من الأرض کلفہ اللہ عز وجل أن یحفرہ حتی یبلغ آخر سبع أرضین ثم یطوقہ إلی یوم القیامۃ حتی یقضی بین الناس۔ رواہ أحمد۔ (مشکوۃ ص:۲۵۶، باب الغصب والعاریۃ)۔

رہنے والے بہت سے لوگ بغیر حکومت کی اجازت کے، اور قیمت ادا کئے بغیر زمین پر قابض ہوگئے ہیں، اب تک وہ زمین گورنمنٹ نے کسی کو الاٹ نہیں کی ہے، لیکن لوگ اس کی خرید و فروخت میں مصروف ہیں۔ ایسے لوگوں کے لئے شرع کا کیا حکم ہے؟

جواب:... آدمی اپنی مملوکہ چیز کو فروخت کرنے کا حق رکھتا ہے، جو چیز اس کی ملکیت نہیں اس کو فروخت کرنے کا کوئی حق نہیں رکھتا، لہٰذا سرکاری اجازت کے بغیر جو لوگ زمین پر قابض ہیں وہ اس کو فروخت کرنے کے مجاز نہیں۔ [1]

جس اِدارے میں آمدنی کے ذرائع واضح نہ ہوں وہاں نوکری کرنا

سوال:... یوں تو میں خود بھی تفہیمِ دِین کی کوشش میں مصروف رہتا ہوں، تمام اہم احادیث اور صحاح ستہ بھی موجود ہے، لیکن پھر بھی ظاہر ہے دِین کا جو شعور علمائے کرام رکھتے ہیں، دُوسرے لوگ کم ہی رکھتے ہیں۔ میں صحافت سے وابستہ ہوں اور اس میں پھیلے مکروہات اور خرافات سے کبھی مفاہمت نہیں کر پایا۔ وقت کے ساتھ ساتھ میں اپنے دِینی نظریات میں راسخ ہوتا جارہا ہوں۔ اس سے بظاہر چند مسائل فی الحال پیدا ہورہے ہیں، میرا یہاں سوال یہ ہے کہ اگر ہمیں یہ اچھی طرح شعور ہو، آگاہی ہو کہ جس اِدارے میں کام کر رہے ہیں، حقیقتاً مالکان کا کردار مستحسن نہیں، عام طور پر تارکِ نماز ہو، قولاً اور عملاً جھوٹ نے انہیں اور انہوں نے جھوٹ کو اوڑھ رکھا ہو، انتہا درجے کا تعصب زبان و قومیت وغیرہ کے حوالے سے ان کی گھٹی میں پڑا ہو، اور اس کی آمدنی کے ذرائع بھی واضح نہ ہوں، جہاں کام کرکے آدمی ہرگز دِین کی، ملک کی کوئی خدمت انجام نہ دے سکے، ذہن و قلب پر افسردگی طاری رہے کہ آپ صرف رزق کی خاطر یہاں کام کر رہے ہیں، ورنہ اور کوئی جذبہ نہیں۔ سوال یہ ہے کہ اگر واقعتاً اور پوری کھلی آنکھوں سے صورتِ حال یہی ہو تو کیا ایک صحافی ایسے اِدارے میں کام کرسکتا ہے؟ جبکہ نماز کے تارک درجۂ کفر پر ہوں، جھوٹ انسانی بُرائیوں میں بدترین بُرائی ہو، اور اس سے ظاہر ہے خیر نہیں شر ہی پھوٹتا ہے۔ اندھا تعصب جو اِیمان کو دِل سے خارج کردے۔ کیا ایک مؤمن وہاں کام کرسکتا ہے؟ اسے کرنا چاہئے یا نہیں؟

جواب:... کسی اچھی جگہ ذریعہ معاش کی تلاش کرے اور اللہ تعالیٰ سے دُعا بھی کرتا رہے، جب کوئی معقول ذریعہ معاش میسر آجائے تو ایسی جگہ کو چھوڑ دے۔ [2]

چوری کی بجلی شرعاً جائز نہیں

سوال:... جہاں ہم رہتے ہیں وہاں تک بجلی نہیں پہنچ سکی ہے، لیکن بجلی کا پول قریب ہونے کی وجہ سے لوگ اس میں کنڈہ

---

(۱) وبطل ...... بیع ما لیس فی ملکہ لبطلان بیع المعدوم ومالہ خطر العدم (قولہ لبطلان بیع المعدوم) إذ من شرط المعقود علیہ أن یکون موجودًا مالًا متقومًا مملوکًا فی نفسہ، وأن یکون ملک البائع فیما یبیعہ لنفسہ، وان یکون مقدور التسلیم۔ (ردالمحتار مع الدر المختار ص:۵۸ باب البیع الفاسد)۔ أیضًا: وعن حکیم بن حزام قال: نھانی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: أن أبیع ما لیس عندی۔ (سنن ترمذی ج:۱ ص:۲۳۳، باب ما جاء فی کراھیۃ بیع ما لیس عندہ)۔

(۲) وعن حسن ابن علی قال: حفظتُ من رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: دع ما یریبک إلی ما لا یریبک، فإن الصدق طمانیۃ وان الکذب ریبۃ۔ (مشکوٰۃ ص:۲۴۲، کتاب البیوع، باب الکسب وطلب الحلال)۔

ڈال کر فی گھر سو روپے لے کر سب کو بجلی فراہم کرتے ہیں، جو ایک چوری اور خلافِ قانون بات ہے، جو ہمارے گھر میں بھی موجود ہے۔ اس کی روشنی میں ہم نماز پڑھتے ہیں، وہ جائز ہے یا نہیں؟ اور اس سلسلے میں مجھے کیا کرنا چاہئے؟ کیونکہ میرے منع کرنے سے کچھ فائدہ نہیں ہوتا، لوگ کہتے ہیں کہ ہم نے تو پیسہ دیا ہے، مفت کی بجلی نہیں ہے۔

جواب:... چور اگر چوری کر کے سامان فروخت کردے اور آپ کو معلوم ہو کہ یہ چوری کا مال ہے تو اس کا خریدنا جائز نہیں، بلکہ حرام ہے۔ یہی حکم اس بجلی کا ہے۔[1]

وقف شدہ جنازہ گاہ کی خرید و فروخت

سوال:... ہمارے گاؤں میں ایک جگہ جنازہ گاہ کے لئے وقف تھی، مگر حفاظت نہ ہونے کی وجہ سے گندگی کا شکار ہوگئی اور وہاں جنازہ پڑھانا بند کردیا۔ ابھی وہاں گاؤں کے لوگوں کے لئے کنواں بنادیا گیا ہے، مگر کچھ جگہ بچ گئی ہے، جو ہمارے گھر کے ساتھ ہے اور ہمارا گھر تنگ ہے، تو ہمارا خیال ہوا کہ خرید کر مکان کو وسیع کرلیں، اگر یہ جگہ ہمارے لئے جائز ہو تو خرید کر اپنے استعمال میں لائیں۔

جواب:... وقف کی چیز کی خرید و فروخت جائز نہیں،[2] اگر وہ جگہ کسی نے باقاعدہ وقف نہیں کی تھی بلکہ خالی جگہ دیکھ کر لوگوں نے گورنمنٹ کی منظوری کے بغیر جنازہ گاہ کے طور پر اس کو استعمال کرنا شروع کردیا تھا، مگر مستقل وقف کی نیت کسی نے نہیں کی، نہ اس کی منظوری گورنمنٹ سے لی گئی تھی تو اس کا فروخت کرنا اور آپ کو خریدنا جائز ہے۔

مسجد کا پُرانا سامان فروخت کرنا

سوال:... نیوکراچی میں تھوڑے فاصلے پر دو مسجدیں ہیں، دونوں مسجدیں عام اینٹوں اور چھتیں سیمنٹ کی چادروں سے بنی

---

(۱) وفی حظر الأشباہ: الحرمة تتعدد مع العلم بها إلّا فی حق الوارث، (وفی الشامیة) .... وما نقل عن بعض الحنفیة من ان الحرام لَا یتعدی ذمتین .... هو محمول علٰی ما إذا لم یعلم بذٰلک، أما لو رأی المکاس مثلًا یأخذ من أحد شیئًا من المکس ثم یعطیه آخر ثم یأخذ من ذٰلک الآخر آخر فهو حرام۔ (رد المحتار علی الدر المختار ج:۵ ص:۹۸ مطلب الحرمة تتعدد)۔ أیضًا: قال علیه الصلاة والسلام: من اشتری سرقة وهو یعلم أنها سرقة فقد شرک فی عارها والمها۔ (فیض القدیر ج:۱ ص:۵۲۵۳ رقم الحدیث:۸۴۴۳، طبع مکتبه نزار مصطفی الباز، ریاض)۔ أیضًا: لم یحل للمسلم أن یشتری شیئًا یعلم أنه مغصوب، أو مسروق، أو مأخوذ من صاحبه بغیر حق، لأنه إذا فعل یعین الغاصب أو السارق أو المعتد علٰی غصبه وسرقته وعداوته قال رسول الله صلی الله علیه وسلم: من اشتری سرقةً (أی مسروقًا) وهو یعلم أنها سرقة، فقد اشترک فی إثمها وعارها، البیهقی۔ (الحلال والحرام فی الإسلام، لشیخ یوسف القرضاوی ص:۲۱۶ طبع المکتب الإسلامی للطباعة والنشر)۔

(۲) قال فی الشرنبلالیة: صرح رحمه الله ببطلان بیع الوقف، وأحسن بذٰلک، إذ جعله فی قسم البیع الباطل، إذ لَا خلاف فی بطلان بیع الوقف لأنه لَا یقبل التملیک والتملک ...... والحاصل أن هٰهنا مسألتین: الأولٰی: أن بیع الوقف باطل ولو غیر مسجد۔ (الفتاوی الشامیة ج:۵ ص:۵۷ مطلب فی بطلان بیع الوقف)۔ وفی الهدایة ج:۲ ص:۶۱۶ کتاب الوقف واذا صح الوقف لم یجز بیعه ولَا تملیکه۔ وأیضًا فی البدائع ج:۶ ص:۲۲۱ کتاب الوقف والصدقة، طبع سعید۔

ہوئی ہیں۔ ایک مسجد کو ایک صاحبِ حیثیت پارٹی نے اپنے خرچ پر پکی اور عالیشان بنوانا شروع کردیا تو پُرانا سامان جس میں چادریں، پنکھے اور دُوسرا سامان شامل تھا، مسجد کی انتظامیہ نے فروخت کردیا، اس سامان کو عام لوگوں نے خریدا اور اپنے گھروں میں استعمال کیا۔ کیا اس مسجد کا سامان دُوسری مسجد کے فنڈ سے خرید کر اس میں استعمال کیا جاسکتا ہے؟

جواب:... مسجد کا جو سامان اس کے کام کا نہ ہو، اس کو فروخت کرکے رقم مسجد میں لگانا صحیح ہے،[1] اور جن لوگوں نے مسجد کا وہ سامان خریدا، وہ اس کو استعمال کرسکتے ہیں، ان کے استعمال کرنے میں کوئی گناہ نہیں۔ اسی طرح اس سامان کو خرید کو دُوسری مسجد میں بھی لگایا جاسکتا ہے، اور جو سامان مسجد کی ضرورت سے زائد ہو وہ دُوسری مسجد کو منتقل کردینا بھی صحیح ہے۔[2]

تنخواہ کے ساتھ کمیشن لینا شرعاً کیسا ہے؟

سوال:... میں جس جگہ اس وقت کام کر رہا ہوں، وہ ایک نجی ادارہ ہے، میں وہاں صبح و شام کام کرتا ہوں، درمیان میں کھانے کا وقفہ بھی ہے۔ مسئلہ یہ ہے کہ میں یہاں صرف نوکری کرتا ہوں، میرا کوئی شراکت وغیرہ کا مسئلہ نہیں ہے، لیکن جب آج سے ڈیڑھ سال قبل میں نے نوکری شروع کی تو ان سے تنخواہ بھی طے کی جو بائیس سو روپے طے ہوئی، جبکہ میں بضد تھا کہ چھبیس سو روپے یا اس سے زائد ہو، لیکن وہ نہ مانے اور مجھ سے کہا کہ میں آپ کو ادارے کی آمدنی سے ۵ فیصد کمیشن دُوں گا جو کہ ہر ماہ تقریباً ۵۵۰ روپے یا کبھی اس سے کم یا زیادہ بھی ہوتا رہتا ہے۔ آپ اس کے جائز ہونے یا نہ ہونے کے بارے میں بیان کریں اور میری پریشانی کو دُور کریں۔

جواب:... آپ کی تنخواہ تو وہی ہے جو مقرّر کی گئی ہے، پانچ فیصد کمیشن دینے کا جو اس نے وعدہ کیا ہے اگر وہ خوشی سے دے تو لینا جائز ہے۔[3]

ملازم کا اپنی پنشن حکومت کو بیچنا جائز ہے

سوال:... آج کل عام طور پر یہ رواج ہوگیا ہے کہ وہ لوگ جو پنشن پر جاتے ہیں اپنی پنشن بیچ دیتے ہیں جو کہ عموماً حکومت ہی خرید لیتی ہے، اور عمر کے لحاظ سے اس کی شرح کم یا زیادہ مقرّر کرکے پنشنر کو یکمشت رقم ادا کردیتی ہے۔ اس کے بعد پنشنر چاہے دُوسرے دن ہی فوت ہوجائے یا ۱۰۰ سال تک زندہ رہے۔ کیا یہ طریقہ شرعی طور پر ٹھیک ہے؟ اور کیا اس طرح پنشن بیچنے میں کوئی حرج تو نہیں؟

---

(۱) وذكر ابو الليث في نوازله حصير المسجد إذا صار خلقا واستغنى أهل المسجد عنه وقد طرحه إنسان إن كان الطارح حيا فهو له وإن كان ميتا لم يدع له وارثا أرجو أن لا بأس بأن يدفع أهل المسجد إلى فقير وينتفعوا به في شراء حصير آخر للمسجد والمختار انه لا يجوز لهم أن يفعلوا ذلك بغير أمر القاضي۔ (عالمگیری ج:۲ ص:۴۵۸، الباب الحادي عشر)۔

(۲) قال وفي فتاوى النسفي سئل شيخ الإسلام عن أهل قرية رحلوا وتداعى مسجدها إلى الخراب وبعض المتغلبة يستولون على خشب المسجد وينقلونه إلى دورهم هل لواحد من أهل المحلة أن يبيع الخشب بأمر القاضي ويمسك الثمن ليصرفه إلى بعض المساجد أو إلى هذا المسجد؟ قال: نعم وحكى انه وقع۔ (منحة الخالق على البحر الرائق ج:۵ ص:۲۷۴، كتاب الوقف، شامي ج:۲ ص:۳۶۰ مطلب في نقل إنقضاء المسجد)۔

(۳) قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: ألا لا تظلموا! ألا لا يحل مال امرىء إلا بطيب نفس منه۔ (مشكوة ص:۲۵۵)۔

جواب:... یہ معاملہ حکومت کے ساتھ جائز ہے، وجہ اس کی یہ ہے کہ جو شخص پنشن پر جا رہا ہے، حکومت کے ذمہ اس کی جو رقم پنشن کی شکل میں واجب الادا ہے، وہ اس کا اس وقت تک مالک نہیں ہوتا، جب تک کہ اس رقم کو وصول نہ کرلے۔ اب اس پنشن کو گورنمنٹ کے پاس فروخت کرنے کا مطلب یہ ٹھہرتا ہے کہ گورنمنٹ اس سے معاہدہ کرتی ہے کہ وہ اپنا یہ حق چھوڑ دے اور اس کے بجائے وہ اتنی رقم نقد لے لے، اور ملازم اپنے استحقاق کو چھوڑنے کے لئے تیار ہوجاتا ہے۔ پس یہاں درحقیقت کسی رقم کا رقم کے ساتھ تبادلہ نہیں بلکہ تاحینِ حیات جو اس کا استحقاق تھا، اس کا معاوضہ وصول کرتا ہے، اس لئے شرعاً اس میں کوئی قباحت نہیں۔[1]

عورتوں کی ملازمت شرعاً کیسی ہے؟

سوال:... میں آپ سے یہ پوچھنا چاہتا ہوں کہ کیا شریعت میں یہ جائز ہے کہ عورتیں دفتروں میں نوکری کریں یا مل، کارخانے میں، کیا ایسا کوئی قانون قرآن میں آیا ہے جس کا حکم اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے صادر فرمایا ہے؟ برائے مہربانی اس کا جواب آپ تفصیل سے ارشاد فرمائیں، آپ کی عین نوازش ہوگی۔

جواب:... عورت کا نان و نفقہ اس کے شوہر کے ذمہ ہے،[2] لیکن اگر کسی عورت کے سر پر کوئی کمانے والا نہ ہو تو مجبوری کے تحت اس کو کسبِ معاش کی اجازت ہے،[3] مگر شرط یہ ہے کہ اس کے لئے باوقار اور باپردہ انتظام ہو،[4] نامحرم مردوں کے ساتھ اختلاط جائز نہیں۔[5]

---

(۱) وبيع الدين لَا يجوز، ولو باعه من المديون أو وهبه جاز. (الأشباه والنظائر ج:۴ ص:۱۴ القول في الدين، أيضًا: فتاوى حقانية ج:۶ ص:۳۹، ۴۰).

(۲) قال تعالى: الرجال قوامون على النساء بما فضل الله بعضهم علٰى بعض وبما أنفقوا ...إلخ. (النساء). وقال تعالى: وعلى المولود له رزقهنّ وكسوتهنّ بالمعروف لَا تكلف نفسًا إلّا وسعها. (البقرة:۲۳۳). أيضًا: ونفقة الغير تجب على الغير بأسباب ثلاثة: زوجية، وقرابة، وملك (فتجب للزوجة) بنكاح صحيح (علٰى زوجها) لأنها جزاء الإحتباس ...إلخ. (درمختار في الشامي ج:۳ ص:۵۷۲، باب النفقة).

(۳) عن عائشة قالت: خرجت سودة . ... إلٰى أن قالت فرجعت إلى النبي صلى الله عليه وسلم فذكرت ذالك له وهو في حجرتي يتعشى وان في يده لعرقًا فانزل عليه فرفع عنه وهو يقول قد أذن الله لكنّ أن تخرجن لحوائجكنّ. (صحيح بخاري ج:۲ ص:۷۸۸). وقال في فتح القدير: وهو قوله لأن نفقتها وعنى لَا تجد من يكفيها مؤنتها فتحتاج إلى الخروج لنفقتها غير أن أمر المعاش يكون بالنهار عادة دون الليالي فابيح الخروج لها بالنهار دون الليالي ويعرف من التعليل أيضًا انها إذا كان لها قدر كفايتها صارت . ... والحاصل ان مدار الحل كون غيبتها سبب قيام شغل المعيشة فيقدر بقدره فمتى أنقصت حاجتها لَا يحل لها بعد ذٰلك صرف الزمان خارج بيتها. (فتح القدير ج:۴ ص:۱۶۶، باب العدة).

(۴) قال الله تعالى يٰأيها النبي قل لأزواجك وبناتك ونساء المؤمنين يدنين عليهنّ من جلٰبيبهنّ. (الأحزاب.۵۹).

(۵) عن أبي سعيد الأنصاري عن أبيه أنه سمع رسول الله صلى الله عليه وسلم وهو خارج من المسجد فاختلط الرجال مع النساء في الطريق، فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم للنساء: استأخرن فإنه ليس لكُنّ ان تحققن الطريق عليكنّ بحافات الطريق. فكانت المرأة تلصق بالجدار حتّٰى إن ثوبها يتعلق بالجدار من لصوقها به. وعن ابن عمر أن النبي صلى الله عليه وسلم نهى أن يمشي يعني الرجل بين المرأتين. (ابوداوٗد ج:۲ ص:۳۶۸).

حرام چیز کا فروخت کرنا جائز نہیں

سوال:... میں آسٹریلیا میں رہتی ہوں، وہاں کے لوگ زیادہ تر غیر مسلم ہیں، اس ملک میں کھانے پینے کی چیزوں میں حرام جانوروں کے اجزاء ملائے جاتے ہیں، کیا یہ چیزیں فروخت کرنا جائز ہے؟ کیا ان کی آمدنی حلال ہے؟ اگر اس آمدنی کا کچھ حصہ نکال دیا جائے تو یہ حلال ہوسکتا ہے؟

جواب:... جیلٹن جس میں کہ جانوروں کی چربی شامل ہوتی ہے اور وہ جانور شرعی طور پر ذبح کئے ہوئے نہیں ہوتے، شرعاً ان کا اِستعمال جائز نہیں ہے،[1] اور جن چیزوں کا اِستعمال جائز نہیں، ان کا فروخت کرنا بھی جائز نہیں، اور ان کی آمدنی بھی حلال نہیں۔[2]

چوکیداری کا حق اور کمپنی کا کارڈ فروخت کرنا

سوال:... ایک مسئلہ جو آج کل لوگوں میں عام ہے کہ اکثر بازاروں کی چوکیداری ایک دُوسرے پر قیمتاً فروخت کرتا ہے، چونکہ اس پر پہلے والے چوکیدار نے قیمت ادا نہیں کی ہوتی اور نہ ہی کوئی محنت مشقت کی ہوتی ہے، تو اس نوکری پر روپے لینا حرام ہے یا حلال؟ یا کوئی ایسی کمپنی کا کارڈ ہو کہ اس میں عام آدمی بھرتی نہیں ہوسکتے، جیسا کہ آج کل کیماڑی کے پورٹ اور پورٹ قاسم میں مزدوروں کو حکومت نے پکے کارڈ دیئے ہیں اور عام آدمی پکے مزدوروں میں بھرتی نہیں ہوسکتے۔ اور وہ مزدور اپنا کارڈ تقریباً ایک لاکھ پر فروخت کرتے ہیں اور لوگ بہت خوشی سے خرید لیتے ہیں، تو یہ کارڈ فروخت کرنا یا خریدنا حرام ہے یا حلال؟

جواب:... مذکورہ حقوق کی خرید و فروخت صحیح نہیں، اس سے حاصل شدہ مال حرام ہے۔[3]

سودا بیچنے کے لئے جھوٹی قسم کھانا

سوال:... یہ جو ہمارے اکثر گھرانوں میں بات بے بات قسم خدا، قسم قرآن کی کھاتے ہیں، چاہے وہ بات سچی ہو یا جھوٹی، لیکن عادت سے مجبور ہوتے ہیں، اس کے بارے میں کچھ فرمایئے تو مہربانی ہوگی کہ ان سچی، جھوٹی قسموں کی سزا کیا ہے؟ ہمارے اکثر

---

(۱) قال الله تعالٰی: حرمت علیکم المیتة والدم ولحم الخنزیر وما أهلّ لغیر الله به والمنخنقة والموقوذة والمتردیة والنطیحة وما أکل السبع إلّا ما ذکیتم۔ (المائدة:۳)۔ وعن جابر أنه سمع رسول الله صلی الله علیه وسلم یقول: إن الله حرم بیع الخمر والمیتة والخنزیر والأصنام، فقیل: یا رسول الله! أرأیت شحوم المیتة فإنه یطلی بها السفن ویدهن بها الجلود ویستصبح بها الناس؟ فقال: لَا، هو حرام۔ ثم قال رسول الله صلی الله علیه وسلم: قاتل الله الیهود! إن الله لما حرّم شحومها جملوه ثم باعوه فأکلوا ثمنه۔ رواه الجماعة۔ (اعلاء السُّنن ج:۱۴ ص:۱۱۱، باب حرمة بیع الخمر والمیتة والخنزیر)۔

(۲) وعن ابن عباس قال: قال رسول الله صلی الله علیه وسلم: لعن الله الیهود! وحرمت علیهم الشحوم فباعوا وأکلوا أثمانها وان الله إذا حرّم علٰی قوم أکل شیء حرّم علیهم ثمنه۔ (اعلاء السُّنن، باب حرمة بیع الخمر والمیتة والخنزیر ج:۱۴ ص ۱۱۱، طبع إدارة القرآن کراچی)۔

(۳) وقال فی الدر المختار: وفی الأشباه لَا یجوز الإعتیاض عن الحقوق المجردة کحق الشفعة۔ وقال الشامی. (قوله لَا یجوز الإعتیاض عن الحقوق المجردة عن الملک) قال فی البدائع الحقوق المجردة لَا تحتمل التملیک ولَا یجوز الصلح عنها۔ (شامی ج:۴ ص:۵۱۸ مطلب لَا یجوز الإعتیاض عن الحقوق المجردة، طبع ایچ ایم سعید)۔

تاجر حضرات جن سے ہمارا روزانہ واسطہ پڑتا ہے، مثلاً: کپڑے کے تاجر وغیرہ وہ بھی اپنا مال بیچنے کے لئے پانچ منٹ میں کتنی قسمیں کھاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ: "یہ بھاؤ ایمان داری کا بھاؤ ہے" چاہے وہ بھاؤ سچا ہو یا جھوٹا، اور اکثر اسی بھاؤ میں کمی کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ: "ہم آپ کی خاطر تھوڑا سا نقصان اُٹھا رہے ہیں"، "خدا کی قسم! ہم اپنا نقصان کر رہے ہیں" اور "قرآن کی قسم ہم نے آپ سے ایک پائی بھی منافع نہیں لیا" حالانکہ کیا ایسا ہو سکتا ہے کہ تاجر حضرات ہمارے لئے نقصان اُٹھائیں اور کاروں میں گھومیں، جواب ضرور دیں۔

جواب:... جھوٹی قسم کھانا بہت بڑا گناہ ہے،[1] اگر کسی کو اس کی عادت پڑ گئی ہو تو اس کو توبہ کرنی چاہئے اور اپنی اصلاح کرنی چاہئے۔ سودا بیچنے کے لئے قسم کھانا اور بھی بُرا ہے۔[2] حدیث میں ہے کہ قیامت کے دن تاجر لوگ بدکاروں کی حیثیت میں اُٹھائے جائیں گے، سوائے اس تاجر کے جو خدا سے ڈرے اور غلط بیانی سے باز رہے۔[3]

غلط بیانی کر کے فروخت کئے ہوئے مال کی رقم کیسے پاک کریں؟

سوال ۱:... دُکان داری میں جھوٹ بولنے سے رزق حرام ہوتا ہے یا نہیں؟

سوال ۲:... اگر دُکان داری میں جھوٹ بولنے سے رزق حرام ہوتا ہے تو صدقات اور زکوٰۃ سے پاک ہو جاتا ہے یا نہیں؟

سوال ۳:... جیسے کہ حرام مال کے بارے میں حدیث میں بڑی سخت وعیدیں آئی ہیں، میری عمر ۱۷ سال کی ہے اور میں بالغ ہوں، اب ہمارے گھر میں مال و دولت حرام ہے، اب اس میں ہمارا کیا قصور ہے؟ یہ تو ہمارے بڑوں کی غلطی ہے، اب مجھے گھر میں رہنا چاہئے یا گھر چھوڑ کر چلا جانا چاہئے؟

جواب ۱:... جھوٹ بول کر اگر کسی کو دھوکا دیا گیا اور نفع کمایا گیا تو حرام ہے۔[4]

---

(۱) عن عبدالله بن عمرو عن النبی صلی الله علیه وسلم قال: الکبائر الإشراک بالله وعقوق الوالدین وقتل النفس والیمین الغموس۔ (صحیح بخاری ج:۲ ص:۹۸۷، باب یمین الغموس)۔ وعن عمران بن حصین قال: قال النبی صلی الله علیه وسلم: من حلف علٰی یمین مصبورة کاذبًا فلیتبوأ بوجهه مقعده من النار۔ (ابوداؤد ج:۲ ص:۱۰۶، کتاب الأیمان والنذور)۔

(۲) قال رسول الله صلی الله علیه وسلم: من حلف علٰی یمین صبر وهو فیها فاجر یقطع بها مال امریء مسلم لقی الله یوم القیامة وهو علیه غضبان۔ (صحیح بخاری ج:۲ ص:۹۸۷، وأبوداؤد ج:۲ ص:۱۰۶)۔ وعن أبی ذر عن النبی صلی الله علیه وسلم قال: ثلاثة لَا یکلمهم الله یوم القیامة ولَا ینظر إلیهم ولَا یزکیهم ولهم عذاب الیم، قال أبوذر: من هم یا رسول الله؟ قال: المسبل والمنّان والمنفّق سلعته بالحلف الکاذب۔ رواه مسلم۔ (مشکٰوة ص:۲۴۳، باب المساهلة فی المعاملة)۔

(۳) عن إسماعیل ابن عبید بن رفاعة عن أبیه عن جده أنه خرج مع النبی صلی الله علیه وسلم إلی المصلی فرأی الناس یتبایعون فقال: یا معشر التجار! فاستجابوا الرسول صلی الله علیه وسلم ورفعوا أعناقهم وأبصارهم إلیه، فقال: ان التجار یبعثون فجارًا إلّا من اتقی وبرّ وصدق۔ (رواه الترمذی ج:۱ ص:۲۳۰، أبواب البیوع، وابن ماجة ص:۱۵۵)۔

(۴) قال الله تعالٰی: یٰـأیها الذین اٰمنوا لَا تأکلوا أموالکم بینکم بالباطل۔ (البقرة:۸۷)۔ قال المظهری: کالدعوی الزور والشهادة بالزور أو الحلف بعد إنکار الحق والغصب والنهب والسرقة والخیانة۔ (تفسیر مظهری ج ۱ ص۲۰۹)۔ عن واثلة بن الأسقع قال: سمعت رسول الله صلی الله علیه وسلم یقول: من باع عیبًا، ما لم ینبه، لم یزل فی مقت الله أو لم تزل الملائکة تلعنهٔ۔ (مشکٰوة ص:۲۴۹، کتاب البیوع، باب المنهی عنها من البیوع)۔ أیضًا: (فروع) لَا یحل کتمان العیب فی مبیع أو ثمن لأن الغش حرام۔ (درمختار ج:۵ ص:۴۷، باب خیار العیب، البحر الرائق ج:۶ ص۳۵۰)۔

جواب ۲:... نادانستہ غلط بیانی سے جو کراہت آتی ہے وہ تو پاک ہوجاتی ہے،[1] مگر صریحاً دھوکا دے کر کمایا ہوا مال پاک نہیں ہوتا۔[2]

جواب ۳:... اگر حرام سے بچنا ناممکن ہے تو اللہ تعالیٰ سے اِستغفار کرلیں۔[3]

جھوٹ بول کر مال بیچنا

سوال:... میں ایک دُکان دار ہوں، ہمارے آس پاس بہت سی دُکانیں اور بھی ہیں، کئی دُکان والوں کے پاس پاکستانی چیزیں ہیں، مگر اکثر دُکان والے پاکستانی چیز کو جاپانی نام پر بیچتے ہیں اور گاہک خوشی سے رقم دے کر لے جاتے ہیں۔ ہمارے پاس بھی وہی چیزیں موجود ہیں، پورے مہینے میں ایک چیز نہیں بیچ سکا، کیونکہ ہمارے پاس جب گاہک آتے ہیں تو ہم سے جاپانی چیزیں مانگتے ہیں، ہمارے پاس تو پاکستانی چیزیں ہیں، ہمارے آس پاس اور دُکان والوں کے پاس پاکستانی چیزیں ہیں، ہم صاف طور پر گاہک کو بتادیتے ہیں کہ یہ چیزیں پاکستانی ہیں، مگر گاہک نہیں لیتا۔ کیا ہم بھی غلط بات کرکے یا گول مول بات کرکے چیزیں بیچ سکتے ہیں؟

جواب:... جھوٹ بول کر سودا بیچنا حرام ہے،[4] اس میں ایک تو جھوٹ بولنے کا گناہ ہے، دُوسرے مسلمانوں کے ساتھ دھوکا اور فریب کرنا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: "تاجر لوگ قیامت کے دن بدکار ہونے کی حالت میں اُٹھائے جائیں گے، سوائے اس شخص کے جو نیکی کا کام کرے (مثلاً: صدقہ وخیرات دیا کرے) اور سچ بولے۔"[5]

فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ: "جو شخص ہم کو (یعنی مسلمانوں کو) دھوکا دے وہ ہم میں سے نہیں۔"[6]

---

(۱) عن قيس ابن ابي غرزة قال: كنّا في عهد رسول الله صلى الله عليه وسلم نسمى السماسرة فمر بنا النبى صلى الله عليه وسلم فسمانا باسم هو أحسن منه فقال: يا معشر التجار! ان البيع يحضره اللغو والحلف فشوبوه بالصدقة. (ابوداؤد ج:۲ ص:۱۱۶، كتاب البيوع، باب في التجارة يخالطها الحلف واللغو، ابن ماجة ص:۱۵۵، باب التوقي في التجارة).

(۲) قال الله تعالىٰ: "يْـاَيها الذين امنوا لا تأكلوا أموالكم بينكم بالباطل ...إلخ. (النساء:۲۹). قال المظهري: كالدعوى الزور ...... والسرقة والخيانة. (تفسير مظهري ج:۱ ص:۲۰۹). قال تعالىٰ: "وقد نهوا عنه وأكلهم أموال الناس بالباطل" قال المظهري: أي بالرشوة والخداع والغصب وغير ذٰلك من الوجوه المحرمة. (تفسير مظهري ج:۲ ص:۲۷۴).

(۳) قال الله تعالىٰ: "فمن اضطر في مخمصة غير متجانف لِإثم فإن الله غفور رحيم" (المائدة:۳). قال الله تعالىٰ: "ومن يعمل سوءً أو يظلم نفسه ثم يستغفر الله يجد الله غفورًا رحيمًا" (النساء:۱۱۰).

(۴) عن عبدالله بن أبي أوفىٰ ان رجلًا أقام سلعة وهو في السوق فحلف بالله لقد أعطى بها ما لم يعط ليوقع فيها رجلًا من المسلمين فنزلت: إن الذين يشترون بعهد الله وأيمانهم ثمنًا قليلًا أولٰئك لَا خلاق لهم في الْأخرة ولَا يكلمهم الله يوم القيمٰة ولَا يزكيهم ولهم عذاب اليم. (بخاري ج:۱ ص:۲۸۰، باب ما يكره من الحلف في البيع).

(۵) عن إسماعيل ابن عبيد بن رفاعة عن أبيه عن جده أنه خرج مع النبي صلى الله عليه وسلم إلى المصلى فرأى الناس يتبايعون فقال: يا معشر التجار! فاستجابوا الرسول صلى الله عليه وسلم ورفعوا أعناقهم وأبصارهم إليه، فقال: ان التجار يبعثون فجار إلّا من اتقى وبرّ وصدق. (رواه الترمذي ج:۱ ص:۱۴۵، باب ما جاء في التجار، وابن ماجة ص:۱۶۱).

(۶) عن أبي الحمراء قال: رأيت رسول الله صلى الله عليه وسلم مر بجنبات رجل عنده طعام في وعاء فأدخل يده فيه فقال: لعلك غششت من غشنا فليس منا. (ابن ماجة ص:۱۶۱، باب النهي عن الغش، أيضًا: سنن أبي داوٗد ج:۱ ص:۱۳۳ باب في النهي عن الغش، طبع امداديه).

اور فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ: "بہت بڑی خیانت کی بات ہے کہ تو اپنے بھائی (مسلمان) کو ایسی بات کہے کہ وہ اس میں تجھ کو سچا جانتا ہو اور تو اس پر جھوٹ کہہ رہا ہو۔"(۱)

اگر کچھ لوگ جھوٹ فریب کے ساتھ تجارت کرتے ہیں تو اپنی دُنیا بھی بگاڑتے ہیں اور عاقبت بھی برباد کرتے ہیں، ایسے لوگوں کی روزی میں برکت نہیں ہوتی۔(۲) وہ راحت و سکون کی دولت سے محروم رہتے ہیں اور ان کی دولت جس طرح حرام طریقے سے آتی ہے اسی طرح حرام راستے سے جاتی ہے۔ آپ ان کی "ریس" ہرگز نہ کریں، بلکہ گاہکوں کو بتادیا کریں کہ یہی کپڑا ہے جس کو دُوسرے لوگ جاپانی کہہ کر فروخت کر رہے ہیں۔ آپ کے سچ بولنے پر آپ کے مال میں ان شاء اللہ برکت ہوگی اور قیامت کے دن بھی اس کا بڑا اَجر و ثواب ملے گا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ: "سچا اور امانت دار تاجر قیامت کے دن نبیوں، صدیقوں، شہیدوں اور ولیوں کے ساتھ ہوگا۔"(۳)

ایسی جگہ نوکری کرنا جہاں جھوٹ بولنا پڑتا ہو

سوال:... عرض یہ ہے کہ میں کپڑا بنانے والوں یعنی ننگ فیکٹری میں ملازمت کرتا ہوں، فیکٹری کی مشینوں پر گاہکوں کے مال بھی بنائے جاتے ہیں، مختلف پارٹیاں مال بنانے کے لئے دیتی ہیں، اکثر پارٹیاں کپڑا او دھاگے مکس کر کے یعنی ربڑ دھاگہ اور کاٹن دھاگہ بنانے کے لئے دیتی ہیں، ربڑ دھاگے کی قیمت فی کلو بارہ سو روپے ہے، اور کاٹن دھاگے کی قیمت ۷۰ روپے فی کلو ہے۔ اگر کپڑا بنانے میں ربڑ دھاگہ کاٹن کے ساتھ ڈھائی فیصد اِستعمال ہوتا ہے تو ہمارے منیجر صاحب ان کو ساڑھے تین فیصد چارج کرتے ہیں، اور پارٹی کو جھوٹ بولتے ہیں کہ ساڑھے تین فیصد ربڑ دھاگہ اِستعمال ہوا ہے، اور ایک فیصد ان کا حق رکھ لیتے ہیں، جو بالکل ناجائز ہے۔ میں نے منیجر کو کہا کہ یہ ناجائز ہے، اس طرح نہ کیا جائے۔ لیکن میری بات نہیں مانتے، بس ملازموں پر حکم چلاتے ہیں کہ یہ کرو، یہ نہ کرو۔ ان کے کہنے پر مجھ کو بھی جھوٹ بولنا پڑتا ہے، جبکہ میں نہیں چاہتا، ورنہ نوکری جانے کا ڈر ہے۔ مجھے کہا کہ ہم جو کہتے ہیں اگر ناجائز ہے تو ہماری پکڑ ہوگی، بس تم بری الذمہ ہو۔ جھوٹی تسلی دیتے ہیں، کیا میرے لئے یہ نوکری جائز ہے یا ناجائز؟ جبکہ مجھے تو آج کے زمانے میں محسوس یہ ہوتا ہے کہ شاید ہی کہیں ۱۰۰ فیصد حلال کمایا جاتا ہو، کوئی نہ کوئی حرام فعل کاروبار میں ضرور ہوتا ہے۔ اگر میں نوکری چھوڑتا ہوں تو گھر والے مجھے کیا کچھ نہیں بولیں گے، بڑی مشکل سے اچھی نوکری ملی اور چھوڑ دی، جبکہ ہمارے گھر کے حالات بھی ناسازگار ہیں۔ میں الحمدللہ! نماز کا پابند ہوں، شریعت پر پابند رہنے کی کوشش کرتا ہوں، تعلیم، درس و تدریس وغیرہ میں تقریباً روزانہ جاتا ہوں، لیکن میرے گھر والوں کا یہ حال نہیں ہے، یا اگر میں ایمان کی قوت پر اس نوکری کو چھوڑ دُوں اللہ پر توکل کرتے ہوئے تو اپنے گھر

---

(۱) وعن سفیان بن أسد الحضرمي قال: سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول: كبرت خيانة ان تحدث أخاك هو لك به مصدق وأنت به كاذب. رواه أبوداؤد. (مشكوة ص:۴۱۳، باب حفظ اللسان والغيبة والشتم).

(۲) عن حكيم ابن حزام ان رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: البيعان .... فإن بينا وصدقا بورك لهما في بيعهما وان كذبا وكتما محق بركة بيعهما. (رواه النسائي ج:۲ ص:۲۱۲، وجوب الخيار للمتبايعين قبل افتراقهم).

(۳) وعن أبي سعيد عن النبي صلى الله عليه وسلم قال: التاجر الصدوق الأمين مع النبيين والصديقين والشهداء ..إلخ. (رواه الترمذي ج:۱ ص:۲۳۰).

والوں کو کیسے سمجھاؤں؟ خاص دِین دار ہوتے تو فوراً محسوس کرلیتے، یہ تو اُلٹا کیا کیا کہیں گے، کوئی ملازمت بھی فوراً نہیں ملتی، کیا کریں؟

جواب:... اپنے سیٹھ سے کہہ دیں کہ وہ آپ سے جھوٹ نہ بلوایا کریں، بہتر تو یہ ہے کہ وہ خود بھی پرہیز کریں، اللہ تعالیٰ ان کی روزی میں برکت دے گا، حرام کمائی زیادہ تو ہوتی ہے، لیکن اس میں برکت نہیں ہوتی۔ بہرحال اگر سیٹھ کی سمجھ میں یہ بات نہ آئے تو کم سے کم اتنا کرلیں کہ آپ خود جھوٹ نہ بولیں، ان کے جھوٹ بولنے کا وبال ان کے ذمے۔

پاکستانی مال پر باہر کا مارکہ لگاکر بیچنے کا گناہ کس کس پر ہوگا؟

سوال:... ہم تجارت پیشہ افراد ہیں، بنیادی طور پر ہماری تجارت پرچون کی دُکان داری ہے، لیکن کچھ اشیاء ہمارے پاس تھوک بھی موجود ہیں۔ پرچون اشیاء ہم دُکان پر رَبِّ کریم کی مہربانی اور دی ہوئی توفیق سے بالکل سچائی اور اسلامی طریقے کے مطابق خوبیاں اور خامیاں بتلاکر فروخت کر رہے ہیں، لیکن تھوک اشیاء جو کہ کٹلری کے شعبے سے تعلق رکھتی ہیں اور وزیرآباد شہر سے تیار ہوکر ہمارے ذریعے پرچون فروش دُکان دار کو مل سکتی ہیں (اور ہماری مرضی کے خلاف ان اشیاء پر غیرملکی مارک لگائے جاتے ہیں)، ہم سے مال خریدنے والے ۵۰ فیصد پرچون فروش اس مال کو غیرملکی بتلاکر اپنا ملکی تیار کردہ مال فروخت کرتے ہیں، اور ۵۰ فیصد پرچون فروش خریدار کو حقیقتِ حال بتلاکر فروخت کرتے ہیں۔ آیا جو پرچون فروش مال کو حقائق چھپاکر فروخت کرتے ہیں، ان کی غلط بیانی کا وبال کس کے کھاتے میں جاتا ہے، مال تیار کرنے والے پر جس نے ملکی مال پر غیرملکی مارک لگایا؟ آیا ہم پر کہ مال ہمارے ذریعے پرچون فروش کو فروخت ہو رہا ہے (حالانکہ ہم مال فروخت کرتے ہوئے بالکل اس بات کی پرچون فروش کو ترغیب نہیں دیتے کہ وہ اس مال کو غیرملکی کہہ کر فروخت کرے)، اور جیسا کہ اُوپر ذکر ہوچکا ہے کہ نہ ہی مارک لگانے کے لئے تیارکنندہ کو کوئی ترغیب ہماری جانب سے دی جاتی ہے، ہمیں جیسا مال وزیرآباد میں ملتا ہے ویسا ہی سپلائر سپلائی کردیتا ہے۔

جواب:... یہ جعل سازی اور دھوکا دہی ہے۔ غیرملکی مارک لگانے والے بھی گنہگار ہیں اور جو لوگ حقیقتِ حال سے واقف ہونے کے باوجود اس کو غیرملکی کہہ کر فروخت کرتے ہیں وہ بھی گنہگار ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ: ''جو ہمیں (یعنی مسلمانوں کی جماعت کو) دھوکا دے وہ ہم میں سے نہیں۔''(۱)

---

(۱) قال الله تعالىٰ: يٰٓأيها الذين اٰمنوا لَا تأكلوا أموالكم بينكم بالباطل إلّا أن تكون تجارة عن تراض منكم" (النساء: ۲۹). وعن أبي هريرة رضي الله عنه أن رسول الله صلى الله عليه وسلم مرّ علىٰ صبرة طعام فادخل يده فيها فنالت أصابعه بللًا فقال: يا صاحب الطعام! ما هذا؟ قال: أصابته السماء يا رسول الله! قال: أفلا جعلته فوق الطعام حتّى يراه الناس، ثم قال من غش فليس منا. (رواه الترمذي ج:۱ ص:۱۵۷، أبواب البيوع، باب ما جاء في كراهية الغش في البيوع). قال في الدر المختار (مرفوع) لَا يحل كتمان العيب في مبيع أو ثمن لأن الغش حرام إلّا في مسئلتين. قال الشامي: (قوله لأن الغش حرام) ذكر في البحر إذا باع سلعته عليه البيان وإن لم يبن قال بعض مشائخنا يفسق وترد شهادته. قال الصدر لَا نأخذ قال في النهر أي لا نأخذ بكونه يفسق بمجرد هذا لأنه صغيرة اهـ قلت وفيه نظر لأن الغش من أكل أموال الناس بالباطل فكيف يكون صغيرة بل الظاهر في تعليل الكلام الصدر إن فعل ذٰلك مرة بلا إعلان لَا يصير به مردود الشهادة وإن كان كبيرة كما في شرب المسكر الخ. (ردالمحتار على الدر المختار ج:۵ ص:۴۷، باب خيار العيب، والبحر الرائق ج:۶ ص:۳۵).

سوال:... آیا اس پرچون فروش پر وبال ہوتا ہے جو کہ اصل حقیقی گاہک (چیز استعمال کرنے والے) پر آخر میں مال فروخت کر رہا ہے؟

جواب:... جہاں تک یہ خرید و فروخت کا سلسلہ جاری رہے گا اور لوگ اس کو جانتے ہوئے "اصلی" کہہ کر بیچتے رہیں گے، سب گنہگار ہوں گے۔[1]

کاغذوں میں تنخواہ کم لکھوانے والے اِمام اور کمیٹی دونوں گناہگار ہوں گے

سوال:... اگر کوئی اِمام صاحب تنخواہ زیادہ لیتے ہوں اور مسجد کمیٹی سے کہیں کہ میری تنخواہ کاغذوں میں کم لکھ دی جائے تاکہ حکومت سے مزید رقم وغیرہ حاصل کرسکوں، تو اس صورت میں اِمام صاحب گناہگار ہوں گے یا صرف کمیٹی والے؟

جواب:... اِمام صاحب اور کمیٹی والے دونوں گناہگار ہوں گے، کیونکہ دونوں نے غلط بیانی سے کام لیا۔[2]

کاروبار کے لئے لی ہوئی پوری رقم اور اُس کا منافع ادا نہ کرنا زیادتی ہے

سوال:... ایک شخص کو جو میرا عرصہ بیس سال سے دوست تھا، میں نے اُسے کاروبار کے لئے ایک لاکھ کی رقم دی، مجھ سے وعدہ یہ کیا گیا تھا کہ اس رقم سے کاروبار کروں گا اور منافع دُوں گا۔ اس نے کاروبار کیا، کاروبار خوب چلا، مکان نہیں تھا، پلاٹ خرید کر اچھا مکان بنایا، سامانِ تعیش خریدا، اور کاروبار بھی خوب چل رہا ہے۔ مجھے رقم لینے کے ایک سال بعد کبھی ۳۰۰، کبھی ۵۰۰، کبھی ۱۰۰۰ اور کبھی ۲۰۰۰ روپے دیتا رہا، لیکن میرے بار بار اِصرار کے باوجود مجھے نہ ہی منافع بتایا اور نہ ہی اصل رقم واپس کی، مجھے شک ہوا تو میں نے ایسے چھوٹی چھوٹی رقم لینے سے اِنکار کردیا، میں نے اس سے کہا کہ مجھے میری اصل رقم واپس کرو اور جو منافع بنتا ہے، مجھے دو۔ وہ مختلف طریقوں سے ٹرخاتا رہا، پھر میں نے ذرا سختی سے رقم واپس لینے کا مطالبہ کیا تو مجھے ۶۰ ہزار روپے دے کر ایک رقعہ مجھے دیا جس میں لکھا تھا کہ آپ کی تمام رقم واپس ہوگئی ہے اور منافع بھی دے دُوں گا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کا حوالہ دیا "سود کے ۳۰ درجے ہیں اور کم تر درجہ یہ ہے کہ کوئی اپنی ماں سے ۳۶ مرتبہ بدکاری کرے" اس شخص نے داڑھی بھی رکھی ہوئی ہے اور حج بھی کیا ہوا ہے، اور کئی دفعہ خواب میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کا تذکرہ بھی کرتا رہتا ہے۔ کیا مجھ سے رقم لیتے وقت وعدے کے مطابق (تحریر بھی موجود ہے) میں منافع کا حق دار ہوں یا سود کا؟ منافع دینے کی بجائے سود ظاہر کرکے میری حق تلفی کرنا چاہتا ہے۔ چار سال

---

(۱) عن أبی الحمراء قال: رأیت رسول الله صلی الله علیه وسلم مرّ بجنبات رجل عنده طعام فی وعاء فأدخل یده فیه فقال: لعلک غششت، من غشنا فلیس منّا۔ (ابن ماجة ص: ۱۶۱، باب النهی عن الغش)۔

(۲) آیة المنافق ثلاث: إذا حدّث کذب، وإذا وعد أخلف ... إلخ۔ (سنن النسائی ج:۲ ص:۲۳۲)۔ وما کان سبباً لمحظور فهو محظور۔ (رد المحتار ج:۶ ص:۳۵۰ کتاب الحظر والإباحة)۔ "وتعاونوا علی البر والتقوی ولا تعاونوا علی الإثم والعدوان" (المائدة:۲)۔ وفی التفسیر المظهری تحت هذه الآیة: یعنی لا تعاونوا علٰی إرتکاب المنهیات وعلی الظلم۔ (تفسیر مظهری ج:۳ ص:۱۹)۔ قال النووی: فیه تصریح بتحریم کتابة المترابیین والشهادة علیهما، وبتحریم الإعانة علی الباطل۔ (مرقاة المفاتیح ج:۶ ص:۵۱، کتاب البیوع، باب الربا، الفصل الأوّل، طبع رشیدیه)۔

تک مجھے منافع دینے کا کہتا رہا، اور جب منافع دینے کا وقت آیا تو اسے سود کہہ رہا ہے، اور میری اصل رقم بھی برباد کردی۔

جواب:... اس نے داڑھی رکھی ہے، اور حج کیا ہے، یہ تو بہت اچھا کیا، لیکن اس نے جو معاملے میں بدعہدی کی، یہ بہت بُرا کیا، مسلمان کو بدعہدی نہیں کرنی چاہئے۔ اس شخص کا فرض ہے کہ آپ کے ایک لاکھ روپے سے جو اس نے کاروبار کیا اس کا ایک ایک پیسے کا حساب دے، اور اس کاروبار سے جو کمایا اس کا نصف آپ کو دے، اور رقم بھی واپس کرے۔ آپ نے یہ رقم سود کھانے کے لئے نہیں دی تھی، بلکہ کاروبار کرنے کے لئے دی تھی، اب ان صاحب کا آپ کو سود کی حدیث سنانا صریح زیادتی ہے۔ بہرحال کاروبار سے جو منافع اس کو حاصل ہوا، اس کا حصہ آپ کو دینا چاہئے۔[1]

کیا کلرک کے ذمے صرف اپنے افسر کا کام ہے؟

سوال:... جیسا کہ عام طور پر گورنمنٹ آفس میں ہوتا ہے کہ ملازم دیر سے آتا ہے اور جلدی چلا جاتا ہے، اس پر آپ نے لکھ دیا ہے۔ مگر ایک آدمی کہ جو وقت پر جاتا ہے اور وقت پر آفس آتا ہے، بعض اوقات چھٹی کے بعد بھی گھنٹہ آدھ گھنٹہ بیٹھ جاتا ہے، جبکہ کام وہ کچھ بھی نہیں کرتا، کیونکہ وہ ایک آفیسر کا معاون کلرک ہے، اور اگر کوئی دُوسرے شعبے کا آدمی اس سے کسی کام کا کہتا ہے تو وہ یہ جواب دیتا ہے کہ اپنے شعبے کے ٹائپسٹ سے کراؤ، جبکہ وہ فارغ ہوتا ہے، ہاں جب اس کا آفیسر کہ جس (کے وہ ماتحت) ہے، کام دیتا ہے تو نہایت محنت اور تندہی سے کرتا ہے، بس خالی اوقات میں وہ دُوسروں کا کام نہیں کرتا۔ جبکہ یہ حقیقت ہے کہ ہر شعبے کا ایک علیحدہ اپنا ٹائپسٹ ہوتا ہے۔ اس سلسلے میں مجھے یہ بتائیے کہ آیا یہ بات کس زُمرے میں آتی ہے؟ اگر وہ دُوسری برانچ (شعبے) کا کام نہیں کرتا اور سارا دن فارغ بیٹھا رہتا ہے تو یہ تنخواہ جو وہ لے رہا ہے، اس کے لئے جائز ہے یا ناجائز؟

جواب:... اس کے ذمے قانوناً صرف اپنے افسر کے کام کو پورا کرنا ہے، دُوسرے شعبوں کے کام اس کے ذمے نہیں۔ اس لئے اگر وہ سارا دن بیٹھا رہے تو اس کی تنخواہ حلال ہے۔ البتہ اس کے افسر کو چاہئے کہ اگر گنجائش ہو تو دُوسرے شعبوں کے کام اس کے حوالے کردیا کرے۔[2]

---

(۱) "یٰـأیها الذین اٰمنوا لَا تاکلوا أموالکم بینکم بالباطل إلّا أن تکون تجارة عن تراض منکم" (النساء: ۲۹)۔ وفی معالم التنزیل للبغوی: (بالباطل) بالحرام یعنی بالربا، والقمار، والغصب، والسرقة والخیانة ونحوها۔ (ج:۲ ص:۵۰، طبع قدیمی کراچی)۔

(۲) والأجیر الخاص هو الذی یستحق الأجرة بتسلیم نفسه فی المدة وان لم یعمل کمن استأجر رجلا شهرًا للخدمة أو لرعی الغنم وانما سمی خاصا لأنه یختص بعمله دون غیره لأنه لَا یصح أن یعمل لغیره فی المدة۔ (الجوهرة النیرة ج:۱ ص ۲۶۹، کتاب الإجارة، طبع دهلی، أیضًا: جامع الرموز ج:۳ ص:۱۴۳ کتاب الإجارة، طبع إیران)۔

غیر مسلموں سے کاروبار کرنا

غیر مسلموں سے خرید و فروخت اور قرض لینا

سوال:... کیا غیر مسلم لوگوں سے کھانے پینے کی چیزیں یا دیگر قرض وغیرہ لینا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

جواب:... غیر مسلموں کے ساتھ لین دین کا معاملہ کرنا جائز ہے،[1] بشرطیکہ وہ غیر مسلم مرتد نہ ہو۔[2]

کفار سے لین دین جائز ہے، لیکن مرتد سے نہیں

سوال:... تجارتی لوگوں کا تمام مذاہب سے واسطہ پڑتا ہے، کیا غیر مذاہب کے لوگوں سے دُعائیں کروانا، سلام کرنا یا جواب دینا جائز ہے کہ نہیں؟

جواب:... کسی مرتد سے لین دین کی تو شرعاً اجازت ہی نہیں، باقی غیر مذاہب سے لین دین اور معاملہ جائز ہے،[3] مگر ان سے دُعائیں کروانے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا،[4] اور نہ کوئی مسلمان اس کا تصوّر کرسکتا ہے۔ سلام ان کو اِبتداءً تو نہ کیا جائے،[5] البتہ ان کے سلام کے جواب میں صرف "وعلیکم" کہہ دیا جائے۔[6]

---

(۱) عن عبدالرحمٰن بن أبی بکر قال: کنا مع النبی صلی الله علیه وسلم ثم جاء رجل مشرک مشعان (طویل شعث الرأس) طویل بغنم یسوقها قال له النبی صلی الله علیه وسلم: بیعًا أو عطیة أو قال أم هبة قال: لَا، بل بیع، فاشتریٰ منه شاة. (صحیح البخاری، باب الشراء والبیع مع المشرکین وأهل الحرب ج:۱ ص:۲۹۵ طبع نور محمد). ولَا بأس بأن یکون بین المسلمن والذمی معاملة إذا کان مما لَا بد منه. (فتاویٰ عالمگیری، کتاب الکراهیة ج:۵ ص:۳۵۹). وکذا إسلام البائع لیس بشرط لإنعقاد البیع ولَا لنفاذه ولَا لصحته بالإجماع. (بدائع الصنائع، کتاب البیوع ج:۵ ص:۱۳۵، طبع سعید).

(۲) المرتد إذا باع أو اشتری یتوقف ذالک إن قتل علٰی ردّته أو مات أو لحق بدار الحرب بطل تصرفه وإن أسلم نفذ بیعه. (عالمگیری ج:۳ ص:۱۵۴، کتاب البیوع، الفصل العاشر فی بیع شیئین، الباب الثانی عشر فی أحکام البیع الموقوف).

(۳) وأما الکافر فتجوز معاملته لٰکن لَا یباع منه المصحف ولَا العبد المسلم ولَا یباع منه السلاح إن کان من أهل الحرب. (احیاء العلوم ج:۲ ص:۶۵ البیع وأرکانه وشروطه، طبع دار المعرفة، بیروت).

(۴) قال الله تعالٰی: "وما دعاء الکٰفرین إلّا فی ضلٰل" (المؤمن:۵۰).

(۵) عن سهل ابن ابی صالح قال: خرجت مع أبی الشام فجعلوا یمرون بصوامع فیها نصاریٰ فیسلمون علیهم فقال أبی: لَا تبدؤهم بالسلام وإذا لقیتموهم فی الطریق فاضطروهم إلٰی أضیق الطریق. (رواه أبوداوٗد ج:۲ ص:۳۶۰). فلا یسلم إبتداءً علی کافر لحدیث لَا تبدؤا الیهود والنصاریٰ أی بالسلام ... إلخ. (در مختار ج:۶ ص:۴۱۳، کتاب الحظر والإباحة).

(۶) حدثنا أنس بن مالک قال رسول الله صلی الله علیه وسلم: إذا سلم علیکم أهل الکتاب فقولوا: وعلیکم. (صحیح بخاری ج ۲ ص:۹۲۵، ومسلم ج:۲ ص:۲۱۳). أیضًا: وفی الدر المختار ولو سلم یهودی أو نصرانی أو مجوسی علٰی مسلم فلا بأس بالرد ولٰکن لَا یزید علٰی قوله وعلیک. (درمختار ج:۶ ص:۴۱۳ کتاب الحظر والإباحة).

تجارت اور مالی معاملات میں دھوکا دہی

چھوٹے بھائی کے ساتھ دھوکا کرنے والے کا انجام

سوال:... ایک شخص جو نماز، روزہ اور تلاوتِ قرآن کا پابند ہے، پڑھا لکھا دِینی و دُنیاوی علوم سے اچھی طرح باخبر "الحاج" شخص ہے، اس نے جو مال بھی کمایا ہے وہ چھوٹے سگے بھائی کے توسط سے کمایا، جس نے اسے سعودی عرب کا ریبیز ویزا اور وہاں کی ملازمت حاصل کرنے میں اس کی معاونت کی۔ چونکہ چھوٹا بھائی ایک طویل عرصے سے ایک مشہور کمپنی میں مارکیٹنگ منیجر کی پوسٹ پر ہے، بڑا بھائی ۶، ۷ سال ملازمت کرنے اور بھاری رقم بچت کرنے کے بعد مدّتِ ملازمت کے خاتمے پر وطن لوٹ آیا اور یہاں آتے ہی اس شخص میں دولت کی حرص و ہوس بڑھتی گئی اور اس نے اپنے محسن یعنی چھوٹے بھائی کے اعتماد کو ٹھیس پہنچائی۔ چھوٹے بھائی نے بڑے بھائی پر بھروسہ کرتے ہوئے اپنے کسی ذاتی کام کی ذمہ داری پردیس سے اس پر سونپی اور اس کام کے لئے تقریباً تین لاکھ روپے کا ڈرافٹ اپنے بڑے بھائی کے نام اِرسال کیا۔ اس کے علاوہ سعودیہ بلانے سے قبل اس پر اعتماد کرتے ہوئے ۱۲۰ گز کا پلاٹ اس کے نام پر رکھوالے کی حیثیت سے خریدا۔ عرض یہ کرنا ہے کہ تقریباً چار سال ہوئے یہ بددیانت شخص اپنے چھوٹے بھائی کی تین لاکھ سے زائد کیش رقم اور ایک لاکھ روپے مالیت کے پلاٹ کا مالک بن بیٹھا ہے، جس کا کوئی تحریری ثبوت بھی موجود نہیں۔ مزید برآں یہ کہ وہ اپنے بھائی کے مکان میں جبراً رہ بھی رہا ہے۔ مزے کی بات تو یہ ہے کہ وہ خود کو "صوفی" کہلواتا ہے، بڑا پرہیزگار اور دِین دار بنا پھرتا ہے۔ چھوٹے بھائی نے ہر طرح سے کوشش کی کہ اس کی نجی رقم وہ واپس کردے، اس کے لئے ہر معزز طریقہ اختیار کیا، مگر ہر بار وہ ڈاج دے کر بچتا رہا ہے۔ اصل مالک چونکہ پردیس میں رہتا ہے، اس لئے مستقل مزاجی سے اس کا مقابلہ نہیں کرسکتا۔

مولانا صاحب! قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے اور حجۃ الوداع میں حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بات کی بڑی تفصیل بیان کی ہے کہ: "کسی شخص کو یہ جائز نہیں کہ اپنے بھائی کا مال غلط طریقے سے کھائے، بجز اس کے کہ اس میں اس کی رضامندی شامل ہو۔" مولانا صاحب! اصل مالک کو اس بددیانت شخص سے روپیہ حاصل کرنے کے لئے کون سا ہتھکنڈا اختیار کرنا چاہئے؟ اس کے ساتھ عدالتی کارروائی کرنی چاہئے یا خدا کی عدالت میں اس مقدمے کو پیش کردینا چاہئے؟ کیا خداوند تعالیٰ اس خائن شخص کی نیکیاں اور عبادتیں چھوٹے بھائی کے کھاتے میں ڈال دے گا، جس کے ساتھ ظلم کیا جارہا ہے؟ خدا کے حضور میں اس شخص کا کیا انجام ہوگا؟

جواب:... آپ نے جو کچھ لکھا ہے، اگر وہ صحیح ہے تو ظاہر ہے کہ کسی کا مال کھانے والا نیک، پرہیزگار، متقی اور صوفی نہیں ہوسکتا، خائن، بددیانت اور غاصب کہلانے کا مستحق ہوگا۔

رہا یہ کہ ایسے شخص کے ساتھ کیسے نمٹا جائے؟ تو دُنیا میں تو اس کے دو طریقے رائج ہیں، ایک یہ کہ دو چار شریف آدمیوں کو جمع کرکے ان کے سامنے واقعات بیان کئے جائیں اور وہ ان صاحب کو سمجھائیں۔ دُوسرا طریقہ یہ ہے کہ عدالت سے رُجوع کیا جائے۔

جہاں تک آخرت کا تعلق ہے، وہاں کسی شخص کے لئے دھوکا دہی، فریب اور غلط تأویل کی گنجائش نہیں، ہر انسان کی کارکردگی کا پورا دفتر، نامۂ عمل کی شکل میں موجود ہوگا، اور ہر ظالم سے مظلوم کا بدلہ لیا جائے گا، اور وہاں بدلہ چکانے کے لئے ظالم کی نیکیاں مظلوم کو دِلائی جائیں گی، اور اگر اس کی نیکیاں ختم ہوگئیں تو مظلوم کے گناہوں کا بوجھ ظالم پر ڈال دیا جائے گا۔

صحیح مسلم کی حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”جانتے ہو مفلس کون ہے؟ عرض کیا گیا: ہمارے یہاں تو مفلس وہ کہلاتا ہے جس کے پاس روپیہ پیسہ اور مال ومتاع نہ ہو۔ فرمایا: ”میری اُمت کا مفلس وہ شخص ہے جو قیامت کے دن نماز، روزہ اور زکوٰۃ لے کر آئے، لیکن (اس کے ذمہ لوگوں کے حقوق بھی ہوں، مثلاً:) ایک شخص کو گالی دی تھی، ایک پر تہمت لگائی تھی، ایک کا مال کھایا تھا، ایک کا خون بہایا تھا، ایک کو مارا پیٹا تھا، اس کی نیکیاں ان تمام اَربابِ حقوق کو دے دی جائیں گی، اور اگر حقوق ابھی باقی تھے کہ نیکیاں ختم ہوگئیں تو ان لوگوں کے گناہ اس پر ڈال دیئے گئے پھر اس کو جہنم میں جھونک دیا گیا۔

”عن أبي هريرة رضي الله عنه أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: أتدرون ما المفلس؟ قالوا: المفلس فينا من لا درهم ولا متاع، فقال: ان المفلس من أُمّتي من يأتي يوم القيامة بصلاة وصيام وزكوٰة ويأتي قد شتم هذا، وقذف هذا، وأكل مال هذا، وسفك دم هذا، وضرب هذا، فيعطى هذا من حسناته وهذا من حسناته، فان فنيت حسناته قبل أن يقضي ما عليه أخذ من خطاياهم فطرحت عليه ثم طرح في النار۔“

(رواہ مسلم ج:۲ ص:۳۲۰، مشکوٰۃ ص:۴۳۵)

اور صحیح بخاری کی حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”اگر کسی کے ذمہ اس کے بھائی کا کوئی حق ہو خواہ اس کی جان سے متعلق یا عزّت سے متعلق یا مال سے متعلق، اس کو چاہئے کہ یہیں معاملہ صاف کرکے جائے، اس سے پہلے کہ آخرت میں پہنچے جہاں اس کے پاس کوئی روپیہ پیسہ نہیں ہوگا۔ اگر اس کے پاس نیکیاں ہوں گی تو لوگوں کے حقوق کے بقدر اَربابِ حقوق کو دے دی جائیں گی، اور اگر اس کے پاس نیکیاں نہ ہوئیں تو ان کے گناہ لے کر اس پر ڈال دیئے جائیں گے“ (مشکوة، باب الظلم ص:۴۳۵)۔

”عن أبي هريرة رضي الله عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: من كانت له مظلمة لأخيه من عرضه أو شيء فليتحلّله منه اليوم قبل أن لا يكون دينار ولا درهم، ان كان له عمل صالح أخذ منه بقدر مظلمته وان لم يكن حسنات أخذ من سيئات صاحبه فحمل عليه۔“

(رواہ البخاری ج:۱ الجزء التاسع ص:۳۳۱)

اللہ تعالیٰ ہم پر رحم فرمائیں، آخرت کا معاملہ بڑا ہی سنگین ہے، جو شخص آخرت پر ایمان رکھتا ہو، اس کے لئے کسی پر ظلم وتعدی کرنے کی کوئی گنجائش نہیں، اور جو شخص کسی کو ستاتا ہے، کسی کی غیبت کرتا ہے، کسی کو ذہنی وجسمانی ایذا پہنچاتا ہے، کسی کا مال کھاتا ہے،

قیامت کے دن یہ سب کچھ اُگلنا پڑے گا، ذِلت و رُسوائی الگ ہوگی، اللہ تعالیٰ کا قہر و غضب الگ ہوگا، اور جہنم کی سزا الگ ہوگی۔ اللہ تعالیٰ ہر مسلمان کو اپنی پناہ میں رکھے۔

ڈیوٹی دیئے بغیر گورنمنٹ سے لی ہوئی رقم کا کیا کریں؟

سوال:... میری شادی کو دو سال ہونے والے ہیں، شادی کے وقت میں ٹھٹھہ شہر میں تھی جو کراچی سے ۸۰ میل دُور ہے، میرے شوہر سرکاری ملازم ہیں، لیکن وہ اوتھل میں ڈیوٹی دیتے تھے اور ساتھ ہی کراچی میں (جہاں ہم رہتے تھے) اسپتال میں کورس کرتے رہے اور وہاں سے بھی ان کو اسکالرشپ کے پیسے ملتے تھے۔ شاید ۸، ۹ مہینے وہ اس اسپتال میں ہاؤس جاب کرتے رہے اور ایک دن بھی اوتھل میں ڈیوٹی نہیں دی اور وہاں کی ڈیوٹی کی پوری تنخواہ چار ہزار وہ لیتے رہے، اور مہینے کے آخر تک وہ پیسے ختم ہوجاتے اور بچتے نہیں تھے۔ وہ کہتے ہیں کہ یہ حکومت کا فرض ہے کہ جہاں وہ سرکاری ملازموں کو ڈیوٹی کے لئے بھیجے تو اس جگہ اچھی رہائش اور باقی سہولتوں کا بھی بندوبست کرے۔ وہ کہتے ہیں کہ وہاں سہولتیں نہیں تھیں اور ان کے بڑے افسر کو پتا تھا۔ اور ایک دفعہ جب وہ اوتھل گئے دُوسرے شہر میں ٹرانسفر کے کام کے لئے، اس وقت دُوسرا افسر آچکا تھا، وہ بہت ناراض ہوا۔ اب ایک سال سے ان کی ٹرانسفر کوئٹہ شہر میں ہے، وہاں یہ کام کرتے ہیں۔ لیکن میں یہ پوچھنا چاہتی ہوں کہ ۶۰ ہزار ان مہینوں کی تنخواہ بنتی ہے اوتھل کی ڈیوٹی کی، تو اسلام کی رُو سے یہ ناجائز رقم ہے، ہمارے پاس اس میں سے کچھ بھی نہیں بچی تھی۔ میرے شوہر اس میں سے ۸ ہزار بغیر نیت کے غریبوں کو دے چکے ہیں اور باقی رقم وہ کہتے ہیں کہ آہستہ آہستہ نکالیں گے، جیسے جیسے پیسہ آئے گا۔ تو کیا اس طریقے سے ہماری نماز روزہ قبول نہ ہوگا؟ یا جب تک ہم پوری ناجائز رقم نہ نکال دیں نماز روزہ قبول نہ ہوگا؟ کیا اگر میں اپنے حصے کی رقم نکال دُوں یعنی جب سے شادی کرکے ان کے پاس آکر میں نے اس تنخواہ کا کھانا کھایا، ان کے حساب سے وہ ۲۴ ہزار بنتے ہیں، تو کیا میرا نماز روزہ قبول ہونا شروع ہوجائے گا؟ اس طرح ان کی بھی مدد ہوجائے گی، اگر میں اپنی ملکیت سے یہ ناجائز رقم نکال دُوں گی۔ کیا اس تمام رقم پر زکوٰۃ بھی ادا کرنی ہوگی؟ جبکہ یہ تنخواہ تو بچتی نہ تھی اور استعمال ہوجاتی تھی مہینے کے اندر اندر۔

جواب:... یہ ناجائز رقم تھی[1]، آہستہ آہستہ اس کو نکال دیں۔[2]

ناحق دُوسرے کی زمین پر قبضہ کرنا

سوال:... ایک شخص اپنی زمین کی پیمائش اور نقشے کی حد سے بڑھ کر اپنے پڑوسی کی زمین میں جو کہ اس کی پیمائش اور نقشے کے

---

(۱) ولیس للخاص أن یعمل لغیرہ ولو عمل نقص من أجرتہ بقدر ما عمل، قال ابن عابدین: (قولہ ولیس للخاص) وفی الفتاوی الفضلی واذا استاجر رجلًا یومًا یعمل کذا فعلیہ أن یعمل ذلک إلٰی تمام المدۃ ولَا یشغل بشیء آخر سوی المکتوبۃ. ثم قال: واتفقوا أنہ لَا یؤدی نفلًا وعلیہ الفتوی. ثم قال نجارًا استوجر إلی اللیل فعمل الآخر دواۃ بدرھم وھو یعلم فھو آثم وان لم یعمل فلا شیء علیہ وینقص من أجر النجار بقدر ما عمل فی الدواۃ. (شامی ج:۶ ص:۷۰، باب ضمان الأجیر).

(۲) قال ابن عابدین: والحاصل انہ إن علم أرباب الأموال وجب ردہ علیھم وإلّا فإن علم عین الحرام لَا یحل لہ ویتصدق بہ بنیۃ صاحبہ. (شامی ج:۵ ص:۹۹، باب البیع الفاسد، مطلب فیمن ورث مالًا حرامًا).

مطابق ہو، اس میں گھس کر اپنا مکان تعمیر کر لیتا ہے، اور اس طرح اپنی زمین بڑھا کر اپنے پڑوسی کی زمین کم کر دیتا ہے، شریعت کے مطابق وہ شخص کیسا ہے؟

جواب:... حدیث شریف میں ہے:

"من أخذ شبرًا من الأرض ظلمًا فانه يطوقه يوم القيامة من سبع أرضين۔"

(متفق علیہ، مشکوٰۃ ص:۲۵۴)

ترجمہ:... "جس شخص نے کسی کی ایک بالشت زمین پر بھی ناحق قبضہ کرلیا، قیامت کے دن سات طبق زمین کا طوق اس کے گلے میں پہنایا جائے گا۔"

موروثی مکان پر قبضے کے لئے بھائی بہن کا جھگڑا

سوال:... عرض ہے کہ ہم دو بہن بھائی ہیں (ایک بھائی، ایک بہن)، والدین گزر گئے، ترکہ میں ایک مکان ہے جس میں ہم رہتے تھے۔ میری بہن نے ایک مکان خریدا مجھے اس میں منتقل کر دیا، تقریباً ساڑھے چار سال بعد میری بہن نے وہ مکان فروخت کر دیا۔ پھر مجھے اس گھر میں (جو کہ ہمارے والدین کا تھا) نہیں آنے دیا، میں کرائے کے مکان میں رہنے لگا۔ تقریباً اٹھارہ سال ہوئے کرایہ کے مکان میں رہتے ہوئے، میں کرائے کی مد میں تقریباً ۴۲,۲۰۰ روپے ادا کر چکا ہوں۔ میں نے برادری میں درخواست دی تو پنچوں نے میری بہن کو بلایا اور میری درخواست بتائی، جس پر میری بہن نے ساڑھے چار سال کا کرایہ ۲۰۰ روپے ماہوار کے حساب سے ۱۰,۸۰۰ روپے ذمہ لگایا۔ اس کے علاوہ میری بہن نے میری طرف ۲۱,۰۰۰ روپے کا قرضہ بتایا، اور کلمہ پڑھ کر کہا کہ یہ میرے ہیں۔ اس کے علاوہ (والدین کے مکان میں جو ترکہ میں ہے) بجلی لگوائی: ۴۰۰ روپے، پانی کا نل لگوایا: ۳۰۰ روپے، گیس لگوایا: ۵۰۰ روپے، مرمت مکان: ۵,۰۰۰ روپے، اس طرح جنرل ٹوٹل: ۱۷,۰۰۰ روپے ہوئے۔ پنچوں نے پھر میرا حساب کیا کہ ترکہ کے مکان میں ۱۹۵۹ء سے رہتی ہو، اور یہ مکان میری بہن سے (جس میں، میں ساڑھے چار سال رہا) بڑا ہے، لہٰذا اس کا کرایہ کم از کم ۲۰۰ روپے ماہوار لگاؤ، تقریباً ۲۸ سال ہوئے جس کا کرایہ: ۲۰۰/ ۶۷ روپے ہوا، اور ۱,۶۰۰ روپے نقد کے ہیں، کل رقم: ۶۸,۸۰۰ روپے ہوئے۔ لہٰذا شریعت کی رُو سے بتائیں یہ رقم بہن بھائی میں کس طرح تقسیم کی جائے اور مکان کس طرح تقسیم کیا جائے؟ مہربانی فرما کر بہن کا علیحدہ اور بھائی کا علیحدہ حصہ بتایا جائے تا کہ یہ معاملہ نمٹ سکے۔

جواب:... والدین نے جو مکان چھوڑا ہے، اس پر دو حصے بھائی کے ہیں، اور ایک حصہ بہن کا، لہٰذا اس کے تین حصے کر کے، دو بھائی کو دِلائے جائیں اور ایک بہن کو۔[1]

---

(۱) قال الله تعالٰی: "يُوْصِيْكُمُ اللهُ فِيْٓ اَوْلَادِكُمْ لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْاُنْثَيَيْنِ" (النساء: ۱۱)۔ وأما الأخوات لأب وأم فأحوال خمس .... ومع الأخ لأب وأم للذكر مثل حظ الأنثيين يصرن به عصبة لإستوائهم في القرابة إلى الميّت۔ (سراجی ج:۱۰)۔

۲:...بہن جو قرضہ بھائی کے نام بتاتی ہے، اگر اس کے گواہ موجود ہیں یا بھائی اس قرض کا اقرار کرتا ہے، تو بھائی سے وہ قرضہ دِلایا جائے، ورنہ بہن کا دعویٰ غلط ہے، وہ کتنی ہی دفعہ کلمہ پڑھ کر یقین دِلائے۔[1]

۳:...بہن نے اپنے بھائی کو جس مکان میں ٹھہرایا تھا اگر اس کا کرایہ طے کرلیا تھا تو ٹھیک ہے، ورنہ وہ شرعاً کرایہ وصول کرنے کی مجاز نہیں۔[2]

۴:...بھائی کے مکان میں جو وہ ۲۸ سال تک رہی، چونکہ یہ قبضہ غاصبانہ تھا، اس لئے اس کا کرایہ اس کے ذمہ لازم ہے۔[3]

۵:...بہن نے اس مکان میں جو بجلی، پانی اور گیس پر روپیہ خرچ کیا، یا مکان کی مرمت پر خرچ کیا، چونکہ اس نے بھائی کی اجازت کے بغیر اپنی مرضی سے کیا، اس لئے وہ بھائی سے وصول کرنے کی شرعاً مجاز نہیں۔[4]

خلاصہ یہ کہ بہن کے ذمہ بھائی کے ۶۷,۲۰۰ روپے بنتے ہیں، اور شرعی مسئلے کی رُو سے بھائی کے ذمہ بہن کا ایک پیسہ بھی نہیں نکلتا۔ تاہم پنچایت والے صلح کرانے کے لئے کچھ بھائی کے ذمہ بھی ڈالنا چاہیں تو ان کی خوشی ہے۔

قرض کے لئے گروی رکھے ہوئے زیورات کو فروخت کرنا

سوال:...آج کل غریب علاقوں میں عورتیں اپنے واقف کار لوگوں کے پاس جاکر اپنے زیورات اپنی منہ بولی رقم کے عوض رکھوادیتی ہیں، اس کے ساتھ یہ بھی کہہ دیتی ہیں کہ اگر مخصوص مدت تک رقم واپس نہ دے سکے تو رکھے ہوئے زیورات رکھنے والے کی ملکیت تصوّر ہوں گے۔ اس سلسلے میں آپ مذہبی نقطۂ نگاہ سے فرمائیں کہ کیا یہ کاروبار جائز ہے؟

---

(۱) أن النبی صلی الله علیه وسلم قال فی خطبته: البیّنة علی المدعی والیمین علی المدعٰی علیه۔ (ترمذی ج:۱ ص:۲۴۹)۔ وفی الهدایة: وإذا صحت الدعویٰ سأل القاضی المدعٰی علیه عنها لیکشف وجه الحکم فإن اعترف قضی علیه بها لأن الإقرار موجب بنفسه فیأمره بالخروج عنه وإن أنکر سأل القاضی المدعی البیّنة لقوله علیه السلام الک بینة فقال لا فقال لک یمینه، سأل ورتب الیمین علی فقد البینة فلابد من السؤال لیمکنه الإستحلاف۔ (هدایة ج:۳ ص:۲۰۲)۔

(۲) واعلم ان صحة الإجارة متعلقة بشیئین، إعلام الأجر وإعلام العمل، فإذا کان أحدهما مجهولًا فالإجارة فاسدة لما روی عن النبی صلی الله علیه وسلم انه قال: من استأجر أجیرًا فلیعلمه أجره۔ (کما فی النتف الفتاویٰ ص:۳۳۸)۔ فیجب الأجر لدار قبضت ولم تسکن لوجود تمکنه من الإنتفاع وهذا إذا کانت الإجارة صحیحة، أما فی الفاسدة فلا یجب الأجر، إلّا بحقیقة الإنتفاع۔ (قوله بحقیقة إلخ) أی إذا وجد التسلیم إلی المستأجر من جهة الآجر، أما إذا لم یوجد من جهته فلا أجر وإن استوفی المنفعة۔ (فتاویٰ شامی ج:۶ ص:۱۱، کتاب الإجارة)۔

(۳) وإن حدثت هذه الأشیاء بفعل الغاصب وسکناه فالضمان علیه بالإجماع فی الزاد .... وما نقص من سکناه وزراعته ضمن النقصان کما فی النقلی وهذا بالإجماع۔ (هندیة ج:۵ ص:۱۲۰، کتاب الغصب، الباب الأوّل فی تفسیر الغصب)۔ غصب من آخر سفینة فلما رکبها وبلغ وسط البحر فلحقه صاحبها لیس له أن یستردّها من الغاصب ولٰکن یؤاجر من ذٰلک الموضع إلی الشط مراعاة للجانبین۔ (هندیة ج:۵ ص:۱۳۲، کتاب الغصب، الباب السادس فی استرداد .. إلخ)۔

(۴) ومن بنی أو غرس فی أرض غیره بغیر إذنه أمر بالقلع والرد۔ (فتاویٰ شامی ج:۶ ص:۱۹۴، کتاب الغصب)۔

جواب:... اس کو "رہن" یا "گروی رکھنا" کہتے ہیں،[۱] شرعاً اس کی اجازت ہے،[۲] مگر جس کے پاس وہ چیز گروی رکھی جائے وہ اس کا مالک نہیں ہوتا، نہ اس کو اِستعمال کرنے کی اجازت ہے،[۳] بلکہ قرض کی مدّت پوری ہونے پر اس کو مالک سے قرض کا مطالبہ کرنا چاہئے،[۴] اگر قرض وصول نہ ہو تو مالک کی اجازت سے اس چیز کو فروخت کرکے اپنا قرض وصول کرلے اور زائد رقم اس کو واپس کردے۔[۵]

خرید و فروخت میں دھوکا کرنا

سوال:... میں ایک دُکان دار ہوں، جب کوئی گاہک کسی چیز کے متعلق معلوم کرتا ہے تو میں گول مول سا جواب دیتا ہوں، مثلاً: "پتہ نہیں، آپ چیک کرلیں" وغیرہ وغیرہ، حالانکہ مجھے اس چیز کے تمام عیب معلوم ہوتے ہیں، اس طرح کاروبار کی کمائی شرعاً جائز ہے کہ نہیں؟

جواب:... بہتر تو یہ ہے کہ گاہک کو چیز کے عیوب بتادیئے جائیں،[۶] لیکن اگر یہ کہہ دیا جائے کہ: "یہ جیسی بھی ہے، آپ کے

( ) الرهن في اللغة: هو الحبس أى حبس الشيء بأىّ سبب كان مالًا أو غير مال .... وفي الشرع: عبارة عن عقد وثيقة بمال .... ويقال هو في الشرع جعل الشيء محبوسًا بحق يمكن استيفاؤه من الرهن كالديون ...إلخ. (الجوهرة النيرة ج:۱ ص:۲۲۷، كتاب الرهن، طبع حقانيه ملتان، فتاوىٰ شامى ج:۶ ص:۴۷۷، كتاب الرهن، طبع سعيد كراچى).

(۲) قال الله تعالىٰ: "وَإِنْ كُنْتُمْ عَلٰى سَفَرٍ وَّلَمْ تَجِدُوْا كَاتِبًا فَرِهٰنٌ مَّقْبُوْضَةٌ" (البقرة:۲۸۳). وفي التفسير المظهرى: والأمر ليس للإيجاب إجماعًا بل للإرشاد والشرط خرج مخرج العادة على الأعم والأغلب فليس مفهوم معتبر عند القائلين بالمفهوم أيضًا حيث يجوز الرهن في الحضر ومع وجود الكاتب إجماعًا. (تفسير مظهرى ج:۲ ص:۴۳۲). وعن عائشة قالت: اشترى رسول الله صلى الله عليه وسلم طعامًا من يهودى إلىٰ أجل ورهنه درعا له من حديد. متفق عليه. (بخارى ج:۱ ص:۳۴۱، مشكوة ص:۲۵۰). قال وما جاز بيعه جاز ارتهانه. (النتف الفتاوىٰ ص:۳۶۹، عالمگيرى ج:۵ ص:۴۳۵). والأصل في شرعية جواز الرهن قوله تعالى: فرهن مقبوضة، وروى أن النبى صلى الله عليه وسلم اشترى من يهودى طعامًا ورهنه به درعه .... ثم ان المشائخ إستخرجوا من هذا الحديث أحكامًا فقالوا فيه دليل جواز الرهن ...إلخ. (الجوهرة النيرة ج:۱ ص:۲۲۸، كتاب الرهن، فتاوىٰ شامى ج:۶ ص:۴۷۷، كتاب الرهن).

(۳) ولَا ينتفع المرتهن بالرهن إستخدامًا وسكنىٰ ولبسًا واجارة واعارة لأن الرهن يقتضى الحبس إلى أن يستوفى دينه دون الإنتفاع فلا يجوز الإنتفاع. (البحر الرائق ج.۸ ص:۲۷۱، كتاب الرهن، فتاوىٰ شامى ج:۶ ص:۴۸۲، كتاب الرهن، هداية ج:۴ ص:۵۲۲، كتاب الرهن).

(۴) أى للمرتهن أن يطالب الراهن بدينه ويحبسه به وإن كان بعد الرهن في يده لأن حقه باق ...إلخ. (البحر الرائق ج:۸ ص:۲۷۰، كتاب الرهن، طبع بيروت).

(۵) قال في الكفاية: (قوله والمراد بالشراء فيما روىٰ حالة البيع) يعنى إذا باع المرتهن الرهن بإذن الراهن يرد المرتهن ما زاد على الدين من ثمنه. (الكفاية علىٰ هامش فتح القدير ج:۹ ص:۷۶، كتاب الرهن).

(۶) عن حكيم ابن حزام أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: البيعان بالخيار ما لم يتفرقا، فإن بينا وصدقا، بورك لهما في بيعهما، وإن كذبا وكتما، محق بركة بيعهما. (صحيح بخارى ج:۱ ص:۲۷۹، نسائى ج:۲ ص.۲۱۲). وقال في الدر المختار (فروع) لَا يحل كتمان العيب في مبيع أو ثمن لأن الغش حرام إلّا في المسئلتين. قال الشامى (قوله لأن الغش حرام) ذكره في الخير إذا باع سلعته عليه البيان وإن لم يبين قال بعض مشائخنا يفسق وترد شهادته. (شامى ج:۵ ص ۴۷، باب خيار العيب، أيضًا: بحر الرائق ج:۶ ص:۳۵، باب خيار العيب).

سامنے ہے، اگر پسند ہے تو لے لیجئے، ورنہ چھوڑ دیجئے" ایسا کہنے سے بھی آپ کا ذمہ بری ہوجاتا ہے۔ [۱]

ٹھیکیدار کی رضامندی سے دُوسرا آدمی رکھ کر تھوڑی تنخواہ اُسے دے کر بقیہ خود رکھنا

سوال:... زید ایک ٹھیکیدار کے پاس بحیثیت چوکیدار کام کرتا ہے، زید نے ٹھیکیدار کی رضامندی سے دُوسرا آدمی اپنی جگہ رکھا ہوا ہے، جس کو زید اپنی تنخواہ کا کچھ حصہ دے دیتا ہے، زید کو ٹھیکیدار سے ملنے والی تنخواہ میں سے اس دُوسرے آدمی کو ادائیگی کے بعد جو رقم بچتی ہے، کیا وہ زید کے لئے جائز ہے؟

جواب:... جائز ہے۔ [۲]

ایسے سیٹھ کے پاس ملازمت جائز نہیں جہاں وضو اور غسل کا پانی نہ ملے

سوال:... میں جس دُکان میں ملازم ہوں، اس کے مالک کا گھر شہر سے باہر ہے، میں شام کو مالک کے گھر چلا جاتا ہوں، انہوں نے مجھے جو کمرہ دیا ہے اس میں پانی بالکل نہیں ہے، لوگ پینے کا پانی دُوسری جگہ سے لاتے ہیں، نہ غسل خانہ، نہ اِستنجا ہے، کئی نمازیں میں نے پینے کے پانی سے وضو کر کے پڑھی ہیں، اور بعض دفعہ پانی نہ لانے کی وجہ سے نماز نہیں پڑھ سکا۔ جب بھی غسل فرض ہوتا ہے تو دوپہر کو کرنا پڑتا ہے، اگر روزے کی حالت میں شام کو غسل فرض ہوجائے تو دوپہر تک یعنی تین بجے دُوسرے دن تک ہم روزہ اس ناپاکی کی حالت میں رکھ سکتے ہیں؟

جواب:... آپ کے لئے اس سیٹھ کے ساتھ ملازمت کرنا ہی جائز نہیں، یا اپنی مجبوری اس کو بتائیں اور پانی کا اِنتظام کروائیں، واللہ اعلم!

کمپنی سے کرایہ زیادہ لے کر آگے دینے کے بجائے کچھ رقم خود اِستعمال کرلینا

سوال:... میں ایک بحری جہازوں کے اِدارے میں ملازم ہوں، ہمارے اِدارے کے جہاز کراچی آتے ہیں اور یہاں سے مال ساری دُنیا میں بڑے بڑے کنٹینروں میں لے جاتے ہیں۔ ہمارا کام یہی کنٹینر بک کرنا ہوتا ہے، ہم اس مال کا کرایہ وصول کرتے ہیں۔ کمپنی کا ایک ایکسپورٹ منیجر جو ہمیں مال دیتا ہے، کمپنی کی لاعلمی میں زیادہ کرایہ دے کر ہم سے یہ واپس لے لیتا ہے جو کہ اس کی جیب میں جاتا ہے، ہماری کمپنی کو بھی اس پر اِعتراض نہیں ہوتا کیونکہ یہ رقم ہمارے طے شدہ کرایہ سے زیادہ آئی ہوتی ہے،، اس لئے ہم اسے واپس کردیتے ہیں۔ اکثر اوقات یہ ہوتا ہے کہ ہم ملازم لڑکے جب یہ سمجھتے ہیں کہ فلاں کمپنی سے ہمیں اچھا کرایہ مل سکتا ہے تو ہم وہاں زیادہ کرایہ لے لیتے ہیں اور اپنی کمپنی کو یہ بتا کر کہ واپس کرنا ہے، کمپنی سے پیسے نکلوا کر اپنی جیب میں رکھ لیتے ہیں، اس میں منطق

---

(۱) قال الشامی. قوله وصح البیع بشرط البراءة من کل عیب بأن قال: بعتک هذا العبد علٰی انی بریء من کل عیب. (شامی ج ۵ ص:۴۲۰، باب خیار العیب، مطلب فی البیع بشرط البراءة).

(۲) قوله (فإن أطلق له العمل فله أن یستأجر من یعمله) لأن المستحق علیه عمل فی ذمته ویمکنه إیفاؤه بنفسه وبالإستعانة بغیره بمنزلة إیفاء الدین ... إلخ. (الجوهرة النیرة ج:۱ ص:۲۷۵، کتاب الإجارة).

یہ ہے کہ کرایہ دینے والی کمپنی بھی خوشی سے دیتی ہے، کیونکہ اس سے اچھا کرایہ کسی اور شپنگ کمپنی نے نہیں دیا ہوتا۔ دُوسرا وہ لوگ یہ کرایہ بلکہ اس سے بھی زیادہ مال بیچتے ہوئے اپنی قیمتِ فروخت میں شامل کردیتے ہیں۔ دُوسرا یہ کہ ہماری کمپنی کو بھی ایک طے شدہ کرایہ مل جاتا ہے، جس میں اس کو منافع ہے۔ اس لئے بقول ہم لڑکوں کے کہ دونوں فریقوں کو کوئی نقصان نہیں اس لئے اپنی جیب میں رکھ لیتے ہیں، لیکن اگر اس بات کا ہماری کمپنی کو پتا چل جائے تو ہماری نوکری بھی جاسکتی ہے۔ سوالات جو پیدا ہوتے ہیں وہ یہ ہیں کہ آیا یہ پیسہ جو ہم رکھتے ہیں حلال ہے یا حرام؟

جواب:...حرام ہے۔[1]

سوال:...اگر غلط ہے تو پچھلا پیسہ یا مال جو بنایا اور خرچ کیا، اس کا کیا اِزالہ ہے؟

جواب:...اتنی رقم کمپنی کے حوالے کردی جائے۔[2]

سوال:...اگر ایکسپورٹ منیجر کمپنی کا یا کوئی تیسرا فرد جو ہم سے پیسے لے رہا ہے، اپنے حصے میں سے ہمیں کچھ دیتا ہے، تو یہ ٹھیک ہے کہ نہیں؟

جواب:...وہ آپ کو کیوں دے گا؟ کیا اس کو پیسوں کی ضرورت نہیں...؟

سوال:...میں نے یہ کام بہت مجبوری میں شروع کیا تھا، کیونکہ ہم پر کافی قرض ہوگیا تھا۔

جواب:...مسئلہ اُوپر لکھ چکا ہوں، مجبوری کو آپ جانیں۔

---

(۱) قال تعالی: "وَلَا تَأْكُلُوْا اَمْوٰلَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ" (البقرة:۱۸۸)۔ قال الإمام القرطبی: من أخذ مال غیره لا علی وجه إذن الشرع فقد أکله بالباطل۔ (تفسیر قرطبی ج:۲ ص:۳۲۳ طبع دار إحیاء التراث العربی بیروت)۔ وفی معالم التنزیل للبغوی ج:۲ ص:۵۰ طبع قدیمی: "بالباطل" بالحرام یعنی بالربا والقمار والغصب والسرقة والخیانة ونحوها۔

(۲) والحاصل ان علم أرباب الأموال وجب رده علیهم۔ (فتاویٰ شامی ج:۵ ص:۹۹، باب البیع الفاسد، مطلب فیمن ورث مالًا حرامًا)۔

غصب کی ہوئی چیز کا لین دین

غصب شدہ چیز کی آمدنی استعمال کرنا بھی حرام ہے

سوال:...دو بھائی زید اور بکر، ایک مکان کی تعمیر میں رقم لگاتے ہیں، مکان ان کے باپ کے نام پر ہے، زید بڑا اور بکر چھوٹا ہے۔ زید پاکستان میں ہی ایک سرکاری ادارے میں کلرک ہے جبکہ بکر باہر کے ملک میں کام کرتا ہے، اور زید کے مقابلے میں مکان کی تعمیر پر کئی گنا زیادہ خرچ کرتا ہے۔ کیونکہ بکر ملک سے باہر ہے، لہٰذا زید اس کی غیر حاضری کا فائدہ اُٹھا کر دھوکے سے مکان اپنے نام کرلیتا ہے، جب بکر ملک میں آتا ہے تو اسے پتا چلتا ہے کہ مکان پر زید نے قبضہ کرلیا ہے، اس پر معمولی جھگڑے کے بعد بکر کو گھر سے نکال دیا جاتا ہے، بکر کو قانون کے بارے میں بالکل کچھ معلوم نہیں، اور جب وہ قانونی معاملات کو سمجھتا ہے تو اس وقت تک یہ معاملہ قانون کے مطابق زائد از میعاد ہوجاتا ہے، لہٰذا عدالت میں مقدمہ کرنے کا سوال ختم ہوگیا۔ وہ مکان جو کہ اس وقت دو منزلہ تھا اس میں زید خود بھی رہتا ہے اور دُوسری منزل کرائے پر دی ہوئی ہے، چونکہ مکان اچھا خاصا بڑا ہے لہٰذا کرایہ بھی کافی مل جاتا ہے، جس سے زید نے تیسری منزل بھی بناڈالی ہے، اور اسے بھی کرائے پر چڑھادیا ہے۔ زید کا ایک لڑکا بھی جو کہ زید کے بعد مکان کا تنہا مالک ہوجائے گا۔ شریعت کی روشنی میں آپ یہ بتائیں کہ وہ کرایہ جو کہ زید اس مکان سے حاصل کر رہا ہے، اس کی شرعی حیثیت کیا ہے؟ اور اس کے بعد اس کا بیٹا جو کہ وہ کرایہ حاصل کرے گا اس کے لئے شریعت میں کیا حکم ہے؟ کیونکہ لڑکے کو علم ہے کہ زید کلرک کی حیثیت سے ایسا مکان بنانے کا اختیار نہیں رکھتا ہے اور یہ کہ اس مکان کے سلسلے میں اس کے چچا کا حق مارا گیا ہے، اور اس کے باپ نے یہ مکان ناجائز طور پر غصب کرلیا تھا۔

جواب:...زید کا اس مکان کو اپنے نام کرالینا اور اپنے بھائی کو محروم کردینا غصب ہے۔[1] حدیث شریف میں ہے کہ: ''جس نے کسی کی ایک بالشت زمین بھی غصب کی، قیامت کے دن سات زمینوں تک وہ ٹکڑا اس کے گلے کا طوق بنایا جائے گا، اور وہ اس میں

---

(۱) الغصب هو الإستيلاء على مال الغير بغير حق لغة، وفي الشريعة: هو أخذ مال متقوم محترم بغير إذن المالک على وجه يزيل يده أو يقصرها مجاهرة. (اعلاء السُّنن ج:۱۶ ص:۳۲۳). أيضًا: وفي الدر المختار، كتاب الغصب: (هو) لغة أخذ الشيء مالًا أو غيره كالحر على وجه التغلب، وشرعًا (ازالة يد محقة) ولو حكمًا بجحوده لما أخذه قبل أن يحوله بإثبات يد مبطلة في مال متقوم محترم قابل للنقل بغير إذن مالكه. (درمختار ج:۶ ص:۱۷۷، طبع ایچ ایم سعید).

دھنستا رہے گا۔"[1] زید جو اس غصب شدہ مکان کا کرایہ کھاتا ہے وہ بھی اس کے لئے حرام ہے، اور اس کے لڑکے کو اگر اس کا علم ہے تو اس کے لئے بھی یہ آمدنی حرام ہوگی۔[2] جو لوگ دُوسروں کے حقوق غصب کرتے ہیں ان کے لئے آخرت کا خمیازہ بڑا سنگین ہوگا۔[3]

غصب شدہ مکان کے متعلق حوالہ جات

سوال:... آپ نے مسئلہ کا حل مشتہر فرمایا "غصب کردہ مکان میں نماز" براہِ کرم جواب کا حوالہ فقہ کا ہے یا حدیث شریف کی کتاب کا؟ نام، صفحہ مفصل تحریر فرماویں تا کہ عدالتِ شرعی کو رُجوع کیا جاوے۔

جواب:... اخبار "جنگ" یکم مئی ۱۹۸۱ء میں جو مسئلہ "غصب کردہ مکان میں نماز" کے عنوان سے درج کیا گیا ہے، اس کی بنیاد مندرجہ ذیل نکات پر ہے:

۱:... عقدِ اجارہ کی صحت کے لئے آجر اور مستأجر کی رضامندی شرط ہے (فتاویٰ ہندیہ ج:۴ ص:۴۱۱)۔[4]

۲:... اجارہ مدّتِ مقررہ کے لئے ہو تو اس مدّت کی پابندی فریقین کے ذمہ لازم ہے،[5] اور اگر مدّت متعین نہیں کی گئی، بلکہ "اتنا کرایہ ماہوار" کے حصول پر دیا گیا تو یہ اجارہ ایک مہینے کے لئے صحیح ہوگا، اور مہینہ پورا ہونے پر فریقین میں سے ہر ایک کو اجارہ ختم کرنے کا حق ہوگا (فتاویٰ ہندیہ ج:۴ ص:۴۱۶)۔[6]

۳:... کسی شخص کی رضامندی کے بغیر اس کے مال پر اس طرح مسلط ہوجانا کہ مالک کا قبضہ زائل ہوجائے، یا وہ اس پر قابض

---

(۱) عن یعلی بن مرّة قال: سمعت رسول الله صلی الله علیه وسلم یقول: ایما رجل ظلم شبرًا من الأرض کلفه الله عزّ وجلّ أن یحفره حتّٰی یبلغ آخر سبع أرضین ثم یطوّقه إلٰی یوم القیامة حتّٰی یقضی بین الناس. رواه أحمد. (مشکٰوة ص:۲۵۶ باب الغصب والعاریة). أیضًا: فإن النبی صلی الله علیه وسلم قال: من ظلم قید شبر من الأرض طُوّقه من سبع أرضین. وقال النبی صلی الله علیه وسلم: من أخذ من الأرض شیئًا بغیر حقه خُسِفَ به یوم القیامة إلٰی سبع أرضین. (صحیح البخاری ج:۱ ص:۳۳۲، باب إثم من ظلم شیئًا من الأرض، مسند أحمد ج:۱ ص:۱۸۸).

(۲) وما دام الغصب حرامًا فإنه لَا یحل الْإنتفاع بالمغصوب بایّ وجه من وجوه الْإنتفاع ویجب ردہ إن کان قائمًا بنمائه ...إلخ. (فقه السُّنّة ج:۳ ص:۲۲۶ لسید سابق). وکذا لَا یحل إذا علم عین الغصب مثلًا .... والحاصل أنه إن علم أرباب الأموال وجب ردہ علیهم وإلّا فإن علم عین الحرام لَا یحل له. (فتاوی شامی ج:۵ ص:۹۹، باب البیع الفاسد).

(۳) وعن أبی هریرة قال: قال رسول الله صلی الله علیه وسلم: من کانت له مظلمة لأخیه من عرضه أو شیء فلیتحلّله منه الیوم قبل أن لَا یکون دینارًا ولَا درهم، إن کان له عمل صالح أخذ منه بقدر مظلمته وإن لم یکن حسنات أخذ من سیئات صاحبه فَحُمِلَ علیه. (بخاری ج:۱ ص:۳۳۱، باب من کانت له مظلمة عند الرجل، مشکٰوة ص:۴۳۵، باب الظلم، الفصل الأوّل).

(۴) وأما شرائط الصحة فمنها رضاء المتعاقدین. (عالمگیری ج:۴ ص:۴۱۱، کتاب الْإجارة، الباب الأوّل).

(۵) ولو قال آجرتک هٰذه الدار سنة کل شهر بدرهم جاز بالْإجماع لأن المدّة معلومة والأجرة معلومة فتجوز فلا یملک أحدهما الفسخ قبل تمام السنة من غیر عذر. (عالمگیری ج:۴ ص:۴۱۶، کتاب الْإجارة، الباب الثالث فی الأوقات).

(۶) وإن آجر دارًا کل شهر بدرهم صح العقد فی شهر واحد وفسد فی بقیة الشهور وإذا تم الشهر الأوّل فلکل واحد منهما أن ینقض الْإجارة لإنتهاء العقد الصحیح. (عالمگیری ج:۴ ص:۴۱۶، کتاب الْإجارة، الباب الثالث فی الأوقات).

نہ ہوسکے "غصب" کہلاتا ہے (فتاویٰ ہندیہ ج:۵ ص:۱۱۹)۔[1]

۴:...اور غصب کردہ زمین میں نماز مکروہ ہے۔[2]

غاصب کے نماز روزے کی شرعاً کیا حیثیت ہے؟

سوال:...اگر کوئی کسی کا مال یا جائیداد ناجائز طور پر غصب کرتا ہے تو غاصب کی نماز، روزہ، زکوٰۃ، حج اور دُوسری عبادات اور نیکیوں کی شریعت میں کیا حیثیت ہے؟ جبکہ جس کا حق غصب کیا گیا ہو وہ انتقال کرچکا ہو، لیکن اس کی اولاد موجود ہے تو اس صورت میں غاصب کے لئے کیا حکم ہے؟

جواب:...اگر وہ غصب شدہ چیز مالک کو واپس نہ کرے تو اس غصب کے بدلے میں اس کی نماز، روزہ وغیرہ مظلوم کو دِلائی جائیں گی۔[3]

کسی کی زمین ناحق غصب کرنا سنگین جرم ہے

سوال:...ایک شخص کے منظورشدہ نقشے میں زمین آگے کی جانب ساڑھے تیس فٹ چوڑی اور پشت کی جانب ساڑھے اُنتیس فٹ چوڑی، اور اس کے پڑوسی کے نقشے میں آگے کی جانب دس فٹ گیارہ اِنچ اور پشت کی جانب تیرہ فٹ ہے، لیکن وہ پڑوسی جس کے نقشے میں پشت کی جانب ساڑھے اُنتیس فٹ چوڑائی ہے اپنے پڑوسی سے یہ کہہ کر اس کی دیوار گرادے کہ: "تمہارے مکان کی دیوار بوسیدہ ہے جس کی وجہ سے میرے مکان کی تعمیر میں مزدوروں پر گر جائے گی" لیکن جب تعمیر کے لئے بنیاد کھودے تو اپنی ساڑھے اُنتیس فٹ چوڑائی سے بڑھ کر تیس فٹ یا اس سے بھی زیادہ حد میں تعمیر کرلے، اور اپنے اس پڑوسی کی زمین کم کردے جس کی منظورشدہ نقشے میں تیرہ فٹ چوڑائی ہے، تو جناب مولانا صاحب! آپ بتائیں کہ کسی کی زمین دبانا اس کے لئے حلال ہے یا حرام؟ اور دُنیا اور آخرت میں ایسے آدمی کو کن کن عذاب سے گزرنا ہوگا؟ اس سلسلے میں کم از کم دو چار حدیثیں بمع حوالے کے جلد تحریر فرماکر شکریہ کا

---

(۱) الباب الأوّل في تفسير الغصب أما تفسيره شرعًا فهو أخذ مال متقوم محترم بغير إذن المالك على وجه يزيل يد المالك إن كان في يده أو يقصر في يده إن لم يكن في يده كذا في المحيط. (عالمگیری ج:۵ ص:۱۱۹، كتاب الغصب).

(۲) قال وكذا تكره في أماكن كفوق الكعبة .... وأرض مغصوبة أو للغير. (شامی ج:۱ ص:۳۷۹، كتاب الصلاة).

(۳) عن أبي هريرة قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: من كانت مظلمة لأخيه من عرضه أو شيء فليتحلّله منه اليوم، قبل أن لا يكون دينارًا ولا درهم، إن كان له عمل صالح أخذ منه بقدر مظلمته، وإن لم يكن له حسنات أُخذ من سيئات صاحبه فحمل عليه. (صحيح البخاري ج:۱ ص:۳۳۱، باب من كانت له مظلمة عند الرجل، مشكوٰة ص:۴۳۵، باب الظلم).
وعن أبي هريرة قال: ان رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: أتدرون ما المفلس؟ قالوا: المفلس منّا من لا درهم له ولا متاع، فقال: ان المفلس من أُمّتي من يأتي يوم القيامة بصلوٰة وصيام وزكوٰة، ويأتي قد شتم هذا، وقذف هذا، وأكل مال هذا، وسفك دم هذا، وضرب هذا، فيعطى من حسناته وهذا من حسناته، فإن فنيت حسناته قبل أن يقضى ما عليه، أُخذ من خطاياهم فطرحت عليه ثم طرح في النار ...الخ. (مسلم ج:۲ ص:۳۲۰، مشكوٰة ص:۴۳۵، باب الظلم، طبع قديمي).

موقع دیجئے گا۔ پڑوسی بیمار رہنے کے علاوہ مالی حالت میں بھی کمزور ہے، اور رشوت کے زمانے میں انصاف کا ملنا مشکل، اس لئے اس نے خاموش ہوکر خدا پر چھوڑ دیا۔

جواب:... کسی کی زمین ظلماً غصب کرنا بڑا ہی سنگین جرم ہے۔ ایک حدیث میں ہے کہ: "جس شخص نے ایک بالشت زمین بھی ناحق لی، اسے قیامت کے دن ساتویں زمین تک زمین میں دھنسایا جائے گا۔"[۱] ایک اور حدیث میں ہے کہ: "جس نے ایک بالشت زمین بھی ظلماً لی، قیامت کے دن سات زمینوں تک اس کا طوق اسے پہنایا جائے گا۔"[۲] (مسندِ احمد ج:۱ ص:۱۸۸) بیمار پڑوسی نے بہت اچھا کیا کہ اپنا معاملہ خدا پر چھوڑ دیا، یہ ظالم اپنے ظلم کی سزا دُنیا اور آخرت میں بھگتے گا۔[۳]

---

(۱) عن سالم عن أبيه قال: قال النبي صلى الله عليه وسلم: من اخذ من الأرض شيئًا بغير حقه خسف به يوم القيامة إلى سبع أرضين۔ (صحيح البخاری ج:۱ ص:۳۳۲، باب إثم من ظلم شيئًا من الأرض)۔

(۲) عن محمد بن إبراهيم ان أبا سلمة حدثه أنه كانت بينه وبين الناس خصومه فذكر لعائشة فقالت: يا أبا سلمة! اجتنب الأرض فإن النبي صلى الله عليه وسلم قال: من ظلم قيد شبر من الأرض طوقه من سبع أرضين ... إلخ۔ (صحيح البخاری ج:۱ ص:۳۳۲، باب إثم من ظلم شيئًا من الأرض)۔

(۳) گزشتہ صفحے کا حاشیہ نمبر ۳ ملاحظہ ہو۔

نقد اور اُدھار کا فرق

اُدھار اور نقد خریداری کے ضابطے

سوال:... آج کل کاروبار میں ایک طریقہ رائج ہو چکا ہے، جس کو "ڈپو" کے نام سے تعبیر کیا جاتا ہے، یعنی ایک بیوپاری کے پاس مال ہے، وہ فروخت کرتا ہے، اس کا طریقہ یہ ہے کہ بازار کا نرخ بیس روپے من ہے، ایک مدّتِ مقرّرہ پر رقم ادا کرنے کی صورت میں نرخ پچیس روپے من لگایا جاتا ہے، مدّت کی کمی بیشی کی صورت میں رقم کی بھی کمی بیشی ہوتی رہتی ہے۔ سودا طے ہو جانے پر مال مذکورہ مشتری (خریدار) کے حوالے کر دیا جاتا ہے، کیا یہ صورت سود میں آتی ہے یا کہ نہیں؟ جبکہ ایک مفتی صاحب نے اس کو جائز قرار دیا ہے۔

بندہ نے ایک تحریر دیکھی ہے جس سے مزید اشکال پیدا ہو رہا ہے، جو کہ نقل ہے: "حضرت سفیان کہتے ہیں کہ میں نے ابنِ عمرؓ سے پوچھا: ایک شخص کو وقتِ مقرّرہ پر میرا اُدھار ادا کرنا ہے، میں اس سے کہتا ہوں کہ: تم مجھے مقرّرہ وقت کے بجائے آج دو تو میں کل رقم میں سے تم کو کچھ چھوڑتا ہوں۔ ابنِ عمرؓ نے فرمایا: یہ سود ہے۔" زید بن ثابتؓ سے بھی اسی کی نہی مروی ہے، سعید بن جبیرؒ، شعبیؒ، حکم، ہمارے (احناف) اور جملہ فقہاء کا یہی قول ہے، البتہ ابنِ عباسؓ اور ابراہیم نخعیؒ نے کہا: اس میں کوئی حرج نہیں۔"

جواب:... اگر قیمت نقد ادا کر دی جائے اور چیز مہینے دو مہینے کی میعاد پر دینی طے کی جائے تو یہ "بیع سلم" کہلاتی ہے،[1] اور یہ چند شرطوں کے ساتھ جائز ہے:[2]

۱: جنس معلوم ہو۔ ۲: نوع معلوم ہو، مثلاً: فلاں قسم کی گندم ہوگی۔ ۳: وصف معلوم ہو، مثلاً اعلیٰ درجے کی ہو یا درمیانی درجے

(۱) السلم أو السلف: بيع آجل بعاجل أو بيع شيء موصوف في الذمة ...إلخ. (الفقه الإسلامي وأدلّته ج:۴ ص:۵۹۸، عقد السلم، تعريف السلم). باب السلم (هو) لغة كالسلف وزنًا ومعنًى، وشرعًا (بيع أجل) وهو المسلم فيه بعاجل وهو رأس المال ...إلخ. (درمختار ج:۵ ص:۲۰۹، باب السلم، طبع سعيد).

(۲) وعن ابن عباس قال: قدم رسول الله صلى الله عليه وسلم المدينة وهم يسلفون في الثمر، فقال: من أسلف فليسلف في كيل معلوم ووزن معلوم إلى أجل معلوم. (صحيح البخاری ج:۱ ص:۲۹۸، ترمذی ج:۱ ص:۲۴۵). قال ولا يصح السلم عند أبي حنيفة إلّا بسبع شرائط: جنس معلوم كقولنا حنطة أو شعيرة، ونوع معلوم كقولنا سقية أو بخيسة، وصفة معلومة كقولنا جيد ورديء، ومقدار معلوم كقولنا كذا كيلًا بمكيال معروف أو كذا وزنًا واجل معلوم، والأصل فيه ما روينا، ومعرفة مقدار رأس المال إذا كان يتعلق العقد على مقداره كالمكيل والموزون والمعدود، وتسمية المكان الذي يوفيه إذا كان له حمل ومؤنة ولا يصح السلم حتى يقبض رأس المال قبل أن يفارقه فيه. (هداية ج:۳ ص:۹۵، كتاب البيوع، باب السلم، عالمگيری ج:۳ ص:۱۷۸، الباب الثامن عشر في السلم، كتاب البيوع).

کی یا گھٹیا درجے کی۔ ۴: مقدار معلوم ہو۔ ۵: وصولی کی تاریخ مقرر ہو۔ ۶: جو رقم ادا کی گئی ہے اس کی مقدار معلوم ہو۔ ۷: اور یہ طے ہوجائے کہ یہ چیز فلاں جگہ سے خریدار اُٹھائے گا۔

نقد اَرزاں خرید کر گراں قیمت پر اُدھار فروخت کرنا

سوال:... زید کے پاس مال ہے، بکر اس کا خریدار ہے، زید کو پیسے کی ضرورت ہے، عمرو کے پاس رقم نہیں ہے، بکر کے پاس فالتو رقم پڑی ہوئی ہے۔ بکر، زید سے مال بازار کے نرخ سے کم پر خریدتا ہے اور زید کو چونکہ ضرورت ہے اس لئے وہ بھی دے دیتا ہے، اس کے بعد بکر، عمرو کے ہاتھ وہ مال بازار کے نرخ سے زائد پر بیچتا ہے، کیونکہ عمرو یہ مال اُدھار پر خریدتا ہے، بکر کا یہ معاملہ کیا شرعی حیثیت رکھتا ہے؟ اس میں یہ بات واضح رہے کہ بکر، زید سے یہ مال صرف اس لئے خرید رہا ہے کہ اس کے پاس اس مال کا گاہک عمرو پہلے سے موجود ہے، اگر عمرو موجود نہ ہو تو بکر سے زید یہ معاملہ نہ کرتا، کیونکہ جس مال کا سودا ہوا ہے وہ بکر کی لائن ہی نہیں ہے۔

جواب:... یہاں دو مسئلے ہیں۔ ایک کسی کی ناداری اور مجبوری سے فائدہ اُٹھاکر کم داموں پر چیز خریدنا اگرچہ قانوناً جائز ہے، مگر اخلاق و مروّت کے خلاف ہونے کی وجہ سے مکروہ ہے۔[1] دُوسرا مسئلہ اُدھار میں گراں قیمت پر دینا ہے، یہ جائز ہے، مگر نقد اور اُدھار کے درمیان قیمت کا فرق مناسب ہونا چاہئے۔[2]

نقد ایک چیز کم قیمت پر اور اُدھار زیادہ پر بیچنا جائز ہے

سوال:... ہمارے یہاں لوگ قسطوں کا کاروبار کرتے ہیں، جیسے سائیکل، ٹی وی، فریج، ٹیپ ریکارڈر وغیرہ، قسطوں پر دیتے ہیں، ایسے کہ اگر ٹیپ ریکارڈر کی مارکیٹ میں مالیت دو ہزار کی ہے تو یہ قسطوں پر ڈھائی ہزار کی دیں گے۔ سیدھی بات یہ ہے کہ وہ

---

(۱) قال الخطابی: بیع المضطر یکون من وجهین ... . والوجه الآخر أن یضطر إلى البیع لدین یرکبه أو مؤنة ترهقه فیبیع ما فی یده بالوکس من أجل الضرورة فهٰذا سبیله فی حق الدین والمروءة أن لَا یباع علٰی هٰذا الوجه، وأن لَا یفتات علیه بماله ولٰکن یعان ویقرض ویستمهل له إلى المیسرة حتّٰی یکون فی ذٰلک بلاغ فإن عقد البیع مع الضرورة علی هٰذا الوجه جاز فی الحکم ولَا تفسخ .. .. إلّا أن عامة أهل العلم قد کرهوا هٰذا البیع لهٰذا الوجه ...إلخ. (بذل المجهود شرح سنن أبو داوٗد ج:۴ ص:۲۵۲، کتاب البیوع، باب فی بیع المضطر، طبع مکتبه یحیویه، هند). أیضًا: (قوله بیع المضطر وشراءه فاسد) هو أن یضطر الرجل إلى طعام أو شراب أو لباس أو غیرها ولَا یبیعها البائع إلّا بأکثر من ثمنها بکثیر، وکذٰلک فی الشراء منه کذا فی المنح ...إلخ. (فتاویٰ شامی ج:۵ ص:۵۹، باب البیع الفاسد). تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو: إعلاء السُّنن ج:۱۴ ص:۲۰۵، کتاب البیوع، باب النهی عن بیع المضطر، طبع إدارة القرآن).

(۲) عن أبی هریرة رضی الله عنه قال: نهی رسول الله صلی الله علیه وسلم عن بیعتین فی بیعة. قال الإمام الترمذی: وقد فسر بعض أهل العلم. قالوا بیعتین فی بیعة أن یقول: أبیعک هٰذا الثوب بنقد بعشر وبنسیئة بعشرین، ولَا یفارقه علی أحد البیعین، فإذا فارقه علی أحدهما، فلا بأس إذا کانت العقدة علٰی واحد منهما۔ (جامع الترمذی ج:۱ ص:۲۳۳ باب النهی عن بیعتین). وفی الهدایة: لأن للأجل شبهًا بالمبیع، ألَا تریٰ أنه یزاد فی الثمن لِأجل الأجل، والشبهة فی هذا ملحقة بالحقیقة. (هدایة ج:۳ ص:۷۰، کتاب البیوع، باب المرابحة والتولیة). أیضًا: لأن الأجل فی نفسه لیس بمال، فلا یقابله شیء حقیقة إذا لم یشترط زیادة الثمن بمقابلته قصدًا، ویزاد فی الثمن لأجله، إذا ذکر الأجل بمقابلة الأجل قصدًا. (الدر المختار مع رد المحتار ج:۵ ص:۱۴۲ کتاب البیوع، باب المرابحة والتولیة، أیضًا فی المبسوط ج:۱۳ ص:۹ باب البیوع الفاسدة).

ہم کو دو ہزار دیں گے اور ہم سے ڈھائی ہزار لیں گے، جبکہ آپ نے قسطوں پر لی ہے۔ برائے مہربانی ہم کو بتائیں کہ یہ چیز سود کے زُمرے میں تو نہیں آتی؟ اگر آتی ہے تو آپ بتائیں کہ اس کو رفع کیسے کیا جائے؟

جواب:... ایک چیز نقد کم قیمت پر فروخت کرنا اور اُدھار زیادہ قیمت پر دینا جائز ہے، یہ چیز سود کے زُمرے میں نہیں آتی۔ البتہ فروخت کرتے وقت نقد یا اُدھار پر فروخت کرنے اور قیمت اور قسطوں کی تعیین ضروری ہے۔[1]

ایک چیز نقد کم پر، اور اُدھار زیادہ پر بیچنا

سوال:... ماہنامہ "اقرأ" ڈائجسٹ میں ایک مسئلہ لکھا ہوا ہے کہ ایک شخص ریڈیو فروخت کرتا ہے، اور کہتا ہے کہ: "یہ ریڈیو اگر نقد لیتے ہو تو ۵۰۰ روپے کا، اور اگر اُدھار لیتے ہو تو ۶۰۰ روپے کا، اگرچہ یہاں پر ۱۰۰ روپیہ بڑھ گئے لیکن یہ سود نہیں ہے، اس لئے کہ اس پس منظر میں چیز ہے۔" مندرجہ بالا مسئلے سے معلوم ہوا کہ بائع مشتری کے ساتھ نقد اور اُدھار کی شرط پر قیمت میں کمی بیشی کر سکتا ہے۔ جہاں تک ہمیں معلوم ہے اور اب تک جو کچھ ہم سمجھتے رہے ہیں وہ یہ ہے کہ یہ بیع جائز نہیں ہے، اور "بہشتی زیور" سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے۔ مسئلہ "بہشتی زیور" کا یہ ہے کہ یہ حکم اس وقت ہے جبکہ خریدار سے اوّل پوچھ لیا ہو کہ نقد لوگے یا اُدھار، اگر اس نے نقد کہا تو بیس سیر دے دیئے، اور اُدھار کہا تو پندرہ سیر دے دیئے، اور اگر معاملہ اس طرح کیا کہ خریدار سے یوں کہا کہ اگر نقد لوگے تو ایک روپے کے بیس سیر، اور اُدھار لوگے تو پندرہ سیر ہوں گے، یہ جائز نہیں ہے۔

جواب:... "بہشتی زیور" کا مسئلہ صحیح ہے، مگر یہ اس صورت میں ہے کہ مجلسِ عقد میں یہ طے نہ ہو جائے کہ یہ چیز نقد لوگے تو اتنے کی ہے اور اُدھار لوگے تو اتنے کی،[2] اور پھر مجلسِ عقد میں ایک صورت طے ہو جائے تو جائز ہے۔[3] مفتی صاحب نے جو مسئلہ لکھا ہے وہ اسی صورت سے متعلق ہے۔

---

(۱) والأثمان المطلقة لَا تصح إلّا أن تكون معروفة القدر والصفة .... ويجوز البيع بثمن حال ومؤجل إذا كان الأجل معلومًا .... لأن الجهالة فيه مانعة عن التسليم الواجب بالعقد. (هداية، كتاب البيوع ج:۳ ص:۲۲، طبع ملتان). أيضًا: وإذا عقد العقد على أنه إلى أجل كذا بكذا وبالنقد بكذا أو إلى شهرين بكذا فهو فاسد لأنه لم يعاطه بثمن معلوم .... فإن كان يتراضيان بينهما ولم يتفرقا حتّى قاطعه على ثمن معلوم وأتما العقد عليه فهو جائز. (المبسوط للسرخسي ج:۱۳ ص:۹، باب البيوع الفاسد، طبع دار الفكر، بيروت). أيضًا: البيع مع تأجيل الثمن وتقسيطه صحيح يلزمه أن تكون المدة معلومة في البيع بالتأجيل والتقسيط. (شرح المجلة ص:۱۲۵، رقم المادّة:۲۴۵، ۲۴۶، طبع حبيبيه كوئٹه).

(۲) رجل باع على أنه بالنقد بكذا وبالنسيئة بكذا أو إلى شهر بكذا وإلى شهرين بكذا، لم يجز. (خلاصة الفتاوى ج:۳ ص:۶۰ كتاب البيوع، الفصل الخامس في البيع جنس آخر، طبع رشيديه، أيضًا: فتاوى هندية ج:۳ ص ۱۵۴).

(۳) عن أبي هريرة قال: نهى رسول الله صلى الله عليه وسلم عن بيعتين في بيعة. ثم قال: والعمل على هذا عند أهل العلم وقد فسر بعض أهل العلم قالوا: بيعتين في بيعة أن يقول أبيعك هذا الثوب بنقد بعشرة وبنسئة بعشرين ولا يفارقه على أحد البيعين، فإذا فارقه على أحدهما فلا بأس به إذا كانت العقدة على واحد منهما. (هكذا في الترمذي ج:۱ ص:۲۳۳، باب النهي عن بيعتين، والمغني لابن قدامة ج:۴ ص:۱۷۷، والمبسوط للسرخسي ج:۱۳ ص:۸).

اُدھار بیچنے پر زیادہ رقم لینے اور سود لینے میں فرق

سوال:... آپ نے ایک سائل کے جواب میں لکھا تھا کہ ایک چیز نقد ۱۰ روپے کی اور اُدھار ۱۵ روپے کی بیچنا جائز ہے، یہ کیسے جائز ہوگیا؟ یہ تو سراسر سود ہے، سود میں بھی تو اسی طرح ہوتا ہے کہ آپ کسی سے ۱۰ روپے لیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ایک مہینے کے بعد ۱۵ روپے دُوں گا۔ اس طرح تو یہ بھی سود ہوا کہ ایک چیز کو نقد ۱۰ روپے کا، اُدھار ۱۵ روپے کا دیتے ہیں، اگر وقت کی وجہ سے دُکان دار ۵ روپے زیادہ لیتا ہے تو سودخوروں کی بھی یہی دلیل ہے کہ ہم اپنا پیسہ پھنساتے ہیں۔

جواب:... کسی کی ضرورت سے ناجائز فائدہ اُٹھانا الگ چیز ہے، اور سود الگ چیز ہے۔ روپے کے بدلے روپیہ جب زیادہ لیا جائے گا تو یہ "سود" ہوگا۔[1] لیکن چیز کے بدلے میں روپیہ زیادہ بھی لیا جاتا ہے اور کم بھی۔ زیادہ لینے کو "گراں فروشی" تو کہتے ہیں مگر یہ سود نہیں۔[2] اسی طرح اگر نقد اور اُدھار کی قیمت کا فرق ہو تو یہ بھی سود نہیں۔[3]

اُدھار چیز کی قیمت وقفہ وقفہ پر بڑھانا جائز نہیں

سوال:... ہمارے ہاں کپڑا مارکیٹ میں دھاگے کا کام ہوتا ہے، اب ہم اس طرح کرتے ہیں کہ دھاگہ جو کہ پونڈ کے حساب سے فروخت ہوتا ہے، اب فرض کریں کہ دھاگے کی قیمت ۳۵ روپے فی پونڈ ہے، ہمارے یہاں مارکیٹ کا طریقہ یہ ہے کہ اگر دھاگہ نقد لوگے تو ۳۵ روپے فی پونڈ ہوگا، اور اگر یہی دھاگہ ایک مہینے کا اُدھار لیں گے تو یہ دھاگہ ۳۶ روپے کا ہوگا، اور دو مہینے کا اُدھار لیں گے تو یہ دھاگہ ۳۷ روپے کا ہوگا۔ گویا ایک پونڈ پر ایک مہینے کا ایک روپیہ اُوپر لیتے ہیں، اب اگر کوئی شخص دھاگہ دو مہینے اُدھار پر لیتا ہے اور دو روپے پونڈ کے اُوپر زیادہ دیتا ہے تو اگر اس شخص کے پاس ڈیڑھ مہینے میں روپے آجاتے ہیں اور وہ اسے جس سے

---

(۱) باب الربا هو فضل خالٍ عن عوض بمعيار شرعي مشروط لأحد المتعاقدين في المعاوضة. (تنوير الأبصار ج:۵ ص:۱۶۸). أيضًا: قال الربا محرم في مكيل أو موزون إذا بيع بجنسه متفاضلًا فالعلة عندنا الكيل مع الجنس أو الوزن مع .... والأصل فيه الحديث المشهور وهو قوله عليه السلام: الحنطة بالحنطة مثلًا بمثل يدًا بيد والفضل ربا. وعدّ الأشياء السِّتّة: الحنطة والشعير والتمر والملح والذهب والفضة على هذا المثال. (هداية ج:۳ ص:۷۹، باب الربا).

(۲) وطلب الزيادة بطريق التجارة غير محرم في الجملة قال الله تعالىٰ: ليس عليكم جناح أن تبتغوا فضلًا من ربكم. (تفسير مظهري ج:۱ ص:۳۹۹، طبع مكتبة إشاعت العلوم، دهلي).

(۳) عن أبي هريرة قال: نهى رسول الله صلى الله عليه وسلم عن بيعتين في بيعة. ثم قال: والعمل على هٰذا عند أهل العلم وقد فسر بعض أهل العلم قالوا: بيعتين في بيعة أن يقول أبيعك هٰذا الثوب بنقد بعشرة وبنسيئة بعشرين ولَا يفارقه على أحد البيعين، فإذا فارقه على أحدهما فلا بأس به إذا كانت العقدة على واحد منهما. (ترمذي ج:۱ ص:۲۳۳، باب النهي عن بيعتين). أيضًا: وإذا عقد العقد على أنه إلىٰ أجل كذا بكذا وبالنقد بكذا، أو قال: إلىٰ شهر بكذا، أو إلىٰ شهرين بكذا فهو فاسد لأنه لم يعاطه على ثمن معلوم، ولنهي النبي صلى الله عليه وسلم من شرطين في بيع .... وهٰذا إذا افترقا على هٰذا، فإن كان يتراضيان بينهما ولم يتفرقا حتى قاطعه على ثمن معلوم، وأتمّا العقد عليه فهو جائز. (المبسوط لسرخسي ج:۱۳ ص:۹، باب البيوع الفاسد، طبع كوئٹه). لأن للأجل شبهًا بالمبيع ألَا ترىٰ أنه يزاد في الثمن لأجل الأجل، والشبهة في هٰذا ملحقة بالحقيقة. (الهداية ج:۳ ص:۷۶، باب المرابحة والتولية، طبع شركت علميه ملتان).

اس نے دھاگہ دو مہینے اُدھار پر لیا ہے، یہ کہے کہ: ”میرے پاس روپے آگئے ہیں، تم اس طرح کہ ڈیڑھ روپے کے حساب سے پونڈ پر روپے لے لو، یعنی اگر ۳۵ روپے کا ہے تو ۳۶ روپے ۵۰ پیسے پونڈ کے حساب سے روپے لے لو“ تو کیا یہ طریقہ صحیح ہے یا نہیں؟ جبکہ دو روپے پونڈ کا دو مہینے سے سودا طے ہوا تھا، اب وہ ۱۵ دن پہلے روپے دے رہا ہے، ۵۰ پیسے فی پونڈ پر کم کے حساب سے۔ دُوسری صورت یہ ہے کہ اگر کوئی شخص ایک مہینے کا اُدھار لے ایک روپیہ فی پونڈ کے حساب سے، اب ایک مہینہ ہوگیا ہے اور اب اس شخص کے پاس روپے نہیں آئے اب وہ اگر یہ کہے کہ: ”تم اس طرح کرو کہ دو مہینے کا اُدھار کرلو اور ایک روپیہ پونڈ پر زیادہ لے لو، تو یہ طریقہ سود کے زُمرے میں تو نہیں آتا ہے؟ اور یہ طریقہ جائز ہے یا ناجائز ہے؟ برائے مہربانی دونوں صورتوں کا جواب شریعت کی رُو سے دیں۔

جواب:... نقد اور اُدھار قیمت کا فرق تو جائز ہے،[1] مگر وقت متعین ہونا چاہئے، مثلاً: دو مہینے کے بعد ادا کریں گے، اور اس کی قیمت یہ ہوگی۔ فی مہینہ ایک روپیہ زائد کے ساتھ سودا کرنا جائز نہیں۔[2]

اُدھار فروخت کرنے پر زیادہ قیمت وصولنا

سوال:... کسی اناج کے بھاؤ بازار کے مطابق آج ۲۰ روپے من ہیں، اور دُکان دار نقد لینے والے گاہک کو ۲۰ روپے من فروخت کرتا ہے، اور وہی دُکان دار اُدھار لینے والے کو ۲۵ روپے من فروخت کرتا ہے، اُدھار لینے والا مجبوری کی وجہ سے ایسا کرنے پر مجبور ہے اور لیتا ہے، اس مسئلے پر اسلامی قانون سے کیا حکم ہے؟ ایسا کرنا جائز ہے یا نہیں؟

جواب:... اس طرح فروخت کرنا تو جائز ہے،[3] مگر کسی کی مجبوری سے فائدہ نہیں اُٹھانا چاہئے۔[4]

---

(۱) والأثمان المطلقة لَا تصح إلَّا أن تكون معروفة القدر والصفة .... ويجوز البيع بثمن حال ومؤجل إذا كان الأجل معلومًا ... إلخ. (هداية، كتاب البيوع، ج:۳ ص:۲۶). أيضًا: لأن للأجل شبهًا بالمبيع ألَا ترىٰ أنه يزاد في الثمن لأجل الأجل والشبهة هٰذا ملحقة بالحقيقة. (هداية ج:۳ ص:۷۶ باب المرابحة والتولية).

(۲) وإذا عقد العقد علىٰ أنه إلىٰ أجل كذا بكذا وبالنقد بكذا أو إلىٰ شهر بكذا أو إلىٰ شهرين بكذا فهو فاسد لأنه لم يعاطه علىٰ ثمن معلوم .... وهٰذا إذا افترقا علىٰ هٰذا فإن كان يتراضيان بينهما ولم يتفرقا حتّٰى قاطعه علىٰ ثمن معلوم وأتمّا العقد عليه فهو جائز. (المبسوط للسرخسي ج:۱۳ ص:۹، باب البيوع الفاسد، أيضًا: عالمگيري ج:۳ ص:۱۵۴، خلاصة الفتاوىٰ ج:۳ ص:۶۰ كتاب البيوع، الفصل الخامس في البيع جنس آخر).

(۳) ایضاً حوالہ بالا۔

(۴) عن علي قال: سيأتي على الناس زمان عضوض يعنى الموسر علىٰ ما في يده ولم يؤمر بذٰلك، قال الله تعالىٰ: ولَا تنسوُا الفضل بينكم، ويباع المضطرون وقد نهى النبي صلى الله عليه وسلم عن بيع المضطر. قال الشامي: وهو أن يضطر الرجل إلىٰ طعام وشراب أو غيرهما، ولَا يبعه البائع إلَّا بأكثر من ثمنها بكثير وكذٰلك الشراء منه .... قال الخطابي: إن عقد البيع مع الضرورة علىٰ هٰذا الوجه جائز في الحكم ولَا يفسخ إلَّا ان سبيله في حق الدين والمروئة أن لَا يباع علىٰ هٰذا الوجه وأن لَا يفتات عليه بماله، ولٰكن يعاون ويقرض ويستمهل له إلى الميسرة حتّٰى يكون له في ذٰلك بلاغ. (إعلاء السُّنن ج:۱۴ ص:۲۰۵، كتاب البيوع، باب النهي عن بيع المضطر، أيضًا: بذل المجهود ج:۵ ص:۲۵۲ كتاب البيوع، باب في بيع المضطر، طبع إمدادية).

مل سے دھاگہ نقد لے کر گاہکوں کو اُدھار دینا

سوال:..ہمارا دھاگے کا کاروبار ہے، ہم گاہکوں کو مل سے دھاگا نقد یا اُدھار دِلادیتے ہیں، اور ہمیں اس پر کمیشن ملتا ہے۔ دھاگے کا دام فی پونڈ (وزن کے لحاظ سے) ہوتا ہے، مثلاً نقد ۵۰ روپے فی پونڈ، اور اُدھار ایک ماہ کا ۵۱ روپے، دو ماہ کا ۵۲ روپے فی پونڈ وغیرہ۔ مقررہ اُدھار سے تاخیر ادائیگی پر کوئی اضافی رقم نہیں لی جاتی۔

بعض اوقات یہ ہوتا ہے کہ ہم خود نقد دھاگا خرید کر مہنگے دام پر گاہکوں کو اُدھار مال دیتے ہیں، اس کی صورت یہ ہوتی ہے کہ ہم نقد رقم ادا کر کے مل یا اس کے مقررہ ریٹ سے مال کا ''ڈلیوری آرڈر'' اپنے نام سے لیتے ہیں، اور وہی ڈلیوری آرڈر ہمارے گاہک کو دے دیتے ہیں، جس پر اُدھار مال بیچا ہوتا ہے، جو مل کے گودام سے مال اُٹھالیتے ہیں۔ اس سلسلے میں معلوم یہ کرنا ہے کہ کیا اس طرح نقد مال اپنے نام لے کر اس کا ڈلیوری آرڈر گاہک کو دینا جس کو اُدھار بیچا ہے کہ وہ خود مال اُٹھالیں شرعی طور پر جائز ہے؟

بعض اوقات ڈلیوری آرڈر گاہک اس لئے مانگتا ہے کہ اس کو اطمینان ہوجائے کہ جس مل کا مال اسے چاہئے تھا وہی اصلی مال اُسے خود مل کے گودام سے مل گیا، ورنہ بعض گاہکوں کو شبہ یہ ہوتا ہے کہ مال تبدیل شدہ نہ ملے، اس لئے کہ دھاگے پر تو کچھ لکھا ہوتا نہیں ہے، صرف بوروں پر بنانے والی مل کا نام لکھا جاتا ہے، جو تبدیل کئے جاسکتے ہیں۔

ڈلیوری آرڈر گاہک کو اس لئے بھی دے دیتے ہیں کہ وہ مال کا رسک بھی ان کا ہی رہے، اگر مندرجہ بالا طریقۂ کار شرعاً مناسب نہیں ہے تو اُوپر بیان کردہ حالات میں شرعی طریقۂ کار کیا ہونا چاہئے؟

جواب:..جو مال آپ دھاگے کے خریداروں کو مل سے دلواتے ہیں، ظاہر ہے کہ اس کی نقد قیمت اور اُدھار کی قیمت میں فرق ہوتا ہوگا، بہرحال ایک بات طے کرلیں کہ اتنے مہینے میں رقم ادا کی جائے گی، اور یہ اس کی قیمت ہوگی۔[1] فرض کیجئے! گاہک اتنے دن تک بل ادا نہیں کرتا تو اب قیمت بڑھانے کا آپ کو اِختیار نہیں ہوگا، اور نہ مل والوں کو، بلکہ اگر مہلت کے بدلے میں قیمت بڑھائی گئی تو یہ سود ہوگا۔[2]

---

(۱) ألا ترى أنه يزاد في الثمن لأجل الأجل ...إلخ۔ (هداية ج:۳ ص:۷۳، وأيضًا بحر ج:۶ ص:۱۲۵، شامي ج:۹ ص:۷۵۷ في مسائل شتّى)۔ عن أبي هريرة قال: نهى رسول الله صلى الله عليه وسلم عن بيعتين في بيعة. ثم قال: والعمل على هذا عند أهل العلم وقد فسر بعض أهل العلم قالوا: بيعتين في بيعة أن يقول أبيعك هذا الثوب بنقد بعشرة وبنسئة بعشرين ولا يفارقه على أحد البيعين، فإذا فارقه على أحدهما فلا بأس به إذا كانت العقدة على واحد منهما۔ (ترمذي ج۱ ص:۲۳۳، باب النهي عن بيعتين)۔ أيضًا: وإذا عقد العقد على أنه إلى أجل كذا بكذا وبالنقد بكذا، أو قال: إلى شهر بكذا، أو إلى شهرين بكذا فهو فاسد لأنه لم يعاطه على ثمن معلوم، ولنهي النبي صلى الله عليه وسلم من شرطين في بيع . . . وهذا إذا افترقا على هذا، فإن كان يتراضيان بينهما ولم يتفرقا حتّى قاطعه على ثمن معلوم، وأتمّا العقد عليه فهو جائز۔ (المبسوط لسرخسي ج:۱۳ ص:۹، باب البيوع الفاسد، طبع كوئٹه)۔ لأن للأجل شبها بالمبيع ألا ترىٰ أنه يزاد في الثمن لأجل الأجل، والشبهة في هذا ملحقة بالحقيقة۔ (الهداية ج:۳ ص:۷۶، باب المرابحة والتولية، طبع شركت علميه ملتان)۔

(۲) الربا هو فضل خال عن عوض بمعيار شرعي مشروط لأحد المتعاقدين ...إلخ۔ (تنوير الأبصار ج:۵ ص:۱۶۸)۔

آپ اپنے طور پر ل والوں سے دھاگا خرید کر خریداروں کو دے سکتے ہیں، اور اس کا پرچہ وغیرہ جو بناتے ہیں وہ بھی بناسکتے ہیں، لیکن اس میں یہ شرط ملحوظ رکھی جائے گی کہ ایک دفعہ جو قیمت طے ہوگئی اس میں اضافہ نہیں کیا جاسکتا۔

بھینس نقد پانچ ہزار کی اور اُدھار چھ ہزار کی فروخت کرنا

سوال:... کیا زید نقد ایک بھینس پانچ ہزار کی، اور وہی بھینس اُدھار چھ ہزار کی فروخت کرسکتا ہے؟ کیا اُدھار میں ایک ہزار سود تو نہیں بن جائے گا؟

جواب:... اُدھار میں زیادہ رقم لینا جائز ہے، یہ سود نہیں۔[1] واللہ اعلم!

نقد اور اُدھار میں قیمت کا فرق

سوال:... ہم مال نقد اور اُدھار میں فروخت کرتے ہیں، جو لوگ مال نقد اُٹھاتے ہیں تو وہ مثلاً ایک چیز چار ہزار کی لیتے ہیں، اور اُدھار والے مثلاً چار ہزار دوسو روپے میں دیتے ہیں، اور یہ اُدھار والے ہر جمعہ کو دو ہزار کے حساب سے رقم ادا کرتے ہیں، کیا یہ طریقہ ٹھیک ہے؟

جواب:... نقد و اُدھار کی جو صورتیں آپ نے لکھی ہیں، وہ صحیح ہیں۔[2] واللہ اعلم!

کھاد اسٹاک کرنا، نیز اُدھار میں پچیس روپے زیادہ پر بیچنا

سوال:... ایک آدمی کھاد کی بوریاں اسٹاک کرلیتا ہے، جس کی قیمت فی بوری ۲۰۰ روپے ہے، لیکن جب مزارع اس سے اُدھار کھاد لینے آتے ہیں تو ۲۲۵ روپے فی بوری لکھ لیتا ہے، اور اس نے مزارع کو بھی بتایا ہے کہ اُدھار لینے کی صورت میں فی بوری ۲۵ روپے زیادہ لوں گا، کیا ایسا کرنا اس کو جائز ہے؟

جواب:... جائز ہے۔[3]

(۲،۱) لأن للأجل شبھا بالمبیع ألا ترىٰ أنه یزاد فی الثمن لأجل الأجل ...الخ۔ (ھدایة ج:۳ ص:۷۳، أیضًا: البحر ج:۶ ص:۱۶۵، شامی ج:۶ ص:۷۵۶، مبسوط سرخسی ج:۱۳ ص:۹)۔ حوالوں کی تفصیل کے لئے دیکھئے گزشتہ صفحے کا حاشیہ نمبر۱۔

(۳) ایضاً۔

مال قبضے سے قبل فروخت کرنا

ڈیلر کا کمپنی سے مال وصول کرنے سے قبل فروخت کرنا

سوال:… مختلف کمپنیاں مال بناکر کچھ لوگوں کو اپنا مال فروخت کرتی ہیں، بقیہ لوگوں کو مال ان لوگوں سے خریدنا پڑتا ہے۔ بعض اوقات ان لوگوں کے پاس مال کا اسٹاک (ذخیرہ) نہیں ہوتا، اور وہ لوگ اپنا نفع بڑھاکر اپنا مال فروخت کرواتے ہیں، اور یہ فروخت شدہ مال بعد میں اسی کمپنی سے اتنا ہی خرید کر پورا کردیتے ہیں، آیا شرعاً یہ جائز ہے؟ اگر نہیں تو اس کی صحیح شرعی صورت کیا ہوسکتی ہے؟

جواب:… جو مال اپنے پاس موجود نہیں، اس کی فروخت بھی جائز نہیں،[1] البتہ ایک صورت جائز ہے، جس کو "بیع سلم" کہتے ہیں، اور وہ یہ ہے کہ دام تو آج نقد وصول کرلئے اور چیز ایک مہینے یا اس سے زیادہ کی مہلت پر دینی طے کرلی،[2] ایسا سودا چند شرائط کے ساتھ جائز ہے:

۱:… جنس معلوم ہو (مثلاً: کپاس کا سودا ہوا)۔

۲:… نوع معلوم ہو (مثلاً: دیسی وغیرہ)۔

۳:… صفت معلوم ہو (مثلاً: اعلیٰ قسم، یا متوسط یا ادنیٰ)۔

---

(۱) عن ابن عباس یقول: اما الذی نهی عنه النبی صلی الله علیه وسلم فهو الطعام أن یباع حتّٰی یقبض، قال ابن عباس: ولَا أحسب کل شیء إلّا مثله. وعن ابن عمر أن النبی صلی الله علیه وسلم قال: من ابتاع طعامًا فلا یبعه حتّٰی یستوفیه. وزاد إسماعیل: من ابتاع طعامًا فلا یبعه حتی یقبضه ... إلخ. (صحیح بخاری ج:۱ ص:۲۸۶). عن حکیم ابن حزام قال: یا رسول الله! یأتی الرجل فیرید منی البیع ما لیس عندی فابتاعه له من السوق، فقال: لَا تبع ما لیس عندک. وعن ابن عمر قال: قال رسول الله صلی الله علیه وسلم: لَا یحل سلف ...... ولَا بیع ما لیس عندک. (أبوداوٗد ج:۲ ص:۱۳۹). وبطل بیع قن ضم إلی حر . . .... وبیع ما لیس فی ملکه لبطلان بیع المعدوم وما له خطر العدم لَا بطریق السلم فإنه صحیح لأنه علیه الصلاة والسلام نهی عن بیع ما لیس عند إنسان، ورخص فی السلم. وفی الشامیة (قوله لبطلان بیع المعدوم) إذ من شرط المعقود علیه، أن یکون موجودًا مالًا متقومًا مملوکًا فی نفسه .... وأن یکون ملک البائع فیما یبیعه لنفسه وأن یکون مقدور التسلیم منح. (درمختار مع رد المحتار ج:۵ ص:۵۸، ۵۹). ومن اشتریٰ شیئًا مما ینقل ویحول لم یجز بیعه حتی یقبضه ... إلخ. (الجوهرة النیرة ص:۲۱۲ باب المرابحة).

(۲) باب السلم هو لغة کالسلف وزنا ومعنًی وشرعًا بیع أجل وهو المسلم فیه بعاجل وهو رأس المال. (درمختار ج:۵ ص:۲۰۹، کتاب البیوع، باب السلم، طبع ایچ ایم سعید کراچی).

۴:...اس کی مقدار معلوم ہو (مثلاً: اتنے ٹن) ان چار شرطوں کا تعلق مال کی تعیین سے ہے کہ جس چیز کا سودا ہو رہا ہے اس میں کوئی اشتباہ نہ رہے۔

۵:...وصولی کی تاریخ متعین ہو، جو ایک مہینے سے کم نہیں ہونی چاہئے۔

۶:...اداشدہ رقم کی مقدار متعین ہو۔

۷:...جن چیزوں پر حمل و نقل کے مصارف اُٹھتے ہیں، ان میں یہ بھی طے ہوجانا چاہئے کہ وہ مال فلاں جگہ مہیا کیا جائے گا۔

۸:...جانبین کے جدا ہونے سے پہلے مجلسِ خرید و فروخت میں پوری رقم ادا ہوجانا۔

اگر ان آٹھ شرطوں میں سے کوئی شرط نہ پائی گئی تو بیع سلم فاسد ہے۔[1]

مال قبضہ کرنے سے قبل فروخت کرنا اور ذخیرہ اندوزی

سوال:...زید نے بکر سے (جو بیرونِ ملک ہے) مال خریدا اور بکر نے جہاز سے زید کو روانہ کردیا، جہاز سمندر میں تھا، زید نے سامان کا کچھ حصہ حارث کو اس دن کے بھاؤ سودا کردیا اور رقم کا کچھ حصہ بطور ایڈوانس زید کو ادا کردیا، جبکہ حارث مال کے اس حصے کی رقم زید کو اس وقت دے گا جب زید اسے یہ مال حوالے کرے گا۔

۱:...جس وقت جہاز زید کے ملک پہنچا اس وقت بھاؤ حارث کی طے شدہ قیمتِ خرید سے زیادہ تھا، تو حارث کو کون سی قیمت زید کو ادا کرنی چاہئے، موجودہ یا طے شدہ؟

۲:...جب جہاز زید کے ملک میں آگیا، تو اس وقت مارکیٹ میں بھاؤ حارث کی طے شدہ قیمتِ فروخت سے کم تھا، تو کیا حکم ہے؟

۳:...جہاز کے زید کے ملک آنے سے قبل حارث، نعمان، وارث اور دیگر چھ مزید پارٹیوں کے سودے ہوئے، درجہ بدرجہ مال نعیم کے پاس جب پہنچا تو قیمت کہیں سے کہیں پہنچ گئی تھی، اور سب نے اپنا اپنا حصہ غائبانہ سودے سے وصول کیا، دس میں نو پارٹیوں نے جو رقم منافع میں وصول کی وہ کہاں تک جائز ہوگی؟ اور کیا اس طرح سودا کرنا جائز اور حلال ہوگا؟ کاروبار میں جب بڑی پارٹی کوئی شے زیادہ مقدار میں خریدتی ہے تو چھوٹے بیوپاری اندازہ کرلیتے ہیں کہ اس کی قیمت بڑھنے والی ہے، وہ بھی منافع کی خاطر اپنی بساط کے مطابق خرید لیتے ہیں، پھر بیچ دیتے ہیں، یہ منافع ان کے لئے دُرست ہے؟ کیا یہ ذخیرہ اندوزی ہے؟ یہ ایک حدیث پاک ہے جس کا مفہوم اس طرح ہے کہ چالیس روز تک اجناس کو محض اس لئے روکے رکھنا کہ قیمت بڑھ جائے یہ اَمر اللہ پاک کے یہاں اتنا بڑا ہے

---

(۱) ولَا یصح السلم عند أبی حنیفة إلّا بسبع شرائط: جنس معلوم کقولنا حنطة أو شعیرة، ونوع معلوم کقولنا سقیة أو نخیسة، وصفة معلومة کقولنا جید ورديء، ومقدار معلوم کقولنا کذا کیلًا بمکیال معروف أو کذا وزنا، وأجل معلوم، والأصل فیه ما روینا والفقه فیه ما رویناء، ومقدار رأس المال إذا کان یتعلق العقد علٰی مقداره کالمکیل والموزون والمعدود، وتسمیة المکان الذی یوفیه فیه إذا کان له حمل ومؤنة، ولَا یصح السلم حتّٰی یقبض رأس المال قبل أن یفارقه فیه. (هدایة ج:۳ ص.۹۵، کتاب البیوع، باب السلم، عالمگیری ج:۳ ص:۱۷۸، درمختار ج:۵ ص:۲۱۳). وقال فی النتف وشرائط السلم ثمانیة أشیاء فی قول أبی حنیفة أولها أن یعین الجنس ... إلخ. (النتف فی الفتاویٰ ص:۲۸۷).

کہ تاجر اگر سارا مال اللہ کی راہ میں صدقہ کردے تو بھی یہ گناہ معاف نہیں ہوگا۔

۴:... صحیح حدیث کیا ہے؟ آیا یہ ہدایت عام دنوں کے لئے بھی ہے یا صرف قحط کے دوران کے لئے ہے؟

جواب ۱:... تجارت کا اُصول ہے کہ جو مال قبضہ میں نہ آئے اس کا فروخت کرنا دُرست نہیں، لہٰذا جو مال ابھی تک زید کی ملک میں نہیں آیا اس کو فروخت نہیں کرسکتا، زید اور اس کے بعد جتنے لوگ مال قبضے میں آنے سے قبل غیرمقبوض مال کو فروخت کریں گے سب کی بیع ناجائز ہے۔[1] البتہ زید دُوسرے لوگوں سے بیع کا وعدہ کرسکتا ہے کہ مال جب قبضے میں آئے گا تو اس وقت کی قیمت کے لحاظ سے اس کو فروخت کرے گا۔

جواب ۲:... چونکہ پہلا سودا قابلِ فسخ ہے، اس لئے دوبارہ مال قبضے میں آنے کے بعد قیمت مقرّر کرکے سودا کرنا چاہئے،[2] اگر غلطی سے سابقہ سودے کو برقرار رکھا تو گناہ ہوگا، البتہ قیمت وہی ہوگی جو پہلے دونوں نے طے کی تھی۔[3]

جواب ۳:... سارے کاروبار ناجائز ہیں، اس لئے سودے منسوخ کئے جائیں،[4] مال زید کے قبضے میں آنے کے بعد دوبارہ قیمت مل کرکے معاملہ طے کریں۔

---

(۱) عن عمرو ابن دینار سمع طاوّسًا یقول: سمعت ابن عباس یقول: اما الذی نھی عنہ النبی صلی اللہ علیہ وسلم فھو الطعام ان یباع حتّٰی یقبض، قال ابن عباس: ولَا أحسب کل شیء إلّا مثلہ وعن ابن عمر أنِ النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال: من ابتاع طعامًا فلا یبیعہ حتّٰی یستوفیہ۔ وزاد إسماعیل: من ابتاع طعامًا فلا یبیعہ حتّٰی یقبضہ ...إلخ۔ (صحیح بخاری ج:۱ ص:۲۸۶)۔ عن حکیم ابن حزام قال: یا رسول اللہ! یأتی الرجل فیرید منی البیع ما لیس عندی فابتاع لہ من السوق، فقال: لَا تبع ما لیس عندک ...إلخ۔ (ترمذی ج:۱ ص:۲۳۳)۔ وعن ابن عمر قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: لَا یحل سلف ...... ولَا یبیع ما لیس عندک۔ (أبو داوٗد ج:۲ ص:۱۳۹)۔ (بطل بیع ما لیس بمال .... وبیع ما لیس فی ملکہ لبطلان بیع المعدوم ومآلہ خطر العدم، قال الشامی (قولہ لبطلان) إذا من شرط المعقود علیہ أن یکون موجودًا مالًا متقوّمًا مملوکًا فی نفسہ وأن یکون ملک البائع فیما یبیعہ لنفسہ وأن یکون مقدور التسلیم۔ (الشامی ج:۵ ص:۵۸، النتف فی الفتاوی ص:۲۹۰)۔ ومن اشتریٰ شیئًا مما ینقل ویحول لم یجز بیعہ حتّٰی یقبضہ لأنہ نھی عن بیع ما لم یقبض، ولأن فیہ غرر انفساخ العقد علی إعتبار الھلاک۔ (ھدایۃ ج:۳ ص:۷۷، کتاب البیوع، باب المرابحہ والتولیۃ، طبع مکتبہ شرکت علمیہ ملتان، الجوھرۃ النیرۃ ج:۱ ص:۲۱۲، کتاب البیوع، باب المرابحۃ، طبع مجتبائی دھلی)۔

(۲) ویجب علٰی کل واحد منھا فسخہ قبل القبض أی فسخ البیع الفاسد أو بعد ما دام المبیع بحال فی ید المشتری إعدامًا للفساد لأنہ معصیۃ فیجب رفعھا۔ (رد المحتار ج:۵ ص:۹۰، ۹۱، باب البیع الفاسد)۔ أیضًا: ولکل منھما فسخہ یعنی علٰی کل واحد منھما فسخہ، لأن رفع الفساد واجب علیھما۔ (تبیین الحقائق ج:۴ ص:۶۴، باب البیع الفاسد)۔

(۳) واذا قبض المشتری المبیع فی البیع الفاسد بإذن البائع وفی العقد عوضان کل واحد منھما مال ملک المبیع ولزمتہ قیمتہ یعنی إذا کان العوض مما لہ قیمۃ۔ (الجوھرۃ النیرۃ ج:۱ ص:۲۰۷، باب البیع الفاسد، طبع دھلی)۔

(۴) قال الحنفیۃ: لَا یجوز التصرف فی المبیع المنقول قبل القبض، لأن النبی صلی اللہ علیہ وسلم نھی عن بیع ما لم یقبض والنھی یوجب فساد المنھی عنہ ولأنہ بیع فیہ غرر الإنفساخ بھلاک المعقود علیہ أی أنہ یحتمل الھلاک فلا یدری المشتری ھل یبقی المبیع أو یھلک قبل القبض، فیطل البیع الأوّل وینفسخ الثانی، وقد نھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عن بیع فیہ غرر۔ (الفقہ الإسلامی وأدلّتہ ج:۴ ص:۴۷۴، بیع الشیء المملوک قبل قبضہ من مالک آخر)۔ أیضًا: ولکل منھما فسخہ یعنی علٰی کل واحد منھما فسخہ، لأنہ رفع الفساد واجب علیھما۔ (تبیین الحقائق ج:۴ ص:۶۴، باب البیع الفاسد)۔

جواب ۴:...ذخیرہ اندوزی اسلام میں ناجائز ہے، غیر انسانی رویہ ہے۔ حدیث میں ہے: "جو شخص اجناس اس لئے محفوظ کرتا ہے کہ قیمت بڑھ جائے تو فروخت کروں، تو وہ گناہ گار ہے، ملعون ہے، اللہ کے ذمہ سے وہ شخص بری ہے، تمام مال خرچ کرے گا تو تلافی نہ ہوگی۔" حدیث شریف قحط اور غیر قحط دونوں کے لئے ہے، البتہ قحط کے زمانے میں مال محفوظ کرنا زیادہ بدتر ہے، کیونکہ ذخیرہ اندوزی سے غریبوں کو تکلیف ہوتی ہے۔[1]

جہاز پہنچنے سے قبل مال فروخت کرنا کیسا ہے؟

سوال:... پارٹی نے مال باہر سے منگوایا، اس کے آنے میں باہر سے وقت صرف ہوجاتا ہے، صورت اس کی یہ ہوتی ہے کہ وہاں سے وہ مال جس جہاز پر آنا ہوتا ہے اس کی اطلاع یہاں پارٹی کو آجاتی ہے کہ فلاں ماہ، فلاں جہاز میں آپ کا مال بک ہوجائے گا، (مختلف وجوہات کی بنا پر اس میں دیر سویر بھی ہوتی رہتی ہے)، لیکن یہاں منگوانے والی پارٹیاں جہاز کے نام سے مال پہلے ہی فروخت کردیتی ہیں کہ فلاں مال، فلاں جہاز پر آرہا ہے، اس کا سودا ہوتا ہے، تو شرعاً یہ سودا منعقد ہوجاتا ہے یا نہیں؟ اور اس قسم کی خرید و فروخت جائز ہے یا نہیں؟

جواب:... یہ مسئلہ بینک کی حیثیت کے تعین پر موقوف ہے، اگر بینک خریدار کی حیثیت سے وکیل ہے اور بینک کا نمائندہ باہر ملک میں مال کو اپنی تحویل میں لے کر روانہ کرتا ہے، تو چونکہ وکیل کا قبضہ خود مؤکل کا قبضہ ہے، اس لئے مال پہنچنے سے پہلے اس کو فروخت کرنا جائز ہے،[2] اور اگر بینک خریدار کا وکیل نہیں ہوتا تو اس کو مال کی فروخت قبضے سے پہلے جائز نہیں۔[3]

قبضے سے پہلے مال فروخت کرنا دُرست نہیں

سوال:... میرا کاروبار سوت کا ہے، میں نے کارخانے یا کسی بیوپاری سے کچھ مال خریدا، مال موجود لیکن میں نے ابھی قیمت

---

(۱) عن عمر عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال: الجالب مرزوق والمحتکر ملعون۔ (مشکوٰۃ ص:۲۵۱، باب الإحتکار) وعن ابن عمر قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: من احتکر طعامًا أربعین یومًا یرید الغلاء فقد برئ من اللہ وبرئ اللہ منه۔ (مشکوٰۃ ص:۲۵۱)۔ وقال ابن نجیم: (واحتکار قوت الآدمین) یعنی یکرہ الإحتکار فی بلد یضر بأھلھا لقوله علیه السلام الجالب مرزوق والمحتکر ملعون، ولأنه تعلق به حق العامة وفی الإمتناع عن البیع ابطال حقھم وتضییق الأمر علیھم فیکرہ۔ (البحر الرائق ج:۸ ص:۲۲۹ فصل فی البیع، طبع دار المعرفة بیروت)۔

(۲) وقال فی الھدایة: لأن یدہ کید المؤکل فإذا لم یحبسه یصیر المؤکل قابضًا بیدہ۔ (ھدایة ج:۳ ص:۱۸۳، کتاب الوکالة)۔ أیضًا. فیسلم المبیع ویقبض الثمن ویطالب بالثمن إذا اشتری ویقبض المبیع ویخاصم فی العیب لأن کل ذالک من الحقوق والملک یثبت للمؤکل خلافة عنه إعتبارًا للتوکیل السابق کالعبد ینھب ویصطاد ومعنی قولھم خلافة عنه أی یثبت الملک أولًا للوکیل ولا یستقر بل ینتقل إلی المؤکل ساعته۔ (الجوھرة النیرة ج:۱ ص:۳۰۱، کتاب الوکالة)۔

(۳) عن ابن عباس یقول: اما الذی نھی عنه النبی صلی اللہ علیه وسلم فھو الطعام أن یباع حتّٰی یقبض، قال ابن عباس: ولا أحسب کل شیء إلّا مثله۔ وعن ابن عمر أن النبی صلی اللہ علیه وسلم قال: من ابتاع طعامًا فلا یبیعه حتّٰی یستوفیه وزاد إسماعیل: من ابتاع طعامًا فلا یبیعه حتّٰی یقبضه ...إلخ۔ (صحیح البخاری ج:۱ ص:۲۸۶)۔ وعن ابن عمر قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم: لا یحل سلف .... ولا بیع ما لیس عندک۔ (أبو داؤد ج:۲ ص:۱۳۹)۔

خرید ادا نہیں کی، اور نہ ہی مال وصول کیا ہے۔ اب میں اس مال کو کسی پر فروخت کردیتا ہوں اور پھر بعد میں قیمتِ خرید و فروخت کا آپس میں لین دین ہوجاتا ہے۔ بعض وقعہ ایسا ہوتا ہے کہ میں کسی سے یعنی جس کو میں نے مال بیچا ہے اس سے قیمت لے کر پھر کارخانے دار یا بیوپاری کو ادا کردیتا ہوں، جس سے میں نے خریدا ہے، اس کاروبار میں مجھے نفع بھی ہوتا ہے اور نقصان بھی، کیا یہ کاروبار میرے لئے دُرست ہے یا نہیں؟

جواب:… چونکہ ابھی تک مال پر قبضہ نہیں ہوا، اس لئے اس کو فروخت کرنا دُرست نہیں۔[1]

کسی کے کہنے پر نقد سو روپے کی خرید کر اُدھار ایک سو دس روپے کی دینا

سوال:… بعض لوگ یوں کہتے ہیں کہ مجھے فلاں چیز نقد خرید کر اُدھار پر دے دیں، یعنی وہ پہلے ہی خریدنے کا پابند ہے، اب میں وہ مال نقد پیسوں میں خرید کر مثلاً ۱۰۰ روپے کا اور پھر اسی آدمی کو اُدھار میں ۱۱۰ روپے کا دے دیتا ہوں، اس طرح بھی خریدنے سے پہلے مال فروخت کردیا جاتا ہے، کیا اس طرح صحیح ہے؟

جواب:… مال خریدنے سے پہلے فروخت نہیں کیا جاتا، بلکہ اس شخص سے فروخت کرنے کا وعدہ ہوتا ہے، لہٰذا آپ اس مال کو خرید کر نئے معاہدے کے ساتھ اس مال کو فروخت کریں گے، اور وہ شخص پابند نہیں کہ وہ لازماً آپ سے اس مال کو خریدے۔

بغیر دیکھے مال خریدنا اور قبضے سے پہلے آگے بیچنا

سوال:… ہمارے زمانے میں مال خرید و فروخت کے وقت سامنے نہیں ہوتا، بلکہ نام یا مارکہ سے بکتا ہے۔ آیا یہ جائز ہے یا نہیں؟ یا مال کا سامنے ہونا ضروری ہے؟ خریدار مال خرید لیتا ہے جس کے بعد قبضے میں آنے سے پہلے ہی اس کی فروخت بھی شروع کردیتا ہے۔ شرعاً اس کا کیا جواز ہے؟

جواب:… بغیر دیکھے خریدنا جائز ہے، دیکھنے کے بعد اگر مال مطلوبہ معیار کا نہ نکلا تو خریدار کو سودا ختم کرنے کا اختیار ہوگا،[2] لیکن جس چیز پر قبضہ نہیں ہوا اس کو فروخت کرنا جائز نہیں، قبضے کے بعد فروخت کرنے کی اجازت ہے۔[3]

---

(۱) عن عمرو ابن دینار سمع طاؤسًا یقول: سمعت ابن عباس یقول: اما الذی نھی عنه النبی صلی الله علیه وسلم فھو الطعام ان یباع حتّٰی یقبض، قال ابن عباس: ولَا أحسب کل شیء إلّا مثله، وعن ابن عمر أنّ النبی صلی الله علیه وسلم قال: من ابتاع طعامًا فلا یبعه حتّٰی یستوفیه۔ وزاد إسماعیل: من ابتاع طعامًا فلا یبعه حتّٰی یقبضه ...إلخ۔ (صحیح بخاری ج.۱ ص.۲۸۶)۔ أیضًا: ومن اشتریٰ شیئًا مما ینقل ویحول لم یجز بیعه حتّٰی یقبضه۔ (الجوھرة النیرة ج:۱ ص:۲۱۲، کتاب البیوع، باب المرابحة والتولیة، طبع بمبئی)۔

(۲) وقال فی الھدایة. ومن اشتری شیئًا لم یراہ فالبیع جائز وله الخیار إذا رآہ إن شاء أخذہ بجمیع الثمن وإن شاء ردہ۔ (ھدایة آخرین ج:۳ ص:۳۵)۔

(۳) ایضاً حاشیہ نمبر ۱ ملاحظہ ہو۔

ایک چیز خریدنے سے پہلے اس کا آگے سودا کرنا

سوال:... زید نے بکر سے ایک مال مانگا، لیکن وہ مال بکر کے پاس نہیں ہے، عمرو کے پاس ہے، بکر کے عمرو سے اچھے تعلقات ہیں، کیونکہ بکر کا عمرو سے کم و بیش ہمیشہ کاروبار رہتا ہے، اس لئے عمرو، بکر سے خصوصی رعایت رکھتا ہے، بازار میں دام زیادہ ہوتے ہیں لیکن بکر کے لئے رعایت ہے۔ بکر، عمرو سے کم دام پر مال لے کر بازار کے نرخ پر زید کو فروخت کرسکتا ہے یا نہیں؟ اس میں یہ بات واضح رہے کہ بکر کو اس مال کی اس وقت ضرورت نہیں ہے، اور اس کے پاس مال بھی نہیں ہے، زید اس سے مانگ رہا ہے اور بکر، عمرو سے بعد میں معاملہ کرتا ہے، اس سے پہلے وہ زید کے ساتھ یہ معاملہ کرچکا ہوتا ہے، اس اُمید پر کہ عمرو کے پاس مال ہے اور اس سے کم دام میں مل جائے گا، لہٰذا یہ معاملہ شرعی نقطۂ نگاہ سے کیسا ہے؟

جواب:... جو چیز بکر کے پاس موجود نہیں، اس کی بیع کیسے کرسکتا ہے؟ اس لئے بیع تو صحیح نہیں،[1] البتہ بیع کا وعدہ کرسکتا ہے کہ میں یہ چیز اتنے داموں میں مہیا کردُوں گا۔

---

(۱) عن ابن عباس یقول: اما الذی نهی عنه النبی صلی الله علیه وسلم فهو الطعام أن یباع حتّٰی یقبض، قال ابن عباس: ولَا أحسب کل شیء إلّا مثلهٗ۔ وعن ابن عمر أن النبی صلی الله علیه وسلم قال: من ابتاع طعامًا فلا یبیعه حتّٰی یستوفیه وزاد إسماعیل من ابتاع طعامًا فلا یبیعه حتی یقبضه ...إلخ۔ (صحیح بخاری ج:۱ ص:۲۸۶)۔

ذخیرہ اندوزی

ذخیرہ اندوزی کرنا شرعاً کیسا ہے؟

سوال:... بعض اوقات ایسا ہوتا ہے کہ کوئی کمپنی اپنا مال مارکیٹ میں خوب مہیا کرکے کاروباری حضرات کو خصوصی مراعات دے کر اپنا مال فروخت کرنا چاہتی ہے۔ ایسے موقع سے فائدہ اُٹھا کر کاروباری حضرات اس مال کو ذخیرہ کرلیتے ہیں اور جب مارکیٹ میں یہ مال کچھ وقت کے بعد کم ہوجاتا ہے تو کاروباری حضرات زیادہ قیمت پر مال فروخت کرتے ہیں اور زیادہ منافع کماتے ہیں۔ کیا اس طرح منافع کمانا جائز ہے یا نہیں؟

جواب:... ایسی ذخیرہ اندوزی جس سے لوگوں کو تکلیف اور پریشانی ہو، حرام ہے۔[1] حدیث میں ایسی ذخیرہ اندوزی کرنے والے کو ملعون فرمایا ہے۔[2] البتہ اگر لوگوں کو تنگی نہ ہو تو ذخیرہ اندوزی جائز ہے،[3] مگر چونکہ یہ شخص گرانی کا منتظر رہے گا، اس لئے اس کا یہ فعل کراہت سے خالی نہیں۔[4]

جس ذخیرہ اندوزی سے لوگوں کو تکلیف ہو وہ بُری ہے

سوال:... ذخیرہ اندوزی کا کیا حکم ہے؟

جواب:... ذخیرہ اندوزی کی کئی صورتیں ہیں، اور ہر ایک کا حکم جدا ہے۔ ایک صورت یہ ہے کہ کوئی شخص اپنی زمین کا غلہ

---

(۱) وفی المحیط: الإحتکار علی وجوہ أحدھا حرام وھو أن یشتری فی المصر طعامًا ویمنع عن بیعه عند الحاجة إلیه۔ (بحر الرائق ج:۸ ص:۲۲۹، کتاب الکراھیة، فصل فی البیع)۔

(۲) عن عمر عن النبی صلی الله علیه وسلم قال: الجالب مرزوق والمحتکر ملعون۔ (مشکوٰۃ ص:۲۵۱)۔ أیضًا: عن معمر قال: قال رسول الله صلی الله علیه وسلم: من احتکر فھو خاطئ۔ رواہ مسلم۔ وفی حاشیة المشکوٰۃ: قوله من احتکر الإحتکار المحرم ھو فی الأقوات الخاصة بأن یشتری الطعام فی وقت الغلاء ولَا یبیعه فی الحال بل یدخرہ لیغلوا فأما إذا جاء من قریة أو اشتراہ فی وقت الرخص وادخرہ وباعه فی وقت الغلاء فلیس بإحتکار ولَا تحریم فیه۔ (مشکوٰۃ ص:۲۵۰، باب الإحتکار)۔

(۳) وکرہ إحتکار قُوت البشر والبھائم فی بلد یضر بأھله لحدیث الجالب مرزوق والمحتکر ملعون، فإن لم یضر لم یکرہ۔ (بحر الرائق ج:۸ ص:۲۲۹، الدر المختار ج:۶ ص:۳۹۸ کتاب الحظر والإباحة)۔

(۴) أیضًا۔

روک رکھے اور فروخت نہ کرے، یہ جائز ہے۔[۱] لیکن اس صورت میں گرانی اور قحط کا انتظار کرنا گناہ ہے،[۲] اور اگر لوگ تنگی میں مبتلا ہوجائیں تو اس کو اپنی ضرورت سے زائد غلہ کے فروخت کرنے پر مجبور کیا جائے گا۔[۳]

دُوسری صورت یہ ہے کہ کوئی شخص غلہ خرید کر ذخیرہ کرتا ہے، اور جب لوگ قحط اور قلت کا شکار ہوجائیں تب بازار میں لاتا ہے، یہ صورت حرام ہے۔[۴] آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو ملعون قرار دیا ہے۔[۵]

تیسری صورت یہ ہے کہ بازار میں اس جنس کی فراوانی ہے اور لوگوں کو کسی طرح کی تنگی اور قلت کا سامنا نہیں، ایسی حالت میں ذخیرہ اندوزی جائز ہے،[۶] مگر گرانی کے انتظار میں غلے کو روک رکھنا کراہت سے خالی نہیں۔[۷]

چوتھی صورت یہ ہے کہ انسانوں یا چوپایوں کی خوراک کی ذخیرہ اندوزی نہیں کرتا، اس کے علاوہ دیگر چیزوں کی ذخیرہ اندوزی کرتا ہے، جس سے لوگوں کو تنگی لاحق ہوجاتی ہے، یہ بھی ناجائز ہے۔[۸]

کمپنی سے سستے داموں مشروب اسٹاک کر کے اصل ریٹ پر فروخت کرنا

سوال:... سال میں ایک مرتبہ مشروبات کمپنیوں کی طرف سے دُکان دار حضرات کے لئے یہ اسکیم پیش کی جاتی ہے کہ اگر وہ

---

(۱) (لَا غـلـة ضيعته وجلبه من بلد آخر) يعني لَا يكره إحتكار غلة أرضه وما جلبه من بلد آخر لأنه خالص حقه فلم يتعلق به حق العامة فلا يكون إحتكار ألَا ترىٰ ان له ان لَا يزرع ولَا يجلب فكذا له ان لَا يبيع ...إلخ. (البحر الرائق ج:۸ ص:۲۲۹ فصل في البيع، كتاب الكراهية، طبع دار المعرفة، بيروت).

(۲) ويقع التفاوت في المأثم بين أن يتربص العسرة وبين أن يتربص القحط والعياذ بالله. (البحر الرائق ج:۸ ص:۲۲۹ فصل في البيع، كتاب الكراهية، طبع دار المعرفة، بيروت).

(۳) ويجب أن يأمر القاضي ببيع ما فضل عن قُوْت أهله فإن لم يبع عزره وباع القاضي عليه طعامه وفاقًا. (درمختار ج:۶ ص:۳۹۹).

(۴) وفي المحيط: الإحتكار علىٰ وجوه أحدهما حرام وهو أن يشترى في المصر طعامًا ويمتنع عن بيعه عند الحاجة إليه. (البحر الرائق ج:۸ ص:۲۲۹). أيضًا: الإحتكار مكروه، وانه علىٰ وجوه: أحدها: أن يشترى طعامًا في مصر أو ما أشبه ويحبسه ويمتنع من بيعه، وذٰلك يضر بالناس فهو مكروه. (المحيط البرهاني في الفقه النعماني ج:۸ ص:۲۲۲، كتاب البيوع، فصل في الإحتكار، طبع مكتبه غفاريه كوئٹه).

(۵) عن عمر عن النبي صلى الله عليه وسلم قال: الجالب مرزوق والمحتكر ملعون. (مشكوٰة ص:۲۵۱).

(۶، ۷) قال ويكره الإحتكار والتلقي في الموضع الذي يضر ذالك بأهله، ولَا نرىٰ بأسًا في موضع لَا يضر ذالك بأهله، وذالك لما روى عن النبي صلى الله عليه وسلم في النهي عن الحُكْرة وعن تلقي الركبان، وهٰذا محمول علىٰ حال يضر فيها ذالك بأهله، وإذا لم يضر بأهله فلا حق لأحد فيه، ولَا يكره لما روى عن النبي عليه الصلوٰة والسلام أنه قال. دعوا الناس يرزق الله بعضهم من بعض، فأباح الربح في ذالك، والبيع بما يريد من الثمن إذا لم يضر بأهل البلد. (شرح مختصر الطحاوى ج.۸ ص.۵۴۶، كتاب الكراهية).

(۸) وقال أبو يوسف: كل ما يضر العامة فهو إحتكار بالأقوات كان أو ثيابًا أو دراهم أو دنانير إعتبار الحقيقة الضرر لأنه هو المؤثر في الكراهة. (البحر الرائق ج:۸ ص:۲۲۹، فصل في البيع، طبع دار المعرفة بيروت).

طے کردہ دنوں میں مشروب خریدتے ہیں تو انہیں رعایت دی جائے گی۔ دُکان دار حضرات کافی مقدار میں مشروب اسٹاک کرلیتے ہیں۔ اسکیم کے ختم ہونے کے بعد وہی پُرانے دام ہوجاتے ہیں، اس طرح دُکان دار کو زیادہ منافع ملتا ہے، لیکن گاہک کو کوئی اضافی قیمت نہیں دینی پڑتی۔ اس طرح دُکان داروں کا وافر مقدار میں اسٹاک رکھنا جائز ہے یا نہیں؟ اور کیا اس پر ملنے والا زائد منافع جائز ہے؟ جبکہ اس اسکیم سے گاہک کو کوئی پریشانی نہیں ہوتی۔

جواب:... اگر چیز کی قلت پیدا نہ ہو اور صارفین کو کوئی پریشانی لاحق نہ ہو تو سستے داموں زیادہ چیز خریدنے کا کوئی جرم نہیں۔[1]

غلہ ذخیرہ کرنا شرعاً کیسا ہے؟

سوال:... کسی قسم کا غلہ ذخیرہ کرنا، اس بنیاد پر کہ جب اس کی قیمت بڑھ جائے گی تو فروخت کردوں گا، اور ایسے وقت میں ذخیرہ کرنا جب وہ جنس بازار میں بآسانی دستیاب ہو، یعنی بازار میں کمیاب نہ ہو، محض اس کی قیمت بڑھ جائے، ایسا کرنا کیسا ہے؟

جواب:... اگر بازار میں قلت نہ ہو تو جائز ہے۔[2]

کھانے پینے کی اشیاء اور کیمیکل ذخیرہ کرنا

سوال:... کھانے پینے، دواؤں اور ٹیکسٹائل میں اِستعمال ہونے والے کیمیکل پہلے سے منگواکر رکھ لئے جاتے ہیں، اور سیزن شروع ہونے پر جس وقت قیمتیں بڑھ جاتی ہیں، اس وقت ان کو مارکیٹ میں بیچا جاتا ہے۔ واضح رہے کہ اس طرح کیمیکل کا اسٹاک روک کر رکھنے سے مارکیٹ میں اس کی قلت پیدا نہیں ہوتی، اور سیزن نہ ہونے کی وجہ سے قیمتیں گری ہوتی ہیں اور ڈیمانڈ بھی کم ہوتی ہے، اس لئے کاروباری لوگ ان دنوں میں یہ کیمیکل کم قیمت پر منگواکر اسٹاک رکھتے ہیں اور زیادہ قیمت ہونے پر سیزن میں ڈیمانڈ بڑھنے پر بیچ دیتے ہیں۔ منافع کی خاطر اس طرح کیمیکل کا ذخیرہ کرنا اور سیزن کے وقت بیچ کر منافع کمانا حلال ہے یا نہیں؟

جواب:... جائز ہے، بشرطیکہ بازار میں ان چیزوں کی قلت نہ ہو، اگر بازار میں قلت ہو اور لوگ اس کی وجہ سے پریشان ہوں تو اس ذخیرے کو منظرِ عام پر لانا ضروری ہے۔[3]

---

(۱) وكره إحتكار قُوْتِ البشر والبهائم في بلد يضرّ بأهله لحديث الجالب مرزوق والمحتكر ملعون، فإن لم يضر لم يكره. (بحر الرائق ج:۸ ص:۲۲۹، كتاب الكراهية، فصل في البيع، طبع دار المعرفة، بيروت). قال: ويكره الإحتكار والتلقي في الموضع الذي يضر ذالك بأهله، ولَا نرىٰ بأسًا في موضع لَا يضر ذالك بأهله، وذالك لما روى عن النبي صلى الله عليه وسلم في النهي عن الحُكْرة وعن تلقي الركبان، وهذا محمول علىٰ حال يضر فيها ذالك بأهله، وإذا لم يضر بأهله فلا حق فيه ولَا يكره، لما روى عن النبي عليه الصلوٰة والسلام أنه قال: دعُوا الناس يرزق الله بعضهم من بعض، فأباح الربح في ذالك. (شرح مختصر الطحاوي ج:۸ ص:۵۴۲، كتاب الكراهية).

بیعانہ

بیعانہ کی رقم واپس کرنا ضروری ہے

سوال:... میں نے اپنے پیارے دوست حاجی عبدالصمد صاحب کی دُکان پر ایک مشین فروخت کرنے کے لئے رکھی، چار سو روپے قیمت مقرّر کردی، حاجی صاحب کو فروخت کرنے کا مناسب معاوضہ دینے کا وعدہ بھی کیا۔ ان کے پاس دس دن کے بعد ایک گاہک نے مقرّرہ قیمت پر خریدی، مگر اس طرح کہ ۲۰ روپے بطور بیعانہ دے کر چار دن کے اندر قیمت ادا کرکے مال لے جانے کا وعدہ کرکے چلا گیا۔ دس دن گزرنے کے بعد آیا، اس عرصے میں وعدہ کے چار دن پورے ہونے پر مشین دُوسرے گاہک کو فروخت کردی گئی۔ آپ ہمیں برائے مہربانی قرآن وسنت کی روشنی میں یہ بتادیجئے کہ بیعانے کے ۲۰ روپے واپس کرنے ہیں یا نہیں؟ اور حاجی صاحب کو فروخت کرنے کا معاوضہ (جس کو عرفِ عام میں دلالی یا کمیشن کہتے ہیں) شریعت کی رُو سے کیا فیصد دینا چاہئے؟

جواب:... بیعانے کی رقم واپس کرنا ضروری ہے۔[1] حاجی صاحب کا معاوضہ ان سے پہلے طے کرنا چاہئے تھا، بہرحال اب بھی رضامندی سے طے کرلیجئے۔[2]

دُکان کا بیعانہ اپنے پاس رکھنا جائز نہیں

سوال:... میں نے ایک دُکان کرایہ پر دینے کے لئے ایک شخص عبدالجبار سے معاہدہ کیا، اور بطور بیعانہ ایک ہزار روپے لیا،

---

(۱) عن عمرو بن شعيب عن أبيه عن جدّه رضي الله عنه أن رسول الله صلى الله عليه وسلم نهٰى عن بيع العربان. (اعلاء السُّنن ج:۱۴ ص:۱۲۶ كتاب البيوع، باب النهى عن بيع العربان، طبع إدارة القرآن). نهٰى عن العربان، أن يقدم إليه شيء من الثمن فإن اشترىٰ حسب من الثمن وإلّا فهو له مجانًا وفيه معنى الميسر. (حجة الله البالغة، مبحث البيوع المنهى عنها ج:۲ ص:۳۲۲ طبع آرام باغ كراچى). أيضًا: ومن هٰذا الباب بيع العربان فجمهور علماء الأمصار علىٰ أنه غير جائز ...... وصورته أن يشترى الرجل شيئًا فيدفع المبتاع من ثمن ذٰلك المبيع شيئًا علىٰ أنه إن نفذ البيع بينهما كان ذٰلك المدفوع من ثمن السلعة، وإن لم ينفذ ترك المشترى بذٰلك الجزء من الثمن عند البائع، ولم يطالبه به، وإنما صار الجمهور إلىٰ منعه، لأنه من باب الغرر والمخاطرة وأكل مالٍ بغير عوض. (بداية المجتهد لابن رُشد ج:۲ ص:۱۲۲ الباب الرابع فى بيوع الشروط والثنيا، طبع المكتبة العلمية لَاهور، پاكستان).

(۲) وقال فى الدر المختار: تفسد الإجارة بالشروط المخالفة لمقتضى العقد فكل ما أفسد البيع مما مر (يفسدها) كجهالة مأجورٍ أو أجرة أو مدّة أو عمل. قال الشامى: (قوله أو مدة) قال فى البزازية إجارة السمسار والمنادى والحمامى والصكاك وما لَا يقدر فيه الوقت ولَا العمل تجوز لما كان للناس به حاجة ويطيب الأجر المأخوذ لو قدر أجر المثل. (شامى ج:۶ ص:۴۷ باب إجارة الفاسدة، طبع ايچ ايم سعيد).

اب عبدالجبار سے معاہدہ ختم کرلیا ہے، اور میں نے دُکان دُوسرے کو دے دی ہے، کیا میں نے جو عبدالجبار سے بیعانہ کے ایک ہزار لئے تھے، وہ واپس کردیئے جائیں یا میں اپنے پاس رکھ لوں؟

جواب:... وہ ایک ہزار روپیہ آپ کس مد میں اپنے پاس رکھیں گے؟ اور آپ کے لئے وہ کیسے حلال ہوگا؟ یعنی اس رقم کا واپس کرنا ضروری ہے۔[1]

مکان کا ایڈوانس واپس لینا

سوال:... عبدالستار نے ایک مکان کا سودا عبدالمجیب سے کیا، سودا طے ہوگیا، عبدالستار نے ایڈوانس پچیس ہزار روپے مکان والے کو دے دیئے اور مہینے کے اندر قبضہ لینا طے ہوگیا۔ اس کے بعد عبدالستار کی مالی حالت خراب ہونے کی وجہ سے طے شدہ میعاد کے اندر مکان کا قبضہ نہ لے سکا اور نہ لے سکتا ہے۔ اب عبدالستار یہ چاہتا ہے کہ اس کی ایڈوانس رقم پچیس ہزار روپے واپس کی جائے، عبدالمجیب ایڈوانس رقم دینے سے ٹال مٹول کر رہا ہے۔ شریعت کی رُو سے بتایا جائے کہ کیا عبدالمجیب ایڈاونس رقم کھا سکتا ہے یا کہ نہیں؟ آج کل ایسے معاملات بہت لوگوں کو پیش آتے ہیں۔

جواب:... یہ رقم جو پیشگی لی گئی تھی، عبدالمجیب کے لئے حلال نہیں، اسے واپس کرنی چاہئے۔[2]

بیعانہ کی رقم کا کیا کریں جبکہ مالک واپس نہ آئے؟

سوال:... زید کے پاس ایک لوہے کا کارخانہ ہے، جس میں لوگوں کے آرڈر پر مختلف قسم کی چیزیں تیار کی جاتی ہیں اور آرڈر دینے والے لوگ کچھ پیسے بھی پیشگی دیتے ہیں، اور مال تیار ہونے پر مکمل قیمت ادا کر کے لے جاتے ہیں۔ لیکن ان میں بعض ایسے لوگ بھی ہیں جو کہ مال کے لئے آرڈر دینے اور پیشگی پیسے دیئے جانے کے بعد پھر واپس نہیں آتے، نہ مال لینے آتے ہیں اور نہ پیسہ لینے، اور نہ ہی مالکِ کارخانہ کو ان لوگوں کے پتے وغیرہ معلوم ہیں، اس لئے ان کے گھر جاکر واپس کرنے کی صورت بھی نہیں تو کارخانہ کا مالک چاہتا ہے کہ جو پیسے اس کے پاس اس طریقے سے جمع ہوگئے ہیں اَزرُوئے شرع کسی صحیح مصرف میں خرچ کردیئے جائیں، اس لئے جواب طلب اَمر یہ ہے کہ ان رُقومات کے صحیح مصرف بتادیجئے تاکہ موصوف اپنی ذمہ داری سے سبکدوش ہوسکے۔

جواب:... اگر مالک کے آنے کی توقع نہ ہو، نہ اس کا پتا معلوم ہو تو اس کی طرف سے یہ رقم کسی مستحق پر صدقہ کردی

---

(۱) بیع العربان، وصورته أن یشتری الرجل شیئًا فیدفع إلی المبتاع من ثمن ذالک المبیع شیئًا علی أنه إن نفذ البیع بینهما کان ذالک المدفوع من ثمن السلعة وإن لم ینفذ ترک المشتری بذالک الجزء من الثمن عند البائع ولم یطالبه به وإنما صار الجمهور إلی منعه لأنه من باب الغرر والمخاطرة وأکل مالٍ بغیر عوض۔ (بدایة المجتهد ج:۲ ص:۱۲۲ الباب الرابع، فی بیوع الشروط والثنیا، طبع المکتبة العلمیة لاهور)۔

(۲) ایضاً حوالہ بالا۔

جائے۔ بعد میں اگر مالک آجائے اور وہ اپنی رقم کا مطالبہ کرے تو اس کو دینا واجب ہوگا، اور یہ صدقہ کارخانہ دار کی طرف سے شمار کیا جائے گا۔[۱]

اگر مالک معلوم نہ ہو تو بیعانہ کی رقم کا کیا کریں؟

سوال:... ہماری ایک فیکٹری ہے، جس میں مختلف قسم کی اشیاء تیار کی جاتی ہیں، دُور و نزدیک کے تاجر حضرات اپنی ضرورت کی اشیاء کا آرڈر دے جاتے ہیں، کچھ رقم پیشگی بیعانہ کے طور پر دے جاتے ہیں، جب مال تیار ہو جاتا ہے تو پوری ادائیگی کر کے اپنا مال لے جاتے ہیں۔ بسااوقات ایسا بھی ہوتا ہے کہ آرڈر دینے والے کو ہم ذاتی طور پر نہیں جانتے، وہ شخص بیعانہ دے کر چلا جاتا ہے، اس کا مال تیار ہو جاتا ہے، مگر وہ مال لینے نہیں آتا، نہ ہی بیعانہ کی رقم واپس لینے آتا ہے۔ ہمارے پاس اس کا پتا بھی نہیں ہوتا، ہم انتظار کرتے رہتے ہیں، کچھ عرصہ بعد اس کا سامان تو فروخت کر دیتے ہیں، مگر بیعانہ کی رقم کا کیا کریں؟ کیا کسی فلاحی اِدارے یا کسی مسجد مدرسہ میں جمع کروادیں؟ کیا اس طرح ہم بری الذمہ ہو جائیں گے؟

جواب:... اگر مالک کے آنے کی توقع نہ ہو، نہ اس کا پتا معلوم ہو تو اس کی طرف سے یہ رقم کسی مستحق کو صدقہ کر دی جائے، بعد میں اگر مالک آجائے اور اپنی رقم کا مطالبہ کرے تو اس کو دینا واجب ہوگا، اور یہ صدقہ آپ کی طرف سے شمار کیا جائے گا۔[۲]

مکان کا بیعانہ دے کر کوئی سودا چھوڑ دے تو کیا حکم ہے؟

سوال:... میرے ایک قریبی دوست نے اپنے ایک مکان کی فروخت کے لئے زَرِ بیعانہ وصول کیا، مگر بعد اَزاں خریدار سودے سے مکر گیا، اس صورت میں اس معاہدے اور خرید و فروخت کے حوالے سے زَرِ بیعانہ کے بارے میں کیا حکم ہے؟

جواب:... مسئلہ یہی ہے کہ اگر معاہدے کے بعد مشتری (خریدار) اس چیز کو نہ لے سکے تو فروخت کنندہ کے لئے بیعانہ حلال نہیں، اس کو واپس کر دے۔ اور ہمارے ہاں بیعانہ (ایڈوانس) ضبط کر لینے کا جو رواج ہے، یہ غلط ہے، اور اگر قانون بھی اس رواج کی تائید کرتا ہے تو شریعت کی نظر میں یہ قانون بھی غلط ہے۔[۳]

---

(۱) قال في الدر: إن علم أن صاحبها لا يطلبها أو إنها تفسد إن بقيت كالأطعمة والثمار كانت أمانة .... فينتفع الرافع بها لو فقيرًا وإلّا تصدق بها على فقير .... فإن جاء مالكها بعد التصدق خيّر بين إجازة فعله ولو بعد هلاكها وله ثوابها أو تضمينه۔ (درمختار، باب اللقطة ج:۳ ص:۲۷۸ تا ۲۸۰، هداية ج:۲ ص:۶۱۵، كتاب اللقطة)۔

(۲) فإن جاء صاحبها وإلّا تصدق بها إيصالًا للحق إلى المستحق وهو واجب بقدر الإمكان . .... . فإن جاء صاحبها يعني بعد ما تصدق بها فهو بالخيار، إن شاء أمضى الصدقة وله ثوابها .... وان شاء ضمّن الملتقط۔ (هداية ج ۲ ص.۶۱۵، كتاب اللقطة)۔

(۳) نهى عن العربان أن يقدم إليه بشيء من الثمن فإن اشترى حسب من الثمن وإلّا فهو مجانًا وفيه معنى الميسر۔ (حجة الله البالغة ج:۲ ص:۳۲۲ مبحث البيوع المنهى عنها، طبع بيروت)۔

سودا فسخ کر کے بیعانہ کا ڈبل جرمانہ وصول کرنا

سوال:... آپ نے ایک دفعہ لکھا تھا کہ سودے میں بیعانہ کی رقم سودا کینسل ہونے پر ڈبل لینا جائز نہیں ہے، جو شخص معاہدہ توڑ کر وعدہ خلافی کرتا ہے، سودا منظور کرنے کے بعد کینسل کر کے فریقِ مخالف کو سخت ذہنی اذیت اور مالی پریشانی میں مبتلا کرتا ہے، اس پر جرمانے کے طور پر ڈبل رقم لینا کیوں جائز نہیں ہے؟ وعدہ خلافی معاہدہ توڑ کر کسی مسلمان بھائی کو اذیت میں مبتلا کرنے والے کو سرزنش اور نصیحت کس طرح ہو؟ وہ اس طرح ہر ایک کے ساتھ زیادتی روا رکھے گا۔

جواب:... مسئلہ یہی ہے کہ اگر سودا ہوگیا تو طرفین سے رقم اور چیز پر قبضہ ہوجانے کے بعد تو دوبارہ سودا کرنا صحیح ہے، لیکن اگر سودا فسخ کردیا جائے تو اس پر جرمانہ لگانا جائز نہیں، جس فریق کو پریشانی ہو رہی ہے، وہ اس کے سودے کو فسخ نہ کرنے دے۔[1]

---

(۱) لَا یجوز لأحد من المسلمین أخذ مال أحد بغیر سبب شرعی۔ (فتاویٰ شامی ج:۴ ص:۶۱)۔ أیضًا: بیع العربان . . . وانما صار الجمهور إلی منعه لأنه من باب الغرر والمخاطرة وأکل مال بغیر عوض۔ (بدایة المجتهد ج۲ ص۱۲۲ الباب الرابع فی بیوع الشروط والثنیا، طبع دار الکتب العلمیة، لاهور)۔

حصص کا کاروبار

حصص کے کاروبار کی شرعی حیثیت

سوال:... حصص کے کاروبار کی مندرجہ ذیل صورتیں ہیں:

الف:... آدمی کچھ حصص کسی کمپنی کے خریدے اور جلد یا بدیر ان حصص کو اپنے نام منتقل کروانے کے بعد فروخت کردے، اس پر جو منافع یا نقصان ہو حلال ہے یا حرام؟

ب:... آدمی کچھ حصص کسی کمپنی کے خریدے اور مستقل اپنے پاس رکھ لے، اس پر متعلقہ کمپنی جو منافع/ بونس دیتی ہے وہ حلال ہے یا حرام؟

ج:... حصص مستقل طور پر اپنے پاس رکھنے سے اس کی قیمت میں جو اضافہ ہوگا وہ حلال ہے یا حرام؟

جواب:... حصص کی حقیقت یہ ہے کہ ایک کمپنی کی مالیت مثلاً: دس لاکھ روپے کی ہے، اس کے کچھ حصے تو مالکان اپنے پاس رکھ لیتے ہیں، اور کچھ حصوں میں دُوسروں کو شریک کرلیتے ہیں، مثلاً: دس لاکھ میں سے ایک لاکھ کے حصے تو انہوں نے اپنے پاس رکھ لئے اور نو لاکھ کے حصے عام کردیئے، جو لوگ ان حصوں کو خرید لیتے ہیں وہ اپنے حصوں کے تناسب سے کمپنی کی ملکیت میں شریک ہوجاتے ہیں، اور کچھ لوگ اپنے حصوں کو فروخت کرکے اپنی ملکیت دُوسروں کو منتقل کردیتے ہیں، اس لئے ان حصص کی خرید و فروخت جائز ہے،[1] بشرطیکہ کمپنی کا کاروبار صحیح ہو۔[2] اور ان حصص پر کمپنی کی طرف سے ملنے والا منافع جائز ہے، بشرطیکہ وہ کل منافع کو حصص پر تقسیم

---

(۱) أما شركة العنان فتنعقد على الوكالة دون الكفالة، وهى أن تشترك إثنان فى نوع بر أو طعام، أو يشتركان فى عموم التجارات. (هداية ج:۲ ص:۶۲۹، كتاب الشركة). وفى الفتاوى الهندية ج:۲ ص:۳۱۹، الباب الثالث فى شركة العنان: أما شركة العنان، فهى أن يشترك إثنان فى نوع من التجارات برّ أو طعام أو يشتركان فى عموم التجارات، ولا يذكر ان الكفالة خاصة، وصورتها أن يشترك إثنان فى نوع خاص من التجارات أو يشتركان فى عموم التجارات. تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو: إمداد الفتاوى، كتاب الشركة، القصص الستى فى حكم حصص كمبنى ص:۴۸۶ تا ۵۱۲ طبع مكتبه دار العلوم كراچى، إمداد الأحكام ج:۳ ص:۴۶۲۔

(۲) یعنی کوئی حرام کام کرنے والی کمپنی نہ ہو، مثلاً سود، قمار پر مبنی انشورنس کمپنی نہ ہو، شراب وغیرہ کی تجارت نہ کرتی ہو۔ أن يكون التصرف مباحًا شرعًا فلا يجوز التوكيل فى فعل محرم شرعًا كالغصب أو الإعتداد على الغير. (الفقه الإسلامى وأدلّته ج:۴ ص:۱۵۴ باب الوكالة). لأن ما ثبت للوكيل ينتقل إلى المؤكل، فصار كأنه باشر بنفسه فلا يجوز. (هداية ج:۳ ص.۵۹ باب البيع الفاسد، طبع مكتبه شركت علميه لاهور).

کرتے ہوں[1]، واللہ اعلم!

حصص کی خرید و فروخت کا شرعی حکم

سوال:... میں کمپنی شیئرز کی خرید و فروخت کرتا ہوں، جس میں نفع نقصان دونوں کا احتمال ہوتا ہے، اور کمپنیاں سال کے اختتام پر اپنے حصص یافتگان کو محدود منافع بھی تقسیم کرتی ہیں، جس کو "ڈیویڈنڈ" کہتے ہیں، کیا یہ کاروبار اور منافع جائز ہے؟

جواب:... کمپنی کی مثال ایسی ہے کہ چند آدمی مل کر شراکتی بنیاد پر دُکان کھول لیں، یا کوئی کارخانہ لگالیں، ان میں سے ہر شخص اس دُکان یا کارخانے میں اپنے حصے کے مطابق شریک ہوگا، اور اپنے حصے کے منافع کا حق دار ہوگا۔ اور ان میں سے ہر شخص کو اپنا حصہ کسی دُوسرے کے ہاتھ فروخت کرنے کا بھی اختیار ہوگا۔ یہی حیثیت کمپنی کے حصص کی بھی سمجھئے۔ اس لئے حصص کی خرید و فروخت جائز ہے۔[2] البتہ اس کے لئے یہ شرط ہے کہ کمپنی کا کاروبار جائز اور حلال ہو، ناجائز اور حرام نہ ہو۔ جس کمپنی کا کاروبار ناجائز ہوگا اس کے حصص کی خرید جائز نہیں ہوگی، مثلاً: بینکوں کا نظام سود پر مبنی ہے، تو بینک کے حصص حرام ہوں گے۔[3]

کس کمپنی کے حصص کی خریداری جائز ہے؟

سوال:... آج کل کاروباری ادارے مزید سرمایہ کاری کے لئے یا پھر نئے ادارے اپنا کاروبار شروع کرنے کے لئے لوگوں کو شیئرز فروخت کرتے ہیں۔ ان شیئرز کی قیمت عموماً دس روپے فی شیئر ہوتی ہے۔ اس لئے باقاعدہ بینکوں کے ذریعہ درخواستیں مانگی جاتی ہیں، اور بہت سی درخواستیں موصول ہونے پر بذریعہ قرعہ اندازی لوگوں کو جن کا نمبر قرعہ اندازی کے ذریعہ نکلتا ہے، شیئرز دے دیئے جاتے ہیں۔ قرعہ اندازی میں کھلنے پر اس کی قیمت دس روپے فی شیئر ہوتی ہے، لیکن اسٹاک مارکیٹ میں اس کی قیمت کمپنی کی مشہوری کی وجہ سے بڑھتی ہے اور بعض اوقات گھٹتی بھی ہے، یعنی کبھی شیئر ۹ روپے یا ۸ روپے کا بھی فروخت ہوتا ہے، کبھی ۲۰ روپے یا ۲۵ روپے کا بھی۔ شیئرز کو کھلی مارکیٹ میں فروخت بھی کیا جاسکتا ہے، اور اگر ان کو ایک خاص مدّت عموماً ۶ ماہ تک رکھا جائے تو کمپنی عبوری منافع کا اعلان کرتی ہے، جو ایک خاص فیصد پر ہر ایک کو یعنی جس کے پاس ۱۰۰ شیئرز ہوں اس کو بھی اور جس کے پاس ۱۰۰۰ شیئرز ہوں اس کو بھی اسی حساب سے دیتی ہے، مسئلہ یہ ہے کہ اس طرح شیئرز کا خریدنا دُرست ہے یا نہیں؟

---

(۱) وأن يكون الربح معلوم القدر، فإن كان مجهولًا تفسد الشركة، وأن يكون الربح جزءًا شائعًا في الجملة لا معينًا، فإن عينا عشرة أو ماة أو نحو ذٰلک كانت الشركة فاسدة۔ (فتاویٰ عالمگیری ج:۲ ص:۳۰۲ کتاب الشركة، طبع رشیدیه)۔ قال: ولا يجوز الشركة إذا شرط لأحدهما دراهم مسماة من الربح لأنه شرط يوجب إنقطاع الشركة فعساه لا يخرج إلّا قدر المسمّٰى لأحدهما ونظيره في المزارعة۔ (هداية ج:۲ ص:۶۳۲ كتاب الشركة)۔

(۲) أما شركة العنان فتنعقد على الوكالة دون الكفالة، وهي أن تشترك إثنان في نوع بر أو طعام، أو يشتركان في عموم التجارة۔ (هداية ج:۲ ص:۶۲۹، كتاب الشركة، أيضًا: الهندية ج:۲ ص:۳۱۹، الباب الثالث في شركة العنان)۔

(۳) أن يكون التصرف مباحًا شرعًا فلا يجوز التوكيل في فعل محرم شرعًا كالغصب أو الإعتداء على الغير۔ (الفقه الإسلامي وأدلّته ج ۴ ص ۱۵۴، باب الوكالة، طبع دار الفكر، بيروت)۔ أيضًا: لأن ما يثبت للوكيل ينتقل إلى المؤكل فصار كأنه باشره بنفسه فلا يجوز۔ (هداية ج:۳ ص:۵۹، باب البيع الفاسد، طبع مكتبه شركت علميه ملتان)۔

۲:... اگر خرید لئے تو کیا نفع یا نقصان کی بنیاد پر ان کو فروخت کرنا دُرست ہے یا نہیں؟

۳:... ان شیئرز کو اس نیت سے رکھنا کہ ان پر نفع ملے گا، دُرست ہے یا نہیں؟

۴:... نفع کا لینا دُرست ہے یا نہیں؟

جواب:... شیئرز (حصص) کی حقیقت ہے کمپنی میں شراکت حاصل کرنا۔ جس نے جتنے حصص خریدے وہ کل رقم کی نسبت سے اتنے حصے کا مالک اور کمپنی میں شریک ہوگیا۔ اب کمپنی نے کوئی مل، کارخانہ، فیکٹری لگائی تو اس شخص کا اس میں اتنا حصہ ہوگیا اور اس شخص کو اپنا حصہ فروخت کرنے کا اختیار ہے، لہٰذا حصص کی خرید و فروخت جائز ہے،[1] مگر یہاں تین چیزیں قابلِ ذکر ہیں:

اوّل:... جب تک کمپنی نے کوئی مل یا کارخانہ نہیں لگایا، اس وقت تک حصص کی حیثیت نقد رقم کی ہے، اور دس روپے کی رقم کو ۹ یا ۱۱ روپے میں فروخت کرنا جائز نہیں، یہ خالص سود ہے۔[2]

دوم:... عام طور سے ایسی کمپنیاں سودی کاروبار کرتی ہیں، جو گناہ ہے، اور اس گناہ میں تمام حصہ دار شریک ہوں گے۔[3]

سوم:... کمپنی کی شراکت اس وقت جائز ہے جبکہ اس کے معاملات صحیح ہوں، اگر کمپنی کا کوئی معاملہ خلافِ شریعت ہوتا ہے، اور حصہ داروں کو اس کا علم بھی ہے تو حصہ دار بھی گناہگار ہوں گے، اور اس کمپنی میں شرکت کرنا جائز نہیں ہوگا۔[4]

''این۔آئی۔ٹی'' کے حصص خریدنا جائز نہیں

سوال:... نیشنل انوسٹمنٹ ٹرسٹ (این۔آئی۔ٹی) گورنمنٹ پاکستان کا ایک اِدارہ ہے، یہ اِدارہ ملوں سے حصے (شیئرز) خریدتا ہے اور ملیں بینک سے سود پر قرض لیتی ہیں، شیئرز سے جو منافع حاصل ہوتا ہے وہ خریدنے والوں میں ان کے حصے کے مطابق اس اِدارے کی طرف سے تقسیم کیا جاتا ہے، کیا این۔آئی۔ٹی سے شیئرز خریدنا جائز ہے یا نہیں؟

جواب:... جب ملیں بینک سے قرض لے کر سود دیتی ہیں، تو یہ منافع جائز نہیں۔[5] اس لئے ''این۔آئی۔ٹی'' شیئرز جائز نہیں۔

---

(۱) اما شركة العنان فتنعقد على الوكالة دون الكفالة، وهي أن تشترك إثنان في نوع بر أو طعام، أو يشتركان في عموم التجارة. (هداية ج:۲ ص:۶۲۹، كتاب الشركة، فتاوىٰ هندية ج:۲ ص:۳۱۹، الباب الثالث شركة العنان).

(۲) قال الله تعالىٰ: "أحل الله البيع وحرم الربوٰا" والمعنىٰ أن الله تعالىٰ حرّم الزيادة في القرض على القدر المدفوع والزيادة في البيع لأحد البدلين على الآخر. (تفسير مظهرى ج:۱ ص:۳۹۹، طبع مكتبه اشاعت العلوم، دهلى).

(۳، ۴) عن عبدالله بن حنظلة غسيل الملائكة قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: درهم ربا يأكله الرجل وهو يعلم أشد من ستة وثلاثين زنية. (مشكوٰة ج:۱ ص:۲۴۵، باب الربا). عن جابر قال: لعن رسول الله صلى الله عليه وسلم آكل الربا وموكله وكاتبه وشاهديه وقال: وهم سواء. رواه مسلم. (مشكوٰة ج:۱ ص:۲۴۴، باب الربا).

(۵) ایضاً حاشیہ نمبر ۲۔

''این آئی ٹی'' یونٹ کے منافع کی شرعی حیثیت

سوال:... میرے پاس این آئی ٹی (N.I.T) کے کچھ یونٹ ہیں، ان پر جو منافع ملتا ہے وہ کچھ سودی اور کچھ غیرسودی ذرائع سے حاصل ہوتا ہے، میں غیرسودی ذرائع والا منافع استعمال میں لے آتا ہوں، اور سودی ذرائع والا منافع الگ رکھ دیتا ہوں، آپ سے پوچھنا یہ ہے کہ کیا میرا یہ عمل صحیح ہے؟

جواب:... آپ کا یہ عمل صحیح ہے۔

سوال:... سودی ذرائع والا منافع میں کن کن کاموں میں خرچ کرسکتا ہوں؟

جواب:... این آئی ٹی کی جو آمدنی صحیح نہ ہو، وہ کسی محتاج کو بغیر نیتِ ثواب کے دے سکتے ہیں۔[1]

حصہ دار کمپنیوں کا منافع شرعاً کیسا ہے؟

سوال:... آج کل جو کمپنیاں کھلی ہیں، لوگ ان میں پیسہ جمع کرواتے ہیں، کچھ کمپنیاں ہر ماہ منافع کم زیادہ دیتی ہیں، اور کچھ کمپنیاں ہر ماہ متعین منافع دیتی ہیں۔ اب سوال یہ ہے کہ کچھ یتیم، بیواؤں اور عام لوگوں کی آمدنی کا واحد ذریعہ معاش یہی ہے، اب ہم نے جہاں بھی پڑھا کہ متعین سود ہے اور دُوسرا حلال ہے۔ آپ ہمیں ان حالات کے پیشِ نظر ایسا اسلامی طریقۂ کار بتائیے کہ سب لوگ زیادہ سے زیادہ منافع حاصل کرسکیں اور وہ سود نہ ہو۔ یہ بھی سنا ہے کہ ہم خود متعین کو اپنی ضروریات کے لئے رقم دیتے ہیں اور وہ اپنی خوشی سے متعین منافع دیتے ہیں، کیا یہ سود تو نہیں ہے؟

جواب:... کمپنی اپنے حصہ داروں کو جو منافع دیتی ہے اس کے حلال ہونے کی دو شرطیں ہیں۔ ایک یہ کہ کمپنی کا کاروبار شرعی اُصول کے مطابق جائز اور حلال ہو۔[2] اگر کمپنی کا کاروبار شرعاً جائز نہیں ہوگا تو اس کا منافع بھی حلال نہیں ہوگا۔[3] دُوسری شرط یہ ہے کہ وہ کمپنی باقاعدہ حساب کرکے حاصل ہونے والے منافع کی تقسیم کرتی ہو، اگر اصل رقم کے فیصد کے حساب سے منافع مقرّر کردیتی ہے تو یہ جائز نہیں، بلکہ سود ہے۔[4]

---

(۱) لأن سبيل الكسب الخبيث التصدق إذا تعذر الرد على صاحبه۔ (درمختار، باب الربا ج:۵ ص:۳۸۶، طبع سعید)۔ أيضًا: ويتصدق بلا نية الثواب وينوى به براءة الذمة۔ (قواعد الفقه ص:۱۱۵، طبع صدف پبلشرز کراچی)۔

(۲) قال الله تعالىٰ: ''كلوا مما في الأرض حلالًا طيبًا'' (البقرة:۱۶۸)۔ وعن عبدالله قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: طلب كسب الحلال فريضة بعد الفريضة۔ (مشكوة ج:۱ ص:۲۴۲، باب الكسب وطلب الحلال)۔

(۳) إذا بطل الشيء بطل ما في ضمنه۔ المادة:۵۲ (شرح المجلة لسليم رستم باز ص:۴۱)۔ أيضًا: ما حرم فعله حرم طلبه۔ (قواعد الفقه ص:۱۱۰)۔ أيضًا: أن يكون التصرف مباحًا شرعًا فلا يجوز التوكيل في فعل محرم شرعًا كالغصب أو الإعتداء على الغير۔ (الفقه الإسلامي وأدلته ج:۴ ص:۱۵۴، باب الوكالة)۔

(۴) وان يكون الربح معلوم القدر فإن كان مجهولًا تفسد الشركة، وأن يكون الربح جزءًا شائعًا في الجملة لا معينًا، فإن عينا عشرة أو مأة أو نحو ذلك كانت الشركة فاسدة۔ (فتاوىٰ عالمگیری ج:۲ ص:۳۰۲، كتاب الشركة، الباب الأوّل)۔

کمپنی کے حصص وصول کرنے سے پہلے ہی فروخت کردینا

سوال:... ہم لوگ حصص وصول کرنے سے پہلے ہی فروخت کردیتے ہیں، کیا یہ جائز ہے؟

جواب:... اگر کمپنی نے حصص آپ کے نام کردیئے ہوں تو ان کو فروخت بھی کرسکتے ہیں، ورنہ نہیں۔[1] ''شیئرز ڈلیوری'' کے مفہوم سے میں واقف نہیں، واللہ اعلم!

(۱) ومن اشترى شيئًا مما ينقل ويحول لم يجز له بيعه حتّٰى يقبضه ...إلخ. (الجوهرة النيرة، باب المرابحة والتولية ج:۱ ص:۲۱۲). أيضًا: وأن يكون مملوكًا في نفسه وأن يكون ملك البائع فيما يبيعه لنفسه. (عالمگیری ج:۳ ص:۲، كتاب البيوع، الباب الأوّل في تعريف البيع، طبع رشيديه).

مضاربت یعنی شراکت کے مسائل

شراکتی کمپنیوں کی شرعی حیثیت

سوال:... آج کل جو کاروبار چلا ہوا ہے کہ رقم کسی کمپنی میں شراکت داری کے لئے دے دیں اور ہر ماہ منافع لیتے رہیں، اس کے بارے میں کیا ارشاد ہے؟ ایک تو نفع و نقصان میں شراکت ہوتی ہے اور دُوسرا مقررہ ہوتا ہے، مثلاً ۵ فیصد۔

جواب:... اس سلسلے میں ایک موٹا سا اُصول ذکر کر دینا چاہتا ہوں کہ اس کو جزئیات پر خود منطبق کرلیجئے۔

اوّل:... کسی کمپنی میں سرمایہ جمع کرکے اس کا منافع حاصل کرنا دو شرطوں کے ساتھ حلال ہے، ایک یہ کہ وہ کمپنی شریعت کے اُصول کے مطابق جائز کاروبار کرتی ہو، پس جس کمپنی کا کاروبار شریعت کے اُصولوں کے مطابق جائز نہیں ہوگا، اس سے حاصل ہونے والا منافع بھی جائز نہیں ہوگا۔[1]

دوم:... یہ کہ وہ کمپنی اُصولِ مضاربت کے مطابق حاصل شدہ منافع کا ٹھیک ٹھیک حساب لگا کر حصہ داروں کو تقسیم کرتی ہو، پس جو کمپنی بغیر حساب کے محض اندازے سے منافع تقسیم کردیتی ہے، اس میں شرکت جائز نہیں۔ اسی طرح جو کمپنی اصل سرمائے کے فیصد کے حساب سے مقررہ منافع دیتی ہو، مثلاً: اصل رقم کا پانچ فیصد، اس میں بھی سرمایہ لگانا جائز نہیں، کیونکہ یہ سود ہے،[2] اب یہ تحقیق خود کرلیجئے کہ کون سی کمپنی جائز کاروبار کرتی ہے اور اُصولِ مضاربت کے مطابق منافع تقسیم کرتی ہے۔

سودی کاروبار والی کمپنی میں شراکت جائز نہیں

سوال:... ہم نے پچھلے سال چراٹ سیمنٹ کمپنی میں کچھ سرمایہ لگایا تھا، اور مزید لگانے کا خیال ہے، لیکن کمپنی کی سالانہ رپورٹ سے کچھ شکوک پیدا ہوئے، مبادا کہ ہمارا منافع سود بن جائے، اس لئے درج سوالوں کے جواب مرحمت فرمائیں:

---

(۱) "یٰأیھا الناس کلوا مما فی الأرض حلالًا طیبًا" (البقرۃ:۱۶۸)۔ أیضًا: أن یکون التصرف مباحًا شرعًا فلا یجوز التوکیل فی فعل محرم شرعًا کالغصب أو الإعتیاد علی الغیر۔ (الفقہ الإسلامی وأدلّتہ ج:۴ ص:۱۵۴، باب الوکالۃ)۔ أیضًا لأن ما یثبت للوکیل ینتقل إلی المؤکل فصار کأنہ باشرہ بنفسہ فلا یجوز۔ (ھدایۃ ج:۳ ص:۵۹ باب البیع الفاسد)۔

(۲) ومن شرطھا (أی المضاربۃ) أن یکون الربح بینھما مشاعًا بحیث لَا یستحق أحدھما من دراھم مسماۃ الخ۔ (الجوھرۃ النیرۃ ج ۱ ص:۲۷۵، ۲۷۶ طبع حقانیہ ملتان، ھدایۃ ج:۳ ص:۲۵۶، باب المضاربۃ، طبع ملتان)۔ ولَا تجوز المضاربۃ علی أن لأحدھما دراھم معلومۃ، وذٰلک لأن ھٰذا یخرجھا عن باب الشرکۃ، بجواز أن لَا یربح إلّا ھٰذا القدر، ولا یشارکہ الآخر فیہ، ومتی خرجت عن باب الشرکۃ، صارت إجارۃ، والإجارۃ لَا تجوز إلّا بأجر معلوم۔ إلخ۔ (شرح مختصر الطحاوی ج:۳ ص:۳۶۷، ۳۶۸ کتاب المضاربۃ، طبع دار السراج، بیروت)۔

الف:... کمپنی کچھ رقم بیمہ کو مشترکہ رقم سے ادا کرتی ہے، گویا کمپنی بیمہ شدہ ہے۔

ب:... کمپنی کچھ رقم سود کے طور پر ان بینکوں کو ادا کرتی ہے جن سے قرض لیا ہے۔

ج:... کمپنی کو کچھ رقم سود کے ذریعے سے حاصل ہوتی ہے۔

د:... حصہ داران اپنے حصے کسی دُوسرے فرد کو نفع کی صورت میں جب فروخت کرتے ہیں، مثلاً: دس روپے کا حصہ لیا تھا، اب پندرہ روپے کو فروخت کرتا ہے، اس بارے میں کیا حکم ہوگا؟ خدانخواستہ اگر مذکورہ احوال شرع کے خلاف ہوں تو حصے کمپنی کو واپس کرنے بہتر ہوں گے یا کسی عام فرد کے ہاتھ فروخت کرنا بہتر ہوگا؟

جواب:... جو کمپنی سودی کاروبار کرتی ہو، اس میں شراکت دُرست نہیں،[1] کیونکہ اس سودی کاروبار میں تمام حصہ داران شریکِ گناہ ہوں گے۔[2] کمپنی کا حصہ زیادہ قیمت پر فروخت کرنا جائز ہے۔[3] آپ کی مرضی ہے، کمپنی کو واپس کردیں یا فروخت کردیں۔

مضاربت کے مال کا منافع کیسے طے کیا جائے؟

سوال:... جیسا کہ آج کل ایک کاروبار بہت گردش میں ہے، وہ یہ کہ آپ اتنے پیسے کاروبار میں لگایئے اور اتنے فیصد منافع حاصل کیجئے۔ حالانکہ بیع مضاربت میں یہ ہے کہ نفع نقصان آدھا آدھا ہوتا ہے، جبکہ دُکان میں ہزاروں قسم کی اشیاء موجود ہوتی ہیں اور ہر ایک کا علیحدہ علیحدہ نفع لگانا بہت مشکل ہوتا ہے۔ کیا ہم شریعت کی رُو سے یہ کرسکتے ہیں کہ ہر ماہ اپنی بکری کے لحاظ سے نفع کا اندازہ لگالیں اور پھر اس سے ہر ماہ کا نفع مقرّر کرلیں؟

جواب:... مضاربت میں ہر چیز کے الگ الگ منافع کا حساب لگانا ضروری نہیں، بلکہ کل مال کا ششماہی، سالانہ (جیسا بھی طے ہوجائے)، حساب لگاکر منافع تقسیم کرلیا جائے (جبکہ منافع ہو)۔[4]

محنت ایک کی اور رقم دُوسروں کی ہو تو کیا یہ مضاربت ہے؟

سوال:... میرا ڈرائی فروٹ کا کاروبار ہے، مجھے کچھ لوگوں نے کاروبار کے لئے رقم دی ہوئی ہے، جس سے میں کاروبار کرتا

---

(۱) قال الله تعالىٰ: "وتعاونوا على البر والتقوىٰ ولَا تعاونوا على الإثم والعدوان" (المائدة:۲)۔ وقال تعالىٰ: "وأحل الله البيع وحرم الربوٰا" (البقرة:۲۷۵)۔ وقال الله تعالىٰ: "يٰأيها الذين اٰمنوا اتقوا الله وذروا ما بقى من الربوٰا إن كنتم مؤمنين، فإن لم تفعلوا فاذنوا بحرب من الله ورسوله" (البقرة:۲۷۸، ۲۷۹)۔

(۲) وعن جابر قال: لعن رسول الله صلى الله عليه وسلم آكل الربا وموكله وكاتبه وشاهديه وقال هم سواء۔ رواه مسلم۔ (مشكوٰة ج:۱ ص:۲۴۴، باب الربا)۔ لأن ما يثبت للوكيل ينتقل إلى المؤكل فصار كأنه باشره بنفسه فلا يجوز۔ (هداية ج:۳ ص:۵۹۰، باب البيع الفاسد، طبع شركت علميه ملتان)۔

(۳) المرابحة نقل ما ملكه بالعقد الأوّل بالثمن الأوّل مع زيادة ربح والتولية ما ملكه بالعقد الأوّل .... والبيعان جائزان لإستجماع شرائط الجواز، والحاجة ماسة إلى هٰذا النوع من البيع ...إلخ۔ (هداية ج:۳ ص:۷۳ باب المرابحة والتولية)۔

(۴) فإذا ظهر الربح فهو شريكه بحصته من الربح۔ (خلاصة الفتاوىٰ ج:۴ ص:۱۸۸، كتاب المضاربة، الفصل الأوّل)۔ أيضًا۔ لو لم يظهر ربح لَا شيء على المضارب۔ (البحر الرائق ج:۷ ص:۲۷۰، كتاب المضاربة)۔

ہوں، اور اس کا نفع ونقصان آدھا میرا اور آدھا اُن لوگوں کا ہے جن کی رقم ہے۔ کاروبار سارا میں کرتا ہوں، یعنی محنت میں کرتا ہوں اور سرمایہ ان کا ہے، اب ایک صاحب نے مجھے کہا ہے کہ یہ مضاربت کی صورت ہونی چاہئے یا شراکت کی، اور یہ صورت نہ مضاربت ہے نہ شراکت۔ آپ جناب سے راہنمائی کا طالب ہوں کہ میں جس طرح کاروبار کر رہا ہوں، کیا یہ شرعی قوانین کی رُو سے کاروبار و تجارت جائز اور صحیح ہے؟

جواب:... جو صورت آپ نے لکھی ہے، یعنی رقم ایک کی یا چند آدمیوں کی ہو، اور آپ اس سے کاروبار کریں، یہ صورت مضاربت کہلاتی ہے، اور یہ جائز ہے۔[1] واللہ اعلم!

ہوٹل کے اِخراجات، تنخواہوں کی ادائیگی کے بعد منافع نصف نصف تقسیم کرنا

سوال:... میں نے ایک ہوٹل بنانے کا ارادہ کیا ہے، اس کام میں ایک آدمی کو شریک کروں گا، تمام اِخراجات میرے ہوں گے، اِخراجات اور تنخواہوں کی ادائیگی کے بعد منافع ہم دونوں کے درمیان نصف نصف تقسیم ہوگا، کیا یہ طریقہ شرعاً دُرست ہے؟

جواب:... جو طریقہ کار آپ نے تجویز کیا ہے، وہ بالکل صحیح ہے،[2] بشرطیکہ وہ دُوسرا آدمی جو آپ نے اس کام کے لئے تجویز کیا ہے وہ امانت دار ہو اور کسی قسم کی خیانت نہ کرے۔ میں دُعا کرتا ہوں کہ حق تعالیٰ شانہٗ اس میں برکت فرمائے۔

منافع اندازاً بتاکر تجارت میں حصہ دار بنانا

سوال:... میرے ساتھ تجارت میں اگر کوئی شخص رقم لگانا چاہتا ہے تو میں اس کو منافع میں حصے کے بارے میں اندازاً اتنی رقم بتاتا ہوں جس کا ذِکر سن کر وہ شخص فوری طور پر کاروبار میں اپنی رقم لگانے پر آمادہ ہوجاتا ہے، اور میں اس سے رقم لے کر کاروبار میں لگادیتا ہوں۔ آپ سے گزارش ہے کہ قرآن وسنت کی روشنی میں وضاحت فرمائیں کہ اس طرح رقم لے کر اور منافع کی اندازاً مقدار بتاکر تجارت کرنا کیا صحیح ہے؟

جواب:... کسی سے رقم لے کر تجارت کرنا اور منافع میں سے اس کو حصہ دینا، اس کی دو صورتیں ہیں۔ ایک یہ کہ یہ بات طے کرلی جائے گی کہ تجارت میں جتنا نفع ہوگا، اس کا اتنے فیصد رقم والے کو ملے گا، اور اتنے فیصد کام کرنے والے کو، اور اگر خدانخواستہ

( ) المضاربة .... في الشرع عبارة عن عقد بين إثنين يكون من أحدهما المال ومن الآخر التجارة فيه ويكون الربح بينهما. (الجوهرة النيرة ص:۲۹۲، كتاب المضاربة). أيضًا: هي شركة في الربح بمال من جانب وعمل من جانب فلو شرط كل الربح لأحدهما لا يكون مضاربة ويجوز التفاوت في الربح .... الرابع أن يكون الربح بينهما شائعًا كالنصف والثلث لا سهمًا معينا يقطع الشركة كمائة درهم أو مع النصف عشرة. (البحر الرائق ج:۷ ص:۲۶۳، ۲۶۴، كتاب المضاربة، طبع دار المعرفة، بيروت).

(۲) المضاربة ... . في الشرع عبارة عن عقد بين إثنين يكون من أحدهما المال ومن الآخر التجارة فيه ويكون الربح بينهما . . . ومن شرطها أن يكون الربح بينهما مشاعًا. (الجوهرة النيرة ص:۲۹۲). هي عقد شركة في الربح بمال من رجل وعمل من آخر وهي إيداع أولًا وتوكيل عنده عمله وشركة إن ربح وغصب إن خالف. (شرح الوقاية ج:۳ ص:۲۵۸، كتاب المضاربة).

خسارہ ہوا تو یہ خسارہ بھی رقم والے کو برداشت کرنا پڑے گا، یہ صورت تو جائز اور صحیح ہے۔[1]

دُوسری صورت یہ ہے کہ تجارت میں نفع ہو یا نقصان، اور نفع کم ہو یا زیادہ، ہر صورت میں رقم والے کو ایک مقرّرہ مقدار میں منافع ملتا رہے، یہ صورت جائز نہیں، اسی لئے اگر آپ تجارت میں کسی اور کی رقم شامل کریں تو پہلی صورت کے مطابق معاملہ کریں۔[2]

شراکت میں مقرّرہ رقم بطور نفع نقصان طے کرنا سود ہے

سوال:... ایک شخص لاکھوں روپے کا کاروبار کرتا ہے، زید اس کو دس ہزار روپے کاروبار میں شرکت کے لئے دے دیتا ہے، اور اس کے ساتھ یہ طے پاتا ہے کہ منافع کی شکل میں وہ زید کو زیادہ سے زیادہ پانچ سو روپے ماہوار کے حساب سے دے گا، باقی سب نفع دُکان دار کا ہوگا۔ اسی طرح نقصان کی صورت میں زید کا نقصان کا حصہ زیادہ سے زیادہ پانچ سو روپے ماہوار ہوگا، باقی نقصان دُکان دار برداشت کرے گا۔ کیا ایسا معاہدہ شریعت میں جائز ہے؟ اگر جائز نہیں تو اس کو کس شکل میں تبدیل کیا جائے تاکہ یہ شرعی ہو جائے؟

جواب:... یہ معاملہ خالص سودی ہے۔[3] ہونا یہ چاہئے کہ اس دس ہزار روپے کے حصے میں کل جتنا منافع آتا ہے اس کا ایک حصہ مثلاً: نصف یا تہائی زید کو دیا جائے گا۔[4]

شراکت کے کاروبار میں نفع ونقصان کا تعین قرعہ سے کرنا جوا ہے

سوال:... چند لوگ شراکت میں کاروبار کرتے ہیں اور سب برابر کی رقم لگاتے ہیں، طے یہ پاتا ہے کہ نفع ونقصان ہر ماہ قرعہ کے ذریعہ نکالا جائے گا، جس کے نام قرعہ نکلے گا وہ نفع ونقصان کا ذمہ دار ہوگا، خواہ ہر ماہ ایک ہی آدمی کے نام قرعہ نکلتا رہے، اس کو اعتراض نہ ہوگا۔ کیا شرع ایسے کاروبار کی اجازت دیتی ہے؟

(۱، ۲) ومن شرطها (أي المضاربة) أن يكون الربح بينهما مشاعًا بحيث لا يستحق أحدهما منه دراهم مسماة ... إلخ. (الجوهرة النيرة ج.۱ ص:۳۷۵، ۳۶۲، كتاب المضاربة). وما هلك من مال المضاربة فهو من الربح دون رأس المال .... فإن زاد الهالك على الربح فلا ضمان على المضارب لأنه أمين. (هداية ج.۳ ص:۲۶۷). أيضًا: وفي الجلالية كل شرط يوجب جهالة في الربح أو يقطع الشركة فيه يفسد وإلّا بطله الشرط كشرط الخسران على المضارب. (الدرالمختار مع رد المحتار ج:۵ ص:۶۴۸ كتاب المضاربة).

(۳) الربا هو الفضل المستحق لأحد المتعاقدين في المعاوضة الخالي عن عوض شرط فيه. (هداية ج ۳ ص:۸۰ باب الربا، طبع شركت علميه، ملتان). وهو في الشرع عبارة عن فضل مال لا يقابله عوض في معاوضة مال بمال. (فتاوىٰ عالمگيري ج ۳ ص:۱۱۷، كتاب البيوع، الباب التاسع، وهكذا في الدر المختار ج:۵ ص:۱۶۸ باب الربا).

(۴) ومن شرطها أن يكون الربح بينهما مشاعًا لا يستحق أحدهما دراهم مسماة من الربح لأن شرط ذٰلك يقطع الشركة بينهما. (هداية ج:۳ ص:۲۵۶ كتاب المضاربة). ويشترط أيضًا في المضاربة أن يكون نصيب كل منهما من الربح معلومًا عند العقد .. ويشترط أيضًا أن يكون جزأً شائعًا كالنصف أو الثلث .... فلو شرط لأحدهما قدر معين كماة مثلًا فسدت المضاربة إلخ. (شرح المجلة ص:۴۷۲، المادة: ۱۴۱۱، طبع حبيبيه كوئٹه).

جواب:... یہ جوا (قمار) ہے۔[1]

شراکت کی بنیاد پر کئے گئے کاروبار میں نقصان کیسے پورا کریں گے؟

سوال:... دو آدمی آپس میں شراکت کی بنیاد پر تجارت کرتے ہیں، جس کی صورت یہ ہے کہ ایک کی رقم ہے اور دُوسرے کی محنت، اور آپس میں نفع کی شرح طے ہے۔ کاروبار میں نقصان کی صورت میں نقصان کس تناسب سے تقسیم کیا جائے گا؟

جواب:... یہ صورت "مضاربت" کہلاتی ہے۔[2] مضاربت میں اگر نقصان ہوجائے تو وہ رأس المال (یعنی اصل رقم جو تجارت میں لگائی گئی تھی) میں شمار کیا جائے گا۔ پس نقصان ہوجانے کی صورت میں اگر دونوں فریق آئندہ کے لئے معاملہ ختم کرنے کا فیصلہ کرلیں تو رقم والے کی اتنی رقم اور دُوسرے کی محنت گئی۔[3] لیکن اگر آئندہ کے لئے وہ اس معاملے کو جاری رکھنا چاہیں تو آئندہ جو نفع ہوگا اس سے سب سے پہلے رأس المال کے نقصان کو پورا کیا جائے گا، اس سے زائد جو نفع ہوگا وہ دونوں، نفع کی طے شدہ شرح کے مطابق آپس میں تقسیم کرلیں گے۔

بکری کو پالنے کی شراکت کرنا

سوال:... محمد اقبال نے عبدالرحیم کو ایک بکری آدمی قیمت پر دی، عبدالرحیم کو کہا کہ: "میں اس کی آدمی قیمت نہیں لوں گا، آپ صرف اس کو پالیں، یہ بکری جو بچے دے گی ان میں جو مادہ ہوں گے ان میں دونوں شریک ہوں گے، باقی جوزر (مذکر) ہوں گے اس میں میرا حصہ نہیں ہوگا" شرعِ محمدی کے مطابق یہ محمد اقبال اور عبدالرحیم کی شراکت جس میں نر میں سے حصہ نہ دینے کی شرط لگائی ہے، کیا یہ صحیح ہے؟

جواب:... یہ شراکت بالکل غلط ہے، اوّل تو دو شریکوں میں سے ایک پر بکریوں کی پرورش کی ذمہ داری کیوں ڈالی

---

(۱) إنما الخمر والميسر ...إلخ. وقال قوم من أهل العلم القمار كله من الميسر .... وهو السهام التي يجيلونها فمن خرج سهمه استحق منه ما توجه علامة السهم فربما أخفق بعضهم حتى لا يحظى بشيء وينجح البعض فيحظى بالسهم الوافر، وحقيقته تمليك المال على المخاطرة، وهو أصل في بطلان عقود التمليكات الواقعة على الأخطار كالهبات والصدقات وعقود البياعات ...إلخ. (أحكام القرآن للجصاص ج:۲ ص:۴۶۵، سورة المائدة، طبع سهيل اكيڈمی).

(۲) كتاب المضاربة .... هي شرعًا (عقد شركة في الربح بمال من جانب) ربّ المال (وعمل من جانب) المضارب. (درمختار ج:۵ ص:۶۴۵، كتاب المضاربة، طبع سعيد). وفي الهداية: المضاربة عقد يقع على الشركة بمالٍ من أحد الجانبين، ومراده الشركة في الربح وهو يستحق بالمال من أحد الجانبين والعمل من الجانب الآخر، ولا مضاربة بدونها. (هداية، كتاب المضاربة ج:۳ ص:۲۵۵، طبع ملتان، وأيضًا في الفتاوىٰ الهندية ج:۴ ص:۲۸۵، كتاب المضاربة).

(۳) وما هلك من مال المضاربة يصرف إلى الربح لأنه تبع فإن زاد الهالك على الربح لم يضمن ولو فاسدة من عمله لأنه أمين وإن قسم الربح وبقيت المضاربة ثم هلك المال أو بعضه ترادّ الربح ليأخذ المالك رأس المال وما فضل بينهما وإن نقص لم يضمن لما مر. (درمختار ج:۵ ص:۶۵۶، هداية ج:۳ ص:۲۶۲). أيضًا: الضرر والخسار يعود في كل حال على ربّ المال وإذا شرط كونه مشتركًا بينه وبين المضارب فلا يعتبر ذالك الشرط. (شرح المجلة ص:۷۵۷، المادّة:۱۴۲۸، الفصل الثالث في بيان أحكام المضاربة).

جائے...؟ پھر یہ شرط کیوں کہ بکری کے مادہ بچوں میں تو حصہ ہوگا، نر میں نہیں ہوگا...؟[1]

شراکتی کاروبار میں نقصان کون برداشت کرے؟

سوال:... دو شخص شراکتی بنیاد پر حصص میں کاروبار کرتے ہیں، ایک کا حصہ سرمایہ ۶۶ فیصد ہے، دُوسرے کا ۳۳ فیصد۔ ۳۳ فیصد والا کام کرتا ہے اور اس کا کہنا ہے کہ نقصان کی صورت میں صرف ۶۶ فیصد والا نقصان برداشت کرے نہ کہ ۳۳ فیصد والا، کیا اس کا یہ شرط لگانا شرعاً جائز ہے؟

جواب:... جس شریک کے ذمہ کام ہے، منافع میں اس کا حصہ اس کے سرمایہ کی نسبت زیادہ رکھنا صحیح ہے، مثلاً: ۶۶ فیصد اور ۳۳ فیصد والے کا منافع برابر رکھا جائے، لیکن اگر خدانخواستہ نقصان ہوجائے تو سرمائے کے تناسب سے دونوں کو برداشت کرنا ہوگا، ایک شخص کو نقصان سے بَری کردینے کی شرط صحیح نہیں۔[2]

مضاربت کی رقم کاروبار میں لگائے بغیر نفع لینا دینا

سوال:... میرے دوست کا ایک چھوٹا سا کاروبار چلتا ہے، میں نے اسے کچھ رقم مضاربت کے تحت فراہم کی، کچھ عرصے بعد پتا چلا کہ اس نے یہ رقم کاروبار میں نہیں لگائی، بلکہ ذاتی کاموں میں خرچ کرڈالی، لیکن مجھے اس نے کاروبار کے نفع و نقصان میں شریک رکھا۔ مجھے جو منافع ملا ہے وہ حلال ہے یا نہیں؟

جواب:... جب اس نے یہ رقم کاروبار میں لگائی ہی نہیں تو کاروبار کا نفع، نقصان کہاں سے آیا جس میں اس نے آپ کو شریک کئے رکھا...؟ اگر اس نے آپ کی رقم کے بدلے میں اتنی رقم کاروبار میں لگاکر آپ کو کاروبار میں شریک کرلیا تھا اور پھر اس کاروبار سے جو نفع ہوا اس میں سے طے شدہ شرح کے مطابق آپ کو حصہ دیتا رہا، تب تو یہ منافع حلال ہے۔[3] اور اگر اس نے کاروبار میں اتنی رقم

---

(۱) الشركة نوعان ...... وشركة عقد، وهي أن يقول أحدهما: شاركتك في كذا، ويقول الآخر: قبلت ...... وشرط جواز هذه الشركات، كون المعقود عليه عقد الشركة قابلًا للوكالة كذا في المحيط، وأن يكون الربح معلوم القدر فإن كان مجهولًا تفسد الشركة، وأن يكون الربح جزءًا شائعًا في الجملة لَا معينًا فإن عينا عشرة أو مأة أو نحو ذلك كانت الشركة فاسدة۔ (فتاوىٰ عالمگیری، کتاب الشركة ج:۲ ص:۳۰۱، ۳۰۲، طبع رشیدیه کوئٹه).

(۲) كتاب المضاربة .. .. وحكمها أنواع لأنها إيداع إبتداءً) وفي الشامية ... ... وكذا في شركة البزازية حيث قال: وإن لأحدهما ألف ولآخر ألفان واشتركا واشترطا العمل على صاحب الألف والربح أنصافًا جاز وكذا لو شرط الربح والوضيعة على قدر المال والعمل من أحدهما بعينه جاز ...... والحاصل: أن المفهوم من كلامهم أن الأصل في الربح أن يكون على قدر المال إلّا إذا كان لأحدهما عمل فيصح أن يكون ربحًا بمقابلة عمله۔ (الفتاوى الشامية ج:۵ ص:۶۴۲ كتاب المضاربة)۔ أيضًا: وإن شرط الربح للعامل أكثر من رأس ماله جاز على الشرط ويكون المال الدافع عند العامل مضاربة۔ (فتاوىٰ عالمگیری ج:۲ ص:۳۲۰)۔ والضيعة أبدًا على قدر رؤس أموالها۔ (أيضًا الفصل الثاني في شرط الربح والصيعة).

(۳) ولو قال على ان لربّ المال نصفه أو ثلثه ولم يبين للمضارب شيئًا ففي الإستحسان تجوز ويكون للمضارب الباقي بعد نصيب ربّ المال هكذا في المحيط۔ (عالمگیری ج:۴ ص:۲۸۸)۔ أيضًا: هي عقد شركة في الربح بمال من وحه وعمل من آخر وهي إيداع أولًا وتوكيل عند عمله وشركة إن ربح وغصب إن خالف۔ (شرح الوقاية ج:۳ ص:۲۵۸، كتاب المضاربة).

لگائی ہی نہیں، یا رقم تو لگائی لیکن منافع کا حساب کر کے آپ کو اس کا حصہ نہیں دیا، بلکہ رقم پر لگا بندھا منافع آپ کو دیتا رہا تو یہ سود ہے۔ [۱]

مال کی قیمت میں منافع پہلے شامل کرنا چاہئے

سوال:... مسئلہ یہ ہے کہ میں ایک دُکان دار کو دو ہزار کا مال دیتا ہوں، یہ دُکان دار مجھے ہر ماہ یا پندرہ دن کے بعد (جیسے مال ختم ہو) دو ہزار کے مال کے پیسے کے علاوہ ۱۵۰، ۲۵۰ یا ۳۰۰ روپے نفع دیتا ہے۔ ایک دن اس نے مجھ سے کہا کہ آپ مجھ سے ہر ماہ فکس دو سو روپے منافع کی رقم کے ساتھ لے لیا کریں۔ کیونکہ اس کو اس طرح ۱۵۰، ۲۵۰ یا ۳۰۰ روپے دینے سے زیادہ فائدہ نہیں ہوتا ہے۔ مجھے شک ہے کہ اس طرح فکس نفع لینے سے یہ سود تو نہیں ہوگا۔ اس طرح پیسہ کا نفع لینا میرے لئے جائز ہے کہ نہیں؟

جواب:... آپ مال پر جو نفع لینا چاہتے ہیں وہ قیمت میں شامل کرلیا کیجئے، مثلاً: دو ہزار کا مال دیا، اب اس پر آپ جتنے منافع کے خواہش مند ہیں اتنا منافع دو ہزار میں شامل کر کے یہ طے کردیا جائے کہ یہ اتنے کا مال دے رہا ہوں۔ [۲]

تجارت میں شراکت نفع نقصان دونوں میں ہوگی

سوال:... شراکت کی تجارت میں اگر ایک شراکت دار بحیثیت رقم کے شریک ہو اور دُوسرا شریک بحیثیت محنت کے ہو تو یہ تجارت جائز ہے یا نہیں؟ اگر جائز ہے تو دونوں شریک نفع میں طے شدہ حصے کے صرف شریک ہیں یا نقصان میں بھی دونوں شریک ہوں گے؟

جواب:... پہلے یہ سمجھ لیجئے کہ آپ نے جس معاملے کو "شراکت کی تجارت" کہا ہے، فقہ میں اس کو "مضاربت" کہتے ہیں، [۳] اور یہ معاملہ جائز ہے۔ [۴] اور نفع، نقصان میں شرکت کی تفصیل یہ ہے کہ کام کرنے والے کو اس تجارت میں یا تو نفع ہوگا، یا نقصان، یا نہ نفع ہوگا نہ نقصان۔

---

(۱) قال في المضاربة وشرطها أمور سبعة .... وكون الربح بينهما شائعًا فلو عين قدرًا فسدت. (درمختار ج:۵ ص:۶۴۵). الرابع: أن يكون الربح بينهما شائعًا كالنصف والثلث لا سهما معينا يقطع الشركة كمائة درهم أو مع النصف عشرة. الخامس: أن يكون نصيب كل منهما معلومًا فكل شرط يؤدي إلى جهالة الربح فهي فاسدة ومالا فلا مثل أن يشترط أن تكون الوضيعة على المضارب أو عليهما فهي صحيحة وهو باطل. السادس: أن المشروط للمضارب مشروطًا من الربح حتّٰى لو شرطا له شيئًا من رأس المال أو منه ومن الربح فسدت. (البحر الرائق ج:۷ ص:۲۶۴، كتاب المضاربة).

(۲) قال المظهري تحت قوله تعالٰى: وحرم الربٰوا، طلب الزيادة بطريق التجارة غير محرم في الجملة قال الله تعالٰى: ليس عليكم جناح أن تبتغوا فضلًا من ربكم. (تفسير مظهري ج:۱ ص:۳۹۹). أيضًا: المرابحة نقل ما ملكه بالعقد الأوّل بالثمن الأوّل مع زيادة ربح والتولية نقل ما ملكه بالعقد الأوّل بالثمن الأوّل من غير زيادة والبيعان جائزان لاستجماع شرائط الجواز والحاجة ماسة إلٰى هٰذا النوع من البيع. (هداية ج:۳ ص:۷۱ باب المرابحة والتولية).

(۳) كتاب المضاربة اما تفسيرها شرعًا فهي عبارة عن عقد على الشركة في الربح بمال من أحد الجانبين والعمل من جانب الآخر. (عالمگيري ج:۴ ص:۲۸۵، كتاب المضاربة، درمختار ج:۵ ص:۶۴۵، هداية ج:۳ ص:۲۵۷).

(۴) فالقياس أنه لَا يجوز لأنه إستجار بأجر مجهول بل بأجر معدوم وبعمل مجهول لكنا تركنا القياس بالكتاب والسنة والإجماع، اما الكتاب الكريم فقوله عزّ شانه: "وآخرون يضربون في الأرض ....

(باقی اگلے صفحے پر)

اگر نفع ہو تو اس منافع کو طے شدہ حصوں کے مطابق تقسیم کرلیا جائے،[1] اگر نقصان ہوا تو یہ نقصان اصل سرمائے کا شمار ہوگا، کام کرنے والے کو اس نقصان کا حصہ ادا نہیں کرنا پڑے گا، مثلاً: پچاس ہزار کا سرمایہ تھا، تجارت میں گھاٹا پڑ گیا تو یوں سمجھیں گے کہ اب سرمایہ چالیس ہزار رہ گیا۔ اب اگر دونوں اس معاملے کو ختم کردینا چاہتے ہیں تو صاحبِ مال کام کرنے والے سے دس ہزار میں سے کسی چیز کا مطالبہ نہیں کرسکتا، البتہ اگر آئندہ بھی اس معاملے کو جاری رکھنا چاہتے ہیں تو آئندہ جو منافع ہوگا پہلے اس سے اصل سرمائے کو پورا کیا جائے گا، اور جب سرمایہ پورا پچاس ہزار ہوجائے گا تو اب جو زائد منافع ہوگا اس کو طے شدہ حصے کے مطابق دونوں فریق تقسیم کرلیں گے۔

اور اگر کام کرنے والے کو نفع ہوا، نہ نقصان، تو کام کرنے والے کی محنت گئی اور صاحبِ مال کا منافع گیا۔[2]

تجارت کے لئے رقم دے کر ایک طے شدہ منافع وصول کرنا

سوال:... زید کو تجارت کے لئے رقم کی ضرورت ہے، وہ بکر سے اس شرط پر رقم لیتا ہے کہ زید ہر ماہ ایک طے شدہ رقم بکر کو دیتا رہے گا، جس کو منافع کا نام دیا جاتا ہے اور زید یہ کام صرف اس لئے کرتا ہے کہ وہ حساب کتاب رکھنے سے محفوظ رہے، بس بکر کو ایک طے شدہ رقم دیتا رہے، شرعاً اس کی کیا صورت ہوگی؟

جواب:... جو صورت آپ نے لکھی ہے تو یہ صریح سود ہے، جائز اور صحیح صورت یہ ہے کہ زید، بکر کے سرمائے سے تجارت کرے، اس میں جو منافع ہو اس منافع کو طے شدہ حصے کے مطابق تقسیم کرلیا جائے۔ مثلاً: دونوں کا حصہ منافع میں برابر ہوگا، یا ایک کا

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) .... يبتغون من فضل الله" (المزمّل) والمضارب يضرب في الأرض يبتغي من فضل الله عزّ وجلّ۔ وقوله سبحانه وتعالىٰ: "فإذا قضيت الصلٰوة فانتشروا في الأرض وابتغوا من فضل الله" (الجمعة) وقوله تعالىٰ: "ليس عليكم جناح أن تبتغوا فضلًا من ربّكم" (البقرة)۔ وأما السُّنّة فما رویٰ عن ابن عباس رضي الله عنهما انه قال: كان سيدنا العباس بن عبدالمطلب إذا دفع المال مضاربة إشترط على صاحبه أن لا يسلک به بحرًا ولا ينزل به واديًا ولا يشترى به دابة ذات كبد رطبة فإن فعل ذٰلک ضمن فبلغ شرطه رسول الله صلى الله عليه وسلم فأجاز شرطه۔ وأما الإجماع فانه روى عن جماعة من الصحابة رضي الله عنهم انهم دفعوا مال اليتيم مضاربة منهم سيّدنا عمر وسيّدنا عثمان وسيّدنا على ...... وسيّدتنا عائشة وغيرهم ولم ينقل أنه أنكر عليهم من اقرانهم أحد۔ (بدائع صنائع ج:٦ ص:٧٩، كتاب المضاربة)۔

(۱) المضاربة .... وفي الشرع عبارة عن عقد بين إثنين يكون من أحدهما المال ومن الآخر التجارة فيه ويكون الربح بينهما .... قال رحمه الله المضاربة عقد على الشركة من أحد الشريكين وعمل من الآخر، مراده الشركة في الربح .... ومن شرطها أن يكون الربح بينهما مشاعًا لَا يستحق أحدهما منه دراهم مسماة لأن شرط ذٰلک يقطع الشركة ...إلخ۔ (الجوهرة النيرة ج:١ ص:٣٥٠، ٣٥١ كتاب المضاربة)۔ الربا هو فضل خال عن عوض بمعيار شرعي مشروط لأحد المتعاقدين في المعاوضة۔ (درمختار ج:٥ ص:١٦٨، باب الربا)۔

(۲) وما هلک من مال المضاربة فهو من الربح دون رأس المال لأن الربح تابع وصرف الهلاک إلىٰ ما هو التابع أولىٰ كما يصرف الهلاک الى العفو في الزكاة فإن زاد الهالک على الربح فلا ضمان على المضارب لأنه أمين وإن كان يقتسمان الربح والمضاربة بحالها ثم هلک المال بعضه أو كله ترادّ الربح حتّٰى يستوفي ربّ المال رأس المال وإذا استوفى رأس المال فإن فضل شيء كان بينهما لأنه ربح وإن نقص فلا ضمان على المضارب۔ (هداية ج:٣ ص:٢٦٧، كتاب المضاربة، أيضًا: شامي ج:٥ ص:٢٦٤، مطلب في بيع المفضض والمزركش وحكم علم الثوب)۔

چالیس فیصد اور دُوسرے کا ساٹھ فیصد ہوگا۔ [۱]

کسی کو کاروبار کے لئے رقم دے کر منافع لینا

سوال:... میرا مسئلہ یہ ہے کہ گھریلو اخراجات کی زیادتی کی وجہ سے ہمارے والد صاحب نے جو کہ گھر کے واحد کفیل ہیں، یہ فیصلہ کیا ہے، ہم اپنی جمع شدہ رقم ایک کاروباری شخص کو دیں گے، جس کو وہ کاروبار میں لگا کر ہمیں ہر سال منافع دے گا، جبکہ ہماری رقم جوں کی توں رہے گی۔ میں نے اس بات کی مخالفت کی ہے کیونکہ مجھ ناچیز کی معلومات کے مطابق یہ سود ہے، جبکہ ہمارے والد صاحب کا یہ کہنا ہے کہ میں اس رقم کو شادی بیاہ کے لئے تو نہیں دے رہا ہوں کہ بعد میں اس سے دُگنا کر کے یا اس سے زیادہ لوں، بلکہ جب وہ کمائے گا تو پھر دے گا۔ ان کا کہنا یہ ہے کہ آج کے دور میں جبکہ کوئی دُوسرے کو روپیہ دینے کو بھی تیار نہیں ہے، تو کسی کو کیا ضرورت ہے کہ ہمیں منافع دے؟ خود اس کو منافع ہوگا تو دے گا۔ لیکن میں اپنی بات پر مصر ہوں۔ آپ سے اِلتماس ہے کہ برائے مہربانی دلائل کے ساتھ اس مسئلے کا حل دے دیجئے، کیونکہ میرے والد صاحب پیسہ رکھوانا چاہتے ہیں۔

جواب:... آپ کے والد صاحب کی یہ تدبیریں عاقلانہ ہیں کہ روپیہ کسی شخص کے ذریعے کاروبار میں لگا دیا جائے، لیکن یہ بات ملحوظ رہنی چاہئے کہ کسی شخص کو کاروبار کے لئے رقم دینے کی دو صورتیں ہیں، ایک یہ کہ اس کے ساتھ یہ طے کرلیا جائے کہ ہر مہینے یا ہر سہ ماہی، ششماہی یا سال کے بعد اتنی رقم بطور منافع کے ہمیں دیا کرو گے۔ مثلاً ایک لاکھ کی رقم اس کو دی اور اس کے ساتھ یہ طے کرلیا کہ وہ ایک ہزار روپیہ ماہوار اس کا منافع دیا کرے گا۔ یہ صورت ناجائز ہے، کیونکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ آپ نے بارہ فیصد سالانہ سود پر اس کو رقم دی ہے، اور سود حرام ہے۔ [۲]

دُوسری صورت یہ ہے کہ کسی کو رقم اس شرط پر دی کہ وہ اس رقم کو کاروبار میں لگائے، اور اس سے اللہ تعالیٰ جو منافع عطا فرمائیں اس کو نصف نصف تقسیم کرلیا جائے، خواہ زیادہ منافع ہو یا کم۔ یہ صورت صحیح ہے۔ الغرض رقم پر متعین منافع (فکسڈ پرافٹ) مقرّر کرلینا سود ہے اور رقم سے حاصل ہونے والے منافع کو تقسیم کرنے کی شرح مقرّر کرلینا صحیح ہے۔ اپنے والد صاحب سے کہئے کہ وہ دُوسری صورت اِختیار کریں، پہلی نہیں۔ [۳]

---

(۱) الرابع: أن يكون الربح بينهما شائعًا كالنصف والثلث لَا سهما معينا يقطع الشركة كمائة درهم أو مع النصف عشرة. (البحر الرائق ج:۷ ص:۲۶۳، كتاب المضاربة).

(۲) ومن شرطها أن يكون الربح بينهما مشاعًا لَا يستحق أحدهما منه دراهم مسماة لأن شرط ذٰلك يقطع الشركة .... قال في شرحه إذا دفع إلى رجل مالًا مضاربة على أن ما رزق الله فللمضارب مأة درهم فالمضاربة فاسدة. (الجوهرة ص:۲۹۲، كتاب المضاربة).

(۳) إذا دفع الرجل إلى غيره ألف درهم مضاربة على أن للمضارب نصف الربح أو ثلثه ولم يتعرض لحاب ربّ المال، فالمضاربة جائزة، وللمضارب ما شرط له والباقي لربّ المال .... وهٰكذا لو قال ربّ المال للمضارب على رزق الله تعالى من الربح بيننا جاز ويكون الربح بينهما على السواء. (عالمگيری ج:۴ ص:۲۸۸، كتاب المضاربة).

پیسہ لگانے والے کے لئے نفع کا حصہ مقرّر کرنا جائز ہے

سوال:... میرے ایک دوست نے ایک شخص کو کاروبار کے لئے روپے دیئے ہیں، اس روپے سے جس قدر راس کو منافع ملتا ہے اس میں سے وہ چوتھا حصہ میرے دوست کو ہر ماہ دیتا ہے۔ میں آپ سے یہ پوچھنا چاہتا ہوں کہ یہ نفع میرے دوست کے لئے جائز ہے کہ نہیں؟ جبکہ اس نے صرف سرمایہ لگایا ہے اور اس کام کے سلسلے میں کوئی محنت نہیں کرتا ہے۔

جواب:... اگر وہ شخص اس روپے سے کوئی جائز کاروبار کرتا ہے، تو آپ کے دوست کے لئے منافع جائز ہے۔[1]

شراکت کے لئے لی ہوئی رقم اگر ضائع ہوجائے تو کیا کرے؟

سوال:... عرض یہ ہے کہ میں نے کچھ رقم بیوپار کے لئے کسی آدمی سے لی تھی، اس آدمی کو چوتھا حصہ (منافع) دیتا تھا، اور تین حصے خود رکھتا تھا، ایک دن کیا ہوا کہ وہ رقم (منافع کی نہیں) اصل میری بیوی کے ہاتھوں جل گئی۔ اب آپ سے التماس ہے کہ بتائیں کیا اس آدمی کو کل رقم اصل ہی لوٹاؤں یا اس رقم پر منافع کا چوتھا حصہ بھی لوٹاؤں؟ جو میں اسے ہر ماہ دیا کرتا تھا، برائے مہربانی اس سوال کا جواب عنایت فرمائیں۔

جواب:... آپ کما کر پہلے اس کی اصل رقم پوری کردیں، جب اصل رقم پوری ہوجائے اور منافع بچنے لگے تو منافع کو طے شدہ شرح کے مطابق تقسیم کریں۔[2]

---

(۱) إذا دفع الرجل إلى غيره ألف درهم مضاربة على أن للمضارب نصف الربح أو ثلثه ولم يتعرض لحاجب ربّ المال، فالمضاربة جائزة، وللمضارب ما شرط له والباقي لربّ المال ... إلخ۔ (عالمگیری ج:۴ ص:۲۸۸، كتاب المضاربة)۔

(۲) وما هلك من مال المضاربة فهو من الربح دون رأس المال لأن الربح تابع وصرف الهلاك إلى ما هو التابع أولى فإن زاد الهالك على الربح فلا ضمان على المضارب لأنه أمين وإن كان يقتسمان الربح والمضاربة بمالها ثم هلك المال بعضه أو كله ترادّ الربح حتّٰى يستوفي ربّ المال رأس المال وإذا استوفى رأس المال فإن فضل شيء كان بينهما لأنه ربح وإن نقص فلا ضمان على المضارب۔ (هداية ج:۳ ص:۲۶۶، كتاب المضاربة، ودرمختار ج:۵ ص:۶۵۶، كتاب المضاربة)۔

مکان، زمین، دُکان اور دُوسری چیزیں کرایہ پر دینا

زمین بٹائی پر دینا جائز ہے

سوال:... زمین داری یا بٹائی پر زمین کے خلاف اب تک جو شرعی دلائل سامنے آئے ہیں ان میں ایک دلیل یہ ہے کہ چونکہ یہ معاملہ سود سے ملتا جلتا ہے، جس طرح سودی کاروبار میں رقم دینے والا فریق بغیر کسی محنت کے متعین حصے کا حق دار رہتا ہے، اور نقصان میں شریک نہیں ہوتا، اسی طرح کاشت کے لئے زمین دینے والا جسمانی محنت کے بغیر متعین حصے (آدھا، تہائی) کا حق دار بنتا ہے اور نقصان سے اس کا کوئی سروکار نہیں ہوتا۔ اسی طرح یہ معاملہ "سود" کے ضمن میں آجاتا ہے۔ کاشتکاری میں مالک کی زمین بالکل محفوظ ہوتی ہے، پھر وہ جب چاہے کاشت کار سے زمین لے سکتا ہے۔ زمین میں کاشت کی وجہ سے زمین کی قیمت، زرخیزی اور صلاحیت میں کوئی کمی واقع نہیں ہوتی، جس قباحت کی وجہ سے سود ناجائز ہے، یہی قباحت بٹائی میں بھی موجود ہے۔ مندرجہ بالا دلیل میرے خیال میں مکان کرائے پر دینے پر بھی صادق آتی ہے، کیونکہ مالکِ مکان بغیر کسی محنت کے متعین کرایہ وصول کرتا ہے اور ملکیت بھی محفوظ رہتی ہے۔

جواب:... زمین کو ٹھیکے پر دینا اور مکان کا کرایہ لینا تو سب ائمہ کے نزدیک جائز ہے،[1] زمین بٹائی پر دینے میں اختلاف ہے، مگر فتویٰ اسی پر ہے کہ بٹائی جائز ہے، اس کو "سود" پر قیاس کرنا غلط ہے، البتہ "مضاربت" پر قیاس کرنا صحیح ہے،[2] اور مضاربت جائز ہے۔[3]

(۱) تصح إجارة حانوت أی دكان ودار .... وتصح إجارة أرض للزراعة مع بيان ما يزرع فيها ...إلخ. (درمختار ج:۶ ص:۲۷ تا ۲۹، باب ما يجوز من الإجارة وما يكون خلافًا فيها. (أيضًا هداية ج:۳ ص:۲۹۷، باب ما يجوز من الإجارة وما يكون خلافًا فيها، عالمگيری ج:۴ ص:۴۳۹، كتاب الإجارة، الباب الخامس عشر).

(۲) هی عقد علی الزرع ببعض الخارج .... ولَا تصح عند الإمام لأنها كقفيز الطحان وعندهما تصح وبه يفتی للحاجة، وقياسًا علی المضاربة ...إلخ. (درمختار ج:۶ ص:۲۷۴، ۲۷۵، كتاب المزارعة، عالمگيری ج:۵ ص:۲۳۵).

(۳) فالقياس انه لَا يجوز لأنه إستئجار بأجر مجهول بل بأجر معدوم وبعمل مجهول لكنا تركنا القياس بالكتاب والسُّنّة والإجماع، أما الكتاب الكريم فقوله عز شأنه وآخرون يضربون في الأرض يبتغون من فضل الله والمضارب يضرب في الأرض يبتغي من فضل الله عزّ وجلّ. وأما السُّنّة فما روی عن ابن عباس رضی الله عنهما انه قال: كان سيّدنا عباس بن عبدالمطلب إذا دفع المال مضاربة اشترط علٰی صاحبه أن لَا يسلک به بحرًا ولَا ينزل به واديًا ولَا يشتری به دابة ذات كبد رطبة، فإن فعل ذلک ضمن، فبلغ شرطه رسول الله صلی الله عليه وسلم فأجاز شرطه. وأما الإجماع فإنه روی عن جماعة من الصحابة رضی الله عنهم أنهم دفعوا مال اليتيم مضاربة منهم سيّدنا عمر وسيّدنا عثمان وسيّدنا علی .... وسيّدتنا عائشة وغيرهم رضی الله عنهم أجمعين. (بدائع صنائع ج:۶ ص:۷۹، كتاب المضاربة، طبع ايچ ايم سعيد كراچی).

مزارعت جائز ہے

سوال:... اسلام میں مزارعت جائز ہے یا ناجائز ہے؟ ترمذی، ابنِ ماجہ، نسائی، ابوداؤد، مسلم اور بخاری کی بہت ساری احادیث سے پتا چلتا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مزارعت کو سودی کاروبار قرار دیا ہے، مثلاً: رافع بن خدیج کے صاحبزادے اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم کو ایک ایسے کام سے روک دیا ہے جو ہمارے لئے فائدہ مند تھا، مگر اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت ہمارے لئے زیادہ فائدہ مند ہے (ابوداؤد)۔

ایک دفعہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا گزر ایک کھیت کے پاس سے ہوا، آپ نے پوچھا: یہ کس کی کھیتی ہے؟ عرض کیا: میری کھیتی ہے، تخم اور عمل میرا ہے اور زمین دُوسرے مالک کی۔ اس پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم نے سودی معاملہ طے کیا ہے (ابوداؤد)۔

جواب:... شریعت میں مزارعت جائز ہے۔ احادیثِ مبارکہ میں اور صحابہ کرامؓ کے عمل سے اس کا جواز ثابت ہے۔[1] جن احادیث کا آپ نے حوالہ دیا ہے وہ ایسی مزارعت پر محمول ہیں جن میں غلط شرائط لگادی گئی ہوں۔

نوٹ:... بٹائی یا مزارعت سے متعلق تمام مشہور احادیث کی تفسیر اگلے سوال کے جواب میں ملاحظہ فرمائی جائے۔

بٹائی کے متعلق حدیثِ مخابرہ کی تحقیق

سوال:... کیا حدیثِ مخابرہ میں بٹائی کی ممانعت آئی ہے؟ جیسا کہ ''بینات'' کے ایک مضمون سے واضح ہوتا ہے۔

جواب:... ''بینات'' بابت ذی الحجہ ۱۳۸۹ھ (فروری ۱۹۷۰ء) میں محترم مولانا محمد طاسین صاحب زید مجدہم نے ''ربا'' کے بہتّر اَبواب پر بحث کرتے ہوئے لکھا ہے:

> ''اسی طرح مزارعت کو بھی ایک حدیث میں ربا سے تعبیر کیا گیا ہے، اور دُوسری حدیث میں اس کو نہ چھوڑنے والوں کو ویسی ہی دھمکی دی گئی ہے جو قرآن میں ''ربا'' سے باز نہ آنے والوں کو دی گئی ہے:
>
> ''عن رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ أنہ زرع أرضًا فمرّ بہ النبی صلی اللہ علیہ وسلم وھو یسقیھا فسألہ: لمن الزرع؟ ولمن الأرض؟ فقال: زرعی وبذری وعملی لی الشطر

---

(۱) قال أبو جعفر: وما جاز أن تستأجر بہ الدور وغیرھا من دراھم أو دنانیر أو مکیل أو غیرہ، جاز إستئجار الأرض بہ للزرع وذٰلک لقول النبی صلی اللہ علیہ وسلم: "من استأجر أجیرًا فلیعلمہ أجرہ" یقتضی عمومہ جواز الإجارۃ بأجر معلوم فی الأرضین وغیرھا، ویدل علیہ أیضًا: قولہ علیہ الصلاۃ والسلام: أعط الأجیر أجرہ قبل أن یجفّ عرَقُہ۔ وقال سعد ابن أبی وقاص. کنا نکری الأرض علی عھد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بما علی السواقی من الزرع، وبما صعد بالماء عنھا، فنھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عن ذالک، ورَخّص لنا أن نکریھا بالذھب والورق، واذا جازت إجارتھا بالذھب والورق، جازت بسائر الأشیاء المعلومۃ، لأن أحدًا لم یفرق بینھما، وخصّ الذھب والورق بالذکر من بین سائر ما تستأجر بہ الأرضون، لأنھما أثمان المبیعات، وما یجری علیہ التعامل من الأموال۔ (شرح مختصر الطحاوی ج:۳ ص.۴۱۳، ۴۱۲، ۴۱۴، کتاب المزارعۃ، طبع دار البشائر الإسلامیۃ، أیضًا: در مختار ج:۶ ص:۲۷۵، کتاب المزارعۃ، طبع سعید)۔

ولبنی فلان الشطر۔ فقال: أربیتما، فرد الأرض علٰی أھلھا وخذ نفقتک۔"

(ابوداؤد ج:۲ ص:۱۲۷، طبع ایچ ایم سعید)

ترجمہ:... "حضرت رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے ایک کھیتی کاشت کی، وہاں سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا گزر ہوا، جبکہ وہ اس کو پانی دے رہے تھے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا کہ: یہ کس کی کھیتی ہے اور کس کی زمین ہے؟ میں نے جواب دیا: کھیتی میرے بیج اور عمل کا نتیجہ ہے، اور آدھی پیداوار میری اور آدھی بنی فلاں کی ہوگی۔ اس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم نے ربا اور سود کا معاملہ کیا، زمین اس کے مالکوں کو واپس کردو اور اپنا خرچ ان سے لے لو۔"

"عن جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ قال: سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول: من لم یذر المخابرۃ فلیؤذن بحرب من اللہ ورسولہ۔"

(ابوداؤد ج:۲ ص:۱۲۷، طبع ایچ ایم سعید)

ترجمہ:... "حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ: جو شخص "مخابرہ" کو نہ چھوڑے، اس کو اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے اعلانِ جنگ ہے۔"

یہ دونوں روایتیں چونکہ مولانا محترم کے مضمون میں محض برسبیل تذکرہ آگئی ہیں، اس لئے ان کے مالہ وماعلیہ سے بحث نہیں کی گئی۔ اس سے عام آدمی کو یہ غلط فہمی ہوسکتی ہے کہ اسلام میں "مزارعت"[1] مطلقاً "ربا" کا حکم رکھتی ہے، اور جو لوگ یہ معاملہ کرتے ہیں ان کے خلاف خدا اور رسول کی جانب سے اعلانِ جنگ ہے۔ لیکن اہلِ علم کو معلوم ہے کہ "مزارعت" اسلام میں مطلقاً ممنوع نہیں۔

مولانا کی تحریر کی وضاحت کے لئے تو اتنا اجمال بھی کافی ہے کہ مزارعت کی بعض صورتیں ناجائز ہیں، ان احادیث میں ان ہی سے ممانعت فرمائی گئی ہے، اور ان پر "ربا" (سود) کا اطلاق کیا گیا ہے۔ مولانا موصوف اس اطلاق کی توجیہ کرنا چاہتے ہیں کہ: "ربا" کی مختلف قسمیں ہیں، جن میں قباحت وبُرائی کے اعتبار سے فرق وتفاوت ہے۔ احادیث میں بعض ایسے معاشی معاملات کو جن میں "ربا" سے ایک گونہ مشابہت ومماثلت پائی جاتی تھی "ربا" سے تعبیر کیا گیا ہے، اسی طرح مزارعت (کی ناجائز صورتوں) کو بھی "ربا" سے تعبیر کیا گیا ہے۔ لیکن بعض ملاحدہ نے ان کو غلط محمل پر محمول کیا ہے، اس بنا پر ضروری ہوا کہ اس اجمال کی تفصیل بیان کی جائے اور ان روایتوں کا صحیح محمل بیان کیا جائے۔

ایک شخص جو اپنی زمین خود کاشت نہیں کرسکتا، یا نہیں کرتا، وہ اسے کاشت کے لئے کسی دُوسرے کے حوالے کردیتا ہے، اس

---

(۱) عربی میں "مزارعت" اور "مخابرۃ" ہم معنی ہیں، بعض حضرات نے یہ فرق کیا ہے کہ بیج زمین کے مالک کی جانب سے ہو تو "مزارعت" ہے، اور اگر بیج کسان کی جانب سے ہو تو یہ "مخابرۃ" ہے۔ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ لکھتے ہیں: "والمزارعۃ أن تکون الأرض والبذر لواحد، والعمل والبقر من الآخر، والمخابرۃ أن تکون الأرض لواحد، والبذر والبقر والعمل من الآخر، ونوع آخر أن یکون العمل من أحدھما والباقی من الآخر" (حجۃ اللہ البالغۃ ج:۲ ص:۱۱۷)۔

کی کئی صورتیں ہوسکتی ہیں:

اوّل:... یہ کہ وہ اسے ٹھیکے پر اُٹھادے اور اس کا معاوضہ زَرِ نقد کی صورت میں وصول کرے۔ اسے عربی میں "کراء الأرض" کہا جاتا ہے، فقہاء اسے اِجارات کے ذیل میں لاتے ہیں اور یہ صورت بالاتفاق جائز ہے۔ (۱)

دوم:... یہ کہ مالک، زَرِ نقد وصول نہ کرے، بلکہ پیداوار کا حصہ مقرّر کرلے، اس کی پھر دو صورتیں ہیں:

۱:... یہ کہ زمین کے کسی خاص قطعے کی پیداوار اپنے لئے مخصوص کرلے، یہ صورت بالاتفاق ناجائز ہے، (۲) اور احادیثِ مخابرہ میں اسی صورت کی ممانعت ہے، جیسا کہ آئندہ معلوم ہوگا۔

۲:... یہ کہ زمین کے کسی خاص قطعے کی پیداوار اپنے لئے مخصوص نہ کرے، بلکہ یہ طے کیا جائے کہ کل پیداوار کا اتنا حصہ مالک کو ملے گا اور اتنا حصہ کاشتکار کو (مثلاً: نصف، نصف)۔

یہ صورت مخصوص شرائط کے ساتھ جمہور صحابہؓ و تابعینؒ کے نزدیک جائز اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفائے راشدینؓ کے عمل سے ثابت ہے، چنانچہ:

"عن ابن عمر رضی الله عنهما قال: عامل النبی صلی الله علیه وسلم خیبر بشطر ما یخرج منها من ثمر أو زرع." (صحیح بخاری ج:۱ ص:۳۱۳، صحیح مسلم ج:۲ ص:۱۴، جامع ترمذی ص:۱۶۶، ابوداؤد ص:۴۸۳، ابنِ ماجہ ص:۱۷۷، طحاوی ج:۲ ص:۲۸۸)

الف:... "حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اہلِ خیبر سے یہ معاملہ طے کیا تھا کہ زمین (وہ کاشت کریں گے اور اس) سے جو پھل یا غلہ حاصل ہوگا اس کا نصف ہم لیا کریں گے۔"

"عن ابن عباس رضی الله عنهما قال: أعطی رسول الله صلی الله علیه وسلم خیبر بالشطر ثم أرسل ابن رواحة فقاسمهم." (طحاوی ج:۲ ص:۲۸۸، ابوداؤد ص:۴۸۴)

ب:... "حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خیبر کی زمین نصف پیداوار پر اُٹھادی تھی، پھر عبداللہ بن رواحہؓ کو بٹائی کے لئے بھیجا کرتے تھے۔"

ج:... "حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ خیبر کی زمین اللہ تعالیٰ نے "فیٔ" کے طور پر دی تھی...... آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان (یہودِ خیبر) کو حسبِ سابق بحال رکھا اور پیداوار اپنے لئے اور ان

---

(۱) قال محمد رحمه الله تعالی فی الجامع الصغیر من استأجر أرضًا بدراهم علی أن یکریها أو یزرعها أو یسقیها أو یزرعها فهو جائز۔ (عالمگیری ج:۴ ص:۴۴۳، کتاب الإجارة، الباب الخامس عشر)۔ وهکذا قال فإن إجارة الأراضی جائز۔ (عالمگیری ج:۴ ص:۴۴۳، درمختار ج:۶ ص:۲۹، کتاب الإجارة، أیضًا: هدایة ج:۳ ص:۲۹۵)۔

(۲) وقال لو شرطا ان ما یخرج فی هذه الناحیة لأحدهما والباقی للآخر لَا یجوز کذا فی فتاویٰ قاضیخان۔ (عالمگیری ج:۵ ص:۲۲۲، کتاب المزارعة، الباب الثالث فی شروط المزارعة)۔

کے لئے نصف رکھی، اور عبداللہ بن رواحہؓ کو اس کی تقسیم پر مامور فرمایا تھا۔"(۱)

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں حضرت ابوبکر، حضرت عمر، حضرت عثمان، حضرت علی، عبداللہ بن مسعود، معاذ بن جبل، حذیفہ بن یمان، سعد بن ابی وقاص، ابنِ عمر، ابنِ عباس جیسے اکابر صحابہ (رضی اللہ عنہم) سے مزارعت کا معاملہ ثابت ہے۔ بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے آخری دور تک مزارعت پر کبھی کسی نے اعتراض نہیں کیا تھا۔

چنانچہ صحیح مسلم میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کا ارشاد مروی ہے:

"كنا لا نرى بالخبر بأسًا حتّٰى كان عام أول فزعم رافع أن نبى الله صلى الله عليه وسلم نفى عنه۔" (صحیح مسلم ج:۲ ص:۱۲)

ترجمہ:... "ہم مزارعت میں کوئی مضائقہ نہیں سمجھتے تھے، اب یہ پہلا سال ہے کہ رافع کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع فرمایا ہے۔"

ایک اور روایت میں ہے:

"كان ابن عمر رضى الله عنهما يكرى مزارعه علٰى عهد النبى صلى الله عليه وسلم، وأبى بكر، وعمر، وعثمان، وصدرًا من امارة معاوية ثم حدّث عن رافع بن خديج أن النبى صلى الله عليه وسلم نهى عن كراء المزارع۔" (صحیح بخاری ج:۱ ص:۳۱۵)

ترجمہ:... "حضرت ابنِ عمر رضی اللہ عنہما اپنی زمین کرائے (بٹائی) پر دیا کرتے تھے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم، حضرت ابوبکر، حضرت عمر اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہم کے زمانے میں، اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے ابتدائی دور میں۔ پھر انہیں رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ کی روایت سے یہ بتایا گیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے زمین کو کرایہ پر اُٹھانے سے منع کیا ہے۔"

ایک اور روایت میں ہے:

"عن طاؤس عن معاذ بن جبل: أكرى الأرض علٰى عهد رسول الله صلى الله عليه وسلم وأبى بكر وعمر وعثمان على الثلث والربع فهو يعمل به الٰى يومك هذا۔"

(ابنِ ماجہ ص:۱۷۷)

ترجمہ:... "حضرت طاؤسؒ سے روایت ہے کہ معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم، حضرت ابوبکر، حضرت عمر اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہم کے عہد تک میں زمین بٹائی پر دی تھی، پس آج تک اسی پر عمل ہو رہا ہے۔"

---

(۱) عن جابر رضى الله عنه قال: أفاء الله خيبر فاقرهم رسول الله صلى الله عليه وسلم كما كانوا وجعلها بينه وبينهم فبعث ابن رواحة فخرصها عليهم۔ (شرح معانى الآثار ج:۲ ص:۲۳۸، كتاب المزارعة والمساقاة)۔

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کا یہ واقعہ یمن سے متعلق ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں قاضی کی حیثیت سے یمن بھیجا تھا۔ وہاں کے لوگ مزارعت کا معاملہ کرتے تھے، حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے، جن کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ''حلال و حرام کا سب سے بڑا عالم''[1] فرمایا تھا، اس سے منع نہیں فرمایا بلکہ خود بھی مزارعت کا معاملہ کیا۔ حضرت طاؤسؒ یہ کہنا چاہتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے فرستادہ (حضرت معاذ بن جبلؓ) نے یمن کی اراضی میں جو طریقہ جاری کیا تھا، آج تک اسی پر عمل ہے۔

اس باب کی تمام روایات و آثار کا استیعاب مقصود نہیں، نہ یہ ممکن ہے، بلکہ صرف یہ دیکھنا ہے کہ دورِ نبوت اور خلافتِ راشدہ کے دور میں اکابر صحابہؓ کا اس پر عمل تھا اور مزارعت کے عدمِ جواز کا سوال کم از کم اس دور میں نہیں اُٹھا تھا، جس سے صاف واضح ہوتا ہے کہ اسلام میں مزارعت کی اجازت ہے اور احادیثِ ''مخابرہ'' میں جس مزارعت سے ممانعت فرمائی گئی ہے اس سے مزارعت کی وہ شکلیں مراد ہیں جو دورِ جاہلیت سے چلی آتی تھیں۔

بعض دفعہ ایک بات کسی خاص موقع پر مخصوص انداز اور خاص سیاق میں کہی جاتی ہے، جو لوگ اس موقع پر حاضر ہوں اور جن کے سامنے وہ پورا واقعہ ہو، جس میں وہ بات کہی گئی تھی، انہیں اس کے مفہوم کے سمجھنے میں دِقت پیش نہیں آئے گی، مگر وہی بات جب کسی ایسے شخص سے بیان کی جائے جس کے سامنے نہ وہ واقعہ ہوا ہے جس میں یہ بات کہی گئی تھی، نہ وہ متکلم کے اندازِ تخاطب کو جانتا ہے، نہ اس کے لب و لہجے سے واقف ہے، نہ کلام کے سیاق کی اسے خبر ہے، اگر وہ اس کلام کے صحیح مفہوم کو نہ سمجھ پائے تو محلِ تعجب نہیں: ''شنیدہ کے بود مانند دیدہ'' یہی وجہ ہے کہ آیات کے اسبابِ نزول کو علمِ تفسیر کا اہم شعبہ قرار دیا گیا ہے، حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے:

''والذی لا الٰہ غیرہ! ما نزلت من اٰیۃ من کتاب اللہ إلّا وأنا أعلم فیمن نزل وأین نزلت، ولو أعلم مکان أحد أعلم بکتاب اللہ منی تنالہ المطایا لأتیتہ۔''

(الإتقان ص:۱۸۷، النوع الثمانون)

ترجمہ:... ''اس ذات کی قسم جس کے سوا کوئی معبود نہیں! کتاب اللہ کی کوئی آیت ایسی نہیں جس کے بارے میں مجھے یہ معلوم نہ ہو کہ وہ کس کے حق میں نازل ہوئی اور کہاں نازل ہوئی۔ اور اگر مجھے کسی ایسے شخص کا علم ہوتا جو مجھ سے بڑھ کر کتاب اللہ کا عالم ہو اور وہاں سواری جاسکتی تو میں اس کی خدمت میں ضرور حاضر ہوتا۔''

اسی قسم کا ایک ارشاد حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا بھی نقل کیا گیا ہے، وہ فرمایا کرتے تھے:

''واللہ! ما نزلت اٰیۃ إلّا وقد علمت فیم أنزلت وأین أنزلت ان ربی وھب لی قلبًا عقولًا ولسانًا سؤلًا۔'' (الإتقان ص:۱۸۷، النوع الثمانون)

---

(۱) عن أنس عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال: أرحم أمتی بأمتی أبوبکر، وأشدھم فی أمر اللہ عمر، وأصدقھم حیاءً عثمان ... وأعلم بالحلال والحرام معاذ بن جبل ... إلخ۔ (مشکوٰۃ ص:۵۶۶ باب مناقب العشرۃ رضی اللہ عنھم، الفصل الثانی، طبع قدیمی کتب خانہ کراچی)۔

ترجمہ:... ”بخدا! جو آیت بھی نازل ہوئی، مجھے معلوم ہے کہ کس واقعہ کے بارے میں نازل ہوئی اور کہاں نازل ہوئی۔ میرے رَبّ نے مجھے بہت سمجھنے والا دِل، اور بہت پوچھنے والی زبان عطا کی ہے۔“

اور یہی وجہ ہے کہ حق تعالیٰ نے: ”اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ“ (الحجر:۹) کا وعدہ پورا کرنے کے لئے جہاں قرآن مجید کے ایک ایک شوشے کو محفوظ رکھا، وہاں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی عملی زندگی کے ایک ایک گوشے کی بھی حفاظت فرمائی، ورنہ خدا جانے ہم قرآن پڑھ پڑھ کر کیا کیا نظریات تراشا کرتے...! اور یہی وجہ ہے کہ تمام ائمہ مجتہدینؒ کے ہاں یہ اُصول تسلیم کیا گیا کہ کتاب اللہ اور سنتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ٹھیک مفہوم سمجھنے کے لئے یہ دیکھنا ہوگا کہ اکابر صحابہؓ نے اس پر کیسے عمل کیا اور خلافتِ راشدہ کے دور میں اس کے کیا معنی سمجھے گئے۔

یہ اکابر صحابہؓ جو مزارعت کا معاملہ کرتے تھے، مزارعت کی ممانعت ان کے لئے صرف شنیدہ نہیں تھی، دیدہ تھی۔ وہ یہ جانتے تھے کہ مزارعت کی کون سی قسمیں زمانۂ جاہلیت سے رائج تھیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو ممنوع قرار دیا۔ اور مزارعت کی کون سی صورتیں باہمی شقاق و جدال کی باعث ہوسکتی تھیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی اصلاح فرمائی۔ مزارعت کی جائز و ناجائز صورتوں کو وہ گویا اسی طرح جانتے تھے جس طرح وضو کے فرائض و سنن سے واقف تھے۔ ان میں ایک فرد بھی ایسا نہیں تھا جو مزارعت کے کسی ناجائز معاملے پر عمل پیرا ہو، ظاہر ہے کہ اس صورت میں کسی نکیر کا سوال کب ہوسکتا تھا؟ یہ صورتِ حال حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے ابتدائی دور تک قائم رہی۔ مزارعت کے جواز و عدمِ جواز کا مسئلہ پوری طرح بدیہی اور روشن تھا، اور اس نے کوئی غیرمعمولی نوعیت اختیار نہیں کی تھی۔ روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ خلافتِ راشدہ کے بعد کچھ حالات ایسے پیش آئے جن سے یہ مسئلہ بدیہی کے بجائے نظری بن گیا، اور بحث و تمحیص کی ایک صورت پیدا ہوگئی۔ غالباً بعض لوگوں نے مسئلہ مزارعت کی نزاکتوں کو پوری طرح ملحوظ نہ رکھا اور مزارعت کی بعض ایسی صورتیں وقوع میں آنے لگیں جن سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا تھا، اس پر صحابہ کرامؓ نے نکیر فرمائی اور مزارعت سے ممانعت کی احادیث بیان فرمادیں۔

”اِنَّ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهٰى عَنِ الْمُزَارَعَةِ۔“ (مسلم ج:۲ ص:۱۴)۔

”اِنَّ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهٰى عَنِ الْمُخَابَرَةِ۔“ (مسلم ج:۲ ص:۱۱)۔

”نَهٰى رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ كِرَاءِ الْاَرْضِ۔“ (مسلم ج:۲ ص:۱۱)۔

ترجمہ:... ”آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ”مزارعت“ سے منع فرمایا ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ”مخابرت“ سے منع فرمایا ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے زمین کو کرایہ پر دینے سے منع فرمایا ہے۔“

اِدھر بعض لوگوں کو ان احادیث کا مفہوم سمجھنے میں دِقت پیش آئی، انہوں نے یہ سمجھا کہ ان احادیث کا مقصد ہر قسم کی مزارعت کی نفی کرنا ہے۔ اس طرح یہ مسئلہ بحث و نظر کا موضوع بن گیا۔

اب ہمیں یہ دیکھنا ہے کہ جو افاضل صحابہ کرامؓ اس وقت موجود تھے، انہوں نے اس نزاع کا فیصلہ کس طرح فرمایا؟

حدیث کی کتابوں میں ممانعت کی روایتیں تین صحابہؓ سے مروی ہیں: رافع بن خدیج، جابر بن عبداللہ اور ثابت بن ضحاک،

رضی اللہ عنہم۔

حضرت ثابت بن ضحاک رضی اللہ عنہ کی روایت اگرچہ نہایت مختصر اور مجمل ہے، تاہم اس میں یہ تصریح ملتی ہے کہ زمین کو زر نقد پر اُٹھانے کی ممانعت نہیں ہے۔

"ان رسول الله صلى الله عليه وسلم نهى عن المزارعة وأمر بالمؤاجرة، وقال: لَا بأس بها." (صحیح مسلم ج:۲ ص:۱۴، طحاوی ج:۲ ص:۲۱۳، میں صرف پہلا جملہ ہے)

ترجمہ:... "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مزارعت سے منع فرمایا اور زرِ نقد پر زمین دینے کا حکم فرمایا، اور فرمایا: اس کا مضائقہ نہیں۔"

حضرت جابر اور حضرت رافع رضی اللہ عنہما کی روایات میں خاصا تنوّع پایا جاتا ہے: جس سے ان کا صحیح مطلب سمجھنے میں اُلجھنیں پیدا ہوئی ہیں، تاہم مجموعی طور پر دیکھئے تو ان کی کئی قسمیں ہیں، اور ہر قسم کا الگ الگ محل ہے۔

حضرت رافع رضی اللہ عنہ کی روایات کے بارے میں یہاں "خاصے تنوّع" کا جو لفظ استعمال ہوا ہے، حضرات محدثین اسے "اِضطراب" سے تعبیر کرتے ہیں۔

اِمام ترمذی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"حديث رافع حديث فيه اضطراب، يروى هذا الحديث عن رافع بن خديج عن عمومته، ويروى عنه عن ظهير بن رافع، وهو أحد عمومته، وقد روى هذا الحديث عنه على روايات مختلفة." (جامع ترمذی ج:۱ ص:۱۶۶)

اِمام طحاوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"وأما حديث رافع بن خديج رضي الله عنه فقد جاء بألفاظ مختلفة اضطرب من أجلها." (شرح معانی الآثار ج:۲ ص:۲۸۵، کتاب المزرعۃ والمساقاۃ)

شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"وقد اختلف الرواة في حديث رافع بن خديج اختلافًا فاحشًا."

(حجۃ اللہ البالغہ ج:۲ ص:۱۱۷)

اوّل:... بعض روایات میں ممانعت کا مصداق مزارعت کا وہ جاہلی تصوّر ہے جس میں یہ طے کرلیا جاتا تھا کہ زمین کے فلاں عمدہ اور زرخیز ٹکڑے کی پیداوار مالک کی ہوگی اور فلاں حصے کی پیداوار کاشتکار کی ہوگی، اس میں چند در چند قباحتیں جمع ہوگئی تھیں۔

اوّلاً:... معاشی معاملات باہمی تعاون کے اُصول پر طے ہونے چاہئیں، اس کے برعکس یہ معاملہ سراسر ظلم و استحصال اور ایک فریق کی صریح حق تلفی پر مبنی تھا۔

ثانیاً:... یہ شرط فاسد اور مقتضائے عقد کے خلاف تھی، کیونکہ جب کسان کی محنت تمام پیداوار میں یکساں صرف ہوئی ہے تو

لازم ہے کہ اس کا حصہ تمام پیداوار میں سے دیا جائے۔

ثالثاً:... یہ قمار کی ایک شکل تھی، آخر اس کی کیا ضمانت ہے کہ مالک یا کسان کے لئے جو قطعہ مخصوص کردیا گیا ہے، وہ بارآور بھی ہوگا؟

رابعاً:... اس قسم کی غلط شرطوں کا نتیجہ عموماً نزاع وجدال کی شکل میں برآمد ہوتا ہے، ایسے جاہلی معاملے کو برداشت کرلینے کے معنی یہ تھے کہ اسلامی معاشرے کو ہمیشہ کے لئے جدال وقتال کی آماج گاہ بنادیا جائے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ طیبہ تشریف لائے تو ان کے ہاں اکثر وبیشتر مزارعت کی یہی غلط صورت رائج تھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی اصلاح فرمائی، غلط معاملے سے منع فرمایا اور مزارعت کی صحیح صورت پر عمل کرکے دِکھایا۔ مندرجہ ذیل روایات اس پر روشنی ڈالتی ہیں:

"عن رافع بن خديج حدّثني عمّاي أنهم كانوا يكرُون الأرض على عهد رسول الله صلى الله عليه وسلم بما ينبُت على الأربعاء أو بشيء يستثنيه صاحب الأرض فنهانا النبي صلى الله عليه وسلم عن ذلك، فقلت لرافع: فكيف هي بالدينار والدراهم؟ فقال رافع: ليس بها بأسٌ بالدينار والدراهم، وكأنّ الذي نُهي عن ذلك ما لو نظر فيه ذوُو الفهم بالحلال والحرام لم يجيزوه لما فيه من المخاطرة۔" (صحیح بخاری ج:۱ ص:۳۱۵)

الف:... "رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: میرے چچا بیان کرتے تھے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں لوگ زمین مزارعت پر دیتے تو یہ شرط کرلیتے کہ نہر کے متصل کی پیداوار ہماری ہوگی، یا کوئی اور استثنائی شرط کرلیتے (مثلاً: اتنا غلہ ہم پہلے وصول کریں گے، پھر بٹائی ہوگی)، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع فرمایا۔ (راوی کہتے ہیں) میں نے حضرت رافعؓ سے کہا: اگر زرِ نقد کے عوض زمین دی جائے اس کا کیا حکم ہوگا؟ رافعؓ نے کہا: اس کا مضائقہ نہیں! لیثؒ کہتے ہیں: مزارعت کی جس شکل کی ممانعت فرمائی گئی تھی، اگر حلال وحرام کے فہم رکھنے والے غور کریں تو بھی اسے جائز نہیں کہہ سکتے ہیں، کیونکہ اس میں معاوضہ ملنے نہ ملنے کا اندیشہ (مخاطرہ) تھا۔"

"حدثني حنظلة بن قيس الأنصاري قال: سألت رافع بن خديج عن كراء الأرض بالذهب والورق، فقال: لَا بأس به، انما كان الناس يؤاجرون على عهد رسول الله صلى الله عليه وسلم على الماذيانات واقبال الجداول وأشياء من الزرع فيهلك هذا ويسلم هذا ويسلم هذا ويهلك هذا فلم يكن للناس كراء إلّا هذا فلذٰلك زجر عنه، وأما شيء معلوم مضمون فلا بأس به۔" (صحیح مسلم ج:۲ ص:۱۳)

ب:... "حنظلہ بن قیس کہتے ہیں: میں نے حضرت رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ سے دریافت کیا کہ:

سونے چاندی (زَرِنقد) کے عوض زمین ٹھیکے پر دی جائے، اس کا کیا حکم ہے؟ فرمایا: کوئی مضائقہ نہیں! دراصل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں لوگ جو مزارعت کرتے تھے (اور جس سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا تھا) اس کی صورت یہ ہوتی تھی کہ زمین دار، زمین کے ان قطعات کو جو نہر کے کناروں اور نالیوں کے سروں پر ہوتے تھے، اپنے لئے مخصوص کرلیتے تھے، اور پیداوار کا کچھ حصہ بھی طے کرلیتے، بسا اوقات اس قطعے کی پیداوار ضائع ہوجاتی اور اس کی محفوظ رہتی، کبھی برعکس ہوجاتا۔ اس زمانے میں لوگوں کی مزارعت کا بس یہی ایک دستور تھا، اس بنا پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے سختی سے منع کیا، لیکن اگر کسی معلوم اور قابلِ ضمانت چیز کے بدلے میں زمین دی جائے تو اس کا مضائقہ نہیں۔"

اس روایت میں حضرت رافع رضی اللہ عنہ کا یہ جملہ خاص طور پر توجہ طلب ہے:

"فلم یکن للناس کراء إلّا هذا."

ترجمہ:... "لوگوں کی مزارعت کا بس یہی ایک دستور تھا۔"

اور ان کی بعض روایات میں یہ بھی آتا ہے:

ترجمہ:... "ان دنوں سونا چاندی نہیں تھے۔"

اس کا مطلب... واللہ اعلم... یہی ہوسکتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب مدینہ طیبہ تشریف لائے، ان دنوں زمین ٹھیکے پر دینے کا رواج تو قریب قریب عدم کے برابر تھا، مزارعت کی عام صورت بٹائی کی تھی، لیکن اس میں جاہلی قیود و شرائط کی آمیزش تھی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نفسِ مزارعت کو نہیں بلکہ مزارعت کی اس جاہلی شکل کو ممنوع قرار دیا اور مزارعت کی صحیح صورت معین فرمائی۔ یہ صورت وہی تھی جس پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اہلِ خیبر سے معاملہ فرمایا، اور جس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں اور آپ کے بعد اکابر صحابہؓ نے عمل کیا۔

"جابر بن عبدالله رضی الله عنه یقول: کنا فی زمن رسول الله صلی الله علیه وسلم نأخذ الأرض بالثلث أو الربع بالماذیانات فنهی رسول الله صلی الله علیه وسلم عن ذلک." (شرح معانی الآثار للطحاوی ج:۲ ص:۲۸۹)

ج:... "حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ہم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں زمین لیا کرتے تھے نصف پیداوار پر، تہائی پیداوار پر، اور نہر کے کناروں کی پیداوار پر، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع فرمایا تھا۔"

د:... "سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: لوگ اپنی زمین مزارعت پر دیا کرتے تھے، شرط یہ ہوتی تھی کہ جو پیداوار گول (الساقیہ) پر ہوگی اور جو کنویں کے گردوپیش پانی سے سیراب ہوگی، وہ ہم لیا کریں

گے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے نہی فرمائی، اور فرمایا: سونے چاندی پر دیا کرو۔"[1]

"عن نافع أن ابن عمر رضي الله عنه كان يكرى مزارعه على عهد النبي صلى الله عليه وسلم وأبي بكر وعمر وعثمان وصدرًا من امارة معاوية ثم حدث عن رافع بن خديج: أن النبي صلى الله عليه وسلم نهى عن كراء المزارع، فذهب ابن عمر الى رافع وذهبت معه فسأله، فقال: نهى النبي صلى الله عليه وسلم عن كراء المزارع، فقال ابن عمر: قد علمت أنا كنا نكرى مزارعنا على عهد رسول الله صلى الله عليه وسلم بما على الأربعاء شيء من التبن۔" (صحیح بخاری ج:۱ ص:۳۱۵)

ترجمہ:... "حضرت نافع کہتے ہیں: حضرت ابنِ عمر رضی اللہ عنہما اپنی زمین مزارعت پر دیا کرتے تھے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم، حضرت ابوبکر، حضرت عمر، حضرت عثمان رضی اللہ عنہم کے دور میں، اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے ابتدائی دور تک بھی۔ پھر ان سے بیان کیا گیا کہ رافع بن خدیجؓ کہتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے زمین کرائے پر دینے سے منع فرمایا ہے، حضرت ابنِ عمرؓ، حضرت رافعؓ کے پاس گئے، میں بھی ساتھ تھا، ان سے دریافت کیا، انہوں نے فرمایا: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے زمین کرائے پر دینے سے منع فرمایا ہے۔ ابنِ عمرؓ نے فرمایا: آپ کو یہ تو معلوم ہی ہے کہ ہماری مزارعت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں اس پیداوار کے عوض ہوا کرتی تھی جو نہروں پر ہوتی تھی اور کچھ گھاس کے عوض، (آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی سے منع فرمایا تھا)۔"

حضرت رافع بن خدیج، جابر بن عبداللہ، سعد بن ابی وقاص اور عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہم کی ان روایات سے یہ بات صاف ظاہر ہوتی ہے کہ مزارعت کی وہ جاہلی شکل کیا تھی جس سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا تھا۔

دوم:... نہی کی بعض روایات اس پر محمول ہیں کہ بعض اوقات زائد قیود و شرائط کی وجہ سے معاملہ کنندگان میں نزاع کی صورت پیدا ہوجاتی تھی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس موقع پر فرمایا تھا کہ اس سے تو بہتر یہ ہے کہ تم اس قسم کی مزارعت کے بجائے زرِ نقد پر زمین دیا کرو۔ چنانچہ حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کو جب یہ خبر پہنچی کہ رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ مزارعت سے منع فرماتے ہیں، تو آپؓ نے افسوس کے لہجے میں فرمایا:

"يغفر الله لرافع بن خديج، أنا والله أعلم بالحديث منه، انما رجلان -قال مسدد: من الأنصار ثم اتفقا- قد اقتتلا، فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم: ان كان هذا شأنكم فلا تكروا المزارع۔" (ابوداوٗد ص:۴۸۱ واللفظ لہ، ابنِ ماجہ ص:۱۷۷)

---

(۱) **عن سعد قال: كنا نكرى الأرض بما على السواقي من الزرع، وما سعد بالماء منها فنهانا رسول الله صلى الله عليه وسلم عن ذالك وأمرنا أن نكوبها بذهب أو فضة.** (أبو داوٗد ج:۲ ص:۱۲۵، باب في المزارعة).

ترجمہ:... "اللہ تعالیٰ رافع کی مغفرت فرمائے، بخدا! میں اس حدیث کو ان سے بہتر سمجھتا ہوں۔"

قصہ یہ تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں انصار کے دو شخص آئے ان کے مابین مزارعت پر جھگڑا تھا، اور نوبت مرنے مارنے تک پہنچ گئی تھی، (قد اقتتلا) آنحضرت صلی اللہ علیہ سلم نے فرمایا:

"ان کان ھٰذا شأنکم فلا تکروا المزارع۔"

ترجمہ:... "جب تمہاری حالت یہ ہے تو مزارعت کا معاملہ ہی نہ کرو۔"

رافعؓ نے بس اتنی بات سن لی: "تم مزارعت کا معاملہ نہ کیا کرو"۔

"عن سعد بن أبی وقاص رضی اللہ عنه قال: کان أصحاب المزارع یکرون فی زمان رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم مزارعھم بما یکون علی الساق من الزرع فجائوا رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم فاختصموا فی بعض ذٰلک، فنھاھم رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم أن یکروا بذٰلک وقال: اکروا بالذھب والفضة۔" (نسائی ج:۲ ص:۱۵۳)

ترجمہ:... "سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ زمین دار اپنی زمین اس پیداوار کے عوض جو نہروں پر ہوتی تھی، دیا کرتے تھے، وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئے اور مزارعت کے سلسلے میں جھگڑا کیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس پر مزارعت نہ کیا کرو، بلکہ سونے چاندی کے عوض دیا کرو۔"

ان دونوں روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ کسی خاص مقدمے کا فیصلہ فرماتے ہوئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دونوں فریقوں کو فہمائش کی تھی کہ وہ آئندہ "مزارعت" کے بجائے زَرِنقد پر زمین لیا دیا کریں۔

سوم:... احادیثِ نہی کا تیسرا محمل یہ تھا کہ بعض لوگوں کے پاس ضرورت سے زائد زمین تھی اور بعض ایسے محتاج اور ضرورت مند تھے کہ وہ دُوسروں کی زمین مزارعت پر لیتے، اس کے باوجود ان کی ضرورت پوری نہ ہوتی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان لوگوں کو، جن کے پاس اپنی ضرورت سے زائد اراضی تھی، ہدایت فرمائی تھی کہ وہ حسنِ معاشرت، مواسات، اسلامی اُخوّت اور بلند اخلاقی کا نمونہ پیش کریں اور اپنی زائد زمین اپنے ضرورت مند بھائیوں کے لئے وقف کردیں، اس پر انہیں اللہ کی جانب سے جو اَجر و ثواب ملے گا، وہ اس معاوضے سے یقیناً بہتر ہوگا جو اپنی زمین کا وہ حاصل کرتے تھے۔

"عن رافع بن خدیج رضی اللہ عنه قال: مر النبی صلی اللہ علیه وسلم علٰی أرض رجل من الأنصار قد عرف أنه محتاج، فقال: لمن ھٰذه الأرض؟ قال: لفلانٍ أعطانیھا بالأجر، فقال: لو منحھا أخاه۔ فأتی رافع الأنصار، فقال: ان رسول اللہ نھاکم عن أمر کان لکم نافعًا وطاعة رسول اللہ أنفع لکم۔" (نسائی ج:۲ ص:۱۵۱)

ترجمہ:... "رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ایک انصاری کی

زمین پر سے گزرے، یہ صاحب محتاجی میں مشہور تھے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا: یہ زمین کس کی ہے؟ اس نے بتایا کہ فلاں شخص کی ہے، اس نے مجھے اُجرت پر دی ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کاش! وہ اپنے بھائی کو بلاعوض دیتا۔ حضرت رافع رضی اللہ عنہ انصار کے پاس گئے، ان سے کہا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تمہیں ایک ایسی چیز سے روک دیا ہے جو تمہارے لئے نفع بخش تھی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کی تعمیل تمہارے لئے اس سے زیادہ نافع ہے۔“

”عن جابر رضی اللہ عنہ: سمعت النبی صلی اللہ علیہ وسلم یقول: من کانت لہ أرض فلیھبھا أو لیعرھا۔“ (صحیح مسلم ج:۲ ص:۱۳)

ترجمہ:... ”حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے: جس کے پاس زمین ہو، اسے چاہئے کہ وہ کسی کو ہبہ کردے یا عاریۃً دے دے۔“

”عن ابن عباس رضی اللہ عنہما: أن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال: لأن یمنح أحدکم أخاہ أرضہ خیر لہ من أن یأخذ علیھا کذا وکذا۔“ (صحیح مسلم ج:۲ ص:۱۴)

ترجمہ:... ”ابنِ عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: البتہ یہ بات کہ تم میں سے ایک شخص اپنے بھائی کو اپنی زمین کاشت کے لئے بلاعوض دے دے اس سے بہتر ہے کہ اس پر اتنا اتنا معاوضہ وصول کرے۔“

یعنی ہم نے مانا کہ زمین تمہاری ملکیت ہے، یہ بھی صحیح ہے کہ قانون کی کوئی قوت تمہیں ان کی مزارعت سے نہیں روک سکتی، لیکن کیا اسلامی اُخوّت کا تقاضا یہی ہے کہ تمہارا بھائی بھوکوں مرتا رہے، اس کے بچے سسکتے رہیں، وہ بنیادی ضرورتوں سے بھی محروم رہے، لیکن تم اپنی ضرورت سے زائد زمین جسے تم خود کاشت نہیں کرسکتے، وہ بھی اسے معاوضہ لئے بغیر دینے کے لئے تیار نہ ہو؟ کیا تم نہیں جانتے کہ مسلمان بھائی کی ضرورت پورا کرنے پر حق تعالیٰ شانہ کی جانب سے کتنا اجر وثواب ملتا ہے؟ یہ چند ٹکے جو تم زمین کے عوض قبول کرتے ہو، کیا اس اُجر وثواب کا مقابلہ کرسکتے ہیں؟

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور حضراتِ مہاجرینؓ کی مدینہ طیبہ تشریف آوری کے بعد حضراتِ انصارؓ نے ”اسلامی مہمانوں“ کی معاشی کفالت کا بارِگراں جس خندہ پیشانی سے اُٹھایا، ایثار و مروّت، ہمدردی و غم خواری اور اُخوّت و مواسات کا جو اعلیٰ نمونہ پیش کیا، ”نھی عن کراء الأرض“ کی احادیث بھی اسی سنہری معاشی کفالت کا ایک باب ہے۔

اِمام بخاری رحمہ اللہ نے ان احادیث پر یہ باب قائم کرکے اسی طرف اشارہ کیا ہے:

”باب ما کان أصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم یواسی بعضھم بعضاً فی الزراعۃ والثمرۃ۔“ (صحیح بخاری ج:۱ ص:۳۱۵)

ذرا تصوّر کیجئے! ایک چھوٹا سا قصبہ (المدینہ) اس میں انصارؓ کی کل آبادی ہی کتنی تھی؟ ان کا ذریعہ معاش کیا تھا؟ لے دے کر یہی زمینیں! جو اسلام سے پہلے خود ان کی اپنی ضروریات کے لئے بھی بصد مشکل کفالت کرتی ہوں گی، ان کی جاں نثاری و بلند ہمتی نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ میں ہاتھ دے کر یہ عہد کرلیا تھا کہ ہم اپنی اور اپنے بال بچوں کی نہیں بلکہ اسلام اور مسلمانوں کی کفالت کریں گے۔ انہوں نے یہ عہد جس طرح نبھایا وہ سب کو معلوم ہے (رضی اللہ عنہم وارضاہم وجزاہم عن الإسلام والمسلمین خیر الجزاء) اطراف و اکناف سے کھنچ کھنچ کر قافلوں کے قافلے یہاں جمع ہو رہے تھے اور حضراتِ انصارؓ "اھلًا وسھلًا ومرحبًا" کہہ کر ان کا استقبال فرما رہے تھے۔ کون اندازہ کرسکتا ہے کہ یہ چھوٹی سی بستی اور اس کے یہ چند گنے چنے "انصار الاسلام" کتنے معاشی بوجھ کے نیچے دَب گئے ہوں گے، لیکن صد آفرین ان وفاکیش فدائیوں کو! کہ ایک لمحے کے لئے انہوں نے اس بوجھ سے اُکتاہٹ کا احساس تک نہیں کیا، بلکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے مہمانوں کی خاطر اپنا سب کچھ پیش کردیا، گویا ان کا اپنا کچھ نہیں تھا، جو کچھ تھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا تھا، اور ان کی حیثیت محض رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کارندوں کی تھی۔ سوچنا چاہئے کہ ان حالات میں "انصار الاسلام" کو اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ فرماتے ہیں: "جس کے پاس زمین ہو وہ اپنے بھائی کو ہبہ کردے یا اسے عاریۃً دے دے" کیا اس کے یہ معنی ہوں گے کہ اسلام میں مزارعت کا باب ہی سرے سے مفقود ہے؟ ان احادیث کو مدینہ طیبہ کے معاشی دباؤ اور حضراتِ انصارؓ کی "کفالتِ اسلامیہ" کے پس منظر میں پڑھا جائے تو صاف نظر آئے گا کہ ان کا منشا یہ نہیں کہ اسلام میں مزارعت ناجائز ہے، (اگر ایسا ہوتا تو خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور اکابر صحابہؓ یہ معاملہ کیوں کرتے؟) بلکہ ان کا منشا یہ ہے کہ بقول سعدیؒ:

ہرچہ درویشاں را است وقفِ محتاجاں است

آپ اپنی ضرورت پوری کیجئے اور زائد اَز ضرورت کو ضرورت مندوں کے لئے حسبۃً للہ وقف کردیجئے، یہ تھے احادیثِ نہی کے تین محمل، جس کی وضاحت حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے فرمائی، اور جن کا خلاصہ حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کے الفاظ میں یہ ہے:

"وکان وجوه التابعین یتعاملون بالمزارعة، ویدل علی الجواز حدیث معاملة أهل خیبر وأحادیث النهی عنها محمولة علی الإجارة بما علی الماذیانات أو قطعة معینة، وهو قول رافع رضی الله عنه، أو علی التنزیه والإرشاد، وهو قول ابن عباس رضی الله عنهما، أو علی مصلحة خاصة بذٰلک الوقت من جهة کثرة مناقشتهم فی هذه المعاملة حینئذ، وهو قول زید رضی الله عنه، والله أعلم!"

(حجۃ اللہ البالغہ ج:۲ ص:۱۱۷)

ترجمہ:... "(صحابہؓ کے بعد) اکابر تابعینؒ مزارعت کا معاملہ کرتے تھے، مزارعت کے جواز کی دلیل

اہلِ خیبر سے معاملے کی حدیث ہے، اور مزارعت سے ممانعت کی احادیث یا تو ایسی مزارعت پر محمول ہیں جس میں نہروں کے کناروں (ماذیانات) کی پیداوار یا کسی معین قطعے کی پیداوار طے کرلی جائے، جیسا کہ حضرت رافع رضی اللہ عنہ نے فرمایا، یا تنزیہ وارشاد پر، جیسا کہ حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا، یا اس پر محمول ہیں کہ مزارعت کی وجہ سے بکثرت مناقشات پیدا ہوگئے تھے، اس مصلحت کی بنا پر اس سے روک دیا گیا، جیسا کہ حضرت زید رضی اللہ عنہ نے بیان فرمایا، واللہ اعلم!"

قریب قریب یہی تحقیق حافظ ابنِ جوزیؒ نے "التحقیق" میں، اور امام خطابیؒ نے "معالم السنن" میں کی ہے، مگر اس مقام پر حافظ تورپشتی شارح مصابیح (رحمہ اللہ) کا کلام بہت نفیس ومتین ہے، وہ فرماتے ہیں:

"مزارعت کی احادیث جو مؤلف (صاحبِ مصابیح) نے ذکر کی ہیں اور جو دُوسری کتبِ حدیث میں موجود ہیں، بظاہر ان میں تعارض واختلاف ہے، ان کی جمع وتطبیق میں مختصراً یہ کہا جاسکتا ہے کہ حضرت رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ نے نہی مزارعت کے باب میں کئی حدیثیں سنی تھیں جن کے محمل الگ الگ تھے، انہوں نے ان سب کو ملاکر روایت کیا، یہی وجہ ہے کہ وہ کبھی فرماتے ہیں: "میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے"، کبھی کہتے ہیں: "میرے چچاؤں نے مجھ سے بیان کیا"، کبھی کہتے ہیں: "میرے دو چچاؤں نے مجھے خبر دی"، بعض احادیث میں ممانعت کی وجہ یہ ہے کہ وہ لوگ غلط شرائط لگالیتے تھے اور نامعلوم اُجرت پر معاملہ کرتے تھے، چنانچہ اس کی ممانعت کردی گئی۔ بعض کی وجہ یہ ہے کہ زمین کی اُجرت میں ان کا جھگڑا ہوجاتا تا آنکہ نوبت لڑائی تک پہنچ جاتی۔ اس موقع پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "لوگو! اگر تمہاری یہ حالت ہے تو مزارعت کا معاملہ ہی نہ کرو" یہ بات حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ نے بیان فرمائی ہے۔ بعض احادیث میں ممانعت کی وجہ یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بات کو پسند نہیں فرمایا کہ مسلمان اپنے بھائی سے زمین کی اُجرت لے، کبھی ایسا ہوگا کہ آسمان سے برسات نہیں ہوگی، کبھی زمین کی روئیدگی میں خلل ہوگا، اندریں صورت اس بے چارے کا مال ناحق جاتا رہے گا، اس سے مسلمانوں میں باہمی نفرت وبغض کی فضا پیدا ہوگی، یہ مضمون حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث سے سمجھا جاتا ہے کہ: "جس کی زمین ہو، وہ خود کاشت کرے یا کسی بھائی کو کاشت کے لئے دے دے" تاہم یہ بطور قانون نہیں بلکہ مروّت ومواسات کے طور پر ہے۔ بعض احادیث میں ممانعت کا سبب یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کاشتکاری پر فریفتہ ہونے، اس کی حرص کرنے اور ہمہ تن اسی کے ہو رہنے کو ان کے لئے پسند نہیں فرمایا، کیونکہ اس صورت میں وہ جہاد فی سبیل اللہ سے بیٹھ رہتے، جس کے نتیجے میں ان سے غنیمت وفیٔ کا حصہ فوت ہوجاتا (آخرت کا خسارہ مزید برآں رہا) اس کی

دلیل ابواُمامہ رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے۔

(اشارة الٰی ما رواه البخاری من حدیث أبی أُمامة رضی الله عنه: لَا یدخل هٰذا بیت قوم الّا ادخله الذل)۔"[1]

اس تمام بحث کا خلاصہ یہ ہے کہ اسلام میں مزارعت نہ مطلقاً جائز ہے، نہ مطلقاً ممنوع، بلکہ اس بات کی تمام احادیث کا مجموعی مفاد "کج دار و مریز" کی تلقین ہے، حضراتِ فقہائے اُمت نے اس باب کی نزاکتوں کو پوری طرح سمجھا، چنانچہ تمام فقہی مسائل میں "کج دار و مریز" کی دقیق رعایت نظر آئے گی، اور یہ بحث و تحقیق کا ایک الگ موضوع ہے، والله ولی البدایة والنهایة!

مکان کرایہ پر دینا جائز ہے

سوال:... کرایہ جو جائیداد وغیرہ سے ملتا ہے کیا سود ہے؟ ہمارے ایک بزرگ جو دِین کی کافی سمجھ رکھتے ہیں، فرماتے ہیں کہ: "سود مقرّر ہوتا ہے، اور اس میں فائدے کی شکل بھی ہوتی ہے، نقصان کا پہلو نہیں ہوتا، اور یہی صورت کرائے آمدنی کی ہے" معلوم ہوا ہے، اگرچہ میں نے خود نہیں پڑھا ہے کہ محترم ڈاکٹر اسرار احمد صاحب نے بھی جائیداد کے کرایہ کو "سود" قرار دیا ہے۔

جواب:... اگر جائیداد سے مراد زمین، مکان، دُکان وغیرہ ہے تو ان چیزوں کو کرایہ پر دینے کی حدیث میں اجازت آئی ہے،[2] اس لئے اس کو "سود" سمجھنا اور کہنا غلط ہے۔

زمین اور مکان کے کرایہ کے جواز پر علمی بحث

سوال:... روزنامہ "جنگ" میں ایک مضمون میں بتایا گیا ہے کہ زمین بٹائی پر دینا اور مکان کا کرایہ لینا "سود" ہے۔ یہ کہاں تک دُرست ہے؟

جواب:... روزنامہ "جنگ" ۱۳ر نومبر ۱۹۸۱ء کی اشاعت میں جناب رفیع اللہ شہاب صاحب کا ایک مضمون "سود کی مصطفوی تشریح" کے عنوان سے شائع ہوا ہے۔ فاضل مضمون نگار نے احادیث کے حوالے سے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ: "اسلام زمین کو بٹائی پر دینے اور مکان کرائے پر چڑھانے کو سود قرار دیتا ہے" چونکہ اس سلسلے میں بہت سے سوالات آرہے ہیں، اس لئے بعض اکابر نے حکم دیا کہ ان مسائل کی وضاحت کردی جائے تو مناسب ہوگا کہ قارئین کے لئے موصوف کی تحریر پوری نقل کردی

---

(۱) عن أبی امامة الباهلی قال: ورأی سِکّة وشیئًا من آلة الحرث فقال سمعت النبی صلی الله علیه وسلم یقول: لَا یدخل هٰذا بیت قوم إلّا أدخله الله الذل۔ (صحیح بخاری ج:۱ ص:۳۱۲، باب ما یحذر من عواقب الإشتغال بآلة الزرع أو جاوز الحد الذی أمر به، طبع نور محمد کراچی)۔

(۲) عن عبدالله ابن سائب قال: دخلنا علیٰ عبدالله ابن معقل فسألنا عن المزارعة فقال: زعم ثابت أن رسول الله صلی الله علیه وسلم نهی عن المزارعة وأمر بالمواجرة وقال لَا بأس بها۔ (مسلم ج:۲ ص:۱۴)۔ وفی الهدایة: ویجوز استئجار الدور والحوانیت للسکنیٰ وإن لم یبین ما یعمل فیها لأن العمل المتعارف فیها السکنیٰ فینصرف إلیه وانه لَا یتفاوت فصح العقد۔ ثم قال ویجوز إستئجار الأراضی للزراعة لأنها منفعة مقصودة معهودة فیها۔ (هدایة ج:۳ ص:۲۹۷، کتاب الإجارة)۔

جائے تاکہ موصوف کے مدعا اور ان مسائل کی وضاحت کے سمجھنے میں کوئی اُلجھن نہ رہے۔

موصوف لکھتے ہیں:

''ملکِ عزیز میں نظامِ مصطفیٰ کی طرف پیش قدمی جاری ہے، لیکن اس مقصد کے لئے جس قدر ہوم ورک کی ضرورت ہے، ہمارے اہلِ علم اس کی طرف پوری توجہ نہیں دے رہے، بلکہ اہم ترین معاملات تک میں محض سنی سنائی باتوں پر اکتفا کیا جاتا ہے۔ اس کی سب سے بڑی مثال ''سود'' ہے جو اسلام میں سب سے سنگین جرم ہے۔ اس جرم کی سنگینی کا اندازہ اس سے لگایا جاسکتا ہے کہ قرآنِ حکیم نے کسی انسانی جان کے قتل کرنے کو ساری انسانیت کا قتل قرار دیا ہے، لیکن سود کو اس سے بھی زیادہ سنگین جرم قرار دیتے ہوئے اسے اللہ اور رسول سے لڑائی قرار دیا ہے۔ لیکن افسوس ہے کہ ہم اسلام کے سب سے سنگین جرم کے بارے میں ابھی تک غفلت سے کام لے رہے ہیں۔

عام طور پر ہمارے ہاں بینک سے ملنے والے منافع کو سود سمجھا جاتا ہے اور اس کے علاوہ جتنے معاملات بھی اس سنگین جرم کی تعریف میں آتے ہیں، ان سے پہلوتہی کی جاتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ سرمایہ دارانہ نظام (جو نظامِ مصطفیٰ کی ضد ہے) نے اسلامی ممالک میں اپنے پنجے گاڑ رکھے ہیں۔ جب سود کے اَحکامات نازل ہوئے تھے اس وقت بینک نام کی کوئی چیز نہ تھی، احادیث کی کتابوں میں مذکور ہے کہ ان اَحکامات کے نزول کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کاروباری مقامات پر تشریف لے گئے اور مختلف قسم کے کاروبار کی تفصیلات دریافت کیں، اور ایسے تمام معاملات کہ جن میں بغیر کسی محنت کے منافع حاصل ہوتا، مثلاً: آڑھت کا کاروبار، اسے آپ نے سود قرار دیا۔ (نیل الاوطار ج:۵ ص:۱۷۴)

تفسیر مواہب الرحمٰن کے صفحہ:۱۲۱ پر درج ہے کہ:

اسی سلسلے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کھیتوں میں بھی گئے تو وہاں حضرت رافع بن خدیج (جو ایک کھیت کاشت کر رہے تھے) سے ان کی ملاقات ہوئی، آپ نے کھیتی باڑی کی تفصیلات پوچھیں، تو انہوں نے بتایا کہ زمین فلاں شخص کی ہے اور وہ اس میں کام کر رہے ہیں، جب فصل ہوگی تو دونوں فریق برابر بانٹ لیں گے۔ آپ نے فرمایا: تم سودی کاروبار کر رہے ہو، اس لئے اسے ترک کر کے اپنی محنت کا معاوضہ لے لو۔

(سنن ابی داؤد، کتاب البیوع، باب المخابرہ، ج:۲)

ایک دُوسرے صحابی جابر بن عبداللہؓ سے جب کھیتی باڑی کی یہی تفصیلات سنیں تو آپ نے فرمایا کہ: جو زمین کے بٹائی کے معاملے کو ترک نہ کرے گا وہ اللہ اور رسول کے ساتھ لڑائی کے لئے تیار ہوجائے۔ (ایضاً)

خیال رہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے زمین کی بٹائی کے حوالے سے جو سود کی تشریح فرمائی آج کے جدید دور کے بڑے بڑے ماہرینِ معاشیات بھی اس کی یہی تعریف فرماتے ہیں۔ لارڈ کینز جو دورِ جدید کا

ایک عظیم ماہرِ معاشیات ہے، اپنی مشہور کتاب جنرل تھیوری کے صفحہ: ۲۴۲ اور ۲۴۳ میں سود کی تعریف کرتے ہوئے لکھتا ہے کہ: ''زمانۂ قدیم میں سود زمین کے کرائے کی شکل میں ہوتا تھا جسے آج کل بٹائی کا نظام کہتے ہیں۔''

بہت سے صحابہ کرامؓ کے پاس اپنی خودکاشت سے زائد زمین تھی، جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے زمین کی بٹائی کے معاملے کو سود قرار دے دیا تو انہوں نے اسے بیچنے کا پروگرام بنایا، لیکن جب اس سلسلے میں انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا تو آپ نے اس زائد زمین کو بیچنے کی اجازت نہ دی، بلکہ فرمایا کہ: اپنے ضرورت مند بھائیوں کو مفت دے دو۔ اپنی زمین کسی کو مفت دے دینا آسان نہ تھا، اس لئے اکثر صحابہؓ نے بار بار اس سلسلے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی رائے دریافت کی اور آپ نے ہر بار یہی جواب دیا۔ بخاری شریف اور مسلم میں اس مضمون کی کئی احادیث ہیں۔

بعض اصحابِ رسول کے پاس فاضل اراضی تھیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: جس کے پاس زمین ہو وہ یا تو خودکاشت کرے یا اپنے بھائی کو بخش دے، اور اگر انکار کرے تو اپنی زمین روک رکھے۔

(نیل الاوطار ج:۵ ص:۲۹۰)

مختصر یہ کہ سود کی اس تشریح کے ذریعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے زمین کی خرید و فروخت سے منع فرمایا۔ خیال رہے کہ اس زمانے میں زمین ہی سرمایہ داری کا بڑا ذریعہ تھی۔

سرمایہ داری کا دُوسرا بڑا ذریعہ مکانات تھے، یہ مکانات زیادہ تر مکہ شریف میں واقع تھے، کیونکہ وہ ایک بین الاقوامی شہر تھا جہاں لوگ حج اور تجارت کے مقاصد کے لئے آتے جاتے تھے، آپ نے مکہ شریف کے مکانوں کا کرایہ بھی سود قرار دے کر مسلمانوں کو اس کے لینے سے منع کردیا، اور فرمایا کہ: ''جس نے مکہ شریف کی دُکانوں کا کرایہ کھایا اس نے گویا سود کھایا۔'' (ہدایہ ج:۴ ص:۴۵۷، مطبوعہ دہلی)

یہ دونوں معاملات ایسے ہیں کہ ان میں لگائے ہوئے سرمایہ کی قیمت دن بدن بڑھتی رہتی ہے، جبکہ بینک میں جمع شدہ رقم کی قیمت دن بدن گھٹتی جاتی ہے، اس لئے مذکورہ بالا دونوں معاملات کا سود، بینک کے سود سے کئی درجے زیادہ خطرناک ہے۔ اُمید ہے کہ علمائے اسلام عامۃ الناس کو سود کی یہ مصطفوی تشریح سمجھا کر انہیں شریعتِ اسلامی کی رُو سے سب سے بڑے سنگین جرم سے بچانے کی کوشش کریں گے۔''

جواب:... فاضل مضمون نگار نے اپنے پورے مضمون میں ایک تو افسانہ طرازی اور تاریخ سازی سے کام لیا ہے، اور پھر تمام مسائل پر ایک خاص ذہن کو سامنے رکھ کر غور کیا ہے، ان کے ایک ایک نکتے کا تجزیہ ملاحظہ فرمائیے۔

مزارعت:

جناب رفیع اللہ شہاب کے مضمون کا مرکزی نکتہ یہ ہے کہ جو شخص اپنی زمین خودکاشت کرے اس کے لئے تو زمین کی پیداوار

حلال ہے، لیکن اگر کوئی شخص اپنی زمین کی خود کاشت نہ کرسکے بلکہ اسے بٹائی پر دے دے یا ٹھیکے اور مستأجری پر دے دے تو یہ سود ہے، کیونکہ بقول ان کے: ”ایسے تمام معاملات سود ہیں جن میں بغیر کسی محنت کے منافع حاصل ہوتا ہے“ اور وہ اس نظریے کو اسلام کی طرف منسوب کرتے ہیں، حالانکہ یہ نظریہ موجودہ دور کے سوشلزم کا تو ہوسکتا ہے، مگر اسلام سے اس نظریے کا کوئی تعلق نہیں۔

موصوف نے مزارعت کی ممانعت کے سلسلے میں ابوداؤد کے حوالے سے حضرت رافع بن خدیجؓ اور حضرت جابر رضی اللہ عنہما کی دو روایتیں نقل کی ہیں، جن میں مخابرة کو ”سود“ قرار دیا گیا ہے۔ کاش! وہ اسی کے ساتھ ان دونوں صحابہ کرام رضی اللہ عنہما سے جو ان احادیث کے راوی ہیں، اس کی وجہ بھی نقل کردیتے تو مسئلہ صحیح طور پر منقح ہوکر سامنے آجاتا۔ آیئے! ان دونوں بزرگوں ہی سے دریافت کریں کہ اس ممانعت کا منشا کیا تھا؟

”عن رافع بن خديج حدثني عمّاي أنهم كانوا يكرُون الأرض على عهد رسول الله صلى الله عليه وسلم بما ينبُت على الأربعاء أو بشيء يستثنيه صاحب الأرض فنهانا النبي صلى الله عليه وسلم عن ذٰلك، فقلت لرافع: فكيف هي بالدينار والدراهم؟ فقال رافع: ليس بها بأسٌ بالدينار والدراهم، وكانّ الذي نُهي عن ذٰلك ما لو نظر فيه ذوُو الفهم بالحلال والحرام لم يجيزوه لما فيه من المخاطرة۔“ (صحیح بخاری ج:۱ ص:۳۱۵)

الف:... ”رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: میرے چچا بیان کرتے تھے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں لوگ زمین مزارعت پر دیتے تو یہ شرط کرلیتے کہ نہر کے متصل کی پیداوار ہماری ہوگی یا کوئی اور استثنائی شرط کرلیتے (مثلاً: اتنا غلہ پہلے ہم وصول کریں گے پھر بٹائی ہوگی)، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع فرمایا۔ (راوی کہتے ہیں) میں نے حضرت رافعؓ سے کہا: اگر زرِنقد کے عوض زمین دی جائے تو اس کا کیا حکم ہوگا؟ رافعؓ نے کہا: اس کا مضائقہ نہیں۔ لیثؒ کہتے ہیں: مزارعت کی جس شکل کی ممانعت فرمائی گئی تھی اگر حلال و حرام کی فہم رکھنے والے لوگ غور کریں تو کبھی اسے جائز نہیں کہہ سکتے، کیونکہ اس میں معاوضہ ملنے نہ ملنے کا اندیشہ (مخاطرہ) تھا۔“

نیز رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ کی اس مضمون کی روایات کے لئے دیکھئے:

صحیح مسلم ج:۲ ص:۱۳، ابوداؤد ص:۴۸۱، ابنِ ماجہ ص:۱۷۹، نسائی ج:۲ ص:۱۵۳، شرح معانی الآثار ج:۲ ص:۲۱۴، وغیرہ۔

”حدثني حنظلة بن قيس الأنصاري قال: سألت رافع بن خديج عن كراء الأرض بالذهب والورق، فقال: لَا بأس به، انما كان الناس يؤاجرون على عهد رسول الله صلى الله عليه وسلم على الماذيانات واقبال الجداول وأشياء من الزرع فيهلك هذا ويسلم هذا، ويسلم هذا ويهلك هذا، فلم يكن للناس كراء إلّا هذا فلذٰلك زجر عنه، وأما شيء معلوم

مضمون فلا بأس بہ۔" (صحیح مسلم ج:۲ ص:۱۳)

ترجمہ:... "حنظلہ بن قیسؒ کہتے ہیں کہ: میں نے رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ سے دریافت کیا کہ: سونے چاندی (زرِ نقد) کے عوض زمین ٹھیکے پر دی جائے تو اس کا کیا حکم ہے؟ فرمایا: کوئی مضائقہ نہیں! دراصل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں لوگ جو مزارعت کرتے تھے (اور جس سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا تھا) اس کی صورت یہ ہوتی تھی کہ زمین دار، زمین کے ان قطعات کو جو نہر کے کناروں اور نالیوں کے سروں پر ہوتے تھے، اپنے لئے مخصوص کرلیتے تھے اور پیداوار کا کچھ حصہ بھی طے کرلیتے، بسااوقات اس قطعے کی پیداوار ضائع ہوجاتی اور اس کی محفوظ رہتی، کبھی برعکس ہوتا، اس زمانے میں لوگوں کی مزارعت کا بس یہی ایک دستور تھا، اس بنا پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے سختی سے منع کیا۔ لیکن اگر کسی معلوم اور قابلِ ضمانت چیز کے بدلے میں زمین دی جائے تو اس کا مضائقہ نہیں۔"

"حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: ہم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں زمین لیا کرتے تھے چوتھائی پیداوار پر، تہائی پیداوار پر اور نہر کے کناروں کی پیداوار پر، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع فرمایا تھا۔"[1] (مسلم ج:۲ ص:۱۲)

حضرت رافع اور حضرت جابر رضی اللہ عنہما کے ارشادات ہی سے معلوم ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مزارعت کی مطلقاً ممانعت نہیں فرمائی تھی، بلکہ مزارعت کی ان غلط صورتوں کو "ربا" فرمایا تھا جن میں ناجائز شرطیں لگادی جائیں، مثلاً: یہ کہ زمین کے فلاں زرخیز قطعے کی پیداوار مالک کو ملے گی اور باقی پیداوار تہائی یا چوتھائی کی نسبت سے تقسیم ہوگی، اس قسم کی مزارعت (جس میں غلط شرطیں رکھی گئی ہوں) باجماعِ اُمت ناجائز ہے۔

مزارعت سے ممانعت کی یہ توجیہ جو حضرت رافع اور حضرت جابر رضی اللہ عنہما نے خود فرمائی ہے، وہ دیگر اکابر صحابہ کرامؓ سے بھی منقول ہے، مثلاً:

"عن سعد قال: كنّا نكرى الأرض بما على السواقى من الزرع، وما سعد بالماء منها، فنهانا رسول الله صلى الله عليه وسلم عن ذلک، وأمرنا أن نكريها بذهب أو فضة۔"

(ابوداؤد ج:۲ ص:۱۲۵، شرح معانی الآثار طحاوی ص:۲۱۵)

ترجمہ:... "سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: لوگ اپنی زمین مزارعت پر دیا کرتے تھے،

---

(۱) جابر بن عبدالله يقول: كنا في زمن رسول الله صلى الله عليه وسلم نأخذ الأرض بالثلث أو الربع بالماذيانات فقام رسول الله صلى الله عليه وسلم في ذالک فقال: من كانت له أرض فليزرعها فإن لم يزرعها فليمنحها أخاه فإن لم يمنحها أخاه فليمسكها۔ وقال الإمام النووى فى شرحه: ومعنى هذه الألفاظ انهم كانوا يدفعون الأرض إلى من يزرعها ببذر من عنده على أن يكون لمالک الأرض ما ينبت على الماذيانات واقبال الجداول أو هذه القطعة والباقى للعامل فنهوا عن ذالک لما فيه من الغرر فربما هلک هذا دون ذاک وعكسه۔ (صحيح مسلم مع شرحه ج:۲ ص:۱۲، باب كراء الأرض)۔

شرط یہ ہوتی تھی کہ جو پیداوار (الساقیہ) پر ہوگی اور جو کنویں کے گردوپیش پانی سے سیراب ہوگی وہ ہم لیا کریں گے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے نہی فرمائی اور فرمایا: سونے چاندی پر دیا کرو۔"

اس قسم کی مزارعت کو جیسا کہ اِمام لیث سعدؒ نے فرمایا، حلال وحرام کی فہم رکھنے والا کوئی شخص حلال نہیں کہہ سکتا۔

جس شخص نے اسلام کے معاملاتی نظام کا صحیح نظر سے مطالعہ کیا ہو اسے معلوم ہوگا کہ شریعت نے بعض معاملات کو ان کے ذاتی خبث کی وجہ سے ممنوع قرار دیا ہے، بعض کو غیر منصفانہ قیود وشرائط کی وجہ سے، اور بعض کو اس وجہ سے کہ ان میں اکثر منازعات و مناقشات کی نوبت آسکتی ہے۔ مزارعت کی یہ صورتیں جن غلط قیود وشرائط پر ہوتی تھیں ان میں لڑائی جھگڑے کی صورتیں کھڑی ہوجاتی تھیں۔ اس لئے ان کی ممانعت قرینِ مصلحت ہوئی، چنانچہ جب حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کو علم ہوا کہ حضرت رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ مزارعت سے منع کرتے ہیں، تو انہوں نے فرمایا:

"یغفر اللہ لرافع بن خدیج، أنا واللہ! أعلم بالحدیث منه، انما رجلان - قال مسدد: من الأنصار ثم اتفقا - قد اقتتلا، فقال رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم: ان کان هذا شأنکم فلا تکروا المزارع۔" (ابوداؤد ج:۲ ص:۴۸۱، ابنِ ماجہ ص:۱۷۷)

ترجمہ:... "اللہ تعالیٰ رافع کی مغفرت فرمائے، بخدا! میں اس حدیث کو ان سے بہتر سمجھتا ہوں، قصہ یہ ہوا تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں انصار کے دو شخص آئے جن کے درمیان مزارعت کا جھگڑا تھا، اور نوبت مرنے مارنے تک پہنچ گئی تھی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: جب تمہاری یہ حالت ہے تو تم مزارعت کا معاملہ نہ کیا کرو۔"

"عن سعد بن أبی وقاص رضی اللہ عنه قال: کان أصحاب المزارع یکرون فی زمان رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم مزارعهم بما یکون علی الساق من الزرع فجائوا رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم فاختصموا فی بعض ذلک، فنهاهم رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم أن یکروا بذلک وقال: اکروا بالذهب والفضة۔" (نسائی ج:۲ ص:۱۵۳)

ترجمہ:... "سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ زمین دار اپنی زمین اس پیداوار کے عوض دیا کرتے تھے جو نہروں اور کولوں پر ہوتی تھیں، وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئے اور مزارعت کے سلسلے میں جھگڑا کیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ایسی مزارعت نہ کیا کرو، بلکہ سونے چاندی کے عوض دیا کرو۔"

ان احادیث سے معلوم ہوا کہ مطلق مزارعت کے معاملے سے ممانعت نہیں فرمائی گئی تھی بلکہ یہ ممانعت خاص ان صورتوں سے متعلق تھی جن میں غلط شرائط کی وجہ سے نزاع واختلاف کی نوبت آتی ہے، اور یہ بھی معلوم ہوا کہ زمین کو زرِ نقد پر ٹھیکے پر دینے کی خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اجازت دی تھی۔ اس لئے فاضل مضمون نگار کا یہ نظریہ سرے سے باطل ہوجاتا ہے کہ: "ایسے تمام

معاملات، جن میں بغیر کسی محنت کے منافع حاصل ہوتا ہے، اسے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے "سود" قرار دیا۔" اگر مزارعت کی ممانعت کا سبب یہ ہوتا کہ اس میں بغیر محنت کے منافع حاصل ہوتا ہے تو یہ علت تو زمین کو ٹھیکے اور مستأجری پر دینے میں بھی پائی جاتی ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس کی اجازت کیونکر دے سکتے تھے۔

الغرض! فاضل مضمون نگار جس نظریے کو اسلام اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب کر رہے ہیں اور جس پر جدید دور کے لادین ماہرینِ معاشیات کو بطور سند پیش فرمارہے ہیں، اسلام سے اس کا دُور کا بھی کوئی واسطہ نہیں، اور نہ ان احادیث کا یہ مفہوم ہے جو موصوف نے اپنے نظریے کی تائید میں نقل کی ہیں۔ یہ بڑی سنگین بات ہے کہ ایک اُلٹا سیدھا مفروضہ قائم کرکے اسے جھٹ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب کردیا جائے، اور لوگوں کو باور کرایا جائے کہ یہی اسلام کا نظریہ ہے، جسے نہ صحابہ کرامؓ نے سمجھا، نہ تابعینؒ نے، اور نہ بعد کے اکابرینِ اُمت نے...!

یہاں یہ عرض کردینا بھی ضروری ہے کہ مزارعت کا معاملہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ رضوان اللہ علیہم کے دور سے آج تک مسلمانوں کے درمیان رائج چلا آتا ہے، اِمام بخاری رحمہ اللہ نقل کرتے ہیں:

"عن أبی جعفر رحمه الله قال: ما بالمدینة أهل بیت هجرة لَا یزرعون علی الثلث والربع، وزارع علی وسعد بن مالک وعبدالله بن مسعود وعمر بن عبدالعزیز والقاسم وعروة وآل أبی بکر وآل عمر وآل علی وابن سیرین، وقال عبدالرحمٰن بن الأسود: کنت أشارک عبدالرحمٰن بن یزید فی الزرع، وعامل عمر الناس علٰی ان جاء عمر بالبذر من عنده فله الشطر وان جائوا بالبذر فلهم کذا۔" (صحیح بخاری ج:۱ ص:۳۱۳)

ترجمہ:... "حضرت ابوجعفر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ: مدینہ طیبہ میں مہاجرین کا کوئی خاندان ایسا نہیں تھا جو بٹائی کا معاملہ نہ کرتا ہو۔ حضرت علیؓ، حضرت سعد بن ابی وقاصؓ، حضرت عبداللہ بن مسعودؓ، حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ، حضرت قاسمؒ، حضرت عروہؒ، حضرت ابوبکرؓ کا خاندان، حضرت عمرؓ کا خاندان، حضرت علیؓ کا خاندان، ابنِ سیرینؒ ان سب نے مزارعت کا معاملہ کیا۔ عبدالرحمٰن بن اسودؒ کہتے ہیں کہ میں عبدالرحمٰن بن یزیدؒ سے کھیتی میں شراکت کیا کرتا تھا، اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ لوگوں سے اس طرح معاملہ کرتے تھے کہ اگر حضرت عمرؓ بیج اپنے پاس سے دیں تو نصف پیداوار ان کی ہوگی، اور اگر کاشتکار بیج خود ڈالیں تو ان کا اتنا حصہ ہوگا۔"

انصاف کیا جائے کہ کیا یہ تمام حضرات، رفیع اللہ شہاب صاحب کے بقول "سودخور" اور خدا اور رسول سے جنگ کرنے والے تھے...؟

زمین کی خرید و فروخت:

فاضل مضمون نگار نے زمین کی خرید و فروخت کو بھی "سودی کاروبار" شمار کیا ہے، اور اس لئے انہوں نے ایک عجیب و غریب کہانی تصنیف فرمائی ہے، چنانچہ لکھتے ہیں:

"بہت سے صحابہ کرامؓ کے پاس اپنی خودکاشت سے زائد زمین تھی، جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے زمین کی بٹائی کے معاملے کو سود قرار دیا تو انہوں نے اس کو بیچنے کا پروگرام بنایا، لیکن جب انہوں نے اس سلسلے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا تو آپ نے اس زائد زمین کو بیچنے کی اجازت نہ دی، بلکہ فرمایا کہ: اپنے ضرورت مند بھائیوں کو مفت دے دو۔ اپنی زمین کسی کو مفت دینا آسان نہ تھا، اس لئے اکثر صحابہؓ نے بار بار اس سلسلے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی رائے دریافت فرمائی اور آپ نے ہر بار یہی جواب دیا، بخاری شریف اور مسلم میں اس مضمون کی کئی احادیث ہیں۔"

شہاب صاحب نے اپنی تصنیف کردہ کہانی کے لئے صحیح بخاری و صحیح مسلم کی کئی احادیث کا حوالہ دیا ہے، حالانکہ یہ ساری کی ساری داستان موصوف کی اپنی طبع زاد ہے، صحیح بخاری و صحیح مسلم کی کسی حدیث میں یہ ذکر نہیں کہ:

الف:... آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بٹائی کو سود قرار دیا تھا۔

ب:... آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس حکم کو سن کر صحابہ کرامؓ نے فاضل اراضی کے فروخت کرنے کا پروگرام بنایا تھا۔

ج:... انہوں نے اپنا یہ پروگرام آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کرکے آپ سے زمین فروخت کرنے کی اجازت چاہی تھی۔

د:... آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے اس پروگرام کو مسترد کردیا تھا اور زمین فروخت کرنے کی ممانعت فرمادی تھی۔

ہ:... باوجود اس کے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے زمین فروخت کرنے سے صریح ممانعت فرمادی تھی اور اس کو سود قرار دے دیا تھا، لیکن صحابہ کرامؓ بار بار آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کی اجازت طلب کرتے تھے، اور ہر بار ان کو یہی جواب ملتا تھا۔

فاضل مضمون نگار نے... صحیح بخاری اور صحیح مسلم کے حوالے سے... اس کہانی میں صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم کی سیرت و کردار کا جو نقشہ کھینچا ہے، کیا عقلِ سلیم اس کو قبول کرتی ہے...؟

سب جانتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنے مہاجرین رُفقاء کے ساتھ جب مدینہ طیبہ تشریف لائے ہیں تو مدینہ طیبہ کی اراضی کے مالک انصارؓ تھے، ان حضرات کا کردار زمینوں کے معاملے میں کیا تھا؟ اس سلسلے میں صحیح بخاری سے دو واقعات نقل کرتا ہوں:

"عن أبی هريرة رضی الله عنه قال: قالت الأنصار للنبی صلی الله عليه وسلم: اقسم بيننا وبين اخواننا النخيل، قال: لَا، فقالوا: فتكفونا المؤنة ونشرككم فی الثمرة، قالوا: سمعنا وأطعنا۔" (صحیح بخاری ج:۱ ص:۳۱۲)

اوّل:... حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حضراتِ انصارؓ نے یہ درخواست کی کہ ہمارے یہ باغات ہمارے اور ہمارے مہاجر بھائیوں کے درمیان تقسیم کردیجئے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: نہیں، بلکہ تم کام کیا کرو اور ہمیں پیداوار میں شریک کرلیا کرو، سب نے کہا: سمعنا و اطعنا۔

"عن یحییٰ بن سعید قال: سمعت أنسًا رضی الله عنه قال: أراد النبی صلی الله علیه وسلم أن یقطع من البحرین فقالت الأنصار: حتّٰی تقطع لإخواننا من المهاجرین مثل الذی تقطع لنا .... الخ۔" (صحیح بخاری ج:۱ ص:۳۲۰)

دوم:... یہ کہ جب بحرین کا علاقہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زیرِ نگیں آیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انصار کو بلاکر انہیں بحرین کے علاقے میں قطعاتِ اراضی (جاگیریں) دینے کی پیشکش فرمائی، اس پر حضراتِ انصار نے عرض کیا: یا رسول اللہ! جب تک آپ اتنی ہی جاگیریں ہمارے مہاجر بھائیوں کو عطا نہیں کرتے، ہم یہ قبول نہیں کرتے۔

کیا انہیں حضراتِ انصارؓ کے بارے میں شہاب صاحب یہ داستان سرائی فرمارہے ہیں کہ: "سود کی حرمت سن کر انہوں نے اپنی زمین فروخت کرنے کا پروگرام بنایا تھا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صریح ممانعت کے باوجود وہ اس سودخوری پر مصر تھے"؟ کیا ستم ہے کہ جن "انصارِ اسلام" نے خدا اور رسول کی رضا کے لئے اپنا سب کچھ لٹادیا تھا، ان پر ایسی گھناؤنی تہمت تراشی کی جاتی ہے...!

خلاصہ یہ کہ زمین کی خرید و فروخت کی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قطعاً ممانعت نہیں فرمائی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دور سے آج تک زمینوں کی خرید و فروخت ہوتی رہی ہے اور کبھی کسی نے اس کو "سود" قرار نہیں دیا۔

فاضل مضمون نگار نے "نیل الاوطار" کے حوالے سے جو روایت نقل کی ہے کہ:

"بعض اصحابِ رسول کے پاس فاضل اراضی تھی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس کے پاس زمین ہو وہ یا تو خود کاشت کرے یا اپنے بھائی کو بخش دے، اور اگر انکار کرے تو اپنی زمین کو روک رکھے۔"

یہ حدیث صحیح ہے، مگر اس سے نہ مزارعت کی ممانعت ثابت ہوتی ہے، اور نہ زمینوں کی خرید و فروخت کا ناجائز ہونا ثابت ہوتا ہے، چنانچہ صحیح بخاری و مسلم میں جہاں یہ حدیث ذکر کی گئی ہے، وہاں اس کی شرح بھی بایں الفاظ موجود ہے:

"قال عمرو: قلت لطاؤس: لو ترکت المخابرة فانهم یزعمون أن النبی صلی الله علیه وسلم نهی عنه، قال: أی عمرو! فانی أعطیهم وأعینهم وان أعلمهم أخبرنی یعنی ابن عباس أن النبی صلی الله علیه وسلم لم ینهَ عنه، ولٰکن قال: أن یمنح أحدکم أخاه خیرٌ له من أن یأخذ علیه خرجًا معلومًا۔" (صحیح بخاری ص:۳۱۳، صحیح مسلم ج:۲ ص:۱۴)

ترجمہ:... "عمرو بن دینارؒ کہتے ہیں کہ: میں نے حضرت طاؤسؒ سے کہا کہ: آپ بٹائی کے معاملے کو چھوڑ کیوں نہیں دیتے؟ لوگ کہتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع فرمایا ہے۔ انہوں نے فرمایا: اے عمرو! میں غریب کسانوں کو زمین دے کر ان کی اعانت کرتا ہوں، اور لوگوں میں جو سب سے بڑے عالم ہیں، یعنی حضرت عبداللہ بن عباسؓ انہوں نے مجھے بتایا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی ممانعت نہیں فرمائی، بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا تھا کہ تم میں کا ایک شخص اپنے بھائی کو اپنی زمین بغیر معاوضے کے کاشت کے لئے دے دے یہ اس کے لئے بہتر ہے بجائے اس کے کہ اس پر کچھ مقررہ معاوضہ وصول کرے۔"

مطلب یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد ایثار و مواسات کی تعلیم کے لئے تھا، چنانچہ امام بخاریؒ نے ان احادیث کو حسبِ ذیل عنوان کے تحت درج فرمایا ہے:

"باب ما كان أصحاب النبي صلى الله عليه وسلم يواسي بعضهم بعضاً في المزارعة۔"

ترجمہ:... "اس کا بیان کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرامؓ زراعت کے بارے میں ایک دُوسرے کی کیسے غم خواری کرتے تھے۔"

اس حدیث کی نظیر ایک دُوسری حدیث ہے جو صحیح مسلم میں حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

"بينما نحن في سفر مع النبي صلى الله عليه وسلم اذ جائه رجل على راحلة له قال: فجعل يصرف بصره يميناً وشمالاً، فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم: من كان معه فضل ظهر فليعد به على من لا ظهر له، ومن كان له فضل من زاد فليعد به على من لا زاد له، قال: فذكر من أصناف المال ما ذكر حتّٰى رأينا أن لا حق لأحد منا في فضلٍ۔"

(صحیح مسلم ج:۱ ص:۸۱)

ترجمہ:... "ہم لوگ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک سفر میں تھے کہ ایک آدمی ایک اُونٹنی پر سوار ہوکر آیا اور دائیں بائیں نظر گھمانے لگا، (وہ ضرورت مند ہوگا) پس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس کے پاس زائد سواری ہو وہ ایسے شخص کو دے ڈالے جس کے پاس سواری نہیں، اور جس کے پاس زائد توشہ ہو وہ ایسے شخص کو دے دے جس کے پاس توشہ نہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی انداز میں مختلف چیزوں کا تذکرہ فرمایا، یہاں تک کہ ہم کو یہ خیال ہوا کہ زائد چیز میں ہم میں سے کسی کا حق نہیں ہے۔"

بلاشبہ یہ اعلیٰ ترین مکارمِ اخلاق کی تعلیم ہے، اور مسلمانوں کو اسی اخلاقی بلندی پر ہونا چاہئے، لیکن کون عقل مند ہوگا جو یہ دعویٰ کرے کہ اسلام میں زائد اَز حاجت چیز کا رکھنا یا اسے فروخت کرنا ہی ممنوع و حرام ہے؟ ٹھیک اسی طرح اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے زمین کو بٹائی یا کرایہ پر دینے کے بجائے اپنے ضرورت مند بھائیوں کو مفت دینے کی تعلیم فرمائی تو یہ اخلاق و مروّت اور غم خواری و مواسات کا اعلیٰ ترین نمونہ ہے، لیکن اس سے یہ نکتہ کشید کرنا کہ اسلام، زمین کی بٹائی کو یا اس کی خرید و فروخت کو "سود" قرار دیتا ہے، بہت بڑی جرأت ہے...!

سخن شناس نہ دلبرا! خطا ایں جاست

مکانوں کا کرایہ:

فاضل مضمون نگار کے نظریہ کے مطابق مکانوں کا کرایہ بھی "سود" ہے، اس لئے انہوں نے یہ افسانہ تراشا ہے کہ:

"اس زمانے میں (یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں) زمین ہی سرمایہ داری کا بڑا

ذریعہ تھا، سرمایہ داری کا دُوسرا بڑا ذریعہ کرایہ کے مکانات تھے، یہ مکان زیادہ تر مکہ شریف میں واقع تھے، کیونکہ وہ ایک بین الاقوامی شہر تھا، جہاں لوگ حج اور تجارت کے مقاصد کے لئے آتے جاتے تھے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ شریف کے مکانوں کا کرایہ بھی سود قرار دے کر مسلمانوں کو اس سے منع کردیا، اور فرمایا کہ جس نے مکہ شریف کی دُکانوں کا کرایہ کھایا اس نے گویا سود کھایا۔"

موصوف کا یہ افسانہ بھی حسبِ عادت خود تراشیدہ ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں سرمایہ داری کا ذریعہ نہ زمین تھی، نہ مکانوں کا کرایہ تھا، چنانچہ مدینہ طیبہ میں زمینوں کے مالک حضراتِ انصارؓ تھے، مگر ان میں سے کسی کا نام نہیں لیا جاسکتا کہ وہ سرمایہ داری میں معروف تھا، اس کے برعکس حضرت عثمان غنی اور حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہما آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں بھی خاصے متمول تھے، حالانکہ وہ اس وقت نہ کسی زمین کے مالک تھے، نہ ان کی کرائے کی دُکانیں تھیں، اور اہلِ مکہ میں بھی کسی ایسے شخص کا نام نہیں لیا جاسکتا جو محض کرائے کے مکانوں کی وجہ سے "سرمایہ دار" کہلاتا ہو، تعجب ہے کہ موصوف ہر جگہ افسانہ تراشی سے کام لیتے ہیں...!

پھر یہ اَمر بھی قابلِ ذکر ہے کہ اگر زمین کی ملکیت سرمایہ داری کا ذریعہ تھی اور شہاب صاحب کے بقول آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سارے اَحکام سرمایہ داری ہی کے مٹانے کے لئے دیئے تھے تو سوال یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خود صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم کو جاگیریں کیوں مرحمت فرمائی تھیں؟ اگر ان کے اس فرضی افسانے کو تسلیم کرلیا جائے کہ اس زمانے میں زمین ہی سرمایہ داری کا سب سے بڑا ذریعہ تھی تو کیا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر سرمایہ داری کو فروغ دینے کا الزام عائد نہیں ہوگا...؟

موصوف کا یہ کہنا کہ: "کرائے کے مکان سب سے زیادہ مکہ مکرّمہ ہی میں تھے، اس لئے آنحضرت صلی اللہ عیہ وسلم نے مکہ مکرّمہ کے مکانوں کا کرایہ لینے سے منع فرمادیا" یہ بھی محض مہمل بات ہے۔ اگر یہ حکم تمام شہروں کے لئے ہوتا تو صرف مکہ مکرّمہ کی تخصیص کیوں کی جاتی؟ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کرایہ داری سے مطلقاً منع فرماسکتے تھے۔

موصوف نے "ہدایہ" کے حوالے سے جو حدیث نقل کی ہے، اس کا وجود حدیث کی کسی کتاب میں نہیں، اور "ہدایہ" کوئی حدیث کی کتاب نہیں کہ کسی حدیث کے لئے صرف اس کا حوالہ کافی سمجھا جائے۔ اہلِ علم جانتے ہیں کہ "ہدایہ" میں بہت سی روایات بالمعنیٰ نقل ہوئی ہیں، اور بعض ایسی بھی جن کا حدیث کی کتابوں میں کوئی وجود نہیں۔

اور اگر بالفرض کوئی حدیث مکہ مکرّمہ کے بارے میں وارد بھی ہو تو کون عقل مند ہوگا جو مکہ مکرّمہ کے مخصوص اَحکام کو دُوسری جگہ ثابت کرنے لگے۔ مکہ کی حدود میں درخت کاٹنا اور پھول توڑنا بھی ممنوع ہے اور اس پر جزا لازم آتی ہے۔ وہاں شکار کرنا بھی حرام ہے، کیا ان اَحکام کو دُوسری جگہ بھی جاری کیا جائے گا؟ مکہ مکرّمہ کی حرمت کے پیشِ نظر اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے وہاں کے مکانوں کے کرایہ پر چڑھانے کو بھی ناپسند فرمایا ہو تو کون کہہ سکتا ہے کہ یہی حکم باقی شہروں کا بھی ہے؟

جہاں تک مکہ مکرّمہ کے مکانات کرائے پر چڑھانے کا حکم ہے، اس پر اتفاق ہے کہ موسمِ حج کے علاوہ مکہ مکرّمہ کے مکانات

کرائے پر دینا جائز ہے،[۱] البتہ بعض حضرات موسمِ حج میں اس کو پسند نہیں فرماتے تھے،[۲] انہی میں ہمارے اِمام ابوحنیفہؒ بھی شامل ہیں۔ لیکن جمہور اَئمہ کے نزدیک موسمِ حج میں بھی مکانات کرائے پر چڑھانا دُرست ہے۔ ہمارے اَئمہ میں اِمام ابویوسفؒ اور اِمام محمدؒ بھی اسی کے قائل ہیں،[۳] اور فقہِ حنفی میں فتویٰ بھی اسی قول پر ہے۔ مکہ مکرمہ کے علاوہ دُوسرے شہروں میں مکان کرایہ پر دینا سب کے نزدیک جائز ہے۔

آڑھت:

آڑھت اور دلالی کو سود قرار دینے کے لئے موصوف نے ''نیل الاوطار'' جلد:۵ صفحہ:۱۷۴ کے حوالے سے یہ کہانی درج فرمائی ہے:

''حدیث کی کتابوں میں مذکور ہے کہ ان اَحکامات کے نزول کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کاروباری مقامات پر تشریف لے گئے، اور مختلف قسم کے کاروبار کی تفصیلات دریافت کیں اور ایسے تمام معاملات کو کہ جن میں بغیر کسی محنت کے منافع حاصل ہوتا ہے، مثلاً: آڑھت کا کاروبار، اسے آپ نے سود قرار دے دیا۔''

''نیل الاوطار'' کے نہ صرف محولہ بالا صفحے میں، بلکہ اس سے متعلقہ تمام اَبواب میں بھی کہیں یہ کہانی درج نہیں کہ سود کے اَحکامات نازل ہونے کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کاروباری تفصیلات معلوم کرنے کے لئے بازار تشریف لے گئے ہوں اور ایسے تمام معاملات کو جن میں بغیر محنت کے سرمایہ حاصل ہوتا ہے، آپ نے سود قرار دے دیا ہو۔ فاضل مضمون نگار کو غلط مفروضے گھڑنے اور ان کے لئے فرضی کہانیاں تصنیف کرنے کا اچھا ملکہ ہے۔ یہاں بھی انہوں نے ایک عدد کہانی تصنیف فرمائی، حالانکہ اگر ذرا بھی تأمل سے کام لیتے تو انہیں واضح ہوجاتا کہ یہ کہانی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرامؓ کے حالات سے کوئی مطابقت نہیں رکھتی۔ اوّل تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خود بھی کاروبار کی ان صورتوں سے واقف تھے جو اکثر و بیشتر رائج تھیں، علاوہ ازیں تمام کاروباری حضرات

---

(۱) وفی مختارات النوازل لصاحب الهداية لَا بأس ببيع بنائها واجارتها۔ (الدر المختار ج:۶ ص:۳۹۳، كتاب الحظر والإباحة، فصل فی البيع، طبع ايچ ايم سعيد)۔

(۲) وروی هشام عن أبی يوسف عن أبی حنيفة أنه أكره إجارة بيوت مكة فی الموسم (أی الحج)۔ (شامی، كتاب الحظر والإباحة ج:۶ ص:۳۹۳، حاشيه هداية ج:۴ ص:۴۷۳)۔

(۳) قال فی التنوير: وجاز بيع بناء بيوت مكة وأرضها ...إلخ۔ قال فی الدر المختار: وفی مختارات النوازل لصاحب الهداية لَا بأس ببيع بنائها واجارتها لكن فی الزيلعی وغيره يكره إجارتها وفی آخر الفصل الخامس من التاتارخانية واجارة الوهبانية قالَا قال أبوحنيفة أكره إجارة بيوت مكة فی أيام الموسم وكان يفتی لهم أن ينزلوا عليهم فی دورهم لقوله تعالٰى سواءً العاكف فيه والباد، ورخص فيها فی غير أيام الموسم اهـ فليحفظ۔ قال الشامی: وروىٰ هشام عن أبی يوسف عن أبی حنيفة أنه أكره إجارة بيوت مكة فی موسم ورخص فی غيره، وكذا قال أبويوسف وقال هشام: أخبرنی محمد عن أبی حنيفة انه كان يكره كراء بيوت مكة فی الموسم ويقول لهم أن ينزلوا عليهم فی دورهم إن كان فيها فضل وإن لم يكن فلا وهو قول محمد، وحاصله ان كراهة الإجارة لحاجة أهل الموسم يحمل الكراهة علىٰ أيام الموسم وعدمها علىٰ غيرها۔ (شامی ج:۶ ص:۳۹۳، كتاب الحظر والإباحة)۔

بارگاہِ نبوی کے حاضر باش تھے، ان کے شب و روز اور سفر و حضر صحبتِ نبوی میں گزرتے تھے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان سے دریافت فرماسکتے تھے کہ ان کے ہاں کون کون سی صورتیں رائج ہیں۔ محض کاروبار کی تفصیلات معلوم کرنے کے لئے آپ کو بازار جانے کی زحمت کی ضرورت نہ تھی، اتفاقاً کبھی بازار کی طرف گزر ہوجانا دُوسری بات ہے۔

اور موصوف کا یہ ارشاد کہ: "آپ نے تمام ایسے معاملات کو جن میں بغیر محنت کے سرمایہ حاصل ہوتا ہے، سود قرار دے دیا" یہ بھی موصوف کا خود تصنیف کردہ نظریہ ہے، جسے وہ زبردستی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے منسوب کر رہے ہیں۔

جہاں تک "آڑھت" کا تعلق ہے جسے موصوف اپنے تصنیف کردہ نظریے کے مطابق "سود" فرما رہے ہیں، حدیث سے تو معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے "آڑھت" کو "تجارت" اور "آڑھتیوں" کو "تاجر" فرمایا ہے، چنانچہ جامع ترمذی میں بہ سندِ صحیح حضرت قیس بن ابی غرزہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ:

"خرج علینا رسول الله صلی الله علیه وسلم ونحن نسمی السماسرة فقال: یا معشر التجار! ان الشیطان والإثم یحضران البیع فشوبوا بیعکم بالصدقة۔ قال الترمذی: حدیث قیس بن أبی غرزة حدیث حسن صحیح۔" (ترمذی ج:۱ ص:۱۴۵، مطبوعہ مجتبائی دہلی)

ترجمہ:... "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے پاس تشریف لائے اور ہمیں آڑھتی اور دلال کہا جاتا تھا، آپ نے فرمایا: اے تاجروں کی جماعت! خرید و فروخت میں شیطان اور گناہ بھی شامل ہوجاتے ہیں، اس لئے اپنی خرید و فروخت میں صدقہ کی آمیزش کیا کرو۔"

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے آڑھت کو بھی تجارت کی مد میں شمار فرمایا ہے، کیونکہ آڑھتی یا بائع (بیچنے والا) کا وکیل ہوگا، یا مشتری (خریدنے والا) کا، دونوں صورتوں میں اس کا تاجر ہونا واضح ہے۔

البتہ احادیثِ طیبہ میں آڑھت کی ایک خاص صورت کی ممانعت ضرور فرمائی گئی ہے، وہ یہ ہے کہ کوئی دیہاتی فروخت کرنے کے لئے کوئی چیز بازار میں لائے اور وہ اسے آج ہی کے نرخ پر فروخت کرنا چاہتا ہو، لیکن کوئی شہری اس سے یوں کہے کہ میاں تم یہ چیز میرے پاس رکھ جاؤ، جب یہ چیز مہنگی ہوگی تو میں اس کو فروخت کردوں گا، اس کی ممانعت کے لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے:

"عن ابن عباس رضی الله عنهما قال: قال رسول الله صلی الله علیه وسلم: لَا تلقوا الرکبان وَلَا یبیع حاضر لبادٍ، فقیل لِابن عباس: ما قوله: لَا یبیع حاضر لبادٍ؟ قال: لَا یکون له سمسارًا۔" (نیل الاوطار ج:۵ ص:۱۶۴)

ترجمہ:... شہر سے باہر نکل کر تجارتی قافلوں کا مال نہ خریدا کرو، اور کوئی شہری کسی دیہاتی کے لئے بیع نہ کرے۔ ابنِ عباس رضی اللہ عنہما سے عرض کیا گیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کا کیا مطلب ہے؟ فرمایا کہ: کوئی شہری، دیہاتی کے لئے دلال نہ بنے۔"

اس حدیث کے ذیل میں شوکانی لکھتے ہیں:

"حنفیہ کا قول ہے کہ یہ ممانعت اس صورت کے ساتھ خاص ہے جبکہ گرانی کا زمانہ ہو اور وہ چیز ایسی ہے کہ اہلِ شہر کو اس کی ضرورت ہے۔ شافعیہ اور حنابلہ کہتے ہیں کہ ممنوع صورت یہ ہے کہ کوئی شخص شہر میں سامان لائے وہ اسے آج کے نرخ پر آج بیچنا چاہتا ہے لیکن کوئی شہری اس سے یہ کہے کہ تم اسے میرے پاس رکھ دو، میں اسے زیادہ داموں پر تدریجاً فروخت کردُوں گا۔ امام مالکؒ سے منقول ہے کہ دیہاتی کے حکم میں صرف وہی شخص آتا ہے جو دیہاتی کی طرح بازار کے نرخ سے بے خبر ہو، لیکن دیہات کے جو لوگ بازار کے بھاؤ سے واقف ہیں وہ اس حکم میں داخل نہیں (یعنی ان کی چیز شہری کے لئے فروخت کرنا دُرست ہے)۔"

ابنِ منذرؒ نے جمہور سے نقل کیا ہے کہ یہ نہی تحریم کے لئے اس وقت ہے جبکہ:

۱:... بائع عالم ہو۔

۲:... سامان ایسا ہو کہ اس کی ضرورت عام اہلِ شہر کو ہے۔

۳:... بدوی نے وہ سامان اَز خود شہری کو پیش نہ کیا ہو۔[1]

اس پوری تفصیل سے معلوم ہوجاتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشادِ گرامی کا منشا کیا ہے اور فقہائے اُمت نے اس سے کیا سمجھا ہے۔

شہری کو دیہاتی کا سامان فروخت کرنے کی جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ممانعت فرمائی اس کی وجہ بھی وہ نہیں جو ہمارے فاضل مضمون نگار بتارہے ہیں، (یعنی بغیر محنت کے سرمایہ کا حصول)، بلکہ اس کی وجہ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمادی ہے:

"عن جابر رضی الله عنه أن النبی صلی الله علیه وسلم قال: لَا یبیع حاضر لبادٍ دعوا الناس یرزق الله بعضهم من بعض. رواه الجماعة إلّا البخاری." (نیل الاوطار ج:۵ ص:۲۶۳)

ترجمہ:... "حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: کوئی شہری کسی دیہاتی کا مال فروخت نہ کرے۔ لوگوں کو چھوڑ دو کہ اللہ تعالیٰ بعض کو بعض سے رزق پہنچائے۔"

---

(۱) قالت الحنفية انه يختص المنع من ذٰلک بزمن الغلاء وبما يحتاج إليه أهل المصر وقالت الشافعية والحنابلة ان الممنوع انما هو ان يجيء البلد بسلعة يريد بيعها بسعر الوقت في الحال فيأتيه الحاضر فيقول ضعه عندی لأبيعه لک على التدريج بأغلى من هٰذا السعر، قال فی الفتح فجعلوا الحکم منوطًا بالبادی ومن شارکه فی معناه، قالوا وانما ذکر البادی فی الحديث لکونه الغالب فألحق به من شارکه فی عدم معرفة السعر من الحاضرين وجعلت المالکية البداوة قيدًا وعن مالک لا يلتحق بالبدوی فی ذٰلک إلّا من کان يشبهه فاما القرى الذين يعرفون أثمان السلع والأسواق فليسوا داخلين فی ذٰلک وحکی ابن المنذر عن الجمهور ان النهی للتحريم إذا کان البائع عالمًا والمبتاع مما تعم الحاجة إليه ولم يعرضه البدوی على الحضری ولَا يخفى أن تخصيص العموم بمثل هٰذه الأمور من التخصيص بمجرد الإستنباط. (نيل الأوطار للشوکانی ج:۵ ص.۲۶۳، طبع بيروت).

مطلب یہ کہ دیہاتی لوگ آ کر شہر میں مال خود فروخت کریں گے تو اس سے ارزانی پیدا ہوگی، لیکن اگر شہری لوگ ان سے مال لے کر رکھ لیں اور مہنگا ہونے پر فروخت کریں تو اس سے مصنوعی قلت اور گرانی پیدا ہوگی۔

فرمائیے! اس ارشادِ مقدس میں فاضل مضمون نگار کے نظریے کا دُور دُور بھی کہیں کوئی سراغ ملتا ہے...؟

بینک کا سود:

عجیب بات ہے کہ ہمارے فاضل مضمون نگار ایک طرف "سود کی مصطفوی تشریح" کے ذریعہ ایسے معاملات ناجائز قرار دے رہے ہیں جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہؓ و تابعینؒ کے دور سے آج تک بغیر کسی نکیر کے رائج چلے آتے ہیں۔ لیکن دُوسری طرف بینک کے سود کو، جس کی حرمت میں کسی ادنیٰ مسلمان کو بھی شک نہیں ہوسکتا، بہت ہی معصوم ثابت کرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ ایسا لگتا ہے کہ اگر موصوف کا بس چلے تو وہ اس کے حلال ہونے ہی کا فتویٰ دے ڈالیں، موصوف بینک کے سود کی جس طرح وکالت فرماتے ہیں، اس کا ایک منظر ملاحظہ فرمائیے:

"عام طور پر ہمارے بینک کی جانب سے ملنے والے منافع کو سود سمجھا جاتا ہے ...... جب سود کے اَحکام نازل ہوئے تھے اس وقت بینک نام کی کوئی چیز نہ تھی۔"

گویا بینک کی طرف سے ملنے والا منافع بہت ہی معصوم ہے، لوگ خواہ مخواہ اس کو سود سمجھ رہے ہیں۔ اور مضمون کے آخر میں لکھتے ہیں:

"یہ دونوں معاملات (یعنی زمین اور کرائے کے مکانات) ایسے ہیں کہ ان میں لگائے ہوئے سرمائے کی قیمت دن بدن بڑھتی رہتی ہے، جبکہ بینک میں جمع شدہ رقم کی قیمت دن بدن گھٹتی جاتی ہے، اس لئے مذکورہ بالا دونوں معاملات کا "سود" بینک کے سود سے کئی گنا زیادہ خطرناک ہے۔"

موصوف کی منطق یہ ہے کہ بینک سے جو "منافع" ملتا ہے، وہ تو بہت معمولی ہے اور پھر اس رقم کی قوتِ خرید بھی کم ہوتی رہتی ہے، لیکن زمین اور مکانوں سے جو کرایہ ملتا ہے، جو بینک کے سود کے مقابلے میں کافی زیادہ ہوتا ہے، اور پھر زمین اور مکانوں کی قیمت دن بدن گھٹتی نہیں بڑھتی ہے، اس لئے بینک کا "منافع" حرام ہے، تو زمین اور مکانوں کا کرایہ اس سے بڑھ کر حرام ہونا چاہئے۔ یہ "سود" کو حلال ثابت کرنے کی ٹھیک وہی دلیل ہے جو قرآنِ کریم نے کفار کی زبانی نقل کی ہے: "اِنَّمَا الْبَیْعُ مِثْلُ الرِّبٰوا" کہ اگر سودی کاروبار میں نفع ہوتا ہے تو بیع میں اس سے بڑھ کر نفع ہوتا ہے، لہٰذا اگر سودی کاروبار حرام ہے تو بیع بھی حرام ہونی چاہئے، اور اگر بیع حلال ہے تو سود کیوں حرام ہے؟ قرآنِ کریم نے جو جواب آپ کے پیشرووں کو دیا تھا، وہی جواب موصوف کی خدمت میں پیش کرتا ہوں:

"وَاَحَلَّ اللهُ الْبَیْعَ وَحَرَّمَ الرِّبٰوا" (البقرۃ:۲۷۵)

ترجمہ:... "حالانکہ حلال کیا ہے اللہ نے بیع کو اور حرام کیا ہے سود کو"

اس جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ یہاں بحث یہ نہیں کہ کس صورت میں نفع زیادہ ہوتا ہے اور کس میں کم؟ بلکہ بحث اس میں ہے

کہ کون سی صورت شرعاً جائز اور صحیح ہے، اور کون سی باطل اور حرام؟ فاضل مضمون نگار سے درخواست ہے کہ وہ زمین اور مکان کے کرائے کا حرام ہونا شرعی دلائل سے ثابت فرمائیں، خود تصنیف کردہ کہانیوں سے نہیں۔ تو ہمیں اس کے حرام ہونے کا فتویٰ دینے میں کوئی تأمل نہیں ہوگا، لیکن یہ دلیل کہ فلاں کاروبار میں نفع زیادہ ہوتا ہے اور فلاں میں کم! پس اگر کم نفع کا معاملہ حرام ہے تو زیادہ نفع کا معاملہ کیوں حرام نہیں؟ یہ دلیل محض بچگانہ ہے، سب کو معلوم ہے کہ دس ہزار کی رقم کو اگر بینک میں رکھ دیا جائے تو اس پر اتنا سود نہیں ملے گا جس قدر منافع کہ اس رقم کو کسی صحیح تجارت میں لگانے سے ہوگا۔ اگر موصوف کی دلیل کو یہاں بھی جاری کردیا جائے تو کل وہ یہ فتویٰ بھی صادر فرمائیں گے کہ کسی نفع بخش تجارت میں روپیہ لگانا بھی حرام اور سود ہے۔ کیونکہ اس سے بینک کے سود کی شرح سے زیادہ منافع حاصل ہوجاتا ہے، اللہ تعالیٰ عقلِ سلیم نصیب فرمائے!

فاضل مضمون نگار کی خدمت میں چند معروضات:

جناب رفیع اللہ شہاب کے مضمون سے متعلقہ مسائل کی وضاحت تو ہوچکی، جی چاہتا ہے کہ آخر میں موصوف کی خدمت میں چند دردمندانہ معروضات اور مخلصانہ گزارشات پیش کردی جائیں، اُمید ہے کہ وہ ان گزارشات کو جذبۂ اخلاص پر محمول کرتے ہوئے ان کی طرف توجہ فرمائیں گے۔

اوّل:... کوئی شخص نظریات ماں کے پیٹ سے لے کر پیدا نہیں ہوتا، بلکہ شعور واحساس کے بعد جیسی تعلیم وتربیت اور جیسا ماحول آدمی کو میسر آئے اس کا ذہن اسی قسم کے نظریات میں ڈھل جاتا ہے، صحیح بخاری شریف کی حدیث میں اسی مضمون کی طرف اشارہ فرمایا گیا ہے:

"كل مولود يولد على الفطرة فأبواه يهوّدانه أو ينصّرانه أو يمجّسانه."

(صحیح بخاری ج:۱ ص:۱۸۵)

ترجمہ:... "ہر بچہ فطرت پر پیدا ہوتا ہے، پھر اس کے والدین اسے یہودی بنادیتے ہیں یا نصرانی یا مجوسی بنادیتے ہیں۔"

آپ محنت اور سرمایہ کے بارے میں جو نظریات پیش فرماتے ہیں، یا اس قسم کے دیگر نظریات جو وقتاً فوقتاً جناب کے قلم سے نکلتے ہیں، ظاہر ہے کہ یہ اس تعلیم وتربیت اور ماحول کا اثر ہے جس میں آپ نے شعور کی آنکھ کھولی، اور جس کا رنگ اور مزاج آپ کے افکار ونظریات پر اثرانداز ہوا۔ آپ کو ایک بار مخلی بالطبع ہوکر اس پر غور کرنا چاہئے کہ یہ ماحول، اور یہ تعلیم وتربیت آیا دینی اقدار کی حامل تھیں یا نہیں؟ یہ ایک معیار اور کسوٹی ہے، جس سے آپ اپنے نظریات کی صحت وسقم کو پرکھ سکتے ہیں۔ دورِ جدید کے جو حضرات جدید نظریات پیش کرتے ہیں، ان کے نظریات اکثر وبیشتر اجنبی ماحول اور غیرقوموں کی تعلیم وتربیت کی پیداوار ہوتے ہیں، بعد میں وہ ان نظریات کے لئے قرآن وحدیث کے حوالے بھی دینے لگتے ہیں، گو وہ نظریہ قرآن وحدیث نے نہیں دیا تھا، نظریہ باہر سے لیا گیا، بعد میں قرآن وحدیث کو اس پر منطبق کرنے کی کوشش کی گئی، یہ طرزِ فکر لائقِ اصلاح ہے۔ ایک مسلمان کا شیوہ یہ ہے کہ وہ تمام خارجی و بیرونی افکار سے خالی الذہن ہوکر دینی نظریات کو اپنائے اور اس کے لئے قرآن وسنت کی سند لائے، واللہ الموفق!

دوم:... یوں تو پاکستان میں نظریاتی آزادی ہے، جو شخص جیسا نظریہ چاہے رکھے، کوئی روک ٹوک نہیں۔ اور آج کے دور میں کاغذ و قلم کی فراوانی اور پریس کی سہولت بھی عام ہے۔ جیسے نظریات بھی کوئی پھیلانا چاہے بڑی آزادی سے پھیلا سکتا ہے۔ لیکن کسی نظریے کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب کرنے میں بڑی احتیاط کی ضرورت ہے، کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف کوئی بات منسوب کرنا بہت ہی سنگین جرم ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشادِ گرامی تواتر سے مروی ہے:

"من کذب علیّ متعمدًا فلیتبوأ مقعده من النار۔" (صحیح مسلم ج:۱ ص:۷)

ترجمہ:... "جس نے عمداً میری طرف کوئی غلط بات منسوب کی، وہ اپنا ٹھکانا دوزخ میں بنائے۔"

آپ کے اس مختصر سے مضمون میں بہت سی ایسی باتیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب کی گئی ہیں، جو قطعاً خلافِ واقعہ ہیں۔

سوم:... دِین فہمی کے معاملے میں میری اور آپ کی رائے حجت نہیں، بلکہ اس بارے میں حضراتِ صحابہؓ و تابعینؒ اور ائمہ ہدیٰ کا فہم لائقِ اعتماد ہے۔ قرآنِ کریم کی کسی آیت یا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے کسی ارشاد سے کوئی ایسی بات نکال لینا جو صحابہؓ و تابعینؒ اور اکابرِ اُمت کے فہم و تعامل سے ٹکراتی ہو، ہمارے لئے کسی طرح روا نہیں۔ آج کل اس معاملے میں بڑی بے احتیاطی ہو رہی ہے، اور اسی کی جھلک آپ کے مضمون میں بھی نظر آتی ہے۔ سلامتی کا راستہ یہ ہے کہ ہم اپنے نظریات کی تصحیح ان اکابر کے تعامل سے کریں، یہ نہیں کہ اپنے نظریات کے ذریعہ ان اکابر کی غلطیوں کی نشاندہی کرنے بیٹھ جائیں، حتیٰ کہ جو اُمور ان اکابر کے درمیان مختلف فیہ نظر آتے ہوں، ان میں بھی کسی ایک جانب کو گمراہی نہیں کہہ سکتے۔

چہارم:... آنجناب نے اپنے مضمون کے آغاز میں علمائے کرام پر اہم دینی معاملات میں غفلت برتنے کا الزام عائد کیا ہے، اور مضمون کے آخر میں علمائے کرام کو نصیحت فرمائی ہے:

"اُمید ہے علمائے اسلام عامۃ الناس کو سود کی یہ مصطفوی تشریح سمجھا کر انہیں شریعتِ اسلامی کی رُو سے سب سے بڑے سنگین جرم سے بچانے کی کوشش کریں گے۔"

یہ تو اُوپر تفصیل سے عرض کرچکا ہوں کہ آپ نے مضمون میں جو کچھ لکھا ہے وہ "سود کی مصطفوی تشریح" نہیں، بلکہ اپنے چند ذہنی مفروضوں کو آپ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے منسوب کرکے اس کا نام "مصطفوی تشریح" رکھ دیا ہے۔ اس لئے علمائے کرام سے یہ توقع تو نہیں رکھنی چاہئے کہ وہ کسی کے خود تراشیدہ نظریات کو "مصطفوی تشریح" تسلیم کرلیں، اور لوگوں کو بھی اس کی تلقین کرتے پھریں۔ البتہ آپ سے یہ گزارش ضرور کروں گا کہ علمائے کرام کے بارے میں آپ نے غفلت اور کوتاہی کا جو الزام عائد کیا ہے، اس سے آپ کو رُجوع کرلینا چاہئے۔ بلاشبہ علمائے کرام معصوم نہیں، انفرادی طور پر ان سے فکری لغزشیں یا عملی کوتاہیاں ضرور ہوسکتی ہیں، لیکن پوری کی پوری جماعتِ علماء کو موردِ طعن بنانا اور ان پر دِین کے اہم ترین معاملات میں غفلت و کوتاہی کا الزام عائد کرنا بڑی بے جا بات ہے۔ دِین بہرحال علمائے دِین ہی سے حاصل ہوسکتا ہے، اور علمائے کرام کی پوری کی پوری جماعت کو مطعون کرنا درحقیقت دِین سے بے اعتمادی ظاہر کرنے کو مستلزم ہے۔ اور حضرت مجددؒ کے الفاظ میں: "تجویز نہ کند ایں معنی مگر زندیقے کہ مقصودش ابطال شطر دین

است، یا جاہلے کہ از جہل خود بے خبر است۔“

موجودہ دور کے علماء اگر حضرات صحابہؓ و تابعینؒ اور سلف صالحینؒ کے راستے سے ہٹ گئے ہیں اور ان اکابر کے خلاف کوئی بات کہتے ہیں تو آپ اس کی نشاندہی کرسکتے ہیں۔ مجھے توقع ہے کہ علمائے کرام ان شاء اللہ اس کو ضرور قبول فرمائیں گے۔ لیکن اگر علمائے اُمت، بزرگانِ سلفؒ کے نقشِ قدم پر گامزن ہیں تو آپ کا طعن علماء پر نہیں ہوگا بلکہ سلف صالحینؒ پر ہوگا، اور اس کی قباحت میں اُوپر عرض کرچکا ہوں۔

آخر میں پھر گزارش کرتا ہوں کہ ان گزارشات کو اِخلاص پر مبنی سمجھتے ہوئے ان پر توجہ فرمائیں۔

وَصَلَّی اللهُ تَعَالٰی عَلٰی خَیْرِ خَلْقِهٖ صَفْوَةِ الْبَرِیَّةِ سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّآلِهٖ وَاَتْبَاعِهٖ اِلٰی یَوْمِ الدِّیْنِ!

مکان اور شامیانے، کراکری، کرایہ پر دینا جائز ہے

سوال:... اگر کوئی شخص مکان خرید کر کرائے پر دیتا ہے، تو اس طرح سے اس مکان کا کرایہ سود ہے یا نہیں؟ جو سامان ہم بیاہ شادیوں پر کرایہ کا لیتے یا دیتے ہیں، مثلاً: شامیانے اور کراکری وغیرہ کا سامان وہ بھی کیا سود ہے؟

جواب:... مکان اور سامان کرایہ پر لینا جائز ہے، اس کی آمدنی سود میں شمار نہیں ہوتی۔ (۱)

جائیداد کا کرایہ اور مکان کی پگڑی لینا

سوال:... کیا کسی خالی دُکان یا مکان کا گڈوِل یعنی پگڑی لینا جائز ہے یا ناجائز؟

جواب:... پگڑی کا رواج عام ہے، مگر اس کا جواز میری سمجھ میں نہیں آتا۔

سوال:... کرایہ جائیداد ماہوار لینے کے بارے میں کیا رائے ہے؟

جواب:... جائیداد کا کرایہ لینا دُرست ہے۔ (۲)

پگڑی سسٹم کی شرعی حیثیت

سوال:... آج کل دُکانوں کو پگڑی سسٹم پر فروخت کیا جارہا ہے، یعنی ایک دُکان کو کرایہ پر دینے سے پہلے کچھ رقم مانگی جاتی

---

(۱) واجارة الأمتعة جائز إذا كانت في مدة معلومة بأجر معلوم. (النتف الفتاوىٰ ص:۳۴۷). وعن عبدالله ابن سائب قال دخلنا على عبدالله بن معقل فسألنا عن المزارعة، فقال: زعم ثابت ان رسول الله صلى الله عليه وسلم نهى عن المزارعة وأمر بالمواجرة وقال لا بأس بها. (مسلم ج۲ ص:۱۴). وقال في الهداية: ويجوز إستئجار الدور والحوانيت للسكنى وإن لم يبين ما يعمل فيها.

(۲) واعلم ان الإجارة انما تجوز في الأشياء التي تتهيأ ويمكن لمستأجرها استجلاب منافعها مع سلامة اعينها لمكانها لمالكها. (النتف الفتاوىٰ ص:۳۳۸، كتاب الإجارة). أيضًا: وصح إستجار دار أو دكان بلا ذكر ما يعمل فيه فإن العمل المتعارف فيهما سكنى فينصرف إليه. (شرح الوقاية ج:۳ ص:۲۹۳، كتاب الإجارات).

ہے، مثلاً: ایک لاکھ روپیہ اور پھر کرایہ بھی ادا کرنا ہوگا، لیکن پیشگی رقم دینے کے باوجود دُکان دار کو مالکانہ حقوق حاصل نہیں ہوتے، اور اگر مالکانہ حقوق حاصل ہوتے ہیں تو پھر کرایہ کس چیز کا مانگا جاتا ہے؟

جواب:... پگڑی کا طریقہ شرعی قواعد کے مطابق جائز نہیں۔[1]

پگڑی پر دُکان و مکان دینا

سوال:... آج کل پورے ملک کے طول و عرض کے کئی شہروں میں پگڑی سسٹم پر دُکانیں اور مکانات فروخت کئے جاتے ہیں، جن میں زمین کا مالک فلیٹ بناکر اور دُکانیں بناکر لاکھوں روپے وصول کرتا ہے اور لاکھوں روپے وصول کرنے کے باوجود ہر ماہ پانچ فیصد کرایہ بھی وصول کرتا ہے، اور اگر فلیٹ یا دُکان فروخت کرنا ہو تب بھی مالکِ زمین نئے خریدار کے نام رسید بدلوائی کے لئے دس فیصد سے لے کر ۲۵ فیصد تک رقم وصول کرتا ہے۔ دریافت طلب امر یہ ہے کہ آیا فلیٹ کی قیمت وصول کرنے کے باوجود ہر ماہ کرایہ لینا دُرست ہے؟ اور فلیٹ فروخت کرنے کے بعد رسید بدلوائی کے نام سے رقم لینا دُرست ہے؟ اگر یہ سب ناجائز ہے تو جائز صورت کیا ہوگی؟

جواب:... کراچی میں پگڑی پر مکان اور دُکان دینے کا جو رواج ہے، وہ میری سمجھ میں نہیں آیا، یعنی کسی شرعی قاعدے کے تحت میں وہ نہیں آتا۔ اللہ جانے لوگوں نے یہ طریقہ کہاں سے اخذ کیا ہے؟ اور کسی عالم سے پوچھ کر یہ طریقہ اِختیار کیا ہے یا خود ہی ان کے ذہن نے یہ اِختراع کی ہے...؟ بہرحال شرعی قواعد کے لحاظ سے یہ معاملہ ناجائز ہے۔ صحیح صورت یہ ہے کہ مالکِ مکان یا دُکان جتنی قیمت لینا چاہتا ہے، وہ لے کر خریدار کے نام منتقل کروادے، اور اس کو کلی طور پر مالکانہ حقوق حاصل ہوجائیں، اور اس بیچنے والا کا اس مکان یا دُکان سے کوئی تعلق نہ رہے۔[2]

کرائے پر لی ہوئی دُکان کو کرایہ پر دینا

سوال:... ایک صاحب نے ایک دُکان مع اس کے فرنیچر اور فٹنگ کے مالکِ جائیداد سے مبلغ ۲۴ ہزار روپے میں لی ہے، اور اس کا کرایہ بھی پچاس روپے ماہانہ دیتے ہیں، احقر ان سے یہ دُکان دو سو پچاس روپے ماہانہ کرایہ پر لیتا ہے، آیا اس صورت میں شرعاً ان کے لئے اور میرے لئے ایسا کرنا جائز ہے؟

---

(۱) وفی الدر المختار قال فی الأشباه: لَا یجوز الإعتیاض عن الحقوق المجردة کحق الشفعة. وفی الشامیة. (قوله لَا یجوز) قال فی بدائع الحقوق المجردة لَا تحتمل التملیک ولَا یجوز الصلح عنها. هکذا فی (شامی ج:۴ ص:۵۱۸ مطلب لَا یجوز الإعتیاض عن الحقوق المجردة).

(۲) قال فی الأشباه لَا یجوز الإعتیاض عن الحقوق المجردة کحق الشفعة (وفی الشامیة) (قوله لَا یجوز) قال فی البدائع الحقوق المجردة لا تحتمل التملیک ...إلخ. (درمختار مع رد المحتار ج:۴ ص:۵۱۸).

جواب:... اس دکان کا کرایہ پر لینا آپ کے لئے جائز ہے، اس میں شرعاً کوئی ممانعت نہیں۔[1]

سرکاری زمین قبضہ کر کے کرایہ پر دینا

سوال:... غیرآباد جگہ جو جنگل تھا اس میں مکان بنالئے گئے، سرکاری جگہ ہے، اس کا کرایہ لینا ٹھیک ہے یا نہیں؟

جواب:... حکومت کی اجازت سے اگر مکان بنوائے گئے تو کرایہ وغیرہ لینا جائز ہے۔[2]

وڈیو فلمیں کرائے پر دینے کا کاروبار کرنا

سوال:... کیا وِڈیو فلمیں کرائے پر دینے والوں کا کاروبار جائز ہے؟ اگر نہیں تو کیا یہ کاروبار کرنے والے کی نماز، روزہ، زکوٰۃ، حج اور دُوسرے نیک افعال قبول ہوں گے؟

جواب:... فلموں کے کاروبار کو جائز کیسے کہا جاسکتا ہے...؟[3] اس کی آمدنی بھی حلال نہیں۔[4] نماز، روزہ اور حج، زکوٰۃ فرائض ہیں، وہ ادا کرنے چاہئیں، اور وہ ادا ہو جائیں گے، مگر ان میں نور پیدا نہیں ہوگا جب تک آدمی گناہوں کو ترک نہ کرے۔

---

(۱) وقال اعلم ان الإجارة إنما تجوز فى الأشياء التى تتهيأ ويمكن لمستأجرها استجلاب منافعها مع سلامة أعيانها لمكالها لمالكها. (النتف الفتاوىٰ ص:۳۳۸). والأصل عندنا ان المستأجر يملك الإجارة فيما لا يتفاوت الناس فى الإنتفاع به كذا فى المحيط. ثم قال وإذا استأجر دارًا وقبضها ثم آجرها فانه يجوز إن آجرها بمثل ما استأجرها أو أقل وإن آجرها باكثر مما استأجرها فهى جائز أيضًا إلّا أنه ان كانت الأجرة الثانية من جنس الأجرة أولىٰ فإن الزيادة لا تطيب له ويتصدق بها وإن كانت خلاف جنسها طابت له الزيادة ...إلخ. (عالمگیری ج:۴ ص:۴۲۵، كتاب الإجارة، الباب السابع). أيضًا: ويجوز إستئجار الدور والحوانيت للسكنىٰ وإن لم يبين ما يعمل فيها. (هداية ج:۳ ص:۲۹۷، كتاب الإجارات).

(۲) من أحياه بإذن الإمام ملكه وإن أحياه بغير إذنه لم يملكه عند أبى حنيفة ...... ولأبى حنيفة قوله عليه السلام ليس للمرء إلّا ما طابت به نفس امامه. (هداية ج:۴ ص:۴۷۸، كتاب احياء الموات). وقال فى التنوير: إذا أحيا مسلم أو ذمّى أرضًا غير منتفع بها وليست بمملوكة لمسلم ولا ذمّى وهى بعيدة من القرية إذا صاح من باقصى العامر لا يسمع صوته ملكها عند أبى يوسف إن أذن له الإمام. (تنوير الأبصار ج:۶ ص:۴۳۲، كتاب إحياء الموات، طبع ايچ ايم سعيد). نیز دیکھئے حاشیہ نمبر۱۔

(۳) وقال تعالىٰ. "ومن الناس من يشترى لهو الحديث ليضل عن سبيل الله بغير علم ويتخذها هزوا، اولٰئك لهم عذاب مهين" (لقمان ۵). قال المظهرى أى ما تلهى وتشتغل عما يفيد من الأحاديث التى لا أصل لها والأساطير التى لا إعتبار فيها والمضاحيک وفضول الكلام. (تفسير مظهرى ج:۷ ص:۲۴۶). وهٰكذا قال قالت الفقهاء الغناء حرام بهذه الآية لكونه لهو الحديث. (تفسير مظهرى ج:۷ ص:۲۴۸). وقال الشامى قلت فى البزازية صوت الملاهى كضرب قصب ونحوه حرام لقوله عليه السلام استماع الملاهى معصية والجلوس عليها فسق والتلذذ بها كفر أى بالنعمة ...إلخ. (شامى ج:۶ ص ۳۴۹ كتاب الحظر والإباحة، طبع ايچ ايم سعيد كراچى).

(۴) ولا يجوز الإستئجار على الغناء والنوح وكذا سائر الملاهى لأنه إستئجار على المعصية والمعصية لا يستحق بالعقد. (هداية ج:۳ ص:۳۰۳، كتاب الإجارات، باب إجارة الفاسدة).

کرایہ دار سے ایڈوانس لی ہوئی رقم کا شرعی حکم

سوال:... مالکِ مکان کا کرایہ دار سے ایڈوانس رقم لینا امانت ہے یا قرضہ ہے؟

جواب:... ہے تو امانت، لیکن اگر کرایہ دار کی طرف سے استعمال کی اجازت ہو (جیسا کہ عرف بھی ہے) تو یہ قرضہ شمار ہوگا۔

سوال:... کیا مالک مکان اپنی مرضی سے اس رقم کو استعمال کرسکتا ہے؟

جواب:... مالک کی اجازت سے استعمال کرسکتا ہے۔

سوال:... مالک مکان اگر اس رقم کو ناجائز ذرائع میں استعمال کرلے تو کیا گناہ کرایہ دار پر بھی ہوگا؟

جواب:... نہیں۔ (۱)

سوال:... کیا کرایہ دار کو سالانہ اس رقم کی زکوٰۃ ادا کرنی ہوگی؟

جواب:... جی ہاں۔ (۲)

سوال:... کیا مالکِ مکان اس رقم کو جائز ذرائع میں استعمال کرنے سے بھی گناہگار ہوگا؟

جواب:... اجازت کے ساتھ ہو تو گناہگار نہیں۔ (۳)

سوال:... اگر کرایہ دار اس رقم کو بطور قرضہ مالکِ مکان کو دیتا ہے تو اس صورت میں مکان والا متوقع گناہ سے بَری سمجھا جائے گا؟

جواب:... اُوپر معلوم ہوچکا ہے کہ گناہگار نہیں ہوگا۔ (۴)

سوال:... مالکِ مکان ایک طرف کرایہ میں بھاری رقم لیتا ہے، پھر ایڈوانس کے نام کی رقم سے فائدہ اُٹھاتا ہے، پھر سال دو سال میں کرایہ میں اضافہ بھی کرتا ہے، تو کیا یہ صریح ظلم نہیں، اس مسئلے کا سرِعام عدالت کے واسطے سے، یا علمائے کرام کی تنبیہ کے ذریعے سے سدِباب ضروری نہیں؟

جواب:... زرِضمانت سے مقصد یہ ہے کہ کرایہ دار بسااوقات مکان کو نقصان پہنچادیتا ہے، بعض اوقات بجلی، گیس وغیرہ کے واجبات چھوڑ کر چلا جاتا ہے، جو مالک مکان کو ادا کرنے پڑتے ہیں، اس کے لئے کرایہ دار سے زرِضمانت رکھوایا جاتا ہے، ورنہ اگر پورا

---

(۱) قال الله تعالىٰ: "ولا تزر وازرة وزر أخرى وإن تدع مثقلة إلى حملها لا يحمل منه شيئًا" (فاطر ۱۸)۔

(۲) واعلم ان الديون عند الإمام ثلاثة: قوي ومتوسط وضعيف، فيجب زكاتها إذا تم نصابا وحال الحول لكن لا فورًا بل عند قبض أربعين درهمًا من الدين القوي كقرض وبدل مال تجارة فكلما قبض أربعين درهمًا يلزمه درهم۔ (درمختار ج:۲ ص ۳۰۵، كتاب الزكاة، باب زكاة المال، طبع سعيد كراچي)۔

(۳،۴) وعن أبي حرة الرقاشي عن عمه قال. قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: ألا لا تظلموا! ألا لا يحل مال امرء إلا بطيب نفس منه۔ (مشكوة ج:۱ ص:۲۵۵، باب الغصب والعارية)۔ لا يجوز لأحد أن يتصرف في ملك غيره بلا إذنه۔ (شرح المجلة لسليم رستم باز ص:۶۱ المادة:۹۶ طبع كوئٹه)۔

اعتماد ہو تو زرِ ضمانت کی ضرورت نہ رہے۔[1]

غاصب کرایہ دار سے آپ کو آخرت میں حق ملے گا

سوال:... میرا مکان ایک ڈاکٹر نے کرایہ پر لے کر مطب میں تبدیل کرلیا تھا، اور پندرہ ماہ کا کرایہ بھی مع بجلی، پانی، سوئی گیس کے بل بھی ادا نہیں کئے۔ مکان خالی کر کے چلے گئے ہیں۔ میری عمر تقریباً ۷۵ سال ہے، میں عدالتوں اور وکیلوں کے چکر میں نہیں پڑنا چاہتی ہوں، کیا مجھ کو روزِ قیامت میرا حق ملے گا؟

جواب:... قیامت کے دن تو ہر ایک حق دار کو اس کا حق دِلایا جائے گا، آپ کو بھی آپ کا حق ضرور دِلایا جائے گا۔[2]

کرایہ کے مکان کی معاہدہ شکنی کی سزا کیا ہے؟

سوال:... میں نے اپنی دُکان ایک شخص کو اس شرط کے ساتھ کرایہ پر دی جو کہ معاہدے میں تحریر ہے کہ اگر میری مرضی نہ ہوئی تو ۱۱ ماہ بعد دُکان خالی کرالوں گا۔ معاہدے میں جس پر دو مسلمان گواہوں کے دستخط بھی موجود ہیں، اس طرح تحریر ہے: ''ختم ہونے میعاد پر مقر نمبر ایک (کرایہ دار)، مقر نمبر دو (مالک) جدید دُوسرا کرایہ نامہ تحریر کرا کے کرایہ دار رہ سکیں گے، ورنہ خود فوراً دُکان خالی کر کے قبضہ ودخل مقر نمبر دو (مالک) کے سپرد کردیں گے، اور بقیہ رقم ڈپازٹ مقر نمبر دو سے حاصل کرلیں گے'' میں نے میعاد ختم ہونے سے تین ماہ قبل ذاتی کاروبار کرنے کے لئے کرایہ دار سے دُکان خالی کرنے کے لئے کہا، اس نے گواہوں کے رُوبرو دُوسری دُکان تلاش کر کے دُکان خالی کرنے کا اقرار کیا، اور اس طرح ٹال مٹول کر کے سولہ ماہ گزار دیئے، اور پھر صاف انکار کردیا۔ میں نے دو سال گزرنے کے باوجود اس وجہ سے کرایہ نامہ بھی نہیں لکھا اور نہ اس نے اب تک دُکان خالی کی۔ موجودہ عدالتی قانون کے مطابق اس طرح کے معاہدے کی کوئی حیثیت نہیں، نہ معاہدہ توڑنے کی کوئی سزا ہی ہے، یہ ایگریمنٹ صرف دِل کو تسلی دینے کے برابر حیثیت رکھتا ہے۔ مسئلہ یہ ہے کہ شریعت میں یہ معاہدہ وعدہ خلافی میں آتا ہے، اور اسلامی قانون کے مطابق شریعت میں اس کے خلاف کی سزا کیا ہے؟ اور پاکستان کی اسلامی حکومت میں اس پر عمل کیوں نہیں ہو رہا ہے؟

---

(۱) قال الله تعالى: "وإن كنتم على سفر ولم تجدوا كاتبًا فرهن مقبوضة" (البقرة:۲۸۳). قال المظهري: والشرط خرج مخرج العادة على الأعم الأغلب فليس مفهوم معتبر عند القائلين بالمفهوم وأيضًا حيث يجوز الرهن في الحضر مع وجود الكاتب إجماعًا. (تفسير مظهري ج:۱ ص:۳۳۲). وعن عائشة قالت: اشترى رسول الله صلى الله عليه وسلم عن يهودي طعامًا ورهنه درعه. (صحيح بخاري ج:۱ ص:۳۴۱، مسلم ج:۲ ص:۲۱). أيضًا: الكفالة على ضربين، كفالة بالنفس وكفالة بالمال، فالكفالة بالنفس جائزة سواء كان بأمر المكفول عنه أو بغيره كما يجوز في المال إلخ. (الجوهرة النيرة، كتاب الكفالة ص:۲۱۳ طبع دهلي).

(۲) عن أبي هريرة قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: لتؤدن الحقوق إلى أهلها يوم القيامة حتى يقاد للشاة الجلحاء من الشاة القرناء. رواه مسلم. (مشكوة ج:۲ ص:۴۳۵، باب الظلم).

جواب:... معاہدہ شکنی گناہِ کبیرہ ہے،[1] آپ پاکستان کے اس قانون کو جو معاہدہ شکنی کو جائز کہتا ہے، شرعی عدالت میں چیلنج کرسکتے ہیں۔

کرایہ دار کا مکان خالی کرنے کے عوض پیسے لینا

سوال:... میرے شوہر نے اپنا مکان ایک شخص کو بارہ سال قبل ۱۹۷۲ء میں دو سو پچاس روپے ماہوار کرایہ پر دیا تھا، اور اسٹامپ پر گیارہ ماہ کا معاہدہ ہوا تھا، جس کی رُو سے گیارہ مہینے کے بعد مالکِ مکان اپنا مکان خالی کرواسکتا ہے۔ ۱۹۷۶ء میں میرے شوہر کا انتقال ہوگیا، تب کرایہ دار مذکور نے بڑی مشکل سے چند معزز لوگوں کے مجبور کرنے اور احساس دِلانے سے ۱۹۷۷ء میں کرایہ میں سو روپے کا اضافہ کیا۔ ۱۹۷۹ء میں مجھے اپنے شوہر کے مکان کی ضرورت پڑی تو میں نے اس شخص کو مکان خالی کرنے کو کہا تو کرایہ دار اور اس کے لڑکے آگ بگولہ ہوگئے اور دھمکی اور دھونس کے ساتھ مکان خالی کرنے سے صاف انکار کردیا۔ میں نے اور میرے دیور نے چند معززین سے رُجوع کیا، انہوں نے کرایہ دار اور اس کے لڑکوں کو سمجھایا اور احساس دلایا کہ ایک بیوہ اور اس کے تین چھوٹے چھوٹے یتیم بچوں، ایک بوڑھی ساس اور معذور دیور کا ہی خیال کرو۔ بہت سمجھانے بجھانے کے بعد آخر کرایہ دار مذکورہ مکان خالی کرنے پر راضی ہوا کہ بہت جلد مکان خالی کردُوں گا۔ مگر ڈھائی سال تک ٹال مٹول اور بہانے بازی کرتا رہا، تو ہم نے کرایہ دار کو آگاہ کیا کہ اب ہم مارشل لا سے رُجوع کریں گے، تو کرایہ دار، محلے کے ایک شخص کو ساتھ لے کر ہمارے پاس آیا اور وعدہ کیا کہ دو مہینے میں ہر صورت میں مکان خالی کردُوں گا، اور اس محلے والے نے بھی گواہی دی اور دو ماہ کے بعد مکان خالی کرنے کا دونوں حضرات جو آپس میں رشتہ دار ہیں وعدہ کرکے چلے گئے۔ اس دوران کرایہ دار نے وکیل وغیرہ سے مشورہ کیا اور کرایہ کورٹ میں جمع کرادیا، جب کافی دنوں کے بعد کورٹ سے نوٹس آیا تو ہمیں کرایہ دار کی بدعہدی اور وعدہ شکنی کا علم ہوا، تو ہم نے کرایہ دار سے اس وعدہ شکنی اور مکان خالی نہ کرنے کی وجہ پوچھی تو اس نے مکان خالی کرنے سے صاف انکار کیا اور بڑی رعونت سے کہا: ''مکان پہلے ہندو کا تھا، میں اپنے نام کرواسکتا تھا، اور اگر مکان خالی کروانا ہے تو اَسّی ہزار روپے مجھے دو تو ایک مہینے میں مکان خالی کردُوں گا۔'' اس کی اس بدنیتی اور فریب کاری سے جتنا دُکھ پہنچا، آپ اندازہ کرسکتے ہیں۔ میں نے ایک درخواست مارشل لا حکام کو دی اور ایک درخواست ڈی ایم ایل اے کو کھلی کچہری میں پیش کی، حیدرآباد کے متعدد چکر لگانے کے بعد امنِ عامہ سے متعلق ایس ڈی ایم نے دونوں فریقوں یعنی کرایہ دار اور مکان کے مالک کی حیثیت سے میرا معاہدہ کرادیا کہ کرایہ دار کے طلب کردہ آٹھ ہزار روپے مالکِ مکان کی بیوہ، کرایہ دار کو مکان خالی کرنے کے عوض دیں گی اور تین مہینے کے عرصے میں کرایہ دار مکان خالی کردے گا اور آٹھ ہزار روپے لے لے گا۔ یہ معاہدہ دونوں

---

(۱) قال الله تعالٰی "وأوفوا بالعهد إن العهد كان مسئولًا" (الإسراء: ۳۴)۔ قال المظهری أی مطلوب يطلب من العاهد ان لا يضيعه۔ (تفسير مظهری ج:۵ ص:۴۳۹)۔ وعن عبدالله بن عمرو ان النبی صلى الله عليه وسلم قال: أربع من كنّ فيه كان منافقًا خالصًا، ومن كانت فيه خصلة منهنّ كانت فيه خصلة من النفاق حتّٰى يدعها. إذا اؤتمن خان، وإذا حدّث كذب، وإذا عاهد غدر، وإذا خاصم فجر۔ (صحيح بخاری ج:۱ ص:۱۰، كتاب الإيمان، طبع نور محمد كراچی)۔ تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو: الزواجر عن اقتراف الكبائر ج:۱ ص:۱۰۸ تا ۱۱۰ الكبيرة الثالثة والخمسون: عدم الوفاء بالعهد، طبع بيروت)۔

فریقوں کی رضامندی سے طے ہوا تھا اور دونوں فریقوں یعنی کرایہ دار اور میں نے معاہدے پر دستخط کئے، ایس ڈی ایم (برائے امن عامہ) نے اپنی مہر لگائی اور دستخط کئے، تین مہینے کی مدت پوری ہوجانے پر مقررہ تاریخ کو میں مکان کا قبضہ لینے پہنچی، تو مجھے بڑی تکلیف اور پریشانی کا سامنا ہوا، اور شدید ذہنی اذیت پہنچی، کرایہ دار اور اس کے لڑکوں نے نیچے گودام کے دروازے غائب کرکے گودام میں بھینسیں لاکر باندھ دیں، اور مختلف طریقوں سے مجھے خوف زدہ کیا اور دھمکی آمیز لہجے میں کہا: ''ہم مکان خالی نہیں کرسکتے، جب ہمیں مکان ملے گا جب خالی کریں گے'' اس کے بعد میں نے ایس ڈی ایم صاحب سے دوبارہ رُجوع کیا اور پھر حیدرآباد کے متعدد چکر لگائے جس میں میرا وقت اور پیسہ ضائع ہوا اور سفر کی صعوبت اُٹھائی، مگر ایس ڈی ایم صاحب جو ایک معزز سرکاری افسر ہیں، جنھوں نے دونوں فریقوں کے مابین معاہدہ کرایا تھا وہ بھی کرایہ دار مذکور کو جس نے معاہدے کی سنگین خلاف ورزی کی، معاہدے کی پابندی کرانے سے قاصر رہے، اور درخواست پر کچھ لکھ کر کہا کہ میں یہ واپس مارشل لا حکام کو بھیج رہا ہوں، وہی فیصلہ کریں گے۔ مگر آج سات آٹھ ماہ کا عرصہ گزرنے کے بعد بھی کوئی کارروائی عمل میں نہیں آئی۔ میں نے کرایہ دار کے ناجائز مطالبے پر آٹھ ہزار روپے محض اس لئے دینے منظور کئے تھے کہ ہم لوگ مزید پریشانی اور تکالیف سے بچ جائیں گے، حالانکہ کرایہ دار بارہ سال قبل ۲۵۰ روپے ماہوار پر قیام پذیر ہوا تھا اور ان بارہ سالوں کے طویل عرصے میں صرف ایک بار ۱۹۷۷ء میں کرائے میں سو روپے کا اضافہ کیا تھا۔ جبکہ آج مہنگائی کے سبب کرائے بھی چار پانچ گنا بڑھ چکے ہیں، اور خود حکومت نے سالانہ دس فیصد اضافے کا اختیار دے رکھا ہے، اس طرح کرایہ دار ہم مجبوروں کا حق غصب کرتا رہا ہے اور کر رہا ہے۔ محترم مولانا صاحب! آپ قرآن و حدیث کی روشنی میں اور اسلامی قانون کی رُو سے بتائیں کہ اس کی کیا سزا ہے؟

جواب:... شرعی حکم یہ ہے کہ جب مالک مکان کو ضرورت ہو، وہ مکان خالی کرواسکتا ہے،[1] اور کرایہ دار کے ذمہ معاہدے کے مطابق مکان خالی کردینا لازم ہے،[2] ورنہ وہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں ظالم و غاصب کی حیثیت سے پیش ہوگا۔ اور آج کل جو رسم چل نکلی ہے کہ کرایہ دار کچھ معاوضہ لے کر مکان خالی کرتا ہے (جیسا کہ آپ کا، کرایہ دار کے ساتھ آٹھ ہزار روپے کا معاہدہ کرایا گیا) کرایہ دار کے لئے اس رقم کا وصول کرنا، مردار اور خنزیر کی طرح قطعی حرام ہے۔[3] جو شخص، خدا، رسول اور آخرت کی جزا و سزا پر ایمان رکھتا ہو، وہ ایسی حرام خوری کا اِرتکاب نہیں کرسکتا۔ اب یہ کتنا بڑا ظلم ہے کہ آپ کا کرایہ دار مالکِ مکان سے اس ''جرم'' میں کہ اس نے چودہ سال

---

(۱) قال فی الدر المختار آجر کل شهر بکذا فللکل الفسخ عند تمام شهر. (درمختار ج:۶ ص:۴۵، باب الإجارة الفاسدة). آجر داره ثم أراد نقض إجارتها وبيعها لأنه لا نفقة له ولعياله فله ذلک۔ (عالمگیری ج:۴ ص:۴۵۹).

(۲) قال الله تعالیٰ: ''وأوفوا بالعهد إن العهد کان مسئولًا'' (الإسراء:۳۴). قال المظهری أی مطلوبا يطلب من العاهد أن لا يضيعه. (تفسير مظهری ج:۵ ص:۴۳۹).

(۳) عن أبی حرة الرقاشی عن عمه قال قال رسول الله صلی الله عليه وسلم: ألا لا تظلموا! ألا لا يحل مال امرء إلّا بطيب نفس منه. (مشکوٰة ج:۱ ص:۲۵۵). قال تعالیٰ: ''ولَا تأکلوا أموالکم بينکم بالباطل'' وفی الجامع لأحکام القرآن للقرطبی، تحت هذه الآية: من أخذ مال غيره لا علی وجه إذن الشرع، فقد أکله بالباطل. (تفسير قرطبی ج ۲ ص ۳۲۳ طبع دار إحياء التراث، بيروت). أيضًا (لَا تأکلوا أموالکم بينکم بالباطل) بما لم تبحه الشريعة من نحو السرقة والخيانة والغصب والقمار وعقود الربا. (تفسير النسفی ج:۱ ص:۳۵۱، طبع دار ابن کثير، بيروت).

اس مکان میں کیوں ٹھہرنے دیا، آٹھ ہزار کا ہرجانہ مانگ رہا ہے، اس کو "اندھیر نگری" ہی کہا جائے گا۔ رہا یہ کہ حاکم آپ کو انصاف دِلادیں گے، مجھے اس کی توقع نہیں، کیونکہ اوّل تو ہمارے اُونچے افسران کو اُونچا سنائی دیتا ہے، کسی بے کس یتیم، کسی بیوہ، لاچار، اپاہج اور کسی پیرِ ناتواں کی آہیں ان کے ایوانوں تک شاذونادر ہی پہنچتی ہیں۔ دُوسرے ہمارے ہاں انصاف خواہی کسی کمزور آدمی کا کام نہیں، جناب گورنر یا وفاقی محتسبِ اعلیٰ تک رسائی کسی بڑے آدمی ہی کی ہوسکتی ہے، نہ آپ کی قسم کے گمنام لوگوں کی درخواستوں کی، اور نہ مجھ ایسے کے کالم کی۔ آپ صبر کیجئے، اللہ تعالیٰ آپ کو اِنصاف دِلائیں گے۔

کرایہ دار کا بلڈنگ خالی نہ کرنا ناجائز ہے

سوال:... میں ایک کمرشل بلڈنگ کا مالک ہوں، جس کو کرایہ پر لینے کے لئے ایک شخص نے مجھ سے درخواست کی، شرائط طے ہوگئیں، دو معززین کی موجودگی میں اس نے ضمناً یقین دہانی کرائی کہ دورانِ مدّتِ کرایہ داری مذکورہ شرائط پوری کرتا رہے گا اور بعد اِختتامِ میعاد، بلڈنگ مذکورہ خالی کرکے صلح صفائی کے ماحول میں حوالہ مالک کردے گا۔ چنانچہ اس یقین دہانی کی بنا پر تمام شرائط دو گواہان کی موجودگی میں اسٹامپ پر معاہدہ تحریر و تکمیل کرکے بعدالت رجسٹرار صاحب تصدیق کرالیا گیا۔ میعاد کرایہ داری پانچ سال ختم ہوگئی ہے، لیکن کرایہ دار بلڈنگ مذکورہ کو خالی کرکے قبضہ دینے سے گریز کر رہا ہے۔ میرا بیٹا جو کہ بیرونِ ملک ملازم تھا، اب واپس وطن آچکا ہے، اس کے دو بیٹے اور بذاتِ خود بیکار ہیں، ہم سب کو رزقِ حلال کمانے کے لئے سب سے اوّل اپنی مملوکہ جگہ کی ضرورت ہے، ہمارے پاس ماسوا مذکورہ جائیداد کے کوئی دُوسری کاروباری جگہ نہیں ہے، اور نہ ہی کوئی دُوسرا ذریعہ معاش۔ حصولِ انصاف اور عدالتی دادرسی کے لئے مروّجہ قانون کے مطابق بہت طولانی، گراں اور کٹھن منزلیں طے کرنا پڑتی ہیں، جو اسلامی دور میں ننگِ ملک وقوم ہے۔ اَزراہِ کرم میرے مندرجہ بالا حلفیہ بیان کی روشنی میں مالکِ مکان، کرایہ دار کی ذمہ داریوں، فرائض اور حقوق کی وضاحت فرمائیں۔ شرعی نقطۂ نگاہ سے اس کا سہل اور فوری حل کیا ہوسکتا ہے؟

جواب:... سہل اور فوری حل تو خوفِ خدا ہے۔ جب ایک شخص نے پانچ سال کی میعاد کا معاہدہ کرکے مکان کرائے پر لیا ہے تو میعاد گزرنے کے بعد اس کے لئے مکان کا استعمال کرنا شرعاً جائز نہیں۔ اگر مسلمان حلال و حرام کا لحاظ رکھیں تو آدھے جھگڑے فوراً نمٹ جائیں۔[1]

کسی کا مکان خالی نہ کرنا یا ٹال مٹول کرنا شرعاً کیسا ہے؟

سوال:... ایک شخص نے اپنا ذاتی مکان کسی دُوسرے شخص کو ماہوار کرایہ پر دیا، کچھ عرصہ گزر جانے کے بعد مالکِ مکان نے کرایہ دار کو اپنی جائز اور اَشد ضرورت کے تحت مکان خالی کرنے کا کہا اور معقول مدّت کا نوٹس پیریڈ بھی دیا۔ دریافت یہ کرنا ہے کہ کیا شریعت کی رُو سے کرایہ دار کو مکان خالی کردینا لازم ہے؟ اور اگر وہ مکان خالی نہیں کرتا اور ٹال مٹول سے کام لیتا ہے تو شریعت کی رُو سے کرایہ دار پر کیا اَحکامات لاگو ہیں؟ اور اس کی سزا کیا ہے؟

---

(۱) لا یجوز لأحد أن یتصرف فی ملک غیره بلا إذنه۔ (شرح المجلة ص:۶۱، المادة:۹۶، طبع کوئٹہ)۔

جواب:... اگر مالکِ مکان کرایہ دار کو مکان خالی کرنے کا کہے تو اس کے ذمے مکان خالی کردینا واجب ہے، اور خالی کرنے سے اِنکار کردینا یا ٹال مٹول سے کام لینا شرعاً حرام ہے۔ مالک کی رضامندی کے بغیر اگر مکان میں رہائش کرے گا تو اللہ تعالیٰ کے دفتر میں اس کا نام "غاصب" لکھا جائے گا، اور اس مکان میں رہتے ہوئے اس کی کوئی عبادت قبول نہیں ہوگی۔ بعض کرایہ دار مکان خالی کرنے کا معاوضہ وصول کرتے ہیں، تب مکان خالی کرتے ہیں، یہ معاوضے کی رقم اُن کے لئے مالِ حرام ہے،[1] اور مالِ حرام کھانے والوں کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اِرشاد ہے کہ ان پر جنت حرام ہے، اور وہ دوزخ کے مستحق ہیں۔[2]

کرایہ وقت پر ادا نہ کرنے پر جرمانہ صحیح نہیں

سوال:... دُکان دارانِ جامع مسجد محمدی کے درمیان چار روپے کے اسٹامپ پر یہ معاہدہ ہوا تھا کہ ہر دُکان دار ہر ماہ کی دس تاریخ تک کرایہ ادا کردے گا، بروقت کرایہ نہ دینے کی صورت میں کچھ رقم یومیہ جرمانہ ادا کریں گے۔ یہ معاہدہ دُکان کرایہ پر لیتے وقت بخوشی ورضا ہوا تھا، اس طرح جرمانہ وصول کرنا جائز ہے یا نہیں؟

جواب:... شرعاً اس طرح مالی جرمانہ وصول کرنے کی گنجائش نہیں ہے۔[3]

اسکیم کی ٹیکسیاں کسی سے کرایہ پر لے کر چلانا

سوال:... اسکیم کی پیلی ٹیکسیاں روزانہ کے ۲۰۰ روپے ٹھیکے پر ملتی ہیں، ان کا چلانا کیسا ہے؟ کیا یہ سود کی اِعانت یا سود دینے میں کسی کی مدد کرنا تو نہیں ہے؟

جواب:... سود پر لینے کا گناہ تو جو ہوتا اور جن کو ہونا تھا وہ ہوچکا ہے، اس پر وہ اِستغفار کریں، باقی ٹیکسی کا استعمال جائز ہے،[4] واللہ اعلم!

---

(۱) لا يجوز لأحد من المسلمين أخذ مال أحد بغير سبب شرعي. (فتاویٰ شامی ج:۴ ص:۶۱، مطلب في التعزير... إلخ).

(۲) عن جابر قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: لا يدخل الجنّة لحم نبت من السُّحت، وكل لحم نبت من السُّحت كانت النار أولى به. رواه أحمد والدارمي والبيهقي في شعب الإيمان. (مشكوة ص:۲۴۲، باب الكسب وطلب الحلال).
وعن أبي بكر أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: لا يدخل الجنّة جسد غذي بالحرام. رواه البيهقي في شعب الإيمان. (مشكوة ص:۲۴۳، باب الكسب وطلب الحلال، طبع قديمي).

(۳) قال تعالى: "ولا تأكلوا أموالكم بينكم بالباطل" وفي تفسير القرطبي: من أخذ مال غيره لا على وجه إذن الشرع، فقد أكله بالباطل. (تفسير قرطبي ج:۲ ص:۳۲۳). وفي الدر المختار: لا بأخذ مال في المذهب. قال الشامي: (قوله: لا بأخذ مال) قال في الفتح وعن أبي يوسف يجوز التعزير للسلطان بأخذ المال وعندهما وباقي الأئمة لا يجوز وظاهر ان ذلك رواية ضعيفة عن أبي يوسف قال في الشرنبلالية ولا يفتى بهذا لما فيه من تسليط الظلمة على أخذ مال الناس ثم قال ولا يجوز من المسلمين أخذ مال أحد بغير سبب شرعي. (شامي ج:۴ ص:۶۱، مطلب في التعزير بأخذ المال).

(۴) يجوز إستئجار السيارات للركوب والحمل لأنها منفعة معلومة والمؤجر يقيد المستأجر بقيادة السيارة. (الفقه الحنفي وأدلّته ج ۳ ص:۸٦، كتاب الإجارة).

دُکان حجام کو کرایہ پر دینا

سوال:... ایک حجام (نائی) مجھ سے ایک دُکان کرایہ پر لیتا ہے، اسے حمام بنانا چاہتا ہے، صاف بات یہ ہے کہ حمام میں لوگوں کی داڑھی وغیرہ (شیو) بنایا جائے گا، انگریزی بال بنائے جائیں گے، لہٰذا ایسی صورت میں دُکان کے کرایہ کا میرے لئے کیا حکم ہے؟

جواب:... آپ حرام کی رقم لینے پر مجبور نہیں ہیں، اس کو کہہ دیں کہ داڑھی مونڈنے کے پیسے میں نہیں لوں گا، مجھے حلال کے پیسے لاکردو، خواہ کسی سے قرض لے کردو۔

قسطوں کا کاروبار

قسطوں میں زیادہ دام دے کر خرید و فروخت جائز ہے

سوال:... ایک شخص ٹرک خریدنا چاہتا ہے، جس کی قیمت ۵۰ ہزار روپے ہے، لیکن وہ شخص مجموعی طور پر اتنی استطاعت نہیں رکھتا کہ وہ اس ٹرک کی یکمشت قیمت ایک ہی وقت میں ادا کرسکے، لہٰذا وہ اسے قسطوں کی صورت میں خریدتا ہے، لیکن قسطوں کی صورت میں اسے ٹرک کی اصلی قیمت سے ۳۰ ہزار روپے زیادہ ادا کرنے پڑتے ہیں اور ایڈوانس ۲۰ ہزار روپے اور ماہوار قسط ۱۵ سو روپے ادا کرنے ہوں گے۔ براہِ مہربانی شریعت کی رُو سے جواب عنایت فرمائیں کہ اس ٹرک کی یا اور اسی قسم کی کسی بھی چیز کی خرید و فروخت جائز ہوگی یا نہیں؟

جواب:... جائز ہے۔[1]

قسطوں پر گاڑیوں کا کاروبار کرنا ضروری شرطوں کے ساتھ جائز ہے

سوال:... قسطوں پر گاڑیوں کی خرید و فروخت سود کے زُمرے میں آتی ہے یا نہیں؟

جواب:... اگر بیچنے والا گاڑی کے کاغذات مکمل طور پر خریدار کے حوالے کردے اور قسطوں پر فروخت کرے تو جائز ہے۔ اس میں اُدھار پر بیچنے کی وجہ سے گاڑی کی اصل قیمت میں زیادتی کرنا بھی جائز ہے، یہ سود کے حکم میں نہ ہوگی، لیکن اس میں یہ ضروری ہے کہ ایک ہی مجلس میں یہ فیصلہ کرلیں کہ خریدار نقد لے گا یا کہ اُدھار قسطوں پر، تاکہ اسی کے حساب سے قیمت مقرّر کی جائے، مثلاً: ایک چیز کی نقد قیمت: ۵،۰۰۰ روپے اور اُدھار قسطوں پر اس کو: ۷،۰۰۰ روپے میں فروخت کرتا ہے تو اس طرح قیمت میں زیادتی کرنا جائز

---

(۱) البیع مع تأجیل الثمن، وتقسیطه صحیح، یلزم أن تکون المدّة معلومة فی البیع بالتأجیل والتقسیط۔ (شرح المجلة لسلیم رستم باز ص:۱۲۵ رقم المادّة:۲۴۵، ۲۴۶)۔ وفی المبسوط: واذا اشتریٰ شیئًا بنسیئة فلیس له أن یبیعه مرابحة حتّٰی یبین أنه اشتراه بمسیئة، لأن بیع المرابحة بیع أمانة تنفی عنه کل تهمة وجنایة ویتحرز فیه من کل کذب . . ثم الإنسان فی العادة یشتری الشیء بالنسیئة بأکثر مما یشتری بالنقد، فإذا أطلق الإخبار بالشراء فإنما یفهم السامع من الشراء بالنقد فکان من هذا الوجه کالمخبر بأکثر مما اشتریٰ به۔ (المبسوط، أوّل کتاب المرابحة ج:۱۳ ص:۷۸، طبع دار المعرفة بیروت)۔ ولأن للأجل شبهًا بالمبیع، ألا تریٰ أنه یزاد فی الثمن لأجله۔ (درمختار مع رد المحتار ج:۵ ص ۱۴۲ باب المرابحة والتولیة)۔ أیضًا. أما الأئمة الأربعة وجمهور الفقهاء والمحدثین فقد أجازوا البیع المؤجل بأکثر من سعد النقد بشرط أن یبث العاقدان بأنه بیع مؤجل بأجل معلوم وبثمن متفق علیه عند العقد۔ (بحوث فی قضایا فقهیة معاصرة ص:۷، طبع مکتبه دارالعلوم کراچی)۔

ہوگا اور سود کے حکم میں نہ ہوگا۔[1]

سلائی مشین دو ہزار کی خرید کر دو سو روپے ماہانہ قسط پر ڈھائی ہزار کی فروخت کرنا

سوال: ایک شخص بازار سے سلائی مشین مبلغ دو ہزار میں خرید کر دُوسرے اشخاص کو مبلغ ۲۵۰۰ روپے میں ماہانہ اَقساط پر دے دیتا ہے، اور ۲۰۰ روپے یومیہ قسط وصول کرتا ہے، شرعاً قرآن وحدیث کی رُو سے اَقساط کا کاروبار جائز ہے یا نہیں؟

جواب: آپ نے جو صورت لکھی ہے، یہ صحیح ہے۔ اگر دو ہزار کی چیز کوئی آدمی نقد خریدے اور پچیس سو روپے پر قسطوں میں دیدے، تو کوئی حرج نہیں۔[2]

تین لاکھ قیمت کا رِکشا قسطوں پر چار لاکھ کا خریدنا

سوال: ایک رِکشے کی قیمت بازار میں نقد تین لاکھ روپے ہے، اگر یہی رِکشا اُدھار پر لیا جائے تو چار لاکھ رقم بطورِ قیمت وصول کی جاتی ہے۔ چنانچہ شوروم والا پہلی قسط پچاس ہزار، اور بعد اَزاں ہر ماہ چار ہزار وصول کرتا ہے، اس طرح اُدھار خرید میں کل چار لاکھ قیمت ادا کرنی ہوتی ہے، کیا یہ خرید وفروخت صحیح ہے؟

جواب: یہ سودا صحیح ہے،[3] لیکن شرط یہ ہے کہ جو قیمت ایک بار طے ہوگئی پھر اس کو نہ بڑھایا جائے۔[4]

گاڑی کے ٹائر قسطوں پر فروخت کرنا

سوال: میرے ایک دوست نے ٹائروں کا کاروبار شروع کیا ہے، وہ نقد رقم پر مارکیٹ سے ٹائر لاتے ہیں، اور گاڑی والے کو قسطوں پر دیتے ہیں، فی ٹائر مبلغ ۳۰۰ روپے کماتے ہیں، اور ٹائر لینے والا یہ رقم دو مہینے میں میرے دوست کو اَدا کرتا ہے۔

---

(۱) وعن أبي هريرة قال: نهى رسول الله صلى الله عليه وسلم عن بيعتين في بيعة، وقد فسّر أهل العلم قالوا بيعتين في بيعة أن يقول أبيعك هذا الثوب بنقد بعشرة ونسيئة بعشرين، ولَا يفارقه على أحد البيعين، فإذا فارقه على أحدهما فلا بأس إذا كانت العقد على واحد منهما. (ترمذي ج:۱ ص:۲۳۳، أبواب البيوع، باب ما جاء في النهي عن بيعتين في بيعة).

(۲) لأن للأجل شبها بالمبيع، ألَا ترىٰ أنه يزاد في الثمن لأجل الأجل. (هداية ج:۳ ص:۷۶ كتاب البيوع، باب المرابحة والتولية). وقد فسر بعض أهل العلم قالوا بيعتين في بيعة أن يقول أبيعك هذا الثوب بنقد بعشرة، وبنسيئة بعشرين، ولَا يفارقه على أحد البيعين فإن فارقه على أحدهما فلا بأس إذا كانت العقدة على واحد منهما. (ترمذي ج:۱ ص:۱۴۷ أبواب البيوع، باب ما جاء في النهي عن بيعتين في بيعة).

(۳) إن للأجل شبهًا بالمبيع ألَا ترىٰ أنه يزاد في الثمن لأجل الأجل، والشبهة في هذا ملحقة بالحقيقة. (الهداية ج:۳ ص ۷۶ باب المرابحة، طبع إمداديه ملتان، أيضًا. ومثله في الدر المختار مع رد المحتار ج ۵ ص ۱۴۲، باب المرابحة والتولية، طبع ايج ايم سعيد).

(۴) لما روى عن رسول الله صلى الله عليه وسلم انه نهىٰ عن قرض جرّ نفعًا، كل قرض جر نفعًا فهو ربا. (بدائع الصنائع ج ۷ ص ۵۹۷ كتاب القرض، الأشباه والنظائر ص:۲۵۷). مالك عن زيد بن اسلم أنه قال: كان الربا في الجاهلية أن يكون للرجل على الرجل الحق إلى أجل فإذا حل الحق قال: أتقضي أم تربي؟ فإن قضىٰ أخذ وإلّا زاده في حقه وأخر عنه الأجل. (مؤطا إمام مالك ص:۶۰۲ كتاب البيوع، باب ما جاء في الربا في الدين، طبع مير محمد كراچي).

میرے خیال میں یہ کاروبار سود کے زُمرے میں آتا ہے، آپ ٹھیک جواب دیں۔

جواب:... یہ شرعاً سود نہیں۔[1]

قسطوں کا کاروبار کرنے والوں کا پیسہ مسجد پر لگانا

سوال:... جو لوگ قسطوں پر سامان کی خرید و فروخت کرتے ہیں، یہ لوگ نفع بہت زیادہ رکھتے ہیں، کیا ان کا پیسہ مسجد میں لگ سکتا ہے یا نہیں؟

جواب:... جو لوگ قسطوں کا کاروبار کرتے ہیں، اگر ان کا کاروبار صحیح ہو تو خواہ وہ کتنا منافع رکھیں، ان کی رقم صحیح ہے۔[2]

کمپنی سے اُدھار قسطوں پر گاڑی خریدنا

سوال:... ملیشیا میں رہتے ہوئے اگر ہم موٹر کار خریدتے ہیں تو کمپنی سے خریدنا ہوتا ہے، کمپنی والے بتاتے ہیں کہ نقد پر اتنی قیمت ہے اور اُدھار پر اتنی، پھر وہ قیمت ماہوار بینک میں جمع کرائی جاتی ہے، کمپنی بینک سے اپنی قیمت وصول کرتی ہے، اس طرح یہ کار خریدنا جائز ہے یا نہیں؟

جواب:... گاڑی کی قیمت یکمشت طے کرلی جائے اور پھر قسطوں پر اس کی ادائیگی ہوتی رہے تو جائز ہے۔[3]

ٹریکٹر، موٹر وغیرہ خریدنے کے لئے ایک لاکھ دے کر ڈیڑھ لاکھ قسطوں میں واپس لینا

سوال:... ہمارے علاقے کے دو عالمِ دین حضرات لوگوں کو ٹریکٹر، موٹر وغیرہ خریدنے کے لئے رقم دیتے ہیں، اور دی ہوئی رقم میں ایک لاکھ روپے پر ایک لاکھ پچاس ہزار روپے وصول کرتے ہیں، وصولی پانچ ہزار روپے ماہوار کے حساب سے ہوتی ہے، واضح رہے کہ وہ رقم نقدی کی صورت میں نہیں دیتے، صرف ٹریکٹر وغیرہ خریدنے کے لئے دیتے ہیں، کیا یہ جائز ہے؟

جواب:... دس ہزار کی رقم پر پندرہ ہزار وصول کرنا تو سود ہے، البتہ اگر دس ہزار کی (مثلاً) کوئی چیز خرید کر پندرہ ہزار کی دے دی جائے تو جائز ہے۔ آپ کے مولوی صاحبان اگر یہی صورت اِختیار کرتے ہیں تو ٹھیک ہے، ورنہ سود کھاتے ہیں۔[4] واللہ اعلم!

دس روپے کی نقد میں لی ہوئی چیز اُدھار قسطوں پر سو روپے میں فروخت کرنا

سوال:... ایک بہت اہم مسئلے کی طرف آپ کی توجہ مبذول کروانا چاہتا ہوں، اللہ تعالیٰ جل شانہٗ اور آنحضرت محمد صلی اللہ علیہ

---

(۱) البیع مع تأجیل الثمن وتقسیطه صحیح، یلزم أن تکون المدة معلومة فی البیع بالتأجیل والتقسیط۔ (شرح المجلة ص ۱۲۵، رقم المادة: ۲۴۵، ۲۴۶)۔

(۲) گزشتہ صفحے کا حاشیہ نمبر ۱، ۲، ۳ ملاحظہ فرمائیں۔

(۳) ایضاً۔

(۴) قال رسول الله صلی الله علیه وسلم: کل قرض جرّ منفعة فهو ربا۔ (فیض القدیر ج: ۹ ص: ۴۴۸۷، طبع مکتبة نزار الریاض، إعلاء السنن، کتاب الحوالة ج: ۱۴ ص: ۵۱۲، ۵۱۳، طبع إدارة القرآن کراچی)۔

وآلہ وسلم نے سود سے متعلق جس سختی سے اہلِ ایمان کو تنبیہ فرمائی ہے، اس سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ شرک کے بعد سب سے بڑا گناہ ہے، لیکن دورِ حاضر میں سود کو "منافع" سے تعبیر کیا جانے لگا ہے۔ مثلاً بیمہ کمپنیاں، بینکوں کی طرف سے سود کو زیادہ سے زیادہ منافع کا لالچ دینا اور بہت سے دُوسرے طریقے رائج ہوتے جارہے ہیں۔ مثال کے طور پر ایک طریقہ یعنی گھریلو مصارف کی اشیاء کو اَقساط پر دینا، اس پر فکس منافع بھی لینا اور گاہک کو دھوکا دینا بھی شامل ہے۔ کچھ قسطوں کے کاروبار کرنے والوں نے نام نہاد مُلّاؤں سے فتویٰ بھی لے لیا ہے (۵۰ روپے میں بآسانی مل جاتے ہیں) کہ یہ کاروبار سودی نہیں ہے، بلکہ خالصتاً تجارت ہے۔ یہ سارا اس نتیجے پر پہنچا ہے کہ یہ کاروبار بھی سود کی ایک قبیح شکل ہے، اس کاروبار کا طریقہ کار یا طریقۂ واردات کہہ لیجئے کچھ یوں ہے:

ڈکان دار ایک عدد پنکھا ہول سیل ریٹ پر مبلغ ۷۰۰ روپے میں خرید کرتا ہے، پنکھے کے ریٹیل دام ۱۰۰۰ روپے ہیں، اس ایک ہزار کے اُوپر ۳۵ فیصد منافع جمع کرتا ہے، اس طرح اب اس کی قیمت ۱۳۵۰ روپے بنتی ہے، اس رقم کا ایک تہائی پہلے وصول کرتا ہے، یعنی ۴۵۰ روپے ایڈوانس، بقایا رقم ۲۰۰ روپے ماہوار اَقساط کی صورت میں وصول کرتا ہے۔ گاہک نے جو رقم یعنی ۴۵۰ روپے یکمشت ادا کی ہے اس پر بھی منافع جمع کرلیا ہے۔ اس طرح ڈکان دار ۶۵۰ روپے سود منافع کے نام پر وصول کرتا ہے۔

۱:... آپ سے سوال یہ ہے کہ بینکوں اور مالیاتی اِداروں کی جانب سے کھاتہ داروں کو سودی منافع دینا اور قرض دینے کی صورت میں فکسڈ سود حاصل کرنا اور اس کاروبار میں کیا فرق ہے؟

۲:... اگر آپ یہ کہیں کہ یہاں تو رقم نہیں دی جارہی ہے بلکہ سامان دیا جارہا ہے، تو ڈکان دار کو سامان دینے پر ڈبل رقم ملتی ہے کیونکہ اگر وہ گاہک کو ۱۰۰۰ روپے دیدے تو ہول سیل اور ریٹیل کے باعث اس کو ۳۰۰ روپے کا خسارہ برداشت کرنا پڑے گا، جو اس کو قطعاً منظور نہیں، جبکہ وہ اپنی لگائی ہوئی رقم کا بڑا حصہ پہلے ہی وصول کرلیتا ہے، جیسا کہ اُوپر بیان کیا گیا ہے کہ ۷۰۰ روپے کی رقم سے ۴۵۰ روپے پہلے ہی وصول کرلئے، جبکہ بقایا ۲۵۰ روپے پر مزید ۶۵۰ روپے سود وصول کرتا ہے، تو کیا یہ سود نہیں ہے؟

جواب:... جیسا کہ آپ نے تحریر فرمایا ہے، سود لینا بدترین گناہ ہے، اور سود لینے والوں کے خلاف اللہ تعالیٰ نے اِعلانِ جنگ فرمایا ہے۔[1] آج جو پوری کی پوری قوم مختلف شکلوں میں عذابِ اِلٰہی کا مورد بنی ہوئی ہے، اس کی ایک اہم ترین وجہ ہمارے ملک کا سودی نظام ہے۔ جو لوگ سود لیتے اور دیتے ہیں ان کا ایمان بھی مشتبہ ہے۔

۲:... قسطوں پر چیز لینا اور دینا جائز ہے۔[2] فرض کیجئے! ایک چیز دس روپے کی ہے، آپ اس کو قسطوں کی شکل میں لیتے ہیں اور اس کی ایک سو روپے قیمت مقرّر کرتے ہیں، یہ شرعاً جائز ہے، بشرطیکہ کوئی دُوسری غلط شرط اس میں شامل نہ ہو۔ آنجناب نے اس سلسلے

---

(۱) قال الله تعالٰی: "وأحل الله البيع وحرم الربوٰا" (البقرة:۲۷۵)۔ وقال تعالٰی: "فإن لم تفعلوا فأذنوا بحرب من الله ورسوله" (البقرة:۲۷۹)۔

(۲) البيع مع تأجيل الثمن، وتقسيطه، صحيح، يلزم ان تكون المدة معلومة في البيع بالتأجيل والتقسيط. (شرح المجلة لسليم رستم باز ص:۱۲۵، رقم المادّة:۲۴۵، ۲۴۶)۔ أيضًا: لأن للأجل شبهًا بالمبيع، ألَا ترى أنه يزاد في الثمن لأجل الأجل. (هداية ج:۳ ص:۷۶ كتاب البيوع)۔

میں جو شبہات ذکر کئے ہیں، ان کا اس طرح سمجھنا مشکل ہے، کسی وقت موقع ملے تو آپ میرے پاس تشریف لائیں، تاکہ اس مسئلے پر تبادلۂ خیال کیا جائے۔

قسطوں کے کاروبار کے جواز پر علمی بحث

سوال:... روزنامہ ''جنگ'' کی خصوصی اشاعت بعنوان ''اسلامی صفحہ'' میں دلچسپی اور اشتیاق نے آنجناب کی توجہ اس طرف مبذول کرانے کی ضرورت محسوس کی ہے۔ کئی بار قارئین نے ''قسطوں کے کاروبار'' کے سلسلے میں آپ سے جواز اور عدم جواز کے بارے میں دریافت فرمایا اور آپ نے بالاختصار اس طرح جواب سے نوازا کہ علماء اور فقہاء نے قسطوں کے کاروبار کو، یعنی نقد قیمت کے مقابلے میں اُدھار کی اضافہ شدہ قیمت کو جائز قرار دیا ہے، اور اگر کوئی شرطِ فاسد معاملۂ ''شراء بالتقسیط'' سے وابستہ ہو تو وہ کالعدم ہوجائے گی اور یہ معاملہ (شراء بالتقسیط) دُرست ہے، اور آخر میں ''واللہ اعلم بالصواب'' کے الفاظ مرقوم ہوتے ہیں، جس سے شاید کسی قدر شک وشبہ کی طرف اشارہ مقصود ہوتا ہے، یا کم از کم ورع وتقویٰ کی علامت ہے۔

اس سلسلے میں چند معروضات حسبِ ذیل ہیں:

اِصطلاحاً:... جسے عربوں میں ''شراء بالتقسیط'' اور پاکستان میں ''بیع بالاجارہ'' کہتے ہیں، اور اس معاملے میں بیع کے مختلف اسماء، مختلف ممالک میں متعارف ہیں، جیسے برطانیہ میں ''ہائر پرچیز'' (Hirepurchase)، ریاست ہائے متحدہ امریکا میں ''انسٹالمنٹ کریڈٹ'' (Instalment Credit)، ''انسٹالمنٹ بائنگ'' (Instalment Buying)، فروخت کی یہ شکلیں بالعموم صرفی قرض (Consumer Credit) کے لئے اختیار کی جاتی ہیں۔

پسِ منظر اور ابتدا:... مختلف دائرۃ المعارف وموسوعہ (Encyclopedia) میں مرقوم ہے کہ ''شراء بالتقسیط'' کا پسِ منظر گھریلو، دیرپا اور گراں قدر اشیاء کی فراہمی کی ایک معاشی تدبیر ہے، اور ان اشیاء کے حصول کا ایک سہل ذریعہ۔ اس کی ابتدا اُنیسویں صدی کے وسط میں ریاست ہائے متحدہ امریکہ میں ہوئی جبکہ ایک سلائی مشین کمپنی نے اپنی تیار کردہ سلائی مشین کو اپنے صارفین کے لئے اس کی قیمت کو بالاقساط، قسط وار ادائیگی کی صورت میں متعارف کرایا، جس کو دیگر کمپنیوں نے اپنی مصنوعات کی کھپت قابلِ عمل اور منافع بخش تصوّر کرتے ہوئے نہ صرف اپنایا بلکہ دن دُگنا اور رات چوگنا منافع کمانے کا کامیاب کاروباری وسیلہ بنالیا۔

تعریف اور نوعیت:

الف:... بیع بالاجارہ: یہ ایک قسم کا اجارہ (معاہدہ کرایہ داری) ہے، جس کی رُو سے کرایہ دار مقررہ رقم بالاقساط ادا کرتا ہے اور معاہدہ کے تحت حاصل کردہ اختیارِ خریداری کو عملی جامہ پہنایا جاسکتا ہے۔ اس معاہدے میں خریدار کی حیثیت معاہدہ بیع کے خریدار کی نہیں ہوتی، جس میں خریدار کسی شے کو بالفعل خریدتا ہے یا خریداری کی بابت ناقابلِ تنسیخ رضامندی کا اظہار کرتا ہے، اس معاہدے کے تحت خریدار اس وقت تک مالک قرار نہیں پاتا جب تک کہ وہ ساری طے شدہ اقساط ادا نہ کردے۔

ب:... بعض اہلِ علم کے نزدیک بیع بالاجارہ صارف کے لئے ایک قسم کے قرض کی فراہمی ہے، یعنی صارف کے نقطۂ نظر سے

معاہدۂ استقراض ہے۔ جس کے تحت خریدار سامان کی قیمت کا کچھ حصہ پیشگی ادا کرتا ہے جسے ''ڈاؤن پیمنٹ'' کہتے ہیں، اور بقیہ واجب الادا رقم (جس میں فروخت کنندہ اپنا نفع بھی شامل کرتا ہے) قسط وار ادا کرنے پر رضامندی کا اظہار کرتا ہے، جبکہ عموماً اقساط کی ادائیگی کی مدّت چھ ماہ یا دو سال یا زائد ہوتی ہے، یہ تعریف **شراء بالتقسیط** (قسطوں کے کاروبار) سے قریب تر ہے۔

نوعیت اور ماہیت:... بیع بالاجارہ یا شراء بالتقسیط معاملۂ بیع کی ایک امتیازی قسم ہے، جس میں قیمتِ خرید بالاقساط ادا کی جاتی ہے، اور حقِ تملیک خریدار کو منتقل نہیں ہوتا جبکہ خریدار کو صرف قبضہ اور حقِ استعمال تفویض کیا جاتا ہے۔

طلب اور رغبت:... نسبتاً گراں قدر اشیاء کی خریداری عامۃ الناس کے لئے ہمیشہ سے مشکل کا باعث بنی رہی ہے، اس لئے کہ ان اشیاء کی قیمت کی یکمشت ادائیگی ہر شخص کے لئے آسان نہیں ہوتی، بلکہ اکثر کے لئے ناممکن ہوتی ہے، البتہ قسطوں میں ادائیگی مہنگے سامان کو ممکن الحصول بنادیتی ہے، مثال کے طور پر ایسے سامان کی فہرست درج ذیل ہے:

الف:... کاریں اور کم وزن اُٹھانے والے ٹرک اور بسیں (نئی اور پُرانی)۔

ب:... موٹرسائیکلیں۔

ج:... ٹیلی ویژن سیٹ اور ٹیپ ریکارڈر وغیرہ۔

د:... فرنیچر اور دیگر آرائشی سامان۔

ہ:... ریفریجریٹر اور عید و بیاہ شادی کے اخراجات و مصارف۔

و:... دیگر متفرقات۔

معاشی اہمیت:... معاشی نقطۂ نظر سے اس طریقۂ کار سے صارفین وہ تمام اشیاء حاصل کرلیتے ہیں جن کو وہ بعد از ادائیگی ایک طویل عرصے تک زیرِ استعمال رکھتے ہیں، اگر یہ طریقہ اختیار نہ کیا جائے تو صارف ہمیشہ کے لئے ان اشیاء سے محروم رہیں، ان اشیاء کی موجودگی سے نہ صرف گھریلو مقبوضات میں اضافہ ہوتا ہے بلکہ اثاثہ اور زیبائش کی منہ بولتی تصویر ثابت ہوتی ہیں۔

معاہدہ بیع بالاجارہ کا ڈھانچہ:... فریقین معاہدے کے اسماء مع ولدیت، پتاجات، دستخط اور شاہدین کے اسماء و پتاجات کے علاوہ اشیاء کی قدر و مالیت، تفصیل و تشخیص، قسط وار ادائیگی کی شرح مع شرحِ قسط، قسط کی عدم ادائیگی کی صورت میں فریقین معاہدے کے اختیارات و فرائض وغیرہ شامل ہوتے ہیں، اور سب سے اہم بات ''کم از کم ادائیگی کی مدّ'' قابلِ ذکر ہے، جس کی رُو سے خریدار کو تہائی یا چوتھائی رقم پیشگی ادا کرنا پڑتی ہے، مزید برآں دورانِ معاہدہ خریدار نہ کسی شے کی فروخت کرسکتا ہے، نہ ہی رہن رکھ سکتا ہے اور نہ اس پر کسی قسم کا بار ڈال سکتا ہے، حتیٰ کہ وہ کوئی ایسا عمل روا نہیں رکھ سکتا جو بائع کے حقِ ملکیت کے لئے مضرّت رساں ہو۔ غرضیکہ معاہدے میں تمام شرائط اس اَمر کی داعی و متقاضی ہوتی ہیں کہ بائع (بیچنے والے) کے مفاد کو تحفظ فراہم ہو۔

تنقید:... اس قسم کی بیع پر بالعموم ان الفاظ میں تنقید کی گئی ہے جو کہ حسبِ ذیل ہے:

الف:... عوام الناس کو اپنے جائز ذرائع آمدنی سے کہیں بالائی سطح پر معیارِ زندگی بحال کرنے پر اُکساتی ہے اور یہ ان کو شدید رغبت دِلاتی ہے کہ ان اشیاء سے اپنے گھروں کو مزین کرلیں جن کی ان کی موجودہ آمدنی سردست متحمل نہیں ہوسکتی، مزید اس سے متعلق

جتنے قوانین مغربی دُنیا میں اور ہمارے ہاں رائج اور نافذ ہیں وہ سرمایہ کار کمپنیوں کو معتدبہ تحفظات و مراعات فراہم کرتے ہیں اور رغبت اور بلند زندگی کی ہوس میں گرفتار بے چارہ صارف قانونی چارہ جوئی سے محروم رہتا ہے۔

ب:... یہ خاص قسم کی بیع (خرید و فروخت) معاشرے میں معاشی استحکام کو مخدوش بنادیتی ہے، اور افراطِ زر کے لئے ایک مؤثر محرک ثابت ہوتی ہے۔

ج:... اصلیت و ماہیت کے اعتبار سے مقرّرہ شرحِ نفع مروّجہ شرحِ سود سے نہ صرف مماثلت رکھتی ہے، بلکہ سودی شرح سے کہیں زیادہ ہوتی ہے اور یہ شرحِ منافع صارف کے استحصال کے لئے مثالی کردار ادا کرتی ہے۔ اب یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ آیا مذکورہ بالا شراء بالتّقسیط اسلام میں جائز ہے؟ جبکہ اس کی نوعیت اور ماہیت مع شروطِ فاسدہ حسبِ ذیل ہے:

شراء بالتّقسیط اصلیت و نوعیت کے اعتبار سے لتنافی الوظیفة اور بنفع لغرضین قرار پائی، کیونکہ اس میں بیع و اجارہ کا باہم دِگر اختلاط ہے، بلکہ معاملتین، صفقتین و بیعتین کا انضمام و ادغام ہے، جیسا کہ اس کی تعریف سے اس امر کی تصریح ہوتی ہے، لہٰذا یہ شوبیت تشریعِ اسلامی میں احسن نہیں ہے، اور دو معاملوں کا معاملہ واحدہ میں مجتمع ہونا صحت سے متغائر ہے، بلکہ بعض صورتوں میں شراء بالتّقسیط اجتماع المعاملتین تک محدود نہیں رہتی بلکہ اجتماع المعاملات کے قالب میں سموجاتی ہے، جیسے بیع، اجارہ، کفالت، ضمان اور بیمہ وغیرہ کا اجتماع۔

نصوصِ شرعیہ:... شراء بالتّقسیط کے سلسلے میں نصوصِ شرعیہ برائے ملاحظہ و غور و خوض حسبِ ذیل ہیں، جیسے:

اوّلاً:... اُجرت اور ضمانت ایک ہی جگہ مجتمع نہیں ہوسکتی۔ (دفعہ:۸۶، مجلۃ الاحکام العدلیہ)

ثانیاً:... بیع الدین، وهو مالکان الثمن والثمن فیه مؤجلین معًا وهو بیع منهی عنه (القسم الأوّل فی المعاملات المادیة، تألیف: السیّد علی فکری ص:۱۹)

ثالثاً:... بیعتان فی بیعة المنهی عنه قال ابن مسعود: صفقتان فی صفقة، ولأنه شرط عقد فی عقد فلم یصح۔ (القسم الأول فی المعاملات المادیة، تألیف: السیّد علی فکری ص:۴۵)

شروطِ فاسدہ:

۱:... اجارہ کا معاملہ مستقبل کی خریداری سے مشروط ہوتا ہے، اور یہ شرط تفضی الی المنازعة کو بروئے کار لاتی ہے۔

۲:... خریدار/مشتری کی ذمہ داری ہوتی ہے کہ وہ دانستہ اور نادانستہ طور پر اس میں (خریدی ہوئی چیز میں) کسی قسم کا عیب نہ آنے دے، جو کہ معاہدہ میں "Fault Clause" کہلاتی ہے۔

۳:... مستعدی سے مرمت کروانا اور حسبِ ضرورت نئے پرزہ جات کی بطریقِ احسن تبدیلی تاکہ اس کی عرفی قدر میں کمی واقع نہ ہو۔

۴:... انشورنس و بیمہ کرانا لازمی ہوتا ہے۔

۵:... تیسرے شخص کی ضمانت/ کفالت کلی کا وجود، اور

۶:... مجبوریوں اور کسمپرسی کی صورت میں اگر خریدار کسی واجب الادا قسط کی ادائیگی میں کوتاہی برتے، تو فریقِ ثانی کا حق یعنی بائع بلامداخلت خریدار فروخت شدہ شے کی بازیابی کا مطالبہ کرسکتا ہے۔

۷:... شرحِ نفع کے تعین میں من مانی کا عنصر غالب ہوتا ہے۔

حاصلِ کلام یہ ہے کہ بفرضِ محال یہ سرمایہ کار کمپنیاں اور مالیاتی ادارے ان شروطِ فاسدہ میں کسی قسم کی تحریف کی خدمت سر انجام دے بھی لیں، یا کم ازکم ان کو اسلامی سانچے میں ڈھالنے کی خاطر ان کا رُخ موڑ لیں یا پہلو بدل لیں تب بھی مستہلک (صارف) کے استحصال کے لئے ان کی یہ کاوش اور سعی رُکاوٹ ثابت نہ ہوگی۔ علاوہ ازیں اگر اسلامی تعلیمات ان نیم تعیشاتی سامان کے استعمال کو صراحتاً ناجائز قرار نہیں دیتیں تب بھی معاشیاتِ اسلام اس قسم کی بیعات کو رواج دینا پسند نہیں کرتی، اور اس کی نظر میں یہ اچھوتا اور انوکھا قسم کا استحصالِ صارف، مستحسن نہیں قرار پاتا۔

آنجناب کی خدمتِ اقدس میں قسطوں کے کاروبار کے سلسلے میں مندرجہ بالا معروضات ارسالِ خدمت ہیں، التماس ہے کہ قرآنِ حکیم، سنتِ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم، فقہ وفتاویٰ اور ائمہ وفقہاء کی آراء وتصریحات کی روشنی میں مفصل جواب سے نوازیں۔

جواب:... ماشاء اللہ! آپ نے خوب تفصیل سے بیع بالاقساط کے بارے میں معلومات جمع کی ہیں، جزاکم اللہ احسن الجزاء۔ تاہم جو مسئلہ میں نے بالاختصار کہا تھا وہ اس تفصیل کے بعد بھی اپنی جگہ صحیح اور دُرست ہے، یعنی: ''قسطوں پر خرید وفروخت جائز ہے،[1] بشرطیکہ اس میں کوئی شرطِ فاسد نہ ہو، اگر کوئی شرطِ فاسد لگائی گئی تو یہ معاملہ فاسد ہوگا۔''[2]

مثلاً: یہ شرط کہ جب تک خریدار تمام قسطیں ادا نہ کردے وہ اس چیز کا مالک نہیں ہوگا، یہ شرط فاسد ہے، بیع کے صحیح ہونے کے لئے یہ ضروری ہے کہ مشتری کو مالکانہ قبضہ دیا جائے، خواہ قیمت نقد ادا کی گئی ہو یا اُدھار ہو، اور اُدھار کی صورت میں یکمشت ادا کرنے کا معاہدہ ہو یا بالاقساط، ہر صورت میں مشتری کا قبضہ مالکانہ قبضہ تصور ہوگا،[3] اور اس کے خلاف کی شرط لگانے سے معاملہ

---

(۱) البیع مع تأجیل الثمن، وتقسیطه صحیح، یلزم أن تکون المدّة معلومة فی البیع بالتأجیل والتقسیط. (شرح المجلة للباز ص:۱۲۵ المادّة:۲۴۵، ۲۴۶). أیضًا: أما الأئمة الأربعة وجمهور الفقهاء والمحدثین، فقد أجازوا البیع المؤجل بأکثر من سعر النقد، بشرط أن یبتّ العاقدان بانه بیع مؤجل بأجل معلوم وبثمن متفق علیه عند العقد. (بحوث فی قضایا فقهیة معاصرة ص:۷ طبع مکتبه دار العلوم کراچی).

(۲) وکل شرط لا یقتضیه العقد وفیه منفعة لأحد المتعاقدین أو للمعقود علیه وهو من أهل الإستحقاق یفسده کشرط أن لا یبیع المشتری العبد المبیع لأن فیه زیادة عاریة عن العوض فیؤدیٰ إلی الربا ولأنه یقع بسببه المنازعة فیعری العقد عن مقصوده. (هدایة ج:۳ ص:۵۹، کتاب البیوع، باب البیع الفاسد، النتف الفتاویٰ ص:۲۹۱). وفی البخاری: باب إذا شرط فی البیع شروطًا لَا تحل، عن عائشة قالت: جاءتنی بریرة فقالت .... ثم قام رسول الله صلی الله علیه وسلم فی الناس فحمد الله وأثنی علیه ثم قال: أما بعد! ما بال رجال یشترطون شروطًا لیست فی کتاب الله؟ ما کان من شرط لیس فی کتاب الله فهو باطل، وإن کان مائة شرط قضاء الله أحق وشرط الله أوثق وانما الولَاء لمن اعتق. (صحیح البخاری ج:۱ ص:۲۹۰).

(۳) واعلم ان البیع لَا ینعقد إلّا باجتماع خمسة أشیاء .... الخامس: القبض. (النتف فی الفتاویٰ ص:۲۷۵).

فاسد ہو جائے گا۔[1] یہیں سے یہ بھی واضح ہو گیا کہ اس معاملے کو بیع اور اجارہ سے مرکب کرنا غلط ہے، البتہ اُدھار رقم کی وصولی کے لئے ضمانت طلب کرنے کی شرط صحیح ہے۔[2] اور یہ شرط بھی صحیح ہے کہ اگر مقررہ وقت پر اَدانہ کی گئی تو بائع کو خریدار کی فلاں چیز فروخت کر کے اپنی قیمت وصول کرنے کا حق ہوگا، تاہم یہ ضرور ہے کہ اس کے قرضے سے زائد رقم اسے واپس کردی جائے۔[3]

رہی یہ بات کہ قسطوں پر جو چیز دی جائے اس کی قیمت زیادہ لگائی جاتی ہے، تو اس معاملے کو شریعت نے فریقین کی صوابدید پر چھوڑا ہے۔ اگر خریدار محسوس کرتا ہے کہ قسطوں کی صورت میں اسے زیادہ نقصان اُٹھانا پڑے گا تو وہ اس خریداری سے اِجتناب کرسکتا ہے، تاہم استحصال کی صورت میں جس طرح گورنمنٹ کو قیمتوں پر کنٹرول کا حق ہے، اسی طرح بیع بالاقساط کی قیمت پر کنٹرول کیا جاسکتا ہے۔[4] چونکہ بالاقساط خریداری عوام کے لئے سہل ہے، اس لئے قطعی طور پر اس پر پابندی لگادینا مصلحتِ عامہ کے خلاف ہے۔ خلاصہ یہ کہ بیع بالاقساط اگر قواعدِ شرعیہ کے ماتحت اور شروطِ فاسدہ سے مبرا ہو تو جائز ہے، ورنہ ناجائز۔

قسط رُکنے پر قسط پر دی ہوئی چیز واپس لے لینا جائز نہیں

سوال:... میری بیوی میرے بیٹے کو اس کی مرضی کے مطابق قسطوں پر سامان فروخت کرنے کی دُکان کھلوانے کے حق میں ہیں، جبکہ میں اس کاروبار کے خلاف ہوں، کیونکہ اس کاروبار میں زبانی طور پر گاہک سے کہا جاتا ہے کہ یہ چیز تم کو قسطوں پر دی جاتی ہے تاکہ تم کو فائدہ پہنچے اور تم آسانی سے ایک بڑی چیز کے مالک بن جاؤ، اور کاغذات میں کرایہ دار لکھا جاتا ہے۔ قسطیں رُکنے کی صورت میں چیز واپس لے لی جاتی ہے۔ میری بیوی کا کہنا ہے کہ جب بہت سے لوگ اس کاروبار کو کر رہے ہیں تو پھر مولانا صاحب سے دریافت کیوں کرتے ہو؟ ملک میں اسلامی شریعت کا نفاذ ہو چکا ہے، میرا خیال ہے کہ خریدی ہوئی چیز نقص کی بنا پر تو واپس ہوسکتی ہے، مگر فروخت کی ہوئی چیز واپس نہیں ہوتی، واجبات کی ادائیگی کے لئے مہلت دی جاتی ہے۔ اس مسئلے میں آپ کی رائے اسلامی شریعت کے مطابق کیا ہے؟

---

(۱) وكل شرط لا يقتضيه العقد وفيه منفعة لأحد المتعاقدين أو للمعقود عليه وهو من أهل الإستحقاق يفسده. (هداية ج:۳ ص:۵۹، كتاب البيوع، باب البيع الفاسد).

(۲) الكفالة على ضربين كفالة بالنفس وكفالة بالمال، فالكفالة بالنفس جائزة سواء كان بأمر المكفول عنه أو بغيره كما يجوز في المال ... إلخ. (الجوهرة النيرة، كتاب الكفالة ج:۱ ص:۳۱۲ طبع دهلي).

(۳) وهو (الرهن) مضمون بالأقل من قيمته ومن الدين فإذا هلك في يد المرتهن وقيمته والدين سواء صار المرتهن مستوفيًا لدينه، وإن كانت قيمة الرهن أكثر فالفضل أمانة لأن المضمون بقدر ما يقع به الإستيفاء وذاك بقدر الدين. (هداية ج ۴ ص ۵۲۰، كتاب الرهن). وقال الله تعالى: إن الله يأمركم أن تؤدوا الأمانت إلى أهلها. (النساء ۵۸).

(۴) (ولا يسعّر حاكم) لقوله عليه السلام: لا تسعروا فإن الله هو المسعّر القابض الباسط الرازق. إلّا إذا تعدى أرباب الأموال عن القيمة تعديا فاحشًا فيسعّر بمشورة أهل الرأي. (درمختار ج:۶ ص:۳۹۹ كتاب الحظر والإباحة، طبع سعيد).

جواب: قسطوں پر چیز دینا تو جائز ہے،[1] مگر اس میں یہ دو خرابیاں جو آپ نے لکھی ہیں، قابلِ اصلاح ہیں۔ ایک خریدار کو "کرایہ دار" لکھنا، دُوسرا قسط ادا نہ کرنے کی صورت میں چیز واپس کرلینا۔ یہ دونوں باتیں شرعاً جائز نہیں۔[2] اس کے بجائے کوئی ایسا طریقۂ کار تجویز کیا جانا چاہئے کہ قسطوں کی ادائیگی کی بھی ضمانت مل سکے اور شریعت کے خلاف بھی نہ ہو۔

قسطوں کا مسئلہ

سوال: "الف" ایک عدد سوزوکی، ویگن، بس یا ٹرک نقد رقم ادا کرکے خرید لیتا ہے، اس کے پاس "ب" اس گاڑی کی خریداری کے لئے آتا ہے، "ب" یہ گاڑی "الف" سے قسطوں میں خریدنا چاہتا ہے، جس کے لئے "الف" "ب" سے مندرجہ ذیل شرائط کا طلب گار ہوتا ہے:

۱:... ۱۰ ہزار روپیہ نقد لوں گا، (یہ مختلف گاڑیوں کی قیمت کے لحاظ سے مختلف ہوتا ہے)، بقایا رقم دو ہزار روپے ماہوار قسطوں میں لوں گا۔ گاڑی کی اصل منڈی کی قیمت ۴۵ ہزار روپے ہے، میں دس ہزار منافع لوں گا، یعنی "ب" نے ۴۵ ہزار روپے کے بجائے ۵۵ ہزار روپے ادا کرنا ہیں (دس ہزار نقد دینے کے علاوہ قسطوں میں ۴۵ ہزار روپے ادا کرے گا)، اس صورت میں منافع جو کہ ۱۰ ہزار روپے ہے، اس میں کمی بیشی بھی ہوسکتی ہے، مثلاً: نقد رقم ۱۵ ہزار دی جائے یا قسط فی ماہ کے حساب سے دو ہزار روپے بڑھا یا گھٹادی جائے۔

۲:... گاڑی خواہ جل جائے، چوری ہوجائے، "ب" نے ہر حالت میں یہ رقم تمام کی تمام ادا کرنی ہے۔

۳:... اگر "ب" کسی وجہ سے تین ماہ لگاتار قسطیں ادا نہ کرسکا تو "الف" کو حق حاصل ہے کہ وہ گاڑی اپنے قبضے میں لے لے اور "ب" کو کچھ بھی نہ ادا کرے۔

بعض وقت یہ صورت بھی ہوجاتی ہے کہ "ب" کو رقم کی ضرورت ہوتی ہے، وہ گاڑی نقد میں فروخت کردیتا ہے اور "الف" کو ماہوار قسط ادا کرتا رہتا ہے۔ بعض حالات میں گاڑی موجود نہیں ہوتی اور "الف"، "ب" سے کچھ رقم نقد لے لیتا ہے اور وہ رقم اپنی رقم میں شامل کرکے "ب" کو گاڑی دیتا ہے، یا نقد رقم دے دیتا ہے، اور "ب" گاڑی خرید لیتا ہے (مثلاً: ۴۵ ہزار روپے کی گاڑی کے لئے

---

(۱) ص:۱۸۱ کا حاشیہ نمبر۱ ملاحظہ فرمائیں۔

(۲) لأن فی الشرط الأوّل کذب وعد رسول الله صلی الله علیه وسلم من الکبائر کما روی عن أنس عن النبی صلی الله علیه وسلم فی الکبائر قال: الشرک بالله وعقوق الوالدین وقتل النفس وقول الزور. (ترمذی ج ۱ ص ۲۲۹). وکل شرط لا یقتضیه العقد وفیه منفعة لأحد المتعاقدین أو للمعقود علیه وهو من أهل الإستحقاق یفسده کشرط أن لا یبیع المشتری العبد المبیع لأنه فیه زیادة عاریة عن العوض فیؤدی إلی الربا. (هدایة ج:۳ ص:۵۹، کتاب البیوع، باب البیع الفاسد). وقالت عائشة ثم قام رسول الله صلی الله علیه وسلم فی الناس فحمد الله وأثنی علیه ثم قال: أما بعد! ما بال رجال یشترطون شروطًا لیست فی کتاب الله؟ ما کان من شرط لیس فی کتاب الله فهو باطل، وإن کان مائة شرط قضاء الله أحق وشرط الله أوثق وإنما الولاء لمن أعتق. (صحیح البخاری ج:۱ ص:۲۹۰).

۳۵ہزار روپے ''الف'' دے دیتا ہے، اور ۱۰ہزار روپے ''ب'' اپنی طرف سے ڈالتا ہے)۔

مولانا صاحب! کئی احباب اس کاروبار میں لگے ہوئے ہیں، قسطوں کی صورت میں مہنگا بیچنا کیا یہ سود تو نہیں ہے؟

جواب:... یہاں چند مسائل ہیں:

۱: نقد چیز کم قیمت خرید کر آگے اس کو زیادہ داموں پر قسطوں پر دینا جائز ہے۔[۱]

۲: جس شخص نے قسطوں پر وہ چیز خرید لی، وہ اس کا مالک ہوگیا، اور قسطوں کی رقم اس کے ذمہ واجب الادا ہوگئی، اس لئے اگر وہ چاہے تو اس چیز کو آگے فروخت کرسکتا ہے، نقد قیمت پر بھی اور اُدھار پر بھی۔

۳:... قسطوں پر خرید لینے کے بعد اگر خدانخواستہ گاڑی کا نقصان ہوجائے تو یہ نقصان خریدار کا ہوگا، قسطوں کی رقم اس کے ذمہ بدستور واجب الادا رہے گی۔[۲]

۴:... یہ شرط کہ: ''اگر کسی وجہ سے وہ تین ماہ کی قسطیں ادا نہ کرسکا تو ''الف'' گاڑی اپنے قبضے میں لے لے گا، اور اس کی ادا شدہ قسطیں سوختہ ہوجائیں گی'' یہ شرط شرعاً غلط ہے۔[۳] ''الف'' کو یہ تو حق ہے کہ اپنی قسطیں قانونی ذرائع سے وصول کرلے، لیکن وہ گاڑی کو اپنے قبضے میں لینے کا مجاز نہیں اور نہ ادا شدہ قسطوں کو ہضم کرنے کا مجاز ہے۔[۴]

۵:... ''الف'' ''ب'' سے جو رقم پیشگی لے لیتا ہے، وہ جائز ہے، واللہ اعلم!

قسطوں پر گھریلو سامان اس شرط پر فروخت کرنا کہ وقتِ مقرّرہ پر قسط ادا نہ کی تو یومیہ جرمانہ ہوگا، نیز وصولی کے لئے جانے کا کرایہ وصول کرنا

سوال:... میں آسان اقساط (ماہوار) پر گھریلو سامان فراہم کرتا ہوں، ضرورت مند باہمی رضامندی سے اپنی مطلوبہ اشیاء چیک کرکے قیمت و اَقساط مقرّرہ وقت پر دینے کی شرط رضامندی سے طے کرتے ہیں، جو کہ ایگریمنٹ کی شکل میں ہوتا ہے، لیکن اس میں یہ شرط بھی ہوتی ہے کہ اگر خریدار مقرّرہ وقت میں ادائیگی نہ کرے گا تو یومیہ، ماہوار جرمانے کے ساتھ رقم ادا کرے گا، اگر خریدار کے پاس وصولی کرنے ہم موٹرسائیکل یا سواری پر جائیں تو اس کے اِخراجات بھی خریدار سے لیتے ہیں، اسلامی تعلیمات کی رُو سے یہ طریقہ

---

(۱) نهى رسول الله صلى الله عليه وسلم عن بيعتين في بيعة .... وقد فسّر بعض أهل العلم قالوا بيعتين في بيعة أن يقول أبيعك هذا الثوب بنقد بعشرة، وبنسيئة بعشرين، ولَا يفارقه على أحد البيعين، فإن فارقه فلا بأس به إذا كانت العقدة على أحدهم مبهما۔ (جامع الترمذى ج:۱ ص:۲۳۳ كتاب البيوع، باب ما جاء فى النهى عن بيعتين فى بيعة)۔ وفى الهداية لأن للأجل شبهًا بالمبيع، ألَا يرى أنه يزاد فى الثمن لأجل الأجل۔ (الهداية ج:۳ ص:۷۶ باب المرابحة والتولية، ومثله فى البحر الرائق ج:۶ ص:۱۱۴ باب المرابحة والتولية، والشامية ج:۴ ص:۱۷۴، طبع ايج ايم سعيد)۔

(۲) فإن هلك فى يده هلك بالثمن وكذا إذا دخله عيب۔ (هداية ج:۳ ص:۳۱، كتاب البيوع)۔

(۳) وكل شرط لَا يقتضيه العقد وفيه منفعة لأحد المتعاقدين أو للمعقود عليه وهو من أهل الإستحقاق يفسده كشرط أن لا يبيع المشترى العبد المشترى لأن فيه زيادة عارية عن العوض فيؤدى إلى الربا۔ (هداية ج:۳ ص:۵۹، كتاب البيوع)۔

(۴) قال الله تعالىٰ: يٰأيها الذين اٰمنوا لَا تأكلوا أموالكم بينكم بالباطل إلَّا أن تكون تجارة عن تراض منكم" (النساء ۲۹)۔

صحیح ہے یا نہیں؟ مہربانی فرماکر ہماری رہنمائی فرمائیں۔

جواب:... قسطوں پر گھروں میں مال سپلائی کرنا اور مقررہ وقت پر وصول کرنا جائز ہے، لیکن اس میں جو یہ شرط لگائی جاتی ہے کہ اگر رقم وقت پر نہیں ادا کی تو یومیہ اتنے پیسے بڑھتے رہیں گے، یہ صریح ناجائز ہے، اور اس کی وجہ سے یہ پورا کاروبار ناجائز ہوجاتا ہے۔ اسی طرح موٹر سائیکل کی اُجرت وصول کرنا یہ بھی ناجائز ہے۔[1]

قسطوں پر گھریلو سامان کی تجارت

سوال:... ہمارا قسطوں کا کاروبار ہے، اور ہم گھریلو اشیاء اور دیگر اَشیائے ضرورت آسان قسطوں پر لوگوں کو مہیا کرتے ہیں۔ جس کا طریقِ کار یہ ہے کہ ہم نے ایک پنکھا ۱۴۰۰ روپے میں خریدا اور گاہک کو یہ پنکھا ایک سال کی قسطوں پر ۲۲۰۰ روپے میں فروخت کیا، اور ایڈوانس ۵۰۰ روپے اور ماہوار قسط ۲۰۰ روپے لیتے ہیں۔ اور اگر یہ شخص بقایا رقم ایک سال میں نہ دے سکے اور رقم پر تقریباً ایک سال سے زیادہ ہوجائے، مثلاً ۲ یا ۳ سال ہوجائیں تو ہم اپنی اصل رقم ہی وصول کرتے ہیں جو کہ طے ہوئی تھی اور اس پر مزید کوئی کمیشن وغیرہ نہیں لیتے۔ معلوم یہ کرنا ہے کہ اس طرح قسطوں پر کاروبار کرنا جائز ہے یا نہیں؟ اور اگر جواز کا کوئی دُوسرا طریقہ ہو تو تحریر فرمادیں۔

جواب:... قسطوں کا جو طریقہ آپ نے لکھا ہے، یعنی جتنی قیمت پہلے دن طے ہوگئی اتنی ہی وصول کرتے ہیں، اور اگر قرض کردہ وہ وقت پر ادا نہیں کرتا تو زائد رقم وصول نہیں کرتے، تو قسطوں کا یہ کاروبار صحیح ہے۔[2]

---

(۱) قال الله تعالٰی: "وأحل الله البیع وحرم الربٰوا" لما روی عن رسول الله صلی الله علیه وسلم انه نهی عن قرض جرّ نفعًا. (بدائع الصنائع، کتاب القرض ج:۱۰ ص:۵۹۷). کل قرض جرّ نفعًا فهو ربا. (الأشباه والنظائر ص:۲۵۷). أیضًا: مالک عن زید بن أسلم أنه قال: کان الربا فی الجاهلیة أن یکون للرجل علی الرجل الحق إلٰی أجل فإذا حل الحق قال أتقضی أم تربی فإن قضی أخذ وإلّا زاده فی حقه وأخر عنه فی الأجل. (مؤطا الإمام مالک ص:۲۰۲ باب ما جاء فی الربا فی الدین، طبع میر محمد). أیضًا: کان الرجل فی الجاهلیة إذا کان له علی إنسان مأة درهم إلی الأجل فإذا جاء الأجل ولم یکن المدیون واجدًا لذالک المال قال: زدنی فی المال حتّٰی أزید فی الأجل، فربما جعله مأتین. (تفسیر کبیر ج:۹ ص:۲، سورة آل عمران:۱۳۰).

(۲) البیع مع تأجیل الثمن وتقسیطه صحیح، یلزم أن تکون المدة معلومة فی البیع بالتأجیل والتقسیط. (شرح المجلة لسلیم رستم باز ص:۱۲۵، رقم المادة:۲۴۵، ۲۴۶، طبع حبیبیه کوئته).

قرض کے مسائل

مکان رہن رکھ کر رقم بطور قرض لینا

سوال:... بارہا سنتے آئے ہیں کہ سود لینے والا اور سود دینے والا دونوں جہنمی ہیں، اور برابر کی سزا کے مستحق بھی۔ جاننا یہ چاہتا ہوں کہ حقیقتاً دونوں ہی برابر کے سزاوار ہیں؟ جبکہ بعض اوقات انسان اپنی کسی بہت بڑی مجبوری کے باعث سود پر قرض لینے پر آمادہ ہوتا ہے، پھر سالوں اپنی تنگ دستی اور معاشی بدحالی کے باوجود سود کی رقم ادا کرتا رہتا ہے، تو کیا خداتعالیٰ کے نزدیک ایسے شخص کے لئے بھی رحم کی کوئی گنجائش نہیں؟ دُنیا میں اس ذہنی اذیت کو اُٹھانے کے بعد بھی جہنم ہی اس کا مقدر ہے؟ رہن بھی سود کی ایک قسم ہے، ہمارے معاشرے میں بہت سے لوگ باقاعدہ سود پر قرضے فراہم کرتے ہیں اور یہی ان کا کاروبار ہے۔ انہیں پیشہ ور سودخور کہتے ہیں، لیکن کچھ لوگ ایسے بھی ہیں جن کا کاروبار سود پر قرضے فراہم کرنا تو نہیں لیکن تعلقات کی بنا پر وہ رہن رکھ کر قرضہ دے دیتے ہیں اور پھر اس رہن سے حاصل ہونے والی رقم خود کھاتے ہیں۔ اس صورت میں بھی دونوں فریق برابر کے سزاوار ہیں؟ میں نے اشد ضرورت اور بے حد مجبوری کے باعث اپنے مکان کا ایک حصہ ایک صاحب کے پاس رہن رکھ کر اس جگہ کی مالیت کا نصف حصہ قرض وصول کیا ہے، اور اَب میں انہیں یہ رقم دیتے ہوئے خوش نہیں اور سخت معاشی بدحالی کا شکار ہوں، تو کیا اس صورت میں بھی میں برابر کا سزاوار ہوں؟ جبکہ میں رہن ادا کرتے کرتے فاقوں کی نوبت کو پہنچ گیا ہوں۔ جب سے میں نے قرض لیا ہے اور سود ادا کر رہا ہوں میں نے محسوس کیا ہے کہ میں مالی لحاظ سے پستی میں گرتا جارہا ہوں، روپے میں برکت نہیں رہی، کاروبار خراب سے خراب تر ہوتا جارہا ہے، کیا سود دینے سے گھر کی برکات جاتی رہتی ہیں؟ اس کے علاوہ شب و روز اپنے جہنمی ہونے کا غم کھائے جارہا ہے۔

جواب:... سود دینا اور لینا دونوں حرام ہیں،[1] اور رہن کی جو صورت آپ نے لکھی ہے وہ بھی حرام ہے۔[2] آپ نے سود پر قرض لے کر غضبِ الٰہی کو دعوت دی ہے، اب اس کا علاج سوائے توبہ و استغفار کے کچھ نہیں۔ اللہ تعالیٰ آپ پر رحم فرمائے۔ کیا یہ ممکن

---

(۱) قال الله تعالى "وأحل الله البيع وحرم الربٰوا" (البقرة:۲۷۵). وقال تعالى: "يٰأيها الذين اٰمنوا اتقوا الله وذروا ما بقي من الربٰوا إن كنتم مؤمنين، فإن لم تفعلوا فأذنوا بحرب من الله ورسوله" (البقرة:۲۷۸، ۲۷۹). وفي الحديث. عن جابر رضي الله عنه قال: لعن رسول الله صلى الله عليه وسلم آكل الربا وموكله وكاتبه وشاهديه، وقال هم سواء. (مشكوٰة، باب الربا ص:۲۴۴ طبع قديمي).

(۲) قال الحصكفي: (لَا إنتفاع به مطلقًا) لا باستخدام ولا سكنى ولَا لبس ولَا إجارة ولَا اعارة سواء كان من مرتهن أو راهنٍ. (درمختار مع رد المحتار ج:۶ ص:۴۸۲، كتاب الرهن).

نہیں کہ مکان کا کچھ حصہ فروخت کرکے آپ سودِ قرض سے نجات حاصل کرلیں؟

سوال:... میں نے ملازمت سے سبکدوش ہونے کے بعد اپنی پنشن کی رقم اور ہاؤس بلڈنگ فنانس کارپوریشن سے قرض حاصل کرکے ۱۲۰ گز پلاٹ پر مکان تعمیر کیا ہے۔ ۳۵ سال کرایہ کے مکان میں گزارنے کے بعد اپنا ذاتی مکان رکھنے کی دیرینہ آرزو پوری ہوئی۔ اس قرض کی ادائیگی ماہانہ قسطوں میں پندرہ سال کے عرصے میں مکمل ہوگی اور ماہانہ قسط کے لحاظ سے جو کل رقم پندرہ سال میں ادا ہوگی وہ وصول شدہ قرضے سے کم وبیش ڈیڑھ گنا زیادہ ہوگی، یعنی مبلغ ۶۵ ہزار روپے قرض کے تقریباً ۹۷ ہزار ہوجائیں گے۔ ہاؤس بلڈنگ فنانس کارپوریشن ایک سرکاری ادارہ ہے اور حالیہ سرکاری پالیسی کے مطابق اب یہ ادارہ تعمیر شدہ مکان کی ملکیت میں شراکت کی بنیاد پر بلاسودی قرضہ دیتا ہے، اور پندرہ سال کے عرصے میں جو زائد رقم وصول کرتا ہے وہ غالباً اس وقت کی روپے کی قیمت کے بموجب ہے کیونکہ جدید معیشت میں افراطِ زر کا رُجحان ایک مُسلّمہ پہلو ہے، جس کے تحت قیمتوں میں عدمِ استحکام ایک عالمگیر مسئلہ بنا ہوا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جوں جوں وقت گزرتا جاتا ہے ہمارے روپے کی قیمت کم ہوتی جاتی ہے اور اشیائے صرف کی قیمتوں میں اضافہ ہوتا جاتا ہے۔ مثلاً: آج سے ۱۵ سال یعنی ۱۹۶۸ء کے اقتصادی حالات کا جائزہ لیں تو ہمیں تمام اشیاء کی قیمتوں میں آج کی نسبت زمین و آسمان کا فرق نظر آئے گا، ایسی صورت میں اس زائد رقم کو پندرہ سال بعد کی قیمت کے بموجب منافع شمار کرنے کے بجائے ''سود'' گردانتا کہاں تک صحیح ہے؟ لیکن میں نے جب قرضے کے اس مسئلے کو ہمارے ایک کرم فرما مولوی صاحب (جو ایک مستند عالمِ دین ہیں) کے سامنے رکھا تو انہوں نے بلاتوقف فرمایا کہ: ''آپ نے سودی قرض لے کر گناہِ کبیرہ کا ارتکاب کیا ہے، اور یہ کہ آپ اپنے پنشن کے پیسے سے جتنا اور جیسا بھی مکان بنتا، بنالیتے اور گزارہ کرتے، محض بچوں کی خاطر یہ قرض لے کر جہنم نہ خریدتے۔'' تو جناب سے دریافت طلب مسئلہ یہ ہے کہ الف:... آیا ملکیت میں شراکت کی بنیاد پر بلاسودی قرضہ لے کر میں گناہِ کبیرہ کا مرتکب ہوا ہوں؟ ب:... آیا اپنے بچوں کو ایک صاف ستھرا مکان، اور ماحول مہیا کرنے کی کوشش کرنا ایک مسلمان کے لئے ممنوع ہے؟ اور کیا محض محدود وسائل کی بنا پر اسے اپنے اَبتر حالات پر صابر وشاکر ہوکر بیٹھ رہنا چاہئے اور اپنا معیارِ زندگی جائز ذرائع سے بہتر کرنے کی کوشش نہیں کرنا چاہئے؟ ج:... آیا متذکرہ بالا صورت کے باوجود بھی فنانس کارپوریشن کا یہ قرض سودی قرض ہی شمار ہوگا اور اس سے مکان بنانا ایک مسلمان کے لئے حرام ٹھہرے گا؟

جواب:... جی ہاں! یہ قرض بھی سودی قرض ہی ہے۔ بہرحال آپ لے چکے ہیں تو اَب خداتعالیٰ کے سامنے اپنے جرم کا اقرار کرتے ہوئے توبہ واستغفار کرنا چاہئے۔ اللہ تعالیٰ معاف فرمائیں۔ تاویلات کے ذریعہ چیز کی حقیقت نہیں بدلتی، نہ کسی حرام کو حلال کیا جاسکتا ہے، کیونکہ معاملہ کسی بندے کے ساتھ نہیں، خداتعالیٰ کے ساتھ ہے، اور خداتعالیٰ کے سامنے غلط تاویلیں نہیں چلیں گی، بلکہ جرم کی سنگینی میں اور بھی اضافہ کریں گی۔[1]

---

(۱) قال تعالیٰ "وأحلّ الله البيع وحرّم الربٰوا" (البقرة:۲۷۵). عن علي أمير المؤمنين مرفوعًا: كل قرض جر منفعة فهو ربا. (اعلاء السُّنن ج ۱۴ ص:۵۱۲ باب كل قرض جر منفعة فهو ربا، طبع إدارة القرآن كراچي). وقال الحصكفي رحمه الله وفي الأشباه كل قرض جرّ نفعًا فهو حرام. (رد المحتار ج:۵ ص:۱۶۶، طبع سعيد).

رقم اُدھار دینا اور واپس زیادہ لینا

سوال:... ایک صاحب کو ۱۹۵۱ء میں ۲۵ روپے اُدھار دیئے، انہوں نے ۱۹۹۳ء میں ۲۵ روپے ادا کئے، اگر وہ مجھے ۲۵ روپے ۱۹۵۱ء میں ادا کردیتے تو میں اس سے ۳ ماشے سونا خرید سکتا تھا، کیونکہ اس وقت سونا ایک سو روپے فی تولہ تھا، اب مجھے ۳ ماشے سونا خریدنے کے لئے ایک ہزار روپے چاہئیں، کیونکہ آج کل سونا ۴ ہزار روپے فی تولہ ہے۔ اگر میں ان ۲۵ روپوں کا سونا خریدنے جاؤں تو دُکان دار منہ نہیں لگائے گا، بلکہ دماغ کی خرابی بتلائے گا۔ اگر میں قرض دار سے ایک ہزار روپے مانگتا تو وہ مجھے سود کھانے کا طعنہ دیتا۔ بتایئے اس قسم کے لین دین میں کیا کیا جائے کہ کسی کے ساتھ بے انصافی نہ ہو؟

جواب:... میں تو یہی فتویٰ دیتا ہوں کہ روپے کے بدلے روپے لئے جائیں ورنہ سود کا دروازہ کھل جائے گا، روپے قرض دیتے وقت مالیت کا تصور کسی کے ذہن میں نہیں ہوتا، ورنہ روپے کے بجائے سونے کا قرض لیا دیا جاتا۔ بہرحال دُوسرے اہلِ علم سے دریافت کرلیں۔ [1]

گروی رکھے ہوئے زیور بامرِ مجبوری فروخت کرنے کے بعد مالک آگیا تو اَب کیا حکم ہے؟

سوال:... ایک خاتون نے آج سے تقریباً چار سال قبل میری والدہ مرحومہ کے پاس کچھ زیورات پانچ ہزار روپے کے عوض گروی رکھے، اور کہا کہ تین، چار ماہ میں ہی لوں گی۔ اس کے تقریباً چھ ماہ بعد میری والدہ سخت بیمار ہوئی اور تقریباً تین ماہ بیمار رہنے کے بعد اِنتقال فرماگئی۔ والدہ کے اِنتقال کے تقریباً سال بعد وہ خاتون گھر آئی، کہا کہ میں نے فلاں زیورات تمہاری والدہ کو دیئے تھے، وہ واپس کردو۔ اِتفاق کی بات ضروری کام کی وجہ سے کچھ زیورات فروخت کرنے پڑے جو ۱۹۹۲ - ۱۹۹۳ء میں تقریباً سات ہزار روپے کے فروخت ہوئے۔ ہم نے والدہ کے تمام زیورات ان کو دِکھائے، تاکہ وہ اپنے زیورات پہچان لیں، لیکن ان زیورات میں ان کے زیورات نہ تھے۔ ہم نے ان کو سات ہزار روپے دینا چاہے تو انہوں نے نہ لئے اور کہا کہ میرے زیورات زیادہ قیمتی تھے۔ جبکہ میرے پاس وہ رسید بھی موجود ہے جن پر وہ مالیت درج ہے جس پر میں نے بیچے تھے۔

جواب:... اس کے زیورات بیچنے کا آپ کو حق نہیں تھا، بہرحال جو زیورات آپ نے غلطی سے بیچے ان کی رسیدیں آپ کے پاس موجود ہیں، جن سے زیورات کا وزن معلوم ہوسکتا ہے، اب اگر وہ خاتون دعویٰ کرتی ہے کہ ان کے زیورات قیمتی تھے، تو اس کا ثبوت پیش کریں کہ انہوں نے جب زیورات گروی رکھے تھے تو ان کا وزن اور نوعیت تحریر کی ہوگی، یا تو وہ اپنے دعوے کا ثبوت فراہم کریں اور اس پر دو مردوں کی، یا ایک مرد اور دو عورتوں کی گواہی پیش کریں کہ انہوں نے آپ کی والدہ کے پاس اتنے وزن اور اتنی مالیت کے زیور گروی رکھے تھے، اگر ایسا ثبوت پیش کردیں تو آپ پر اتنے زیورات کا لوٹانا لازم ہے، اور اگر وہ ثبوت پیش نہیں کرسکتیں

---

(۱) الدیون تقضی بأمثالها۔ (رد المحتار ج:۳ ص:۸۴۸، مطلب الدیون تقضی بأمثالها، أیضًا: الأشباه والنظائر ص:۲۵۶، الفن الثانی)۔ رجل استقرض من آخر مبلغًا من الدراهم وتصرف بها ثم غلا سعرها، فهل علیه ردها مثلها؟ الجواب: نعم، ولا ینظر إلی غلاء الدرهم ورخصها۔ (الفتاویٰ تنقیح الحامدیة ج:۱۰ ص:۲۹۴ باب القرض)۔

تو آپ اس کے سامنے حلف اُٹھائیں کہ ہمارے پاس اتنے زیور تھے، اس خاتون کو چاہئے کہ حلف لینے کے بعد جھگڑا ختم کردیں۔[1]

گروی رکھے گئے مکان کا کرایہ لینا

سوال:... ایک شخص پر کسی کے مبلغ ایک لاکھ روپے بطورِ قرض واجب الادا ہیں، اس کے پاس قرض اُتارنے کی کوئی صورت نہ تھی، سوائے ایک مکان کے کہ یہ مکان گروی رکھ دیا جائے، آخرکار یہ مکان اس نے ایک شخص کو دو سال کے لئے (گروی) رہن پر دیا، اور مکان کرایہ وہ شخص ماہوار ۲۰۰۰ روپے وصول کرتا رہا، اور اس طرح قرض دار نے دُوسرے شخص کا قرض اُتارا، اب اس صورت میں کیا اس مکان پر زکوٰۃ فرض ہوگی؟ کیا مکان کا اس طرح گروی رکھوانا جائز ہے؟

جواب:... اس مکان پر کوئی زکوٰۃ نہیں۔

یہ مکان گروی رکھنا جائز ہے، اگر کوئی اور شرعی قباحت نہ ہو۔ اگر قرض دینے والے نے گروی مکان کا کرایہ اس قرض کے حساب پر کاٹا ہے تب تو صحیح ہے، ورنہ رہن سے منافع حاصل کرنا سود اور ناجائز ہے۔[2]

دُکان کے بدلے میں مقاطعہ پر دی ہوئی زمین پر اگر قرض والا خریداری کا دعویٰ کردے تو فیصلہ کیسے ہوگا؟

سوال:... کیا فرماتے ہیں علمائے کرام و مفتیانِ دینِ متین اس مسئلے میں کہ زید اور عمرو کا ایک حصہ زرعی زمین پر جھگڑا ہوگیا ہے، زید کہتا ہے کہ آج سے تقریباً ۱۵ سال قبل کی بات ہے کہ عمرو کی دُکان کا میں مقروض ہوگیا، بقول عمرو کے میں ۸۰۰ روپے کا مقروض ہوگیا، میں نے کہا: فی الحال میرے پاس پیسہ نہیں، میری فلاں زمین تم مقاطعہ پر لے لو، جتنے بھی تمہارے پیسے ہیں وہ تھوڑے تھوڑے کرکے وصول کرتے رہو، جب تم زمین کی آمدنی سے پیسہ وصول کرلوگے تب زمین مجھے واپس کردینا، یہ کہہ کر میں نے زمین کا قبضہ عمرو کو دے دیا۔ درمیانی عرصے میں، میں نے زمین کی واپسی کا مطالبہ کیا تو ٹال مٹول کرتا رہا۔ عمرو کہتا ہے کہ وہ مذکورہ زمین زید نے دُکان کے قرضے کے عوض ۸۰۰ روپے میں مجھے بیچ دی ہے، میں نے ان سے خریدی ہے، جس کو تقریباً بیس سال ہوگئے ہیں۔ تحریری ثبوت اور گواہ کسی کے پاس بھی نہیں، ہر ایک قسم کھانے کو تیار ہے۔ لیکن زید کہتا ہے کہ مجھے عمرو کی قسم پر اعتبار نہیں، اس نے ایک دفعہ جھوٹی قسم کھائی ہے، میرے پاس اس کا ثبوت ہے۔ اسی طرح عمرو بھی کہہ سکتا ہے کہ زید جھوٹا ہے، مجھے اس کی قسم پر اعتبار نہیں۔ زید یہ بھی کہتا ہے کہ زمین کی آبادی سے قرضے سے جو زیادہ رقم تم نے وصول کی ہے اس کا بھی مجھے حساب دے دو۔ اب مذکورہ صورت میں کس کو سچا سمجھا جائے؟ عمرو کو اگر صحیح سمجھا جائے تو اس کے قول کے موافق ۸۰۰ روپے کے عوض یہ سودا ہوگا، یا اب موجودہ ریٹ کے لحاظ سے سودا طے ہوگا؟ شرعی حکم سے واقف کیا جائے، اس جھگڑے کا شرعی فیصلہ کیا ہوگا؟ بینوا توجروا، فقہی حوالات سے جواب تحریر فرماکر ممنون فرمائیں۔

---

(۱) البیّنة علی المدعی والیمین علی المدعیٰ علیه۔ (مشکوٰة ج:۱ ص:۳۲۶، باب الأقضية والشهادات)۔

(۲) وفی الأشباه: کل قرض جر نفعًا حرام فکره للمرتهن سکنی المرهونة بإذن الراهن۔ (در مختار ج ۵ ص ۱۶۶)۔

جواب:... دونوں فریق اس پر متفق ہیں کہ یہ زمین دراصل زید کی تھی، اور دونوں فریق اس پر بھی متفق ہیں کہ آٹھ سو کے بدلے میں زید کو زمین کا قبضہ دیا گیا۔

اِختلاف اس میں ہے کہ یہ قبضہ بیع کا تھا یا رہن کا؟

عمر بیع کا مدعی ہے، اور زید اس کا منکر ہے، مدعی کا فرض ہے کہ وہ اپنے دعوے کے ثبوت میں گواہ پیش کرے، اور اگر پیش نہیں کرسکتا تو منکر کے حلف پر اِعتماد کیا جائے گا، اور زمین اس کے حوالے کی جائے گی، اس لئے شرعی فیصلہ زید کے حق میں جاتا ہے۔[1]

البتہ اس میں دو چیزوں کی تفتیش فیصلے کی مدد کرے گی، ایک یہ کہ یہ معلوم کیا جائے کہ یہ جس سال کی بات ہے کیا اس وقت اتنی زمین کی قیمت آٹھ سو روپے تھی؟

دوم یہ کہ زمین کا سودا کیا جائے تو مشتری کے نام اِنتقال کرایا جاتا ہے، لیکن عمرو کے نام اس زمین کا انتقال کرایا گیا؟

جہاں تک زید کے قول کا تعلق ہے، عمرو کو آٹھ سو میں گروی رکھی گئی تھی، اور عمرو اس وقت سے آج تک کئی آٹھ سو کما چکا ہوگا، اس لئے رقم واپس دِلانے کا سوال نہیں، واللہ اعلم!

ڈالر میں لیا ہوا قرضہ ڈالر ہی سے ادا کرنا ہوگا

سوال:... میں نے ایک دوست سے ۱۹۹۰ء میں کچھ رقم اُدھار لی تھی جو کہ پاکستانی کرنسی میں نہیں تھی، بلکہ ڈالر میں تھی، جس کی واپسی کی مدّت دو سال کی تھی، مگر میں ادا نہ کرسکا، اور پھر اس سے معذرت چاہی تو اس نے کہا کہ جب آپ کے پاس ہوں دے دینا۔ جو کہ میں نے ابھی ادا کردیئے ہیں مگر ڈالر میں۔ پوچھنا یہ ہے کہ قرض کا یہ طریقہ صحیح ہے یا غلط؟

کیا ہم قرض ڈالر میں لے سکتے ہیں یا نہیں؟ پاکستانی کرنسی اور ڈالر کے فرق سے جو رقم قرض کی ادائیگی میں زیادہ یا کم دینی پڑے گی اس کا شرعی حکم کیا ہے؟ جبکہ قرض نامے میں یہ تحریر ہو کہ قرض کی ادائیگی ڈالر میں ہی ہوگی کیونکہ قرض ڈالر میں ہی دیا گیا ہے۔

جواب:... اگر قرض ڈالر کی شکل میں لیا ہو اور ڈالر کی شکل میں دینا طے کیا ہو، تو ڈالر ہی کی شکل میں دینا ہوگا، خواہ مہنگا ہو یا سستا۔[2]

امریکی ڈالروں میں لئے گئے قرض کی ادائیگی کیسے ہو؟

سوال:... میں نے دو سال قبل اپنی بہن سے ۵۰,۰۰۰ روپے قرضِ حسنہ مانگے تھے، اس نے ۱۲۰۰ ڈالر کا ڈرافٹ بھیجا، جس کی رقم ۴۸,۰۰۰ روپے بنی، اب اس بہن کا کہنا ہے کہ قرض کی رقم ڈالر کی صورت میں واپس کی جائے، جبکہ میرا اصرار روپوں کی صورت میں دینے پر ہے۔ آپ رہنمائی فرمائیں۔

---

(۱) البینة علی المدعی والیمین علی المدعی علیه. (مشکوٰة ص:۳۲۶، باب الأقضیة والشهادات).

(۲) ولو استقرض فلوسًا نافقةً وقبضها ولم تكسد لكنها رخصت أو غلت فعليه رد مثله ما قبض بلا خلاف. (بدائع الصنائع ج ۷ ص:۲۳۷ فصل في حكم البيع، طبع ایچ ایم سعید کراچی).

جواب:... چونکہ انہوں نے امریکی ڈالروں کا ڈرافٹ بھیجا تھا، اس لئے اس کی ادائیگی ڈالروں کی شکل میں ہونی چاہئے،[1] واللہ اعلم!

سونے کے قرض کی واپسی کس طرح ہونی چاہئے؟

سوال:... میرے ایک دوست ''الف'' نے پندرہ سال قبل یعنی ۱۹۶۹ء میں ایک شخص ''ب'' سے پندرہ تولے سونا بطور قرض لیا تھا، کیونکہ ''ب'' ایک سنار ہے، لہٰذا نقد رقم اس نے نہیں دی، ''الف'' نے وہ سونا اس وقت تقریباً ۱۳,۰۰۰ روپے میں فروخت کیا، اب پندرہ سال کے بعد ''ب'' نے (جو اس وقت ملک سے باہر چلا گیا تھا، واپسی پر) ''الف'' سے اپنا پندرہ تولے سونا واپس طلب کیا، ''الف'' نے کہا: ''اس کو میں نے اس وقت ۱۳,۰۰۰ روپے میں فروخت کیا تھا، لہٰذا اب تم مجھ سے مبلغ ۱۳,۰۰۰ روپے لے لو'' مگر ''ب'' کا کہنا ہے کہ مجھے یا وہ ۱۵ تولے سونا واپس کرو یا موجودہ قیمت ادا کرو۔ فقہ حنفیہ کی روشنی میں جواب سے جلد نوازیں کہ ان دونوں میں سے حق پر کون ہے؟ ویسے اس وقت ۱۵ تولے سونے کی قیمت تقریباً ۲۲,۵۰۰ روپے بنتی ہے، اُمید ہے کہ جواب سے جلد نوازیں گے۔

جواب:... جتنا سونا وزن کرکے لیا تھا، اتنا ہی واپس کرنا چاہئے، قیمت کا اعتبار نہیں۔[2]

فیکٹری سے سودی قرضہ لینا جائز نہیں

سوال:... فیکٹری میں قرضے دیئے جاتے ہیں، جن میں موٹر سائیکل، پنکھا، ہاؤس بلڈنگ کا قرضہ دیا جاتا ہے، اور اس پر چار فی صد سود کے نام سے ہماری تنخواہ سے منہا کیا جاتا ہے۔ آیا اس کا لینا دُرست ہے؟

جواب:... یہ سودی قرضہ ہوا، اس کا لینا جائز نہیں۔[3]

مکان بنانے کے لئے سود پر قرضہ لینا ناجائز ہے

سوال:... میرے پاس ایک پلاٹ ہے اور اس کو بنوانے کے لئے کوئی راستہ نہیں، میرے پانچ بچے ہیں، حکومت لون دے رہی ہے، ساٹھ ہزار دے کر اَسی ہزار وصول کرے گی، تو کیا میں لون لے کر مکان بنوالوں، یہ میرے لئے جائز ہے یا نہیں؟

جواب:... واضح رہے کہ جس طرح ''سود'' کا لینا منع و حرام ہے، اسی طرح سود دینا بھی حرام ہے، حکومت جو بیس ہزار زائد

---

(۱) القرض تقضى بأمثالها۔ (رد المحتار ج:۳ ص:۸۴۸ کتاب الأيمان، طبع سعيد)۔ الديون تقضى بأمثالها۔ (الأشباه والنظائر ص:۲۵۶ طبع قديمى)۔

(۲) استقرض من الفلوج الرائجة والعدالى فكسدت فعليه مثلها كاسدة ولا يغرم قيمتها وكذا كل ما يكال ويوزن لما مر أنه مضمون بمثله فلا عبرة بغلائه ورخصه۔ (در المختار مع رد المحتار ج:۵ ص:۱۶۲، باب المرابحة والتولية، فصل فى القرض، أيضًا: عالمگيرى ج:۳ ص:۲۰۳ الباب التاسع عشر فى القرض والإ[illegible])۔

(۳) قال الحصكفي رحمه الله: وفى الأشباه كل قرض جرّ نفعًا فهو حرام۔ (رد المحتار ج:۵ ص:[illegible] [illegible] جابر قال: لعن رسول الله صلى الله عليه وسلم آكل الربا وموكله وكاتبه وشاهديه وقال هم سواء۔ (مشكوٰة ص:۲۴۴، باب [illegible]

لے رہی ہے، یہ سود ہے،[1] لہٰذا یہ معاملہ شرعاً ناجائز ہے۔[2]

بینک ملازم یا حرام کمائی والے سے قرض لینا

سوال:... اگر کوئی بینک کی ملازمت کرتا ہے یا کسی کی کمائی حرام کی ہو، تو اس سے قرض لیا جا سکتا ہے؟

جواب:... وہ بھی حرام ہی ہوگا۔[3]

ادھیارے پر جانور دینا دُرست نہیں

سوال:... زید نے ایک بھینس کا بچہ (بچھڑی) مثلاً پانچ ہزار میں خریدا اور خرید کر بکر کے حوالے کیا کہ وہ اسے پالے اور اس کی خدمت کرے، بکر نے اسے پالا اور اس کی خوراک کا اِنتظام کیا، ایک یا دو سال کے بعد زید بکر نے مل کر اسے دس ہزار میں بیچ دیا اور زید نے اپنی ذاتی رقم پانچ ہزار نکال کر بقیہ منافع پانچ ہزار میں سے آدھے بکر کو دیئے اور آدھے خود رکھے، کیا ایسا کرنا صحیح ہے؟

جواب:... اس طرح ادھیارے پر جانور دینا صحیح نہیں، وہ جانور زید کی ملکیت ہے، اور پرورش کرنے والا اُجرت کا مستحق ہے، اگر فروخت کرنے کے بعد زائد رقم کا آدھا اس کو دے دیتا ہے، اور وہ خوشی سے قبول کر لیتا ہے تو جائز ہے۔[4]

صحابہ کرامؓ غیرمسلموں سے کس طرح قرض لیتے تھے؟

سوال:... حضرت! ایک چیز میرے ذہن میں اُٹھی ہوئی ہے، جواب دے کر تسلی فرمائیں کہ حضور پاک علیہ الصلوٰۃ والسلام کے زمانے میں ہم نے پڑھا کہ اکثر صحابہ کرامؓ ضرورت کے وقت غیرمسلموں سے قرض لیا کرتے تھے، اس کی نوعیت کیا ہوتی تھی؟

جواب:... صحابہ کرامؓ سودی قرضے نہیں لیتے تھے، جب سے سود کی ممانعت کر دی گئی، کسی نے کسی غیرمسلم سے بھی سودی قرضہ نہیں لیا۔[5]

ہاؤس بلڈنگ فنانس کارپوریشن سے قرض لے کر مکان بنانا

سوال:... پہلے ہاؤس بلڈنگ فنانس کارپوریشن سود کی بنیاد پر قرض دیتی تھی، لیکن اب وہ مضاربت یعنی شراکت کی بنیاد پر

---

(۱) عن علی قال: کل قرض جر منفعة فهو ربًا۔ (اعلاء السُّنن ج:۱۴ ص:۵۱۲، باب کل قرض جر منفعةً، طبع کراچی)۔

(۲) عن جابر قال: لعن رسول الله صلی الله علیه وسلم آکل الربا وموکله وکاتبه وشاهدیه وقال هم سواء۔ رواه مسلم۔ (مشکوٰة ج:۱ ص:۲۴۴، باب الربا، طبع قدیمی)۔

(۳) وفی رد المحتار (قوله الحرام ینتقل) أی تنتقل حرمته وإن تداولته الأیدی وتبدلت الأملاک۔ (رد المحتار ج:۵ ص:۹۸، باب البیع الفاسد، کتاب البیوع)۔

(۴) وإذا دفع الرجل إلٰی رجل دابة لیعمل علیها ویؤاجرها علٰی أن ما رزق الله تعالٰی من شیء فهو بینهما فإن آجر العامل الدابة من الناس وأخذ الأجر کان الأجر کله لربّ الدابة وللعامل أجر مثل عمله۔ (عالمگیری ج:۴ ص:۴۴۵)۔

(۵) عن عمر بن الخطاب ان آخر ما نزلت آیة الربٰوا، وان رسول الله صلی الله علیه وسلم قبض ولم یفسرها لنا فدعوا الربا والریبة۔ (مشکوٰة ص:۲۴۶، باب الربا، طبع قدیمی)۔

قرض دیتی ہے۔ اس کے ذریعے پہلے ہی سے طے کرلیا جاتا ہے کہ مکان کا کرایہ کیا ہوگا؟ نصف کرایہ کارپوریشن لیتی ہے اور نصف مالکِ مکان۔ لیکن یہ بات ذہن نشین کرلینے کی ہے کہ مکان کا کرایہ کبھی ملتا ہے، کبھی نہیں، کبھی مکان خالی رہتا ہے اور کرایہ گھٹتا اور بڑھتا رہتا ہے، لیکن کارپوریشن برابر وہی مقرّر کردہ کرایہ کا نصف لیتی ہے۔ کیا یہ سود نہیں؟ بلکہ یہ سود سے بھی بدتر ہے، کیونکہ ''سود'' کا لفظ نہیں کہا جاتا ہے لیکن درحقیقت سود ہے۔ اس طرح ناواقف لوگ سود جیسے عظیم گناہ میں ملوّث ہوجاتے ہیں۔ آپ اپنی رائے سے جلد از جلد آگاہ کریں، بڑی مہربانی ہوگی۔

جواب:... میں نے جہاں تک غور کیا، کارپوریشن کا یہ معاملہ سود ہی کے تحت آتا ہے۔ اس معاملے کی پوری حقیقت دیگر محقق علماء سے بھی دریافت کرلی جائے۔[1]

قرض کی رقم سے زائد لینا

سوال:... کافی عرصہ پہلے میں نے اپنے والد بزرگوار سے بطور قرض دس ہزار روپے کی رقم لے کر اپنے مکان کا بقیہ حصہ تعمیر کرایا، اس خیال سے کہ اسے کرائے پر دے کر قرض بھی اُتارلوں گا اور کچھ آسرا رقم کا مجھے بھی ہوگا، اور پھر میں نے وہ مکان ۴ سو روپے ماہانہ کرائے پر دے دیا۔ اور دو سو روپے ماہانہ والد صاحب کو دیتا رہا اور باقی دو سو روپے ماہانہ میں نے بینک میں جمع کئے۔ اس نیت سے کہ جمع ہونے پر ان کے دس ہزار روپے لوٹاؤں گا۔ اب قصہ مختصر یہ کہ دس ہزار روپے پورے ہونے کو ہیں تو والد صاحب کہتے ہیں کہ میرے پیسے کب دوگے؟ میں نے کہا اب تو بس تھوڑی مدّت باقی رہ گئی ہے، رقم جمع ہوجائے تو دے دیتا ہوں، تو والد صاحب بولے کہ: ''وہ تو میری رقم سے پیدا کیا ہوا پیسہ ہے، یوں بولو کہ مجھ سے لی ہوئی رقم کب دوگے'' یعنی ان کا ارادہ یہ ہے کہ جو دو سو ماہانہ وصول کیا وہ بھی، اور جو دو سو جمع کئے وہ بھی سب ان کی رقم سے پیدا ہوا۔ اس طرح ان کو مل جائے گا پندرہ ہزار روپیہ، اور اب وہ چاہتے ہیں کہ دس ہزار میرا قرض بھی دو، یعنی انہوں نے دس ہزار سے پچیس ہزار بنالیا۔

جواب:... آپ جتنی رقم ادا کرچکے ہیں، ان کے قرض کا اتنا حصہ ادا ہوچکا ہے، باقی رقم ادا کردیجئے۔ ان کا صرف دس ہزار روپے قرضہ ہے، اس سے زائد لینا ان کے لئے جائز نہیں ہے۔[2]

قسطوں پر قرض لینا جائز نہیں

سوال:... میں نے چھ ماہ پہلے شدید ضرورت پڑنے پر مبلغ ۱۰,۰۰۰ روپے قسطوں پر لئے تھے، اس کا طریقہ یہ تھا کہ پہلے اس شخص نے مجھ سے ۲,۵۰۰ روپے ایڈوانس کے طور پر لئے اور پھر ہر ماہ ۱,۰۰۰ روپے لیتا رہا۔ کیا یہ رقم جو میں نے لی ہے سود کہلائے گی؟

---

(۱) وفي التنوير: الربا هو فضل خال عن عوض بمعيار شرعي مشروط لأحد المتعاقدين في المعاوضة. (شرح التنوير مع رد المحتار ج:۵ ص:۱۶۸ تا ۱۷۰، باب الربا، طبع ایچ ایم سعید)۔

(۲) القرض هو عقد مخصوص يرد على دفع مال مثلي لآخر ليرد مثله. (تنوير الأبصار مع رد المحتار ج:۵ ص ۱۶۷، فصل في القرض)۔ كل قرض جر نفعًا فهو حرام. (رد المحتار ج:۵ ص:۱۶۶)۔

جواب:... یہ سودی رقم ہے، اور آئندہ ایسی رقم لینے کی جرأت نہ کریں،[1] اللہ تعالیٰ سے توبہ کریں کیونکہ سود کھانا اور سود دینا گناہِ کبیرہ ہے، اور اللہ تعالیٰ نے اس پر اعلانِ جنگ فرمایا ہے۔[2]

قرض دے کر اس پر منافع لینا جائز نہیں

سوال:... ایک شخص "الف" نے دُوسرے شخص "ب" سے قرض لیا، جبکہ "ب" نے وہ رقم بینک میں رکھوائی تھی، وہاں سے اس کو ہر ماہ یا چند ماہ کا اکٹھا منافع ملتا تھا، جب "الف" نے یہ رقم لی تو اس شخص سے کہا کہ یہ رقم دے دو، جو منافع بینک دیتا ہے وہ میں دے دُوں گا۔ کیا یہ منافع سود ہے؟ اس کا گناہ کس کے سر ہوگا جبکہ "ب" غریب ہے؟ اگر "الف" رقم پر منافع جو بہت تھوڑی مقدار کا ہے نہیں دیتا تو غریب کا گزارہ مشکل سے ہوگا، اور "ب" رقم بھی نہیں دے گا، جواب دیجئے۔

جواب:... یہ سود ہے، گناہ لینے اور دینے والے دونوں کے ذمے ہوگا۔[3]

مقروض کے گھر کھانا پینا

سوال:... اگر کسی کو قرضِ حسنہ دیا ہو تو اس کے یہاں کھانا کھایا جاسکتا ہے یا نہیں؟

جواب:... اگر وہ قرض کی وجہ سے کھلاتا ہے تو کھانا جائز نہیں، اور اگر قرض سے پہلے بھی دونوں جانب سے کھانے اور کھلانے کی عادت تھی تو جائز ہے، اس کے باوجود اگر احتیاط سے کام لیا جائے تو بہتر ہے۔[4]

قرض پر منافع لینا سود ہے

سوال:... بعض لوگ ہم سے چیزوں کے علاوہ نقد رقم ۵۰ یا ۱۰۰ روپے یا اس سے کم یا زیادہ روپے بھی اُدھار لیتے ہیں، چیزوں پر تو تقریباً ہمیں ۱۵ یا ۲۰ فیصد منافع مل جاتا ہے، لیکن نقد پیسے دینے سے ہمیں کوئی منافع نہیں ملتا، حالانکہ یہ نقد دی ہوئی رقم بھی

(۱) والربا الذی کانت العرب تعرفه وتفعله إنما کان قرض الدراهم والدنانیر إلٰی أجل بزیادة علٰی مقدار ما استقرض علٰی ما یتراضون به ولم یکونوا یعرفون البیع بالنقد .... ولذالک قال الله تعالٰی: وما اٰتیتم من ربًوا لیربوا فی اموال الناس فلا یربوا عند الله" فأخبر ان تلک الزیادة المشروطة انما کانت ربًا فی المال العین لأنه لَا عوض لها من جهة المقرض ...إلخ. (أحکام القرآن للجصاص ج:۱ ص:۴۶۵ باب الربا، طبع سهیل اکیڈمی). أیضًا: (وأحل الله البیع وحرم الربٰوا) فمن الربا ما هو بیع ومنه ما لیس ببیع وهو ربا أهل الجاهلیة وهو القرض المشروط فیه الأجل وزیادة مال المستقرض. (أحکام القرآن للجصاص ص:۴۶۹، باب البیع، طبع سهیل اکیڈمی لاهور).

(۲) "فإن لم تفعلوا فأذنوا بحرب من الله ورسوله" (البقرة:۲۷۹).

(۳) عن علی أنه سمع رسول الله صلی الله علیه وسلم لعن آکل الربا ومؤکله وکاتبه ...إلخ. (مشکٰوة ج:۱ ص.۲۴۶ باب الربا، طبع قدیمی کتب خانه).

(۴) عن أنس قال: قال رسول الله صلی الله علیه وسلم: إذا أقرض أحدکم قرضًا فأهدیٰ إلیه أو حمله علی الدابة فلا یرکبه ولَا یقبلها إلّا أن یکونَ جریٰ بینه وبینه قبل ذٰلک. (مشکٰوة ص:۲۴۶ باب الربا، طبع قدیمی کتب خانه).

ہمیں مہینے یا دو مہینے بعد ملتی ہے، یا اس سے بھی دیر سے ملتی ہے۔ اگر ہم اس پر کوئی منافع لیں تو کیا یہ منافع سود میں شمار ہوگا یا ہمارے لئے جائز ہوگا؟

جواب:... نقد رقم، اُدھار پر دینا قرضِ حسنہ کہلاتا ہے، اس پر آپ کو ثواب ملے گا۔ مگر اس پر زائد رقم منافع کے نام سے وصول کرنا سود ہے، اور یہ حلال نہیں۔[1] مسلمان کو ہر معاملہ دُنیا کے نفع کے لئے ہی نہیں کرنا چاہئے، آخرت کے نفع کے لئے بھی تو کچھ کرنا چاہئے، سو کسی ضرورت مند کو قرضِ حسنہ دینا آخرت کا نفع ہے، اس پر بہت سا اَجر و ثواب ملتا ہے۔[2]

قرضے کے ساتھ مزید کوئی اور چیز لینا

سوال:... مجھ سے میرے چچا نے دس ہزار روپے نقد وصول کئے ہیں اور کہا ہے کہ ایک سال کے بعد آپ کو دس ہزار روپے واپس کروں گا، اور اس کے ساتھ پچیس من چاول بھی۔ کیا مجھ کو پیسے اور اناج دونوں لینا جائز ہے یا ناجائز؟

جواب:... جب آپ اپنا دس ہزار کا قرضہ واپس لے لیں تو اس پر مزید کوئی چیز لینا سود ہے، یعنی حلال نہیں ہے۔[3]

قرض کی واپسی پر زائد رقم دینا

سوال:... میرا بھائی میرے سے قرض دس روپیہ لے لیتا ہے، اور واپسی پر مجھے خوشی سے پندرہ دیتا ہے، پوچھنا یہ ہے کہ یہ کہیں سود تو نہیں ہے؟

جواب:... اگر زائد روپے بطور معاوضہ کے دیتا ہے تو سود ہے،[4] اور اگر ویسے ہی اپنی طرف سے بطور انعام و احسان کے دیتا ہے تو پھر بعد میں کسی اور موقع پر دے دیا کرے۔[5]

---

(۱) عن علی أمیر المؤمنین مرفوعًا: کل قرض جر منفعة فهو ربا۔ (اعلاء السُّنن ج:۱۴ ص:۵۱۲، باب کل قرض جر منفعة فهو ربا)۔ وفی الشامیة: کل قرض جرّ نفعًا فهو حرام۔ (ج:۵ ص:۱۶۶)۔ نیز گزشتہ صفحے کا حاشیہ نمبر۱ ملاحظہ ہو۔

(۲) قال رسول الله صلی الله علیه وسلم: من کان فی حاجة أخیه کان الله فی حاجته ومن فرّج عن مسلم کربة فرّج الله عنه کربة من کربات یوم القیامة۔ (مشکوٰة ص:۴۲۲، باب الشفقة والرحمة علی الخلق، الفصل الأوّل)۔

(۳) ایضاً حوالہ نمبر۱۔

(۴) ایضاً حوالہ نمبر۱۔

(۵) عن جابر رضی الله عنه قال: کان لی علی النبی صلی الله علیه وسلم دین فقضا لی وزادنی۔ (مشکوٰة ص:۲۵۳ باب الإفلاس والإنظار، الفصل الثانی)۔ وفی المرقاة للقاری: من استقرض شیئًا فرد أحسن أو أکثر منه من غیر شرطه کان محسنًا، ویحل ذٰلک للمقروض، وقال النووی: یجوز للمقرض أخذ الزیادة، سواء زاد فی الصفة أو فی العدد .... وحجة أصحابنا عموم قوله صلی الله علیه وسلم: فإن خیر الناس أحسنهم قضاءً۔ وفی الحدیث دلیل علٰی أن رد الأجود فی القرض أو الدین من السُّنّة ومکارم الأخلاق، ولیس هو من قرض جر منفعة۔ (مرقاة ج:۶ ص:۱۱۷، باب الإفلاس والإنظار، طبع رشیدیه)۔

قرض دیتے وقت دُعا کی شرط لگانا

سوال:... اگر کسی کو قرض اس شرط پر دیا جائے کہ رقم کی ادائیگی کے وقت تک میرے حق میں دُعا کرتے رہو، تو کیا یہ بھی سود میں شمار ہوگا اور اس کی دُعا قبول ہوگی یا نہیں؟

جواب:... جس کو قرض دیا جائے دُعا تو وہ خود ہی کرے گا، بہرحال دینے والے کو دُعا کی شرط لگانا غلط اور اس کے ثواب کو غارت کرنے والا ہے، البتہ یہ سود نہیں۔ یعنی دُعا کو شرط قرار دینا صحیح نہیں ہے۔

قرض اُتارنے کے لئے سودی قرضہ لینا

سوال:... میں کچھ لوگوں کا مقروض ہوں، اب میں یہ قرضہ ادا کرنا چاہتا ہوں، مگر میرے پاس وسائل نہیں ہیں، اب اگر یہ قرضہ اُتارنے کے لئے میں حکومت سے قرضہ لیتا ہوں تو اس پر سود اَدا کرنا پڑتا ہے، عرض یہ ہے کہ میری رہنمائی فرمائیے کہ میں کیا کروں؟ آیا لوگوں کا قرضہ اُتارنے کے لئے حکومتی قرضہ لے لوں اور اس پر سود اَدا کردوں؟

جواب:... قرض اُتارنے کے لئے حکومت کے کسی اِدارے سے سودی قرضہ لینے کا مشورہ آپ کو نہیں دے سکتا، کیونکہ سودی قرضہ لینا گناہ ہے۔[1] اور کئی آدمی میرے علم میں ہیں جنھوں نے ایسی ہی ضرورتوں کے لئے بینک سے قرضہ لیا، لیکن ہمیشہ کے لئے سودی قرضے میں جکڑے گئے، وہ اپنے قرض سے کئی گنا رقم بینک کو اَدا کرچکے ہیں، بلکہ سود در سود کا چکر اَب بھی چل رہا ہے۔

قرض کی ادائیگی کس طرح کی جائے، ڈالروں میں یا روپوں میں؟

سوال:... میں نے آج سے چار سال سے زائد عرصہ ہوا، اپنے ایک دوست سے بیس ہزار روپے اُدھار لئے تھے، بغیر کسی پیشگی شرط کے، اُصولاً مجھے یہ رقم جلد ادا کردینی چاہئے تھی، لیکن میں باوجود کوشش کے ایسا نہ کرسکا، جبکہ پچھلے سات سال سے یورپ میں مقیم ہوں، جس وقت میں نے یہ رقم لی تھی اس وقت امریکی ڈالر کی قیمت کم و بیش ۲۰ روپے تھی، چنانچہ میں نے اپنے دِل میں اسی وقت یہ فیصلہ کرلیا کہ میں ایک ہزار ڈالر بھیج دُوں گا، اب جبکہ میں نے انہیں ایک ہزار ڈالر بھیجے تو انہوں نے پانچ سو ڈالر یہ کہہ کر واپس کئے کہ میں نے اپنے بیس ہزار روپے لے لئے ہیں اور باقی تمہیں واپس کر رہا ہوں، کیونکہ میں نے تمہیں بیس ہزار روپے پاکستانی دیئے تھے نہ کہ امریکی ڈالر۔ میرا یہ اِصرار ہے کہ جس وقت میں نے رقم اُدھار لی تھی، اس وقت ڈالر کی قیمت بیس روپے تھی، اب اگر ڈالر کی

---

(۱) قال تعالٰی: وأحل الله البیع وحرم الربٰوا، (البقرة:۲۷۵)۔ عن علی امیر المؤمنین رضی الله عنه مرفوعًا: کل قرض جر منفعة فهو ربا، وکل قرض شرط فیه الزیادة فهو حرام بلا خلاف۔ (اعلاء السُّنن ج:۱۴ ص.۴۹۹ طبع إدارة القرآن کراچی)۔ قال تعالٰی: "یٰٓایها الذین اٰمنوا لا تأکلوا الربٰوا أضعافًا مضاعفةً واتقوا الله لعلکم تفلحون۔ واتقوا النار التی أعدت للکٰفرین۔ (اٰل عمران ۱۳۱)

قیمت بڑھ گئی اور دُگنی ہوگئی ہے تو اس میں کسی کا کیا دوش؟ دُوسرا یہ تو بڑے ظلم کی بات ہے کہ آج سے چار سال پہلے قیمت اور مہنگائی کا حساب لگائیں تو آج کے چالیس ہزار اس وقت کے بیس ہی ہزار کے برابر تھے، لیکن وہ بضد ہیں اور کہتے ہیں یہ سراسر سود ہے، جو میں کسی قیمت پر نہیں لوں گا۔ میرا اصرار اَب بھی اپنی جگہ پر قائم ہے اور اس کو ظلم و زیادتی سمجھتا ہوں کہ ایک شخص رقم اُدھار دے اور موجودہ خراب تر معاشی صورتِ حال میں اس کی رقم کی قدر و قیمت آدھی رہ جائے، جبکہ اس میں دونوں کا کوئی قصور نہیں ہے، اس مشکل کا حل علمائے حق کے نزدیک کیا ہوسکتا ہے؟

جواب:... یہ مسئلہ بہت اُلجھا ہوا ہے، اس میں میری رائے یہ ہے کہ امریکی ڈالر کے مساوی جو رقم بنتی ہو، وہ دی جائے، اس لئے کہ پاکستانی روپے کی قیمت خود بخود نہیں گرتی، بلکہ گرائی جاتی ہے، اور اس میں امریکی ڈالر کو پیشِ نظر رکھا جاتا ہے، اس لئے جس وقت قرض لیا تھا، اس وقت اس رقم کے جتنے امریکی ڈالر بنتے تھے، وہ واجب الادا ہوں گے۔ دُوسرے علماء سے بھی اس کی تحقیق کی جائے۔[1]

دس سال قبل کا قرض کس حساب سے واپس کریں؟

سوال:... ایک شخص مثلاً زید نے بکر کو ایک لاکھ روپے قرض دیئے، یا بکر کے ہاتھ کوئی چیز ایک لاکھ روپے میں فروخت کی، بکر نے قرض کی ادائیگی میں مثلاً دس سال تاخیر کی۔ اِدھر دس سال بعد روپے کی قیمت پہلے سے بہت زیادہ گرچکی ہے، اب سوال یہ ہے کہ کیا زید اس بات کا پابند ہے کہ وہ بکر سے ایک لاکھ روپے ہی وصول کرے؟ یا روپے میں کمی کے تناسب سے زائد رقم وصول کرنے کا مجاز ہوگا؟ اگر وہ فقط وہی ایک لاکھ روپے وصول کرے تو اس میں زید کا بڑا نقصان ہے، اور اس طرح اُدھار لین دین کرنا اور قرض دینا مسدود ہوجائے گا، جس میں ظاہر ہے بڑا حرج ہے، اور اگر وہ زیادہ رقم لیتا ہے تو اس میں سود کا اندیشہ ہے، شریعتِ اسلامیہ کا اس بارے میں کیا حکم ہے؟

جواب:... یہ ناکارہ تو سود سے بچنے کے لئے یہی فتویٰ دیتا تھا، لیکن روپے کی قیمت مسلسل کم ہونے نے مجھے اس رائے کے بدلنے پر مجبور کردیا، البتہ اس میں یہ امر لائقِ توجہ ہے کہ جب ہمارے یہاں روپے کی قیمت میں کمی کا اعلان کیا جاتا ہے (اور کبھی اعلان کے بغیر ہی یہ حرکت کی جاتی ہے) تو اس کا معیار کیا ہوتا ہے؟ یہ ناکارہ مالیات سے واقف نہیں، مگر خیال ہے کہ آج کل دُنیا میں امریکی ڈالر کا راج ہے، اس لئے ہماری کرنسی کا معیار بھی وہی ہوگا، اگر میرا یہ قیاس صحیح ہے تو امریکی ڈالر کو معیار بنا کر دس برس پہلے کی قیمت

---

(۱) ولو استقرض فلوسًا نافقة وقبضها ولم تكسد، لكنها رخصت أو غلت، فعليه رد مثله ما قبض بلا خلاف۔ (بدائع الصنائع، فصل في حكم البيع ج:۷ ص:۲۳۷ طبع بيروت)۔ أيضًا: رجل استقرض من آخر مبلغًا من الدراهم وتصرف بها ثم غلا سعرها فهل عليه ردها مثلها؟ الجواب: نعم، ولا ينظر إلى غلاء الدراهم ورخصها۔ (تنقيح الفتاوى الحامدية ج:۱ ص ۲۹۴، باب القرض، طبع رشيديه كوئٹه)۔

واجب الادا سمجھنی چاہئے، ورنہ سونے کو معیار بنایا جائے۔ یہ جو اس ناکارہ نے لکھا ہے، اس کی حیثیت فتویٰ کی نہیں، بلکہ ایک ذاتی رائے یا خیال کی ہے، دیگر اکابر اہلِ فتویٰ سے رُجوع کیا جائے، اور وہ حضرات جو فتویٰ دیں اس پر عمل کیا جائے۔ (۱)

قومی قرضوں کا گناہ کس پر ہوگا؟

سوال:... مقروض پر قرضے کا زبردست بوجھ ہوتا ہے، یہاں تک کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مقروض کی نمازِ جنازہ نہیں پڑھاتے تھے، جب تک آپ کو اللہ نے وسعت نہ دی تھی، بعد میں اس کا قرض اپنے ذمہ لے کر آپ نمازِ جنازہ ادا کرتے تھے۔

ہماری قوم پر اربوں ڈالر کا قرض ہے، جو قوم کے نام پر ورلڈ بینک سے لیا گیا ہے، اس کی اصل اور سود جو اربوں روپے بنتا ہے ہر فرد پر واجب ہے، اور یہ قرض مع اصل اور سود ہر شخص پر واجب ہے۔ اب سوال یہ ہے نمازِ جنازہ پڑھاتے وقت یہ قرض پریذیڈنٹ، پرائم منسٹر، فنانس منسٹر اور اس کے عملے کے کھاتے میں ڈالا جائے یا مرنے والے کے رشتہ دار اصل قرض بغیر سود حکومتِ وقت کو ادا کردیں تاکہ وہ ورلڈ بینک کو ادا کرسکیں؟ کیا مقروض حالت میں نمازِ جنازہ ہوگی، جس کی ذمہ داری کوئی نہ لے؟ اب تک جو لوگ بلاواسطہ حکومتی قرض کی حالت میں مرے ہیں، کیا بخشے جائیں گے؟ بہت سے لوگ جو اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرتے ہیں، یہ سوال پوچھتے ہیں، جس کا میرے پاس کوئی جواب نہیں۔

جواب:... قومی قرضے افراد کے ذمے نہیں، بلکہ حکومت کے ذمہ ہوتے ہیں۔ اس لئے ان کی مسئولیت براہِ راست افراد سے نہیں۔ جس حکومت نے یہ قرضے لئے ہیں، اسی سے اس کی مسئولیت ہوگی، مگر چونکہ حکومت، عوام کی نمائندگی کرتی ہے، اس لئے غیر اختیاری طور پر عوام پر بھی ان قرضوں کے اثرات پڑتے ہیں، اگرچہ افراد گناہگار نہیں۔

وزیرِ اعظم کی خود روزگار اسکیم سے قرض لینا

سوال:... میں یہ معلوم کرنا چاہتا ہوں کہ وزیرِ اعظم خود روزگار اسکیم سے کاروبار کے لئے قرض لینے کے بارے میں شرعی حکم کیا ہے؟

---

(۱) دُوسرے علمائے کرام کی رائے اور فتویٰ یہ ہے کہ جتنے روپے قرض لئے تھے اتنے ہی واپس کرنے کا حکم ہے، خواہ روپے کی قیمت کم ہوجائے یا زیادہ، ہاں! اگر روپے قرض دینے کے بجائے ڈالر قرض دے دیئے جائیں یا کوئی اور کرنسی تو پھر وہی کرنسی واپس کرنے کا حکم ہوگا۔ **القروض یجب فی الشریعة الإسلامیة أن تقضی بأمثالها۔** (بحوث فی قضایای فقهیة معاصرة ص:۱۷۳، طبع دارالعلوم کراچی)۔ **أیضًا: الدین تقضی بأمثالها۔** (رد المحتار ج:۳ ص:۸۳۸، کتاب الأیمان، مطلب الدیون تقضی بأمثالها)۔ **الدیون تقضی بأمثالها۔** (الأشباه والنظائر ص:۲۵۶، الفن الثانی، کتاب المداینات)۔ **هو عقد مخصوص یرد علٰی دفع مثلی لیرد مثله۔** (تنویر الأبصار مع الدر المختار ج:۵ ص:۱۶۱، باب المرابحة والتولیة، فصل فی القرض)۔ **والذی یتحقق من النظر فی دلائل القرآن والسُّنّة ومشاهدة معاملات الناس أن المثلیة المطلوبة فی القرض هی المثلیة فی المقدار والکمیة، دون المثلیة فی القیمة والمالیة۔** (بحوث فی قضایا فقهیة معاصرة ص:۱۷۳، طبع دار العلوم کراچی) وکذا فی الفتاوی العالمگیریة ج.۵ ص ۳۶۶ کتاب الکراهیة، الباب السابع والعشرون فی القرض والدین)۔

جواب:... یہ سودی قرض ہے، اور سودی قرض شرعاً جائز نہیں۔ (۱)

نام پتا نہ بتانے والے کی مالی امداد کیسے واپس کریں؟

سوال:... گزارش ہے کہ کچھ عرصہ قبل میرے ساتھ ایک حادثہ پیش آگیا تھا جو کہ دُوسرے شہر میں ہوا تھا۔ اس میں ایک صاحب نے میری مالی امداد کی تھی، میرے بے حد اِصرار پر بھی انہوں نے اپنا نام و پتا نہیں بتایا تھا، اس وقت سے اب تک میں ذہنی پریشانی میں مبتلا ہوں۔ آپ بتائیں کہ میں اس رقم کو کیسے واپس کروں اور اس کا قرآن و حدیث میں کیا حکم ہے؟

جواب:... جب ان صاحب نے اپنا نام و پتا نہیں بتایا تو اس سے واضح ہوتا ہے کہ ان کی نیت اس رقم کو واپس لینے کی نہیں تھی۔ اس لئے واپس کرنے کے لئے پریشان ہونے کی ضرورت نہیں، اور اگر آپ کو اللہ تعالیٰ نے توفیق دے رکھی ہے تو اتنی رقم ان صاحب کی طرف سے صدقہ کردیجئے۔ (۲)

نامعلوم ہندوؤں کا قرض کیسے ادا کریں؟

سوال:... آج سے تقریباً ۴۰ سال قبل ہمارا ہندو سیٹھ جن سے کاروباری لین دین کا معاملہ تھا، وہ ہندو، تقسیمِ پاکستان کے وقت یہاں سے ہندوستان چلے گئے، وہ ہندو سیٹھ بغیر اپنا ایڈریس بتائے یہاں سے چلے گئے۔ پریشانی یہ ہے کہ ان کا کچھ روپیہ ہمارے پاس رہ گیا، بطور قرض۔ اب مجھے یہ یاد نہیں کہ ان کی کتنی رقم ہماری طرف ہوتی ہے؟ وہ ہندو جب چلے گئے تو انہوں نے وہاں سے ہمارے ساتھ کوئی تعلق واسطہ نہیں رکھا، نہ ہی اپنا کوئی پتا، ٹھکانا ہمیں بتایا۔ میں چاہتا ہوں کہ وہ ہندو اگر زندہ ہوں تو ان کی رقم انہیں لوٹا دُوں، اگر وہ زندہ نہیں تو ان کے جو وارث ہیں انہیں وہ رقم واپس کردُوں، مگر پریشانی یہ ہے کہ نہ ہی وہ رقم مجھے یاد ہے، نہ ان کا ٹھکانا معلوم ہے۔ اب آپ مہربانی فرماکر یہ بتائیں کہ اب اس سلسلے میں کیا کروں؟ خدانخواستہ اس رقم کی آخرت میں مجھ سے پکڑ ہوگی، میں تو ایمان داری سے ان کی رقم لوٹانے کو تیار ہوں، ان ہندوؤں کی تعداد آٹھ یا دس ہے۔

جواب:... رقم کتنی ہے؟ اس کا تو اندازہ بھی کیا جاسکتا ہے، تخمینہ لگائیے کہ تقریباً اتنی ہوگی، جتنی رقم سمجھ میں آئے اتنی رقم کسی

---

(۱) فمن الربا ما هو بيع ومنه ما ليس ببيع وهو ربا أهل الجاهلية وهو القرض المشروط فيه الأجل وزيادة مال على المستقرض. (أحكام القرآن للجصاص ج:۱ ص:۴۶۹). أيضًا: وأما الذي يرجع إلى نفس القرض فهو أن يكون فيه جر منفعة فإن كان لم يجز، نحو ما إذا أقرضه دراهم غلة على أن يرد عليه صحاحًا، أو أقرضه وشرط شرطًا له فيه منفعة لما روى عن رسول الله صلى الله عليه وسلم أنه نهى عن قرض جر نفعًا، ولأن الزيادة المشروطة تشبه الربا، لأنها فضل لا يقابله عوض، والتحرز عن حقيقة الربا وعن شبهة الربا واجب. (بدائع الصنائع ج:۷ ص:۵۹۷ كتاب القرض، فصل في الشروط).

(۲) قال. والعطية على أربعة أوجه، أحدها للفقير للقربة والمثوبة ولا يكون فيها رجوع وهي صدقة. (النتف في الفتاوى ص:۳۱۲۰).

ضرورت مند کو دے دیں اور اپنے ذمہ سے بوجھ اُتارنے کی نیت کرلیں۔[1]

مسلمان، ہندو دُکان داروں کا قرض کس طرح ادا کریں؟ جبکہ وہ ہندوستان میں تھے

سوال:... ہمارے کچھ لوگ انڈیا کے رہنے والے ہیں، ان کی کئی ایک بہنیں تھیں اور ایک بھائی تھا جو کہ عادت کا بہت خراب نکل گیا، باپ چونکہ نواب تھے، جب نوابی ختم ہوئی تو گھر کا خرچ چلنا بھی مشکل ہوگیا، اب دو بہنیں غیرشادی شدہ گھر کا بوجھ سنبھالنے لگیں، بیمار ماں کچھ دن بعد مرگئی، اس کے بعد باپ کا بھی اِنتقال ہوگیا، پھر یہ خاتون پاکستان آگئیں اپنی ایک شادی شدہ بہن کے پاس، اب انڈیا میں دو تین دُکانوں کا قرضہ رہ گیا، کون ادا کرتا؟ دونوں دُکان دار ہندو تھے اور ایک مسلمان۔ اب سنا ہے کہ ان لوگوں کا اِنتقال ہوگیا ہے۔ مولانا صاحب! اب ان خاتون کی یہاں شادی ہوگئی ہے، اتنی مال دار بھی نہیں ہیں، بس گزارہ ہوتا ہے، اب ایسی صورت میں اس قرضے کا وبال کس طرح ادا ہوگا؟ اور اس کی شرعی حیثیت کیا ہے؟ یہ خاتون چونکہ گھر کا سودا سلف منگواتی تھیں، تو اس کا ذمہ دار کون ہے؟ اور یہ قرضہ چونکہ یاد بھی نہیں ہے کہ کتنا تھا؟ کس طرح سے ادا ہوگا؟ دُوسرے ان کے گھر میں ایک پُرانی نوکرانی تھی، اس کا بھی کچھ چاندی کا زیور تھا، وہ بھی بیچ کر ان لوگوں نے خرچ کرلیا، وہ نوکرانی بہت پہلے اِنتقال کرگئی تھی، اس کی ادائیگی کس کے ذمے ہے؟ اور کس طرح ادا ہوگا؟ یہ خاتون آخرت کے عذاب سے بہت خوف زدہ ہیں اور اس مسئلے کا حل چاہتی ہیں۔

جواب:... آخرت کا معاملہ ہے بھی خوف کی چیز! کہ حق تعالیٰ شانہٗ ہر صاحبِ حق کا حق اس کو دِلائیں گے اور وہاں روپیہ پیسہ تو ہوگا نہیں، بس نیکیاں اور بدیاں ہوں گی، جتنے لوگوں کا حق اس کے ذمے تھا، اس کی اتنی نیکیاں اہلِ حقوق کو دِلائی جائیں گی، اور جب اس کی نیکیاں ختم ہوجائیں گی اور اس کے ذمے حقوق ابھی باقی ہوں گے تو ان لوگوں کی بدیاں، حقوق کے بدلے میں اس پر ڈال دی جائیں گی۔[2] اللہ تعالیٰ پناہ میں رکھیں...! کیسی ذِلت اور رُسوائی کا سامنا ہوگا، اس لئے عقل مند اور دانا وہ شخص ہے جو کسی کا حق لے کر اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں نہ جائے۔ اس خاتون نے جو قرضے لئے تھے، وہ اسی کے ذمے ہیں اور ذمے رہیں گے، مسلمان دُکان دار یا نوکرانی کا جو حق اس کے ذمے ہے، وہ ان کے وارثوں کو تلاش کرکے ان کو ادا کرنا چاہئے، یا ان سے معاف کرانا چاہئے۔ اور غیرمسلم دُکان داروں کا معاملہ اور بھی سنگین ہے، اس لئے ان کے وارثوں کا پتا کرکے ان کو بھی ان کی رقم ادا کرنی چاہئے، یا ان سے معاف کرانی چاہئے۔

اور اگر ان کے وارثوں کا پتا نہیں مل سکتا اور اتنا سرمایہ بھی نہیں کہ ان کی طرف سے صدقہ کردیا جائے تو اللہ تعالیٰ سے دُعا کیا

---

(۱) عليه ديون ومظالم جهل أربابها وأيس من عليه ذٰلك من معرفتهم فعليه التصدق بقدرها من ماله ومتى فعل ذٰلك سقط عنه المطالبة من أصحاب الديون. (رد المحتار ج:۴ ص:۲۸۳). أيضًا: قال ابن عابدين رحمه الله. والحاصل انه إن علم أرباب الأموال وجب ردّه عليهم وإلّا فإن علم عين الحرام لَا يحل له ويتصدق به بنية صاحبه. (ج ۵ ص ۹۹).

(۲) عن أبي هريرة ان رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: أتدرون ما المفلس؟ قالوا: المفلس فينا من لا درهم له ولَا متاع! فقال. إن المفلس من أمتي من يأتي يوم القيامة بصلاة وصيام ويأتي قد شتم هذا وقذف هذا وأكل مال هذا وسفك دم هذا وضرب هذا، فيعطى هذا من حسناته وهذا من حسناته، فإن فنيت حسناته قبل أن يقضى ما عليه، أخذ من خطاياهم فطرحت عليه ثم طرح في النار. (مشكوٰة ص.۴۳۵ باب الظلم).

کریں کہ: ''یا اللہ! میرے ذمے فلاں فلاں لوگوں کے حقوق ہیں، میرے پاس ان کے حقوق ادا کرنے کی بھی گنجائش نہیں، آپ اپنے خزانے سے ان کے حقوق ادا کرکے مجھے معافی دِلادیجئے۔'' ہمیشہ دُعا کرتی رہیں، کیا بعید ہے کہ کریم آقا اپنے پاس سے اُن کے حقوق ادا کرکے اس کو معافی دِلوادے۔[1]

قرض دہندہ اگر مرجائے اور اُس کے ورثاء بھی معلوم نہ ہوں تو کیا کیا جائے؟

سوال:... میرے والد کا اِنتقال ۱۹۵۹ء میں ہوا تھا، اِنتقال سے کچھ دن پہلے انہوں نے مجھے اور میری والدہ کو یہ بتادیا تھا کہ ان کے اُوپر کچھ لوگوں کے قرضے ہیں، جو ہم نے ان کے اِنتقال کے کچھ دِنوں بعد اَدا کردیئے، لیکن پھر چند مہینے بعد والد صاحب کے ایک دوست نے یہ دعویٰ کیا کہ آپ کے والد نے ہم سے ۲۵ یا ۳۰ روپے قرض لیا تھا، لیکن چونکہ میرے والد نے اس کا ذکر نہیں کیا تھا اور کچھ ان صاحب کی عادات کی وجہ سے ہم نے اس کا یقین نہیں کیا۔ اور پھر ۱۹۶۶ء میں ہم سب پاکستان آگئے، اور اَب ہمیں یہ خیال آتا ہے کہ کیا پتا ان کا کہنا صحیح ہو؟ اور ہمارے والد صاحب ان کے مقروض ہوں، لہٰذا اب ہم اس قرض کو اَدا کرنا چاہتے ہیں لیکن ان صاحب کا اِنتقال ہوچکا ہے اور ہمارا اُن کے ورثاء سے کوئی رابطہ بھی نہیں ہے۔ چنانچہ اب یہ پوچھنا ہے کہ میں کتنی رقم اور کس طرح سے اس کی ادائیگی کروں تاکہ والد صاحب کا قرض اُتر جائے؟

جواب:... ان صاحب کے وارثوں کا پتا کرنا چاہئے، اور ان کی تلاش کرنی چاہئے، اور تمہارے والد کے ذمے جتنا قرض تھا وہ ان وارثوں تک پہنچانا چاہئے، اگر بالفرض وہ نہ ملیں تو اتنی رقم مرحوم کی طرف سے صدقہ کردی جائے۔[2]

ایسے مرحوم کا قرض کیسے ادا کریں جس کا قریبی وارث نہ ہو؟

سوال:... اگر کوئی شخص کسی سے قرض لے اور قرض دینے والے شخص کا اِنتقال ہوجائے، اور اس شخص کے بیوی بچے بھی نہ ہوں، صرف سوتیلی والدہ، سوتیلے بہن بھائی اور اس کے کزن وغیرہ ہوں، ایسی صورت میں قرض کیسے ادا کیا جائے گا؟

جواب:... جس مرحوم کا قرضہ ادا کرنا ہے، یہ دیکھا جائے کہ اس کے رشتہ داروں میں اس کا قریب ترین عزیز کون ہے؟ اس

---

(۱) عليه ديون ومظالم وجهل أربابها وأيس من عليه ذٰلك من معرفتهم فعليه التصدق بقدرها من ماله. وفي الشامية: (قوله جهل أربابها) يشمل ورثتهم فلو علمهم لزمه الدفع إليهم لأن الدين صار حقهم. (در مختار مع تنوير الأبصار، كتاب اللقطة ج:۴ ص:۲۸۳). وفي فتاوىٰ قاضي خان: رجل له حق على خصم فمات ولَا وارث له، تصدق عن صاحب الحق بقدر ماله عليه، ليكن وديعة عند الله تعالىٰ يوصلها أي خصمائه يوم القيامة، وإذا غصب مسلم من ذمي مالًا أو سرق منه فإنه يعاقب به يوم القيامة، لأن الذمي لَا يرجى عنه العفو، فكانت خصومة الذمي أشد. (شرح فقه الأكبر ص:۱۹۴، بيان أقسام التوبة، طبع دهلي).

(۲) عليه ديون ومظالم جهل أربابها وأيس من عليه ذٰلك من معرفتهم فعليه التصدق بقدرها من ماله .. إلخ. (درمختار، كتاب اللقطة ج:۴ ص:۲۸۳). وفي فتاوىٰ قاضيخان: رجل له حق على خصم فمات ولَا وارث له تصدق عن صاحب الحق بقدر ماله عليه ليكن وديعة عند الله يوصلها أي خصمائه يوم القيامة ... إلخ. (شرح فقه الأكبر ص:۱۹۴، بيان أقسام التوبة، طبع دهلي).

کے حوالے کردیا جائے، اور اسے کہہ دیا جائے کہ علماء سے پوچھ کر جن جن کا یہ پیسہ بنتا ہو، ان کو دے دیا جائے۔ [1]

کیا ہندوؤں، سکھوں کی طرف سے قرض صدقہ کرنے سے ادا نہیں ہوگا؟

سوال:... میرا مسئلہ یہ ہے کہ ہمارے ایک بزرگ جب ہندوستان میں تھے، قیامِ پاکستان سے قبل وہ ہندوؤں، سکھوں اور مسلمانوں سے کاروبار کرتے تھے، اس زمانے میں ۴۷-۱۹۴۶ء میں کسی کو ۲۰ روپے اُدھار دینے تھے، کسی سکھ کو ۵۰ روپے، کسی ہندو کو ۴۰ روپے، الغرض مسلمان، ہندو، سکھ حضرات پر کم و بیش ۴۰۰، ۵۰۰ روپے تو اُدھار ہوں گے۔ پاکستان بن گیا، یہ کراچی آگئے، تمام زندگی اس اِحساس میں گزاری کہ ان کی رقم دینی ہے، مگر کوئی ذریعہ نہ بن سکا۔ پھر آخرکار وہ کبھی ۵۰۰ روپے، کبھی ۱۰۰۰ روپے اسی نام کے خیرات کرتے رہے، دِل مطمئن نہ ہوا۔ ابھی چند دن قبل ۳۰۰۰ روپے خیرات کئے کہ کسی طرح ان کے قرضے سے نجات ملے، انہیں کسی نے کہا: حضرت! سکھ اور ہندوؤں کا قرضہ نہیں اُترے گا، مسلمانوں کا اُتر جائے گا۔ اللہ عزّوجل کا خوف دِل میں بکثرت ہے، اپنی زندگی میں بھی اس قرض کو اَدا کرنا چاہتے ہیں، کیا اس طرح عدمِ ادائیگی قرض کا کوئی کفارہ ہوسکتا ہے؟

جواب:... اگر ان اشخاص کے وارث معلوم ہیں تو ان وارثوں سے معاملہ طے کرنا چاہئے، ورنہ جو کچھ اس نے کیا ہے، ٹھیک ہے، یعنی ان کی طرف سے صدقہ کردیا۔ [2]

صاحبِ قرض معلوم نہ ہو تو اُس کی طرف سے صدقہ کردیا جائے

سوال:... میں جب اسکول میں پڑھتا تھا، عمر پندرہ سولہ سال تھی، اس وقت ہندو حلوائی سے حلوہ پوری کبھی کبھی اُدھار لے کر کھاتا تھا، صوبہ بنگال میں میرے والد اسٹیشن ماسٹر تھے، تبادلہ ہوتا رہتا تھا، اس لئے وہ قرض ادا نہیں ہوتا تھا، اب وہ شہر بنگال انڈیا میں ہیں، ان ہندوؤں کا پتا بھی نہیں ہوگا، پچاس سال گزر چکے، اب کیسے قرض ادا ہو؟ جو یاد بھی نہیں۔ اس وقت ایک پیسے کی پوری ملتی تھی، زیادہ سے زیادہ چند روپے بنیں گے۔

جواب:... جب صاحبِ حق معلوم نہ ہو کہ اس کو اس کا حق لوٹایا جاسکے تو اس کی طرف سے صدقہ کردینا چاہئے، پس آپ اس حلوائی کی طرف سے اتنی رقم صدقہ کردیں۔ [3]

---

(۱) (قوله جهل أربابها) يشمل ورثتهم فلو علمهم لزمه الدفع إليهم لأن الدين صار حقهم. (فتاوی شامی، کتاب اللقطة ج:۴ ص:۲۸۳). وفي فتاوى قاضيخان: رجل له حق على خصم فمات ولا وارث له تصدق عن صاحب الحق بقدر ماله عليه ليكن وديعة عند الله يوصلها الى خصمائه يوم القيامة ...الخ. (شرح فقه الأكبر ص:۱۹۴، بيان أقسام التوبة، طبع دهلی).

(۲) عليه ديون ومظالم جهل أربابها وأيس من عليه ذلك من معرفتهم فعليه التصدق بقدرها من ماله ـ وفي الشامية. (قوله جهل أربابها) يشمل ورثتهم فلو علمهم لزمه الدفع إليهم لأن الدين صار حقهم. (فتاویٰ شامی ج:۴ ص:۲۸۳). وفي فتاوى قاضيخان. رجل له حق على خصم فمات ولا وارث له تصدق عن صاحب الحق بقدر ماله عليه ليكن وديعة عند الله يوصلها الى خصمائه يوم القيامة ...الخ. (شرح فقه الأكبر ص:۱۹۴، بيان أقسام التوبة، طبع دهلی).

(۳) ایضاً حوالہ بالا۔

عیسائی سے قرض لیا، اب اُس کا کچھ پتا نہیں، کیا اُس کی طرف سے صدقہ کیا جاسکتا ہے؟

سوال:... گزشتہ ۲۰ سال سے ایک غیرمسلم (عیسائی) کے کچھ واجبات میرے ذمے باقی ہیں، اس کا اب پتا نہیں، شاید ملک چھوڑ کر چلا گیا، یا اِنتقال کرگیا ہو۔ کیا اس کے نام سے صدقہ کرنا صحیح ہے؟

جواب:... جس عیسائی کا روپیہ آپ کے ذمے ہے، آپ یہ دیکھیں کہ بیس سال پہلے اس کی کتنی قیمت تھی؟ اتنا روپیہ آپ اس عیسائی کی طرف سے راہِ اللہ میں دے دیں۔

سود کی رقم قرض دار کو قرض اُتارنے کے لئے دینا

سوال:... سود کے پیسے اگر ہمارے پاس ہوں تو کیا ہم ان پیسوں سے قرض دار کو قرض ادا کرنے کے لئے دے سکتے ہیں یا نہیں؟ یا وہ پیسے صرف مسجد وغیرہ میں بیت الخلا پر ہی لگائے جاسکتے ہیں؟

جواب:... سود کے پیسوں سے اپنا قرض ادا کرنا جائز نہیں،[۲] نہ ان کو مسجد یا اس کے بیت الخلا میں لگایا جائے،[۳] بلکہ جس طرح ایک قابلِ نفرت اور گندی چیز سے چھٹکارا حاصل کیا جاتا ہے، اس خیال سے یہ سود کے پیسے کسی محتاج کو بغیر نیتِ ثواب دے دیئے جائیں۔[۴] سوال میں جس قرض دار کے بارے میں پوچھا گیا ہے اگر وہ واقعی محتاج ہے تو اس کو قرض ادا کرنے کے لئے سودی رقم دینا جائز ہے۔

فلیٹ کی تکمیل میں وعدہ خلافی پر جرمانہ وصولنا شرعاً کیسا ہے؟

سوال:... میں نے ایک صاحب سے ایک عدد فلیٹ خریدا تھا، انہوں نے مجھ سے پوری رقم لے لی ہے، انہوں نے ایک تاریخ طے کرکے وعدہ کیا تھا کہ اس مقررہ تاریخ تک فلیٹ مکمل کردُوں گا، میں نے اس وقت ان کو یہ کہا تھا کہ یہ بات مشکل ہے، چنانچہ

---

(۱) علیه دیون ومظالم جهل أربابها وأیس من علیه ذٰلک من معرفتهم فعلیه التصدق بقدرها من ماله . (درمختار، کتاب اللقطة ج:۴ ص:۲۸۳)۔ وفی فتاویٰ قاضیخان: رجل له حق علیٰ خصم فمات ولا وارث له تصدق عن صاحب الحق بقدر ماله علیه لیکن ودیعة عند الله یوصلها أی خصمائه یوم القیامة ...إلخ۔ (شرح فقه الأکبر ص:۱۹۴، بیان أقسام التوبة، طبع دهلی)۔

(۲) (ما حرّم أخذه حرم إعطاؤه فأخذ الرشوة ممنوع کإعطائها ومثل ذالک الربا وأجرة النائحة ...إلخ۔ (شرح المجلة ص:۳۳ رقم المادّة:۳۴)۔ أیضًا: کما لا یحل أکل الحرام لا یحل إیکاله قال صلی الله علیه وسلم: لعن الله آکل الربا وموکله۔ وقال صلی الله علیه وسلم: لعن الله الراشی والمرتشی۔ (المبسوط للسرخسی ج:۱۴ ص:۸۴)۔

(۳) قال تاج الشریعة: اما لو أنفق فی ذالک مالًا خبیثًا، ومالًا سببه الخبیث والطیب، فیکره لأن الله لا یقبل إلّا الطیب فیکره تلویث بیته بما لا یقبله۔ (در المختار ج:۱ ص:۶۵۸، مطلب فی أحکام المساجد)۔ وعن أبی هریرة رضی الله عنه قال: قال رسول الله صلی الله علیه وسلم: إن الله طیّب لا یقبل إلّا طیّبًا۔ (مشکٰوة ج:۱ ص:۲۴۱ کتاب البیوع)۔

(۴) وإلّا فإن علم عین الحرام لا یحل له ویتصدق به بنیة صاحبه ...إلخ۔ (فتاویٰ شامی ج:۵ ص:۹۹، مطلب فی من ورث مالًا حرامًا)۔ أیضًا: ویتصدق بلا نیة الثواب وینوی به براءة الذمة۔ (قواعد الفقه ص:۱۱۵ طبع صدف پبلشرز کراچی)۔

میں نے ان سے یہ بات کہی کہ اگر اس تاریخ تک آپ یہ فلیٹ مجھے مکمل کر کے نہ دیں گے تو آپ پر جرمانہ ہونا چاہئے۔ طے یہ پایا تھا کہ اگر اس تاریخ تک قبضہ نہ دیا تو اس علاقے میں اتنے بڑے فلیٹ کا جو کرایہ ہوگا ادا کروں گا۔ چنانچہ فلیٹ ابھی تک مکمل نہیں ہوا ہے اور میں نے ان سے اس کا کرایہ مبلغ دو ہزار روپے لینا شروع کر دیا ہے۔ بعض دوستوں نے یہ بات بتائی کہ یہ رقم سود بن جاتی ہے۔ براہِ کرم فتویٰ دیں کہ اگر واقعتاً یہ رقم سود ہے تو میں ان سے کرایہ نہ لوں۔

جواب:... جب بیچنے والے نے حسبِ وعدہ مقررہ مدّت میں مکان خریدار کے حوالے نہیں کیا تو بروقت مکان نہ دینے کی صورت میں باہمی جرمانے کا طے کر لینا دُرست نہیں ہے۔ خریدار اگر چاہے تو اس معاملے کو ختم کر سکتا ہے، لیکن زائد مدت کے عوض جرمانہ وصول کرنا جائز نہیں ہے۔ خلاصہ یہ کہ مکمل فلیٹ مقررہ مدت میں نہ ملنے کی صورت میں جرمانہ لینا (خواہ نام "کرایہ" وغیرہ کوئی بھی تجویز کرلیں) سود ہے،[1] اور جو وصول کیا ہے وہ بھی مالک کو واپس کرنا ضروری ہے۔[2]

ادائیگی کا وعدہ کرتے وقت ممکنہ رُکاوٹ بھی گوش گزار دیں

سوال:... کاروباری لین دین کے مطابق ہمیں یہ معلوم ہو کہ فلاں دن ہم کو پیسے بازار سے ملیں گے، دُکان دار کے وعدہ کے مطابق ہم کسی دُوسرے فرد سے وعدہ کرلیں کہ ہم آپ کو کل یا پرسوں پیسے ادا کر دیں گے، اگر سامنے والا دُکان دار وعدہ خلافی کرے کسی بھی بنا پر، تو ہم اپنے کئے ہوئے وعدے پر قائم نہیں رہ سکتے، اب اگر ہم نے جس سے وعدہ کیا ہو، اسے موجودہ صورتِ حال بتادیں تو وہ یقین نہ کرے۔ اس بات کو ذہن میں رکھتے ہوئے ہم کچھ اور وجہ بیان کردیں تاکہ وہ ناراض بھی نہ ہو، کیا ایسا کرنا جائز ہوگا؟

جواب:... غلط بیانی تو ناجائز ہی ہوگی، خواہ مخاطب اس سے مطمئن ہی ہوجائے۔[3] اس کے بجائے اس سے وعدہ کرتے وقت ہی یہ وضاحت کردی جائے تو مناسب ہے کہ فلاں شخص کے ذمہ میرے پیسے ہیں اور فلاں وقت کا اس نے وعدہ کر رکھا ہے، اس سے وصول کر کے آپ کو دُوں گا۔ الغرض جہاں تک ممکن ہو وعدہ خلافی اور غلط بیانی سے پرہیز کرنا لازم ہے۔ حدیث شریف میں ہے کہ:

"التاجر الصدوق الأمين مع النبيين والصديقين والشهداء."

(مشکوٰۃ شریف ص:۲۴۳، بروایت ترمذی وغیرہ)

---

(۱) (وذلک إعتياض عن الأجل وهو حرام) وهٰذا لأن الأجل صفة كالجودة والإعتياض عن الجودة لا يجوز فكذا عن الأجل ألا ترى أن الشرع حرم الربا النسيئة وليس فيه إلّا مقابلة المال بالأجل شبهة فلا يكون مقابلة المال بالأجل حقيقة حرام أولى. (كفاية شرح هداية مع فتح القدير ج:۷ ص:۳۹۶ كتاب الصلح، باب الصلح في الدين). أيضًا في رد المحتار: قوله لا بأخذ المال في المذهب، قال في الفتح: وعن أبي يوسف يجوز التعزير للسلطان بأخذ المال وعندهما وباقي الأئمة لا يجوز اهـ. ومثله في المعراج، وظاهره أن ذالک رواية ضعيفة عن أبي يوسف قال في الشرنبلالية: ولا يفتى بهٰذا لما فيه من تسليط الظلمة على أخذ مال الناس فيأكلونه اهـ. ومثله في شرح الوهبانية. (رد المحتار ج:۴ ص:۶۱، مطلب في التعزير بأخذ المال).

(۲) والحاصل أنه إن علم أرباب الأموال وجب رده عليهم. (ردالمحتار ج:۵ ص:۹۹، باب البيع الفاسد).

(۳) قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: كبرت خيانة ان تحدث أخاک حديثًا هو لک به مصدق وأنت به كاذب. (مشكوة ج:۲ ص:۴۱۳، باب حفظ اللسان والغيبة والشتم).

ترجمہ:... "سچا، امانت دار تاجر (قیامت کے دن) نبیوں، صدیقوں اور شہیدوں کے ساتھ ہوگا۔"

ایک اور حدیث میں ہے:

"التجار یحشرون یوم القیامة فجارًا، إلّا من اتقی وبر وصدق۔"

(مشکوٰۃ شریف ص:۲۴۴، بروایت ترمذی وغیرہ)

ترجمہ:... "تاجر لوگ قیامت کے دن بدکار اُٹھائے جائیں گے، سوائے اس شخص کے جس نے تقویٰ اختیار کیا اور نیکی کی اور سچ بولا۔"

قرض واپس نہ کرنے اور نااتفاقی پیدا کرنے والے چچا سے قطع تعلق

سوال:... میرے چچا نے میرے والد سے تقریباً ۱۰ سال قبل تقریباً ایک لاکھ روپے کا مال اس صورت میں لیا کہ فلاں فلاں دُکان دار کو دینا ہے، جب اس سے رقم مل جائے گی تو ادائیگی کردیں گے۔ اس سے قبل بھی یہ سلسلہ کرتے رہے اور رقم لوٹا دیا کرتے تھے۔ اس مرتبہ کچھ عرصہ گزرنے پر رقم نہیں ملی، والدِ محترم نے تقاضا کیا تو چچا نے نقصان کا بہانہ بنادیا اور یکمشت اور فوری ادائیگی پر معذرت کی۔ آخر ۸ سال کا عرصہ گزر گیا، اس عرصے میں والدِ محترم نہ صرف خود اس کا تقاضا کرتے رہے بلکہ مجھ سے بھی تقاضا کرایا، مگر چچا خراب حالات اور مختلف بہانے کرتے رہے۔ آج سے ۲ سال قبل والدِ محترم کا انتقال ہوگیا، جب میں نے رقم کا مطالبہ کیا تو پہلے انہوں نے بالکل انکار کیا کہ انہوں نے کوئی رقم نہیں دینی۔ آخر میرے یاد دِلانے پر انہوں نے کہا: "ہاں کچھ حساب تو ہے، اور ثبوت مہیا کریں، مگر اتنی لمبی رقم نہیں ہے۔" کبھی کہتے: "تمہارے والد نے مجھ سے رقم لے لی ہے" کبھی کچھ، کبھی کچھ بہانے کرتے رہے ہیں۔ میں نے خاندان کے کچھ بزرگوں کو اس معاملے کو حل کرانے کے لئے کہا تو انہوں نے سخت ناراضگی کا اظہار کیا اور کہا: "کوئی اس معاملے میں نہ بولے۔" چچا کے حالات بالکل ٹھیک ہیں، نہ صرف اب، بلکہ پہلے سے بھی ٹھیک ہیں۔ چچا نہ صرف لین دین کے معاملے میں ہی صحیح نہیں بلکہ عام گھریلو معاملات میں بھی میانہ روی نہیں کرتے۔ خاندان میں اور دُوسرے افراد کو ورغلانا اور ہمارے بہن بھائیوں میں بھی نااتفاقی پیدا کرنے میں اعلیٰ کردار ادا کر رہے ہیں۔ کیا ایسی صورت میں چچا سے قطع تعلق کرلیا جائے؟

جواب:... اگر یہاں نہیں دیتے تو قیامت میں دینا پڑے گا۔[1] جہاں تک قطع تعلق کی بات ہے، زیدہ میل جول نہ رکھا جائے، لیکن سلام دُعا، عیادت اور جنازے میں شرکت وغیرہ کے حقوق منقطع نہ کئے جائیں۔[2]

قرض ادا کردیں یا معاف کرالیں

سوال:... غالباً ۷۰-۱۹۶۹ء میں، میں نے اپنے ایک اسکول ٹیچر سے ایک رسالہ جس کی قیمت اس وقت صرف ۷۰ پیسے

---

(۱) قال رسول الله صلی الله علیه وسلم: صاحب الدین ماسور بدینه یشکو إلی ربه الوحدة یوم القیامة۔ (مشکوٰة ص:۲۵۲ باب الأفلاس والأنظار)۔

(۲) قال رسول الله صلی الله علیه وسلم: للمسلم علی المسلم ست بالمعروف: یسلم علیه إذا لقیه، ویجیبه إذا دعاه ویشمته إذا عطس، ویعوده إذا مرض، ویتبع جنازته إذا مات، ویحب له ما یحب لنفسه۔ (مشکوٰة ص:۳۹۸، باب السلام)۔

تھے، اُدھار خریدا لیکن اس کی رقم ادا نہ کی۔ اگلے ماہ ان سے اور ایک رسالہ اس وعدے پر اُدھار خریدا کہ دونوں کے پیسے اکٹھے دے دُوں گا، اور پھر تیسرے ماہ ان سے ایک اور رسالہ اُدھار خرید لیا، اس وعدے کے ساتھ کہ تینوں کے پیسے اکٹھے چندروز میں ادا کردُوں گا۔ لیکن وہ دن آج تک نہیں آیا ہے۔ ان تینوں رسالوں کی مجموعی قیمت دو روپے دس پیسے تھی۔ اس کے کوئی ایک سال بعد ان محترم اُستاد نے ان پیسوں کا تقاضا بھی کیا، لیکن میں نے پھر بہانہ بنادیا، اور آج تک یہ اُدھار ادا نہیں کرسکا۔ اب مسئلہ یہ ہے کہ میں ان رسالوں کی قیمت انہیں ادا کرنا چاہتا ہوں، یہ تحریر فرمائیں کہ جبکہ اس بات کو تقریباً ۱۹ برس گزر چکے ہیں، مجھے اصل رقم جو دو روپے دس پیسے بنی تھی وہی ادا کرنا ہوگی یا زیادہ؟ اگر زیادہ تو کس حساب سے؟ میں نے ایک حدیث مبارک سنی ہے جس کا مفہوم کچھ اس طرح ہے کہ: ”جس شخص نے دُنیا میں کسی سے قرض لیا اور واپس نہ کیا، تو قیامت کے دن اسے صرف ۲ پیسے کے بدلے اس کی سات سو مقبول نمازوں کا ثواب دینا پڑے گا۔“

جواب:... ان تینوں رسالوں کی قیمت آپ کے ذمہ واجب الادا ہے، اپنے اُستاذِ محترم سے مل کر یا تو معاف کرالیں یا جتنی قیمت وہ بتائیں، ان کو ادا کردیں۔[1] دو پیسے والی جو حدیث آپ نے ذکر کی ہے، یہ تو کہیں نہیں دیکھی، البتہ قرض اور حقوق کا معاملہ واقعی بڑا سنگین ہے، آدمی کو مرنے سے پہلے ان سے سبکدوش ہوجانا چاہئے۔[2]

بیٹا باپ کے انتقال کے بعد نادہند مقروض سے کیسے نمٹے؟

سوال:... میرے والدِ محترم سے ایک شخص نے کچھ رقم بطور قرض لی، اس کے عوض اپنا کچھ قیمتی سامان بطور زرِ ضمانت رکھوادیا، مقررہ میعاد پوری ہونے پر جب وہ شخص نہیں آیا تو والدِ محترم نے مجھ سے کہا کہ: ”فلاں شخص ملے تو اس سے رقم کی وصولی کا تقاضا کرنا اور اس کی امانت یاد دِلانا۔“ کئی مرتبہ وہ شخص ملا، میں نے والدِ محترم کا پیغام دیا، مگر ہر مرتبہ جلد ہی ملاقات کا بہانہ کردیتا۔ اسی اثنا میں میرے والدِ محترم کا انتقال ہوگیا، اس کے کچھ عرصہ بعد وہ شخص ملا، میں نے والدِ محترم کے انتقال کا بتایا اور اس سے اپنی رقم کا مطالبہ کیا، اس شخص نے کہا وہ رقم نہیں دے سکتا، اسے یہ رقم معاف ہی کردی جائے اور اس کی امانت اس کو واپس دے دی جائے۔ اپنی موت اور اس کی امانت کی حفاظت کی کوئی گارنٹی نہ ہونے کے ڈر سے میں نے اس کی امانت اس کے حوالے کردی۔

۱:... کیا میں نے صحیح کیا؟

۲:... کیا میں والدِ محترم کی طرف سے اس قرض دار کو رقم معاف کرسکتا ہوں؟

۳:... یا کوئی اور طریقہ ہو تو تحریر فرمائیں۔

---

(۱) وإن كانت عمّا يتعلق بالعباد فإن كانت من مظالم الأموال فيتوقف صحة التوبة منها مع ما قدمناه في حقوق الله على الخروج عن عهدة الأموال وإرضاء الخصم في الحال أو الإستقبال بأن يتحلل منهم أو يردّها إليهم أو إلى من يقوم مقامهم من وكيل أو وارث هذا. (شرح فقه أكبر ص:۱۹۳).

(۲) وقال رسول الله صلى الله عليه وسلم: رحم الله عبدًا كانت لأخيه عنده مظلمة في عرض أو مال فجاءه فاستحلّه قبل أن يؤخذ. (ترمذي ج:۲ ص:۶۷).

جواب:... آپ کے والد کے اِنتقال کے بعد ان کی رقم وارثوں کے نام منتقل ہوگئی،[1] آپ اگر اپنے والد کے تنہا وارث ہیں اور کوئی وارث نہیں، تو آپ معاف کرسکتے ہیں، اور اگر دُوسرے وارث بھی ہیں تو اپنے حصے کی رقم تو خود معاف کرسکتے ہیں اور دُوسرے وارثوں سے معاف کرنے کی بات کرسکتے ہیں[2] (بشرطیکہ تمام وارث عاقل و بالغ ہوں)۔

رہن کا منافع استعمال کرنا

سوال:... ہمارے علاقے میں رہن کی رسم بہت عام ہے، جس کو بعض علماء نے جائز کردیا ہے، اس کے تین طریقے ہیں:

۱:... فرض کیا "الف" نے "ب" سے ۱۰ ہزار روپے قرض لیا، "ب" نے اس کے بدلے "الف" کی زمین رہن رکھ لی، اب "ب"، "الف" کی زمین کی فصل اس وقت تک کھاتا رہے گا جب تک کہ "الف" پورے دس ہزار روپے واپس نہ کردے۔

۲:... اس طریقے میں "ب"، "الف" کو ۱۰ فیصد سالانہ مالیہ دے گا۔

۳:... اس طریقے میں "ب"، "الف" کو فصل کے تقریباً نصف مالیت کی رقم دے گا، یا اپنی رقم میں سے کٹائے گا۔

جناب مولانا! ایک بات یہ کہ اگر محنت، بیج اور بیل "الف" کے ہوں، یا محنت، بیج اور بیل "ب" کے ہوں تو کیا اثر پڑے گا؟ جناب! آپ اس کی شرعی حیثیت سے آگاہ کریں تاکہ ان لوگوں کو آپ کا فتویٰ دِکھایا جائے۔

جواب:... رہن رکھی ہوئی چیز کا مالک، رہن رکھوانے والا ہے، اور اس کے منافع اور پیداوار بھی اسی کی ملکیت ہے۔[3] جس شخص کے پاس یہ چیز رہن رکھی گئی ہے، نہ وہ رہن کی چیز کا مالک ہے اور نہ اس کی پیداوار کا، بلکہ یہ ساری چیزیں اس کے پاس امانت ہیں۔ جب مالک قرض کی رقم ادا کرے گا، یہ ساری چیزیں اس سے وصول کرلے گا، مرتہن کا رہن کے منافع اور اس کی پیداوار کا کھانا سود ہے جو شرعاً حرام ہے۔[4]

---

(۱) تعریف الإرث ...... وفی الإصطلاح إنتقال الملکیة من المیت إلی ورثته الأحیاء سواء کان المتروک مالًا، أو عقارًا، أو حقًّا من الحقوق الشرعیة۔ (المواریث فی الشریعة الإسلامیة ص:۳۴)۔

(۲) وعبارته (جامع الفصولین) قال أحد الورثة: برأت من ترکة أبی یبرأ الغرماء عن الدین بقدر حقه لأن هذا إبراء عن الغرماء بقدر حقه، فیصح ...إلخ۔ (غمز عیون البصائر شرح الحموی علی الأشباه والنظائر ج:۳ ص:۵۴ الفن الثالث الجمع والفرق، طبع إدارة القرآن)۔

(۳) (لَا إنتفاع به مطلقًا) لَا بإستخدام ولَا سکنٰی ولَا لبس ولَا إجارة ولا إعارة سواءً کان من مرتهن أو راهن إلّا بإذن کل للآخر وقیل لَا یحل للمرتهن لأنه ربا وقیل إن شرطه کان ربا وإلّا لَا۔ (درمختار ج:۶ ص:۴۸۲)۔ قال فی الإختیار: ویهلک علی ملک الراهن حتّٰی یکفنه لأنه ملکه حقیقة وهو أمانة فی ید المرتهن۔ (رد المحتار ج:۶ ص:۴۷۹، کتاب الرهن)۔

(۴) عن علی أمیر المؤمنین مرفوعًا کل قرض جر منفعة فهو ربا۔ (إعلاء السُّنن ج:۱۴ ص:۵۱۲ باب کل قرض جر منفعة فهو ربا)۔ أیضًا: ولَا یجوز أجر الرهن، ولَا یخرج من ید المرتهن إلّا بعد قضاء الدین، ولا ینتفع به وذٰلک لأن فی إجارته إستحقاق ید المرتهن، وفی ذٰلک إبطال الرهن۔ (شرح مختصر الطحاوی ج:۳ ص:۱۴۹ کتاب الرهن)۔ أیضًا: لَا یحل له أن ینتفع بشیء منه بوجه من الوجوه وإن أذن له الراهن لأنه أذن به فی الربا ولأنه یستوفی دینه کاملًا فتبقٰی له المنفعة فضلًا فیکون ربًا۔ (رد المحتار ج:۶ ص:۴۸۲، کتاب الرهن)۔

امانت

امانت کی رقم اگر چوری ہو جائے تو شرعی حکم

سوال:... ایک شخص جب بیرونِ ملک سے اپنے وطن جانے لگا تو اپنے دوست کے پاس کچھ رقم رکھ دی کہ جب پھر آئے گا تو رقم لے لے گا۔ دوبارہ وہ بیرونِ ملک نہ جاسکا اور دوست کی کئی بار یاددہانی کے باوجود اس شخص نے رقم نہیں منگائی۔ دریں اثنا اس کے دوست کا بریف کیس جس میں اس شخص کی رقم رکھی تھی، چوری ہوگیا۔ آپ بتائیں کیا ان حالات میں اس کے دوست پر پوری رقم واجب الادا ہے؟

جواب:... امانت کی رقم اگر اس نے بعینہٖ محفوظ رکھی تھی اور اس کی حفاظت میں غفلت نہیں کی تھی تو اس کے ذمہ اس رقم کا ادا کرنا لازم نہیں۔[1] لیکن اگر اس نے امانت کی رقم بعینہٖ محفوظ نہیں رکھی بلکہ اسے خرچ کرلیا، یا اپنی رقم میں اس طرح ملالیا کہ دونوں کے درمیان امتیاز نہ رہا، یا اس کی حفاظت میں غفلت کی تو ادا کرنا لازم ہے۔[2]

امانت کی رقم کی گمشدگی کی ذمہ داری کس پر ہے؟

سوال:... ایک تقریب میں زید نے بکر کے پاس ایک چیز رکھوائی کہ تقریب کے خاتمے پر لے لے گا، مگر بکر سے وہ کھوگئی، کیا زید، بکر سے اس چیز کی آدھی یا پوری قیمت لینے کا حق دار ہے؟

جواب:... جس شخص کے پاس امانت کی چیز رکھی ہو اگر وہ اس کی بے پروائی کی وجہ سے گم نہیں ہوئی تو اس سے قیمت وصول نہیں کی جاسکتی۔[3]

---

(۱) (وهي أمانة) هذا حكمها مع وجوب الحفظ والأداء عند الطلب واستحباب قبولها فلا تضمن بالهلاك (مطلقًا) سواء أمكن التحرز أم لَا، هلك معها شيء أم لَا لحديث الدارقطني ليس على المستودع غير المغل ضمان. (رد المحتار ج:۵ ص:۶۶۳). أيضًا: والأمانة غير مضمونة فإذا هلكت أو ضاعت بلا صنع الأمين، ولَا تقصير منه، لَا يلزمه الضمان. (شرح المجلة ص ۳۲۶، رقم المادة:۷۶۸، الباب الأوّل في أحكام عمومية تتعلق بالأمانات).

(۲) وكذا لو خلطها المودع بجنسها أو بغيره بماله أو مال آخر بغير إذن المالك بحيث لَا تتميز إلّا بكلفة .... ضمنها لإستهلاكه بالخلط .... ولو أنفق بعضها فرد مثله فخلطه بالباقي خلطًا لَا يتميز معه ضمن الكل. (درمختار ج:۵ ص.۶۶۸، ۶۶۹، كتاب الإيداع).

(۳) ایضاً حوالہ نمبر۱ ملاحظہ ہو۔

کسی سے چیز عاریتاً لے کر واپس نہ کرنا گناہِ کبیرہ ہے

سوال:... ہمارے قریب ایک آدمی ہے، وہ جس کسی کی اچھی چیز دیکھتا ہے تو اس سے دیکھنے کے لئے لیتا ہے، پھر واپس نہیں کرتا۔ کیا یہ اس کے لئے جائز ہے؟

جواب:... جو چیز کسی سے مانگ کر لی جائے وہ لینے والے کے پاس امانت ہوتی ہے،[1] اس کو واپس نہ کرنا امانت میں خیانت ہے، اور خیانت گناہِ کبیرہ ہے۔[2]

جو آدمی امانت سے انکار کرتا ہو اس پر حلف لازم ہے

سوال:... سوال یہ ہے کہ ایک شخص کے پاس کوئی چیز امانت رکھی گئی تھی، وہ شخص امانت کے وجود سے انکار کرتا ہے، حلف لینے سے بھی انکاری ہے، کلامِ پاک کا حلف ناجائز کہتا ہے، اب کیا کرنا چاہئے؟

جواب:... جس شخص کے پاس امانت رکھی گئی، اگر وہ اس سے انکار کرتا ہے تو شرعاً اس کے ذمہ حلف لازم ہے، پس یا تو وہ مدعی کی چیز اس کے حوالے کردے، یا حلف اُٹھائے،[3] اور جن مسلمانوں کو اس کی خبر ہو، انہیں بھی مظلوم کی مدد کرنی چاہئے، ورنہ سب گنہگار ہوں گے۔[4]

کسی کی اِجازت کے بغیر اُس کا فون اِستعمال کرنا خیانت ہے اور اُتنا بل ادا کرنا شرعاً واخلاقاً لازم ہے

سوال:... ایک آدمی سفر پر جاتا ہے اور اپنی بیوی کسی قریبی رشتہ دار کے گھر میں چھوڑ جاتا ہے، کیونکہ اس کی بیوی تنہا اور بیمار بھی ہے، وہ رشتہ دار اپنے کام کے لئے اس شخص کے گھر کا فون اِستعمال کرتا ہے، اس صورت میں ٹیلیفون کا بل زیادہ آئے تو بل کی ادائیگی کس کے ذمے ہے؟

جواب:... بیوی کے عزیز کو اس کے شوہر کی اجازت کے بغیر ٹیلیفون کا اِستعمال کرنا جائز نہیں تھا، اور اس بل کا ادا کرنا شرعاً

---

(۱) کتاب العاریة ...... هي ...... شرعًا تملیک المنافع مجانا ...... وحکمها کونها أمانة. (الدر المختار، کتاب العاریة ج:۵ ص:۶۷۶). وفی الحدیث لَا إیمان لمن لَا أمانة له. (مشکوٰة ص:۱۵، کتاب الإیمان، الفصل الثانی).

(۲) عن أبی هریرة أن رسول الله صلی الله علیه وسلم قال: آیة المنافق ثلاث إذا حدث کذب، وإذا وعد أخلف، وإذا اؤتمن خان. (سنن نسائی ج:۲ ص:۲۳۲، طبع قدیمی).

(۳) قال رسول الله صلی الله علیه وسلم: البینة علی المدعی والیمین علی المدعی علیه. (مشکوٰة، باب الأقضیة والشهادات ص:۳۲۷، طبع قدیمی).

(۴) وقال علیه الصلاة والسلام: انصر أخاک ظالمًا أو مظلومًا، فقال رجل: یا رسول الله! أنصره مظلومًا، فکیف أنصره ظالمًا؟ قال. تمنعه من الظلم فذٰلک نصرک إیاه. (مشکوٰة ص:۴۲۲، باب الشفقة والرحمة علی الخلق).

واخلاقاً اسی عزیز کے ذمے ہے جس نے امانت میں خیانت کا اِرتکاب کیا۔[1]

اگر اَمانت رکھوائی گئی قیمتی چیز چوری یا گم ہوجائے تو کس کے ذمے ہوگی؟

سوال:... ایک دُکان دار یا کسی شخص کے پاس کسی کی قیمتی چیز یا رقم امانت کے طور پر رکھی ہوئی ہے، خدانخواستہ اگر وہ اس کے پاس چوری یا گم ہوجائے تو وہ قیمتی چیز جس کے پاس بطور اَمانت رکھی ہوئی ہے، اس کے ذمے ہوگی یا جس نے امانت رکھوائی ہے وہ ذمہ دار ہوگا؟

جواب:... جس شخص کے پاس وہ چیز اَمانت رکھی ہوئی تھی، اگر اس نے اس امانت میں خیانت نہیں کی، اس کی پوری حفاظت کی، اس کے باوجود چوری ہوگئی تو جس شخص کی چوری ہوئی اسی کا نقصان ہوا، جس کے پاس امانت رکھی ہوئی تھی وہ بری الذمہ ہے۔[2]

امانت کی رقم اگر کوئی چھین کرلے جائے تو کیا ضمان لازم آئے گا؟

سوال:... مجھے ایک مسئلہ درپیش ہوا، جس کی وجہ سے میں سخت اُلجھن اور کافی تذبذب میں ہوں۔ مسئلہ یہ ہے کہ میں پچھلے سال ابوظہبی سے پاکستان اپنے وطن آرہا تھا، یہاں (ابوظہبی) روانگی سے پہلے جیسا کہ عام دستور و رواج کے مطابق دوست احباب اپنے اہلِ خانہ کے لئے تحفے یا گھریلو اِخراجات کے لئے رُقوم وغیرہ دیتے ہیں، مجھے بھی لوگوں نے رقم یعنی نقدی دِرہم دیئے، جو تقریباً تیس ہزار تھے۔ اس کے علاوہ میرے ذاتی بیس ہزار دِرہم تھے جو ملاکر پچاس ہزار دِرہم ہوئے۔ جب میں ابوظہبی سے اسلام آباد ایئرپورٹ آیا تو وہاں میرے عزیز اپنی گاڑی کے ساتھ موجود تھے، میرا تعلق آزاد کشمیر سے ہے، میں اپنے گھر کے لئے روانہ ہوا، تقریباً دو کلومیٹر دُور گیا ہی تھا کہ ایک دُوسری گاڑی میں سوار دو افراد نے گاڑی رُوکنے کا اشارہ کیا، گاڑی روکنے کے بعد دُوسری گاڑی کے شخص نے اپنا سی آئی اے کے اِدارے سے تعلق ظاہر کرکے میری تلاشی لینی شروع کردی، تلاشی کے دوران ہی میری ساری رقم جو کہ پچاس ہزار دِرہم تھے، لے کر فرار ہوگئے۔ میں نے فوراً قریبی تھانے میں رپورٹ درج کرائی، جب تک (دو ماہ) پاکستان میں رہا، اس کے حصول کے لئے میں کوشش میں لگا رہا، مگر کچھ حاصل نہ ہوسکا۔ میں واپس ابوظہبی آیا تو یہاں پر جن ساتھیوں نے مجھے اپنے اہلِ خانہ کے لئے جو رُقوم دی تھیں وہ واپسی کا مجھ سے مطالبہ کر رہے ہیں، میں نے یہاں پر ایک عالم سے اس مسئلے کے بارے میں فتویٰ معلوم کیا تو انہوں نے کہا کہ ضائع شدہ رُقوم کی واپسی آپ کے ذمے نہیں۔ اب آپ سے گزارش ہے کہ قرآن و حدیث کی روشنی میں میرے اس مسئلے میں رہنمائی فرمائیں۔

---

(۱) لا يجوز لأحد أن يتصرف في ملك غيره بلا إذنه، أو وكالة منه أو ولاية عليه وإن فعل كان ضامنًا. (شرح المجلة لسليم رستم باز ص ۶۱، المادة:۹۶، طبع مكتبه حبيبيه كوئٹه). تصرف الإنسان في مال غيره لا يجوز إلّا بإذنه أو ولاية. (الجوهرة النيرة ج ۱ ص ۲۸۷، كتاب الشركة). ألَا لا يحل مال امرئٍ إلّا بطيب نفس منه. (مشكوة ص ۲۵۵).

(۲) وهي (أي الوديعة) أمانة هذا حكمها مع وجوب الحفظ والأداء عند الطلب ...... فلا تضمن بالهلاك ..... مطلقًا .. واشتراط الضمان على الأمين باطل به يفتى. (درمختار ج:۵ ص:۶۶۴ كتاب الإيداع، طبع سعيد). أيضًا والوديعة أمانة في يد الوديع فإذا هلكت بلا تعد منه وبدون صنعه وتقصيره في الحفظ لَا يضمن. (شرح المجلة، لسليم رستم باز ص ۳۳۱، رقم المادة:۷۷۷).

جواب:... چونکہ آپ ان سب حضرات کی رقم امانتاً لائے تھے، اور اگر امانت کی رقم بغیر کسی اختیاری عمل کے ضائع ہوجائے تو ان رُقوم کی واپسی کے ذمہ دار نہیں۔ ان لوگوں کا مطالبہ شرعاً ناجائز ہے۔[1]

کیا امانت سے قرض دینا جائز ہے؟

سوال:... میرے پاس لوگوں کی بیسیاں جمع ہوتی ہیں، یعنی کمیٹیاں بہت سے لوگ یا میری سہیلیاں قرض مانگتی ہیں، یعنی وہ قرض ادا کرنے کے لئے، یا بیماری میں علاج کے لئے اسکول و کالج کی یا امتحان کی فیس کی ادائیگی کے لئے یا کسی اور مد میں، میں ان کو دے دیتی ہوں، لیکن جس کی بیسی کا نمبر ہوتا ہے اسے وقت پر اَدا کردی جاتی ہے، کیونکہ جمع شدہ رقم سے قرض دیتی ہوں، وہ بھی حسب وعدہ واپس مل جاتا ہے، کیا یہ عمل شرعاً جائز ہے کیونکہ رقم دُوسروں کی ہوتی ہے؟

جواب:... آپ کے پاس بیسی کی رقم جو جمع ہوتی ہے وہ امانت ہے، اگر آپ تمام حصہ داروں سے یہ اجازت لے لیں کہ آپ اس رقم کو خرچ کرسکتی ہیں تو جائز ہے، ورنہ نہیں۔[2]

امانت رکھا ہوا مال بیچ کر منافع لینا شرعاً صحیح نہیں

سوال:... ایک صاحب کے پاس میرا مال امانتاً پڑا ہوا تھا، جو انہوں نے میری اجازت کے بغیر استعمال کرلیا، اب وہ مجھے اس کے پیسے یا قیمت اپنی مرضی سے ادا کرنا چاہتے ہیں، مال گتے کی صورت میں تھا، اور مارکیٹ میں ناپید تھا۔ اس مال کے ان صاحب کے استعمال کرلینے کی وجہ سے میرا تقریباً چالیس لاکھ روپے کا آرڈر منسوخ ہوگیا، وہ مال چھاپ کر سپلائی کردیا، جس کی وجہ سے مجھے شدید قسم کا مالی نقصان ہوا، اور آرڈر منسوخ ہوجانے کی وجہ سے وہ مال اب میرے کسی کام کا نہیں، پارٹی کا کہنا یہ ہے کہ اب آپ مال کے بدلے مال واپس لے لیجئے یا پھر ان کی بتائی ہوئی قیمت۔

جواب:... اس شخص نے آپ کی امانت میں خیانت کی ہے، اس لئے اس کا وہ منافع اس کے لئے شرعاً صحیح نہیں اور آپ آپ اس کی قیمت وصول کرسکتے ہیں، چونکہ وہ مال اب آپ کے کسی کام کا نہیں، اس لئے مال کے بدلے مال دینا تو غلط ہے، اور جو قیمت وہ دینا چاہیں وہ بھی غلط ہے، بلکہ آپ مناسب قیمت وصول کرسکتے ہیں۔[3]

---

(۱) وهي (أي الوديعة) أمانة هذا حكمها مع وجوب الحفظ والأداء عند الطلب .... فلا تضمن بالهلاك .... مطلقًا سواءً أمكن التحرز أم لا هلك معها شيء أم لا لحديث الدارقطني، ليس على المستودع غير المغل ضمان، واشتراط الضمان على الأمين باطل به يفتى ...إلخ. (درمختار مع الشامي ج:۵ ص:۶۶۴ كتاب الإيداع).

(۲) لا يجوز لأحد أن يتصرف في ملك غيره بلا إذنه أو وكالة منه أو ولاية عليه وإن فعل كان ضامنًا. (شرح المجلة لسليم رستم باز ص:۶۱ المادة:۹۶).

(۳) وفي المحيط البرهاني في الفقه النعماني (ج:۶ ص:۳۲۹، طبع غفارية كوئته) في رد الوديعة في الأصل إذا كانت دراهم أو دنانير أو شيئًا من الوكيل والموزون، فأنفق المودع طائفة منها في حاجة نفسه كان ضامنًا لما أنفق منها. وفي شرح المجلة لرستم باز (ص:۳۴۶، رقم المادة:۸۰۳) الوديعة متى وجب ضمانها، فإن كانت من المثليات تضمن بمثلها، وإن كانت من القيميات تضمن بقيمتها يوم لزوم الضمان.

رشوت

نوکری کے لئے رشوت دینے اور لینے والے کا شرعی حکم

سوال:... رشوت دینے والا اور رشوت لینے والا دونوں جہنمی ہیں، لیکن بعض معاشرتی بُرائیوں کے پیشِ نظر رشوت لینے والا خود محتاج رہتا ہے اور زبردستی رشوت طلب کرتا ہے، اور رشوت دینے والا، دینے پر مجبور ہوتا ہے کیونکہ اگر وہ انکار کرتا ہے تو اس کا کام روک دیا جاتا ہے، کیونکہ بعض کام ہیں جس کے بغیر اس معاشرے میں نہیں رہ سکتا۔ اور بعض لوگ نوکریاں دِلانے کے لئے بھی رشوت لیتے ہیں، اور کیا نوکری حاصل کرنے والا شخص جو رشوت دے کر نوکری حاصل کرتا ہے تو کیا اس کا کمایا ہوا رزق حلال ہوگا؟ کیونکہ ایسا شخص بھی خوشی سے رشوت نہیں دیتا، تو ان حالات میں لینے والا اور رشوت دینے والا ان دونوں کے لئے کیا حکم ہے؟

جواب:... رشوت لینے والا تو ہر حال میں "فی النار" کا مصداق ہے،[1] اور رشوت دینے والے کے بارے میں یہ کہا گیا ہے کہ دفعِ ظلم کے لئے رشوت دی جائے تو اُمید ہے کہ اللہ تعالیٰ مؤاخذہ نہیں فرمائیں گے۔[2] رشوت دے کر جو نوکری حاصل کی گئی ہو اس میں یہ تفصیل ہے کہ اگر یہ شخص اس ملازمت کا اہل ہے اور جو کام اس کے سپرد کیا گیا ہے اسے ٹھیک ٹھیک انجام دیتا ہے تو اس کی تنخواہ حلال ہے، (گو رشوت کا وبال ہوگا)، اور اگر وہ اس کام کا اہل ہی نہیں تو تنخواہ بھی حلال نہیں۔[3]

---

(۱) الراشی والمرتشی فی النار۔ (کنز العمال ج:٦ ص:۱۱۳ حدیث نمبر:۱۵۰۷۷، أیضًا: المطالب العالیة ج:۲ ص:۲۴۹، باب ذم الرشوة لابن حجر عسقلانی)۔ الرشوة علی وجوه أربعة .. .. ولم أر قسما یحل الأخذ فیه دون الدفع۔ (البحر الرائق ج:٦ ص:۲۸۵ کتاب القضاء، طبع دار المعرفة بیروت)۔

(۲) الرشوة أربعة أقسام .... الرابع: ما یدفع لدفع الخوف من المدفوع إلیه علٰی نفسه أو ماله حلال للدافع حرام علی الأخذ لأن دفع الضرر عن المسلم واجب ولَا یجوز أخذ المال لیفعل الواجب۔ (فتاوٰی شامی، کتاب القضاء ج ۵ ص۳۶۲۰)۔ أیضًا۔ ولَا بأس بالرشوة إذا خاف علٰی دینه (وفی الشامیة) .... دفع المال للسلطان الجائر لدفع الظلم عن نفسه وماله، ولاستخراج حق له لیس برشوة یعنی فی حق الدافع۔ (فتاوٰی شامی ج:٦ ص:۴۲۳ الحظر والإباحة)۔

(۳) کتاب الإجارة۔ وأما رکنها فهو الإیجاب والقبول والإرتباط بینهما وأما شرط جوازها فثلاثة أشیاء، أجر معلوم وعین معلوم وبدل معلوم ومحاسنها دفع الحاجة بقلیل المنفعة، وأما حکمها فوقوع الملک فی البدلین ساعة فساعة۔ (البحر الرائق ج۸ ص:۳، کتاب الإجارة، طبع دار المعرفة بیروت)۔ أیضًا: لَا یجوز عقدها حتّٰی یعلم البدل والمنفعة وبیان المنفعة بأحد ثلاث بیان الوقت وهو الأجل وبیان العمل والمکان فالأجر ببیان النقد۔ (البزازیة علی هامش الهندیة ج:۵ ص:۱۱، کتاب الإجارات)۔

امتحان میں کامیابی کے لئے رِشوت دینا

سوال:... اکثر طالب علم اِمتحان کے لئے محنت نہیں کرتے اور رزلٹ میں اچھی پوزیشن اور نمبر بڑھانے کے لئے بے دریغ پیسہ دیتے ہیں، اس طرح حق داروں کا حق مارا جاتا ہے، اور نااہل لوگ پیسے کے بل پر کاغذوں میں اپنی قابلیت بڑھا لیتے ہیں۔ بعض والدین خود اپنے بچوں کی اچھی پوزیشن دِلانے کے لئے دولت خرچ کرتے ہیں ایسا عام طور پر میٹرک کے رزلٹ کے موقع پر ہوتا ہے کیونکہ میٹرک پاس کرنا ہی طالب علم کے بہتر مستقبل کی بنیاد ہے۔ اسلامی نقطۂ نظر سے اس طرح حاصل کی ہوئی پوزیشن سے جو روزگار کمایا جائے گا، آیا وہ دُرست ہوگا؟ کیا یہ گناہ میں شمار ہوگا؟ بعض والدین خود یہ طریقہ اِختیار کرتے ہیں اور بچہ لاعلمی کی وجہ سے اس کو بُرا نہیں سمجھتا۔ یہ بھی وضاحت فرمادیں کہ اگر ایسا کرنے کے بعد ضمیر ملامت کرے تو اس کا اِزالہ کیسے کیا جائے گا؟

جواب:... یہ رشوت ہے،(۱) اور رِشوت کا حرام ہونا سب کو معلوم ہے، اگر غلطی کر بیٹھا ہو تو توبہ کے بغیر کیا تدارک ہوسکتا ہے...؟

کیا رِشوت دینے کی خاطر رِشوت لینے کے بھی عذرات ہیں؟

سوال:... ایک سوال کرنے والے نے آپ سے پوچھا کہ: ''ایسے موقع پر جبکہ اپنا کام کرانے کے لئے (ناحق) پیسے ادا کئے بغیر کام نہ ہو رہا ہو تو پیسے دے کر اپنا کام کرانا جبکہ کسی دُوسرے کا حق بھی نہ مارا گیا ہو، رشوت ہے کہ نہیں؟'' آپ نے جواب میں فرمایا ہے کہ: ''دفعِ ظلم کے لئے رشوت دی جائے تو توقع ہے کہ گرفت نہیں ہوگی، گو کہ رشوت لینا ہر حال میں حرام ہے، یعنی رشوت لینا ہر حال میں حرام ہے، لیکن ایسی مجبوری ہو تو دینے والا رشوت دے دے اور اُمید رکھے کہ یہ گناہ معاف ہوجائے گا۔''

رشوت لینا اور دینا دونوں حرام ہیں، اور دونوں پر اللہ تعالیٰ کی لعنت کی خبر دی گئی ہے، پھر اللہ تعالیٰ کا حکم ہے کہ جس چیز کو اللہ تعالیٰ نے حرام کیا ہے، اسے حلال، اور جس کو حلال کیا ہے، اسے حرام نہ کیا کرو۔ آپ عالمِ دِین ہیں، آپ مجھ سے زیادہ ان باتوں کا علم اور شعور رکھتے ہیں، اگر یہ تسلیم کرلیا جائے کہ بحالتِ مجبوری رشوت دینے سے اس گناہ کی گرفت سے بچنے کی اُمید کی جاسکتی ہے، تو پھر کئی دیگر جرائم کے ارتکاب کا جواز پیدا ہوسکتا ہے، مثلاً: کوئی شخص بیروزگاری کی حالت میں چوری کرے تا کہ اپنے بچوں کا پیٹ پال سکے تو اس کے متعلق بھی کہا جاسکتا ہے کہ وہ چوری کے گناہ اور سزا سے بچ جائے گا۔ اسی طرح جھوٹ بولنے کے بغیر زیادہ نقصان کا خطرہ ہو تو ضرورتاً جھوٹ بولنے کی معافی بھی ہوسکتی ہے۔ شدید جذبات سے مغلوب ہوکر زنا کے مرتکب ہونے والے سے بھی رعایت ہوسکتی ہے، وغیرہ وغیرہ۔ میرے محترم! غور فرمایئے، رشوت جیسے قطعی حرام فعل میں رعایت دینے سے بات کہاں تک پہنچ جاتی ہے؟

علاوہ ازیں آپ کے فتوے سے قارئین پر کیا اثر ہوگا؟ اس پر بھی نگاہ فرمایئے، یہ تو عیاں ہے کہ لوگ مجبور ہوکر رشوت دیتے ہیں، ورنہ حکام یا دفتروں کے پھیرے لگاتے رہو، کام نہیں ہوتا۔ رضا و رغبت سے کوئی رشوت نہیں دیتا۔ دُوسری طرف یہ بھی حقیقت ہے

---

(۱) الرشوة مال يعطيه بشرط أن يعينه كذا في فتاوىٰ قاضيخان. (مجموعة قواعد الفقه ص:۳۰۷، البحر الرائق ج:۶ ص ۲۸۵، كتاب القضاء).

کہ ہمارے ملک کے معاشی اور معاشرتی حالات ایسے ہیں کہ رشوت لینے والے بھی کسی حد تک مجبوری ہی سے لیتے ہیں۔ آپ کے فتوے کا عوام پر یہ اثر ہوگا کہ وہ چند ایک نیک دل حضرات جو رشوت دینا قطعی حرام سمجھ کر اس کی مدافعت کا حوصلہ رکھتے ہیں، وہ بھی یہ جان کر کہ مجبوری اور تکلیف (جسے آپ نے ''ظلم'' کہا ہے) سے بچنے کی صورت میں رشوت دے دینے اور اس گناہ کی سزا سے بچ جانے کی توقع ہے، اب اپنی مٹھی آسانی سے ڈھیلی کردیں گے۔

مولانا صاحب! اس رشوت کے عذاب کا جو قوم پر مسلط ہے، آپ نے اندازہ لگایا ہے؟ رشوت کے ہاتھوں سارا نظامِ حکومت درہم برہم ہوگیا ہے، قرآن و کتاب کی حکمرانی ایک بے معنی سی بات بن کر رہ گئی ہے، عدل و انصاف کا اس سے گلا گھونٹا جارہا ہے، رزقِ حلال کا حصول جو مسلمان کے ایمان کو قائم رکھنے کا تنہا ذریعہ ہے، ایک خواب و خیال بن چکا ہے۔ مختصر یہ کہ ایمان والوں کے معاشرے میں یہودیت (سرمایہ پرستی) فروغ پارہی ہے۔ کیا رشوت ان جرائم کے اثرات سے کم ہے جن کی حد قرآنِ کریم نے مقرر فرمائی ہے؟ آج رشوت کے بُرے اثرات کا نفوذ ان جرائم سے بھی کہیں زیادہ ہے، اس لئے ضرورت اس بات کی ہے کہ رشوت کو بھی روکنے کے اقدامات اسی سنجیدگی سے کئے جائیں۔ یہی نہیں بلکہ عوام کے دل و دماغ میں بٹھایا جائے کہ حرام کی کمائی اور مسلمان ایک ساتھ نہیں چل سکتے۔ ساتھ ہی حکومت کو اس بات پر آمادہ کیا جائے کہ قرآنِ کریم کے معاش کے متعلق اَحکام کے نفاذ کو اوّلیت دی جائے اور رسولِ پاک صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی سادہ اور درویشانہ زندگی کو اپنے لئے نمونہ بنایا جائے۔ اُمید ہے آپ مجھے اس تلخ نوائی کے لئے معاف فرمائیں گے اور ایک دردمند دِل کی آواز سمجھ کر اسے درخورِ اعتنا سمجھیں گے۔

جواب:... آپ کا خط ہمارے معاشرے کے لئے بھی اور حکومت اور کارکنان کے لئے بھی لائقِ عبرت ہے۔ اور میں نے جو مسئلہ لکھا ہے کہ: ''مظلوم اگر دفعِ ظلم کے لئے رشوت دے کر خونخوار درندوں سے اپنی گردن خلاصی کرائے تو توقع ہے کہ اس پر گرفت نہ ہوگی'' یہ مسئلہ اپنی جگہ دُرست ہے۔[1] آخر مظلوم کو کسی طرح تو دادرسی کا حق ملنا چاہئے، عام حالات میں جو رشوت کا لین دین ہوتا ہے، یہ مسئلہ اس سے متعلق نہیں۔

دفعِ ظلم کے لئے رشوت کا جواز

سوال:... آپ نے ایک جواب میں لکھا ہے کہ دفعِ مضرت کے لئے رشوت دینا جائز ہے، حالانکہ رشوت لینے اور دینے والا دونوں ملعون ہیں، پھر آپ نے کیوں جواز کا قول فرمایا ہے؟

جواب:... رشوت کے بارے میں جناب نے مجھ پر جو اعتراض کیا تھا، میں نے اعترافِ شکست کے ساتھ اس بحث کو ختم کردینا چاہا تھا، لیکن آنجناب نے اس کو بھی محسوس فرمایا، اس لئے مختصراً پھر عرض کرتا ہوں کہ اگر اس سے شفا نہ ہو تو سمجھ لیا جائے کہ میں

(۱) ولا بأس بالرشوة إذا خاف على دينه قال الشامي عبارة المجتبى لمن يخاف وفيه أيضًا دفع المال للسلطان الجائر لدفع الظلم عن نفسه وماله ولاستخراج حق له ليس برشوة يعني في حق الدافع. (ردالمحتار ج:۶ ص:۴۲۴ الحظر والإباحة).
ومنها: إذا دفع الرشوة خوفًا على نفسه أو ماله فهو حرام على الآخذ غير حرام على الدافع، وكذا إذا طمع في ماله فرشاه بعض المال. (البحر الرائق ج:۶ ص:۲۸۵ طبع بيروت).

اس سے زیادہ عرض کرنے سے معذور ہوں۔

جناب کا یہ ارشاد بجا ہے کہ رشوت قطعی حرام ہے، خدا اور رسول نے راشی اور مرتشی دونوں پر لعنت کی ہے،[1] اور اس پر دوزخ کی وعید سنائی ہے۔[2] لیکن جناب کو معلوم ہے کہ اِضطرار کی حالت میں مردار کی بھی اجازت دے دی جاتی ہے۔[3] کچھ یہی نوعیت رشوت دینے کی ہے۔ ایک شخص کسی ظالم خونخوار کے حوالے ہے، وہ ظلم دفع کرنے کے لئے رشوت دیتا ہے، فقہائے اُمت اس کے بارے میں فرماتے ہیں کہ: ''اُمید ہے کہ اس پر مؤاخذہ نہ ہوگا'' اور یہی میں نے لکھا تھا۔ ظاہر ہے کہ اس پر عام حالات کا قانون نافذ نہیں ہوسکتا، اس لئے رشوت لینا تو ہر حال میں حرام ہے اور گناہِ کبیرہ ہے۔[4] اور رشوت دینے کی دو صورتیں ہیں: ایک یہ کہ جلبِ منفعت کے لئے رشوت دے، یہ حرام ہے، اور یہی مصداق ہے ان احادیث کا جن میں رشوت دینے پر وعید آئی ہے۔[5] اور دُوسری صورت یہ کہ دفعِ ظلم کے لئے رشوت دینے پر مجبور ہو، اس کے بارے میں فقہاء فرماتے ہیں کہ: ''اُمید ہے کہ مؤاخذہ نہ ہوگا''،[6] اس صورت پر جناب کا یہ فرمانا کہ: ''میں اللہ اور رسول کے مقابلے میں فقہاء کی تقلید پر زور دے رہا ہوں'' بہت ہی افسوس ناک الزام ہے۔ اسی لئے میں نے لکھا کہ: ''آپ ماشاء اللہ خود ''مجتہد'' ہیں، مجتہد کے مقابلے میں مقلد بے چارہ کیا کرسکتا ہے؟'' آپ کا یہ فرمانا کہ: ''عوام علمائے کرام پر اعتماد کرتے ہیں، مگر ان میں خلوص چاہئے'' بجا ہے، لیکن جناب نے تو بے اعتمادی کی بات کی تھی، جس پر مجھے اعترافِ شکست کرنا پڑا۔

انتہائی مجبوری میں رشوت لینا

سوال:... کچھ دن قبل میری ملاقات اپنے ایک کلاس فیلو سے ہوئی جو کہ موجودہ وقت میں آزاد کشمیر کے ایک جنگل میں فارسٹر کی حیثیت سے ملازم ہے، میں نے اس سے رشوت کے سلسلے میں جب بات کی تو اس نے جو کہانی سنائی کچھ یوں تھی:

میری بیسک تنخواہ ۳۲۵ روپے ہے، کل الاؤنس وغیرہ ملاکر مبلغ چار سو روپے ماہوار تنخواہ بنتی ہے، میں جس جنگل میں تعینات

---

(۱) لعن رسول الله صلى الله عليه وسلم الراشي والمرتشي۔ (أبوداؤد ج:۲ ص:۱۴۸، باب في كراهية الرشوة)۔

(۲) الراشي والمرتشي في النار۔ (كنز العمال ج:۱ ص:۱۱۳ رقم الحديث:۱۵۰۷۷، أيضًا: المطالب العالية، لإبن حجر عسقلاني ج:۲ ص:۲۴۹، باب ذم الرشوة)۔

(۳) قال تعالى: "قل لَا أجد في ما أوحي إليّ محرما على طاعم يطعمه إلَّا أن يكون ميتة ..... فإنه رجس أو فسقا أهل لغير الله به فمن اضطر غير باغ ولَا عاد فإن ربك غفور رحيم۔ (الأنعام:۱۴۵)۔

(۴) ص:۲۱۲ کا حاشیہ نمبر۱، ۲ ملاحظہ فرمائیں۔

(۵) وفي الخانية- الرشوة على وجوه أربعة: منها ما هو حرام من الجانبين ...... الثاني إذا دفع الرشوة إلى القاضي ليقضي له حرم من الجانبين سواءً كان القضاء بحق أو بغير حق۔ (البحر الرائق ج:۶ ص:۲۸۵)۔ أيضًا- لعن رسول الله صلى الله عليه وسلم. الراشي أي معطي الرشوة والمرتشي أي آخذها ...... وانما يلحقهم العقوبة معًا إذا استويا في القصد والإرادة، ورشا المعطي لينال به إلى الظلم فأما إذا اعطى ليتوصل به إلى حق أو يدفع عن نفسه ظلمًا فإنه غير داخل في هذا الوعيد۔ (بذل المجهود، كتاب القضاء ج:۴ ص:۳۰۷)۔

(۶) ومنها۔ إذا دفع الرشوة خوفًا على نفسه أو ماله فهو حرام على الآخذ غير حرام على الدافع، وكذا إذا طمع في ماله فرشاه ببعض المال۔ (البحر الرائق ج:۶ ص:۲۸۵، كتاب القضاء)۔

ہوں وہ میرے گھر سے پندرہ میل کے فاصلے پر ہے، میرا آنے جانے کا کرایہ، میری بیوی، بچے جن کی کل تعداد سات ہے، ان کے کھانے پینے کا انتظام، کپڑا جوتے، علاج معالجہ، مہمان، غرض یہ کہ دُنیا میں جو کچھ بھی نظام ہے وہ جائز طریقے سے مجھے چلانا پڑتا ہے، اور پھر میرے جنگل میں دورے پر آنے والے جنگلات کے افسران جس میں ایف ڈی او رینجر صاحب اور دیگر افسران یہاں تک کہ صدر آزاد کشمیر بھی سال میں ایک مرتبہ دورہ کرتے ہیں، اب ان سب لوگوں کے دورے کے دوران جتنا بھی خرچہ ہوتا ہے وہ اس علاقے کے فارسٹر اور پٹواری کے ذمے ہوتا ہے جو کہ بھی دو تین ہزار سے کم نہیں ہوتا، اب آپ مجھے یہ بتائیں کہ میں اور پٹواری یہ تین ہزار کہاں سے دیں گے، اگر رشوت نہیں لیں گے؟ یہ سوال اس نے مجھ سے کیا تھا۔ جواب آپ دیں کہ آیا ان حالات میں رشوت لینا کیسا ہے؟

جواب:... رشوت لینا تو گناہ ہے۔[1] باقی یہ شخص کیا کرے؟ اس کا جواب تو افسرانِ بالا ہی دے سکتے ہیں۔ ہونا یہ چاہئے کہ ملازمین کو اتنی تنخواہ ضرور دی جائے جس سے وہ اپنے بال بچوں کی پروَرِش کرسکیں، اور ان پر اضافی بوجھ بھی، جو سوال میں ذکر کیا گیا ہے، نہیں ڈالنا چاہئے۔

رشوت کی رقم سے اولاد کی پروَرِش نہ کریں

سوال:... رشوت آج کل ایک بیماری کی صورت اختیار کرگئی ہے، اور اس مرض میں آج کل ہر ایک شخص مبتلا ہے۔ میرے والد صاحب بھی اس مرض میں مبتلا ہیں۔ میں انٹر کا طالب علم ہوں اور مجھے اس بات کا اب خیال آیا کہ میرے والد صاحب میری پڑھائی لکھائی پر، میرے کھانے وغیرہ پر جو کچھ خرچ کر رہے ہیں، وہ سب رشوت سے ہے۔ آپ مجھے قرآن و حدیث کی روشنی میں بتائیں کہ مجھے کیا کرنا چاہئے؟ کیا میں والد صاحب کی حرام کمائی سے پڑھتا لکھتا رہوں، کھاتا پیتا رہوں؟ یا میں اپنا گھر چھوڑ کر کہیں چلا جاؤں اور محنت کرکے اپنی گزر اوقات کروں یا کوئی اور راستہ اختیار کروں؟

جواب:... اگر آپ کے والد کی کمائی کا غالب حصہ حرام ہے تو اس میں سے لینا جائز نہیں، آپ اپنے والد صاحب کو کہہ دیجئے کہ وہ آپ کو جائز تنخواہ کے پیسے دیا کریں، رشوت کے نہ دیا کریں۔[2]

شوہر کا لایا ہوا رِشوت کا پیسہ بیوی کو اِستعمال کرنے کا گناہ

سوال:... اگر شوہر رشوت لیتا ہو اور عورت اس بات کو پسند بھی نہیں کرتی ہو، اور اس کے ڈر سے منع بھی نہیں کرسکتی تو کیا اس کمائی کے کھانے کا عورت کو بھی عذاب ہوگا؟

جواب:... شوہر اگر حرام کا روپیہ کما کر لاتا ہے تو عورت کو چاہئے کہ پیار محبت سے اور معاملہ فہمی کے ساتھ شوہر کو اس زہر کے

---

(۱) لعن رسول الله صلى الله عليه وسلم الراشي والمرتشي. (أبو داوٗد ج ۲ ص:۱۴۸، باب في كراهية الرشوة).

(۲) آكل الربا وكاسب الحرام أهدى إليه أو أضافه وغالب ماله حرام لا يقبل ولا يأكل ما لم يخبره ان ذٰلك المال أصله حلال. (عالمگیری ج ۵ ص:۳۴۳، الباب الثاني عشر في الهدايا والضيافات).

کھانے سے بچائے، اگر وہ نہیں بچتا تو اس کو صاف صاف کہہ دے کہ: "میں بھوکی رہ کر دن کاٹ لوں گی، مگر حرام کا روپیہ میرے گھر نہ لایا جائے، حلال خواہ کم ہو میرے لئے وہی کافی ہے۔" اگر عورت نے اس دستور العمل پر عمل کیا تو وہ گناہگار نہیں ہوگی، بلکہ رشوت اور حرام خوری کی سزا میں صرف مرد پکڑا جائے گا۔[1] اور اگر عورت ایسا نہیں کرتی بلکہ اس کا حرام کا لایا ہوا روپیہ خرچ کرتی ہے تو دونوں اکٹھے جہنم میں جائیں گے۔

رشوت کی رقم سے کسی کی خدمت کر کے ثواب کی اُمید رکھنا جائز نہیں

سوال:... میرے ایک افسر ہیں، جو اپنے ماتحت کی خدمت میں حاتم طائی سے کم نہیں، کسی کو اس کی لڑکی کی شادی پر جہیز دِلاتے ہیں، کسی کو پلاٹ اور کسی کو فلیٹ بُک کرادیتے ہیں، وہ یہ سب اپنے حصے کی رشوت سے کرتے ہیں اور خود اِیمان دار ہیں۔ آپ سے مذہب کی رُو سے دریافت کرنا ہے کہ کیا ان کو ان تمام خدمات کے صلے میں ثواب ملے گا اور ان کا اِیمان باقی رہے گا؟

جواب:... رشوت لینا حرام ہے،[2] اور اس حرام روپے سے کسی کی خدمت کرنا اور اس پر ثواب کی توقع رکھنا بہت ہی سنگین گناہ ہے۔ بعض اکابر نے لکھا ہے کہ حرام مال پر ثواب کی نیت کرنے سے اِیمان سلب ہوجاتا ہے۔[3] آپ کے حاتم طائی کو چاہئے کہ رشوت کا روپیہ اس کے مالک کو واپس کر کے اپنی جان پر صدقہ کریں۔[4]

کیا رِشوت کا مال اُمورِ خیر میں صَرف کرنا جائز ہے؟

سوال:... میں ایک سرکاری ملازم ہوں، میری تنخواہ اتنی نہیں ہے کہ گھریلو اِخراجات اور دیگر ضروریات پوری ہوسکیں۔ مجھے تنخواہ کے علاوہ ٹھیکیدار حضرات سے ان کی اپنی رضامندی پر رقم ملا کرتی ہے۔ میری یہ فطری عادت ہے کہ جب کسی مسکین، حاجت مند، فقیر، مجبور و بے کس کو دیکھتا ہوں تو میرا دِل پسیج جاتا ہے اور میں فراخ دِلی سے ایسے اشخاص کی مالی مدد کرتا ہوں، یعنی خیرات دے دیتا ہوں، یا پھر حاجت مند کی حاجت پوری کرنے کی کوشش کرتا ہوں، اور ایسا کرنے سے مجھے بہت دِلی مسرّت حاصل ہوتی ہے اور دِلی

(۱) وفی الخانیة: امرأة زوجها فی أرض الجور، إن أكلت من طعامه ولم يكن عين ذٰلك الطعام غصبًا فهی فی سعة من أكله، وكذا لو اشتریٰ طعامًا أو كسوة من مال أصله ليس بطيب فهی فی سعة من تناوله والإثم علی الزوج۔ (فتاویٰ شامی ج:۵ ص:۹۹ مطلب فيمن ورث مالًا حرامًا)۔

(۲) الراشی والمرتشی فی النار۔ (كنز العمال ج:۱۲ ص:۱۱۳ رقم الحديث:۱۵۰۷۷، المطالب العالية، لابن حجر عسقلانی ج ۲ ص:۲۴۹، باب ذم الرشوة)۔

(۳) رجل دفع إلٰی فقير من المال الحرام شيئًا يرجو به الثواب يكفر .... قلت الدفع إلٰی فقير غير قيد بل مثله فيما يظهر لو بنٰی مسجدًا أو نحوه مما يرجو به التقرّب لأن العلة رجاء الثواب فيما فيه العقاب۔ قال ابن عابدين تحت قوله. (انما يكفر إذا تصدق بالحرام القطعی) أی مع رجاء الثواب الناشی عن إستحلاله۔ (رد المحتار ج:۲ ص:۲۹۲)۔

(۴) دفع للقاضی أو لغيره سحتًا .... فظاهره ان التوبة من الرشوة برد المال إلٰی صاحبه وإن قضٰی حاجته ...إلخ۔ (البحر الرائق ج:۶ ص:۲۸۶)۔ الحاصل أنه إن علم أرباب الأموال وجب رده عليهم، وإلّا فإن علم عين الحرام لَا يحل له ويتصدق به بنيته صاحبه۔ (فتاویٰ شامی ج:۵ ص:۹۹، مطلب فيمن ورث مال حرامًا)۔

سکون میسر آتا ہے۔ اسی طرح جہاں کہیں، کسی شہر یا سفر کے دوران شاہراہوں پر زیرِ تعمیر مساجد میں چندہ دیتا ہوں، اگر نہ دُوں تو میرا ضمیر مجھے ملامت کرتا ہے کہ خدا کا گھر تعمیر ہو رہا ہے اور میں نے اس میں حصہ نہیں ڈالا۔ یہ چندہ حسبِ توفیق دیتا ہوں۔ اس کے علاوہ ایسی مساجد جہاں قالین کی ضرورت ہو، ٹی آئرن گارڈر کی ضرورت ہو، یا سیمنٹ کی ضرورت ہو تو حسبِ توفیق دے دیتا ہوں۔ سال کے اِختتام پر زکوٰۃ بھی ادا کرتا ہوں۔ مجھے ایک مولوی صاحب سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں جو بھی خرچ کیا جائے خواہ خیرات ہو یا مسجد شریف کی تعمیر میں حصہ ڈالا جائے یا اس میں قالین بچھایا جائے وغیرہ وغیرہ اگر حلال کی روزی سے ہو تو دُرست ہے، ثواب ملے گا، اور اگر حلال کی کمائی سے نہ ہو تو گناہِ کبیرہ کا مرتکب ہوگا۔ جب سے میں نے یہ سنا ہے میں بہت پریشان ہوں، اگر کسی یتیم، مسکین، بیوہ، فقیر، حاجت مند کی ضرورت پوری نہ کروں تو میرا ضمیر مجھے ملامت کرتا ہے، اور دُوسری صورت میں یعنی مدد کرنے پر مجھے خوشی اور راحت میسر آتی ہے۔ اب میں گناہِ کبیرہ کا سن کر خوف محسوس کرتا ہوں کہ میرے اس کام سے اللہ تعالیٰ مجھے جہنم واصل فرمائے گا۔ میں واضح کردوں کہ یہ تمام کام میں خلوصِ نیت اور سچے دِل سے کرتا ہوں۔ مجھے ایک حدیث یاد ہے: ”اہلِ اِیمان، مؤمن کی نشانی یہ ہے کہ جب وہ نیک یا اچھا کام کرتا ہے تو اسے خوشی محسوس ہوتی ہے، اور جب بُرا کام کرتا ہے تو اسے ندامت محسوس ہوتی ہے اور وہ پشیمان ہوتا ہے۔“ میرے ساتھ میرا ضمیر، میرا دِل مندرجہ بالا اُمور کی انجام دہی میں بالکل مطمئن ہوتا ہے اور مجھے رُوحانی تسکین ملتی ہے۔ اب آپ براہِ کرم وضاحت فرمائیں کہ:

۱:... کیا حلال کمائی کے علاوہ کسی رقم سے مندرجہ بالا اُمور کی انجام دہی کی صورت میں اِنسان گناہِ کبیرہ کا مرتکب ہوتا ہے؟ اور اگر ایسا ہے تو کیا مندرجہ بالا اَشخاص کی مالی مدد بند کردی جائے؟

۲:... کیا مساجد میں تعمیر وغیرہ میں ایسی رقم سے حصہ لینے سے اِجتناب کیا جائے؟

۳:... کیا اس قسم کی رقم سے نصاب پورا ہونے پر سال کے اِختتام پر زکوٰۃ ادا کرنا جائز ہے یا نہیں؟

مزید وضاحت یہ ہے کہ مہنگائی بہت زیادہ ہے اور تنخواہ قلیل ہے، جس سے اِخراجات کسی صورت میں پورے نہیں ہوتے، اس لئے مجبوری کی حالت میں اُوپر کی رقم لینے پر مجبور ہوں۔ گو میرا ضمیر اس کے خلاف ہے۔ مزید بتاتا چلوں کہ اس رقم کے عوض کسی کو ناجائز مراعات فراہم نہیں کی جاتیں۔

جواب:... آپ کی نیک نیتی، غریب پروری اور نیکی کے کاموں میں حصہ لینا قابلِ داد ہے! لیکن یہ بات سمجھ لینی چاہئے کہ آپ سرکاری ملازم ہیں، اور آپ کے لئے سرکاری تنخواہ تو حلال ہے، بشرطیکہ آپ کام دیانت داری سے کریں، لیکن ٹھیکیدار کی طرف سے آپ کو جو کچھ پیش کیا جاتا ہے وہ آپ کے لئے حلال نہیں۔ حدیث شریف میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو ایک سرکاری کام سے (صدقات کی تحصیل کے لئے) بھیجا، وہ واپس آیا اور وصول شدہ رقم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو پیش کی، اور ساتھ ہی یہ کہا کہ یہ رقم تو آپ کی ہے، اور یہ رقم مجھے ہدایا میں ملی ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم منبر پر تشریف لے گئے اور خطبہ اِرشاد فرمایا کہ: بعض لوگوں کو ہم سرکاری کام سے بھیجتے ہیں، تو وہ واپس آکر ہمیں بتاتے ہیں کہ یہ رقم تو آپ کی ہے، یعنی جس سرکاری کام کے لئے بھیجا

تھا، اس مد کی ہے، اور یہ رقم مجھے ہدیہ میں ملی ہے۔ اس کے بعد فرمایا: "یہ شخص اپنی ماں کے گھر میں کیوں نہ بیٹھا رہا، پھر میں دیکھتا کہ اس کو کتنے ہدیے ملتے ہیں...؟"[۱]

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ سرکاری ملازم کو سرکاری کام کی وجہ سے جو تنخواہ ملتی ہے وہ تو حلال ہے، اور جو لوگ سرکاری ملازم کو ہدیے یا تحفے دیتے ہیں، وہ درحقیقت ہدیے اور تحفے نہیں، بلکہ رشوت ہے۔[۲] اور آنجناب کو یہ تو معلوم ہوگا کہ: "**الراشی والمرتشی کلاھما فی النار**"[۳] یعنی رشوت لینے والا اور دینے والا دونوں دوزخ میں ہوں گے۔ اب آپ کے سوالات کا جواب نمبروار لکھتا ہوں:

۱:...حلال رقم کے علاوہ رشوت کا مال ان اُمورِ خیر میں صَرف کرنا حلال نہیں، بلکہ گناہِ کبیرہ ہے، اور بعض علماء کے نزدیک تو حرام چیز کے خرچ کرنے سے ثواب کی نیت رکھنا، اس سے اندیشۂ کفر ہے۔[۴]

۲:...ظاہر ہے کہ حرام روپیہ لے کر مساجد میں لگانا آپ کے لئے جائز نہیں۔[۵] البتہ ایک تدبیر ہوسکتی ہے کہ آپ کسی کا کام کرتے ہیں تو اس کو ترغیب دیں کہ فلاں جگہ مسجد میں فلاں چیز کی ضرورت ہے، اگر آپ کے پاس گنجائش ہو تو اس مسجد کی خدمت کریں۔ کام تو آپ نے اس کا بلامعاوضہ کردیا اور کسی قسم کی رشوت نہیں لی، لیکن نیک کام کی ترغیب آپ نے دے دی، اگر وہ اس نیکی کے کام میں خرچ کرے گا تو وہ ثواب کا مستحق ہوگا، اور آپ ترغیب دِلانے کے مستحق ہوں گے۔ یہی صورت غریبوں، مسکینوں کی خدمت کے لئے بھی آپ استعمال کرسکتے ہیں۔

۳:...یہ صحیح ہے کہ تنخواہیں کم ہیں، اس لئے گزارہ نہیں ہوتا، لیکن ایک بات یاد رکھیں کہ اگر دُنیا میں آپ نے اچھا گزارہ کرلیا،

(۱،۲) عن أبی حمید الساعدی قال: إستعمل النبی صلی الله علیه وسلم رجلًا من الأزد .... فلما قدم قال. هذا لکم وهذا أهدی لی، فخطب النبی صلی الله علیه وسلم، وحمد الله وأثنیٰ علیه ثم قال: أما بعد! فإنی أستعمل رجلًا منکم علی أمور مما ولّانی الله، فیأتی أحدهم، فیقول: هذا لکم وهذه هدیة أُهدیت لی، فهلا جلس فی بیت أبیه أو فی بیت أُمّه فینظر أیهدی له أم لا . الخ. (أبو داوٗد ج:۲ ص:۵۳). (قال الشیخ خلیل أحمد السهارنفوری) وظاهر أنه إذا جلس فی بیت أمّه وأبیه لا یهدیٰ له قطعًا ویقینًا، فهٰذا الذی أهدیٰ له هو للحکومة وهو الرشوة. (بذل المجهود ج:۴ ص:۱۲۰).

(۳) حدیث کے الفاظ یہ ہیں: الراشی والمرتشی فی النار. (کنز العمال ج:۱۲ ص:۱۳، رقم الحدیث:۱۵۰۷۷، المطالب العالیة ج:۲ ص:۲۴۹، باب ذم الرشوة).

(۴) رجل دفع إلٰی فقیر من المال الحرام شیئًا یرجو به الثواب یکفر .... قلت: الدفع إلٰی فقیر غیر قید بل مثله فیما یظهر لو بنی مسجدًا ونحوه مما یرجو به التقرب لأن العلة رجاء الثواب فیما فیه العقاب. (وفی الشامیة) انما یکفر إذا تصدق بالحرام القطعی أی مع رجاء الثواب الناشی عن إستحلاله. (ردالمحتار ج:۲ ص:۲۹۲).

(۵) قال تاج الشریعة: أما لو أنفق فی ذٰلک مالًا خبیثًا، ومالًا سببه الخبیث والطیب، فیکره، لأن الله لا یقبل إلّا الطیب، فیکره تلویث بیته بما لا یقبله. (رد المحتار ج:۱ ص:۶۵۸، مطلب فی أحکام المساجد). وعن أبی هریرة رضی الله عنه قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم: إن الله طیب لا یقبل إلّا طیّبًا، وان الله أمر المؤمنین بما أمر به المرسلین. (مشکوٰة ج ۱ ص ۲۴۱، کتاب البیوع).

لیکن مرنے کے بعد آپ کو وہ سارا بھرنا پڑا، جبکہ وہاں آپ کا کوئی پُرسانِ حال نہیں ہوگا، تو یہ آپ کا معاملہ صحیح ہے یا غلط ہے؟ اس کا فیصلہ خود کر لیجئے! ہاں اگر کسی کو قبر و حشر پر ایمان ہی نہ ہو، اس کو سمجھانا میرے لئے مشکل ہے...!

رشوت کی رقم نیک کاموں پر خرچ کرنا

سوال:... اگر کوئی شخص رشوت لیتا ہے اور اس رشوت کی کمائی کو کسی نیک کام میں خرچ کرتا ہے، مثلاً: کسی مسجد یا مدرسہ کی تعمیر میں خرچ کرتا ہے، تو کیا اس شخص کو اس کام کا ثواب ملے گا؟ اگرچہ ثواب و عذاب کے بارے میں خدا تعالیٰ سے بہتر کوئی نہیں جانتا، مگر خدا اور رسول کے اَحکام و طریقوں کی روشنی میں اس کا جواب دے کر مطمئن فرمائیں۔

جواب:... رشوت کا پیسہ حرام ہے، اور حدیث میں ارشاد ہے کہ: "آدمی حرام کما کر اس میں سے صدقہ کرے، وہ قبول نہیں ہوتا"۔[1] حضرات فقہاء نے لکھا ہے کہ مالِ حرام میں صدقے کی نیت کرنا بڑا ہی سخت گناہ ہے، اس کی مثال ایسی ہے کوئی شخص گندگی جمع کر کے کسی بڑے آدمی کو ہدیہ پیش کرے، تو یہ ہدیہ نہیں کہلائے گا بلکہ اس کو گستاخی تصوّر کیا جائے گا۔ اللہ تعالیٰ کی بارگاہِ عالی میں گندگی جمع کر کے پیش کرنا بھی گستاخی ہے۔[2]

کمپنی کی چیزیں استعمال کرنا

سوال ۱:... اگر کوئی شخص جس کمپنی میں کام کرتا ہو، وہاں سے کاغذ، پنسل، رجسٹر یا کوئی ایسی چیز جو آفس میں اس کے استعمال کی ہو، گھر لے جائے اور ذاتی استعمال میں لے آئے، کیا یہ جائز ہے؟

سوال ۲:... یا آفس میں ہی اسے ذاتی استعمال میں لائے۔

سوال ۳:... گھر میں بچوں کے استعمال میں لائے۔

سوال ۴:... آفس کے فون کو ذاتی کاروبار، یا نجی گفتگو میں استعمال کرے۔

سوال ۵:... کمپنی کی خرید و فروخت کی چیزوں میں کمیشن وصول کرنا۔

سوال ۶:... آفس کے اخبار کو گھر لے جانا وغیرہ۔

جواب:... سوال نمبر ۵ کے علاوہ باقی تمام سوالوں کا ایک ہی جواب ہے کہ اگر کمپنی کی طرف سے اس کی اجازت ہے تو جائز

---

(۱) عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال: لَا تقبل الصلٰوۃ بغیر طھور، ولَا صدقۃ من غلول۔ (سنن ترمذی ج:۱ ص ۳)۔ أیضًا عن عبداللہ بن مسعود عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال: لَا یکسب عبد مال حرام فیتصدق منہ فیقبل منہ ولَا ینفق منہ فیبارک لہ فیہ ولَا یترکہ خلف ظھرہ إلّا کان زادہ إلی النار انّ اللہ یمحوا السیئ بالسیئ ولٰکن یمحو السیئ بالحسن، ان الخبیث لَا یمحوا الخبیث۔ رواہ أحمد وکذا فی شرح السُّنّۃ۔ (مشکوٰۃ ص:۲۴۲، باب الکسب وطلب الحلال)۔

(۲) رجل دفع إلی الفقیر من المال الحرام شیئًا یرجو بہ الثواب یکفر .... قالت الدفع إلٰی فقیر قید بل مثلہ فیما یظھر لو بنی مسجدًا ونحوہ مما یرجو بہ التقرب لأن العلۃ رجاء الثواب فیما فیہ العقاب۔ (ردالمحتار ج:۲ ص:۲۹۲)۔

ہے، ورنہ جائز نہیں، بلکہ چوری اور خیانت ہے۔[۱] سوال نمبر ۵ کا جواب یہ ہے کہ ایسا کمیشن وصول کرنا رشوت ہے، جس کے حرام ہونے میں کوئی شبہ نہیں۔[۲]

کالج کے پرنسپل کا اپنے ماتحتوں سے ہدیے وصول کرنا

سوال:... میں ایک مقامی کالج میں پرنسپل ہوں، میرے ماتحت بہت سے لیکچرار، کلرک اور عملہ کام کرتا ہے۔ وہ لوگ مجھے وقتاً فوقتاً تحفے دیتے رہتے ہیں، جن میں برتن، مٹھائیوں کے ڈبے، بڑے بڑے کیک اور مختلف جگہوں کی سوغات میرے لئے لاتے ہیں، جن میں پاکستان کے مختلف شہروں کی چیزیں ہوتی ہیں، اس کے علاوہ ایڈمیشن کے وقت لوگوں کے والدین کافی مٹھائیوں کے ڈبے لاتے ہیں اور میں خاموشی سے لے کر رکھ لیتا ہوں۔ میرے گھر والے اور رشتہ دار یہ چیزیں استعمال کرتے ہیں۔ لیکن بعض لوگ کہتے ہیں کہ یہ چیزیں نہیں لینی چاہئیں کیونکہ یہ رشوت کا معزز طریقہ ہے۔ جو چیزیں وہ لوگ اپنی خوشی سے مجھے بڑا سمجھ کر دے جاتے ہیں، بتایئے میں لوں یا انکار کردوں؟ میری بیوی بھی یہ کہتی ہے کہ یہ چیزیں اپنی خوشی سے لاتے ہیں، لینا ہمارا فرض ہے، ہم ان سے مانگتے نہیں۔ آپ جواب ضرور دیں۔

جواب:... جو لوگ ذاتی تعلق و محبت اور بزرگ داشت کے طور پر ہدیہ پیش کرتے ہیں وہ تو ہدیہ ہے، اور اس کا استعمال جائز اور صحیح ہے۔[۳] اور جو لوگ آپ سے آپ کے عہدے کی وجہ سے منفعت کی توقع پر مٹھائی پیش کرتے ہیں، یعنی آپ نے ان کو اپنے عہدے کی وجہ سے نفع پہنچایا ہے یا آئندہ اس کی توقع ہے، یہ رشوت ہے، اس کو قبول نہ کیجئے، نہ خود کھایئے، نہ گھر والوں کو کھلایئے۔ اور اس کا معیار یہ ہے کہ اگر آپ اس عہدے پر نہ ہوتے، یا اس عہدے سے سبکدوش ہوجائیں تو کیا پھر بھی یہ لوگ آپ کو ہدیہ دیا کریں گے؟ اگر اس کا جواب نفی میں ہے تو یہ ہدیے بھی رشوت ہیں، اور اگر ان ہدیوں کا آپ کے منصب اور عہدے سے کوئی تعلق نہیں تو یہ ہدیے آپ کے لئے جائز ہیں۔[۴]

---

(۱) تصرف الإنسان فی مال غیره لَا یجوز إلّا بإذن أو ولَایة. (الجوهرة النیرة، کتاب الشرکة ج:۱ ص:۲۸۷). قال رسول الله صلی الله علیه وسلم: ألَا لَا یحل مال امریءٍ إلّا بطیب نفس منه. (مشکوٰة ص:۲۵۵، باب الغصب والعاریة).

(۲) الوکیل إذا باع أن یکون أمینا فیما یقبضه من الثمن. (الفقه الحنفی وأدلّته ج:۲ ص:۱۳۴، ضمان الوکیل). أیضًا: فإن الوکیل ممن لَا یثبت له حکم تصرفه وهو الملک فإن الوکیل بالشری لَا یملک المشتری والوکیل بالبیع لَا یملک الثمن ... ... لأن الوکیل یملک التصرف من جهة المؤکل. (الجوهرة النیرة ج:۱ ص:۳۰۰ کتاب الوکالة).

(۳) وأما الحلال من الجانبین فهو الإهداء للتودد والمحبة کما صرحوا به ولیس هو من الرشوة لما علمت . وقال علیه الصلاة والسلام: تهادوا تحابوا. (بحر ج:۶ ص:۲۸۵، کتاب القضاء).

(۴) عن أبی حمید الساعدی قال: إستعمل النبی صلی الله علیه وسلم رجلًا من الأزد یقال له ابن اللتبیة علی الصدقة فلما قدم قال: هذا لکم وهذا أُهدی لی، فخطب النبی صلی الله علیه وسلم، وحمد الله وأثنی علیه ثم قال: أما بعد! فإنی استعمل رجلًا منکم علی أمور مما ولّانی الله، فیأتی أحدهم، فیقول: هذا لکم وهذه هدیة أُهدیت لی، فهلا جلس فی بیت أبیه أو فی بیت إمّه فینظر أیهدی له أم لَا إلخ. (مشکوٰة، کتاب الزکاة، الفصل الأوّل ج:۱ ص:۱۵۶، أبو داؤد ج:۲ ص:۵۳). بذل المجهود شرح سنن أبی داؤد ج:۴ ص:۱۲۰: وظاهر أنه إذا جلس فی بیت أمّه وأبیه لَا یهدیٰ له قطعًا ویقینًا، فهذا الذی اهدی له هو للحکومة وهو الرشوة. (بذل ج:۴ ص:۱۲۰).

اِنکم ٹیکس کے محکمے کو رِشوت دینا

سوال:... اِنکم ٹیکس کا محکمہ خصوصاً اور دیگر سرکاری محکمے بغیر رشوت دیئے کوئی کام نہیں کرتے، جائز کام کے لئے بھی رشوت طلب کرتے ہیں، اگر رشوت نہ دی جائے تو ہر طرح سے پریشان کیا جاتا ہے، یہاں تک کہ آدمی کا جینا دوبھر ہوجاتا ہے، مجبوراً آدمی رشوت دینے پر مجبور ہوجاتا ہے۔ اب گناہ کس پر ہوگا؟ دینے والے پر بھی، یا صرف لینے والے پر؟ (یہاں پر واضح کردوں کہ کوئی بھی شخص اپنی جائز اور محنت کی آمدنی سے رشوت دینے کے لئے خوش نہیں، بلکہ مجبور ہوکر دینے پر تیار ہونا پڑتا ہے، بلکہ مجبور کیا جاتا ہے)۔

جواب:... رشوت اگر دفعِ ظلم کے لئے دی گئی ہو تو اُمید کی جاتی ہے کہ دینے والے کے بجائے صرف لینے والے کو گناہ ہوگا۔ [1]

محکمۂ فوڈ کے راشی افسر کی شکایت افسرانِ بالا سے کرنا

سوال:... میں ایک دُکان دار ہوں، ہمارے پاس "کے ایم سی" کی طرف سے فوڈ انسپکٹر پسی ہوئی چیزیں لیبارٹری پر چیک کرانے کے لئے لے جاتے ہیں۔ ہم میں کچھ دُکان دار ایسے بھی ہیں جو ملاوٹ کرکے اشیاء فروخت کرتے ہیں اور فوڈ انسپکٹر کو ہر ماہ کچھ رقم رشوت کے طور پر دیتے ہیں۔ اب جو دُکان دار ملاوٹ نہیں کرتے، ان کی اشیاء میں نادانستہ طور پر مٹی کے ذرّات یا کوئی اور چیز مکس ہوجاتی ہے جو ظاہری طور پر نظر نہیں آتی اور لیبارٹری میں پتا چل جاتا ہے اور سیمپل فیل ہوجاتا ہے۔ کیا اس صورت میں ہمیں انسپکٹر صاحب کو ماہانہ رقم دینا چاہئے کہ نہیں؟

جواب:... کیا یہ ممکن نہیں کہ ایسے راشی افسر کی شکایت حکامِ بالا سے کی جائے؟ رشوت کسی بھی صورت میں دینا جائز نہیں۔ [2]

ممتحن کو اگر کوئی تحفہ دے تو کیا کرے؟

سوال:... میں میڈیکل کالج میں پڑھاتا ہوں، اِمتحانات کے دنوں میں یہاں رشوت زیادہ چلتی ہے، اس دفعہ ایک طالبہ کی والدہ میرے گھر تشریف لائیں اور جاتے ہوئے چھ سات ہزار کی چیزیں بطور تحفہ دے گئیں، میرے انکار کے باوجود وہ گھر میں رکھ کر چلی گئیں، میں نے اسے استعمال نہیں کیا ہے، مجھے معلوم یہ کرنا ہے کہ اس کا اب کیا کیا جائے؟

---

(۱) لا بأس بالرشوة إذا خاف على دينه۔ قال الشامي: عبارة المجتبى لمن يخاف، وفيه أيضًا دفع المال للسلطان الجائر لدفع الظلم عن نفسه وماله ولِاستخراج حق له ليس برشوة يعني في حق الدافع۔ (رد المحتار ج:۶ ص:۴۲۳ حظر والإباحة، طبع سعيد، البحر الرائق ج:۶ ص:۲۸۵، طبع بيروت)۔

(۲) الراشي والمرتشي في النار۔ (كنز العمال ج:۶ ص:۱۱۳ رقم الحديث:۱۵۰۷۷، أيضًا: المطالب العالية ج:۲ ص:۲۴۹، باب ذم الرشوة)۔

جواب:... یہ تحفہ بھی رشوت ہے، آپ سختی کے ساتھ اس کو واپس کردیں، اگر وہ نہ لیں تو کسی محتاج کو دے دیں، خود استعمال نہ کریں۔[1] واللہ اعلم!

ٹھیکے دار کا افسران کو رِشوت دینا

سوال:... میں سرکاری ٹھیکے دار ہوں، مختلف محکموں میں پانی کی ترسیل کی لائنیں بچھانے کے ٹھیکے ہم لیتے ہیں، ہم جو ٹھیکے لیتے ہیں وہ باقاعدہ ٹینڈر رقم جمع کراکے مقابلے میں حاصل کرتے ہیں، مقابلہ یوں کہ بہت سے ٹھیکے دار اس ٹھیکے کے لئے اپنی اپنی رقم لکھتے ہیں اور بعد میں ٹینڈر سب کے سامنے کھولے جاتے ہیں، جس کی قیمت کم ہوتی ہے، سرکار اسے ٹھیکہ دے دیتی ہے۔ اس کام میں ہم اپنا ذاتی حلال کا پیسہ لگاتے ہیں اور سرکار نے پانی کے پائپوں کا جو معیار مقرّر کیا ہے وہی پائپ لیتے ہیں جو کہ محکمے سے منظور شدہ کمپنی سے خریدا جاتا ہے، اور جو قسم محکمے والے مقرّر کرتے ہیں، وہی خریدتے ہیں۔ ہم اپنے طور پر کام ایمان داری سے کرتے ہیں، مگر چند ایک چھوٹی چیزیں مثلاً پائپ جوڑنے والا آلہ جس کی موٹائی محکمے والے ۱۰ اِنچ مقرّر کرتے ہیں، وہ ہم پانچ اِنچ موٹائی کا لگادیتے ہیں۔ اس سے لائن کی مضبوطی میں فرق نہیں پڑتا لیکن ہمارے ساتھ مجبوری یہ ہے کہ محکمے کے افسران جو کہ اس کام پر مامور ہوتے ہیں ان کو ہمیں لازماً افسران کے عہدوں کے مطابق ٹینڈر کی قیمت کے ۲ فیصد سے ۵ فیصد تک پیسے دینے پڑتے ہیں، جبکہ وہ سرکاری ملازم ہیں اور محکمے سے تنخواہ لیتے ہیں، اور جو پیسے وہ ہم سے لیتے ہیں وہ سرکار کے خزانے میں نہیں بلکہ ان کی جیبوں میں جاتے ہیں۔ اگر ہم انہیں یہ پیسے نہ دیں تو وہ کام میں رُکاوٹ ڈالتے ہیں، اور اگر ہم سو فیصد کام صحیح کریں جب بھی اس میں نقص نکال کر ہمارے پیسے رُکوادیتے ہیں اور آئندہ کے لئے کاموں میں رُکاوٹ ڈال دیتے ہیں۔ آپ سے گزارش یہ ہے کہ آپ یہ بتائیے کہ ہماری یہ آمدنی حلال ہے کہ نہیں؟ کیونکہ اگر ہم افسران کو پیسہ نہ دیں تو وہ ہماری سو فیصد ایمان داری کے باوجود ہمارے کام بند کرادیتے ہیں اور ہمارے بل رُکوادیتے ہیں۔ کام شروع سے ہم اپنے ذاتی پیسوں سے کرتے ہیں، اور تکمیل کے دوران سرکار ہمیں کچھ ادائیگی کرتی رہتی ہے، جبکہ رقم کا بڑا حصہ ہمارا ذاتی پیسہ ہوتا ہے۔

جواب:... رشوت ایک ایسا ناسور ہے جس نے پورے ملک کا نظام تلپٹ کر رکھا ہے، جن افسروں کے منہ کو یہ حرام خون لگ جاتا ہے وہ ان کی زندگی کو بھی تباہ کردیتا ہے اور ملکی انتظام کو بھی متزلزل کردیتا ہے۔ جب تک سرکاری افسروں اور کارندوں کے دِل میں اللہ تعالیٰ کا خوف، اور قیامت کے دن کے حساب و کتاب، اور قبر کی وحشت و تنہائی میں ان [illegible] کی جواب دہی کا احساس پیدا نہ ہو، تب تک اس سرطان کا کوئی علاج نہیں کیا جاسکتا۔ آپ سے یہی کہہ سکتا ہوں کہ جہاں تک ممکن ہو ان کتوں کو ہڈی ڈالنے سے پرہیز کریں، اور جہاں بے بس ہوجائیں وہاں اللہ تعالیٰ سے معافی مانگیں۔

---

(۱) ويرد هدية ... . قال عمر بن عبدالعزيز: كانت الهدية على عهد رسول الله صلى الله عليه وسلم هدية واليوم رشوة. ذكره البخارى ...... وتعليل النبى صلى الله عليه وسلم دليل على تحريم الهدية التى سببها الولاية ...إلخ. (ردالمحتار ج.۵ ص.۳۷۲، طبع سعيد كراچى).

ٹریفک پولیس والے اگر ناجائز تنگ کریں تو اُن کو رِشوت دے کر جان چھڑانا کیسا ہے؟

سوال:... آج کل پولیس والے لوگوں کو بلاوجہ تنگ کرتے ہیں، گاڑی کے کاغذات وغیرہ پورے ہونے کے باوجود کہتے ہیں کہ جرمانہ دو، یہ جرمانہ بطور رِشوت کے لیتے ہیں، اگر جرمانہ نہ دیا جائے تو چالان کردیتے ہیں، جس سے عدالتوں کی مصیبت گلے پڑجاتی ہے۔ معلوم یہ کرنا ہے کہ اگر ایسی صورتِ حال میں کوئی آدمی رشوت دے کر اپنی جان چھڑالیتا ہے تو کیا وہ اس حدیث کا مصداق ہوگا کہ رشوت دینے اور لینے والا دونوں جہنمی ہیں؟ ایسا واقعہ اگر پیش آجائے تو کیا کیا جائے؟

جواب:... اپنی عزت بچانے کے لئے اگر کتے کو ہڈی ڈالنی پڑے (یعنی مجبور سے رشوت دینی پڑے) تو اُمید ہے کہ اللہ تعالیٰ اس پر پکڑ نہیں فرمائیں گے۔ [1]

سرکاری گاڑیاں ٹھیک کرنے والے کا مجبوراً "الف" پُرزے کی جگہ "ب" لکھنا

سوال:... میں ایک فوجی اِدارے کا سربراہ ہوں، اس اِدارے کا بنیادی کام گاڑیوں کی مرمت کرنا ہے، حکومت نے کچھ پیسے مجھے دے رکھے ہیں، جن میں سے مجھے اِجازت ہے کہ میں گاڑیوں کے فاضل پرزہ جات خرید کر گاڑیوں کی مرمت کرواسکوں۔ اب میں یوں کرتا ہوں کہ گاڑی کے اندر "الف" پُرزہ لگواتا ہوں، لیکن لکھتے وقت لکھتا ہوں کہ "ب" پُرزہ لگوایا ہے۔ اس عمل کی ضرورت اس لئے پیش آتی ہے کہ حکومت جو رقم دیتی ہے اسی سے مرمت کرنا ہوتی ہے، اس ترکیب سے گاڑیوں کی مرمت تیزی سے ہوجاتی ہے، میں سارا پیسہ حکومت ہی کے کام میں صَرف کرتا ہوں، کیونکہ اگر میں ایسا نہ کروں تو سرکاری گاڑیاں کئی کئی دن کھڑی رہیں اور ملک کا نقصان ہو۔ کیا ایسا کرنا صحیح ہے؟

جواب:... آپ کی پوری کارروائی میں گورنمنٹ کو دھوکا دہی نہیں ہے، البتہ "الف" کی جگہ "ب" اور "ب" کی جگہ "الف" لکھنا غلط بیانی اور جھوٹ ہے، اور یہ جھوٹ بھی آپ بلاوجہ بولتے ہیں، کیونکہ آپ اپنے اعلیٰ افسران سے مل کر اس جھوٹ سے بچنے کی کوئی تدبیر بھی اِختیار کرسکتے ہیں۔

بس مالک کا مجبوراً پولیس والے کو رِشوت دینا

سوال:... میں پاکستان میں ایک بس خریدنا چاہتا ہوں، جس کو اِن شاء اللہ ڈرائیور چلائے گا اور میرا بھائی دیکھ بھال کرے گا، لیکن جیسا کہ آپ کو پتا ہے، پاکستان میں پولیس والے ہر جائز ناجائز بات پر تنگ کرتے ہیں اور کہیں کہیں رشوت دینے سے دامن بچانا ممکن نہیں رہتا، تو ایسے میں بس کی آمدنی حلال ہوگی یا نہیں؟

جواب:... جہاں تک پاکستان پولیس کا تعلق ہے، ان کا حال سب ہی کو معلوم ہے۔ شرعاً تو راشی اور مرتشی دونوں گناہگار

(۱) الرشوة أربعة أقسام ..... الرابع ما يدفع لدفع الخوف من المدفوع إليه على نفسه أو ماله حلال للدافع حرام على الآخذ ([illegible] رد المحتار ج ۵ ص ۳۶۲ كتاب القضاء)۔

ہیں، لیکن اگر آدمی رشوت دینے پر مجبور ہو تو اللہ تعالیٰ سے اُمید کی جاتی ہے کہ اس پر پکڑ نہیں فرمائیں گے۔ رشوت لینے والا بہرحال جہنمی ہے۔ (۱)

ٹھیکے داروں سے رشوت لینا

سوال:... میں بلڈنگ ڈپارٹمنٹ میں سب انجینئر ہوں، ملازمت کی مدّت تین سال ہوگئی ہے، ہمارے یہاں جب کوئی سرکاری عمارت تعمیر ہوتی ہے تو ٹھیکے دار کو ٹھیکے پر کام دے دیا جاتا ہے، اور ہم ٹھیکے دار سے ایک لاکھ ۲۰ ہزار روپے کمیشن لیتے ہیں، جس میں سب کا حصہ ہوجاتا ہے (یعنی چپراسی سے لے کر چیف انجینئر تک)، اس میں ۲ فیصد حصہ میرا بھی ہوتا ہے، ایک لاکھ پر دو ہزار، یہ ماہانہ تنخواہ کے علاوہ ہوتا ہے۔ اس وقت میرے زیرِ نگرانی ۲۰ لاکھ کا کام ہے اور ہر ماہ ۴ لاکھ کے بل بن جاتے ہیں، اس طرح ۸ ہزار روپے تنخواہ کے علاوہ مجھ کو مل جاتے ہیں، جبکہ تنخواہ صرف ۱۷۰۰ روپے ہے۔ ٹھیکے دار حضرات کام کو دیئے ہوئے شیڈول کے مطابق نہیں کرتے، اور ناقص میٹریل استعمال کرتے ہیں۔ سیمنٹ، لوہا وغیرہ گورنمنٹ کے دیئے ہوئے معیار کے مطابق نہیں لگاتے، حتیٰ کہ بہت سی اشیاء ایسی ہوتی ہیں جن کا صرف کاغذات پر اندراج ہوتا ہے اور درحقیقت جائے وقوع پر اس کا کوئی وجود نہیں ہوتا۔ لیکن ہم لوگوں کو غلط اِندراج کرنا پڑتا ہے اور غلط تصدیق کرنا پڑتی ہے۔ جب ہم کسی منصوبے کا اسٹیمنٹ بناتے ہیں تو اس کو پہلے سپرنٹنڈنگ انجینئر کے پاس لے جانا پڑتا ہے، جہاں پر سائٹ انچارج سے اس کو پاس کرانے کے لئے آفیسر اور اسٹاف کو کام کی نسبت سے کمیشن دینا پڑتا ہے۔ اس کے بعد وہ فائل چیف انجینئر کے آفس میں جاتی ہے، وہاں اس کو بھی کام کی نسبت سے کمیشن دینا پڑتا ہے۔ اور اس کا ایک اُصول بنایا ہوا ہے، اس کے بغیر اسٹیمنٹ پاس نہیں ہوسکتا۔ اس اعتبار سے ہم لوگوں کو بھی ٹھیکے داروں سے مجبوراً کمیشن لینا پڑتا ہے، ورنہ ہم اگلے مراحل میں ادائیگی کہاں سے کریں۔ ٹھیکے دار اس کمی کو پورا کرتا ہے خراب مال لگاکر اور کام میں چوری کرکے، جس کا ہم سب کو علم ہوتا ہے۔ لہٰذا اس طرح ہم جھوٹ، بددیانتی، رشوت، سرکاری رقم (جو کہ درحقیقت عوام کی ہے) میں خیانت کے مرتکب ہوتے ہیں۔ عام طور پر اس کو بُرا بھی نہیں سمجھا جاتا۔ میرا دِل اس عمل سے مطمئن نہیں ہے۔ براہِ کرم میری سرپرستی فرمادیں کہ آیا میں کیا کروں؟ کیا دُوسروں کو ادا کرنے کے لئے کمیشن لے لوں اور اس میں سے اپنے پاس بالکل نہ رکھوں؟ یا کچھ اپنے پاس بھی رکھوں؟ یا ملازمت چھوڑ دوں؟ کیونکہ مذکورہ بالا حالات میں سارے غلط اُمور کرنا پڑتے ہیں۔

جواب:... جن قباحتوں کا آپ نے ذکر کیا ہے، ان کی اجازت تو نہ عقل دیتی ہے نہ شرع، نہ قانون نہ اخلاق، اگر آپ ان لعنتوں سے نہیں بچ سکتے تو اس کے سوا اور کیا کہہ سکتا ہوں کہ نوکری چھوڑ دیجئے، اور کوئی حلال ذریعۂ معاش اپنایئے۔ یہاں یہ سوال پیدا ہوگا کہ آپ نوکری چھوڑ دیں گے تو بچوں کو کیا کھلائیں گے؟ اس کے دو جواب ہیں۔ ایک یہ کہ دُوسری جگہ حلال ذریعۂ معاش تلاش کرنے کے بعد ملازمت چھوڑ دیئے، پہلے نہ چھوڑیئے۔ دُوسرا جواب یہ ہے کہ آپ ہمت سے کام لے کر اس بُرائی کے خلاف جہاد کیجئے

---

(۱) الرشوة أربعة أقسام .... ما يدفع لدفع الخوف من المدفوع إليه على نفسه أو ماله حلال للدافع حرام على الآخذ إلخ۔ (فتاوى شامي ج ۵ ص:۳۶۲)۔ الرشوة على وجوه أربعة .... ولم أر قسمًا يحل الأخذ فيه دون الدفع۔ (البحر الرائق ج:۶ ص:۲۸۵، كتاب القضاء)۔

اور رشوت کے لینے اور دینے سے انکار کردیجئے۔ جب آپ ایسا کریں گے تو آپ کے محکمے کے تمام شریکِ کار افسرانِ بالا سے لے کر ماتحتوں تک آپ کے خلاف ہوجائیں گے، اور آپ کے افسر آپ کے خلاف جھوٹے سچے الزامات عائد کرکے آپ کو برخاست کرانے کی سعی کریں گے۔ اس کے جواب میں آپ اپنے مندرجہ بالا خط کو سنوار کر مع ثبوتوں کے صفائی نامہ پیش کردیجئے، اور اس کی نقول صدرِ مملکت، وزیرِ اعظم، صوبائی حکومت کے اربابِ اقتدار اور ممبرانِ قومی و صوبائی اسمبلی وغیرہ کو بھیج دیجئے۔ زیادہ سے زیادہ آپ کا محکمہ آپ کو نوکری سے الگ کردے گا، لیکن پھر ان شاء اللہ آپ پر زیادہ خیر و برکت کے دروازے کھلیں گے۔ اگر آپ محکمے کی ان زیادتیوں سے کسی بڑے اربابِ حل و عقد کو اپنا ہم نوا بنانے میں کامیاب ہوگئے تو آپ کی نوکری بھی نہیں جائے گی، البتہ آپ کو کسی غیر اہم کام پر لگادیا جائے گا اور آپ کو ۷۰۰ روپے میں گزر اوقات کرنی پڑے گی، جس میں اضافہ بھی ہوسکتا ہے، بشرطیکہ آپ خالی وقت میں کوئی کام کرسکیں۔ تو میرے عزیز! جس طرح آپ ہزاروں میں سے ایک ہیں جو مجھ کو ایسا تقوے والا خط لکھ سکتے ہیں، اسی طرح کسی نہ کسی کو اس اندھیر نگری میں حق کی آواز اُٹھانی ہے، اللہ کی مدد آپ کے شاملِ حال ہو اور ہم خیال بندے آپ کی نصرت کریں۔

دفتری فائل دِکھانے پر معاوضہ لینا

سوال:... میں ایک دفتر میں ملازم ہوں، ہمارے ہاں ایسا ہوتا ہے کہ اگر کوئی شخص اپنی فائل دیکھنے آتا ہے کہ میری فلاں فائل ہے، وہ نکل جائے، یا میری فائل نمبر یہ ہے، اگر دِکھادیں تو بہت مہربانی ہوگی، اور یہ کہ یہ چیز اس میں سے ٹائپ کرکے مجھے دے دیں، ہمارے سینئر کلرک ان سب باتوں کو پورا کردیتے ہیں۔ وہ شخص سینئر صاحب کو کچھ رقم دے دیتا ہے، ہمارے سینئر صاحب اس میں سے ہمیں بھی دیتے ہیں۔ پوچھنا یہ ہے کہ یہ رشوت تو نہ ہوئی؟ اور اگر ہوئی تو بھی تو اس کی ذمہ داری ہمارے سینئر کلرک پر آئے گی یا ہم پر؟ اگر اس مسئلے کا حل بتادیں تو بڑی مہربانی ہوگی۔

جواب:... فائل نکلوانے، دِکھانے اور ٹائپ کرنے کی اگر سرکاری اُجرت مقرّر ہے، تو اس اُجرت کا وصول کرنا صحیح ہے (اور اس کا مصرف وہ ہے جو قانون میں مقرّر کیا گیا ہو)، اس کے علاوہ کچھ لینا رشوت ہے،[1] اور گناہ میں وہ سب شریک ہوں گے جن جن کا اس میں حصہ ہوگا۔

کسی ملازم کا ملازمت کے دوران لوگوں سے پیسے لینا

سوال:... کسی ملازم کو تنخواہ کے علاوہ ملازمت کے دوران کوئی شخص خوش ہوکر کچھ پیسے دے تو کیا وہ جائز ہے یا ناجائز؟ کیونکہ لوگ کہتے ہیں کہ ہم ان سے مانگتے نہیں ہیں، اور نہ ہم کسی کا دِل دُکھاتے ہیں، تو وہ رشوت نہیں ہے۔ اب آپ کتاب و سنت کی روشنی میں بتائیں کہ وہ جائز ہیں یا نہیں؟

---

(۱) وحد الرشوة: بذل المال فيما هو مستحق على الشخص۔ (كشاف إصطلاحات الفنون ج:۱ ص:۵۹۵)۔ بذل المال لاستخلاص حق له على الآخرة رشوة ...إلخ۔ (بحر الرائق ج:٦ ص:۲۸۵، كتاب القضاء، طبع دار المعرفة)۔

جواب:... اگر کام کرنے کا معاوضہ دیتے ہیں تو رشوت ہے،[1] خواہ یہ مانگے یا نہ مانگے، اگر دوستی یا عزیز داری میں ہدیہ دیتے ہیں تو ٹھیک ہے۔[2]

پولیس کے محکمے میں ملازمت کرنا شرعاً کیسا ہے؟

سوال:... کیا پولیس میں نوکری کرنا جائز ہے؟ نیز اس صورت میں کیا حکم ہے کہ رشوت نہ لے اور کسی پر بلاوجہ ظلم نہ کرے؟

جواب:... پولیس کی نوکری میں شرعاً کوئی قباحت نہیں، البتہ اگر اس نوکری کے ذریعے رشوت لے گا یا ظلم وغیرہ کرے گا تو گناہگار ہوگا اور قیامت کے روز اس کا مؤاخذہ ہوگا۔

بخوشی دی ہوئی رقم کا سرکاری ملازم کو اِستعمال کرنا

سوال:... میں جس فرم میں ملازم ہوں، وہاں اشیاء کی نقل و حرکت کے لئے ٹرانسپورٹرز سے معاہدہ ہے، جن کا کرایہ حکومت سے منظور شدہ ہوتا ہے اور انہیں ماہانہ ادائیگی کی جاتی ہے۔ کچھ عرصہ قبل ان کے کرایوں کے نرخ میں اضافہ کردیا گیا، لیکن منظوری میں تاخیر کی وجہ سے اس دوران کا حساب کرکے ان کو بقایاجات ادا کئے گئے۔ اب مسئلہ یہ ہے کہ جس وقت ادائیگی کے بل ادا کئے گئے، لوگوں نے ان سے مٹھائی کا مطالبہ شروع کردیا، جس پر انہوں نے رضامندی ظاہر کی، لیکن ان سے کہا گیا کہ ہمیں کچھ رقم دے دی جائے جس سے ہم پانچ چھ افراد پارٹی (لنچ یا ڈنر) کرسکیں۔ ان سے یہ رقم وصول کی گئی اور اس وقت یہ صاف طور پر کہہ دیا گیا کہ یہ پیسے کسی اور ضمن میں نہیں بلکہ آپ کی خوشی سے مٹھائی کے طور پر لئے جارہے ہیں۔ جس پر انہوں نے یہ بھی کہا کہ نہیں ہم اپنی خوشی سے دے رہے ہیں۔ ایک ٹرانسپورٹر نے اچھی خاصی رقم دی جسے تین افراد نے آپس میں تقسیم کرلیا اور باقی وصول ہونے والی رقم سے چار پانچ مرتبہ لنچ کیا گیا۔ برائے مہربانی آپ یہ وضاحت کردیں کہ یہ رقم کھانا جائز ہے جبکہ کھانے والے حضرات یہ بھی چاہتے ہیں کہ یہ آفس میں افسرانِ بالا کو یا اور لوگوں کو اس بات کا علم نہ ہو، جبکہ اس میں کسی اور منفعت کو دخل نہیں، ہمارا ادارہ ایک نجی ادارہ ہے۔

جواب:... اس قسم کی شیرینی جو سرکاری اہل کاروں کو دی جاتی ہے، رشوت کی مد میں آتی ہے، اس سے پرہیز کرنا چاہئے، کیونکہ یہ شیرینی نہیں بلکہ زہر ہے۔[3]

---

(۱) حوالہ کے لئے دیکھئے گزشتہ صفحے کا حاشیہ۔

(۲) واما الحلال من الجانبين فهو الإهداء للتودد والمحبة وليس هو من الرشوة. (بحر ج:۶ ص:۲۸۵ كتاب القضاء). أيضًا. ويرد هدية .... إلا من أربع .... قريبه المحرم أو ممن جرت عادته بذلك بقدر عادته. (درمختار ج.۵ ص.۳۷۲).

(۳) هدايا العمل كلها حرام. (المطالب العالية لإبن حجر ج:۲ ص:۲۲۲). (فقام النبي صلى الله عليه وسلم .... وقال. ما بالُ العامل نبعثه) على العمل فيجيء بالمال (فيقول: هذا لكم وهذا اهدى لي، آلا جلس في بيت أمّه وأبيه فينظر أيهدى له أم لا؟) وظاهر أنه إذا جلس في بيت أمّه وأبيه لا يهدى له قطعًا ويقينًا فهذا الذي اهدى له هو للحكومة وهو الرشوة ...الخ. (بذل المجهود شرح ابوداؤد ج:۳ ص:۱۲۰ كتاب الخراج).

رشوت لینے والے سے تحائف قبول کرنا

سوال:... ایک شخص جو کہ ساتھی ہے یا رشتہ دار ہے، نماز روزے کا پابند ہے، یعنی اَحکامِ خداوندی بجالاتا ہے، وہ ایسے محکمے میں کام کرتا ہے جہاں لوگ کام کے عوض روپیہ دیتے ہیں، حالانکہ وہ خود مانگتا نہیں ہے، لیکن چونکہ یہ سلسلہ شروع سے چل رہا ہے اس لئے لوگ اس کو بھی بلاتے ہیں یا خود لاکر دیتے ہیں۔ دریافت طلب مسئلہ یہ ہے کہ وہ اس رقم سے خود، اس کے علاوہ دوستوں، رشتہ داروں کو تحفہ اور اس کے علاوہ نیک کاموں میں خرچ کرتا ہے، آیا اس کا یہ دیا ہوا تحفہ یا نیک کاموں میں لگانا کہاں تک جائز ہے؟ مثال کے طور پر اگر اس نے کسی دوست یا رشتہ دار کو تحفے میں کپڑا دیا جبکہ واپسی کرنا دِل کو توڑنا ہے، جو کہ اسلام نے منع کیا ہے، اور اس کو یہ بات معلوم نہیں کہ یہ کپڑا جائز کمائی کا نہیں ہے، تو آیا اس کپڑے کو پہن کر نماز ہوجائے گی اور نماز پڑھ سکتا ہے کہ نہیں؟

جواب:... کام کے عوض جو روپیہ اس کو دیا جاتا ہے وہ رشوت ہے،[1] اس کا لینا اس کے لئے جائز نہیں۔[2] اگر بعینہٖ اسی رقم سے کوئی چیز خرید کر وہ کسی کو تحفہ دیتا ہے تو اس کا لینا بھی جائز نہیں۔[3] اور اگر اپنی تنخواہ کی رقم سے یا کسی اور جائز آمدنی سے تحفہ دیتا ہے تو اس کا لینا دُرست ہے۔ اور اگر یہ معلوم نہ ہو کہ یہ تحفہ جائز آمدنی کا ہے یا ناجائز کا؟ تو اگر اس کی غالب آمدنی صحیح ہے تو تحفہ لے لینا دُرست ہے،[4] ورنہ احتیاط لازم ہے۔ اور اگر اس کی دِل شکنی کا اندیشہ ہو تو اس سے تو لے لیا جائے مگر اس کو استعمال نہ کیا جائے، بلکہ بغیر نیتِ صدقہ کے کسی محتاج کو دے دیا جائے۔[5]

کیلنڈر اور ڈائریاں کسی اِدارے سے تحفے میں وصول کرنا

سوال:... آج کل کیلنڈر اور ڈائریاں تقسیم کرنے کا رواج عام ہے، اصل میں تو یہ ایک عام اشتہار بازی ہے، مگر یہ چیزیں صرف متعلقہ اشخاص کو دی جاتی ہیں، مثلاً: اگر ایک پارٹی کسی بڑے مالی ادارے یا گورنمنٹ کو کوئی مال فراہم کرتی ہے تو سال کے شروع میں وہ خرید کے شعبے کے افراد کو ڈائری یا کیلنڈر تحفے کے طور پر دیتے ہیں۔ کیا اس قسم کا تحفہ قبول کرنا ان افراد کو جائز ہے جو کہ کسی ادارے کے خرید کے شعبے میں ملازم ہیں؟ ہمیں یہ ڈر ہے کہ کہیں یہ رشوت وغیرہ میں تو نہیں آتے۔

---

(۱) وفی وصایا الخانیة قالوا: بذل المال لإستخلاص حق له علی آخره رشوة۔ (بحر ج:۶ ص:۲۸۵)۔ أیضًا: وفی البرجندی الرشوة مال یعطیه بشرط أن یعینه، والذی یعطیه بلا شرط فهو هدیة۔ (کشاف إصطلاحات الفنون ج:۱ ص:۵۹۵ طبع سهیل اکیڈمی)۔

(۲) الحرمة تتعدد مع العلم بها (وفی الشامیة) . . . . أما لو رأی المکاس مثلًا یأخذ من أحد شیئًا من المکس ثم یعطیه آخر ثم یأخذ من ذلک الآخر آخر فهو حرام۔ (ردالمحتار ج:۵ ص:۹۸ مطلب الحرمة تتعدد)۔

(۳) آکل الربا وکاسب الحرام أهدیٰ إلیه أو أضافه وغالب ماله حرام لَا یقبل ولَا یأکل ما لم یخبره ان ذٰلک المال أصله حلال۔ (عالمگیریة ج:۵ ص:۳۴۳، کتاب الکراهیة، الباب الثانی عشر فی الهدایا والضیافات)۔

(۴) إذا کان غالب مال المهدی حلالًا فلا بأس بقبول هدیته وأکل ماله ما لم یتبین أنه من حرام۔ (الأشباه والنظائر ص:۱۲۵، طبع إدارة القرآن)۔

(۵) وإلّا فإن علم عین الحرام لَا یحل له ویتصدق به بنیة صاحبه ...إلخ۔ (ردالمحتار ج:۵ ص:۹۹، مطلب فی من ورث مالًا حرامًا)۔

جواب:... اگر یہ ڈائریاں ایسی کمپنی یا ادارے کی جانب سے شائع کی گئی ہوں جن کی آمدنی شرعاً جائز ہے، تو ان کا لینا جائز ہے، ورنہ نہیں۔

رکشا، ٹیکسی ڈرائیور یا ہوٹل کے ملازم کو کچھ رقم چھوڑ دینا یا اُستاذ، پیر کو ہدیہ دینا

سوال:... ہمارے معاشرے میں کارکنان کو طے شدہ اُجرت کے علاوہ کچھ رقم دینے کا رواج ہے، مثال کے طور پر رکشا و ٹیکسی کے میٹر کی رقم کے علاوہ اکثر ریزگاری بچتی ہے، وہ نہ تو رکشا، ٹیکسی ڈرائیور دینا چاہتا ہے اور نہ مسافر لینا چاہتا ہے، اور وہ رقم نذرانہ، شکرانہ یا بزبان انگریزی ''ٹپ'' تصور کی جاتی ہے۔ ہم یہ بات معلوم کرنا چاہتے ہیں کہ ڈرائیور حضرات جو رقم واجب کرایہ سے زائد لیتے ہیں وہ جائز ہے یا ناجائز؟ اس سے بڑھ کر مرید، پیر کو، شاگرد، اُستاذ کو، ہوٹل میں کھانا کھانے والا، بیرے کو دیتا ہے، آپ شرعی طور پر فرمائیں کیا یہ رقم خیرات ہے؟ دینے والے کو اس کا ثواب ملے گا؟ لینے والے کا جائز حق ہے؟

جواب:... اگر یہ زائد رقم خوشی سے چھوڑ دی جائے تو لینے والے کے لئے حلال ہے۔[1] اور اپنے بزرگوں کو ہدیہ یا چھوٹوں کو تحفے کے طور پر جو چیز برضا و رغبت دی جائے وہ بھی جائز ہے۔[2]

مجبوراً رشوت دینے والے کا حکم

سوال:... حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: رشوت دینے والا اور لینے والا دونوں دوزخی ہیں۔ اگرچہ اس بارے میں بہت سی اور احادیث بھی ہوں گی۔ پاکستان میں ٹریفک پولیس اور ڈرائیور حضرات کے درمیان یہ مسئلہ ہوتا ہے کہ وہ گاڑیوں سے ماہوار رشوت لیتے ہیں، بعض جگہ جب بھی کسی چوک میں گاڑی مل جائے تو روک کر روپے لیتے ہیں۔ اگر ان کو گاڑی کے کاغذات بتادیئے جائیں، کاغذ مکمل ہونے کی صورت میں پھر بھی وہ کوئی نہ کوئی الزام لگادیتے ہیں۔ مثلاً: ''گاڑی کا رنگ دُرست نہیں ہے، تم تیز رفتاری سے گاڑی چلاتے ہو۔'' اگر ان کو رشوت ۳۰ یا ۵۰ روپے نہ دیئے جائیں اور کہہ دیا جائے کہ چالان کرو اور ہم گورنمنٹ کو فیس دیں گے تو وہ چالان سلپ پر اتنی دفعات لگادیتے ہیں کہ جب ہم مجسٹریٹ کے سامنے جاتے ہیں تو وہ ۵۰۰، ۱،۰۰۰ روپے تک جرمانہ کرتا ہے۔ پھر ہوسکتا ہے کہ ایک ماہ تک لائسنس کا بھی یا گاڑی کے کاغذات کا بھی پتا نہ چلے، یہ کام وہ صرف اس لئے کرتے ہیں کہ ان کو آئندہ روپے آرام سے دیئے جائیں۔ پھر ایک ڈرائیور مجبوری سے ۳۰ یا ۵۰ روپے دے دیتا ہے اور اس کے عوض وہ اوورلوڈ کرتا ہے، یہی وجہ ہے کہ اکثر لوگ گاڑی کے کاغذ نہیں رکھتے کہ کاغذ ہوتے ہوئے بھی رشوت دینی پڑتی ہے۔ میرا اس بیان سے مقصد یہ نہیں کہ ہم جرم کرتے رہیں اور روپے دیتے رہیں، بلکہ اگر کسی کا کوئی جرم ہے اور وہ روپے بھی دیتا ہے تو اسلام میں اس کا کیا مقام ہے؟ اگر سب کچھ دُرست ہونے کے باوجود صرف رشوت اس لئے دی جائے کہ وہ ناجائز تنگ کریں گے اور زیادہ روپے دینے پڑیں گے، کیا اس حدیث

---

(۱) قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: ألا لا يحل مال امرىء إلّا بطيب نفس منه. (مشكوة ص. ۲۵۵).

(۲) وأما الحلال من الجانبين فهو الإهداء للتود والمحبة كما صرحوا به، وليس هو من الرشوة. قال عليه السلام تهادوا تحابوا. (البحر الرائق ج:٦ ص:۲۸۵، كتاب القضاء، طبع دار المعرفة، بيروت).

کی روشنی میں ڈرائیور اور پولیس والا دونوں کے لئے بس وہ حدیث ہوگی، یعنی دونوں کا جرم برابر کا ہوگا؟

جواب:... کوئی کام غیرقانونی تو حتی الوسع نہ کیا جائے، اس کے باوجود اگر رشوت دینی پڑے تو لینے والے اپنے لئے جہنم کا سامان کرتے ہیں، دینے والا بہرحال مجبور ہے، اُمید ہے کہ اس سے مؤاخذہ نہ ہوگا۔ اور اگر غیرقانونی کام کے لئے رشوت دی جائے تو دونوں فریق لعنت کے مستحق ہیں۔[1]

ملازمین کے لئے سرکاری تحفہ جائز ہے

سوال:... "جنگ" اخبار میں "آپ کے مسائل اور ان کا حل" کے کالم میں آپ نے جو جواب "تحفہ یا رشوت" کے سلسلے میں شائع کیا ہے، اس سلسلے میں یہ عرض ہے کہ اگر کوئی شخص کسی ادارے میں ملازم ہے اور اپنے کام میں وہ بھرپور محنت کرتا ہے تو ادارہ اس کی خدمات سے خوش ہوکر اگر اسے اضافی تنخواہ یا کوئی تحفہ دیتا ہے تو یہ رشوت میں شامل نہیں ہوگا، حالانکہ اگر یہ اسی عہدے پر قائم نہیں ہوتا تو یقیناً نہیں ملتا، کیونکہ اسے اپنی صلاحیتوں کو ظاہر کرنے کا موقع نہیں ملتا۔ لیکن اب چونکہ وہ اپنی صلاحیتوں کو بروئے کار لاتے ہوئے زیادہ محنت اور خلوص سے کام کر رہا ہے اور انتظامیہ اس کی حوصلہ افزائی کے لئے انعام دیتی ہے تو یہ رشوت میں شامل نہیں ہوگا، کیونکہ اسلام ہمیشہ محنت کشوں کی حوصلہ افزائی کی تاکید کرتا ہے، کیونکہ اس سے نہ صرف یہ کہ کام کرنے کا جذبہ بڑھتا ہے بلکہ انسان مزید بُرائیوں سے بھی بچتا ہے، لہٰذا مجھ گنہگار کی ناقص رائے ہے کہ آپ مزید اپنے اعلیٰ علمی تجربوں کی روشنی میں وضاحت فرمائیں۔

جواب:... حکومت کی طرف سے جو کچھ دیا جائے، اس کے جائز ہونے میں کیا شبہ ہے؟ مگر سرکاری ملازم لوگوں کا کام کرکے ان سے جو "تحفہ" وصول کرے، وہ رشوت ہی کی ایک صورت ہے۔[2] ہاں! اس کے دوست احباب یا عزیز و اقارب تحفہ دیں تو وہ واقعی تحفہ ہے۔[3] خلاصہ یہ کہ گورنمنٹ یا انتظامیہ اپنے ملازمین کو جو کچھ دیتی ہے، خواہ تنخواہ ہو، بونس ہو، یا انعام ہو، وہ سب جائز ہے۔[4]

---

(۱) لعن رسول الله صلى الله عليه وسلم الراشي أى معطي الرشوة والمرتشي أى آخذها .... وانما يلحقهم العقوبة معًا إذا استويا في القصد والإرادة، ورشا المعطي لينال به إلى الظلم فأما إذا اعطى ليتوصل به إلى حق أو يدفع عن نفسه ظلمًا فإنه غير داخل في هذا الوعيد۔ (بذل المجهود ج:۴ ص:۳۰۷ كتاب القضاء، البحر الرائق ج:۶ ص:۲۸۵)۔

(۲) (ويرد هدية) .... قال عمر بن عبدالعزيز: كانت الهدية على عهد رسول الله صلى الله عليه وسلم هدية، واليوم رشوة ذكره البخاري .... وتعليل النبي صلى الله عليه وسلم دليل على تحريم الهدية التي سببها الولاية ...الخ۔ (ردالمحتار ج:۵ ص:۳۷۲، مطلب في هدية القاضي)۔

(۳) ويرد هدية ...... إلّا من أربع .... قريبه المحرم أو ممن جرت عادته بذلك بقدر عادته۔ (درمختار ج:۵ ص:۳۷۴، كتاب القضاء، طبع ايچ ايم سعيد)۔

(۴) عن ابن الساعدي قال: إستعملني عمر على الصدقة فلما فرغت أمر لي بعُمَالة فقلت: إنما عملت لله، قال: خذ ما أعطيت فإني قد عملت على عهد رسول الله صلى الله عليه وسلم فعملني أى أعطاني عمالتي۔ (ابوداؤد، باب أرزاق العمال ج:۲ ص ۵۲)۔ ولا بأس برزق القاضي لأنه صلى الله عليه وسلم بعث ابن اسيد إلى مكة وفرض له وبعث عليًا وفرض له ولانه محبوس لحق المسلمين فتكون نفقته في مالهم۔ (هداية ج:۳ ص:۱۲۷)۔

فیکٹری کے مزدوروں سے مکان کا نمبر خریدنا

سوال:... ہم ایک فیکٹری میں کام کرتے ہیں، فیکٹری کے قانون کے مطابق سب لوگوں کو نمبروار رہائشی مکان ملتے ہیں، لیکن بہت سے ضرورت مند جس کا نمبر آجاتا ہے اسے پیسے دے کر اس کا نمبر خرید لیتے ہیں اور مکان الاٹ ہوجاتا ہے، آیا یہ جائز ہے؟

جواب:... کسی شخص کا نمبر نکل آنا ایسی چیز نہیں کہ اس کی خرید و فروخت ہوسکے، اس لئے پیسے دے کر نمبر خریدنا جائز نہیں،[1] اور جس شخص نے پیسے لے کر اپنا نمبر دے دیا، اس کے لئے وہ پیسے حلال نہیں ہوں گے، بلکہ ان کا حکم رشوت کی رقم کا ہوگا۔

(۱) قال فی الأشباہ: لَا یجوز الإعتیاض عن الحقوق المجردۃ۔ قولہ لَا یجوز قال فی البدائع: الحقوق المجردۃ لَا تحتمل التملیک۔ (رد المحتار مع الدر المختار ج:۴ ص:۵۱۸، مطلب لَا یجوز الإعتیاض عن الحقوق المجردۃ)۔

خرید و فروخت کے متفرق مسائل

مانگے کی چیز کا حکم

سوال:... اگر کسی شخص کو کوئی چیز کچھ عرصے کے لئے (مدّت مقرّر نہیں ہے) مستعار دی جائے اور ایک طویل عرصہ گزرنے کے بعد (چیز کی واپسی نہ ہونے کی صورت میں) دونوں فریقین کی مرضی سے اس چیز کا کچھ ماہانہ معاوضہ مقرّر کرلیا جائے، بعد میں معاوضہ بھی وصول نہ ہو اور آخرکار ایک طویل عرصہ بعد تنگ آکر مستعار دینے والا شخص چیز سے مکمل طور پر اپنی دستبرداری کا اعلان کردے، (یاد رہے کہ یہ اعلان ہر طرف سے مایوسی کے بعد ہو، جبکہ نہ تو چیز کی واپسی کی اُمید ہو اور نہ ہی معاوضہ وصول ہونے کی) اس صورت میں ماہانہ معاوضہ کی رقم قرض میں شمار کی جائے گی (دستبرداری کے اعلان کے وقت تک کی رقم) یا اس کے حصول سے مایوس ہوجانا چاہئے؟ دُوسری بات یہ کہ ماہانہ معاوضہ اس وقت سے شمار کیا جائے جس وقت چیز مستعار دی گئی تھی یا اس وقت سے جب معاوضہ طے کیا گیا۔

جواب:... کسی سے جو چیز مانگ کرلی جائے اس کا واپس کرنا واجب ہے۔[1] اور جو شخص اس کی واپسی میں لیت و لعل کرے وہ خائن اور غاصب ہے، اس کے لئے اس چیز کا استعمال حرام ہے۔[2]

۲:... فریقین کی رضامندی سے اگر اس کا کچھ معاوضہ طے ہوجائے تو یہ بیع ہوگی اور طے شدہ شرط کے مطابق اس کا ادا کرنا لازم ہوگا۔

۳:... معاوضہ کی جتنی قسطیں ادا ہوگئیں وہ تو چیز کے اصل مالک کے لئے حلال ہیں۔ اور دستبرداری کے اعلان کا مطلب اگر

---

(۱) قال أی القدوری وللمعیر أن یرجع فی العاریة متی شاء .... لقوله علیه السلام المنحة مردودة والعاریة مؤدّاة . قوله مردودة یجب ردها الخ (البنایة فی شرح الهدایة ج:۱۲ ص:۴۷۳ کتاب العاریة، طبع مکتبه حقانیه).
أیضًا: ان المستعیر لا یملک الإیداع کرد مستعار غیر نفیس إلٰی دار مالکه فإن هذا تسلیم بخلاف المستعار النفیس کالجواهر حیث لا رد إلا إلی المعیر بخلاف رد الودیعة والمغصوب إلٰی دار مالکها فإن هذا لَا یکون تسلیمًا بل لا بد من الرد إلی المالک. (شرح الوقایة ج:۳ ص:۲۷۷ کتاب العاریة).

(۲) ألا لا یحل مال امرئ مسلم إلّا بطیب نفس منه. (مشکوٰة ج:۱ ص:۲۵۵). فإن طلبها ربها فحبسها وهو قادر علی تسلیمها صار غاصبًا. (ملتقی الأبحر ومجمع الأنهر ج:۳ ص:۴۷۰).

یہ تھا کہ بقیہ قسطیں معاف کردی گئیں، تو معاف ہوگئیں، ورنہ اس کے ذمہ واجب الادا ہوں گی۔[1]

۴:... جتنا معاوضہ فریقین کی رضامندی سے طے ہو، صحیح ہے، اس لئے سوال کا یہ حصہ مبہم ہے کہ ''ماہانہ معاوضہ اس وقت سے شمار کیا جائے''۔

افیون کا کاروبار کیسا ہے؟

سوال:... عرض یہ ہے کہ میرا ایک دوست جو کہ پشاور کا رہنے والا ہے، وہ کہتا ہے کہ پشاور میں افیون کا کاروبار عام ہے، اور وہاں کے مولوی صاحبان بھی کہتے ہیں کہ افیون حرام نہیں ہے، اور وہاں بہت سے لوگ افیون کا کاروبار کرتے ہیں۔ آپ براہِ مہربانی قرآن و حدیث کی روشنی میں بتائیں کہ کیا افیون حرام ہے یا نہیں؟ اور اگر حرام ہے تو اس کو دوا کے طور پر استعمال کر سکتے ہیں یا نہیں؟

جواب:... افیون کا استعمال دوا میں جائز ہے، اور اس کی خرید و فروخت بھی جائز ہے، شرط یہ ہے کہ اسی مقصد کے لئے ہو،[2] مثلاً: اگر کسی خاص آدمی کے متعلق معلوم ہو جائے کہ وہ اس سے ہیروئن بناتا ہے تو پھر اس کو نہیں فروخت کرنا چاہئے۔[3]

کیا اِسلام نے ہمیں کوئی معاشی نظام نہیں دیا

سوال:... میں سندھ یونیورسٹی جامشورو میں بی بی اے آنرز سالِ سوم کا طالب علم ہوں۔ پچھلے دنوں میں نے ایک سوشلزم کے حامی پروفیسر کے لیکچر میں شرکت کی، بقول اس کے سوشلزم ایک طریقۂ حکومت ہے، اور اِسلام نے ہمیں کوئی بھی معاشی نظام اختیار کرنے سے منع نہیں کیا، اور نہ ہی کوئی ایسا جامع معاشی نظام اِسلام نے ہمیں دیا ہے، لہٰذا حکومتِ پاکستان کو سوشلزم طرزِ حکومت اختیار کرنی چاہئے، جس کے تحت ہر چیز مملکت کی ملکیت ہو اور حکومت ہی ہر شخص کی بنیادی ضروریات کی ذمہ دار ہو۔ اور بھی بہت سے فوائد پروفیسر صاحب نے گنوا دیئے، مثلاً اس سے بے روزگاری ختم ہو جائے گی، غربت ختم ہو جائے گی، مہنگائی ختم ہو جائے گی۔ ہمیں علم نہ ہونے کے باعث اس وقت یہ ماننا پڑا کہ سوشلزم طرزِ حکومت بالکل صحیح ہے۔

جواب:... سوشلزم نظام رُوس میں فیل ہو چکا ہے، اور جس جس جگہ یہ نظام رائج ہوا، اِنسانوں کو غلام بنا دیا گیا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہماری دُنیا اور آخرت کے لئے بہترین نظام لے کر آئے، مگر ہم نے اپنی عقل بھی بگاڑ لی، شکل بھی بگاڑ لی، ہمارے پاس اب نہ دین ہے، نہ ایمان ہے، نہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا طریقۂ کار ہے، اب آپ کے پروفیسر صاحب جو چاہے کہتے پھریں،

---

(۱) وفی الملتقط علیه الف ثمن جعله الطالب نجومًا أن أخل بنجم حل الباقی فالأمر کما شرطا۔ (بحر ج:۵ ص:۲۸۰)۔
وفی الهدایة یجوز للبائع أن یحط عن الثمن۔ (الهدایة، کتاب البیوع ص:۷۵)۔

(۲) وصح بیع غیر الخمر مما مرّ ومفاده صحة بیع الحشیشة والأفیون قلت وقد سئل ابن نجیم عن بیع الحشیشة هل یجوز؟ فکتب لَا یجوز، فیحمل علٰی أن مراده بعدم الجواز عدم الحل" (الدر المختار) (قوله صح بیع غیر الخمر) عنده خلافًا لهما فی البیع والضمان لکن الفتویٰ علٰی قوله فی البیع وعلٰی قولهما فی الضمان ان قصد المتلف الحسبة، ذالک یعرف بالقرائن، وإلّا فعلٰی قوله کما مر فی التاترخانیة وغیرها۔ (رد المحتار ج:۶ ص:۴۵۴، کتاب الأشربة)۔

(۳) الأمور بمقاصدها: یعنی أن الحکم الذی یترتب علٰی أمر یکون علٰی مقتضٰی ما هو المقصود من ذٰلک الأمر۔ (شرح المجلة لسلیم رستم باز ص:۱۷ المقالة الثانیة، طبع حبیبیه کوئٹه)۔

ان بیچاروں نے دِین کو سمجھا ہی نہیں، میں ان کو بھی اور آپ کو بھی مشورہ دُوں گا کہ تبلیغی جماعت میں تین چلّے لگالیں۔

واپسی کی شرط پر لی ہوئی چیز فروخت کرنا

سوال:... ایک آدمی جو کہ چلتے پھرتے سامان فروخت کرتا، ایک دُکان دار سے اس طرح نقد ادائیگی پر سامان خریدتا ہے، مثلاً صبح وہ دُکان دار سے ۱۰ گھڑیاں خریدتا ہے اور ساتھ یہ کہہ دیتا ہے کہ اگر شام تک مجھ سے ساری گھڑیاں فروخت ہوجاتی ہیں تو ٹھیک ہے اور اگر ان میں سے ایک یا دو یا کتنی بھی رہ جائیں تو آپ کو ان گھڑیوں کی قیمت منافع لئے بغیر واپس کرنی ہے۔ یعنی جس قیمت میں دُکان دار نے اس کو فروخت کی تھیں اسی قیمت میں واپس لے لیتا ہے اور یہ سلسلہ ہر روز اسی طرح جاری رہتا ہے۔

ہمارے ہاں بعض علماء کا خیال ہے کہ یہ طریقہ جائز نہیں ہے، لہٰذا قرآن و سنت کی روشنی میں ہماری رہنمائی فرمائیں۔

جواب:... یہ طریقہ صحیح ہے، جو گھڑیاں بک جائیں ان کا منافع متعین طور پر اس کو ملے گا، اور جو نہیں بکتیں اس کو واپس کردی جائیں گی، اور یہ اِقالہ ہوگا، گویا یہ بیع بشرطِ اِقالہ ہے،[1] واللہ اعلم!

ٹیوشن پڑھانے کی اُجرت لینا جائز ہے

سوال:... جو ٹیچرز حضرات بچوں کو اپنے گھروں پر ٹیوشن پڑھاتے ہیں، کیا یہ شرعی طور پر جائز ہے یا نہیں؟ حالانکہ اسکول سے اچھی تنخواہ بھی لیتے ہیں، اور پھر فی لڑکا ایک سو پچاس روپے ٹیوشن کا لیتے ہیں، قرآن و حدیث کی رُو سے اس مسئلے پر روشنی ڈالیں۔

اکثر قاری حضرات بھی لوگوں کے گھروں پر جاکر قرآن مجید پڑھاتے ہیں، مسجدوں سے بھی اچھی تنخواہ لیتے ہیں، ان کے لئے یہ جائز ہے یا کہ ناجائز؟

جواب:... ٹیوشن پڑھانے کی اُجرت لینا جائز ہے۔[2]

کیا ملازم آدمی فارغ وقت میں بچوں کو ٹیوشن پڑھا سکتا ہے؟

سوال:... میں کسی اِدارے میں ملازمت کرتا ہوں اور میری نامعقول تنخواہ ہے، اور گھر کی فیملی زیادہ ہے، گھر کا واحد سہارا ہوں، فارغ ٹائم میں بچوں کو ٹیوشن پڑھاتا ہوں، اور میں حافظِ قرآن ہوں، بچوں کو قرآنی تعلیم دیتا ہوں، جو تنخواہ ملتی ہے اس سے اپنی گھریلو ضروریات کو پورا کرتا ہوں، آپ قرآن حدیث کی روشنی میں بتائیں ٹیوشن فیس لینا جائز ہے کہ نہیں؟

---

(۱) وتصح بمثل الثمن الأوّل ... إلخ۔ (درمختار، باب الإقالة ج:۵ ص:۱۲۴)۔ أيضًا: الإقالة جائزة في البيع بمثل الثمن الأوّل لأن العقد حقهما فيملكان رفعه۔ (الجوهرة النيرة ج:۱ ص:۲۱۰ باب الإقالة)۔

(۲) ويفتى اليوم بصحتها لتعليم القرآن والفقه والإمامة والأذان۔ (قوله ويفتى اليوم بصحتها لتعليم القرآن إلخ) قال في الهداية: وبعض مشايخنا رحمهم الله تعالىٰ استحسنوا الإستئجار علىٰ تعليم القرآن اليوم لظهور التوانى في الأمور الدينية۔ (الدر المختار مع الرد المحتار ج:۶ ص:۵۵، مطلب في الإستئجار على الطاعات، أيضًا: كفاية المفتي ج:۷ ص:۳۲۶، ج:۷ ص:۳۱۶، كتاب المعاش)۔

جواب:... ٹیوشن ایک جز وقتی ملازمت ہے، پس فارغ وقت میں ٹیوشن پڑھائی جائے تو اس کی اُجرت لینا جائز ہے۔[1]

اسکول، کالج کے اساتذہ کا اپنے شاگردوں کو ٹیوشن پڑھانا

سوال:... آج کل ملک میں جو عام وبا پھیلی ہوئی ہے کہ اکثر اساتذہ اسکول و کالجوں کے ٹیوشن پڑھاتے ہیں، گورنمنٹ سے بھی تنخواہ لیتے ہیں اور بچوں سے فیس بھی جن کو ٹیوشن پڑھاتے ہیں، کیا ان کے لئے یہ فیس لینا جائز ہے یا ناجائز؟

جواب:... ٹیوشن لینا تو جائز ہے، مگر تعلیم گاہ میں بچوں پر توجہ نہ کرنا گناہ ہے۔

ویزے کے بدلے زمین رہن رکھنا

سوال ۱:... زید اور بکر کے درمیان اسٹامپ پر یوں معاہدہ ہوا کہ زید، بکر کے بیٹے کو دبئ میں نوکری کے لئے ایک ویزا دبئ سے خرید کر بکر کو دیں گے، اور ایک قطعہ زمین ویزے کی قیمت کے بدلے میں زید کو دی اور اس کا غلہ مقررہ مقدار زید کو دیتا ہے۔ زید نے بکر کے بیٹے کو ویزا بھی دیا اور نوکری کا انتظام بھی کر دیا، لیکن اب تک زمین میں بکر کا کسان کام کرتا ہے اور سال بھر میں ایک دفعہ مقررہ مقدار زید کو دیتا ہے۔ اسٹامپ مذکور میں ہے کہ دو سال کے بعد ویزے کی قیمت ادا کر کے بکر، زید سے دستبردار ہو جائے گا۔ اب سوال یہ ہے کہ اس صورت میں غلہ یا چاول زید کو لینا جائز ہوگا یا نہیں؟ سود ہونے کا کوئی اندیشہ تو نہیں؟ اگر ہے تو کیوں؟

سوال ۲:... مذکورہ بالا صورت میں زید نے اپنی جیب سے چھ ہزار درہم سے ویزا خریدا اور بکر نے اس قیمت کو دو سال میں ادا کرنے کا جو عہد کیا، وہ کس طرح جائز ہوگا؟ جواب مرحمت فرمائیں۔

جواب ۱:... پہلی صورت رہن کی ہے، یعنی ویزے کے بدلے زید کے پاس دو سال کے لئے زمین رہن رکھی گئی، رہن کی زمین کا منافع قرض کے بدلے وصول کرنا سود ہے، پس زید کے لئے اس زمین کا منافع حلال نہیں۔[2]

جواب ۲:... جتنی قیمت زید نے ویزے کی ادا کی ہے، اتنی قیمت مقررہ تاریخ کو ادا کر دی جائے، اگر زید قیمت کے بدلے غلہ لینا چاہے تو لے سکتا ہے، اور غلے کی مقدار جو بھی فریقین کے درمیان طے ہو جائے، صحیح ہے۔[3]

---

(۱) گزشتہ صفحے کا حاشیہ نمبر ۲ ملاحظہ کیجئے۔

(۲) الرهن شرعًا حبس شيء مالي بحق يمكن استيفاءه (قوله بحق) أي بسبب حق مالي (لَا انتفاع به مطلقا) لَا باستخدام ولَا سكنٰى ولَا لبس ولَا إجارة ولَا إعارة سواءً كان من مرتهن أو راهن۔ (رد المحتار ج:۶ ص:۴۸۲)۔ أيضًا: لَا يحل له أن ينتفع بشيء منه بوجه من الوجوه وإن أذن له الراهن لأنه أذن به في الربا لأنه يستوفي دينه كاملًا، فتبقى له المنفعة فضلًا فيكون ربا۔ (ردالمحتار ج:۶ ص:۴۸۲، كتاب الرهن)۔

(۳) هو (أي البيع) مبادلة المال بالمال بالتراضي۔ (البحر الرائق ج:۵ ص:۲۷۹، كتاب البيع)۔ وفي الهندية: أما تعريفه فمبادلة المال بالمال بالتراضي۔ (فتاوىٰ هندية ج:۳ ص:۲، كتاب البيوع)۔ كلٌّ يتصرف في ملكه كيف يشاء۔ (شرح المجلة ص:۶۵۴ رقم المادّة: ۱۱۹۲)۔

رشوت سے سچی توبہ کرنے کا طریقہ

سوال:... میرے والد آزادیٔ پاکستان پر ہجرت کر کے مستقل طور پر کراچی میں ہی مقیم ہوگئے تھے۔ میری پیدائش کی نسبت پاکستان سے وابستہ ہے۔ انڈیا سے ہجرت پر والد نے اپنی تیز طرار طبیعت اور فعال زبان وعیاری، مکاری سے جھوٹے سچے کلیم جمع کرا کر اچھی خاصی جائیدادیں قابو کیں، اس طرح ابتدائی ایام سے ہی پاکستان آمد پر خوش حالی کا دور ہم پر شروع ہوگیا، جبکہ لٹے پٹے قافلوں سے آنے والے لوگوں کو طویل عرصہ تک افلاس وغربت کا سامنا کرنا پڑا۔ دولت کی ریل پیل کی بنا پر میرے علاوہ پانچ بھائیوں کی دُنیاوی تعلیم وتربیت بڑے اعلیٰ طور پر مشنری اسکولوں میں ہوئی، چنانچہ مجھے فراغتِ تعلیم کے بعد فوری طور پر پولیس آفیسر کے طور پر ملازمت مل گئی، چھوٹے بھائی کو بینک آفیسر کی ملازمت ملی، اور دیگر برادران میں سے ایک کو انکم ٹیکس میں، ایک کو کسٹم میں جگہ ملی، ایک بھائی کو ''کے ڈی اے'' میں اور سب سے چھوٹے کو ''کے ای ایس سی'' میں ملازمت مل جانے پر تنخواہ کے علاوہ دِن دُگنی اور رات چوگنی کے مصداق خوب حرام کمائی بصورتِ رشوت آنا شروع ہوگئی، اور اس طرح دولت کے ڈھیر لگنا شروع ہوگئے۔ چونکہ ہم سب بھائیوں میں ایکا و یگانگت کا جذبہ بچپن سے ہی موجود تھا، چنانچہ ہم نے مشترکہ طور پر ایک عالی شان وسیع وعریض کوٹھی میں رہائش اختیار کی۔

راقم الحروف چونکہ پولیس میں اے ایس آئی بھرتی ہوا تھا، خوب رشوت کا بازار گرم رکھا، اور اعلیٰ عہدے داروں تک رسائی حاصل کی۔ جبکہ چھوٹے بھائیوں میں سے بینک آفیسر نے سود کی کمائی سے بڑے بڑے فائدے حاصل کئے، سودی قرضوں کے حصول اور بینکوں کے واجب الادا قرضے مع سود کے معاف کرانے میں جو نام اس نے پیدا کیا، دُنیائے بینکاری میں اس کی کوئی مثال پیش کرنا محال ہے۔ انکم ٹیکس میں ملازم میرے بھائی نے انسپکٹر کے عہدے سے وہ کچھ فوائد حاصل کئے کہ خاندان بھر میں تو جو نام پیدا ہونا تھا، وہ ہوا، البتہ معاشرے میں ''راشی بھائی'' سے موسوم ہونے پر بڑی شہرت پائی۔ کسٹم آفیسر ملازم میرے بھائی نے ایک اُصول بنا رکھا ہے کہ ''کسی کو نہیں بخشنا'' چنانچہ غیرممالک سے آنے والے پاکستانیوں سے غیرملکی اشیاء، قیمتی کپڑا، پُرتعیش سامان کے علاوہ فارن کرنسی میں ڈالر، پاؤنڈ، ین اور فرانک کی ریل پیل گھر میں رہتی۔ رشوت کے نوٹوں کی بے قدری کا حال یہ تھا کہ پچاس روپے کا پان اور مرغِ مسلم کی دعوت کرنا ان کا عام شیوہ تھا۔ البتہ کے ای ایس سی اور کے ڈی اے میں ملازم میرے دونوں مسکین بھائی رشوت ضرور لیتے لیکن ان کی آمدنی کا تقابل میرے اور دیگر چار بھائیوں کی آمدنیٔ رشوت کے مقابلے میں کم تھا۔ بہرحال روزانہ دو تین ہزار کی پیداوار وہ بھی کرہی لیتے تھے۔ اس طرح رشوت کی آمدنی کا دور دورہ رہا۔ ہر روز کی رقم رشوت رات کو بچوں کی موجودگی میں جمع کرنے پر فرمائشی لسٹ کے مطابق تقسیم کی جاتی اور باقی رقم کو بچت کے طور پر محفوظ کرلیا جاتا۔ نظرِ بد سے محفوظ رہنے کے لئے اکثر و بیشتر لنگر کا اہتمام کیا جاتا، جس میں غریب فقیروں کی شرکت کا بندوبست کیا جاتا، ہم سب اپنی کامیابی اسی میں تصوّر کرتے۔

مجھے ہوش اس وقت آیا جب پانی سر سے اُونچا ہوگیا، یعنی جب میرے تین بچے معذور بالترتیب پیدا ہوئے، ڈاکٹروں کا کہنا تھا کہ یہ لاعلاج ہیں، میں نے دولت اور اثر و رسوخ ان کے علاج کے لئے وقف کردیئے، لیکن بالآخر ایک میڈیکل کانفرنس میں پیش

کئے گئے موضوع کے ان الفاظ نے مجھے نااُمید کردیا کہ: ''سب سے زیادہ لاعلاج اور بھیانک بیماری پولیس والوں کی نومولود اولاد کو لاحق ہوتی ہے۔'' چنانچہ تحقیق کرنے پر مجھے اِحساس ہوا کہ رشوت خوروں کے گھروں کی زینت چونکہ حرام مال رشوت سے ہوتی ہے، چنانچہ لاعلاج بیماریاں بھی مفت میں راشی گھرانوں میں ہی پرورش پانے پر معصوم نومولود بچوں کو پیدائش سے ہی نصیب ہوجاتی ہیں۔ ان معصوموں کا کوئی قصور نہیں ہوتا۔ اصل ذمہ داری تو ان کے والدین راشی لوگوں کو سزا ملنی چاہئے، لیکن قدرت کا اِنتقام بھی بڑا بھیانک ہے۔ نطفہ چونکہ حرام سے قائم ہوتا ہے، اس لئے راشی والدین کو بھی سزا ملنا شروع ہوجاتی ہے۔

ان تمام عبرت انگیز نشانیوں کو پالینے پر میں نے رشوت لینا چھوڑ دی۔ لیکن جو رشوت لی گئی اس کے لئے آپ کا جواب ہے کہ اصل رقم حق داروں کو لوٹائی جائے۔ اس سلسلے میں میری دُشواری یہ ہے کہ ملازمت کے دوران میرا تقرر کئی تھانوں میں ہوا، جن جن لوگوں سے جائز و ناجائز کاموں پر میں نے خوب رشوت لی، وہ سب کے سب نہ تو میرے واقف کار تھے اور نہ ہی کوئی معروف شخصیت تھے کہ ان کی تلاش آسانی سے کی جاسکے، اکثر وفات پاگئے ہوں گے، اکثر و بیشتر نقل مکانی کرکے شہر میں کسی دُوسری جگہ یا شہر کراچی سے اندرونِ ملک چلے گئے ہوں گے، اب میں ان کو کیسے تلاش کروں؟ اور ان کی رقم ان کو کیسے واپس کروں؟ ایامِ جوانی میں تو خوب رشوت کا بازار گرم رکھا، اب بڑھاپے کی منازل سر پر ہیں، بے حد اَذیت محسوس کرتا ہوں، جبکہ میرے دیگر تمام بھائی باوجود میری ممانعت کے رشوت بلاخوف و خطر لیتے ہیں، میں خود کسی سے رقم طلب نہیں کرتا، اگر کوئی خود دے جائے تو لوٹاتا بھی نہیں، البتہ ماتحت عملہ ''مک مکا'' کرکے اَز خود ہی میرا حصہ مجھے خاموشی سے لفافے میں سربمہر کرکے پہنچادیتا ہے، جسے میں رَدّ بھی نہیں کرتا۔ میرے مقابلے میں میرے بھائی اپنے مذکورہ محکموں میں تو باقاعدہ رشوت مانگ کر طلب کرتے ہیں۔ بینک میں ملازم بھائی نے سود کے کام پر اَب کمیشن مقرر کیا ہوا ہے، شرعی طور پر میرے متعلق کیا حکم ہے؟ جواب دیں تاکہ اذیت سے چھٹکارا پاسکوں؟

جواب:... بکرم و محترم، السلام علیکم!

اللہ تعالیٰ کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ مرنے سے پہلے آپ کو گناہ کا اِحساس ہوگیا، اور ساتھ کے ساتھ اس گناہ کی تلافی کا بھی اِحساس ہوگیا، اگر خدانخواستہ آدمی گناہ کی حالت میں مرجائے اور گناہ سے توبہ بھی نہ کرے تو اس کا جو حشر ہوگا، اللہ تعالیٰ اس سے پناہ میں رکھے! آپ کا معاملہ بہت پیچیدہ اور نازک ہے، اس سلسلے میں چند باتیں گوش گزار کرتا ہوں:

۱:... آج تک جتنی رشوت لی ہے، خواہ اس کی مقدار کتنی بھی ہے، اس پر سچے دِل سے توبہ کریں، اور گھر میں بھوکے اور پیاسے مرجانا بہتر ہے، بہ نسبت اس کے کہ رشوت کا ایک پیسہ گھر میں آنے دیں۔ آپ کے جو اہلکار آپ کو بند لفافے میں رقم پہنچادیتے ہیں، ان کو صاف بتادیں کہ میں اس کو زہر سمجھتا ہوں، اور کسی قیمت پر بھی رشوت کا پیسہ کھانے کا روادار نہیں ہوں، اس لئے وہ یہ سلسلہ بند کردیں۔ اور اس سلسلے میں آپ کو عزیز و اقارب کی جانب سے، دوست احباب کی جانب سے، بیوی بچوں کی جانب سے، خواہ کتنی ہی مزاحمت کا سامنا کرنا پڑے، مگر آپ یہ تصوّر کرلیں کہ میرا آخری دَم ہے، اور ان لوگوں کا راضی ہونا یا ناراض ہونا میرے لئے یکساں ہے۔

۲:...اوّل سے لے کر آخر تک جتنا روپیہ آپ نے رشوت کا لیا ہے، ندامت کے ساتھ اس پر اللہ تعالیٰ سے معافی مانگیں، اور اللہ تعالیٰ سے وعدہ کریں کہ یا اللہ! جو زہر میں نے کھایا ہے، قبر اور حشر میں اس پر مؤاخذہ نہ فرمایئے۔ خوب رو رو کر اللہ سے معافی مانگیں۔[1]

۳:... پوری زندگی میں جتنا رشوت کا پیسہ آپ نے لیا ہے، اس کا اندازہ کریں، اور یہ اللہ تعالیٰ سے عہد کریں کہ میں اس روپے کو واپس کروں گا۔

۴:...جن لوگوں کا نام اور پتا آپ کو معلوم ہے، ان میں سے ہر ایک کے پاس جائیں، اور ہر ایک سے یہ بات کہیں کہ میں نے تم لوگوں سے جو رشوت کا روپیہ پیسہ لیا ہے، راہِ اللہ مجھے معاف کردو، اور اگر معاف نہیں کرسکتے تو اِن شاء اللہ میں کوشش کروں گا کہ آہستہ آہستہ تمہاری رقم واپس لوٹادوں۔[2]

۵:...اور جن لوگوں کا آپ کو علم نہیں، یا آپ کے ذہن میں نہیں، اندازہ کریں کہ آپ نے ان سے کتنا روپیہ لیا ہوگا؟ اور آپ اللہ تعالیٰ سے وعدہ کریں کہ اللہ تعالیٰ توفیق عطا فرمائے اتنا روپیہ ان لوگوں کی طرف سے غربا اور مساکین کو دیں،[3] اور اگر اس کے لئے آپ کو اپنا مکان فروخت کرنا پڑے، تو اس سے بھی دریغ نہ کریں۔ یہ چند چیزیں میں نے مختصراً ذکر کی ہیں، اگر مزید کسی چیز کی وضاحت مطلوب ہو تو آپ میرے پاس تشریف لائیں، والسلام!

دُوسرے کا جانور پالنے کی اُجرت لینا

سوال:...گائے یا بھینس کسی کو پالنے کے لئے دینا اُس سے یہ کہنا کہ جانور میں نے لے کے دیا ہے، چارہ وغیرہ سنبھال کر تم کرنا، دُودھ بھی تمہارا ہے، باقی اس جانور اور ان کے بچوں میں آدھا تمہارا اور آدھا ہمارا ہے، کیا یہ شرعی نقطۂ نگاہ سے جائز ہے؟

جواب:... یہ معاملہ شرعی نقطۂ نظر سے جائز نہیں۔ جانور اس کا ہوگا جس کی ملکیت ہے، اور اس کی پرورش کرنے والے کو

---

(۱) "یٰأیها الذین اٰمنوا توبوا إلی الله توبة نصوحًا عسٰی ربکم أن یکفر عنکم سیئاتکم ویدخلکم ...إلخ۔ (التحریم:۸)۔ "ربنا لَا تؤاخذنا إن نسینا أو أخطأنا" (البقرة:۲۸۶)۔

(۲) ان التوبة من الرشوة برد المال إلی صاحبه ...إلخ۔ (البحر ج:۶ ص:۲۸۶)۔ وإن کانت (أی التوبة) عما یتعلق بالعباد فإن کانت من مظالم الأموال فیتوقف صحة التوبة منها مع ما قدمناه فی حقوق الله علی الخروج عن عهدة الأموال وارضاء الخصم فی الحال أو الإستقبال بأن یتحلل منهم أو یردها إلیهم أو إلی من یقوم مقامهم من وکیل أو وارث۔ (شرح فقه الأکبر ص:۱۹۳، بیان أقسام التوبة)۔

(۳) الحاصل: انه إن علم أرباب الأموال وجب رده علیهم، وإلّا فإن علم عین الحرام، لَا یحل له، ویتصدق به بنیة صاحبه۔ (ردالمحتار ج:۵ ص:۹۹)۔ وفی القنیة: رجل علیه دیون لأناس لَا یعرفهم من غصوب ومظالم وجنایات یتصدق بقدرها علی الفقراء علی عزیمة القضاء إن وجدهم مع التوبة إلی الله فیعذر۔ (شرح فقه الأکبر ص:۱۹۳، بیان أقسام التوبة)۔

مناسب اُجرت ملے گی۔[1]

اُجرت سے زائد رقم دینے کا فیشن

سوال:۔ ہمارے معاشرے میں ایک بڑی خامی یہ ہے کہ وہ غیروں کی اندھی تقلید میں ہر اس نئی چیز کو اپنانے سے پہلے اسے اپنے دِینی اُصولوں کی کسوٹی پر پرکھنا بھول جاتا ہے۔ جسے ہمارے معاشرے ہی کی خراب ذہنیت ''فیشن'' کا خوبصورت لبادہ پہنا کر ہمیں غلط راستوں پر چلانے کے لئے پیش کرتی ہے۔ شاید یہی وجہ ہے کہ اب ہمارے اندر اچھائی اور بُرائی میں تمیز کرنے کا شعور ختم ہوتا جارہا ہے، اور بُرائیاں اب اچھائیاں بن کر سامنے آنے لگی ہیں۔ لیکن ہمارے اندر اپنے دِینی اُصولوں کے احترام اور ان پر سختی سے عمل کرنے کا جذبہ موجود ہو تو اس احتسابی عمل کی بدولت ہم آج بھی بہت سی بُرائیوں اور فضول لتوں سے بچے رہ سکتے ہیں۔

''ٹپ''، ''بخشش'' یا ''اُوپر کی آمدنی'' بھی ایک وبائی اور فضول لت ہے، جس کا مطلب کسی خدمت گار کو اس کی خدمتوں کے طفیل اس کے مقررہ معاوضے کے علاوہ فاضل انعام دینا ہے۔ اب تک تو اسے فضول خرچی اور معیوب سمجھا جاتا تھا، مگر اب بدلتے ہوئے حالات کے ساتھ ساتھ اسے رسم کا نام دے کر معاشرے میں اس کے باعزت نفاذ کی کوششیں کی جانے لگی ہیں۔ کچھ لوگوں کی نظر میں یہ معاشرتی شان اُونچی کرنے کا جواز ہو، مگر ایسے لوگوں کی تعداد بھی یقیناً کم نہ ہوگی جو اسے پہلے ہی سے بگڑے ہوئے معاشرے کو مزید بگاڑنے کا سبب قرار دیں گے۔ ہوٹل کی ''ٹپ''، سرکاری دفاتر میں رُکے ہوئے کام کرانے کا ''نذرانہ''، ''انعام'' یا ''رشوت''، کسی بڑے آدمی کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے تحفے تحائف کے تبادلے، رکشا، ٹیکسی والوں کے علاوہ خوانچہ فروشوں سمیت مختلف شعبوں میں اپنی طے شدہ اُجرت سے زائد پیسے وصول کرنے کے رواج کو کسی شک و شبہ کی گنجائش کے بغیر بُرائیوں اور گناہوں کی فہرست میں شامل کیا جاسکتا ہے۔ لیکن افسوس ہے کہ دِینی ہدایات کو فراموش کرتے ہوئے آج خود مسلمان اسے اپنا حق اور معاشرتی ضرورت سمجھنے لگے ہیں۔ دراصل ان بُرائیوں کے محرک وہی لوگ ہوتے ہیں جن کے دِلوں میں ''اُوپر کی آمدنی'' کا تصوّر پختہ گھر بنالیتا ہے، اور ان کی حوصلہ افزائی وہ لوگ کرتے ہیں جن کے ہاں ناجائز دولت کی ریل پیل ہوتی ہے، وہ ناجائز کماتے ہیں اور ناجائز دے دیتے ہیں۔ وہ نہیں جانتے کہ ان کی حرکتوں سے ایک تو غرباء افلاس کی چکی میں بُری طرح پس جاتے ہیں اور دُوسرے معاشرے کی تباہی کا سامان الگ پیدا ہوتا ہے۔

---

(۱) إذا دفع البقرة بالعلف، ليكون الحادث بينهما نصفين، فما حدث فهو لصاحب البقرة ولذٰلك لرجل مثل علفه الذي علفه وأجر مثله لمن قام عليها۔ (الفتاوى التتارخانية ج:۵ ص:۲۷۰ كتاب الشركة)۔ وفي الفتاوى الهندية (ج ۴ ص ۴۴۵، الفصل الثالث في قفيز الطحان): دفع بقرة إلى رجل على أن يعلفها، وما يكون من اللبن والسمن بينهما أنصافًا فالإجارة فاسدة، وعلى صاحب البقر للرجل أجر قيامه وقيمة علفه إن علفها من علفٍ هو ملكه، لا ما سرحها في المرعى ...... وكذا لو دفع الدجاج على أن البيض بينهما لا يجوز، والحادث كله لصاحب الدجاج۔

جواب:... کسی شخص کو اس کے مقررہ معاوضے سے زائد رقم دے دینا تو شرعاً جائز بلکہ مستحب ہے،[1] لیکن یہاں چند چیزیں قابلِ لحاظ ہیں:

۱:... لینے والوں کو اپنے مقررہ معاوضے سے زیادہ کی طمع اور حرص نہیں ہونی چاہئے۔

۲:... اگر کوئی شخص اِنعام نہ دے تو نہ اس سے مطالبہ کیا جائے،[2] نہ اس کو بخیل سمجھا جائے کہ شرعاً یہ دونوں باتیں حرام ہیں۔[3]

۳:... جو چیز حرام کا ذریعہ بنے وہ بھی حرام ہوتی ہے،[4] مثلاً: پیشہ ورانہ طور پر بھیک مانگنا حرام ہے، اور جو لوگ ان پیشہ ورانہ بھکاریوں کو پیسے دیتے ہیں وہ گویا ان کو بھیک مانگنے کا خوگر اور عادی بناتے ہیں۔ اس لئے بعض علمائے وقت نے تصریح کی ہے کہ صرف پیشہ ور بھکاریوں کا بھیک مانگنا ہی حرام نہیں، ان کو دینا بھی حرام ہے۔[5] اسی طرح اگر زائد رقم دینے کے ذریعے ان حضرات میں مطالبہ کرنے کی عادت پڑنے اور نہ دینے والے کو بخیل اور حقیر سمجھنے کا مرض پیدا ہو جائے تو یہ سب خود لائقِ ترک ہو جائے گا۔

بنجر زمین کی ملکیت

سوال:... سنا ہے بنجر زمین جس آدمی نے آباد کی ہو، وہ اس کے لئے حلال ہے، کاغذات مال میں ملکیت کا کوئی وزن نہیں ہے۔

جواب:... یہ مسئلہ اس بنجر زمین کا ہے جس کا کوئی مالک نہ ہو، اور اس کو حکومت کی اجازت سے آباد کیا جائے، جس بنجر زمین کے مالک موجود ہوں اس کا ہتھیا لینا جائز نہیں۔[6]

( ) عن أبي هريرة قال: كان لرجل على النبي صلى الله عليه وسلم سن من الإبل فجاءه يتقاضاه، فقال: أعطوه! فطلبوا سنه فلم يجدوا له إلّا سنا فوقه، فقال: أعطوه! فقال: أوفيتني أوفى الله لك، قال النبي صلى الله عليه وسلم: إن خياركم أحسنكم قضاءً. صحيح البخاري ج:۱ ص:۳۲۲ باب أحسن القضاء. وأيضًا: پیغمبر صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم چوں دَین ادا کردے، زیادہ از قدرِ واجب دادے، بجائے نیم وسق یک وسق، و بجائے یک وسق دو وسق دادے، وی فرمود کہ ایں قدر حق تست، وایں قدر افزونی از من است، ایں زیادہ دادن بے شرط ربا نیست، جائز است، بلکہ مستحب است۔ (مالابدمنہ، فارسی، کتاب التقویٰ ص:۱۰۶، طبع مکتبہ شرکت علمیہ ملتان)۔

(۲) عن أبي حرة الرقاشي عن عمه رضي الله عنه قال. قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: ألَا لَا تظلموا! ألَا لَا يحل مال امرىءٍ إلّا بطيب نفس منه. (مشكوة ص:۲۵۵، كتاب البيوع، باب الغصب والعارية).

(۳) "يَأيها الذين امنوا لَا يسخر قوم من قوم عسى أن يكونوا خيرًا منهم" (الحجرات:۱۱).

(۴) لأن الأصل أن سبب الحرام حرام. (هداية ج:۴ ص:۴۹۲).

(۵) ولَا يحل أن يسأل شيئًا من القوت من له قوت يومه ويأثم معطيه إن علم بحاله لإعانته على المحرم. (الدر المختار ج:۲ ص:۳۵۴، ۳۵۵، باب المصرف).

(۶) عن عائشة رضي الله عنها أن النبي صلى الله عليه وسلم قال: من عمّر أرضًا ليست لأحد فهو أحق. (جامع الأصول ج:۱ ص:۳۴۷، رقم الحديث:۱۳۰). عن اسمر بن مضرس رضي الله عنه قال: أتيت النبي صلى الله عليه وسلم ... من سبق إلى ما لم يسبقه مسلم فهو له. (أبوداؤد، كتاب الخراج ج:۲ ص:۸۱، طبع امداديه)۔ ...

(باقی اگلے صفحے پر)

مزدوروں کا بونس، مالک خوشی سے دے تو جائز ہے

سوال:... مزدوروں کو بونس لینا جائز ہے یا نہیں؟

جواب:... مالک خوشی سے دے تو جائز ہے۔[1]

ناجائز کمائی بچوں کو کھلانے کا گناہ کس پر ہوگا؟

سوال:... ایک باپ اپنے بچوں کو ناجائز طریقے سے کمائی ہوئی دولت کھلاتا ہے، یہاں تک کہ بچے بالغ اور سمجھ دار ہوجاتے ہیں اور بچوں کو یہ معلوم ہوتا ہے کہ ہمارے باپ نے ہمیں حرام کی کمائی کھلائی، تو کیا بچوں کو اپنے والدین سے الگ ہوجانا چاہئے؟ کیونکہ اگر بچے ابھی اس قابل نہیں ہوئے کہ خود کما کھاسکیں تو بچوں کو کیا کرنا چاہئے؟ کیا باپ کا گناہ بچوں کو بھی ہوگا یا صرف باپ ہی کو ہوگا؟ اس بارے میں قرآن وسنت کے مطابق تفصیل سے بیان فرمائیے۔

جواب:... بالغ ہونے اور علم ہوجانے کے بعد تو بچے بھی گناہگار ہوں گے، لہٰذا ان کو اس قسم کی کمائی سے پرہیز کرنا چاہئے،[2] اور اگر یہ ممکن نہ ہو تو پھر الگ ہونا چاہئے۔ البتہ والدین کی خدمت واکرام میں کوئی کمی نہ کریں، اور ان کی ضروریات اگر ہوں تو اس کو بھی پورا کیا کریں۔

کھلے پیسے ہوتے ہوئے کہنا: ''نہیں ہیں''

سوال:... میں دُکان دار ہوں، لوگ کھلے پیسے لینے آتے ہیں، ذاتی ضرورت کے لئے ہوتے ہیں، اس لئے ہم کہتے ہیں کہ: ''نہیں ہیں'' کیا یہ جھوٹ میں شمار تو نہ ہوگا؟ تو کیا کہنا چاہئے؟

جواب:... جھوٹ نہ بولا جائے،[3] کسی مناسب تدبیر سے عذر کردیا جائے۔

سفر میں گاہکوں کے لئے گراں فروش ہوٹل سے ڈرائیور کا مفت کھانا

سوال:... کراچی، حیدرآباد اور بعض دیگر مقامات پر بس والے ہوٹلوں پر بسیں روکتے ہیں اور مسافران ہوٹلوں پر کھانا کھاتے، مشروبات پیتے ہیں، اور عام ریٹ سے ہوٹل والے زیادہ رقم لیتے ہیں، جبکہ ڈرائیور، بس کا عملہ یا ان کا مہمان بھی کھانے میں

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)...... ...أيضًا: إذا أحيا مسلم أو ذمي أرضًا غير منتفع بها وليست بمملوكة لمسلم ولَا ذمي فلو مملوكة لم تكن مواتًا فلو لم يعرف مالكها فهي لقطة ملكها عند أبي يوسف وهو المختار كما في المختار ...... إن أذن له الإمام في ذلك وقالَا يملكها بلا إذنه ...إلخ۔ (الدر المختار ج:۶ ص:۴۳۱، ۴۳۲ كتاب إحياء الموات)۔

(۱) عن أبي حرة الرقاشي عن عمه رضي الله عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: ألَا لَا تظلموا! ألَا لَا يحل مال امرىء إلّا بطيب نفس منه۔ (مشكوٰة ص:۲۵۵، كتاب البيوع، باب الغصب والعارية)۔

(۲) عن عائشة ان رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: رفع القلم عن ثلاثة ...... وعن الصغير حتّٰى يكبر ...إلخ۔ (ابن ماجة ص:۱۴۷ باب طلاق المعتدة والصغير)۔

(۳) قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: ان الكذب فجور وان الفجور يهدي إلى النار۔ (مشكوٰة ج:۲ ص:۴۱۲)۔

شریک ہوتا ہے، اور ان سے رقم نہیں لی جاتی، تو آیا یہ کھانا ڈرائیور اور دیگر عملے کے لئے حلال ہے یا حرام؟

جواب:... اگر ہوٹل والے ڈرائیور اور اس کے مہمان کو بوجہ واقفیت اور دوستی اور احسان کے بدلے کے طور پر مفت کھانا کھلاتے ہیں تو جائز ہوگا، اگر اس لئے کھلاتے ہیں کہ وہ گاڑی وہاں کھڑی کریں تاکہ وہ گاہکوں سے زیادہ قیمت وصول کریں تو جائز نہیں۔ (۱)

کوچ بس کا من مانے ہوٹل پر اسٹاپ کر کے مفت کھانا کھانا

سوال:... کراچی سے کوئٹہ اور کوئٹہ سے کراچی تک کوچ بسیں چلتی ہیں، ہر کوچ میں تقریباً کم و بیش ۵ سے ۸ آدمیوں کا عملہ ہوتا ہے، اور راستے میں ہر بس کھانے اور چائے کے لئے اسٹاپ کرتی ہے، اور کوچ والوں کا ہوٹل مالکان سے معاہدہ ہوتا ہے کہ ہم گاڑی کی سواری آپ کے ہوٹل پر اسٹاپ کریں گے، آپ جانیں، سواریاں جانیں، مہنگا دیں یا سستا، وہ آپ کا کام ہے، لیکن ہماری بس میں جتنا عملہ ہوگا مع کبھی کبھار مہمان کے، ان تمام افراد کے لئے اعلیٰ قسم کا کھانا مفت ہوگا، اور کھانے میں بھی بے حساب چیزیں ہوں گی، مثلاً کھانے کے بعد بوتلیں وغیرہ بھی شامل ہوتی ہیں، اگر ایسا نہیں تو ہم بس کا اسٹاپ دُوسری جگہ کرتے ہیں۔

ہوٹل والا یہ کھانا بس کے عملے کو تو مفت دیتا ہے، لیکن اس کی کسر سواریوں سے نکالتا ہے، کھانا بے انتہا مہنگا بھی دیتا ہے اور خراب بھی ہوتا ہے۔ لہٰذا معلوم یہ کرنا ہے کہ یہ مفت کھانا ان ڈرائیوروں اور بس عملے کو جائز ہے یا نہیں؟ نیز اس لالچ کی وجہ سے ہوٹل کی آمدنی جائز ہے یا نہیں؟

جواب:... جو صورت آپ نے لکھی ہے، اس کے مطابق ڈائیور اور ان کے رُفقاء جو مفت کا کھانا کھاتے ہیں، یہ رشوت کا کھانا ہے، جو ان کے لئے حلال نہیں، (۲) رشوت دینے میں ہوٹل والے بھی گناہگار ہیں، تاہم ان کی کمائی حلال ہے۔

ڈاک لفافہ، کارڈ وغیرہ مقرّرہ ریٹ سے زیادہ پر فروخت کرنا

سوال:... ڈاک خانے کے لفافے، پوسٹ کارڈ، رسیدی ٹکٹ وغیرہ زیادہ قیمت پر فروخت کرنا صحیح ہے کہ غلط؟

جواب:... زائد قیمت لینا جائز ہے، قانوناً شاید جائز نہیں۔ (۳)

---

(۱) أما الحلال من الجانبين فهو الإهداء للتود والمحبة وليس هو من الرشوة. (البحر الرائق ج:۶ ص:۲۶۲). في البرجندي: الرشوة مال يعطيه بشرط ان يعينه كذا في فتاوىٰ قاضيخان. (كشاف إصطلاحات الفنون ج:۱ ص:۵۹۵ طبع سهيل اكيڈمي).

(۲) وفي البرجندي: الرشوة مال يعطيه بشرط أن يعينه كذا في فتاوىٰ قاضي خان. (مجموعة قواعد الفقه ص:۳۰۷). لعن رسول الله صلى الله عليه وسلم الراشي أي معطي الرشوة، والمرتشي أي آخذها .... وانما يلحقهم العقوبة معًا إذا استويا في القصد والإرادة، ورشا المعط لينال به إلى الظلم ...إلخ. (بذل المجهود ج:۴ ص:۳۰۷، البحر ج:۶ ص:۲۸۵).

(۳) ويجوز للمشتري ان يزيد البائع في الثمن ...إلخ. (الجوهرة، باب المرابحة والتولية ج:۱ ص:۲۱۳). أيضًا. ومن اشترى شيئًا وأغلى في ثمنه جاز. (فتاوىٰ عالمگيري ج:۳ ص:۱۶۱ الباب الرابع عشر).

محصول چنگی نہ دینا شرعاً کیسا ہے؟

سوال:... محصول چنگی لینا دینا کیسا ہے؟ اگر کوئی شخص مال چھپا کر لے گیا تو اس کے لئے وہ مال کیسا ہے؟ اور کیا چنگی ٹھیکے دار کو اس کی شکایت لگانا چاہئے؟

جواب:... محصول چنگی شرعاً جائز نہیں،[1] اگر مال و آبرو کا خطرہ نہ ہو تو نہ دی جائے۔[2]

شاپ ایکٹ کی شرعی حیثیت اور جمعة المبارک کے دن دُکان کھولنا

سوال:... عرض یہ ہے کہ اسلامی مسائل کے بارے میں آپ کے کالم میں برابر پڑھتا ہوں، اور آج مجھے بھی ایک مسئلہ درپیش ہے۔ میں نے کئی علماء سے سنا ہے کہ "جمعة المبارک کے دن مسلمانو! تم پاک صاف ہوکر مسجد میں جاؤ اور نماز ادا کرو، اور نماز کے بعد تم زمین پر رزق کی تلاش میں پھیل جاؤ، اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تجارت اچھا پیشہ ہے اور اپنے پیشے میں امانت اور دیانت سے محنت کرو اور رزق کماؤ۔" اب مسئلہ یہ ہے کہ پاکستان میں ایک قانون ہے، جسے شاپ ایکٹ کا قانون کہتے ہیں، اس قانون کے تحت رات ۸ بجے کے بعد دُکان کھولنا یا زیادہ محنت کرنا یا جمعة المبارک کے دن (نمازِ جمعہ سے پہلے یا نمازِ جمعہ کے بعد) دُکان کھولنا جرم ہے۔ آپ یہ بتائیے کہ کیا اسلام میں رات ۸ بجے کے بعد دُکان کھولنا یا زیادہ محنت کرنا یا جمعة المبارک کے دن (علاوہ نمازِ جمعہ کے) دُکان کھولنا جائز ہے یا جرم ہے؟ شاپ ایکٹ کے ایک صاحب مجھے سال بھر سے اس سلسلے میں پریشان کر رہے ہیں اور میرے اُوپر جرمانے کرتے ہیں۔ آپ کو اس مسئلے کو آسانی سے سمجھنے کے لئے میں یہ وضاحت کردُوں کہ ہماری دُکان محلے میں ہے، ہم اسی پلاٹ میں رہتے بھی ہیں، ہماری دُکان میں کوئی ملازم نہیں ہے۔ ہم دو بھائی مل کر دُکان کرتے ہیں، ساتھ ہی تعلیم بھی حاصل کرتے ہیں۔ میں "بی کام" کا طالب علم ہوں اور ہمارا ذریعہ معاش بھی یہی دُکان ہے، والد صاحب اور والدہ صاحبہ فوت ہوچکے ہیں۔ ہم سب چھوٹے بھائی بہن ساتھ ہی رہتے ہیں، ان حالات کی بنا پر کبھی دُکان دیر تک کھلی رکھنی پڑتی ہے اور کبھی جمعة المبارک کو کھولنے کی نوبت آجاتی ہے۔ دُوسرے محلے میں دُکان داری بھی چھٹی کے دنوں یا رات ۹ یا ۱۰ بجے تک ہوتی ہے۔ ابھی ۲۱ر دسمبر کو جمعہ کے دن محرّم کا چاند ختم ہونے کی وجہ سے میں دُکان کی صفائی کر رہا تھا کہ پھر شاپ ایکٹ والے صاحب آگئے اور دُکان کھولنے پر میرا چالان کردیا۔ جبکہ میں نے انہیں بتایا کہ میں صفائی کر رہا ہوں، لیکن وہ نہیں مانے۔ لہٰذا میں مجبور ہوکر یہ خط آپ کو لکھ رہا ہوں کہ آپ اس مسئلے

---

(۱) کیونکہ یہ ظلم ہے اور جس طرح ظلم ناجائز اور حرام ہے اسی طرح ظلم کی اعانت بھی ناجائز ہے، اور چنگی ادا کرنے سے ظلم کی اعانت ہوتی ہے، لہٰذا ناجائز ہے۔ (فتاوی محمودیة ج:۱۷ ص:۱۳۸ باب المتفرقات)۔ قال الله تعالیٰ: "وَلَا تأكلوا أموالكم بينكم بالباطل" الآية (البقرة: ۱۸۸)۔ قال الإمام البغوي في المعالم تحت هذه الآية: (بالباطل) بالحرام يعني بالربا والقمار والغصب والسرقة والخيانة ونحوها. (معالم التنزيل ج:۲ ص:۵۰)۔ ولَا يجوز لأحد من المسلمين أخذ مال بغير سبب شرعي. (فتاویٰ هندية ج:۴ ص:۴۶۰)۔

(۲) الضرورات تبيح المحظورات أي ان الأشياء الممنوعة تعامل كالأشياء المباحة وقت الضرورة. (شرح المجلة ص:۲۹، رقم المادة: ۲۱)۔

کی وضاحت کریں کہ شاپ ایکٹ کا قانون، اسلامی نظریے سے صحیح ہے یا غلط؟

جواب:... نمازِ جمعہ کی اَذان سے لے کر نماز سے فارغ ہونے تک خرید و فروخت جائز نہیں۔[۱] اس کے علاوہ دُکان کھولنے میں شرعاً کوئی پابندی نہیں۔ بلکہ قرآنِ کریم میں صاف ارشاد ہے کہ جب نماز اَدا ہوچکے تو زمین پر پھیل جاؤ اور اللہ تعالیٰ کا رزق تلاش کرو۔[۲] رہا وہ قانون جس کا آپ نے حوالہ دیا ہے، تو ہمارے ملک میں جہاں اور بے شمار قوانین غیر اِسلامی ہیں، انہیں میں اس کو بھی شامل سمجھئے۔

رکشا، ٹیکسی یومیہ کرائے پر چلانا

سوال:... اکثر ٹیکسی اور رکشا ڈرائیور کرائے پر ٹیکسی یا رکشا چلاتے ہیں، یہ ٹیکسی یا رکشا ان کی ملکیت نہیں ہوتا، وہ مالک سے ایک متعینہ معاہدے کے تحت گاڑی چلاتے ہیں، چنانچہ شام کو پیٹرول وغیرہ کی رقم منہا کر کے جتنی رقم روزانہ کی آمدنی سے بچ جاتی ہے، وہ ٹیکسی یا رکشے کے مالک کی ہوتی ہے، اور ڈرائیور طے شدہ معاہدے کے تحت اپنی مخصوص رقم لے لیتا ہے، کیا یہ شرعاً جائز ہے؟

جواب:... مذکورہ صورت میں کسی شخص کا اس طرح معاہدے کے تحت ٹیکسی یا رکشا چلاکر کمانا یا کرائے پر لینا شرعاً دُرست ہے، اس میں کوئی قباحت نہیں۔[۳]

رِکشے کے میٹر کو غلط کر کے زائد پیسے لینا

سوال:... ہمارے محلے میں اکثریت رکشا، ٹیکسی والوں کی ہے، ان لوگوں کے ساتھ اکثر میری تکرار ہوجاتی ہے، حکومت نے رکشا اور ٹیکسی کا میٹر فی میل مقرّر کیا ہوا ہے، جبکہ یہ لوگ کہتے ہیں کہ حکومت وقتاً فوقتاً پیٹرول مہنگا کرتی ہے اور رکشا، ٹیکسی کا کرایہ زیادہ نہیں کرتی، اس لئے ہمارا موجودہ ریٹوں پر گزارہ نہیں ہوتا، لہٰذا مجبوراً ہم رکشا اور ٹیکسی کے میٹر کو تیز کروانے پر مجبور ہیں۔ اس سلسلے میں شرعی رہنمائی مطلوب ہے کہ یہ زائد رقم جو حکومتی ریٹوں کے علاوہ میٹر تیز ہونے کی وجہ سے حاصل ہوتی ہے جائز ہے یا نہیں؟

جواب:... جو لوگ رکشا، ٹیکسی پر سفر کرتے ہیں، ان کے ذہن میں تو یہی ہے کہ رکشا، ٹیکسی والے حکومت کے مقرّر کردہ ریٹ پر چلتے ہیں، اس صورت میں رکشا، ٹیکسی والے کا اپنے طور پر کرایہ بڑھا کر وصول کرنا مسافر کی رضامندی سے نہیں، بلکہ دھوکے

---

(۱) وإذا أذّن المؤذّنون الأذان الأوّل ترک الناس البیع والشراء وتوجهوا إلی الجمعة .... والمراد من البیع والشراء ما یشغلهم عن السعی حتّٰی انه إذا اشتغل بعمل آخر سواه یکره أیضًا۔ (الجوهرة النیرة ج:۱ ص:۹۳ کتاب الصلٰوة، باب صلٰوة الجمعة)۔

(۲) "یٰٓأیها الذین اٰمنوا إذا نودی للصلٰوة من یوم الجمعة فاسعوا إلٰی ذکر الله وذروا البیع ذٰلکم خیر لکم إن کنتم تعلمون. فإذا قضیت الصلٰوة فانتشروا فی الأرض وابتغوا من فضل الله" الآیة (الجمعة:۹، ۱۰)۔

(۳) لا تصح الإجارة إلّا بشرطین: ۱- أن تکون المنافع معلومة، ۲- أن تکون الأجرة معلومة۔ (الفقه الحنفی ج:۲ ص:۸۲، کتاب الإجارة، شروط صحة الإجارة)۔

سے ہے، اس لئے زائد رقم ان کے لئے حلال نہیں۔[1] البتہ اگر مسافر سے یہ طے کرلیا جائے کہ میں اتنے پیسے زائد لوں گا اور وہ اس پر راضی ہوجائے تو جائز ہے۔

رکشا، ٹیکسی والے کا میٹر سے زائد پیسے لینا

سوال:... کیا رکشا، ٹیکسی والوں کے لئے جائز ہے کہ میٹر جو کرایہ بتاتے ہیں مثلاً ۴/۲۰، ۸/۸۰، یا ۱۳/۴۰ روپے وغیرہ وغیرہ، مگر ان کو: ۵، ۱۰ یا ۱۵ روپے دے دو تو وہ سب جیب میں ڈال لیتے ہیں اور بقایا واپس نہیں کرتے۔ کیا ان زائد پیسوں کو صدقہ، خیرات یا زکوۃ سمجھ کر چھوڑ دینا چاہئے؟ مہربانی فرماکر جواب شائع فرمائیں تاکہ وہ لوگ جو ناجائز لینا یا دینا گناہ سمجھتے ہیں ان کو معلوم ہوجائے کہ وہ گناہ کر رہے ہیں یا نہیں؟

جواب:... اصل اُجرت تو اتنی ہی بنتی ہے جتنی میٹر بتائے، زائد پیسے کرایہ دار واپس لے سکتا ہے، لیکن اس معاملے میں لوگ زیادہ کد و کاوش نہیں کرتے، اگر روپے سے اُوپر کچھ پیسے ہوجائیں تو پورا روپیہ ہی دے دیتے ہیں۔ پس اگر کوئی خوشی سے چھوڑ دے تو رکشا، ٹیکسی والوں کے لئے حلال ہے، اور اگر کوئی مطالبہ کرے تو واپس کرنا ضروری ہے۔[2]

سوال:... بعض اوقات یہ بھی ہوتا ہے کہ رکشا والا میٹر سے زیادہ پیسے مانگتا ہے، کیا میٹر سے زیادہ پیسے اس کے لئے حلال ہیں؟

جواب:... اس کی دو صورتیں ہیں۔ ایک یہ کہ رکشا، ٹیکسی والے نے سفر شروع کرنے سے پہلے ہی وضاحت کردی ہو کہ وہ اتنے پیسے میٹر سے زیادہ لے گا، یہ تو اس کے لئے حلال ہیں، اور سواری کو اختیار ہے کہ ان زائد پیسوں کو قبول کرے یا اس کے ساتھ نہ جائے۔[3] دُوسری صورت یہ ہے کہ منزل پر پہنچنے کے بعد زائد پیسے مانگے، یہ جائز نہیں، کیونکہ اس صورت میں گویا معاہدہ میٹر پر چلنے کا تھا، معاہدے کے خلاف کرنا اس کے لئے جائز نہیں۔[4]

اسمگلنگ کرنے والے کو کپڑا فروخت کرنا

سوال:... اگر کوئی اسمگلنگ کرنے کے لئے کپڑا خریدنا چاہے تو دُکان دار کو وہ کپڑا فروخت کرنا چاہئے کہ نہیں؟ اگر فروخت کردیا تو اس سے ملنے والی رقم حلال ہے یا حرام؟

(۱، ۲) قال تعالٰی: لَا تأکلوا أموالکم بینکم بالباطل (قوله بالباطل) بالحرام یعنی بالربا والقمار والغصب والسرقة والخیانة ونحوها. (تفسیر معالم التنزیل للبغوی ج:۲ ص:۵۰)۔ أیضًا: عن أبی حرة الرقاشی عن عمه قال: قال رسول الله صلی الله علیه وسلم: ألَا لَا تظلموا! ألَا لَا یحل مال امرئٍ. (مشکوٰة ص:۲۵۵، باب الغصب والعاریة)۔

(۳) الإجارة عقد .... ولَا یصح حتّٰی تکون المنافع معلومة والأجرة معلومة ...إلخ. (هدایة ج:۳ ص:۲۹۱، کتاب الإجارة)۔ أیضًا: لَا تصح الإجارة إلّا بشرطین: ۱-أن تکون المنافع معلومة، ۲-أن تکون الأجرة معلومة. (الفقه الحنفی وأدلّته ج:۲ ص:۸۲، کتاب الإجارة، شروط صحة الإجارة)۔

(۴) عن أبی هریرة رضی الله عنه قال: قال رسول الله صلی الله علیه وسلم: آیة المنافق ثلاث: إذا وعد أخلف، وإذا حدّث کذب ...إلخ. (مشکوٰة ص:۱۷ باب الکبائر وعلامات النفاق)۔

جواب:… اسمگلنگ قانوناً منع ہے، اگر دُکان دار کو معلوم ہو کہ یہ اس کپڑے کی اسمگلنگ کرے گا تو اس کو نہیں دینا چاہئے، تاہم اگر دے دیا تو منافع شرعاً حلال ہے۔

اسمگلنگ کی شرعی حیثیت

سوال … مسئلہ معلوم کرنا ہے کہ غیر قانونی کاروبار جیسا کہ اسمگلنگ ہے، اس کے متعلق اس کے کرنے والے کہتے ہیں کہ یہ ہم اپنی رقم سے مال خریدتے ہیں اور منافع لگاکر فروخت کرتے ہیں، لہٰذا یہ جائز ہے۔ قرآن وسنت کی روشنی میں جواب مرحمت فرمائیں۔

جواب: شرعاً تو کاروبار اور خرید و فروخت جائز ہے، لیکن جو چیزیں حکومت کے قانون کی رُو سے ممنوع ہیں، وہ صحیح نہیں۔

سوال: کیا اس کا خریدنے والا، فروخت کرنے والا، سودا کرنے والا اور درمیان میں معاونت کرنے والا، قرآن وسنت کی روشنی میں قابلِ تعزیر ہیں جبکہ راستے میں یہ رشوت کا بھی باعث ہے؟

جواب:… اس کاروبار میں جو رشوت وغیرہ دینا پڑے گی، وہ گناہ ہے، اور مشہور حدیث ہے کہ رشوت لینے والا اور دینے والا دونوں دوزخ میں ہیں۔[1]

اسمگلروں سے مال خرید کر فروخت کرنا

سوال:… ہم باہر سے مال منگواتے ہیں، جس پر اندازاً ۱۰۰ روپے کے مال پر ۹۶ روپے درآمدی ڈیوٹی دینی پڑتی ہے، اس طرح ہم کو مال ۱۹۶ روپے کا پڑتا ہے۔ اسمگلر وہی چیز بغیر ڈیوٹی کے ۱۳۰—۱۴۰ روپے میں بازار میں بیچتے ہیں۔ کیا حکومت کو اتنی زیادہ ڈیوٹی لگانے کا حق ہے؟ جبکہ وہ عوام کو بنیادی سہولتیں بھی فراہم نہیں کرتی، اسمگلروں سے مال خرید کر بیچنا جائز ہے یا نہیں؟

جواب:… شرعاً جائز ہے، گورنمنٹ کے قانون کے مطابق نہیں۔

سرکاری گوداموں سے چوری کی ہوئی گندم خریدنا، نیز یہ گندم لادنے، پیسنے کی مزدوری کرنا

سوال:… میں ایک پرائیویٹ فلور مل میں ملازم ہوں، میری ڈیوٹی گندم کے ان سرکاری گوداموں پر ہے جو فلور ملوں کو اپنے کوٹے کے مطابق گندم فراہم کرتے ہیں۔ محترم مفتی صاحب! ان سرکاری گوداموں سے ہم جس وقت ملوں کو گندم فراہم کرتے ہیں تو گودام کا اے ایف سی جو کہ سرکاری ملازم ہے، ہر گاڑی کو وزن کرتے وقت چالیس سے ساٹھ ستر کلوگرام تک گندم کاٹتا ہے، اس بات کا علم تمام مل مالکان کو ہے، اور وہ اس بات پر تقریباً راضی بھی ہیں۔ دُوسری بات یہ ہے کہ ان سرکاری گوداموں سے اے ایف سی حضرات چوری چھپے کئی ٹرک گندم پرائیویٹ ریٹ پر ملوں کو فراہم کرتے ہیں، اور یہ رقم سرکاری خزانے میں جمع کرنے کی بجائے

(۱) الراشی والمرتشی فی النار۔ (کنز العمال ج:۶ ص:۱۱۳، حدیث نمبر:۱۵۰۷۷)۔

سرکاری اہلکار آپس میں تقسیم کرلیتے ہیں۔ اب جناب سے اس مضمون کی مناسبت سے چند مسائل لکھ رہا ہوں، اُمید ہے تفصیلی جوابات عنایت فرمائیں گے۔

کیا مل مالکان ان سرکاری ملازموں سے جو چوری چھپے گندم بیچتے ہیں، پرائیویٹ ریٹ پر یہ گندم خرید کرسکتے ہیں؟

جواب:... یہ تو ظاہر ہے کہ سرکاری ملازمین محض گورنمنٹ کے نمائندے ہیں، لہٰذا ان کا سرکاری گوداموں کے غلے کو چوری چھپے بیچ دینا جائز نہیں، اور نہ مل والوں کو چوری کا مال خریدنا جائز ہے۔[1] یہ لوگ معمولی منفعت کے لئے اپنی روزی میں حرام ملاتے ہیں اور اپنی آخرت تباہ کرتے ہیں۔ چوری کی سزا شریعت نے ہاتھ کاٹنا رکھی ہے،[2] جب ان کے گناہ پر ان کو سزائیں ملیں گی تو اس وقت کوئی ان کا پُرسانِ حال نہیں ہوگا، اور جو مل مالکان اس خیانت میں شریک ہیں، ان کو بھی برابر سزا ملے گی۔

سوال:... مل مالکان اگر اس گندم کو خرید کر مل میں پسائی کرکے آٹے کی صورت میں بیچیں تو کیا ان کی یہ کمائی حلال ہے یا حرام؟

جواب:... اگر مل مالکان کو یہ علم ہے کہ یہ چوری کا مال ہے، تو ان کے لئے نہ پیسنا حلال ہے، نہ اس کی اُجرت حلال ہے۔[3]

سوال:... میں بحیثیت مل ملازم اس گندم کو گاڑیوں میں لوڈ کرکے وزن کرا کر مل کو سپلائی کرتا ہوں، مجھے مل سے ماہانہ صرف اپنی تنخواہ ملتی ہے، یا بعض ملازمین کو فی لوڈ اپنا کمیشن ملتا ہے، کیا ہمارے لئے یہ تنخواہ یا کمیشن حلال ہوا یا حرام؟

جواب:... اگر آپ کے علم میں ہے کہ یہ چوری کا مال گاڑی پر لادا جارہا ہے، تو آپ بھی شریکِ جرم ہیں، اور قیامت کے دن اس کے محاسبہ سے بری الذمہ نہیں ہوسکتے۔[4]

سوال:... جو گاڑیاں اس گندم کو لوڈ کرکے ملوں کو پہنچاتی ہیں اور فی لوڈ اپنا کرایہ وصول کرتی ہیں، کیا ان کے لئے یہ کرایہ حلال ہے یا حرام؟

---

(۱) قال علیه السلام: من اشتری سرقة وھو یعلم انھا سرقة فقد شرک فی عارھا واثمھا. (فیض القدیر ج:۱ ص:۵۹۵۴، رقم الحدیث:۸۴۴۳، طبع مکتبة الباز)۔ أیضًا: قال القرضاوی: لم یحل للمسلم ان یشتری شیئًا یعلم أنه مغصوب أو مسروق أو مأخوذ من صاحبه بغیر حق، لأنه إذا فعل یعین الغاصب أو السارق أو المعتمد علی غصبه وسرقته وعداوته قال رسول الله صلی الله علیه وسلم: من اشتری سرقة (أی مسروقًا) وھو یعلم أنھا سرقة، فقد أشرک فی إثمھا وعارھا، البیھقی۔ (الحلال والحرام فی الإسلام، لشیخ یوسف القرضاوی ص:۲۱۶، طبع المکتب الإسلامی)۔ بیع المسروق: إذا علم المشتری أن المبیع مسروق یحرم علیه شراؤہ لأن فیه إعانة الظالم علی ظلمه. (الفقه الحنفی وأدلّته، البیوع المنھی عنھا ج:۲ ص:۴۸)۔ الحرمة ینتقل أی تنتقل حرمته وإن تداولته الأیدی وتبدلت الأملاک۔ (رد المحتار ج:۵ ص:۹۸)۔ وفیه أیضًا لو رأی المکاس مثلًا یأخذ من أحد شیئًا من المکس ثم یعطیه آخر ثم یأخذ من ذالک الآخر فھو حرام۔ (ج:۵ ص:۹۸ مطلب الحرمة تتعدد)۔

(۲) قال تعالٰی: السارق والسارقة فاقطعوا أیدیھما جزاءً بما کسبا نکالًا من الله (المائدة:۳۸)۔

(۳) حاشیہ نمبر۱ ملاحظہ ہو۔

(۴) ایضاً۔

جواب:... اگر معلوم ہے کہ یہ حرام کا غلہ ہے تو گاڑی والوں کے لئے اس کا اُٹھانا بھی حلال نہیں، اور اگر ان کو معلوم نہیں کہ یہ چوری کا مال ہے تو معذور ہیں۔[1]

سوال:... جو مزدور اس گندم کو لوڈ کرتے ہیں اور پھر ملوں میں اُتارتے ہیں، یہ لوگ فی بوری اپنا کمیشن لیتے ہیں، کیا یہ کمیشن ان کے لئے حلال ہے یا حرام؟

جواب:... اس کا حکم بھی وہی ہے کہ وہ چوری کا مال گاڑی پر اُٹھا رہے ہیں یا اُتار رہے ہیں، تو وہ بھی شریکِ جرم ہیں، ورنہ لاعلمی کی بنا پر وہ معذور ہیں۔[2]

اِنعام کی رقم کیسے دیں؟

سوال:... کارخانے میں کاریگروں کو ہر نصف ماہ کے بعد کارخانے کے مال کی پیداوار بطور اِنعام حصہ رسدی نقد رقم دی جاتی ہے، کچھ کاریگر صاحبان کام چھوڑ کر چلے گئے اور اپنے اِنعام کی رقم بہت عرصے سے لینے نہیں آئے، نہ ان کا کوئی پتا ہے، وہ نقد رقم امانتاً موجود ہے، اس کو کیا کرنا چاہئے؟

جواب:... اِنعام وہ کہلاتا ہے جس کے نہ ملنے پر شکایت نہ ہو، اور نہ وہ حقِ واجب کی حیثیت رکھتا ہو۔ کارکنوں کو جو اِنعام کی رقم دی جاتی ہے اگر اس کی یہی حیثیت ہے تو جن صاحبان کو رقم نہیں دی گئی ان کے حصے کی رقم کارخانے والوں کی ہے، وہ جو چاہیں کریں۔ اور اگر اس کا نام "اِنعام" بس یونہی رکھ دیا گیا ہے، ورنہ وہ دراصل حقِ واجب کی حیثیت رکھتا ہے، تب بھی جو ملازم کارخانہ چھوڑ کر چلے گئے وہ اس کے مستحق نہیں، کیونکہ اس اِنعام کے لئے تاریخ مقرّر کرنے کے معنی یہ ہیں کہ جو لوگ اس تاریخ کو ملازم ہوں گے وہ اِنعام کے مستحق ہوں گے۔ اس لئے جن کارکنوں نے اس مقرّرہ تاریخ سے پہلے کارخانہ چھوڑ دیا ان کا اِستحقاق ختم ہوگیا۔[3] البتہ اگر ملازم نے خود کارخانہ نہ چھوڑا ہو بلکہ کارخانہ دار نے اس کو نکال دیا ہو تو وہ اس اِنعام کا مستحق ہے، اور کارخانہ دار کا فرض ہے کہ ملازم کو سبکدوش کرتے ہوئے اس کے حصے کا یہ اِنعام بھی دے۔

کسی مشتبہ شخص کو ہتھیار فروخت کرنا

سوال:... جو شخص گناہ کی نیت سے مال خریدنا چاہے، مثلاً: اسمگلنگ کے لئے کپڑا وغیرہ، یا کسی کو نقصان پہنچانے کے لئے کوئی ہتھیار خریدنا چاہے تو دُکان دار کو ایسی اشیاء فروخت کرنے پر جو منافع ہوگا وہ جائز ہے یا نہیں؟

---

(۱) گزشتہ صفحے کا حاشیہ نمبر۱ ملاحظہ فرمائیں۔

(۲) گزشتہ صفحے کا حاشیہ نمبر۱ ملاحظہ فرمائیں۔

(۳) إذا بطل الشيء بطل ما في ضمنه، إذا بطل المتضمن بطل المتضمَّن۔ (الأشباه والنظائر ص: ۳۹۱)۔

جواب:... کسی ایسے شخص کو ہتھیار دینا جس کے بارے میں یقین ہو کہ یہ کسی کو ناحق قتل کرے گا، یہ تو جائز نہیں، بیچنے والا بھی گنہگار ہوگا، لیکن بیع صحیح ہے۔ [1]

دھمکیوں کے ذریعے صنعت کاروں سے زیادہ مراعات لینا

سوال:... آج کل ٹریڈ یونینوں کا زمانہ ہے، اور ملازمین (بڑے اداروں کے) اپنے جائز اور ناجائز مطالبات بلیک میل کرکے منوالیتے ہیں۔ اگر صنعت کار، تاجر وغیرہ ان کے مطالبات نہ مانیں تو ان کا کاروبار بند ہوجاتا ہے۔ قرآن و سنت کے نقطۂ نظر سے یہ بتائیں کہ بلیک میلنگ اور دھمکیوں سے بے شمار مراعات حاصل کرنا جائز ہے یا نہیں؟ کیا وہ حرام کے زُمرے میں نہیں آتیں؟

جواب:... ناجائز خواہ مزدوروں کی طرف سے ہو یا مالکان کی طرف سے، وہ تو ناجائز ہے۔ اصل خرابی یہ ہے کہ ہم میں نہ تو محاسبۂ آخرت کی فکر باقی رہی ہے، نہ حلال و حرام کا امتیاز۔ مزدور چاہتا ہے کہ اسے محنت نہ کرنی پڑے مگر اُجرت اسے دُگنی چوگنی ملنی چاہئے۔ کارخانہ دار یہ چاہتا ہے کہ مزدور کام کرتا رہے مگر اسے اُجرت نہ دینی پڑے۔ جس طرح کارخانہ دار کی طرف سے مزدور کی محنت کا معاوضہ ادا نہ کرنا حرام ہے، اسی طرح اگر مزدور ٹھیک کام نہیں کرتا یا زبردستی ناجائز مراعات حاصل کرتا ہے تو اس کی روزی بھی حرام ہے، [2] اور قیامت کے دن اس کا محاسبہ بھی ہوگا کہ تم نے فلاں شخص کا کتنا کام کیا اور اس سے کتنی اُجرت وصول کی؟

ڈاکٹری کے لئے دیئے گئے جھوٹے حلف نامے جمع کروانا شدید ترین گناہ ہے لیکن کمائی حلال ہے

سوال:... ایک مدت سے ذہنی کشمکش میں گرفتار ہوں، آپ سے رہنمائی کا طالب ہوں، قرآن اور حدیث کی روشنی میں مجھے میرے مسئلے کا حل بتائیں۔

میرا شمار ایک ماہر ڈاکٹر میں ہوتا ہے، کچھ عرصہ پہلے تک میں دین سے نابلد تھا، تین سال قبل میں ایف آر سی ایس کرنے لندن گیا، وہاں انڈیا سے آئی ہوئی تبلیغی جماعت سے سامنا ہوگیا، اس کے بعد سے میری دُنیا بدل گئی۔ حرام، حلال کا اِدراک ہوا، آپ

---

(۱) ويكره بيع السلاح في أيام الفتنة معناه ممن يعرف أنه من أهل الفتنة لأنه تسبب إلى المعصية. (هداية ج:۴ ص:۴۷۰). أيضًا: والقسم الثاني من السبب القريب أعني ما لم يكن محركًا وباعثًا بل موصلًا محضًا فحرمته وإن لم تكن منصوصة ولكنه داخل فيه باشتراك العلة، وهي الإفضاء إلى الشر والمعصية ولهذا أطلق الفقهاء رحمهم الله عليها لفظ كراهة التحريم، لا الحرمة .... ومن هذا القبيل بيع الأسلحة لأهل الفتنة وأهل الحرب فإنه سبب قريب وصورة إعانة للمعصية ...إلخ. (جواهر الفقه، تفصيل الكلام في مسئلة الإعانة على الحرام ج:۲ ص:۴۵۱).

(۲) وليس للخاص أن يعمل لغيره ولو عمل نقص من اجرته بقدر ما عمل وقال أيضًا: نجار استؤجر إلى الليل فعمل لآخر دواة بدرهم وهو يعلم فهو آثم وإن لم يعلم فلا شيء عليه وينقص من أجر النجار بقدر ما عمل في الدواة. (رد المحتار ج:۶ ص:۷۰، أيضًا: هداية ج:۳ ص:۳۱۰، كتاب الإجارات، باب ضمان الأجير).

کا کالم بڑی باقاعدگی سے پڑھتا ہوں، پچھلے دنوں حرام کی کمائی کے متعلق آپ کا جواب پڑھا کہ کس طرح گھرانے کا سربراہ اپنے پورے گھر کو حرام کی کمائی کھلا رہا ہے، اور آپ نے جس طرح دُوراندیشی سے اس کی بیوی کو حل بتایا کہ کسی غیرمسلم سے قرض لے کر گھر چلاؤ۔ میں اسی دن سے سخت مضطرب ہوں، میری کہانی یہ ہے کہ بظاہر اچھے نمبر ہونے کے باوجود جب کراچی میں میڈیکل میں داخل نہیں ملا تو میں نے جعلی ڈومیسائل بنا کر پنجاب میں ڈاکٹری میں داخلہ لے لیا اور وہاں ہی سے اپنی تعلیم مکمل کی۔ اب ذہن میں یہ کشمکش ہے کہ چونکہ میں نے ڈومیسائل بنواتے وقت حلف نامہ داخل کیا کہ میں لاہور میں پیدا ہوا ہوں، جو کہ جھوٹا حلف نامہ تھا، اس کے بعد مستقل رہائش یعنی پی آر سی بھی میں نے جعلی بنوا کر داخل کیا، اس کے لئے بھی جھوٹا حلف نامہ داخل کیا۔ تیسری غلطی یہ کی کہ جب ڈاکٹری کا فارم بھرا تو اس میں بھی جھوٹے حلف نامے داخل کئے، جھوٹے لاہور کے ایڈریس لکھے۔ اب آپ مجھے قرآن وحدیث کی روشنی میں آگاہ فرمائیں کہ جیسی ڈگری کو حاصل کرنے کے لئے میں نے حلال اور حرام میں تمیز نہیں کی، جھوٹے حلف نامے داخل کئے، جھوٹ پر مبنی سرٹیفکیٹ (ڈومیسائل اور پی آر سی) جمع کرائے اور اگر میں یہ سب کچھ نہ جمع کراتا تو آج ڈاکٹر نہ ہوتا، نہ ہی داخلہ ملتا، اب یہ سب کچھ کرنے کے بعد جو مجھے ڈگری عطا ہوئی ہے، اس کی حیثیت کیا ہے؟ اور اس ڈگری کی وجہ سے جو آمدنی ہو رہی ہے اس کی حیثیت کیا ہے؟ آیا حرام کمائی میں شمار ہوگا یا حلال کمائی کہلائے گی؟ آپ مجھے آگاہ کریں کہ آیا میری کمائی جو ڈاکٹری کے پیشے سے ہوئی ہے وہ حلال ہے یا نہیں؟ تاکہ میں کچھ اور کام شروع کر کے اپنے اہل وعیال کو حلال کمائی کھلا سکوں۔

جواب:... آپ نے جو جھوٹے حلف نامے داخل کئے ان کا آپ پر وبال ہوا، جن سے توبہ لازم ہے، جھوٹی قسم کھانا شدید ترین گناہ ہے،(۱) اس کے لئے آپ اللہ تعالیٰ سے گڑگڑا کر توبہ کریں۔ جہاں تک آپ کی ڈاکٹری کا تعلق ہے، اگر آپ نے ڈاکٹری کا اِمتحان پاس کیا ہے، اور اس میں کوئی گھپلا نہیں کیا، اور آپ میں صحیح طور پر ڈاکٹری کی اِستعداد موجود ہے، تو آپ کا یہ ڈاکٹری کا پیشہ جائز ہے۔

کاروبار کے لئے ملک سے باہر جانا شرعاً کیسا ہے؟

سوال:... اگر کسی مسلمان کا ملک میں جائیداد یا گزربسر کے لئے دو تین لاکھ روپے بینک بیلنس ہو اور وہ مزید پیسے کے لالچ میں اپنے ملک، خاندان اور بیوی بچوں سے دُور رہ کر نوکری کرے تو معلوم کرنا ہے کہ شریعت میں اس بارے میں کیا حکم ہے؟ یہ بھی بتادوں کہ ہم لوگ سال کے بعد ڈیڑھ مہینے کی چھٹی پر ملک آسکتے ہیں۔

جواب:... آپ کی تحریر میں دو مسئلے غور طلب ہیں:

اوّل:... یہ کہ جس شخص کے پاس اپنی گزربسر کے بقدر ذریعۂ معاش موجود ہو کیا اس کو اسی پر قناعت کرنی چاہئے یا طلبِ مزید میں مشغول ہونا چاہئے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اگر حلال ذریعہ سے طلبِ مزید میں مشغول ہو تو جائز ہے، بشرطیکہ فرائضِ شرعیہ سے

---

(۱) الکبائر: الإشراک باللہ وعقوق الوالدین ...... والیمین الغموس۔ (مشکوٰۃ ص:۱۷، باب الکبائر)۔

غفلت نہ ہو، لیکن اگر قناعت کرے اور اپنے اوقات کو طلبِ مزید کے بجائے آخرت کے بنانے میں صرف کرے تو افضل ہے۔ [۱]

دوم:... یہ کہ کیا طلبِ مزید کے لئے اپنے عزیز و اقارب کو چھوڑ کر باہر ملک جانا دُرست ہے یا نہیں؟ اس کا جواب یہ ہے کہ یہ حقوق العباد کا مسئلہ ہے، ماں باپ، بیوی بچوں کے حقوق ادا کرنا اس کے ذمہ ہے، اگر وہ اپنا حق معاف کرکے جانے کی اجازت دے دیں تو دُرست ہے، ورنہ نہیں۔ اور اجازت و رضامندی بھی صرف زبان سے نہیں بلکہ واقعی اجازت ضروری ہے۔ [۲] میرے علم میں بہت سے ایسے واقعات ہیں کہ لوگ جوان نو بیاہتا بیویوں کو چھوڑ کر پردیس چلے گئے، پیچھے بیویاں گناہ میں مبتلا ہوگئیں۔ خود ہی فرمایئے! کہ اس ظلم و ستم کا ذمہ دار کون ہوگا؟ اگر نوعمر بیویوں کو چھوڑ کر انہیں باہر بھاگنا تھا تو اس غریب کو کیوں قید کیا تھا؟

اساتذہ کا زبردستی چیزیں فروخت کرنا

سوال:... ''الف'' ایک اسکول کا ہیڈ ماسٹر ہے، ہر سال شروع ہونے پر اپنے اسکول میں طالب علموں کو ڈرائنگ اور خوشخطی کی کتابیں جبراً اور لازمی فروخت کرتا ہے، جبکہ محکمۂ تعلیم کی جانب سے وہ ایسا نہیں کرسکتا، اور اس کا کمیشن اپنے اساتذہ میں برابر برابر تقسیم کردیتا ہے، اور اس پر دلیل یہ دیتا ہے کہ یہ تو کاروباری نفع ہے۔ کیا وہ صحیح کہتا ہے؟

جواب:... اگر کوئی طالب علم اس سے اپنی خوشی سے خریدے تب تو ٹھیک ہے، مگر زبردستی ناجائز ہے۔ [۳]

کیا اخبارات میں کام کرنے والا مفت میں ملا ہوا اخبار فروخت کرسکتا ہے؟

سوال:... بعض لوگ جو اخبارات میں کام کرتے ہیں، انہیں اخبار مفت ملتا ہے، کیا وہ اپنا اخبار بیچ سکتے ہیں؟

جواب:... یہ شخص اس اخبار کو بیچ سکتا ہے۔ [۴]

شوپیس یا گفٹ وغیرہ کی دُکان کھولنا

سوال:... شوپیس یا گفٹ وغیرہ کی دُکان کھولنا چاہتا ہوں، آپ سے عرض ہے کہ یہ کاروبار قرآن و حدیث کی روشنی میں کیسا ہے؟ جائز ہے یا ناجائز؟ یا کچھ شرائط کے ساتھ حلال ہوگا؟

---

(۱) عن أبي الدرداء قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: ما طلعت الشمس إلّا وبجنبتيها ملكان يناديان يسمعان الخلائق غير الثقلين يا أيها الناس هلمّوا إلى ربكم ما قل وكفى خير مما كثر وألهى۔ (مشكوة ص:۴۴۵، كتاب الرقاق، الفصل الثالث)۔

(۲) لَا يحل سفر فيه خطر إلّا بإذنهما وما لَا خطر فيه يحل بلا إذن، قال الشامي وما لَا خطر فيه كالسفر للتجارة والحج والعمرة يحل بلا إذن إلّا أن خيف عليها الضيعة۔ (رد المحتار ج:۳ ص:۱۲۵)۔ ولو خرج المتعلم وضيع عياله يراعى حق العيال۔ (رد المحتار، كتاب الحظر والإباحة ج:۶ ص:۴۰۸)۔

(۳) "يٰأيها الذين امنوا لَا تأكلوا أموالكم بينكم بالباطل إلّا أن تكون تجارة عن تراض منكم" الآية (النساء:۲۹)۔ ألَا لَا يحل مال امرىء إلّا بطيب نفس منه۔ (مشكوة ص:۲۵۵، كتاب الغصب والعارية)۔

(۴) كلّ يتصرف في ملكه كيف شاء۔ (شرح المجلة لسليم رستم باز ج:۱ ص:۶۵۴ المادة:۱۱۹۲)۔

جواب:... جن چیزوں کا اِستعمال جائز ہے، ان کی خرید و فروخت بھی جائز ہے۔[۱]

بغیر نوکری پر جائے تنخواہ وصول کرنا

سوال:... ایک صاحب نے اپنے دو بھتیجوں کو کمپنی کے ایک اسٹور میں چوکیدار کی نوکری دے دی، چھوٹا بھائی نوکری پر نہیں جاتا، بڑا بھائی جاتا ہے، کیا ان کی تنخواہ حلال ہے؟

جواب:... جو بھائی نوکری پر جاتا ہے اس کی تنخواہ حلال ہے، اور جو نوکری پر نہیں جاتا، اس کی حلال نہیں۔[۲]

ڈیوٹی کے دوران سونے والے کی تنخواہ کا شرعی حکم

سوال:... میں جس پلانٹ پر کام کرتا ہوں، وہاں شفٹوں میں فرائض انجام دینے پڑتے ہیں۔ صبح، شام اور رات کی تین شفٹیں مختلف اوقات میں ہوتی ہیں، ہمارے پلانٹ کی نوعیت ایسی ہے کہ اگر کسی دُوسرے پلانٹ میں خرابی پیدا ہوجائے تو اس صورت میں ہمارا پلانٹ چلایا جاتا ہے، اور رات کے وقت تو شاذ و نادر ہی اس کی ضرورت پڑتی ہے، لیکن ڈیوٹی اس لئے ہوتی ہے کہ اتفاقاً ایمرجنسی کے طور پر پلانٹ چلانے کی ضرورت پڑجائے، اس لئے تمام افراد کا موجود ہونا نہایت ضروری ہے، اس صورت میں جبکہ پلانٹ بند ہو، خصوصاً رات کے وقت تو تقریباً ڈیڑھ یا ڈھائی بجے کے قریب تمام اَفسران اور کارکنان سوجاتے ہیں۔ آپ سے یہ معلوم کرنا ہے کہ آیا رات میں ڈیوٹی کے دوران جبکہ کوئی کام بھی نہ ہو اور نیند بھی ایک فطری عمل ہے، ہمارا رات کے وقت سونا شریعت کی رُو سے کیسا ہے؟ اور اس قسم کی نوکری سے حاصل شدہ تنخواہ آیا حرام ہے یا حلال؟

جواب:... اُصولاً جن لوگوں کی اس وقت ڈیوٹی ہو، انہیں سونا نہیں چاہئے، تاہم اگر ڈیوٹی میں حرج واقع نہ ہو، اور ضرورت پیش آنے پر فوراً جاگ جائیں تو غالباً اس میں چشم پوشی سے کام لیا جاتا ہوگا، اس لئے جائز ہے۔[۳]

---

(۱) كل ما ينتفع به فجائز بيعه والإجارة عليه. (القواعد الفقهية ص:۱۲۸). والحاصل: ان جواز البيع يدور مع حل الإنتفاع. (درمختار ج:۵ ص:۶۹، باب البيع الفاسد).

(۲) والإجارة لَا تخلوا اما ان تقع على وقت معلوم أو على عمل معلوم، فإن وقعت على عمل معلوم فلا تجب الأجرة إلّا بإتمام العمل. (النتف في الفتاوىٰ ص:۳۳۸، كتاب الإجارة). وأيضًا: والأجير الخاص الذي يستحق الأجرة بتسليم نفسه في المدة وان لم يعمل كمن استوجر شهرًا للخدمة أو لرعي الغنم وانما سمي أجير وحد لأنه لَا يمكنه ان يعمل لغيره لأن منافعه في المدة صارت مستحقة له والأجر مقابل بالمنافع. (هداية ج:۳ ص:۳۰۹، كتاب الإجارات، باب ضمان الأجير).

(۳) والأجير الخاص الذي يستحق الأجرة بتسليم نفسه في المدة وان لم يعمل كمن استوجر شهرًا للخدمة أو لرعي الغنم وانما سمي أجير وحد لأنه لَا يمكنه أن يعمل لغيره لأن منافعه في المدة صارت مستحقة له والأجير مقابل بالمنافع. (هداية ج:۳ ص:۳۰۸، كتاب الإجارات، باب ضمان الأجير). وفي الدر المختار: الثاني وهو الأجير الخاص ويسمىٰ أجير وحد، وهو من يعمل لواحد عملًا مؤقتًا بالتخصيص .... كمن استوجر شهرًا للخدمة، أو شهر لرعي الغنم المسمىٰ بأجر مسمى ... . وليس للخاص أن يعمل لغيره، ولو عمل نقص من أجرته بقدر ما عمل. (الدر المختار ج:۶ ص:۶۹، ۷۰، باب ضمان الأجير، كتاب الإجارة).

کمپنی کی اِجازت کے بغیر اپنی جگہ کم تنخواہ پر آدمی رکھنا

سوال:... میں ایک کمپنی میں بطور چوکیدار ملازم ہوں، تنخواہ کمپنی کی طرف سے مجھے ٹھیکیدار ادا کرتا ہے، جو مبلغ ۳۰۰۰ روپے ہے، میں نے کمپنی کو بتائے بغیر ایک آدمی کو اپنی جگہ ڈیوٹی پر مقرّر کردیا ہے جس کو میں مبلغ ۵۰۰ روپے ادا کرتا ہوں، بقایا رقم ۲۵۰۰ روپے میرے لئے جائز ہے یا نہیں؟ میں ایک مسجد میں پیش امام ہوں اور اس کی تنخواہ مجھے ۲۰۰۰ روپے ملتی ہے۔

جواب:... کمپنی والوں کی طرف سے اگر اِجازت دی جائے تو آپ اپنی جگہ دُوسرا آدمی رکھ سکتے ہیں، ورنہ نہیں۔ کمپنی والوں کی اِجازت کے بغیر جو آپ نے آدمی رکھا ہے، یہ تنخواہ آپ کے لئے جائز نہیں، بلکہ مسجد کی اِمامت بھی آپ کے لئے جائز نہیں۔[1]

فوٹو اسٹیٹ مشین پر شناختی کارڈ، پاسپورٹ کی فوٹو کاپیاں بنانا

سوال:... میں فوٹو اسٹیٹ مشین کا کام کرتا ہوں اور فوٹو اسٹیٹ سے متعلق چند سوالات آپ سے معلوم کرنا چاہتا ہوں، فوٹو اسٹیٹ کا کام کرنا جائز ہے یا ناجائز ہے؟

جواب:... جائز ہے۔

سوال:... فوٹو اسٹیٹ مشین پر شناختی کارڈ جس پر تصاویر ہوتی ہیں وہ بھی کرنی پڑتی ہے اور پاسپورٹ کی بھی فوٹو اسٹیٹ کاپیاں بنتی ہیں۔

جواب:... ضرورت کی بنا پر جائز ہے۔[2]

آیاتِ قرآنی و اسمائے مقدسہ والے لفافے میں سودا دینا

سوال:... آج کل دُکان دار اپنا سودا سلف ایسے لفافوں اور کاغذوں میں ڈال کر دیتے ہیں جن پر آیاتِ قرآنی اور اسمائے مقدسہ درج ہوتے ہیں، ان کے لئے شریعت کی رُو سے کیا حکم ہے؟ کیا ان کی روزی حلال ہے؟

---

(۱) وإذا شرط عمل بنفسه بأن يقول له: اعمل بنفسک أو بيدک لَا يستعمل غيره، لأن المعقود عليه العمل من محل معين فلا يقوم غيره مقامه. (الدر المختار ج:۲ ص:۱۸، کتاب الإجارة). الأجير الذي استوجب علٰى أن يعمل بنفسه ليس له أن يستعمل غيره مثلًا لو أعطى أحد جبة لخياط علٰى أن يخيطها بنفسه بكذا دراهم فليس للخيط علٰى أن يخيطها لغيره، بل يلزم ان يخيطها بنفسه وإن خاطها بغيره وتلفت فهو ضامن. (مجلة الأحكام للأتاسي ص:۳۰۲، رقم المادّة: ۵۷۱، الفصل الرابع في إجارة الآدمي).

(۲) الضرورات تبيح المحظورات، أي أن الأشياء الممنوعة تعامل كالأشياء المباحة وقت الضرورة. .إلخ. (شرح المجلة ص:۲۹، المادّة: ۲۹). والحاجة تنزل منزلة الضرورة عامةً أو خاصة. (شرح المجلة ص:۳۳ رقم المادّة: ۳۲). لأن مباشرة الحرام لَا تجوز إلّا لضرورة. (الأشباه والنظائر ج:۱ ص:۲۶۱).

جواب:... اس سے روزی تو حرام نہیں ہوتی، مگر ایسا کرنا گناہ ہے۔[1]

کرفیو یا ہڑتال میں اسکول بند ہونے کے باوجود پوری تنخواہ لینا

سوال:... کراچی میں آئے دن کرفیو اور ہڑتال کی وجہ سے اسکول بند ہو جاتے ہیں، میں ایک پرائیویٹ اسکول کی معلمہ ہوں، اسکول بند ہونے کے باوجود مجھے تنخواہ پوری مل جاتی ہے۔ آپ سے پوچھنا ہے کہ یہ پیسہ جائز ہے؟ جبکہ اس کے علاوہ میرا کوئی ذریعہ معاش نہیں ہے۔

جواب:... اس میں کوتاہی آپ کی طرف سے نہیں، اس لئے آپ کی تنخواہ حلال ہے۔[2]

بغیر اجازت کتاب چھاپنا اخلاقاً صحیح نہیں

سوال:... آج کل بازار میں باہر کے ملکوں کی کتابیں جو کہ ہمارے کورس میں شامل ہوتی ہیں اور کچھ ثانوی حیثیت سے مددگار ہوتی ہیں، طالب علموں کو نہایت ارزاں قیمت پر مل رہی ہیں۔ ایک کتاب جو کہ ڈیڑھ سو سے دو سو روپے تک کی ملتی تھی، اب وہی بیس پچیس روپے کے لگ بھگ مل جاتی ہے۔ ہمیں یہ بات معلوم ہے کہ پاکستانی پبلشرز باہر کے پبلشرز کی یہ کتابیں بغیر اجازت کے چھاپ رہے ہیں۔ اگر ہم یہ کتابیں باہر کے پبلشرز کی خریدنے جائیں تو اوّل تو یہ دستیاب نہیں ہوتیں، اور دُوسرے اگر کبھی یہ کتابیں اُونچے علاقے والے کتاب گھروں میں مل بھی جائیں تو یہ ہماری قوتِ خرید سے اکثر باہر ہوتی ہیں، صرف امیروں کے بچے ہی شاید خرید سکتے ہیں۔ یہ بات توجہ طلب ہے کہ ان کتابوں کی اصل قیمت اتنی نہیں ہوتی ہے جتنی زرِ مبادلہ کے چکر، عمدہ کاغذ کا ہونا، درمیان میں ایک دو منافع خور، باہر کی کمپنی کے مفادات اور لکھنے والے کا کچھ حصہ لگانے سے ان کی قیمت بڑھ جاتی ہے۔ باہر کے ملکوں میں ان کتابوں کا خریدنا اتنا مشکل نہیں ہوتا جتنا کہ ہمارے ملک میں ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ ان باہر کی کتابوں کے دُوسرے ایڈیشن جو کہ یہاں جملہ حقوق محفوظ ہونے کے باوجود بلا اجازت چھپتے ہیں، ان کا مطالعہ اور استفادہ دینی لحاظ سے جائز ہے کہ نہیں؟ کچھ کہتے ہیں کہ بالکل غلط ہے اور تم اس غلط کام میں ان کے شریک بن جاتے ہو، ان کے معاون و مددگار ہو جاتے ہو۔ کچھ کہتے ہیں کہ یہ علم و حکمت ہے، اور حکمت کو ایک گمشدہ لعل سمجھو۔ اور یہ کہ علم کسی کے باپ کی میراث نہیں، یہ لوگ علم کے خزانے پر سانپ بن کر بیٹھے ہیں، یہ باہر کے ملک والے ہم غریبوں کو زرِ مبادلہ کے ہیر پھیر سے لوٹتے ہیں، خواہ اسلحہ ہو یا کتاب ہو یا مشینری۔ اب تمہیں کم قیمت پر کتابیں مل رہی

---

(۱) ویکرہ أن یجعل شیئًا فی کاغذ فیه إسم الله تعالٰی کانت الکتابة علٰی ظاهرها أو باطنها .... ولا یجوز لف شیء فی کاغذ فیه مکتوب من الفقه۔ (عالمگیریة ج:۵ ص:۳۲۲، کتاب الکراهیة، طبع رشیدیه کوئٹه)۔

(۲) وفی الذخیرة لو استأجره لیعلم ولده الشعر والأدب إذا بیّن له مدّة جاز إذا سلّم نفسه تعلم أو لم یتعلم۔ (البحر الرائق ج ۸ ص ۱۹، کتاب الإجارة)۔ أیضًا: لو استوجر استاذ لتعلیم علم أو صنعة وسمیت الأجرة فإن ذکرت مدة انعقدت الإجارة صحیحة علی المدة حتّی ان الأستاذ یستحق الأجرة بوجوده حاضرًا مهیئًا للتعلیم تعلم التلمیذ أو لم یتعلم۔ (مجلة الأحکام لخالد الأتاسی ص:۳۰۵، رقم المادّة ۵٦۷ کتاب الإجارة)۔

ہیں، خاموشی سے استعمال کرو، استفادہ کرو، ان چکروں میں پڑ گئے تو پیچھے رہ جاؤ گے، وہی لوگ استفادہ کریں گے جو کہ کسی چیز میں بھی صحیح یا غلط کو نہیں دیکھتے۔ کچھ ایسا ہی مسئلہ فوٹو اسٹیٹ کا بھی ہے کہ جو کتابیں ہماری قوتِ خرید سے باہر ہوتی ہیں، ہم ان کو فوٹو اسٹیٹ کروالیتے ہیں یا کچھ اسباق درکار ہوں تو ان کی بھی فوٹو اسٹیٹ کروالیتے ہیں، گوکہ کتاب پر جملہ حقوق محفوظ اور فوٹو اسٹیٹ نہ کروانے کی تاکید کی جاتی ہے۔ ایسی صورتِ حال میں ہمارا کیا رویہ ہونا چاہئے؟

جواب:... باہر کی کتابیں جو ہمارے یہاں بغیر اجازت چھاپ لی جاتی ہیں اخلاقاً ایسا کرنا صحیح نہیں، تاہم جس نے کتاب یہاں چھاپی ہے وہ اس کا شرعاً مالک ہے، اس سے کتاب خریدنا جائز ہے، اور اس سے استفادہ کرنا شرعاً دُرست ہے۔ یہی مسئلہ فوٹو اسٹیٹ کا ہے۔ [1]

کتابوں کے حقوق محفوظ کرنا

سوال:... آج کل عام طور پر کتابوں کے مصنفین اپنی کتابوں کے حقوق محفوظ کراتے ہیں، کیا اس طرح سے حقوق محفوظ کرانا شرعی طور پر صحیح ہے؟ جبکہ حکیم الاُمت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی صاحب رحمۃ اللہ علیہ اور دیگر بزرگانِ دین نے اپنی کتابوں کے حقوق محفوظ نہیں کرائے۔

جواب:... ہمارے اکابر حقِ طبع محفوظ کرانے کو جائز نہیں سمجھتے۔ [2]

اپنی کتابوں کے حقوقِ طبع اولاد کو لکھ کر دینا

سوال:... زید نے عرصہ دراز پہلے اپنی چند قلمی تالیفات اپنے پسران کو ہبہ بالقبض کیں، کسی کو اصل مسودہ اور کسی کو فوٹو اسٹیٹ نقل، تاکہ جس کے لئے بھی ممکن ہو طبع کرالے اور حقوقِ طبع کی کسی کو تصریح نہیں کی تھی، کیونکہ پہلے تو ان حقوق کا جواز ہی معلوم نہیں تھا، اب ان میں سے ایک پسر کہتا ہے کہ اگر مجھے حقوق الطبع دو تو میں طبع کرا کر فروخت کروں گا، اب زید ان پسران میں سے

---

(۱) چونکہ اس مسئلے میں کہ آیا کسی کتاب کے مصنف یا متعلقہ اِدارے کو شرعاً حقوقِ طبع محفوظ کرانے کا حق حاصل ہے یا نہیں؟ اکابر کی آراء مختلف ہیں، بعض اکابر مثلاً حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ، حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ، حضرت مولانا مفتی محمود حسن گنگوہیؒ وغیرہ اس کے عدمِ جواز کے قائل ہیں (تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو: فتاویٰ رشیدیہ ص:۱۷۷ طبع کراچی، فتاویٰ محمودیہ جدید ج:۱۶ ص:۱۸۳ تا ۱۸۶، جواہر الفقہ ج:۲ ص:۳۳۵ تا ۳۳۸)۔ جبکہ اکثر علماء کی رائے یہ ہے کہ مصنف کو حقوقِ طبع محفوظ کرانے کا حق حاصل ہے، کسی کو بغیر اِجازت کے طبع کرانا جائز نہیں۔ ان حضرات میں سے شیخ الاسلام مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہ، دکتور وہبہ الزحیلی صاحب، مفتی نظام الدین اعظمی صاحبؒ مفتی دارالعلوم دیوبند، حضرت مولانا مفتی سید عبدالرحیم صاحب لاجپوریؒ، راندیر ضلع سورت، وغیرہ سرفہرست ہیں۔ (تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو: بحوث فی قضایا فقهية معاصره ج:۱ ص:۱۲۲، فقہی مقالات، نظام الفتاویٰ ج:۲ ص:۳۱۴ کتاب المعاملات، الفقه الإسلامي وأدلته ج:۴ ص:۲۸۶ القسم الثانی، احکام الحق، حق التالیف والنشر والتوزیع، فتاویٰ رحیمیہ ج:۳ ص:۱۳۲)۔

(۲) وفي الأشباه لا يجوز الإعتياض عن الحقوق المجردة. (درمختار ج:۴ ص:۵۱۷)۔

کسی ایک یا دو کو حقوق الطبع لکھ دے خواہ دُوسرے پسران راضی ہوں یا نہ ہوں تو آیا شرعاً یہ اجازت نامہ لکھ کر دینا جائز ہوگا یا نہیں؟

جواب:... بہتر یہ ہے کہ کسی ایک لڑکے کے نام حقوقِ طبع نہ کئے جائیں، بلکہ تمام لڑکوں کو اس میں شریک کیا جائے، تاکہ اولاد کے درمیان بدمزگی پیدا نہ ہو[1] واللہ اعلم!

سوزوکی والے کا چھٹیوں کے دنوں کا کرایہ لینا

سوال:... ہمارے دوست کی سوزوکی وین ہے، بچوں کو اسکول لے جاتے ہیں اور لاتے ہیں، ہر مہینے کرایہ لیتے ہیں، اب اسکول میں دو ماہ کی چھٹیاں ہو رہی ہیں، ان دو ماہ کا کرایہ لینا جائز ہے کہ نہیں؟

جواب:... اگر اسکول والے بخوشی تعطیل کے زمانے کا کرایہ بھی دیں تو جائز ہے۔

مدرسہ کی وقف شدہ زمین کی پیداوار کھانا جائز نہیں

سوال:... ہمارے شہر کرنال (انڈیا) میں ایک آدمی جو لاوارث تھا، اس نے اپنی زمین مدرسہ عربیہ میں دے دی تھی، اور وہ آدمی (انڈیا میں) فوت ہوگیا تھا۔ وہ مدرسہ پاکستان میں بھی ابھی تک چلتا آرہا ہے، اب جو آدمی جگہ دے گیا تھا اس کی اولاد میں سے تقریباً ۸ویں پشت سے ایک آدمی ہے وہ کہتا ہے کہ ہمارے دادا نے اس مدرسہ کے لئے جگہ دی تھی، یہ مدرسہ ہمارا ہے، اس کے اندر کسی کا حق نہیں۔ وہ آدمی جبراً اس مدرسہ کی آمدنی کھا رہا ہے، بہانہ یہ بنایا ہوا ہے کہ مدرسہ میں، میں پڑھاتا ہوں، لیکن مدرسہ میں وہ ہفتے میں ایک یا دو دن حاضر رہتا ہے، بچے ایک دُوسرے کا سبق سنتے ہیں۔ ایک تو وہ شہر والوں کے ساتھ جھگڑتا ہے، دُوسرے بچوں کی زندگی تباہ ہو رہی ہے۔ قرآن و حدیث کی روشنی میں جواب دیں کہ آیا وہ آدمی جو یہ دعویٰ کرتا ہے کہ میرے دادا کا مدرسہ ہے، اس میں کسی کا حق نہیں، کیا یہ دُرست ہے؟ کیونکہ ہمارے شہر کے قریب کوئی ایسا بڑا مدرسہ نہیں ہے کہ جہاں بچے جاکر تعلیم حاصل کریں، اور جو رقبہ اس آدمی نے دیا تھا، تقریباً ۱۵۰ ایکڑ رقبہ ہے، اگر شہر والے مل کر اس کو مدرسے سے نکال دیں تو کیا شرعاً کوئی ممانعت تو نہیں؟

جواب:... اس شخص کا مدرسہ پر کوئی حق نہیں، شہر والوں کو چاہئے کہ اس کو نکال دیں اور مدرسہ کا انتظام کسی معتبر آدمی کے ہاتھ میں دیں۔ اس شخص کا مدرسہ کی وقف زمین کی پیداوار کھانا بھی جائز نہیں۔[2]

ناجائز قبضے والی زمین کی فروخت کی شرعی حیثیت

سوال:... بعض لوگوں کے پاس نہ اپنا مکان ہوتا ہے، نہ اتنا مال کہ وہ اس سے رہنے کے لئے مکان بنا سکیں، اس قسم کے

---

(۱) وذهب الجمهور إلى أن التسوية مستحبة، فإن فضل بعضًا صح وكره، وحملوا الأمر في حديث النعمان على الندب والنهي على التنزيه. (اعلاء السُّنن ج:۱۶ ص:۹۶، ۹۷ كتاب الهبة).

(۲) الوقف .... وعندهما حبس العين على حكم ملك الله تعالىٰ فيزول ملك الواقف عنه إلى الله تعالىٰ على وجه تعود منفعته إلى العباد فيلزم ولَا يباع ولَا يوهب ولَا يورث. (هداية ج:۲ ص:۶۳۷، كتاب الوقف). قال ابن نجيم رحمة الله تعالىٰ عليه والحاصل أن المشايخ رجحوا قولهما وقال الفتاوىٰ عليه. (بحر ج:۵ ص:۱۹۳، كتاب الوقف).

بعض لوگوں نے بعض علاقوں میں واقعی خالی زمینوں پر قبضہ کرکے ان پر رفتہ رفتہ مکانات تعمیر کرلئے، بعد اَزاں ان لوگوں نے ان زمینوں اور مکانات کی خرید و فروخت بھی شروع کردی، صورتِ حال یہ ہے کہ تادمِ تحریر گورنمنٹ نے یہ زمین کسی کو الاٹ نہیں کی ہے، لیکن لوگ اس کی خرید و فروخت میں مصروف ہیں، کیا یہ جائز ہے؟

جواب:... آدمی اپنی مملوکہ چیز کو فروخت کرنے کا حق رکھتا ہے، جو چیز اس کی ملکیت نہیں اس کو فروخت کرنے کا کوئی حق نہیں رکھتا، لہٰذا سرکاری اجازت کے بغیر جو لوگ زمین پر قابض ہیں، وہ اس کو فروخت کرنے کے مجاز نہیں۔ [1]

عرب ممالک میں کسی کے نام پر کاروبار کرکے اسے کچھ پیسے دینا

سوال:... یہاں متحدہ عرب امارات کے قانون کے مطابق کوئی غیرملکی اپنے نام پر کاروبار نہیں کھول سکتا، مگر عملاً اس کے لئے دو طریقے ہیں۔ ایک تو یہ کہ لوگ یہاں کی شہریت رکھنے والے کسی مواطن کے نام پر کاروبار کھول لیتے ہیں، یعنی حکومت اور بلدیہ وغیرہ کے کاغذوں میں کاروبار یہاں کے کسی شہری کے نام پر ہوتا ہے، مگر حقیقت میں کاروبار کسی غیرملکی کا ہوتا ہے، جس عربی مواطن کے نام پر کاروبار کھولا جاتا ہے وہ صرف تھوڑی سی سالانہ مخصوص فیس وصول کرتا ہے، یہ فیس وہ غیرسرکاری طور پر لیتا ہے، کبھی کبھی کوئی متقی شخص یا کوئی دوست عربی ہو تو وہ یہ فیس نہیں لیتا۔ اسی طرح اگر کوئی غیرملکی کہیں ملازمت کرتا ہے تو وہ بھی کبھی کبھار مندرجہ بالا طریقے سے کسی عربی کے نام پر کاروبار کھول لیتا ہے۔ دُوسرا طریقہ یہ ہے کہ اگر کوئی غیرملکی کوئی بڑا کاروبار کھولنا چاہے تو حکومت کے کاغذات میں غیرملکی اس کاروبار میں ۴۵ فیصد اور یہاں کا شہری ۵۵ فیصد پارٹنر ہوتا ہے، کہیں کہیں یہ پارٹنرشپ ۷۵ فیصد اور ۲۵ فیصد بھی ہوتی ہے۔ یہ سب حکومت کے کاغذات میں ہوتا ہے، مگر حقیقت میں پورا کاروبار غیرملکی کا ہوتا ہے، اس میں بھی یہاں کا شہری مخصوص سالانہ فیس وصول کرتا ہے۔ ایک اور بات یہ ہے کہ حکومت کے تقریباً سب ہی لوگ ان حالات سے باخبر ہیں، یہاں مقامی لوگ تقریباً ۲۰ فیصد اور غیرملکی ۸۰ فیصد کے قریب ہیں، مندرجہ بالا حالات میں کاروبار کی آمدنی حلال ہوگی یا نہیں؟

جواب:... شرعاً تو کاروبار کے لئے کوئی قید نہیں، صرف کاروبار حلال ہونا چاہئے، لیکن آج کل حکومتیں غیرملکیوں کو کاروبار کرنے کی اجازت نہیں دیتیں۔ البتہ اگر کوئی مواطن یعنی ملک کا شہری شریکِ کاروبار ہو تو اجازت مل جاتی ہے، اس صورت میں جیسا کہ آپ نے کہا ہے بعض لوگ تو کچھ پیسے لیتے ہیں اور بعض لوگ پیسے نہیں لیتے، بہرحال کاروبار صحیح ہے۔

بیرونِ ملک سے آنے والوں کو ملنے والا ٹی آر فارم فروخت کرنا

سوال:... کیا ٹی آر فارم فروخت کرنا جائز ہے؟ اس کی تفصیلی صورت یہ ہے کہ بیرونِ ملک دو سال قیام کے بعد حکومت ڈیوٹی فری شاپس سے ایک عدد ایئرکنڈیشنر بغیر کسٹم کے خریدنے کی رعایت دیتی ہے، تو بعض لوگ یہ فارم فروخت کردیتے ہیں، اس کی صورت یہ ہے کہ اس کے فارم پر قانونی کارروائی کی جاتی ہے، پھر صاحبِ فارم اس کارروائی کو مکمل کرانے کے بعد خود خرید سامان

---

(۱) إذ من شرط المعقود عليه أن يكون موجودًا مالًا متقوّمًا وأن يكونَ ملكَ البائع فيما يبيع لنفسه۔ (فتاوی شامی ج:۵ ص ۵۸)۔ لَا يجوز لأحد أن يتصرف في ملك غيره بلا إذنه أو وكالة منه۔ (شرح المجلة لسليم رستم باز ص: ۶۱)۔

ایجنٹوں کو فروخت کرتا ہے، اگر کسی شخص نے اس طرح یہ فارم فروخت کیا تو کیا یہ جائز ہے یا نہیں؟ اگر جائز نہیں ہے تو اس سے حاصل ہونے والی رقم کا کیا کرے؟

جواب:... اگر یہ فارم (اجازت نامہ) خاص باہر رہنے والے کے نام سے کسی کو ملتا ہے، اور کسی دُوسرے شخص کو اسے استعمال کرنے کی حکومت کی طرف سے اجازت نہیں ہوتی تب تو اس کی خرید فروخت کے ناجائز ہونے میں کوئی شبہ نہیں۔ اور اگر قانوناً کوئی دُوسرا شخص بھی اس کو اِستعمال کرسکتا ہے تو بھی محض اجازت نامے کو فروخت کرنا جائز نہیں۔[1] اور فروخت سے حاصل ہونے والی رقم اصل مالک کو واپس کرنا واجب ہے، اپنے اِستعمال میں لانا حلال نہیں۔[2]

وقف جائیداد کو فروخت کرنا

سوال:... مرکزی جامع مسجد کو ۱۹۲۹ء میں ایک آدمی نے ایک دُکان اور ایک مکان وقف کیا تھا، اس وقت جو کرائے دار مکان، دُکان پر قابض تھا، وہ ۷۰ روپے ماہوار کرایہ ادا کر رہا تھا، بعد میں اس میں ۳۰ روپے اِضافہ ہوا، جو کہ ابھی تک وصول ہو رہا ہے، لیکن اب مکانوں، دُکانوں کے کرائے میں اس قدر اِضافہ ہوچکا ہے کہ مکان دُکان بہ آسانی ۵۰۰۰ روپے ماہانہ پر جاسکتے ہیں، اب قابض کرائے دار کرائے کے اِضافے کے مطالبے پر لڑنے مرنے پر تیار ہوجاتا ہے، اور عدالتی طریق سے بھی قانونی سقم کی وجہ سے بے دخلی ممکن نہیں۔ جبکہ اس جائیداد کو لاکھوں میں فروخت کیا جاسکتا ہے۔ آپ فرمائیں کہ جائیدادِ مذکورہ مسجد انجمن فروخت کرکے نئی جائیداد خرید سکتی ہے یا رقم مسجد کی توسیع و تعمیر پر خرچ کرسکتی ہے یا نہیں؟

جواب:... وقف جائیداد شرعی ضرورت کے لئے فروخت کی جاسکتی ہے، اس لئے اس دُکان کو فروخت کرکے رقم مسجد کی توسیع پر صَرف کردی جائے۔[3]

ڈیلی ویجز پر کام کرنے والا اگر کسی دن چھٹی کرلے تو کیا پورے مہینے کی تنخواہ لے سکتا ہے؟

سوال:... اِدارے میں کچھ ورکرز ڈیلی ویجز پر کام کرتے ہیں، مہینے میں کسی دن چھٹی اگر وہ کرلیتے ہیں تو مہینے کے اِختتام پر اس دن کی بھی تنخواہ لیتے ہیں، یہ عمل کیسا ہے؟

---

(۱) قال فی الأشباہ لَا یجوز الإعتیاض عن الحقوق المجردۃ (قولہ لَا یجوز) قال فی البدائع الحقوق المجردۃ لا تحتمل التملیک۔ (درمختار مع رد المحتار ج:۴ ص:۵۱۸، کتاب البیوع)۔

(۲) إن علم أرباب الأموال وجب ردہ علیھم۔ (فتاویٰ شامی ج:۵ ص:۹۹، مطلب فیمن ورث مالًا حرامًا)۔

(۳) الثالثۃ: أن یجحدہ الغاصب ولا بینۃ: أی وأراد دفع القیمۃ، فللمتولی أخذھا، یشتری بھا بدلًا۔ (رد المحتار ج:۴ ص ۳۸۸، کتاب الوقف، مطلب لَا یستبدل العامر إلّا فی أربع، وکذا فی البحر الرائق ج:۵ ص:۳۰۵، کتاب الوقف، طبع رشیدیۃ)۔

جواب:... اگر یومیہ کام پر تقرری ہو تو جتنے دِن کام کیا اتنے دن کی تنخواہ جائز ہے، اور غیر حاضری کے دن کی تنخواہ جائز نہیں۔ (۱)

چھٹی کے اوقات میں ملازم کو پابند کرنا

سوال:... میں پاکستان اسٹیل میں بطور اسسٹنٹ منیجر الیکٹریکل (گریڈ ۱۷ کے برابر) ملازم ہوں۔ نماز روزہ اور دُوسری اسلامی تعلیمات پر نہ صرف خود عمل کرتا ہوں، بلکہ میرے بیوی بچے بھی عمل کرتے ہیں۔ جھوٹ نہیں بولتا، سودی رقم سے اِجتناب کرتا ہوں، باقاعدگی سے زکوٰۃ ادا کرتا ہوں، حج ادا کرچکا ہوں، خوفِ خدا رکھتا ہوں، غرضیکہ اپنے تئیں ایک صالح مسلمان میں جو خوبیاں ہونی چاہئیں اپنی طرف سے ان پر عمل کرنے کی پوری کوشش کرتا ہوں۔ پاکستان اسٹیل کے قریب گلشن حدید میں قیام پذیر ہوں، اپنی ڈیوٹی دِل جمعی سے ادا کرتا ہوں۔

کیونکہ ڈیوٹی بھی عبادت سمجھ کر ادا کرتا ہوں، لہٰذا اپنے موجودہ عہدے سے بھی زیادہ معلومات حاصل کیں اور اپنی ذمہ داریوں کو خوش اُسلوبی سے بجالاتا ہوں۔ اور اس محاورے کے مصداق کہ ''جس نے سبق یاد کیا اسے چھٹی نہ ملی'' میرے ساتھ یہی سلوک ہوتا ہے، اور میری ایمان داری، کام سے لگن اور معلومات کی وجہ سے مجھ سے میرے عہدے سے زیادہ کام لیا جاتا ہے، اور وہ میں بھی ادا کرتا ہوں۔ جبکہ سرکاری نوکری ہونے کی وجہ سے میرے عہدے کے برابر بلکہ مجھ سے بڑے عہدے والے عیاشی کرتے ہیں اور ان کی نوکری برائے نام ہوتی ہے۔ نتیجتاً ان کے حصے کا بوجھ کسی نہ کسی حوالے سے مجھے اور مجھ جیسے کچھ دُوسرے (آٹے میں نمک کے برابر) افراد کو اُٹھانا پڑتا ہے۔ ڈیوٹی ٹائم میں محنت کی بات تو الگ رہی، اکثر ڈیوٹی کے بعد مجھے نہ صرف اپنی بلکہ دُوسرے لوگوں کی سائٹ (پلانٹ) پر رُکنا پڑتا ہے، اور چھٹی والے دِن یا رات کو اکثر و بیشتر مجھے گھر سے فالٹ دُرست کرنے کے لئے اپنی بلکہ دُوسرے لوگوں کی سائٹ (پلانٹ) پر بلایا جاتا ہے، صرف اس لئے کہ دُوسرے لوگ نہ ذمہ داری محسوس کرتے ہیں اور نہ انہوں نے کبھی کچھ سیکھنے کی کوشش کی ہے۔ اکثر اوقات جب بھی چھٹیاں آتی ہیں (جیسے ابھی حال ہی میں آنے والی عید پر حکومت کی طرف سے منگل، بدھ، جمعرات کی چھٹیوں کا اِعلان کیا گیا، جبکہ جمعہ، ہفتہ کو اسٹیل ملز کی اپنی ہفتہ واری چھٹی ہوتی ہے، لہٰذا مسلسل پانچ دن کی چھٹی ہوگئی) تو میری ڈیوٹی لگادی جاتی ہے یا مجھے ۲۴ گھنٹے گھر پر رہنے پر مجبور کردیا جاتا ہے، کیونکہ میرا تمام خاندان کراچی میں رہتا ہے، لہٰذا مجھے مختلف تہواروں کے موقع پر سخت تکلیف کا سامنا کرنا پڑتا ہے، جبکہ دُوسرے لوگ مزے اُڑاتے ہیں۔ ہاں اگر میں بہانہ کردوں کہ میرا کوئی فلاں بیمار ہے تو پھر مجھے تہواری چھٹیوں میں گھر پر رہنے پر مجبور کرنا مشکل ہوگا۔ اسی طرح جب دن بھر کی ایمان داری کے ساتھ انجام دی گئی ڈیوٹی کے بعد میں رات کو آرام کر رہا ہوں اور رات ۲ بجے گاڑی میرے گھر پر کھڑی ہو کہ چلئے صاحب! آپ کو اسٹیل ملز

---

(۱) وأول المدة ما سمي إن سمي، وإلّا فوقت العقد، فإن كان العقد حين يهل أى يبصر الهلال، اعتبر الأهلة، وإلّا فالأيام، كل شهر ثلاثون، وقالا: يتم الأول بالأيام والباقي بالأهلة۔ (درمختار ج:۶ ص:۵۱، باب الإجارة الفاسدة)۔ أما لو شرط شرطًا تبع كحضور الدرس أيامًا معلومة في كل جمعة فلا يستحق المعلوم إلّا من باشر خصوصًا إذا قال: من غاب عن الدرس قطع معلومه، فيجب اتباعه۔ (رد المحتار ج:۴ ص:۴۱۹، كتاب الوقف)۔

میں یاد کیا جارہا ہے، تو کیا میں اپنی ناسازیٔ طبیعت کا بہانہ کرکے اپنی جان بچاسکتا ہوں یا نہیں؟ اور کیا ایسا کرنا جھوٹ بولنے کے زُمرے میں آئے گا یا نہیں؟ اور کیا اس طرح کا بہانہ کرکے میں گناہگار ہوں گا یا نہیں؟

جواب:...آپ امانت داری سے کام کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ خوش رکھے، ایک مسلمان کو یہی کرنا چاہئے۔

۲:...ڈیوٹی کے اوقات میں تو آپ کے ذمے کام ہے ہی اور آپ کو کرنا بھی چاہئے، اور زائد وقت میں اگر آپ سے کام لیا جاتا ہے تو آپ کو اس کا الگ معاوضہ ملنا چاہئے۔

۳:...زائد وقت یا چھٹیوں کا وقت آدمی کے اپنے ضروری تقاضوں اور ضرورتوں کے لئے ہوتا ہے، لہٰذا آپ اگر نہیں جاسکتے تو آپ کے لئے عذر کردینا جائز ہے، کوئی مناسب لفظ اِستعمال کیا جائے تاکہ جھوٹ نہ ہو، مثلاً: ''میری طبیعت کچھ صحیح نہیں'' صحیح فقرہ ہے، کیونکہ آدمی کی طبیعت کچھ نہ کچھ تو ناساز رہا ہی کرتی ہے۔

۴:...عید کی چھٹیوں پر آپ کو پابند کردیا جانا بھی صحیح نہیں، اگر آپ کو اس کا زائد معاوضہ دیا جائے تب تو ٹھیک، ورنہ آپ کو عذر کردینا چاہئے کہ مجھے کچھ ذاتی کام ہیں۔ اور مناسب ہوگا کہ آپ اپنے دفتر کو چٹ لکھ دیا کریں کہ ایسے موقع پر آپ کو نہ بلایا جائے۔

۵:...واقعہ یہ ہے کہ اگر کاریگر اپنی ڈیوٹی پوری دیانت داری سے ادا کرتا ہو، تو اپنے گھنٹے کام کرنے کے بعد اس کے لئے آرام کرنا بے حد ضروری ہے، ورنہ وہ اگلے دن کا کام ٹھیک سے نہیں کرسکتا، اس لئے آپ کو عذر کردینا جائز ہے کہ چھٹی کے اوقات میں آپ کو پریشان نہ کیا جائے۔

لنچ ٹائم میں کسی ذاتی کام سے باہر جانا

سوال:...اِدارے میں لنچ ٹائم مقرر ہے، اس کے علاوہ کسی ذاتی کام سے باہر جانا کہاں تک صحیح ہے؟

جواب:...ذاتی کام سے باہر جانا جائز نہیں، البتہ ایسی معمولی ضرورت جس کے لئے جانے کی عرفاً اِجازت ہوتی ہے، اس کے لئے جانا جائز ہے۔[1]

کیا گورنمنٹ اِدارے کا ملازم اِنچارج کی اجازت سے وقت سے پہلے جاسکتا ہے؟

سوال:...میں ایک ایسے گورنمنٹ ادارے میں کام کرتا ہوں جہاں ساڑھے سات گھنٹے کی ڈیوٹی ہے، جبکہ کام چار پانچ

---

(۱) وفي الهندية: وفي الفتاوى الفضلي رحمه الله: إذا استأجر رجلًا ليومًا ليعمل كذا فعليه أن يعمل ذالك العمل إلى تمام المدة ولَا يشغل بشيء آخر سوى المكتوبة. وفي فتاوىٰ سمرقند: قد قال بعض مشائخنا رحمهم الله تعالىٰ ان له يؤدي السُّنّة أيضًا واتفقوا أنه لَا يؤدي نفلًا وعليه الفتوى، وكذا في الذخيرة. (الفتاوى الهندية ج:۴ ص:۴۱۶، كتاب الإجارة، الباب الثالث في الأوقات التي ...إلخ). قال العلامة ابن عابدين: (قوله وليس للخاص ان يعمل لغيره) بل ولَا أن يصلي النافلة قال في التتارخانية وفي فتاوىٰ الفضلي وإذا استأجر رجلًا يومًا يعمل كذا فعليه ان يعمل ذالك العمل إلى تمام المدة ولَا يشتغل بشيء آخر سوى المكتوبة، وفي فتاوىٰ سمرقند وقد قال بعض مشائخنا رحمهم الله تعالىٰ له ان يؤدي السُّنّة أيضًا واتفقوا أنه لَا يؤدي نفلًا وعليه الفتوى. (شامي ج:۶ ص:۷۰، باب ضمان الأجير).

گھنٹے میں ہوجاتا ہے، اس لئے ورکرز، سیکشن اِنچارج کی اجازت سے اور بعض بغیر اجازت کے ڈیڑھ دو گھنٹے قبل گھروں کو چلے جاتے ہیں، اور وقت پورا نہیں کرتے۔ ورکرز کا یہ عمل اور اِنچارج کا اجازت دینے والا عمل کہاں تک صحیح ہے؟

جواب:... اگر متعلقہ کام ختم ہوگیا ہو تو اِنچارج کی اجازت سے جاسکتے ہیں، اگر کام پڑا ہوا ہے تو اس کی اجازت سے بھی بغیر شدید عذر کے جانا جائز نہیں۔[۱]

افسرانِ بالا کے کہنے پر گھر بیٹھ کر تنخواہ وصول کرنا

سوال:... ہمارے چند دوست ناجائز کمائی نہیں کرتے، لیکن انہیں ان کے افسرانِ بالا نے کہہ رکھا ہے کہ آپ لوگ اپنے گھروں پر رہیں، صرف مہینے کی پہلی تاریخ کو آکر تنخواہ وصول کرلیا کریں، کیا اس طرح ان کا تنخواہ وصول کرنا اور کام پر نہ جانا جائز ہے؟

جواب:... بغیر کام کے تنخواہ لینا جائز نہیں۔[۲]

کام چور کی تنخواہ جائز نہیں

سوال:... کوئی شخص سرکاری نوکری کرتا ہے لیکن اپنی ڈیوٹی پر کام کئے بغیر اپنی تنخواہ ہر ماہ وصول کرتا ہے، اور اس رقم کو اپنے اہل و عیال پر خرچ بھی کرتا ہے۔ زید اسی اِدارے کی یونین میں بھی ہے، اپنی سیٹ پر نہیں بیٹھتا ہے، نہ ہی اپنی ذمہ داری پوری طرح سے انجام دیتا ہے، اور گھر بیٹھے آفس میں حاضری رجسٹر میں اس کی حاضری بھی روزانہ معمول کے مطابق لگ جاتی ہے، کیونکہ ہمارے معاشرے میں آج کل حرام، حلال کی پہچان ختم ہوکر رہ گئی ہے، بس لوگ کچھ نہیں دیکھتے ہیں، کام کئے بغیر اپنی تنخواہ بھی وصول کرلیتے ہیں، آیا کیا ان کی یہ رقم صحیح ہے؟ حلال ہے یا حرام؟ کیونکہ محنت کچھ نہیں اور رقم پوری وصول کی جاتی ہے۔ آج کل ہمارے معاشرے میں خاص طور پر سرکاری اِداروں میں بہت سے ایسے لوگ ہیں جو اپنی ڈیوٹی پر بھی نہیں جاتے ہیں اور ہر ماہ تنخواہ پوری وصول کرتے ہیں۔

جواب:... یہ تو ظاہر ہے کہ سرکاری ملازمین کو جو تنخواہ ملتی ہے وہ ان کی کارکردگی کا معاوضہ ہے، اور کام کے جو اوقات مقرّر ہیں وہ ان کی کارکردگی کا پیمانہ ہیں۔ اب اگر ایک ملازم کام پر جاتا ہی نہیں، یا جاتا ہے مگر جتنا وقت اس کے کام کے لئے مقرّر ہے، اتنے وقت کام نہیں کرتا، تو گویا وہ بغیر معاوضے کے تنخواہ لیتا ہے، لہٰذا اس کی یہ تنخواہ ناجائز اور حرام ہے،[۳] قرآنِ کریم میں ان لوگوں کے لئے ہلاکت کی وعید سنائی ہے جو ناپ تول میں کمی کرتے ہیں۔[۴] حضرت مفتی محمد شفیع تفسیر ”معارف القرآن“ میں لکھتے ہیں:

---

(۱) حوالہ کے لئے گزشتہ صفحے کا حاشیہ نمبر۱ ملاحظہ فرمائیں۔

(۲) والإجارة لا تخلو، أما أن تقع على وقت معلوم أو على عمل معلوم، فإن وقعت على عمل معلوم فلا تجب الأجرة إلّا بإتمام العمل .... وإن وقعت على وقت معلوم، فتجب الأجرة بمضى الوقت إن هو استعمله أو لم يستعمله ... إلخ. (النتف في الفتاوى ص:۳۳۸، كتاب الإجارة، معلومية الوقت والعمل).

(۳) ایضاً حوالہ بالا۔

(۴) ويل للمطففين الذين إذا اكتالوا على الناس يستوفون، وإذا كالوهم أو وزنوهم يخسرون. (المطففين: ۱،۲).

"قرآن و حدیث میں ناپ تول میں کمی کرنے کو حرام قرار دیا ہے، کیونکہ عام طور سے معاملات کا لین دین انہی دو طریقوں سے ہوتا ہے، انہی کے ذریعے سے یہ کہا جاسکتا ہے کہ حق دار کا حق ادا ہو گیا یا نہیں؟ لیکن مقصد اس سے ہر ایک حق دار کا حق پورا پورا دینا ہے، اس میں کمی کرنا حرام ہے.......... مزدور ملازم نے جتنے وقت کی خدمت کا معاہدہ کیا ہے، اس میں سے وقت چرانا اور کم کرنا بھی اس میں داخل ہے، وقت کے اندر جس طرح محنت سے کام کرنے کا عرفِ عام میں معمول ہے، اس میں سستی کرنا بھی "تطفیف" ہے، اس میں عام لوگوں میں یہاں تک کہ اہلِ علم میں بھی غفلت پائی جاتی ہے، اپنی ملازمت کے فرائض میں کمی کرنے کو کوئی گناہ ہی نہیں سمجھتا، اعاذنا اللہ منہ!" (معارف القرآن ج:۸ ص:۶۹۴)

پس جو ملازمین کام پر نہیں جاتے اور اپنی تنخواہ وصول کر لیتے ہیں، وہ خائن اور چور ہیں، اور ان کا تنخواہ وصول کرنا ناجائز ہے۔

چھٹی والے دِن کی تنخواہ اور اوور ٹائم لینا

سوال:... اوور ٹائم اور فرائیڈے کے نام سے زائد اوقات اور جمعہ کی چھٹی کے دن کام کرنے کی اُجرت لینا جبکہ ان اوقات میں کام نہ کیا ہو، کیسا ہے؟ میں اپنے دِل کے اِطمینان کے لئے پوچھنا چاہتا ہوں؟

جواب:... آپ کا اس بارے میں پوچھنا، اس بات کی دلیل ہے کہ آپ کے دِل میں کھٹک ہے، اور ضمیر مطمئن نہیں۔ "اوور ٹائم" کا مطلب یہ ہے کہ ملازم نے ڈیوٹی کے وقت سے زیادہ کام کیا ہے، لہٰذا وہ زائد معاوضے کا مستحق ہے، اور "فرائیڈے" کا مطلب یہ ہے کہ اس نے چھٹی کے دن کام کیا ہے، لہٰذا اِضافی رقم کا مستحق ہے۔ جس ملازم نے زائد وقت میں کام ہی نہیں کیا، یا چھٹی کے دن کام نہیں کیا، وہ اِضافی رقم کا مستحق نہیں، اگر غلط بیانی کر کے یہ رقم لیتا ہے تو اس کے لئے حلال نہیں۔[1] واللہ اعلم!

شرعی مسئلہ بتانے کی اُجرت لینا جائز نہیں

سوال:... مجھے آپ کے بارے میں اچھی طرح معلوم ہے کہ اگر آپ سے کوئی دینی مسئلہ بذریعہ ڈاک پوچھا جائے تو آپ اس کا جواب بذریعہ ڈاک دے دیتے ہیں، اگر بذاتِ خود آپ کے پاس آکر مسئلہ معلوم کیا جائے تو آپ بلا کسی قسم کے معاوضے کا اس کا حل بتاتے ہیں۔ لیکن میرے علم میں ایک ایسا شخص ہے جو اپنے آپ کو عالمِ دین کہتا ہے، اگر اس سے بذریعہ خط و کتابت کوئی دینی مسئلہ دریافت کیا جائے تو وہ بجائے اس کے کہ بذریعہ خط و کتابت جواب دے، وہ اپنے گھر پر سائل کو بلاتا ہے، اور اس کے مسئلے کا حل بتانے سے پہلے اس سے رقم طلب کرتا ہے، اور اس کی طلب کی ہوئی رقم دینے کے بعد وہ مسئلے کا حل بتاتا ہے۔ کیا اس شخص کا یہ فعل جائز ہے؟ پیسے لینے اور دینے والے دونوں شخصوں کے بارے میں بتائیں کہ کیا ان کا ایسا کرنا اَزرُوئے شریعت دُرست ہے؟

---

(۱) قال اللہ تعالیٰ "لا تأكلوا أموالكم بينكم بالباطل" (النساء: ۲۹)۔ وفي التفسير البغوي تحت هذه الآية (ج:۲ ص:۵۰) (بالباطل) بالحرام يعني بالربا والقمار والغصب والسرقة والخيانة ونحوها۔

جواب:... شرعی مسئلہ بتانے پر رقم لینا جائز نہیں،[1] ایسے عالم سے مسئلہ پوچھنا بھی گناہ ہے۔

زبردستی مکان لکھوالینا شرعاً کیسا ہے؟

سوال:... میرے دوست نے اپنی اہلیہ کو بعض غیرشرعی ناپسندیدہ حرکتوں پر مسلسل تنبیہ کی، لیکن اس کی اہلیہ نے ان حرکات کو ترک کرنے کے بجائے شوہر کے ساتھ نفرت وحقارت اور خصومت کا رویہ اختیار کیا اور ان حرکتوں پر اصرار کرتی رہی۔ بہت سوچ بچار کے بعد ہمارے دوست نے اپنی اہلیہ کو ایک طلاق دے دی۔ اس پر ان کی اہلیہ اور اہلیہ کے رشتہ دار بے حد خفا ہوگئے اور ان کی اہلیہ نے مزید دو طلاقیں مانگ لیں، جو کہ ہمارے دوست نے دے دیں۔ پھر کسی بہانے سے ہمارے دوست کے سسرال والوں نے اپنے گھر بلالیا اور وہاں ان کے سسر صاحب اور سالے صاحب نے نہایت بے رحمی سے پٹائی کی، شدید پٹائی کے سبب ہمارے دوست حواس باختہ ہوگئے، پھر سالے صاحب نے اپنے ایک دوست کے پاس حبسِ بے جا میں ان کے گھر پر رکھوادیا، پھر صبح کو کورٹ میں لے جاکر زبردستی ڈرا دھمکا کر اپنا مکان بچوں کے نام ہبہ کرنے کے کاغذات پر دستخط کروالئے۔ ہمارے دوست نے جو غیرمتوقع شدید پٹائی کے سبب ذہنی طور پر ماؤف ہوچکے تھے کاغذات پر دستخط کردیئے (بسبب خوف کے)۔

۱:... اگر شوہر شرعی طور پر مطمئن ہوکر بیوی کو طلاق دے دے تو سسر صاحب اور سالے صاحب کا بے دردی سے طلاق دینے پر مارنا پیٹنا شرعاً جائز ہے؟

جواب:... شرعاً ناجائز اور ظلم ہے۔

۲:... کیا ایسا ہبہ شرعاً جائز ہے یا کہ ہمارے دوست شرعاً اپنا مکان واپس لینے کے حق دار ہیں؟

جواب:... اگر یہ شخص حواس باختہ تھا تو ہبہ صحیح نہیں ہوا،[2] اور جو کچھ کیا گیا یہ ہبہ نہیں بلکہ غصب ہے۔[3]

اپنی شادی کے کپڑے بعد میں فروخت کردینا

سوال:... میں نے تقریباً دو سال پہلے شادی کے لئے ہاتھ کے کام والے کپڑے بنوائے تھے، ان میں سے کافی کپڑے ابھی تک بند پڑے ہیں، اگر میں کچھ سالوں بعد ان کو مارکیٹ کی قیمت پر بیچ دُوں تو یہ منافع میرے لئے جائز ہے؟ جبکہ ایسے کپڑوں کی

---

(۱) لقد اتفقت النقول عن أئمتنا الثلاثة أبي حنيفة، وأبي يوسف، ومحمد، رحمهم الله تعالىٰ، أن الإستئجار على الطاعات باطل. (شرح عقود رسم المفتي ص:۳۷).

(۲) وأما ما يرجع إلى الواهب، فهو أن يكون الواهب من أهل الهبة، وكونه من أهلها أن يكون حرًّا عاقلًا بالغًا مالكًا للموهوب، حتّٰى لو كان عبدًا أو مكاتبًا ...... أو كان صغيرًا أو مجنونًا أو لَا يكون مالكًا للموهوب لَا يصح هٰكذا في النهاية. (فتاوىٰ عالمگيرية ص:۳۷۴ كتاب الهبة، الباب الأوّل).

(۳) قال تعالىٰ: "وَلَا تأكلوا أموالكم بينكم بالباطل" (قوله بالباطل) بالحرام يعني بالربا والقمار والغصب والسرقة والخيانة ونحوها. (تفسير بغوى ج.۲ ص:۵۰). أيضًا: عن أبي حرة الرقاشي عن عمه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: ألَا لَا تظلموا! ألَا لَا يحل مال إمرىءٍ إلّا بطيب نفس منه. (مشكوٰة ص:۲۵۵ باب الغصب والعارية).

قیمتیں دن بدن بڑھتی رہتی ہیں، اور کچھ سالوں بعد ان کو بیچنے سے یا اگر کسی باہر کے ملک بکواؤں جہاں ہاتھ کا کام بہت مہنگا ہے تو مجھے ان کپڑوں پر منافع ہوگا، یعنی جس قیمت پر میں نے ان کو بنوایا اس سے زیادہ قیمت مجھے مل سکے گی بیچنے میں۔ کیا ایسا کرنا جائز ہے؟ اسلام کی رُو سے کیا اس منافع سے میں زکوٰۃ وغیرہ ادا کرسکتی ہوں؟

جواب:... یہ منافع جائز ہے، اس میں کوئی حرج نہیں۔[1]

اسکول کی چیزوں کی فروخت سے اُستاد کا کمیشن

سوال:... ایک اسکول میں ایک ہیڈ ماسٹر صاحب اسکول میں فروخت ہونے والی اشیاء مثلاً: ڈرائنگ، شرح کی کتابیں، اسکول بیج، رپورٹ کارڈ وغیرہ سے جو کمیشن حاصل ہوتا ہے، خود نہیں لیتے بلکہ یہ کہہ کر انکار کردیتے ہیں کہ میرا کمیشن دیگر اساتذہ میں بانٹ دیا جائے، کیا موصوف کا یہ کہنا صحیح ہے؟

جواب:... موصوف کا یہ طرزِ عمل لائقِ رشک اور لائقِ تقلید ہے۔

بچی ہوئی سرکاری دواؤں کا کیا کریں؟

سوال:... میرے خاوند ملازم پیشہ ہیں، جن کو محکمے کی طرف سے میڈیکل کی سہولت ہے، اور جو دوائیں ہمیں ملتی ہیں، وہ پیکنگ میں ہوتی ہیں، کچھ تو وقتی طور پر یعنی بیماری کے دوران کھائی جاتی ہیں، باقی بچ جاتی ہیں، جو کہ ہمارے پاس کافی جمع ہوجاتی ہیں۔ ان کا ہم کیا کریں؟ کیا کیمسٹ کو دے کر کوئی دُوسری اشیاء فِنس یا ٹوتھ پاؤڈر وغیرہ لے سکتے ہیں، کیا یہ شرعاً جائز ہوگا؟ کیونکہ میں صوم و صلوٰۃ کی بہت پابند ہوں، بہت مشکور ہوں گی۔

جواب:... محکمے کی طرف سے جو دوائیں صرف اِستعمال کے لئے ملتی ہیں، ان کو آپ اِستعمال تو کرسکتی ہیں، مگر ان کو فروخت کرنے یا ان سے دُوسری اشیاء کا تبادلہ کرنے کی شرعاً اجازت نہیں۔ جو زائد ہوں وہ محکمے کو واپس کردیا کیجئے۔[2] اور اگر ان کی واپسی ممکن نہ ہو تو ضرورت مند محتاجوں کو دے دیا کریں، یا کسی خیراتی شفاخانے میں بھجوادیا کریں۔[3]

فیکٹری لگانے کے لائسنس کی خرید و فروخت

سوال:... کپڑا بنانے کی فیکٹری لگانے کے لئے حکومت سے اجازت کی ضرورت ہوتی ہے، حکومت ہر فیکٹری کو مشینوں کی تعداد کے لحاظ سے درآمدی لائسنس دیتی ہے، یہ لائسنس دھاگے کی درآمد کے لئے ہوتا ہے، چھوٹے فیکٹری مالکان کے پاس اتنا سرمایہ نہیں ہوتا کہ وہ خود دھاگہ درآمد کرسکیں۔ حکومت جو درآمدی لائسنس دیتی ہے ہم چھوٹے مالکان فیکٹری اس کو بازار میں فروخت کردیتے

---

(۱) كل يتصرف في ملكه كيف شاء... إلخ. (شرح المجلة لسليم رستم باز ص:۶۵۴ المادّة ۱۱۹۲).

(۲) إن الله يأمركم أن تؤدّوا الأمانات إلى أهلها" (النساء:۵۸).

(۳) والحاصل انه إن علم أرباب الأموال وجب رده عليهم، وإلّا فإن علم عين الحرام لا يحل له، ويتصدق به بنية صاحبه. (رد المحتار ج ۵ ص:۹۹، باب البيع الفاسد، مطلب فيمن ورث مالًا حرامًا).

ہیں، بڑے بڑے سرمایہ دار اس درآمدی پرمٹ پر دھاگہ درآمد کرتے ہیں، اور یہ دھاگہ بازار میں فروخت ہوتا ہے اور مختلف ہاتھوں میں ہوتا ہوا یہ دھاگہ ہماری فیکٹریوں میں آجاتا ہے اور اس سے کپڑا تیار ہوتا ہے۔ معلوم یہ کرنا ہے کہ ان درآمدی لائسنس کو فروخت کرنے سے جو روپیہ ہم کو ملتا ہے وہ حرام ہے یا حلال؟

جواب:... درآمدی لائسنس مال نہیں ہے بلکہ ایک حق ہے، اس لئے اس کی فروخت مشتبہ ہے، اس سے احتراز و اجتناب بہتر ہے۔

بینک کے تعاون سے ریڈیو پر دینی پروگرام پیش کرنا

سوال:... ریڈیو سے ایک پروگرام "روشنی" کے عنوان سے نشر ہوتا ہے، جو زیادہ تر شاہ بلیغ الدین کی آواز میں ہوتا ہے، لیکن اس پروگرام کے بعد بتایا جاتا ہے کہ یہ پروگرام آپ کی خدمت میں فلاں بینک کے تعاون سے پیش کیا گیا ہے۔ آپ قرآن و حدیث کی روشنی میں یہ بتائیں کہ کیا سود کا کاروبار کرنے والے ادارے کے ذریعے ایسے پروگرام وغیرہ نشر کرنا ٹھیک ہیں؟ کیونکہ سود حرام ہے۔

جواب:... حرام کا مال کسی نیک کام میں خرچ کرنا دُرست نہیں، بلکہ دُہرا گناہ ہے۔[1]

امانت کی حفاظت پر معاوضہ لینا

سوال:... میرے پاس لوگ پیسے جمع کراتے ہیں اور میں جمع کرتا ہوں، لینے دینے میں بھول بھی ہوتی ہے، اس کے علاوہ کافی بھاگ دوڑ کرنا پڑتی ہے، اس پر اگر دو روپیہ فی سیکڑہ لیا جائے تو یہ جائز ہوگا یا ناجائز؟ برائے مہربانی مطلع فرمادیں۔

جواب:... لوگ آپ کے پاس بطور امانت کے رقمیں جمع کراتے ہیں، جتنی رقم جمع کرائیں اتنی ہی رقم واپس کرنا ضروری ہے، بھول چوک اور ادائیگی میں نزاع نہ ہونے کے لئے حساب کتاب رکھنا بھی ضروری ہے، اور بصورت وفات ورثاء کو امانتیں ادا کرنے میں بھی سہولت رہے گی۔ البتہ اگر پہلے سے طے کرلیا جائے کہ فیصد اتنے روپے اتنی مدّت تک بغرض حفاظت (سنبھالنے کی) اتنی اُجرت ہوگی، یہ اُجرت لینا دُرست ہے، لیکن اس صورت میں اگر رقم ضائع ہوگئی تو ضمان لازم آئے گا۔[2] الغرض امانت رکھی ہوئی رقم پر فی سیکڑہ دو روپے لینا جائز نہیں، سود ہے۔[3] اس سے پہلے جن جن سے اس طرح لے چکے ہیں، انہیں بھی ان کی رقم واپس کرنا ضروری ہے۔[4]

---

(۱) رجل دفع إلى فقير من المال الحرام شيئًا يرجو به الثواب يكفر .... قلت الدفع إلى فقير غير قيد بل مثله فيما يظهر لو بنى مسجدًا أو نحوه مما يرجو به التقرب لأن العلة رجاء الثواب فيما فيه العقاب. (رد المحتار ج:۴ ص:۲۹۲).

(۲) وهي (الوديعة) امانة هذا حكمها مع وجوب الحفظ والأداء عند الطلب .... فلا تضمن بالهلاك إلّا إذا كانت الوديعة بأجر. (ردالمحتار ج.۵ ص:۶۶۴، طبع سعيد).

(۳) باب الربا، هو فضل مال بلا عوض في معاوضة مال بمال أى فضل أحد المتجانسين على الآخر. (البحر الرائق ج:۶ ص:۱۳۵ طبع دار المعرفة بيروت).

(۴) والحاصل: إن علم أرباب الأموال وجب رده عليهم. (فتاوىٰ شامى ج:۵ ص:۹۹، باب البيع الفاسد).

ٹی وی کے پروگرام نیلام گھر میں شرکت

سوال:... ٹی وی میں بعض پروگرام "نیلام گھر" قسم کے اِنعام دینے والے ہوتے ہیں، ایسے پروگرام بہت مقبول ہوتے ہیں۔ اب سوال یہ ہے کہ اس پروگرام میں لوگ ٹکٹ خرید کر شامل ہوتے ہیں اور کچھ سوالات کے عوض ان کو ان کی خرچ کی ہوئی رقم سے کچھ زیادہ مل جاتا ہے، اور کچھ لوگوں کو کم اور کچھ لوگ بغیر کچھ لئے واپس چلے جاتے ہیں۔ کیا یہ دُرست ہے؟ اس میں جوا کا عنصر تو نہیں؟

جواب:... میں اس میں شمولیت ہی کو جائز نہیں سمجھتا، رقم لینے دینے کا کیا سوال...!

اگر کوئی سونے کی اُجرت نہ دے تو کیا اُس کے سونے سے اُجرت کی بقدر لے کر اُسے بتادیا جائے تو دُرست ہوگا؟

سوال:... ہماری ڈائی مشین پر صرف دُکان دار کام کرواتے ہیں، لیکن اُجرت نقد نہیں دیتے، بلکہ ہفتہ بعد مزدوری دینے کا وعدہ کرتے ہیں، اور تھوڑی تھوڑی کر کے ادائیگی کرتے ہیں۔ بعض دُکان دار رقم روک لیتے ہیں اور بہت زیادہ رقم جمع ہوجائے تو کام بند کر کے دُوسری مشین والوں سے کام شروع کراتے ہیں۔ شاگرد بار بار جاتے ہیں، لیکن رقم نہیں ملتی، نتیجہ یہ کہ رقم بھی گئی اور گاہک بھی گیا۔ ایک دُوسری مشین والے کا کہنا ہے کہ جب وہ دیکھتا ہے کہ رقم زیادہ ہوگئی ہے تو سونا جو اسے کام کے لئے دیا جاتا ہے، اس سے وہ تھوڑا تھوڑا سونا رکھ لیتا ہے، جس کا دُکان دار کو پتا نہیں چلتا، اور وصولی بھی ہوجاتی ہے، بعد میں دُکان دار کا کھاتہ وصول کر کے بتادیتے ہیں۔ کیا اس طرح وصول کرنا دُرست ہے؟ جبکہ پہلی صورت میں کاروبار بند ہوجاتا ہے، اور نقصان ناقابلِ برداشت ہوتا ہے، اور دُوسری صورت میں دونوں راضی رہتے ہیں۔ مطلب یہ کہ مزدوری دینے میں نیت خراب ہوتی ہے، یعنی نہ دینے کی، اور کاروبار میں وعدہ خلافی بھی کرتے ہیں، تو کیا دُوسرے طریقے سے اپنا حق وصول کرنے میں کوئی حرج ہے یا نہیں؟

جواب:... دُرست ہے، بشرطیکہ ان کے ساتھ کوئی دھوکا نہ کیا جائے۔[1] واللہ اعلم!

ہوٹل کی "ٹپ" لینا شرعاً کیسا ہے؟

سوال:... میں ایک ہوٹل میں بیرا ہوں، جہاں ہمیں تنخواہ کے علاوہ ہر روز "ٹپ" (بخشش) ملتی ہے، جو گاہک اپنی مرضی سے ہمیں خوش ہو کر دے دیتا ہے۔ معلوم یہ کرنا ہے کہ کیا یہ "ٹپ" ہمارے لئے حلال ہے یا حرام؟ ذرا تفصیل سے جواب دیجئے گا تاکہ میں اپنے دُوسرے ساتھیوں کو بھی بتاسکوں۔

---

(۱) ولَا يقطع .... ومثل دينه ولو دينه مؤجلًا أو زائدًا عليه أو أجور لصيرورته شريكًا إذا كان من جنسه ولو حكمًا۔ (قوله ولو دينه مؤجلا) لأنه استيفاء لحقه والحال والمؤجل سواء في عدم القطع استحسانا .... وقد صرح في شرح تلخيص الجامع في باب اليمين في المساومة بأن له الأخذ وكذا في خطر المجتبى ولعله محمول على ما إذا لم يمكنه الرفع للحاكم فبإذا ظفر بمال مديونه له الأخذ ديانة بل له الأخذ من خلاف الجنس۔ (الدر المختار مع رد المحتار ج۴ ص:۹۵، مطلب في أخذ الدائن من مال مديونه من خلاف جنسه، طبع سعيد)۔

جواب:... جو لوگ اپنی خوشی سے دے دیں ان سے لینا حلال ہے، مگر اس کو حق سمجھنا، اس کا مطالبہ کرنا، اور جو نہ دے اس کو حقیر سمجھنا جائز نہیں۔[1]

آزاد عورتوں کی خرید و فروخت

سوال:... عرض یہ ہے کہ ہمارے یہاں اندرونِ سندھ و بلوچستان میں وہ بنگالی عورتیں جو دلالوں کے ذریعے مکر و فریب میں پھنس کر بنگلہ دیش سے پاکستان لائی جاتی ہیں، ان عورتوں میں کچھ بالغ و نابالغ کنواری عورتیں بھی ہوتی ہیں، کچھ لاوارث (طلاق شدہ) اور شادی شدہ بھی ہوتی ہیں، جن کو دلال جبراً یا مجبوراً دیہات میں لاوارث کی حالت میں چھوڑ کر لوگوں کے یہاں نکاح میں دے جاتے ہیں، کیا شرعی لحاظ سے بنگالی یا غیر بنگالی اس قسم کی عورتوں سے نکاح جائز ہے یا نہیں؟ اگر ناجائز ہے تو اس کاروبار کو حرام قرار دیں اور فتویٰ بھی شائع کریں تاکہ لوگ آئندہ یہ کاروبار ختم کردیں اور خریدنے والوں کو بھی شرعی تنبیہ کریں تاکہ آنے والی نسلوں کے لئے ایک شرعی فرمان اور ہدایت ہو، اور خصوصاً مولوی حضرات کو بھی گزارش کریں کہ وہ آئندہ اس قسم کے نکاحوں کے عمل سے گریز کریں۔

جواب:... آزاد عورتوں کی خرید و فروخت (جس کو عرفِ عام میں "بردہ فروشی" کہا جاتا ہے) شرعاً حرام ہے۔[2] اور جو لوگ اس گندے کاروبار میں ملوّث ہیں وہ انسانیت کے دُشمن، شیطان کے ایجنٹ اور معاشرے کے مجرم ہیں۔ ایسی عورتیں جو ان ظالموں کے چنگل میں ہوں اگر کوئی شخص ان کو رہائی دلانے کے لئے ان سے شرعی طریقے پر نکاح کرلیتا ہے تو نکاح صحیح ہے۔ شرط یہ ہے کہ عورت اگر عاقلہ و بالغہ ہو تو نکاح اس کی رضامندی سے ہوا ہو، اور اگر لڑکی نابالغ ہے تو اس کا نکاح اس کے اولیاء کی اجازت کے بغیر نہیں ہوسکتا، جب تک کہ وہ جوان نہ ہوجائے۔ جوان ہونے کے بعد اس کی رضامندی سے نکاح کیا جائے تو نکاح ہوجائے گا۔[3]

شرط پر گھوڑوں کا مقابلہ کرانے والے کی ملازمت کرنا

سوال:... ریس میں دوڑنے والے گھوڑوں کی خدمت کرنا، ان کی دیکھ بھال کرنا یا کسی ایسے ادارے میں ملازمت کرنا جس کے زیرِ انتظام ریس کے گھوڑے دوڑتے ہوں، شرعی لحاظ سے کیسا ہے؟

جواب:... شرط پر گھوڑوں کا مقابلہ حرام ہے،[4] اور اس کی ملازمت بھی ناجائز ہے۔[5]

---

(۱) قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: ألا لا يحل مال امرىء إلّا بطيب نفس منه. (مشكوٰة ص:۲۵۵).

(۲) عن النبي صلى الله عليه وسلم قال: قال الله: ثلاثة أنا خصمهم يوم القيامة: رجل أعطىٰ بي ثم غدر ورجل باع حرًّا فأكل ثمنه ورجل استأجر أجيرًا فاستوفى منه ولم يعط أجره. (بخاری ج:۱ ص:۲۹۷). وأما شرائط المعقود عليه: فأن يكون موجودًا مالًا متقوّمًا .... ولم ينعقد بيع ما ليس بمال متقوم كبيع الحر. (البحر الرائق ج:۵ ص:۲۵۹).

(۳) قوله (نفذ نكاح حرة مكلفة بلا ولي) لأنها تصرفت في خالص حقها وهي من أهله لكونها عاقلة بالغة. . ..... وقد بالمكلفة إعتراضًا عن الصغيرة فإنه لا ينعقد نكاحها إلّا بولي. (البحر الرائق، كتاب النكاح ج:۳ ص:۱۰۹، ۱۱۰).

(۴) حل الجعل إن شرط المال في المسابقة من جانب واحد وحرم لو شرط فيها من الجانبين لأنه يصير قمارًا. قوله من الجانبين بأن يقول إن سبق فرسك فلك عليّ كذا وإن سبق فرسي فلي عليك كذا. (ردالمحتار ج:۶ ص:۴۰۳).

(۵) ما حرم فعله حرم طلبه ... إلخ. (شرح المجلة ص:۳۳).

کسی کے گرم کئے ہوئے تنور پر اُس کے روٹیاں لگانے کے بعد روٹیاں لگانا

سوال:... ایک شخص نے تنور پر روٹیاں لگالیں، اب اگر کوئی دُوسرا شخص اس پر روٹیاں لگائے، جبکہ تنور ابھی گرم ہو تو کیسا ہے؟

جواب:... جس شخص نے تنور پر روٹیاں لگائی ہیں، اگر تنور گرم کرنے کے پیسے اس نے ادا کئے ہیں تو اس کی اجازت کے ساتھ آپ اس تنور کو استعمال کرسکتے ہیں، بغیر اجازت کے نہیں۔[1]

اسپانسر اسکیم کے ڈرافٹ کی خریداری

سوال:... آج کل ریگولر اسکیم اور اسپانسر شپ اسکیم کے تحت حج درخواستیں جمع ہوتی ہیں، اسپانسر شپ میں جو حج کے لئے جانا چاہے تو باہر کسی ملک سے ۴۵ ہزار روپے کا ڈرافٹ منگاکر جمع کرائے۔ بعض حضرات یہ ڈرافٹ جو بھی حج پر جانا چاہے اس سے کچھ رقم زائد لے کر اس کے نام سے منگا کر دیتے ہیں۔ آج کل یہ ڈرافٹ ۴۹,۵۰۰ روپے کا مل رہا ہے۔ صورت یہ ہے کہ اسپانسر شپ اسکیم کے تحت جانے والے حاجیوں کی بڑی تعداد اسی طرح زائد رقم خرچ کرکے ڈرافٹ لے کر حج پر جاتی ہے۔ دریافت طلب اَمر یہ ہے کہ اس طرح زائد رقم دے کر ڈرافٹ لینا جائز ہے؟ جو لوگ باہر سے ڈرافٹ منگا کر دیتے ہیں ان سے پوچھا جائے کہ یہ آپ زائد رقم کیوں لے رہے ہیں؟ تو وہ کہتے ہیں کہ یہ کرنسی کا فرق ہے، غیرملک میں جب ڈرافٹ بنتا ہے تو کرنسی میں اتنا فرق آجاتا ہے۔ اور کچھ نفع وہ بھی رکھتے ہوں گے۔ اگر یہ صورت ناجائز ہو تو اس کی اصلاح کی کیا صورت ہے؟ کیا یہ بہتر نہیں ہوگا کہ حکومت یہ ڈرافٹ پاکستانی روپے کے بجائے باہر کی کرنسی مثلاً: ڈالر، پاؤنڈ، ریال وغیرہ میں لے لے؟ اس طرح اگر پاکستانی روپے دے کر باہر کی کرنسی کا ڈرافٹ لیا جائے گا تو وہ سود کے زُمرے میں تو نہیں آئے گا؟ اس وقت جو ڈرافٹ ملتا ہے وہ پاکستانی روپے میں ہوتا ہے، جبکہ ادائیگی بھی پاکستانی روپے میں ہوتی ہے۔ اسپانسر شپ اسکیم کو لوگ یوں بھی ترجیح دیتے ہیں کہ اس میں ریگولر اسکیم کے برعکس مکہ مکرمہ، مدینہ منورہ میں حکومت کی طرف سے لازمی رہائش کی شرط نہیں ہوتی، جبکہ ریگولر اسکیم میں حج پر جانے والوں کے لئے لازمی رہائش کی شرط ہوتی ہے، اور لازمی رہائش میں تکلیف زیادہ ہوتی ہے۔

جواب:... زیادہ پیسے دے کر کم پیسے کا ڈرافٹ لینا تو سود ہے،[2] البتہ ایک ملک کی کرنسی کا تبادلہ دُوسرے ملک کی کرنسی کے ساتھ ہر طرح جائز ہے، خواہ کم ہو یا زیادہ۔[3] اس لئے بہتر شکل تو یہ ہے کہ حکومت ریالوں یا ڈالروں کا ڈرافٹ لیا کرے، یا پھر یہ شکل کی

---

(۱) لا یجوز لأحد أن یتصرف فی ملک غیرہ بلا إذنہ أو وکالۃ منہ أو ولایۃ علیہ۔ (شرح المجلۃ ص:۶۱)۔

(۲) باب الربا ھو فضل مال بلا عوض فی معاوضۃ مال بمال أی فضل أحد المتجانسین علی الآخر ...إلخ۔ (البحر الرائق ج:۶ ص:۱۳۵ طبع دار المعرفۃ بیروت)۔

(۳) بیعوا الذھب بالفضۃ کیف شئتم یدا بید، وبیعوا البر بالتمر کیف شئتم یدا بید، وبیعوا الشعیر بالتمر کیف شئتم یدا بید۔ (ترمذی شریف، کتاب البیوع ص:۲۳۵)۔ وإذا عدم الوصفان الجنس والمعنی المفھوم إلیہ، حل التفاضل والنسأ لعدم العلۃ المحرمۃ ...إلخ۔ (ھدایۃ ج:۳ ص:۸۱ باب الربا، کتاب البیوع)۔

جائے کہ ڈرافٹ کے لئے تو اتنی ہی رقم لی جائے جتنے کا ڈرافٹ ہے، اور زائد رقم ایجنٹ حضرات اپنے محنتانہ کے طور پر الگ لیا کریں۔[1]

فلیٹوں کے مشترکہ اخراجات اَدا نہ کرنا سراسر حرام ہے

سوال:... ہم جس اپارٹمنٹ میں رہائش پذیر ہیں، وہ ڈیڑھ سو فلیٹس پر مشتمل ہے، اس میں چوکیدار کا نظام، پانی کی سپلائی اور صفائی کے اخراجات کی مد میں فی فلیٹ ماہانہ دو سو روپے لئے جاتے ہیں، تاکہ اُوپر بیان کردہ سہولتیں مکینوں کو مہیا کی جائیں۔ کچھ مکین ایک بھی پیسہ نہیں دیتے، لیکن ساری سہولتوں سے فائدہ اُٹھاتے ہیں۔ مولانا صاحب! شرعی اِعتبار سے کیا یہ حرام خوری نہیں ہے؟

جواب:... یہ حقوق العباد کا مسئلہ ہے، جب اِجتماعی سہولتیں سب اُٹھاتے ہیں تو ان کے واجبات بھی سب کے ذمے لازم ہیں۔ ان میں اگر کچھ لوگ واجبات ادا نہیں کرتے تو گویا دُوسروں کا مال ناحق کھانے کے وبال میں مبتلا ہیں، جو سراسر حرام ہے، اور قیامت کے دِن ان کو بھرنا ہوگا۔ حدیث شریف میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرامؓ سے پوچھا کہ جانتے ہو مفلس کون ہے؟ عرض کیا: ہمارے یہاں تو مفلس وہ شخص کہلاتا ہے جس کے پاس روپیہ پیسہ نہ ہو۔ فرمایا: میری اُمت میں مفلس وہ شخص ہے جو قیامت کے دن نماز، روزہ اور زکوٰۃ لے کر آئے گا، لیکن اس حالت میں آئے گا کہ فلاں کو گالی گلوچ کیا تھا، فلاں پر تہمت لگائی تھی، فلاں کا مال کھایا تھا، فلاں کی خونریزی کی تھی، فلاں کو مارا پیٹا تھا، اس کی نیکیاں ان لوگوں کو دے دی جائیں گی، پس اگر نیکیاں ختم ہوگئیں مگر لوگوں کے حقوق ادا نہیں ہوئے تو حقوق کے بقدر لوگوں کے گناہ اس پر ڈال دیئے جائیں گے اور اس کو جہنم میں پھینک دیا جائے گا ...نعوذ باللہ... (مشکوٰۃ ص:۴۳۵)[2] اس لئے مسلمان کو چاہئے کہ قیامت کے دن ایسی حالت میں بارگاہِ اِلٰہی میں پیش ہو کہ لوگوں کے حقوق (جان، مال اور عزّت و آبرو کے بارے میں) اس کے ذمے نہ ہوں، ورنہ آخرت کا معاملہ بڑا سنگین ہے۔

فیکٹری مالکان اور مزدوروں کو باہم اِفہام و تفہیم سے فیصلہ کرلینا چاہئے

سوال:... ایک فیکٹری کے اوقات صبح آٹھ بجے تا شام ساڑھے چار بجے تھے، یونین اور مالکان کے درمیان طے پایا کہ اوقات بڑھا کر ۸ تا ۵ بج کر ۱۰ منٹ کردیئے جائیں، اور جمعہ کے علاوہ ایک جمعرات چھوڑ کر دُوسری جمعرات چھٹی ہوا کرے، یعنی ماہ میں کل چھ چھٹیاں ہوں۔ پھر یہ بات بھی طے پائی کہ ہر ماہ کی پہلی اور تیسری جمعرات کو چھٹی ہوا کرے گی، یہ بات اس لئے طے کرلی کہ جھگڑا نہ ہو کہ کون سی جمعرات کو چھٹی ہوگی۔ اب سوال یہ ہے کہ اس بات کا اس وقت کسی کو خیال نہیں آیا کہ کسی ماہ میں پانچ جمعراتیں بھی آسکتی ہیں، کمپنی کہتی ہے کہ ہم تو صرف پہلی اور تیسری جمعرات کو چھٹی دیں گے، ہم پانچ جمعراتوں کے مسئلے کے ذمہ دار نہیں۔ حالانکہ

---

(۱) إجارة السمسار والمنادی والحمامي والصكاك وما لَا يقدر فيه الوقت ولَا العمل تجوز لما كان للناس به حاجة ويطيب الأجر المأخوذ لو قدر أجر المثل. (رد المحتار ج:۶ ص:۴۷، كتاب الإجارة).

(۲) عن أبي هريرة أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: أتدرون ما المفلس؟ قالوا: المفلس فينا من لَا درهم له ولَا متاع! فقال. إن المفلس من أمتي من يأتي يوم القيامة بصلاة وصيام وزكٰوة، ويأتي قد شتم هذا، وقذف هذا، وأكل مال هذا، وسفك دم هذا، وضرب هذا، فيعطى هذا من حسناته، وهذا من حسناته، فإن فنيت حسناته قبل أن يقضى ما عليه، أخذ من خطاياهم فطرحت عليه ثم طرح في النار. (مشكٰوة ص:۴۳۵، باب الظلم، مسلم ج:۲ ص:۳۲۰، ترمذی ج:۲ ص:۶۷).

اس صورت میں اس ماہ کے اوقاتِ کار دُوسرے مہینوں سے زیادہ ہوجائیں گے، حساب سے تو یہی ہونا چاہئے کہ ایک جمعرات کو کام ہو اور ایک کو نہ ہو، تب ہی اوقاتِ کار صحیح رہتے ہیں، مگر کمپنی کے مالکان اس بات کو نظرانداز کرنا چاہتے ہیں۔ اتفاق سے اس سال ایک سے زیادہ مہینوں میں پانچ جمعراتیں آرہی ہیں، مثلاً: اسی ماہِ مئی میں پانچ جمعراتیں آرہی ہیں۔ اس سلسلے میں اسلامی عدل و انصاف کا فیصلہ تحریر فرمائیں تاکہ مالکان جو خود بھی بڑے مذہبی ہیں، عنداللہ گنہگار نہ ہوں اور مزدور بھی حق سے زیادہ نہ لیں۔ دُوسری بات یہ ہے کہ اگر جمعرات کو سرکاری چھٹی آجائے تو اس کے عوض مزدوروں کو الگ چھٹی ملنی چاہئے یا نہیں؟ کیونکہ وہ چھٹی تو انہیں بہرحال ملتی، اور یہ جو جمعرات کی چھٹی ہے یہ تو وہ روزانہ چالیس منٹ فالتو کام کرکے کمارہے ہیں۔ یہ تو بہرحال فالتو گھنٹوں کی مناسبت سے ان کو ملنی ہی چاہئے، اس سلسلے میں عدل و انصاف کا فیصلہ تحریر فرمائیں۔

جواب:... طرفین کے درمیان جو معاہدہ ہوا ہے اس کی رُوح کو ملحوظ رکھتے ہوئے عدل و انصاف کا تقاضا یہ ہے کہ اگر کسی مہینے میں پانچویں جمعرات آئے تو اس دن کارکنوں کو آدھی چھٹی ملنی چاہئے، اور اگر آدھی چھٹی فیکٹری کے حق میں نقصان دہ ہو تو اُصول یہ طے کرلینا چاہئے کہ ایک جمعرات چھوڑ کر دُوسری جمعرات چھٹی ہوگی، اور کیلنڈر دیکھ کر چھٹی کے دنوں کا چارٹ لگادینا چاہئے تاکہ اختلاف و نزاع کی نوبت نہ آئے۔ دُوسرے مسئلے میں فریقین کے درمیان چونکہ کوئی بات طے نہیں ہوئی، اس لئے اس میں عرفِ عام کو دیکھا جائے گا۔[1] اگر عام کمپنیوں کا دستور یہی ہے کہ ایسی صورت میں الگ دن کی چھٹی ملا کرتی ہے تو اسی کو طے شدہ سمجھنا چاہئے، اور اگر نہیں ملا کرتی تو اس صورت میں بھی نہیں ملنی چاہئے۔ اور اگر اس سلسلے میں کوئی لگابندھا دستور نہیں ہے تو یہ معاملہ کارکنوں اور کمپنی والوں کو باہمی افہام و تفہیم سے طے کرلینا چاہئے۔ اور آپ نے چھٹی کے حق میں جو دلیل لکھی ہے، وہ اپنی جگہ معقول اور وزنی ہے۔

جعل سازی سے گاڑی کا الاؤنس حاصل کرنا اور اس کا استعمال

سوال:... ہم ایک سرکاری ادارے میں ملازم ہیں، ہمارا ادارہ اپنے ملازمین میں سے صرف افسران کو تنخواہ کے علاوہ کچھ خصوصی رقم جن کو الاؤنسز کہا جاتا ہے، دیتا ہے۔ ان الاؤنسز میں سے ایک "کار الاؤنس" کہلاتا ہے۔ اس کی شرط یہ ہے کہ جس افسر کو یہ الاؤنس دیا جارہا ہے اس کے پاس اپنی گاڑی ہو، جو خود اس کے استعمال میں ہو اور گاڑی کے کاغذات ادارے میں جمع کرائے گئے ہوں۔ جس افسر کے پاس گاڑی نہ ہو اس کو آنے جانے کا خرچ جس کو "کونیس الاؤنس" کہا جاتا ہے، ملتا ہے، جو کار الاؤنس کے مقابلے میں بہت ہی کم ہوتا ہے۔ کچھ دھوکے باز ملازمین گاڑی خرید کر اس کے کچھ کاغذات جمع کرادیتے ہیں اور بعد میں گاڑی بیچ دیتے ہیں، جبکہ کار الاؤنس جاری رہتا ہے۔ اگر کسی وقت انکوائری کا خطرہ محسوس ہوا تو دُوسری گاڑی خرید کر یا کسی عزیز کی گاڑی دِکھادی۔ اس قسم کے ناجائز کام وہ حضرات بھی انجام دینے میں شامل ہیں جو نیک اور نمازی کہلاتے ہیں۔ ہم آپ سے قرآن و سنت کی روشنی میں مؤدبانہ طور پر یہ دریافت کرنا چاہتے ہیں کہ اس طریقے سے حاصل کی گئی رقم حلال اور جائز ہے؟ اگر ناجائز ہے تو کیوں؟

---

(۱) التعیین بالعرف کالتعیین بالنص۔ (شرح المجلۃ لسلیم رستم باز ص:۳۸)۔

جواب:... جعل سازی اور فراڈ سے جو رقم حاصل کی گئی وہ حلال کیسے ہوگی؟ ایسے افسران تو اس لائق ہیں کہ ان کو معطل کردیا جائے۔ (۱)

سوال:... جو رقم ماضی میں حاصل ہوچکی، وہ اداروں کو واپس کرنا ہوگی یا توبہ کرلینے سے گزارہ ہوجائے گا؟

جواب:... توبہ بھی کریں، اور رقم بھی واپس کریں۔ (۲)

سوال:... ہم یہ سمجھ کر کہ یہ دُنیاوی معاملہ ہے، دِین سے اس کا کیا واسطہ، ان میں سے کوئی نماز پڑھائے تو اس کے پیچھے نماز ادا کرتے رہیں؟

جواب:... اگر ناواقفی کی وجہ سے کیا تھا اور معلوم ہونے پر توبہ کرلی اور رقم بھی واپس کردی تو اس کے پیچھے نماز جائز ہے، ورنہ نہیں۔ (۳)

''پریس کارڈ'' اخبار کی نوکری چھوڑنے کے بعد اِستعمال کرنا

سوال:... کچھ عرصہ قبل میں نے ایک روزنامہ اخبار میں بحیثیت رپورٹر کام کرنا شروع کیا، اخبار کو کچھ نقصان ہوا، جس کی وجہ سے مجھے اخبار سے فارغ کردیا گیا، اس اخبار کی طرف سے جاری کیا گیا پریس کارڈ اَب بھی میرے پاس موجود ہے، بعض اوقات انتظامیہ پولیس وغیرہ لوگوں کو ناجائز تنگ کرتی ہے، یا ٹریفک پولیس لوگوں کو بے جا پریشان کرتی ہے، تو میں اسے اِستعمال کرتا ہوں، کیا میرا اس کارڈ کو پولیس یا کسی تنظیم کے سامنے اپنی یا کسی بے گناہ کی مدد کے لئے پیش کرسکتا ہوں؟

جواب:... اس پریس کارڈ کا شر سے بچنے کے لئے اِستعمال کرنا جائز ہے۔

ناجائز ذرائع سے کمائی ہوئی دولت کو کس طرح قابلِ اِستعمال بنایا جاسکتا ہے؟

سوال:... ایک شخص نے ناجائز ذرائع سے دولت حاصل کی ہے، اس گھر میں جو کہ ناجائز ذرائع سے حاصل کی گئی دولت سے خریدا گیا ہو، یا بنوایا گیا ہو، اس شخص کا اور گھر کے دیگر افراد کا نماز پڑھنا، تلاوتِ کلام پاک اور دیگر عبادات و اذکار کرنا کیسا ہے؟ نیز

---

(۱) "وَلَا تأكلوا أموالكم بينكم بالباطل" قوله بالباطل يعني بالربا والقمار والغصب والسرقة والخيانة ونحوها. (تفسير بغوى ج:۲ ص:۵۰، أيضًا تفسير نسفى ج:۱ ص:۳۵۱).

(۲) قال تعالى: "يٰأيها الذين اٰمنوا توبوا إلى الله توبة نصوحًا" (التحريم:۸). قال ابن عابدين رحمه الله: والحاصل انه إن علم أرباب الأموال وجب رده عليهم .... وإلّا فإن علم عين الحرام لَا يحل له ويتصدق به بنية صاحبه. (رد المحتار ج:۵ ص:۹۹، باب البيع الفاسد، مطلب فيمن ورث مالًا حرامًا).

(۳) إن من شرط التوبة: أن ترد الظلامة إلى أصحابها، فإن كان ذٰلك في المال، وجب أداله عينًا أو دينًا ما دام مقدورًا عليه، فإن كان صاحبه مات دفع إلى ورثته ...إلخ. (القواعد للزركشي ج:۲ ص:۲۳۵ طبع بيروت). وكره إمامة عبد وفاسق وأعمى (قوله وفاسق) من الفسق وهو الخروج عن الإستقامة، ولعل المراد من يرتكب الكبائر كشارب الخمر والزان وآكل الربا ونحو ذٰلك. (رد المحتار ج:۱ ص:۵۶۰ باب الإمامة).

گھر کے باہر کے افراد جن میں دوست احباب وغیرہ شامل ہیں ان کا ان اعمال کا ادا کرنا کیسا ہے جبکہ ان کو اس بارے میں علم ہو یا محض شک ہو؟

سوال:... اگر بعد میں یہ شخص اپنی ان ناجائز حرکتوں پر نادم ہوکر توبہ کرے تو اس ناجائز دولت سے حاصل شدہ گھر، دیگر جائیدادوں اور املاک و نقدی وغیرہ کا کیا کرے؟ جبکہ اس کے پاس رہنے کا انتظام بھی نہیں ہے، تو کیا وہ شخص بحالتِ مجبوری اس گھر میں رہ سکتا ہے؟

سوال:... اسی طرح اس شخص سے جس کی کمائی ناجائز ذرائع سے حاصل کی گئی ہے، کوئی ضرورت مند شخص قرض لے سکتا ہے، جبکہ قرض لینے والے کو اس بارے میں علم ہے یا علم نہ ہو، یا محض شک ہو۔ واضح کریں کہ ناجائز آمدنی جن میں چوری، رشوت، ڈاکا، فریب وغیرہ شامل ہیں، مندرجہ بالا مسائل میں سب کا حکم ایک ہی ہے یا مختلف ہے؟

جواب:... ان تمام سوالات کا ایک ہی جواب ہے کہ چوری، ڈاکا، رشوت وغیرہ کے ذریعہ جو دولت کمائی گئی، یہ شخص اس دولت کا مالک نہیں، جب تک اصل مالکوں کو اتنی رقم واپس نہ کردے یا معاف نہ کرالے۔ جس "ناجائز آمدنی" کا تعلق حقوق العباد سے ہو، اس کی مثال مردار اور خنزیر کی سی ہے کہ کسی تدبیر سے بھی اس کو پاک نہیں کیا جاسکتا، اور اس کے پاک کرنے کی بس دو ہی صورتیں ہیں، یا وہ چیز مالک کو ادا کردی جائے یا اس سے معاف کرالی جائے۔[1] تیسری کوئی صورت نہیں۔ ایسی ناجائز آمدنی کو نہ آدمی کھاسکتا ہے، نہ کسی کو کھلاسکتا ہے، نہ (اپنی طرف سے) صدقہ دے سکتا ہے، نہ کسی کو ہدیہ دے سکتا ہے، نہ قرض دے سکتا ہے۔

غلط اوور ٹائم لینے اور دِلانے والے کا شرعی حکم

سوال:... میں محکمۂ دفاع میں ملازمت کرتا ہوں، ہمارے دفتری اوقات صبح ساڑھے سات بجے تا دوپہر دو بجے تک مقرّر ہیں، حکومت کی طرف سے ڈیڑھ بجے سے آدھ گھنٹے کا وقت نمازِ ظہر کے لئے وقف ہے، دو بجے کے بعد جو حضرات ڈیڑھ دو گھنٹے دفتر کا کام کرتے ہیں ان کو ازرُوئے قانون ۳ روپے یومیہ معاوضہ دیا جاتا ہے، اور اس سلسلے میں متعلقہ افسر صاحب کو تصدیق کرنا ہوتی ہے کہ فلاں فلاں صاحب نے فلاں فلاں دن ۲ بجے کے بعد دفتر کا کام کیا ہے، لہٰذا اس طرح کچھ حضرات جو افسر صاحب کے منظورِ نظر ہوتے ہیں پورے مہینے کا اوور ٹائم کا معاوضہ ستر پچھتر روپے ماہوار تک حاصل کرلیتے ہیں۔ اب غور اور حل طلب بات یہ ہے کہ ہمارے دفتر میں اتنا زیادہ کام نہیں ہوتا جس کے لئے لیٹ بیٹھنا پڑے، بلکہ حقیقت یہ ہے کہ اگر دیانت داری سے کام لیا جائے تو روزانہ اوسط تین گھنٹے سے زیادہ کسی بھی صاحب کے پاس کام نہیں ہوتا، چہ جائیکہ اوور ٹائم کا سوال، لہٰذا یہ سراسر دروغ گوئی ہے۔ ماشاء اللہ تصدیق کنندہ افسر صاحب ظاہری طور پر بڑے ہی نیک ہیں، کبھی کبھی نمازِ ظہر کی اِمامت بھی کرواتے ہیں، اس پر طرّہ یہ کہ جھوٹا تصدیق نامہ

---

(۱) والحاصل انه إن علم أرباب الأموال وجب ردّه عليهم، وإلّا فإن علم عين الحرام لَا يحل له ويتصدق به بنية صاحبه. (ردالمحتار ج:۵ ص:۹۹، باب البيع الفاسد، طبع سعيد). وان كانت (أى التوبة) عما يتعلق بالعباد فإن كانت من مظالم الأموال فيتوقف صحة التوبة منها مع قدمناه فى حقوق الله على الخروج عن عهدة الأموال وارضاء الخصم فى الحال أو الإستقبال بأن يتحلل منهم أو يردها إليهم أو إلى من يقوم مقامهم ...إلخ. (شرح فقه الأكبر ص:۱۹۴، طبع بمبئى).

کرنے کو بھی کارِ خیر سمجھتے ہیں۔ ہم سوچتے ہیں بقول ان کے کہ اگر واقعی یہ نیک کام ہے تو پھر سوال پیدا ہوتا ہے کہ کس مصلحت کے تحت یہ نیکی صرف مخصوص حضرات کے ساتھ ہی کی جاتی ہے اور باقی کو نظرانداز کردیا جاتا ہے، اور یہ ساری کاغذی کارروائی انتہائی خفیہ طور سے کی جاتی ہے تاکہ جن ملازمین کو پیسے نہیں ملتے ان کو خبر نہ ہونے پائے، اگر کبھی ہم ان سے کہتے ہیں کہ حضور! آپ ایسا غلط کام کیوں کرتے ہیں؟ تو بجائے اپنی اصلاح کرنے کے اُلٹا مزید ہمارے خلاف ہی انتقامی کارروائی کی جاتی ہے اور ہمیں ناحق پریشان کیا جاتا ہے۔ اگر کوئی ایسے ہی دُنیادار قسم کے افسر ہوتے تو ہمیں ان سے کوئی گلہ شکوہ نہ ہوتا، اور پھر آپ کو بھی اس سلسلے میں تکلیف نہ دیتے، مگر متذکرہ اوصاف کے حامل انسان کے ایسے رویے سے بڑا دُکھ اور مایوسی ہوتی ہے۔

جواب: الف:... جو صاحبان اوور ٹائم لگائے بغیر اس کا معاوضہ وصول کرلیتے ہیں وہ حرام خور ہیں اور قیامت کے دن ان کو یہ سب کچھ اُگلنا ہوگا۔[۱] معلوم نہیں قیامت کے حساب و کتاب پر وہ یقین بھی رکھتے ہیں یا نہیں۔

ب:... یہ نیک پارسا افسر صاحب، لوگوں کو سرکاری رقم حرام کھلاتے ہیں، قیامت کے دن ان سے پوری رقم کا مطالبہ ہوگا۔[۲] ایک بزرگ سے کسی نے پوچھا کہ: دُنیا کا سب سے بڑا احمق کون ہے؟ فرمایا: جو اپنے دِین کو برباد کرکے دُنیا بنائے، اور دُنیا کی خاطر آخرت کو برباد کرے۔ اور اس سے بھی بڑھ کر احمق وہ شخص ہے جو دُوسروں کی دُنیا کی خاطر اپنے دِین کو برباد کرے۔

رات کو ڈیوٹی کے دوران باری باری سونا

سوال:... میں ایک پاور ہاؤس میں ملازم ہوں، مہینے میں ایک ہفتہ رات کی ڈیوٹی کا ہوتا ہے، جس میں میرے ساتھ کام کرنے والے ساتھی دو تین گھنٹے باری باری سوکر آرام کرلیتے ہیں، جس کا ہمارے افسران کو بھی علم ہے، زیادہ تکان کے وقت کبھی کبھی افسران بھی آرام کرلیتے ہیں، لیکن میں دو سال سے اسے ناجائز سمجھنے کی وجہ سے نہیں سو رہا، پوری رات جاگنے کی وجہ سے صحت پر کافی اثر ہوتا ہے، اور رات ۳-۴ بجے کے بعد ڈیوٹی بھی صحیح انجام نہیں دے پاتا، اس سلسلے میں آپ سے رہنمائی کا طالب ہوں۔

جواب:... آپ کا طرزِ عمل صحیح ہے، لیکن اگر اَفسران کی طرف سے دو تین گھنٹے سونے کی اجازت مل جاتی ہے اور اس سے کام میں کوئی خلل واقع نہیں ہوتا، تو سونے کی گنجائش ہے، واللہ اعلم!

کیا دفتری اوقات میں نماز اَدا کرنے والا اُتنا زیادہ وقت کام کرے گا؟

سوال:... اگر ہم کسی کے ملازم ہیں اور نماز کے اوقات میں نماز کی ادائیگی کے لئے جاتے ہیں تو کیا ہمیں ان اوقات کے بدلے میں زیادہ کام کرنا چاہئے؟

---

(۱) قال تعالٰی: "ولَا تأكلوا أموالكم بينكم بالباطل" (البقرة:۱۸۸) (بالباطل) بالحرام يعني بالربا والقمار والغصب والسرّقة والخيانة ونحوها۔ (معالم التنزيل ج:۲ ص:۵۰)۔ وقال تعالٰی: اليوم نختم علٰى أفواههم وتكلمنا أيديهم وتشهد أرجلهم بما كانوا يكسبون۔ (يٰس:۶۵)۔

(۲) عن أبي هريرة قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: لتؤدنّ الحقوق إلٰى أهلها يوم القيامة حتّٰى يقاد للشاة الجلحاء من الشاة القرناء۔ (ترمذی ج:۲ ص:۶۷، أبواب صفة القيامة)۔

جواب:... نماز فرض ہے، اتنے وقت کے بدلے میں زیادہ کام کرنے کی ضرورت نہیں، دفتری اوقات میں ایمان داری سے کام کیا جائے تو بہت ہے۔

دفتری اوقات میں نیک کام کرنا

سوال:... بعض سرکاری ملازمین، مثلاً: اساتذہ، کلرک وغیرہ ڈیوٹی کے اوقات کے دوران جبکہ کوئی وقفہ بھی نہیں (یعنی وقفہ کے علاوہ) رمضان المبارک میں قرآن مجید کی تلاوت کرتے رہتے ہیں اور اس دوران کوئی کام نہیں کرتے، جس کی وجہ سے اساتذہ کرام سے بچوں کا اور دیگر ملازمین سے دفتر اور متعلقہ افراد کا نقصان یا کام کا حرج ہوتا ہے۔ ان کا یہ فعل ثواب ہے یا نہیں؟

جواب:... سرکاری ملازمین ہوں یا نجی ملازم، ان کے اوقاتِ کار ان کے اپنے نہیں بلکہ جس ادارے کے وہ ملازم ہیں اس نے تنخواہ کے عوض ان اوقات کو ان سے خرید لیا ہے، ان کے وہ اوقات اس ادارے اور قوم کی امانت ہیں، اگر وہ ان اوقات کو اس کام پر صَرف کرتے ہیں جو ان کے سپرد کیا گیا ہے تو امانت کا حق ادا کرتے ہیں، اور ان کی تنخواہ ان کے لئے حلال ہے، اور اگر ان اوقات میں کوئی دُوسرا کام کرتے ہیں (مثلاً: تلاوت) یا کوئی کام نہیں کرتے، بلکہ گپ شپ میں گزار دیتے ہیں تو وہ امانت میں خیانت کرتے ہیں اور ان کی تنخواہ ان کے لئے حلال نہیں۔[1]

البتہ اگر دفتر کا مطلوبہ کام نمٹا چکے ہیں، اور وہ کام نہ ہونے کی وجہ سے فارغ بیٹھے ہوں تو اس وقت تلاوت کرنا جائز ہے، اسی طرح کسی اور اچھے کام میں اس وقت کو صَرف کرنا بھی صحیح ہے۔

ہمارا ملازم طبقہ اس معاملے میں بہت کوتاہی کرتا ہے، دیانت و امانت کے ساتھ کام کے وقت کام کرنے کا تصوّر ہی جاتا رہا، یہ حضرات عوام کے نوکر ہیں، ملازم ہیں، سرکاری خزانے میں عوام کی کمائی سے جمع ہونے والی رقوم سے تنخواہ پاتے ہیں، لیکن کام چوری کا یہ عالم ہے کہ عوام دفتروں کے بار بار چکر لگاتے ہیں اور ناکام واپس جاتے ہیں، اور اگر رشوت یا سفارش چل جائے تو کام فوراً ہوجاتا ہے، گویا یہی حضرات سرکار کے (اور سرکار کی وساطت سے عوام کے) ملازم نہیں بلکہ رشوت و سفارش کے ملازم ہیں۔ انصاف کیا جائے کہ ایسے ملازمین کی تنخواہ ان کے لئے کیسے حلال ہوسکتی ہے؟ اگر ان کو دِل سے اللہ تعالیٰ کے سامنے جواب دہی کا احساس ہو اور انہیں معلوم ہو کہ کل قیامت کے دن ان کو اپنے ایک ایک عمل کا حساب دینا ہے تو دفتری کام کو دیانت و امانت کے ساتھ انجام دیا کریں، اور عوام ان کے طرزِ عمل سے پریشان نہ ہوا کریں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں امانت و دیانت کی دولت سے بہرہ ور فرمائیں۔

---

(۱) ولیس للخاص أن یعمل لغیرہ ولو عمل نقص من أجرتہ بقدر ما عمل۔ وفی الشامیة: قولہ (ولیس للخاص أن یعمل لغیرہ) بل ولا أن یصلی النافلة وفی فتاوی الفضلی واذا استاجر رجلًا یومًا یعمل کذا فعلیہ أن یعمل ذٰلک العمل إلٰی تمام المدة ولا یشتغل بشیء آخر سوی المکتوبة وقد قال بعض مشائخنا أن یؤدی السُّنّة أیضًا واتفقوا انہ لا یؤدی نفلًا وعلیہ الفتوی۔ (رد المحتار ج:۶ ص:۷۰، کتاب الإجارة، طبع سعید)۔

پراویڈنٹ فنڈ کی رقم لینا

سوال ۱:... ہر سرکاری ملازم کی ایک رقم لازمی طور پر وضع کی جاتی ہے، یہ رقم پراویڈنٹ فنڈ کے نام سے وضع ہوتی ہے۔ یہ رقم ملازم کی ریٹائرمنٹ کے بعد اس کو ملتی ہے اور یہ رقم اس کی وضع کی ہوئی رقم کی دُگنی ہوتی ہے۔ ظاہر ہے کہ گورنمنٹ یہ رقم بینک میں رکھتی ہے اور چونکہ فکسڈ ڈپوزٹ پر زیادہ سود ہوتا ہے اس لئے سرکاری ملازم کی ۲۵ سال یا ۳۰ سال کی ملازمت میں دُگنی ہو جاتی ہے۔ براہ کرم شرع کی روشنی میں بتایئے کہ یہ اضافی رقم لینا جائز ہے یا حرام ہے؟

سوال ۲:... پراویڈنٹ فنڈ کی رقم جو گورنمنٹ کے کھاتے میں جمع ہوتی ہے، ملازم کو یہ تو ہر سال معلوم ہوتا رہتا ہے کہ اتنی رقم اس کے کھاتے میں جمع ہوگئی ہے، کیا اس رقم پر زکوٰۃ ادا کی جائے گی یا نہیں؟ کیونکہ ملازم یہ رقم اپنی مرضی سے نہ تو نکال سکتا ہے اور نہ اپنی مرضی سے خرچ کرسکتا ہے۔

جواب:... پراویڈنٹ فنڈ پر جو اضافی رقم محکمے کی طرف سے دی جاتی ہے اس کا لینا جائز ہے، اور جب تک وہ وصول نہ ہو جائے اور اس پر سال نہ گزر جائے اس پر زکوٰۃ واجب نہیں ہوتی۔[1]

فلیٹ خرید کر داماد کے نام پر اس شرط سے کیا کہ زندگی تک مجھے اس کی آمدنی دے گا

سوال:... میں نے اپنی جیبِ خاص سے ایک فلیٹ دو لاکھ روپے میں خریدا اور اپنے داماد سے کہا کہ یہ فلیٹ اپنے نام پر کرالیں لیکن شرط یہ رکھی کہ اس فلیٹ کی آمدنی جب تک میں اور میری بیوی زندہ ہیں، ہم کو ملتی رہے گی۔ یہ شرط زبانی اپنے چار قریبی رشتہ داروں کے سامنے طے ہوئی، کچھ عرصے کے بعد یہ فلیٹ میرے داماد نے فروخت کردیا جس میں میری رضا بھی شامل تھی، لیکن داماد صاحب نے فلیٹ ساڑھے تین لاکھ میں فروخت کیا تھا، جس میں سے مجھے صرف پچاس ہزار روپے دے کر باقی خرچ کردیئے، اور کہا کہ قرض داروں کو دے دیئے، کیا شرعی اعتبار سے ایسا کرنا صحیح ہے؟

جواب:... جب آپ نے ان کو دے دیا تو وہ مالک ہوگئے،[2] اور انہوں نے آپ کی رضا کے ساتھ بیچ دیا تو ان کا فروخت کرنا صحیح تھا، اور آپ کو جو پچاس ہزار دیا وہ بھی صحیح تھا، البتہ داماد کو چاہئے تھا کہ اپنے وعدے کے مطابق فلیٹ کی ماہانہ آمدنی آپ کو تاحینِ حیات دیتا رہتا۔

---

(۱) وأما شرائط الفريضة ترجع إلى المال فمنها الملك فلا تجب الزكاة في سوائم الوقف والخيل المسبلة لعدم الملك، وهذا لأن في الزكاة تمليكًا، والتمليك في غير الملك لا يتصور۔ (البدائع الصنائع ج:۲ ص:۹ طبع سعيد). تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو: پراویڈنٹ فنڈ پر زکوٰۃ و سود کا مسئلہ، مرتبہ: مفتی محمد شفیع رحمہ اللہ۔

(۲) والهبة شرعًا: تمليك الأعيان بغير عوض .... وتمام الهبة بالقبض۔ (الفقه الحنفي وأدلته ج:۳ ص:۸۹)۔

لائبریری کی چوری شدہ کتابوں کا کیا کروں؟

سوال:... میں نے ایک مرتبہ ایک لائبریری سے، بلکہ ایک نہیں بہت دفعہ کتابیں چرائی تھیں، وہ اس لئے کہ میں نے دیکھا حکومت ہمارے پیسے سے کماتی ہے اور کچھ بھی نہیں دیتی، اور حرام کھا کر یعنی عوام ہمارے پیسے کھا جاتی ہے، تو میں نے سوچا کہ جو میں کرسکتا ہوں کروں، میں نے ایک لائبریری سے تقریباً ۴۰ یا ۵۰ کتابیں چوری کیں، اور مختلف قسم کے کاغذات چوری کئے، اب میں اس کی تلافی کیسے کروں؟

جواب:... کتابیں اور کیسٹ وغیرہ لائبریری میں واپس رکھ دیں، اور جو نقصان آپ نے کیا تھا، اس کا اندازہ لگا کر اتنی کتابیں خرید کر لائبریری میں جمع کرادیں۔[1]

(۱) والحاصل أنه إن علم أرباب الأموال وجب رده عليهم۔ (فتاویٰ شامی ج:۵ ص:۹۹، باب البیع الفاسد)۔

معاملات

دفتر کی اسٹیشنری گھر میں استعمال کرنا

سوال:... سرکاری ملازمین کو دفتروں میں جو اسٹیشنری ملتی ہے کبھی کام کم ہونے کی وجہ سے پوری طرح سرکاری استعمال میں نہیں آسکتی، پھر دُوسرے ماہ اور سامان مل جاتا ہے، چنانچہ فاضل اسباب لوگ گھر لے جاکر بچوں کے استعمال میں دے دیتے ہیں، کیا یہ تمام اشیاء ملازمین کے ذاتی حقوق کی مد میں آتی ہیں اور ان کا ذاتی اور گھریلو استعمال اسلامی اُصولوں کے مطابق جائز ہے یا نہیں؟

جواب:... سرکاری سامان کو گھر لے جانا دُرست نہیں، اِلَّا یہ کہ سرکار کی طرف سے اس کی اجازت ہو۔ (۱)

سرکاری کوئلہ استعمال کرنے کی بجائے اس کے پیسے استعمال کرلینا کیسا ہے؟

سوال:... میں سرکاری ملازم ہوں، ہمیں سردی کے موسم میں حکومت سے کوئلے کے لئے بجٹ منظور ہوتا ہے، یہ کوئلہ صرف سرد علاقوں کے لئے منظور ہوتا ہے، چونکہ میں ضلع سوات میں ملازمت کرتا ہوں جو کہ انتہائی سرد علاقہ ہے اور جنوری سے لے کر مارچ تک یہاں بہت سردی ہوتی ہے اور ہمیں کوئلہ جلانا ان مہینوں میں درکار ہوتا ہے، لیکن اس وقت حکومت ہمیں کوئی رقم مہیا نہیں کرتی اور پھر بعد میں جون کے مہینے میں روپے ملتے ہیں۔ اس کا طریقۂ کار اس طرح ہے کہ حکومت ایک آدمی کو ٹھیکہ دیتی ہے کہ آپ ان سرکاری دفاتر کو کوئلہ مہیا کریں، لیکن ٹھیکے دار کوئلہ مہیا نہیں کرتا بلکہ وہ اپنے کاغذات میں واضح کرتا ہے کہ میں نے کوئلہ مہیا کیا، حالانکہ نہ ٹھیکے دار کوئلہ مہیا کرتا ہے اور نہ ہی دفتروں میں کوئلہ جلایا جاتا ہے بلکہ جب جون کے مہینے میں بجٹ منظور ہوتا ہے تو ٹھیکے دار اس سے اپنا کمیشن لیتا ہے اور باقی روپے ہم آپس میں تقسیم کرتے ہیں، حالانکہ یہ رقم ہمیں کوئلے کے لئے دی جاتی ہے۔ اکثر لوگ کہتے ہیں کہ: ''یہ رقم ہمارے لئے جائز ہے، کیونکہ سردی کے دنوں میں ہم نے سردی برداشت کی اور اپنے لئے بچت کی، لہٰذا اس میں کوئی حرج نہیں۔'' اور بعض کہتے ہیں کہ: ''نقد حالت میں اس کا لینا جائز نہیں ہے، کیونکہ ہم نے کوئلہ جلایا نہیں تو رقم کس چیز کی لیں گے؟'' آپ حضرات فیصلہ کریں۔

جواب:... چونکہ بجٹ میں دیگر مصارف کے ساتھ اس مد میں بھی رقم رکھی جاتی ہے اور حکومت کی جانب سے اس کا باقاعدہ

---

(۱) لَا يجوز لأحدٍ من المسلمين أخذ مال أحدٍ بغير سببٍ شرعي۔ (شامی ج:۴ ص:۶۱، باب التعزير، كذا في إمداد الفتاوى ج:۳ ص:۱۴۲، طبع مكتبه دار العلوم كراچى)۔ أيضًا: لَا يجوز لأحد أن يتصرف في ملك غيره بلا إذنه أو وكالة منه أو ولَاية عليه وإن فعل كان ضامنًا۔ (شرح المجلة ص:۶۱، المادّة:۹۶، طبع مكتبه حبيبيه كوئٹه)۔

ٹھیکہ دیا جاتا ہے اور چونکہ ٹھیکے دار اس مد کی رقم سرکاری خزانے سے وصول کرتا ہے، اس لئے اس رقم کا لینا صارفین کا حق ہے۔ رہا یہ کہ ضرورت کے وقت کوئلہ مہیا نہیں کیا گیا اور آپ حضرات نے اس کے بغیر سردی کا موسم گزارا، یہ حکومت کی کارکردگی کا نقص ہے یا ٹھیکے دار کی نااہلی۔ آپ لوگوں کو اس کے خلاف احتجاج کرنا چاہئے اور اس نظام میں جو خرابی ہے اس کی اصلاح کرانی چاہئے تاکہ ٹھیکے دار بروقت کوئلہ مہیا کرے۔ بہرحال جب اس مد کی رقم سرکاری خزانے سے نکالی جاچکی ہے، اس کا وصول کرنا آپ حضرات کے لئے صحیح ہے۔[1]

سرکاری گاڑی کا بے جا اِستعمال

سوال:... میں ایک سرکاری ملازم ہوں، عہدہ اور تنخواہ کے لحاظ سے مجھے کار رکھنے کا حق حاصل ہے، حکومت کی طرف سے کار الاؤنس ۲۸۵ روپے ماہوار ملتا ہے، لیکن میں اپنی گاڑی سے دفتر نہیں آتا ہوں، دفتر آنے جانے کے لئے سرکاری گاڑی استعمال کرتا ہوں، جس کے لئے جواز یہ پیدا کرتا ہوں کہ سرکاری فائل لے جانی ہوتی ہے، اس طرح سرکاری گاڑی کے استعمال پر تقریباً دو ہزار روپے ماہوار خرچ آتا ہے۔ آپ برائے کرم اِحتساب کے حوالے سے بتائیے کہ ایک مسلمان ہوتے ہوئے کیا یہ کار الاؤنس لینا میرے لئے حلال ہے؟ دُوسرے سرکاری گاڑی کا اس طرح جواز پیدا کرکے استعمال کرنا کہاں تک جائز ہے؟ چونکہ میں اس دن سے ڈرتا ہوں جب اِحتساب کیا جائے گا، اس لئے خداوند کریم کی خوشنودی حاصل کرنے اور اِحتساب سے بچنے کے لئے مجھ کو کیا کرنا چاہئے؟

جواب:... اُصول یہ ہے کہ سرکاری املاک کو انہی مقاصد کے لئے اِستعمال کیا جاسکتا ہے، جن کی سرکار کی طرف سے اِجازت ہے۔[2] آپ سرکاری گاڑی کے اِستعمال کو اس اُصول پر منطبق کرلیجئے، اگر کار الاؤنس کے ساتھ آپ کو سرکاری گاڑی کے اِستعمال کی اِجازت نہیں تو یہ اِستعمال غلط اور لائقِ مؤاخذہ ہے۔

کمپنی سے سفرخرچ وصول کرنا

سوال:... زید جس کمپنی میں ملازم ہے، اس کمپنی کی طرف سے دُوسرے شہروں میں مال کی فروخت اور رقم کی وصولی کے لئے جانا پڑتا ہے، جس کا پورا خرچہ کمپنی کے ذمہ ہوتا ہے، بعض شہروں میں زید کے ذاتی دوست ہیں جن کے پاس ٹھہرنے کی وجہ سے خرچہ نہیں ہوتا۔ کیا زید دُوسرے شہروں کے تناسب سے ان شہروں کا خرچہ بھی اپنی کمپنی سے وصول کرسکتا ہے یا نہیں؟

جواب:... اگر کمپنی کی طرف سے یہ طے شدہ ہے کہ ملازم کو اتنا سفرخرچ دیا جائے خواہ وہ کم خرچ کرے یا زیادہ، اور کرے یا

---

(۱) وتصح بقبض بلا إذن في المجلس .. .. وبعده به أي بعد المجلس بالإذن وفي المحيط لو كان أمره بالقبض حين وهبه لا يتقيد بالمجلس ويجوز القبض بعده والتمكن من القبض كالقبض ...إلخ. (الدر المختار مع الرد ج:۵ ص:۶۹۰، كتاب الهبة، طبع سعيد كراچی).

(۲) ان الله يأمركم أن تؤدوا الأمنت إلى أهلها (النساء:۵۸). أيضًا: يلزم أن يكون الآجر متصرفًا بما يؤجره أو وكيل المتصرف أو وليه أو وصيه. (شرح المجلة ص:۲۵۳، المادة:۴۴۶).

نہ کرے، اس صورت میں تو زید اپنے دوست کے پاس ٹھہرنے کے باوجود کمپنی سے سفرخرچ وصول کرسکتا ہے، اور اگر کمپنی کی طرف سے طے شدہ نہیں بلکہ جس قدر خرچ ہو ملازم اس کی تفصیلات جزئیات لکھ کر کمپنی کو دیتا ہے اور کمپنی سے بس اتنی ہی رقم وصول کرلیتا ہے جتنی اس نے دورانِ سفرخرچ کی تھی تو اس صورت میں کمپنی سے اتنا ہی سفرخرچ وصول کرسکتا ہے جتنا کہ اس کا خرچ ہوا۔[1]

سرکاری طبّی اِمداد کا بے جا اِستعمال

سوال:... اکثر سرکاری اور نجی اِداروں میں دُوسری سہولتوں کے ساتھ طبّی سہولت بھی مفت فراہم کی جاتی ہے، اور دیکھنے میں آیا ہے کہ ملازمین ان سہولتوں کا بے جا استعمال، خصوصاً طبّی سہولت کا، اس طرح کرتے ہیں کہ اپنی غلط بیانی سے بیماری بتاکر یا پھر ڈاکٹر کو بھی اس اسکیم میں شامل کرکے اپنے نام بہت ساری دوائیاں لکھوالیتے ہیں، اور پھر ان دوائیوں کو میڈیکل اسٹور والوں کو ہی بیچ کر سستے داموں میں ہی اپنی ضرورت کی کچھ اور چیزیں خرید لیتے ہیں، اور یہ کام اتنی جحت سے کیا جاتا ہے کہ اکثر ملازمین اسے اپنا حق سمجھتے ہیں اور اسے بُرائی کہنا ان کے لئے گالی دینے کے برابر بن جاتا ہے۔ مولانا صاحب! ایسا مال جو کہ جھوٹ بول کر اور ادارے کو دھوکا دے کر حاصل کیا جائے، رزقِ حلال کہا جاسکتا ہے؟ اور اس کے بدلے میں جو مال حاصل کیا جائے، جائز ہے؟

جواب:... آپ کے سوال کا جواب تو اتنا واضح ہے کہ مجھے جواب لکھتے ہوئے بھی شرم آتی ہے۔ یہ تو ظاہر ہے کہ سرکاری یا نجی اِداروں نے جو طبّی سہولتیں فراہم کی ہیں وہ بیماروں کے لئے ہیں، اب جو شخص بیمار ہی نہیں اس کا ان مراعات میں کوئی حق نہیں، اگر وہ مصنوعی طور پر بیمار بن کر علاج کے مصارف وصول کرتا ہے تو چند کبیرہ گناہوں کا اِرتکاب کرتا ہے۔ اوّل: جھوٹ اور جعل سازی۔ دوم: اِدارے کو دھوکا اور فریب دینا۔ سوم: ڈاکٹر کو رشوت دے کر اس گناہ میں شریک کرنا۔ چہارم: اِدارے کا ناحق مال کھانا۔ اور ان چاروں چیزوں کے حرام اور گناہِ کبیرہ ہونے میں کوئی شبہ نہیں۔[2] اور جس کمائی میں یہ چار گناہ شامل ہوں گے اس کے ناپاک، ناجائز اور

---

(۱) يلزم أن يكون الآجر متصرفًا بما يؤجره أو وكيل المتصرف أو وليه أو وصيه. (شرح المجلة ص:۲۵۳، المادّة:۴۴۷).

(۲) عن أبي هريرة قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: آية المنافق ثلاث، زاد مسلم: وإن صام وصلّى وزعم أنه مسلم، ثم اتفقا: إذا حدّث كذب، وإذا وعد أخلف، وإذا اؤتمن خان. (مشكُوة ص:۱۷). أيضًا: عن عبدالله بن عمرو أن رجلًا جاء إلى النبي صلى الله عليه وسلم فقال .... يا رسول الله! ما عمل النار؟ قال: الكذب إذا كذب فجر وإذا فجر كفر وإذ كفر دخل يعني النار. (مسند أحمد ج:۲ ص:۱۷۶). أيضًا: عن عبدالله قال. قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: إياكم والكذب! فإن الكذب يهدي إلى الفجور وإن الفجور يهدي إلى النار ...الخ. (سنن أبي داوٗد ج:۲ ص:۳۲۵ كتاب الأدب). ومن غشّنا فليس منّا. (مشكُوة ص:۳۰۵). عن أبي هريرة قال: لعن رسول الله صلى الله عليه وسلم الراشي والمرتشي في الحكم. (ترمذي ج:۱ ص:۱۵۹، أبواب الأحكام). أيضًا: لعن الله الراشي والمرتشي والرائش الذي يمشي بينهما. الحديث. (كنز العمال ج:۶ ص:۱۱۳). ولَا تأكلوا أموالكم بينكم بالباطل. (البقرة:۱۸۸). والمراد والله أعلم لا يأكل بعضكم مال بعض بالباطل ... . وأكل المال بالباطل على وجهين أحدهما أخذه على وجه الظلم والسرقة والخيانة والغصب وما جرى مجراه والآخر أخذه من جهة محظورة نحو القمار ...الخ. (أحكام القرآن للجصاص ج:۱ ص:۲۵۰ طبع سهيل اكيڈمي).

بے برکت ہونے میں کیا شک ہے...؟ اللہ تعالیٰ ہمارے مسلمان بھائیوں کو عقل اور ایمان نصیب فرمائے کہ وہ حلال کو بھی حرام کرکے کھاتے ہیں...!

آرمی کے مریضوں کے لئے مخصوص دوائیاں دُوسرے لوگوں پر اِستعمال کرنا

سوال:... میں آرمی میں ڈسپنسر ہوں، ہمارے پاس جو دوائیاں آتی ہیں یہ صرف اور صرف پاکستان آرمی کے مریضوں کے لئے آتی ہیں، جن کا سول لوگوں کو دینے کی اِجازت نہیں ہوتی (ایمرجنسی کے علاوہ) اور میں نے پاکستان آرمی کی دوائیاں فروخت کی ہیں، ابھی پاکستان آرمی کے مریضوں کو تو یہ پیسے نہیں دے سکتا، کیونکہ وہ ضرورت مند نہیں ہیں، ان کی ضرورت گورنمنٹ پوری کردیتی ہے، تو کیا میں پیسے میں سول ضرورت مند مریضوں کو دے دُوں تو میرے ذمے سے حقوق العباد اُتر جائے گا؟ یا گورنمنٹ کے پاس جمع کراؤں؟ لیکن گورنمنٹ کے عہدے داروں پر اِعتبار نہیں ہے۔

جواب:... چونکہ آپ کے بقول گورنمنٹ کی طرف سے یہ دوائیاں آرمی کے لئے مخصوص ہیں، اس لئے آپ آرمی کے کھاتے میں جمع کروادیں۔[1] واللہ اعلم!

سرکاری بجٹ سے بچی ہوئی رقم کا کیا کریں؟

سوال:... زید ایک دفتر میں سرکاری ملازم ہے، اس دفتر کو سرکاری طور پر مثلاً ایک لاکھ روپے سالانہ بجٹ دفتری اخراجات کے لئے ملتا ہے، جن میں دس ہزار روپے مثلاً دفتری ملازمین کے سفری اخراجات کے لئے مخصوص ہیں۔ پورا سال گزرا لیکن اس مد میں کوئی خرچہ نہیں ہوا، سال کے آخر میں آفیسر مجاز اس رقم کو بغیر اِستحقاق کے اپنے یا دفتر کے کسی ملازم کو دیتا ہے تو کیا زید بھی یہ رقم بغیر اِستحقاق کے وصول کرے؟ جبکہ حکومت کو یہ رقم واپس سرکاری خزانے میں جمع نہیں کرائی جاتی، یا بغیر نیت کے کسی ضرورت مند یا دِینی اِدارے کو دے؟ یا آفیسر مجاز کے لئے چھوڑ دے؟ یا زید یہ رقم خود اِستعمال کرے؟ جوابات جلد از جلد اِرسال فرماکر ممنون فرمائیں۔

جواب:... گورنمنٹ نے وہ رقم اِخراجات کے لئے دی ہے، اگر اِخراجات ہی نہیں ہوئے تو نہ اس کو آپ اِستعمال کرسکتے ہیں نہ آپ کا افسرِ مجاز۔ کیا آپ کی عقل میں یہ بات آئے گی کہ وہ پیسہ مجھے دے دیا کریں؟ جبکہ میرا اس دفتر سے کوئی تعلق نہیں۔ بہرحال یہ نوٹ لکھ کر رقم گورنمنٹ کو واپس کرنی چاہئے کہ اس سال اس مد میں کوئی پیسہ خرچ نہیں ہوا۔ اور آپ کے افسرِ مجاز نے کچھ پیسے آپ کو دیئے ہیں اور کچھ خود رکھ لئے ہیں، تو یہ پیسے نہ آپ کے لئے جائز ہیں، نہ آپ کے افسرِ مجاز کے لئے،[2] بلکہ ان پیسوں کا گورنمنٹ کو واپس کرنا ضروری ہے۔[3]

---

(۱) إن الله يأمركم أن تؤدوا الأمانات إلى أهلها. (النساء:۵۸). أيضًا: لا يجوز لأحد أن يتصرف في ملك غيره بلا إذنه أو وكالة منه. (شرح المجلة ص:۶۱، رقم المادّة:۹۶، أيضًا: الأشباه والنظائر ص:۲۷۶ الفن الثاني).

(۲) قال تعالى: ولا تأكلوا أموالكم بينكم بالباطل (قوله بالباطل) بالحرام يعني بالربا والقمار والغصب والسرقة والخيانة، ونحوها. (تفسير بغوى ج:۲ ص:۵۰).

(۳) والحاصل أنه إن علم أرباب الأموال وجب رده عليهم. (فتاوىٰ شامي ج:۵ ص:۹۹، مطلب فيمن ورث مالًا حرامًا).

سرکاری رقم کا بے جا اِستعمال جائز نہیں

سوال:... زید ایک دفتر میں ملازم ہے، اس کے آفیسر مجاز نے اسے ایک چیز بازار سے خریدنے کے لئے سو روپے دے دیئے، جبکہ اس چیز کی بازاری قیمت سو روپے ہی ہے، لیکن وہی چیز زید کو ۲۰ روپے میں مل جاتی ہے، اب یہ چیز سرکاری کھاتے میں سو روپے کی ظاہر کی گئی ہے، اور زید نے سو روپے کی سرکاری رسید پر دستخط بھی کردیئے اور آفیسر مجاز کو ۲۰ روپے والی قیمت نہیں بتائی گئی ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ زید یہ بقیہ ۸۰ روپے اپنے ذاتی اِستعمال میں لاسکتا ہے یا یہ ۸۰ روپے آفیسر مجاز کو واپس کردے؟ جبکہ آفیسر مجاز اسے ذاتی اِستعمال میں لائے گا اور یہ بات اس وجہ سے ظاہر ہے کہ رسید میں ۱۰۰ روپے ہی کی قیمت ظاہر کردی گئی اور آفیسر مجاز نے اس پر دستخط بھی کردیئے۔ یا بغیر صدقے کی نیت سے یہ رقم کسی ضرورت مند یا دینی طالب علم کو یا کسی دینی اِدارے کے حوالے کرسکتا ہے؟ جواب شافی سے مستفید فرمائیں۔

جواب:... افسرِ مجاز نے اس کو وہ چیز لانے کے لئے حکم کیا، وہ چیز ۲۰ روپے کی مل گئی تو اس کو ۲۰ روپے کی رسید کٹانی چاہئے تھی، اور ۲۰ روپے ہی بتانے چاہئے تھے۔ زید کا ۲۰ کے بجائے ۱۰۰ وصول کرنا بدعہدی اور خیانت ہے، اب اس کا حل یہ نہیں کہ وہ زائد رقم کسی غریب مسکین کو دے دے یا کسی طالب علم کو دے دے، کیونکہ وہ رقم گورنمنٹ کی ہے اس لئے کوئی ایسی تدبیر کرے کہ اتنی روپے گورنمنٹ کو واپس ہوجائیں، مثال کے طور پر آئندہ اگر گورنمنٹ کے لئے کوئی چیز خریدی جائے تو ۱۰۰ روپے کی چیز کے ۲۰ روپے لے، یا اسی طرح کوئی اور صورت آپ سوچ سکتے ہیں۔ بہرحال گورنمنٹ کا روپیہ نہ تو آپ کے لئے جائز ہے نہ آپ کے افسر کے لئے جائز ہے۔[1]

گورنمنٹ کے سلنڈر جو والد صاحب لے آئے تھے، بیٹا کیسے واپس کرے؟

سوال:... میرے مرحوم والد کا تعلق شعبۂ تعلیم سے تھا، وہ گورنمنٹ کالج میں پروفیسر تھے، تقریباً چار پانچ سال پہلے انہوں نے کالج سے گیس کے دو سلنڈر (جو کہ گورنمنٹ کی ملکیت تھے) لاکر گھریلو اِستعمال کے لئے رکھ لئے۔ ان سلنڈروں میں گیس ہم اپنے پیسوں سے بھرواتے تھے، تقریباً ایک سال قبل میرے والد کا اِنتقال ہوگیا، میں وہ سلنڈر واپس کرنا چاہتا ہوں تاکہ میرے والد پر یہ قرض نہ رہے، لیکن مسئلہ یہ ہے کہ اگر سلنڈر واپس کرتا ہوں تو شرم آتی ہے کہ لوگ کیا کہیں گے کہ اتنے عرصے سے کالج کے سلنڈر رکھے بیٹھے تھے، اور اگر ان سلنڈروں کی رقم کالج کے پرنسپل کو دیتا ہوں تو شبہ ہے کہ وہ رقم گورنمنٹ کے کھاتے میں نہیں جائے گی، اور اس میں بھی وہی بات آتی ہے کہ بات کھل جائے گی، اس لئے میں یہ چاہتا ہوں کہ مجھے کوئی ایسا راستہ بتادیجئے کہ وہ رقم ایسی جگہ دے دوں کہ شرمندگی بھی نہ ہو اور بوجھ بھی سر سے اُتر جائے۔

جواب:... ان سلنڈروں کی جتنی قیمت ہے، چونکہ اِستعمال شدہ ہیں، اس لئے کسی جاننے والے سے ان کی قیمت لگوائیں،

(۱) گزشتہ صفحے کا حاشیہ نمبر ۱، ۲ ملاحظہ فرمائیں۔

اور اتنی کتابیں لے کر کالج میں داخل کرادیں، آپ کا بھید بھی ظاہر نہیں ہوگا اور مالک کی وہ چیز بھی پہنچ جائے گی۔ [1]

سرکاری کاغذ ذاتی کاموں میں اِستعمال کرنا

سوال:... کبھی ہم گورنمنٹ کے کاغذ، قلم وغیرہ بھی اِستعمال کرتے تھے، اس کا کیا کرنا چاہئے جو ہم نے اِستعمال کرلئے ہیں؟

جواب:... سرکاری کاغذ، قلم بلاضرورت واجازت اِستعمال نہیں کرنا چاہئے، اور اگر ہوگیا ہو تو اتنا معاوضہ کسی ذریعے سے سرکاری خزانے میں جمع کرنا چاہئے۔ البتہ اگر گورنمنٹ کی طرف سے اس کی اِجازت ہے تو اس کا مسئلہ دُوسرا ہے۔ [2]

سرکاری قانون کے مطابق اگر ملازم مالک سے مراعات حاصل کرے تو کیا حکم ہے؟

سوال:... سرکاری قانون کے مطابق اگر کوئی مالک اپنے ملازم کو برطرف کرے تو اس کو مندرجہ ذیل واجبات ادا کرنے پڑتے ہیں:

الف:... یا تو ملازم کو ایک ماہ قبل اطلاع دے کہ تم فلاں تاریخ سے فارغ ہو، یا اس کو ایک ماہ کی تنخواہ بطورِ معاوضہ نوٹس ادا کرے اور فوراً فارغ کردے۔

ب:... گریجویٹی جتنے سال ملازمت کی ہو اتنے مہینوں کی تنخواہ بطور گریجویٹی۔

ج:... بونس جس قدر بونس سالانہ حسابات کے موقع پر ملازمین کو دیا گیا ہو۔

د:... ہر ملازم ہر ماہ کی ذمہ داری ادا کرنے کے بعد چار یوم کی رُخصت کا مستحق سمجھا جاتا ہے، سال ختم ہونے پر ملازم کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ ۴۸ یوم کی رُخصت یا تنخواہ حاصل کرے، اگر مالکان رُخصت نہ دینا چاہیں تو اس کی رُخصت کا معاوضہ اتنے یوم کی تنخواہ کی صورت میں ادا کریں۔ اگر مالکان ان واجبات میں سے کسی رقم کی جزوی یا کلی مقدار دینے سے انکار کریں تو لیبر کورٹ یہ واجبات بھی اور ہرجانہ بھی ادا کرائے گا۔ دریافت طلب امر یہ ہے کہ یہ رُقوم جزوی یا کلی اگر مالکان حکومتی خوف سے خوشی سے ادا کریں تو ملازم کے لئے شرعی طور پر جائز اور حلال ہیں یا نہیں؟

جواب:... جن مراعات کا سوال میں ذِکر کیا گیا ہے، وہ مالکان کی تسلیم شدہ ہیں، اس لئے ان کے حاصل کرنے میں کوئی قباحت نہیں۔

کارکن کی سالانہ ترقی میں رُکاوٹ ڈالنے والے افسر کا حکم

سوال:... کسی کارکن کی سالانہ ترقی میں افسر رُکاوٹ ڈالے تو اس کا کیا ہوگا؟

---

(۱) من غصب شيئًا، ثم أخفاه وضمنه المالک قيمته ملکه الغصاب لأن المالک ملک قيمته بکماله والشيء المغصوب تنتقل ملکيته للغاصب. (الفقه الحنفي وأدلته ج:۳ ص:۱۱۲، کتاب الغصب، طبع بيروت).

(۲) لا يجوز لأحد أن يتصرف في ملک غيره بلا إذنه أو وکالة منه أو ولاية عليه، وإن فعل کان ضامنًا. (شرح المجلة ص ۶۱، المادّة ۹۶). لا يجوز تصرف في مال غيره بلا إذنه ولا ولايته. (الدر المختار، کتاب الغصب ج:۶ ص ۲۰۰).

جواب:... اگر کارکن کی ترقی قاعدے کے لحاظ سے کارکن کا حق بنتا ہے، تو اس ترقی میں رُکاوٹ ڈالنے والا افسر گناہگار ہوگا، اور حق العباد کی حق تلفی کرنے والا سخت گناہگار ہے۔

ملازم کے لئے سرکاری اشیاء کا ذاتی اِستعمال جائز نہیں

سوال:... میں ایک سرکاری کمپنی میں نوکری کرتا ہوں، دفتر میں سرکاری کام کے لئے ٹیلیفون کی سہولت موجود ہے، اس کے علاوہ گاڑی کی بھی سہولت موجود ہے جو کہ سرکاری کام سے اِدھر اُدھر جاتی ہے، پوچھنا جناب سے یہ ہے کہ کیا کوئی فرد یا میں خود سرکاری ٹیلیفون یا گاڑی کو اپنے ذاتی کام کے لئے اِستعمال کرسکتا ہوں؟ مثلاً میں روزانہ اپنے گھر بیوی بچوں کو ٹیلیفون کرتا ہوں، یا گاڑی اِستعمال کرتا ہوں، رشتہ دار، عزیز کو ٹیلیفون کرتا ہوں۔ جس کمپنی میں کام کرتا ہوں وہ ہمارے شہر سے کافی دُور ہے، یعنی دُوسرے شہر میں ہے، جہاں روزانہ صبح و شام آنا جانا ممکن نہیں ہے، کمپنی نے ہم لوگوں کے رہنے کے لئے کالونی بنائی ہوئی ہے، جناب سے پوچھنا یہ ہے کہ برائے مہربانی یہ بتایئے کہ اس طرح سے سرکاری چیزوں کا اِستعمال کیا جائز ہے؟ اس کی شرعی حیثیت کیا ہے؟ کچھ لوگ کہتے ہیں کہ ایسا کرنا کوئی گناہ نہیں ہے۔

جواب:... سرکاری چیزیں جیسی ٹیلیفون، گاڑی یا دُوسری چیزیں یہ سرکاری کاموں کے لئے ہوتی ہیں، ذاتی اِستعمال کے لئے نہیں ہوتیں، اگر گورنمنٹ کی طرف سے کسی شخص کو ذاتی اِستعمال کی اجازت ہو تب تو ٹھیک ہے، ورنہ اپنے ذاتی اِستعمال کے لئے ان کو کام میں لانا جائز نہیں۔[1] قیامت کے دن اس کا بھی حساب و کتاب ہوگا۔

ڈاکٹر کی لکھی ہوئی دوائی کی جگہ مریض کے لئے طاقت کی چیزیں خریدنا

سوال:... میری حال ہی میں شادی ہوئی ہے، اور میری بیوی بہت کمزور ہے، اور لو بلڈ پریشر رہتا ہے، مجھے آفس کی طرف سے میڈیکل مفت ہے، میں کئی ڈاکٹرز کو دِکھا چکا ہوں، ہر کوئی طاقت کی اور وٹامن کی گولیاں دے دیتا ہے، مگر بیوی گولیاں نگلتے ہی قے کردیتی ہے۔ جس کی وجہ سے دوائیں پڑی رہ جاتی ہیں۔ میں نے ڈاکٹرز کو یہ بات بتائی تو وہ کہتے ہیں کہ: "اوولٹین، ہارلِس، کمپلان، شہد" وغیرہ کھلائیں، مگر میری تنخواہ اتنی نہیں ہے کہ یہ سب کچھ کرسکوں۔ میں نے ڈاکٹرز کو بتایا تو وہ کہنے لگے کہ ہم تم کو جو دوائیں لکھ کر دیتے ہیں تم کیمسٹ کی دُکان سے اس کے بدلے میں مندرجہ بالا اشیاء لے لو۔ آپ سے پوچھنا یہ ہے کہ اگر میں دواؤں کی جگہ طاقت کے لئے اوولٹین، ہارلِس، کمپلان وغیرہ لوں تو کیا یہ جائز اور حلال ہوں گی؟

جواب:... کیا گورنمنٹ کی طرف سے اس کی اِجازت ہے؟ کیا اگر ڈاکٹر یہی دوائیں لکھ دیں تو گورنمنٹ ان کے لینے کی اِجازت نہیں دے گی...؟

---

(۱) لَا یجوز لأحد أن یتصرف فی ملک غیرہ بلا إذنہ أو وکالۃٌ منہ أو وِلَایۃٌ علیہ، وإن فعل کان ضامنًا۔ (شرح المجلۃ ص:۶۱، رقم المادۃ:۹۶)۔ لَا یجوز تصرف فی مال غیرہ بلا إذنہ ولَا ولَایتہ۔ (الدر المختار ج:۶ ص:۲۰۰ کتاب الغصب، طبع سعید)۔

چوری کی ہوئی سرکاری دوائیوں کا بدلہ کیسے اُتاروں؟

سوال: زید ایک ڈسپنسر ہے، کافی عرصہ پہلے وہ حکومت کی دوائیاں چوری کرکے فروخت کرتا رہا، یعنی اگر ایک چیز کی قیمت ۱۰۰ روپے ہوتی تھی تو بازار جاکر ۵۰ یا ۴۰ روپے پر فروخت کرتا تھا۔ اچانک اللہ کا خوف زید کے دِل میں پڑ گیا، زید نے توبہ کی، اس بات کو سات سال گزر گئے، اس کے بعد سے اب تک کوئی دوائی فروخت نہیں کی۔ زید تبلیغ میں بھی جاتا رہتا ہے، پانچ وقت کا نمازی بھی ہے، صبح اور شام ذِکراَذکار بھی کرتا رہتا ہے۔ زید کے دِل میں اب بھی وہی دوائیوں کا مسئلہ کھٹکتا رہتا ہے، کیونکہ زید کو پتا ہے کہ حقوق العباد اس وقت تک معاف نہیں ہوتے جب تک بندہ معاف نہ کردے۔ زید کو یہ بھی نہیں پتا کہ میں نے کتنے کی دوائیاں فروخت کی ہیں؟ اگر زید اپنے ذہن کے مطابق تخمینہ لگالے کہ اتنے پیسے کی دوائیاں میں نے فروخت کی ہوں گی، پوچھنا یہ ہے کہ زید اپنے ذہن کے مطابق حساب لگاکر یہ پیسہ کہاں جمع کرائے؟ کیونکہ حکومتِ پاکستان کے عہدے داروں پر زید کو یقین نہیں ہے کہ ان پیسوں سے وہ دوائیاں خرید کر مریضوں کو دے دیں گے۔

جواب:... اللہ تعالیٰ کا شکر اَدا کیجئے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو سمجھ عطا فرمائی اور اپنے گناہوں کی تلافی کا ذِکر فرمایا۔ آپ ایسا کریں کہ جتنی دوائیں آپ نے گورنمنٹ کی فروخت کی ہیں، اس کا حساب لگالیں، اور تھوڑا تھوڑا کرکے ضرورت مند مریضوں کو اتنے پیسے دے دیا کریں۔[1]

گورنمنٹ کے محکموں میں چوری شخصی چوری سے بدتر ہے

سوال:... تقریباً دو سال پہلے میرے بڑے بھائی اور میرے والد مرحوم نے بجلی چوری کرنے کا طریقہ اپنایا تھا، جو اَبھی جاری ہے۔ کہتے ہیں کہ جو شخص دُنیا میں کوئی اچھا عمل یا بُرا عمل چھوڑ جاتا ہے اس کو مرنے کے بعد بھی قبر میں اس کا بدلہ ملتا رہتا ہے، کہتے ہیں کہ جب تک بُرا عمل دُنیا میں ہوتا رہے گا اس کا گناہ مرحوم اور جو اُن کا ساتھی ہوگا اسے ملتا رہے گا۔ بجلی کیونکہ ایک قومی ادارہ ہے، یہ ایک قوم کی امانت ہے اور اسی طرح ٹیلی فون، ٹیکس کی چوری وغیرہ جو بھی چوری کرتا ہے یا مدد کرتا ہے، کہتے ہیں کہ قیامت کے روز اس کا بدلہ اعمال کی کرنسی سے لیا جائے گا، یعنی اعمال لے لئے جائیں گے۔ ہمارے یہاں جو بجلی چوری ہوتی ہے اس لحاظ سے ہم اس بجلی کے استعمال سے جو نیک عمل یا عبادت اس کی روشنی میں کریں گے یقیناً وہ قابلِ قبول نہیں ہوگی، کیونکہ چوری کرنا حرام ہے، اور حرام چیز استعمال کرکے نیک کام کرے تو وہ بھی یقیناً قبول نہیں ہوگا۔ مولانا صاحب! یہ سوال جو میں نے کیا ہے اور اس سوال میں جو میں نے اپنے خیالات کا بھی اظہار کیا ہے وہ صحیح ہے یا نہیں؟ اس کا جواب دیں۔ ہمارے دُوسرے ایسے مسلمان بھائیوں کو بھی معلوم ہوجائے کہ گورنمنٹ کے مال کی چوری کا بھی اللہ کے یہاں نیکیوں کے بدلے سے چوری کا خسارہ پورا کیا جائے گا، ہوسکے تو ایسے لوگوں کا انجام حدیث سے ثابت فرمائیے۔

جواب:... آپ کے خیالات صحیح ہیں، گو تعبیرات صحیح نہیں۔ جس طرح شخصی املاک کی چوری گناہ ہے، اسی طرح قومی املاک

---

(۱) لأن سبيل الكسب الخبيث التصدق إذا تعذر الرد على صاحبه. (فتاویٰ شامی ج:۶ ص:۳۸۵، كتاب الحظر والإباحة).

میں چوری بھی گناہ ہے، بلکہ بعض اعتبارات سے یہ چوری زیادہ سنگین ہے، کیونکہ ایک آدمی سے تو معاف کرانا بھی ممکن ہے اور پوری قوم سے معاف کرانے کی کوئی صورت ہی نہیں۔ [۱]

فارم اے کی فروخت شرعاً کیسی ہے؟

سوال:... میں حال ہی میں سعودی عرب سے واپس آیا ہوں، وہاں پر حکومتِ پاکستان کی طرف سے ہمیں ایک سہولت یہ ہے کہ جس کو بھی وہاں پر دو سال کا عرصہ گزر جاتا ہے اس کو گفٹ اسکیم مل جاتی ہے۔ اس اسکیم کے تحت ہوتا یہ ہے کہ آپ اپنے خاندان کے کسی فرد کو ایک گاڑی گفٹ کر سکتے ہیں، اس کے لئے ایک فارم جس میں یہ لکھنا ہوتا ہے کہ کتنا عرصہ آپ کو یہاں ہوا ہے اور کس کے نام گاڑی بھیج رہے ہیں، پھر سفارت خانے سے تصدیق کروانی ہوتی ہے۔ کچھ لوگ تو گاڑی بک کرواکر پاکستان گاڑی پہنچنے پر اس کو فروخت کر دیتے ہیں اور اکثریت یہ کرتی ہے کہ اس فارم کو پاکستان میں بیچ دیتے ہیں اور میرا بھی فارم بیچنے کا ارادہ ہے، تو دراصل میرے پوچھنے کا مقصد یہ ہے کہ فارم بیچنا جائز ہے یا نہیں؟ اور اس سے حاصل شدہ رقم جائز ہے کہ ناجائز؟ اگر رقم ناجائز ہے تو کیا میں فارم کو ضائع کردوں یا اس سے ملنے والی رقم کو کہیں اور خرچ کروں؟

جواب:... اس فارم کی حیثیت اجازت نامے کی ہے، اور اجازت نامہ قابلِ فروخت چیز نہیں، اس لئے اس کی خرید و فروخت صحیح نہیں۔ [۲]

بس کنڈیکٹر کا ٹکٹ نہ دینا

سوال:... میں ایک ملازم آدمی ہوں، روزانہ کوٹری سے حیدرآباد آنا جانا ہوتا ہے، پبلک بس نہ ہونے کی وجہ سے گورنمنٹ بس میں سفر کرنا پڑتا ہے، جس میں چار جگہ لکھا ہوا ہوتا ہے کہ "خدا دیکھ رہا ہے، کرایہ دے کر ٹکٹ ضرور حاصل کریں" لیکن کنڈیکٹر ٹکٹ نہیں دیتے، کئی دفعہ منہ ماری کے بعد اَب خاموش ہونے پر مجبور ہوں، کیا ہمارے لئے اس میں گناہ ہے؟ ہم پیسے تو دیتے ہیں مگر وہ کنڈیکٹر کی جیب میں آتے ہیں، گورنمنٹ کے خزانے میں نہیں۔

جواب:... آپ ان کے افسرِ اعلیٰ سے اس کی شکایت کریں، اس کے بعد بھی اگر آپ کی شکایت پر توجہ نہیں کی جاتی تو آپ عنداللہ بری الذمہ ہیں۔

---

(۱) وقسم يحتاج إلى التراد وهو حق الآدمي والتراد ما في الدنيا بالإستحلال أو رد العين أو بدله وأما في الآخرة برد ثواب الظالم للمظلوم أو إيقاع سيئة المظلوم على الظالم أو انه تعالى يرضيه بفضله وكرمه. (مرقاة المفاتيح ج:۱ ص:۱۰۲، باب الكبائر).

(۲) لا يجوز الإعتياض عن الحقوق المجردة عن الملك قال في البدائع الحقوق المفردة لا تحتمل التمليك ولا يجوز الصلح عنها. (شامي ج:۴ ص:۵۱۸، كتاب البيوع).

جعلی کارڈ اِستعمال کرنا

سوال:...آج کل کالج کے کارڈ جو "کے ٹی سی" نے جاری کئے ہیں، وہ جعلی بنتے ہیں، ایسے کارڈ سے اصل کرائے کے جو پیسے بچتے ہیں وہ استعمال کرنا جائز ہے یا ناجائز؟

جواب:...جعلی کارڈ کا استعمال گناہِ کبیرہ ہے اور یہ بددیانتی اور خیانت کے زُمرے میں آئے گا۔[1]

اسی طرح بعض لوگ ان کارڈوں کے ذریعہ ریل میں رعایتی ٹکٹ استعمال کرتے ہیں، یہ بھی گناہ ہے، جو اس قسم کی حرکت کا ارتکاب کرچکے ہیں ان کو چاہئے کہ اس کے بدلے صدقہ کردیں تاکہ بددیانتی کا گناہ معاف ہو۔[2]

ذاتی کام کے لئے سفر میں تعلیمی اِدارے کے کارڈ کے ذریعے رعایتی ٹکٹ اِستعمال کرنا

سوال:...میں ایک طالب علم ہوں، ہمارے تعلیمی اِدارے کی جانب سے اِدارے کا شناختی کارڈ دیا جاتا ہے جس کو ہم دورانِ سفر دِکھا کر رعایتی ٹکٹ لیتے ہیں، کیا ہمیں اس طرح رعایتی ٹکٹ لینا جائز ہے؟ جبکہ ہم اپنے نجی کام کے سلسلے میں بھی سفر کرتے ہیں؟

جواب:...اگر محکمے کی طرف سے اس کی اِجازت ہے کہ اپنی ذاتی ضرورت کے سفر کے لئے بھی آپ کارڈ اِستعمال کرسکتے ہیں، تو جائز ہے، ورنہ نہیں۔

مالک کی اجازت کے بغیر چیز اِستعمال کرنا

سوال:...عرض یہ ہے کہ ہمارا پیشہ دھوبی کا ہے، کسی کا کپڑا اس کی اجازت کے بغیر نہیں پہن سکتے، یہ بات ہر آدمی جانتا ہے، مگر ہمارے کاروبار میں اکثر یہ ہوتا ہے کہ اگر کسی صاحب پر زیادہ پیسے (اُدھار) ہوگئے ہوں تو وہ اپنے کپڑے چھوڑ دیتے ہیں اور دوبارہ نہیں آتے، جس کی وجہ سے ہمارے پیسے رُک جاتے ہیں، تین مہینے کے بعد ہماری ذمہ داری ان کپڑوں پر سے ختم ہوجاتی ہے، ان تین مہینوں کے بعد کیا ہم ان کپڑوں کو پہن سکتے ہیں یا نہیں؟

---

(۱) عن أبی هریرة قال: قال رسول الله صلی الله علیه وسلم: المسلم أخو المسلم، لَا یخونه، ولَا یکذبه، ولَا یخذله، کل المسلم علی المسلم حرام عِرْضُهٗ ومالهٗ ودمهٗ ...الخ۔ (ترمذی ج:۲ ص:۱۴)۔ أیضًا: عن أبی هریرة قال: قال رسول الله صلی الله علیه وسلم: آیة المنافق ثلاث .... إذا حدّث کذب، وإذا وعد أخلف، وإذا اؤتمن خان۔ (مشکوٰة ص:۱۷)۔ ولا تأکلوا أموالکم بینکم بالباطل (البقرة:۱۸۸)۔ وفی أحکام القرآن للجصاص (ج:۱ ص:۲۵۰) وأکل المال بالباطل علی وجهین أحدهما أخذه علی وجه الظلم والسرقة والخیانة والغصب وما جریٰ مجراه۔

(۲) سبیل الکسب الخبیث التصدق إذا تعذر الرد علی صاحبه۔ (شامی ج:۶ ص:۳۸۵)۔ وفی الهدایة: قال فإن جاء صاحبها وإلّا تصدق بها إیصالًا للحق إلی المستحق وهو واجب بقدر الإمکان۔ (هدایة ج:۲ ص:۴۱۴)۔ اور امداد الفتاویٰ میں ہے: "زید کو یہ دیکھنا چاہئے کہ میرے ذمہ کتنا کرایہ واجب ہے؟ اس قدر داموں کا ایک ٹکٹ اسی ریلوے کا خرید کر اس ٹکٹ کو ضائع کردے، اس سے کام نہ لے۔" (امداد الفتاویٰ ج:۳ ص:۴۴۵، طبع مکتبہ دار العلوم)۔

جواب:...کپڑوں کے مالکوں کا تو آپ کو معلوم ہوتا ہے، پھر ان مالکوں تک کیوں نہیں پہنچا سکتے؟ اگر مالک کا پتا نہ ہو تو تین ماہ کے بعد وہ لقطے کے حکم میں ہے، لہٰذا مالک کی طرف سے صدقہ کردیں اور نیت یہ رکھیں کہ اگر مالک آگیا تو اس کو قیمت دے دُوں گا،[1] اگر آپ مستحق ہیں تو خود بھی رکھ سکتے ہیں۔[2]

مالک کی اِجازت کے بغیر پودے کی شاخ لینا

سوال:...کیا ہم کسی جگہ مثلاً اسکول، کالج، اسپتال، پارک یا کسی بھی جگہ سے بغیر اس کے مالک سے پوچھے پودے کی کوئی شاخ وغیرہ توڑ کر دُوسری جگہ لگانے کی نیت سے لے سکتے ہیں؟ ہمارا مقصد یہ ہے کہ یہ پودا اپنے گھر پر لگائیں، شاخ کو توڑ کر ضائع کرنے کا مقصد نہیں ہے، تو کیا یہ جائز ہے؟

جواب:...مالک کی اِجازت کے بغیر شاخ لینا جائز نہیں۔[3]

ساتھیوں کی چیزیں بغیر اُن کی اِجازت کے اِستعمال کرنا

سوال:...میں فوج میں ملازمت کرتا ہوں، ٹریننگ کے دوران ہم تمام ساتھی اِکٹھے رہتے ہیں، اس دوران ہم ایک دُوسرے سے ضرورت کی اشیاء لے لیتے ہیں، کبھی پوچھ کر، کبھی بغیر پوچھے۔ میں نے بھی اس طرح کئی مرتبہ کیا، کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ ہم چیز لے کر واپس نہیں کرتے، نہ جانتے کتنی مرتبہ یہ عمل مجھ سے صادر ہوا ہے، اب یاد بھی نہیں کہ کیا چیز؟ کب؟ کس سے لی تھی؟ اور واپس کی، یا نہیں؟ مجھے اب کیا کرنا چاہئے؟

جواب:...جتنے ساتھیوں نے ایک دُوسرے کی چیزیں اِستعمال کی ہیں، وہ ان سے معاف کروالیں۔

پرائی چیز مالک کو لوٹانا ضروری ہے

سوال:...آج سے کئی سال قبل میرے ایک عزیز جو کہ اسلامی ملک سے تشریف لائے تھے لہٰذا وہ اپنے ساتھ سامان وغیرہ بھی لائے، اس سامان میں ایک چیز ایسی بھی تھی جس کو دِکھانے کی غرض سے میں اپنے گھر لے گیا، لیکن اتفاق کی بات ہے کہ فوراً ہی ہمارے درمیان اختلافات نے جنم لیا جو کہ جاری ہے، اب مسئلہ یہ ہے کہ جن صاحب سے میں نے یہ چیز لی تھی انہوں نے مجھ پر الزام

---

(۱) قال فإن جاء صاحبها وإلّا تصدق بها إيصالًا للحق إلى المستحق وهو واجب بقدر الإمكان وذالك بإيصال عينها عن الظفر بصاحبها وإيصال العوض وهو الثوب على إعتبار إجازته التصدق بها وإن شاء أمسكها رجاء الظفر بصاحبها۔ قال فإن جاء صاحبها بعد ما تصدق بها فهو بالخيار إن شاء أمضى الصدقة وله ثوابها لأن التصدق وإن حصل بإذن الشرع لم يحصل بإذنه فيتوقف على إجازته ...إلخ۔ (هداية ج:۲ ص:۶۱۵، كتاب اللقطة)۔

(۲) قال في التنوير: فينتفع الرافع بها لو فقيرًا وإلّا تصدق بها على فقير ولو على أهله وفرعه وعرسه۔ (ردالمحتار ج ۴ ص.۲۷۹، كتاب اللقطة)۔

(۳) لا يجوز لأحد أن يتصرف في ملك غيره بلا إذنه أو وكالة منه أو ولَاية عليه۔ (شرح المجلة لسليم رستم باز، المادة:۹۶ ص۶۱۰، طبع مكتبه حبيبيه كوئٹه)۔

تراشی کی۔ جبکہ میری نیت بالکل صاف تھی اور ہے۔ اور ان کی یہ چیز ابھی تک ویسے ہی پڑی ہے جیسا کہ آج سے تقریباً ۸، ۹ سال قبل میں نے ان سے لی تھی۔ محض ان کی الزام تراشی اور اپنے غصے کی حالت میں (جبکہ غصہ حرام ہے) میں انہیں ان کی چیز واپس نہیں کر سکا (اللہ معاف کرے)، نہ ہی اس چیز کے بارے میں، میں نے کسی کو بتایا اور نہ کسی کو دکھایا۔ اب یہ بوجھ اُٹھایا نہیں جاتا، میں چاہتا ہوں کہ اسے کہیں صرف کردُوں جبکہ میری خواہش ہے کہ اس کی قیمت غریبوں میں ادا کرکے اپنے پاس رکھ لوں، کیا ایسا ممکن ہے؟ یا پھر یہ چیز کسی کو دے دُوں، یا پھر کسی اسلامی جگہ پر رکھ دُوں، (لیکن میں اس عمل کو بہتر نہیں سمجھتا جبکہ میں جانتا ہوں کہ جس کا جو مال، حق ہو، اسے ہی ملنا چاہئے)، لیکن مجبوری یہ ہے کہ اب میں اس شخص کو یہ چیز واپس نہیں کرسکتا۔ وجہ یہ ہے کہ اب وہ ہم سے کہیں دُور رہتا ہے۔ دُوسرا یہ کہ اگر میں انہیں ان کی چیز واپس کردُوں تو یہ میری بدنامی کا باعث بنتی ہے، اور پھر نہ جانے مجھے کتنے الزامات کا سامنا کرنا پڑے گا۔ لہٰذا میں اس عمل سے بچنا چاہتا ہوں۔ اب آپ سے گزارش کرتا ہوں کہ آپ مجھے کوئی ایسا حل بتادیں کہ میں شرمندگی سے بچ جاؤں، جبکہ اس کی چیز اب اس تک نہیں پہنچ سکتی۔

جواب:... اس چیز کا نہ صدقہ کرنا جائز ہے، نہ خود اس کا استعمال کرنا ہی جائز ہے، اس کو مالک کے پاس لوٹانا فرض ہے۔[1] اگر یہاں کی ذلت و بدنامی گوارا نہیں تو قیامت کے دن کی ذلت و بدنامی اور اس کے بدلے میں اپنی نیکیاں دینے کے لئے تیار رہئے۔[2]

چوڑیوں کا کاروبار کیسا ہے؟

سوال:... چوڑیوں کا کاروبار کرنا جائز ہے یا ناجائز؟ آج کل چوڑیوں کا کام فیشن میں شامل ہے اور دُکان پر لیڈیز اگر خریدتی ہیں اور پہنتی بھی ہیں، مردوں سے عورتوں کا چوڑیاں پہننا ٹھیک تو نہیں ہے، مگر اس وقت ذہن بالکل پاک ماحول میں ہوتا ہے جب انسان اپنی روزی پر کھڑا ہوتا ہے، اس کا ذہن گندے خیالات کی طرف مائل نہیں ہوتا۔ کیا اس لحاظ سے یہ کام کرنا دُرست ہے یا نہیں؟ اگر لیڈیز اپنا سائز دے کر چوڑیاں خریدلیں پھر یہ کام کیسا ہے؟ ان سے آدمی لین دین کرسکتا ہے یا نہیں؟ مجھے اُمید ہے کہ آپ اس پورے سوال کا جواب دے کر مجھے مطمئن کردیں گے۔ میری خود کی چوڑیوں کی دُکان ہے، نماز بھی پڑھتا ہوں، کیا اس کام کی کمائی حلال ہے؟ اس کام کی آمدنی سے انسان زکوٰۃ، خیرات دے سکتا ہے؟ قبول ہوگی یا نہیں؟ جواب دے کر مشکور فرمائیں۔

جواب:... چوڑیوں کا فروخت کرنا تو جائز ہے،[3] لیکن نامحرم عورتوں کو چوڑیاں پہنانا جائز نہیں۔[4] دِل اور ماحول خواہ کیسا ہی

---

(۱) إن الله يأمركم أن تؤدوا الأمٰنٰت إلى أهلها" (النساء:۵۸)۔ عن أبي هريرة قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: أد الأمانة إلى من ائتمنك ولَا تخن من خانك۔ (أبوداؤد ج:۲ ص:۱۳۲، كتاب البيوع، طبع إمداديه)۔

(۲) وقال النبي صلى الله عليه وسلم: رحم الله عبدًا كانت لأخيه عنده مظلمة في عرض أو مال فجاءه فاستحله قبل أن يؤخذ فليس ثم دينار ولَا درهم، فإن كانت له حسنات أخذ من حسناته۔ (ترمذى ج:۲ ص:۶۷، أبواب صفة القيامة)۔

(۳) قال العلامة العثماني رحمه الله تعالىٰ: يجوز للنساء لبس أنواع الحلى كلها من الذهب والفضة والخاتم والحلقة والسوار والخلخال والطوق والعقد والتعاويذ والقلائد وغيرها۔ (إعلاء السُّنن ج:۱۷ ص:۲۹۳)۔

(۴) ولَا يحل له أن يمس وجهها ولَا كفها وإن كان يأمن الشهوة وهذا إذا كانت شابة تشتهى ...إلخ۔ (عالمگیری ج:۵ ص:۳۲۹، كتاب الكراهية، طبع رشيديه كوئٹه)۔

پاک ہو، یہ فعل حرام ہے۔ اگر عورت اپنے سائز کی چوڑیاں دے جائے اور آپ اس سائز کی بنا کر ان کے حوالے کردیں تو یہ جائز ہے۔

مرد کے لئے سونے کی انگوٹھی بنانے والا سنار

سوال:... سونے کی انگوٹھی وغیرہ لاکٹ، چین مرد کے لئے استعمال کرنا جائز نہیں ہے، اگر کوئی بھائی ہم سے آرڈر پر بنوانا چاہے تو بنانے والے پر کوئی گناہ تو نہیں؟

جواب:... سونے کی انگوٹھی بنانا جائز ہے، مرد کو اس کا پہننا حرام ہے[1] اس لئے آپ گناہگار نہ ہوں گے، لیکن اگر آپ مردانہ انگوٹھی بنانے سے انکار کردیں تو بہت ہی اچھا ہے۔

غیرشرعی لباس سینا شرعاً کیسا ہے؟

سوال:... زید درزی کا کام کرتا ہے، اس کے پاس زنانہ، مردانہ کپڑے سینے کے لئے آتے ہیں، موجودہ دور کے مطابق اسے گاہک کی فرمائش کے مطابق ڈیزائن بناکر دینا پڑتا ہے، مثلاً زنانہ لباس تنگ، مردانہ پینٹ، پتلون، قمیص کالروالی وغیرہ تو کیا اس میں کاریگر، بنادینے کی وجہ سے گاہک کے ساتھ گناہگار ہوگا یا نہیں؟

جواب:... ایسے لباس کا تیار کرنا جس سے مرد یا عورت کے اعضائے مستورہ کی کیفیات (اُونچ نیچ) نظر آتی ہوں، صحیح نہیں[2] کاریگر پر پہننے کا اور تیار کرنے کا گناہ نہیں ہوگا، لیکن اعانت کرنے کا گناہ ہوگا[3] اس لئے بہتر ہے کہ ایسے لباس تیار کرنے سے احتراز کیا جائے، لوگوں سے جھگڑے اور اعتراض سے بچنے کے لئے دُکان میں لکھ دیا جائے کہ غیرشرعی لباس یہاں تیار نہیں ہوتا۔

درزی کا مردوں کے لئے ریشمی کپڑا سینا

سوال:... زید ایک ٹیلر ماسٹر ہے اور اوقاتِ کار کے درمیان اَحکاماتِ الٰہیہ کی پابندی اور نماز کے فرائض باقاعدگی سے ادا کرتا ہے، کیا یہ پیشہ حلال روزی پر مبنی ہے؟ کیونکہ زید مردوں کے ریشمی کپڑے سیتا ہے جبکہ مرد کو ریشم پہننا منع ہے، اب اگر مردوں کے کپڑے (جوکہ ریشم کے تار کے ہوتے ہیں) نہ سیئے گا تو گویا اپنی روزی کو لات مارے گا، اگر وہ سیتا ہے تو گناہ کے کام میں معاونت کا حصہ دار کہلاتا ہے۔

---

(۱) ویکره للرجال التختم بما سوى الفضة كذا في الينابيع، والتختم بالذهب حرام في الصحيح، كذا في الوجيز لكردري. (عالمگیری ج:۵ ص:۳۳۵ كتاب الكراهية).

(۲) وهذا كله إذا كان الثوب صفيقًا لَا يصف ما تحته فإن كان رقيقًا يصف ما تحته لَا يجوز لأن عورته مكشوفة من حيث المعنى، قال النبي صلى الله عليه وسلم: لعن الله الكاسيات العاريات. (البدائع الصنائع ج:۱ ص:۲۱۹، طبع سعيد).

(۳) "وَلَا تعاونوا على الْإِثم والعدوان" يعني لَا تعاونوا على إرتكاب المنهيات ولَا على الظلم. (تفسير مظهري ج:۳ ص:۱۹، طبع مكتبه اشاعت العلوم دهلي).

جواب:... خالص ریشم مردوں کے لئے حرام ہے،[1] لیکن مصنوعی ریشم حرام نہیں، آج کل عام رواج اسی کا ہے، خالص ریشم تو کوئی امیر کبیر ہی پہنتا ہوگا۔ خالص ریشم کا کپڑا مردوں کے پہننے کے لئے سینا مکروہ تو ضرور ہے،[2] مگر درزی کی کمائی حرام نہیں۔

لطیفہ گوئی و داستان گوئی کی کمائی کیسی ہے؟

سوال:... ایک آدمی ہے جو لطیفہ گوئی، داستان گوئی وغیرہ کرکے کمائی کرتا ہے، دُوسرے لفظوں میں اس نے اس کام (لطیفہ گوئی وغیرہ) کو اپنا ذریعہ معاش بنا رکھا ہے، کیا ایسے شخص کی کمائی حلال ہے یا حرام؟ ایسے شخص سے ہدیہ لینا جائز ہے؟ ایسا آدمی اس کمائی سے فریضہ حج ادا کرسکتا ہے؟ اگر ہدیہ لے لیا ہے تو پھر اس کو صَرف کس طرح کیا جائے؟ آج کل تھیٹر ہال بنے ہوتے ہیں اور ان میں اسٹیج شو مثلاً ڈرامے، ناچ گانے وغیرہ ہوتے ہیں، ایسے تھیٹر ہال کے مالک، اداکار، ہدایت کار وغیرہ کی کمائی حلال ہے یا حرام؟ اور کیا ایسی کمائی سے حج وغیرہ کیا جاسکتا ہے؟ کیا ایسے آدمی سے ہدیہ لیا جاسکتا ہے؟ اگر ہدیہ لے لیا ہے تو اس کو جائز کس طرح کیا جاسکتا ہے؟

جواب:... لطیفہ گوئی اگر جائز حدود میں ہو تو گنجائش ہے، مگر اس کو پیشہ بنانا مکروہ ہے۔[3] اسٹیج شو، ڈرامے اور ناچ گانے کی کمائی حرام ہے۔[4] ایسی کمائی سے حج کرنا ایسا ہے جیسے کوئی اپنے بدن اور کپڑوں پر گندگی مل کر کسی بڑے کی زیارت کے لئے اس کے گھر جائے۔[5]

دفتری اُمور میں دیانت داری کے اُصول

سوال:... دفاتر میں جس افسر کے ماتحت ہوتے ہیں، اس سے ہم کم و بیش ایک دو گھنٹہ پہلے چلے جانے کی ''مستقل'' (روزانہ کی) اجازت لے سکتے ہیں تاکہ دُوسرے کام بھی نمٹائے جاسکیں، جبکہ دفاتر میں کام زیادہ نہیں ہوتا اور جو ہوتا بھی ہے تو جلدی نمٹایا جاسکتا ہے یا اگلے روز بھی کیا جاسکتا ہے۔ اجازت ملنے پر اس عرصے کی تنخواہ جائز ہوگی، جبکہ تنخواہ افسر نہیں حکومت دیتی ہے؟ افسر بھی کسی کا ماتحت ہوتا ہے اور وہ بھی کسی اور کا، اس طرح ہر کوئی کسی اور کا ماتحت ہے، تو اجازت پر عمل پیرا اپنے افسر کے ہوں

---

(۱) لَا یحل للرجال لبس الحریر ویحل للنساء لأن النبی صلی الله علیه وسلم نهٰی عن لبس الحریر والدیباج وقال إنما یلبسه من لَا خلاق له فی الآخرة ... إلخ۔ (هدایة ج:۴ ص:۴۵۵، کتاب الکراهیة)۔

(۲) "وَلَا تعاونوا علی الْإِثْم والعدوان" یعنی لَا تعاونوا علٰی إرتکاب المنهیات وَلَا علی الظلم۔ (تفسیر مظهری ج ۳ ص:۱۹، طبع اشاعت العلوم دهلی)۔

(۳) لَا تکثروا الضحک، فإن کثرة الضحک تمیت القلب۔ (کنز العمال ج:۳ ص:۴۸۸ الحدیث رقم:۷۵۵۱)۔

(۴) ولَا یجوز الْإستئجار علی الغناء والنوح وکذا سائر الملاهی لأنه إستئجار علی المعصیة، والمعصیة لَا تستحق بالعقد۔ (هدایة ج:۳ ص:۳۰۳، باب إجارة فاسدة)۔

(۵) عن أبی هریرة قال: قال رسول الله صلی الله علیه وسلم: ان الله طیّب لَا یقبل إلّا طیّبًا، وان الله أمر المؤمنین بما أمر به المرسلین فقال: یٰأیها الرسل کلوا من الطیّبات واعملوا صالحًا ... إلخ۔ (مشکوٰة ص:۲۴۱، طبع قدیمی)۔

جس کے سامنے جواب دہی کرنی ہوتی ہے یا حکومت کے جس کو جوابدہی طلب نہیں کرنی ہوتی ہے؟ (اس سوال کے ہر پہلو کا جواب دیں ورنہ تشنگی رہے گی)۔

جواب:... اس مسئلے میں اُصول یہ ہے کہ محکمے کے قانون کے لحاظ سے دفتر کی حاضری کا ایک وقت مقرّر ہے اور اسی کی ملازم کو تنخواہ دی جاتی ہے، اس لئے مقرّرہ وقت سے غیرحاضری جائز نہیں، اور غیرحاضری کے وقت کی تنخواہ بھی حلال نہیں۔[1] لیکن بعض اِستثنائی صورتیں ایسی ہوسکتی ہیں کہ ان پر قانون بھی لچک اور رعایت کا معاملہ کرتا ہے، مثلاً: کسی ملازم کو فوری طور پر جانے کی اچانک ضرورت پیش آگئی، ایسی اِستثنائی صورتوں پر افسرِ مجاز سے اجازت لے کر جانے کی گنجائش ہے۔ لیکن قبل از وقت جانے کا معمول بنالینا قانون کی نظر میں جرم ہے، اس لئے جو حضرات قبل از وقت دفتر سے جانے کا معمول بنالیتے ہیں ان کے لئے غیرحاضری کے اوقات کی تنخواہ حلال نہیں ہوگی، خواہ وہ افسر سے اجازت لے کر جاتے ہوں، اگر وہ ان اوقات کی تنخواہ لیں گے تو حرام کھائیں گے اور ان کے ساتھ ان کو اجازت دینے والا افسر بھی گناہگار ہوگا اور قیامت کے دن پکڑا ہوا آئے گا۔[2] رہی یہ صورت کہ دفتر کا سارا کام نمٹادیا گیا اور اَب ملازمین فارغ بیٹھے ہیں، کیا ان کو وقت ختم ہونے تک دفتر میں حاضر رہنا لازم ہے؟ یا یہ کہ وہ اس صورت میں افسرِ مجاز کی اجازت سے چھٹی کرسکتے ہیں؟ میرے خیال میں چونکہ دفاتر میں کام کا رش رہتا ہے اور فائلوں کے ڈھیر لگے رہتے ہیں اس لئے یہ صورت پیش ہی نہیں آسکتی کہ ملازمین دفتر کا سارا کام نمٹا کر فارغ ہوبیٹھیں۔ تاہم اگر شاذ و نادر ایسی صورت پیش آئے تو اس کے بارے میں بھی محکمہ قانون ہی سے دریافت کرنا چاہئے کہ آیا ایسی صورت میں بھی ملازمین کو وقت ختم ہونے تک دفتر کی پابندی لازم ہے یا وہ کام ختم کرکے گھر جانے کے مجاز ہیں؟ اگر قانون ان کو ایسی حالت میں گھر جانے کی اجازت دیتا ہے تو اس وقت کی غیرحاضری کی تنخواہ ان کے لئے حلال ہوگی اور اگر قانون اجازت نہیں دیتا تو تنخواہ حلال نہیں ہوگی۔ البتہ اگر کسی ملازم کے ذمہ متعین کام ہے اور اس سے یہ کہہ دیا گیا ہے کہ تمہیں یہ کام پورا کرنا ہے خواہ یہ مقرّرہ کام تھوڑے وقت میں کردیا یا زیادہ میں، تو اس کو کام پورا کرکے جانے کی اجازت ہوگی۔[3]

سوال:... دفتری اوقات میں جب کوئی کام نہ ہو تو سیٹ چھوڑ کر اِدھر اُدھر جاسکتے ہیں، لائبریری، کینٹین یا آفس سے باہر کسی ذاتی کام سے؟ آخر ٹوائلٹ وغیرہ کے لئے تو سیٹ چھوڑنی پڑتی ہے؟

---

(۱) وليس للخاص أن يعمل لغيره، ولو عمل نقص من أجرته بقدر ما عمل ...إلخ۔ (شامية ج:۶ ص:۷۰، كتاب الإجارة، باب ضمان الأجير، طبع سعيد)۔

(۲) ولَا تعاونوا على الإثم والعدوان يعني لَا تعاونوا على إرتكاب المنهيات ولَا على الظلم۔ (تفسير مظهری ج:۳ ص:۱۹)۔

(۳) والإجارة لَا تخلو إما أن تقع على وقت معلوم أو على عمل معلوم، فإن وقعت على عمل معلوم فلا تجب الأجرة إلّا بإتمام العمل ... ... وإن وقعت على وقت معلوم فتجب الأجرة بمضي الوقت إن هو إستعمله أو لم يستعمله۔ (النتف في الفتاوى ص:۳۳۸، كتاب الإجارة)۔

جواب:... اُوپر اس کا جواب بھی آچکا ہے، اگر قانون سیٹ چھوڑنے کی اجازت دیتا ہے تو کوئی حرج نہیں، ورنہ بغیر ضرورت کے سیٹ چھوڑنا جائز نہیں ہوگا۔[1]

سوال:... آفس ٹائم صبح ۸ سے ۲:۳۰ ہے، مگر اِنچارج نے ۹ سے ۲:۳۰ تک آنے کو کہا ہے اور خود بھی ۹ بجے آتے ہیں، تو بات اِنچارج کی مانی جائے جو ہم سے کام لیتا ہے یا حکومت کی جو تنخواہ دیتی ہے اور جس نے وقت مقرّر کیا ہے؟

جواب:... قانون کی رُو سے اِنچارج کی یہ بات غلط ہے، اس پر عمل جائز نہیں، اور اتنے وقت کی تنخواہ حلال نہیں ہوگی۔[2]

سوال:... جس افسر نے ۹ سے ۲:۳۰ بجے تک کا وقت مقرّر کیا، وہ چلے گئے، ان کی جگہ دُوسرے آئے مگر انہوں نے کچھ بھی اس سلسلے میں نہ کہا اور وہ بھی ۹ بجے آتے ہیں، تو بات اسی پہلے والے افسر کی چلتی رہے گی یا خود کوئی وقت مقرّر کریں؟

جواب:... قانون کے خلاف نہ پہلے کو اجازت ہے نہ دُوسرے کو، ہاں! قانون ان افسروں کو اس رعایت کی اجازت دیتا ہو تو ان کی بات پر عمل کرنا جائز ہے، ورنہ وہ افسر بھی خائن ہوں گے اور ان کی بات پر عمل کرنے والے ملازم بھی۔

سوال:... دفتری وقت صبح ۸ سے ۲:۳۰ بجے تک ہے، مگر افسران اور ماتحت سب ۹ بجے آتے ہیں اور کام بھی ۹ بجے سے شروع ہوتا ہے، تو ۸ بجے سے آکر کیا کریں؟

جواب:... دفتر آکر بیٹھ جائیں اور تنخواہ حلال کریں۔[3]

سوال:... آدھا گھنٹہ یا ایک گھنٹہ دفتری اوقات سے دیر سے پہنچیں مگر یہ وقت چھٹی ہوجانے پر دفتر میں رہ کر پورا کریں تو شروع کے آدھا گھنٹہ یا ایک گھنٹہ غیرحاضر رہنے سے اس وقت کی تنخواہ ناجائز ہوجائے گی یا وقت پورا کردینے سے جائز ہوجائے گی؟

جواب:... جی نہیں، دفتر کا جو وقت مقرّر ہے اس میں خیانت کرکے زائد وقت میں کام نمٹانے سے تنخواہ حلال نہیں ہوگی۔[4]

سوال:... جب معلوم ہو کہ اب کوئی کام ہی نہیں ہے تو واپس جاسکتے ہیں جبکہ چھٹی کا وقت نہ ہوا ہو؟

جواب:... اس کا جواب اُوپر آچکا ہے کہ اگر آپ کے ذمہ مقررہ وقت کی پابندی نہیں، بلکہ معین کام پورا کرنے کی

---

(۱) ولیس للخاص أن یعمل لغیرہ، ولو عمل نقص من أجرتہ بقدر ما عمل ...إلخ۔ (شامیة ج:۶ ص:۷۰، کتاب الإجارة، باب ضمان الأجیر، طبع سعید)۔

(۲) وفی فتاوی الفضلی وإذا استأجر رجلًا یومًا یعمل کذا فعلیہ أن یعمل ذالک العمل إلی تمام المدة ولا یشتغل بشیء آخر سوی المکتوبة۔ (شامی ج:۶ ص:۷۰، کتاب الإجارة باب ضمان الأجیر، مطلب لیس للأجیر الخاص ...إلخ)۔

(۳) تفصیل کے لئے دیکھئے: معارف القرآن ج:۸ ص:۶۹۳۔

(۴) والإجارة لا تخلو إما أن تقع علی وقت معلوم أو علی عمل معلوم، فإن وقعت علی عمل معلوم فلا تجب الأجرة إلا بإتمام العمل .... وإن وقعت علی وقت معلوم فتجب الأجرة بمضی الوقت إن ہو إستعملہ أو لم یستعملہ۔ (النتف فی الفتاوی ص:۳۳۸، کتاب الإجارة)۔

پابندی ہے تو کام پورا کرنے کے بعد آپ آزاد ہیں، اور اگر آپ کے ذمہ وقت پورا کرنے کی پابندی ہے خواہ کام ہو یا نہ ہو تو آپ نہیں جاسکتے۔ (۱)

سوال:... اگر کسی دن ذاتی کام ہو تو افسر سے اجازت لے کر جاسکتے ہیں؟ اور اس دن کے بقیہ وقت کی تنخواہ جائز ہوگی؟

جواب:... اگر غیرقانونی طریقے پر چھٹی کی تو تنخواہ حلال ہونے کا کیا سوال...؟

سوال:... نماز یا لنچ کے لئے جو وقفہ ملتا ہے، اس دوران دفتر میں اپنی سیٹ پر بیٹھے رہیں چاہے کوئی کام ہو یا نہ ہو، اور اس طرح سے نماز یا لنچ کے لئے ملنے والے اس وقفے کے برابر پہلے جاسکتے ہیں؟ یعنی اگر یہ وقفہ آدھا گھنٹے کا ہو تو چھٹی کے مقرّرہ وقت سے آدھا گھنٹہ پہلے جاسکتے ہیں؟

جواب:... جی نہیں، یہ وقفہ ضروریات پوری کرنے کا ہے، کام کا وقت نہیں، اوقاتِ کار کے بدلے میں آپ اس وقت کام کرکے بری الذمہ نہیں ہوسکتے۔

سوال:... نماز بعد میں پڑھ سکتے ہیں، کیونکہ دفتر میں اندرونی کپڑے بدلنے میں کافی دِقت ہوتی ہے جو کہ پیشاب کے بعد یا ویسے بھی قطرے آجانے سے خراب ہوجاتے ہیں؟

جواب:... نماز کو اگر اس کے مقرّرہ وقت سے مؤخر کریں گے تو اللہ تعالیٰ کے مجرم اور اپنی ذات سے خیانت کے مرتکب ہوں گے۔ (۲) آپ ایسا لباس پہن کر کیوں جائیں جس کے ساتھ نماز نہیں پڑھ سکتے یا جس کو نماز کے لئے بدلنے کی ضرورت پیش آئے...؟

سوال:... دفتری کاغذ، قلم و دیگر اشیاء کو ذاتی استعمال میں لاسکتے ہیں جبکہ استعمال میں لانے پر کوئی روک ٹوک نہیں؟

جواب:... اگر حکومت یا محکمے کی طرف سے اجازت ہے تو دفتری اشیاء کو ذاتی استعمال میں لاسکتے ہیں، ورنہ نہیں۔ (۳)

سوال:... ملازمت ملنے سے پہلے معائنہ کرانا ہوتا ہے، جو لوگ معائنہ کرتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ چائے پانی کے پیسے لاؤ، اگر نہیں دیا جاتا تو کوئی رُکاوٹ کھڑی کردیتے ہیں، جس کا نتیجہ بے روزگاری میں نکلے گا، اگر ہم مجبور ہوں یا اپنی خوشی سے ان لوگوں کا حق یا محنت سمجھ کر بے روزگاری سے بچنے کے لئے انہیں پیسے دے دیں تو یہ رشوت ہوگی؟

جواب:... رشوت خنزیر کی ہڈی ہے اور رشوت لینے والے سگانِ خارشتی یا سگانِ دیوانہ ہیں، اگر وہ اس حرام کی ہڈی کے بغیر

---

(۱) (والثاني) وهو الأجير الخاص ويسمّٰى أجير وحد (وهو من يعمل لواحد عملًا مؤقتًا بالتخصيص ويستحق الأجر بتسليم نفسه في المدة وإن لم يعمل ...إلخ. (درمختار ج:۶ ص:۶۹، كتاب الإجارة).

(۲) قال تعالٰى: "إن الصلوة كانت على المؤمنين كتٰبًا موقوتًا" (النساء:۱۰۳).

(۳) وعن أبي حرة الرقاشي عن عمه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: ألا لا تظلموا! ألا لا يحل مال امرىء إلّا بطيب نفس منه. (مشكٰوة ج:۱ ص:۲۵۵، باب الغصب والعارية).

گزند پہنچاتے ہیں تو مجبوری ہے۔[1]

سوال:... جس افسر نے سفارش کر کے ملازمت دِلوائی اس کے بعد اب وہ کہتے ہیں کہ اس خوشی میں ہماری دعوت کرو اور کچھ غیرحاضریوں کو حاضری لگادینے کی خوشی میں بھی، جبکہ کام کرنے سے پہلے کوئی معاہدہ نہ تھا، اب ان کی دعوت کرنے پر یہ رشوت ہوگی؟

جواب:... سفارش کا معاوضہ رشوت ہے۔[2]

غلط عمر لکھوا کر ملازمت کی تنخواہ لینا

سوال:... پاکستان میں عموماً حضرات اپنے بچوں کی عمر کم لکھواتے ہیں تاکہ مستقبل میں فائدے ہوں، مثلاً: ریٹائر ہونے کی عمر میں ۲ یا ۳ سال کا ناجائز اضافہ ہوجاتا ہے۔ اب مسئلہ یہ ہے کہ اس اضافے سے جو تنخواہ ملتی ہے کیا وہ جائز ہے یا ناجائز؟ کیونکہ وہ زائد سال کسی اور کا حق ہے جو عمر بڑھوا کر کسی شخص نے حاصل کئے۔

جواب:... تنخواہ تو خیر حلال ہے اگر کام حلال ہو، مگر جھوٹ کا گناہ ہمیشہ سر رہے گا۔

مقرّرشدہ تنخواہ سے زیادہ بذریعہ مقدمہ لینا

سوال:... میں ایک جگہ کام کرتا تھا، اب جی بھر گیا ہے، ۵ سال ہوگئے ہیں نوکری کرتے ہوئے۔ مالک کے ساتھ جو معاہدہ تھا یعنی تنخواہ مقرّر تھی وہ مجھے ملتی رہی ہے۔ ہر ماہ مقرّر کی ہوئی تنخواہ مجھے برابر ملتی رہی ہے۔ اب ایک آدمی نے مشورہ دیا ہے کہ تم کورٹ میں مقدمہ کرو، کافی رقم ملے گی۔ جبکہ مجھے میرا حق یعنی جو تنخواہ مقرّر تھی وہ مجھے ملتی رہی ہے۔ اب اگر میں مقدمہ کروں اور مجھے جو رقم ملے گی اس رقم کے بارے میں آپ کا کیا خیال ہے، کیا یہ جائز ہے؟

جواب:... آپ سے جتنی تنخواہ کا معاہدہ ہوا تھا وہ تو آپ کے لئے حلال ہے، اس سے زیادہ اگر آپ وصول کریں گے تو غصب ہوگا، اگر آپ کو وہ تنخواہ کافی نہیں تو آپ معاہدہ فسخ کرسکتے ہیں۔[3]

---

(۱) قال تعالىٰ: "فمن اضطر غير باغ ولَا عاد فلا إثم عليه، إن الله غفور رحيم" (البقرة:۱۷۳)۔ أيضًا: الضرورات تبيح المحظورات۔ (الأشباه والنظائر ص:۸۵، طبع بيروت)۔ قال العلامة ابن عابدين: ما يدفع لدفع الخوف من المدفوع إليه على نفسه أو ماله حلال للدافع حرام على الآخذ، لأن دفع الضرر عن المسلم واجب ولَا يجوز أخذ المال ليفعل الواجب ... إلخ۔ (شامي ج:۵ ص:۳۶۲، مطلب في الكلام على الرشوة، طبع ايچ ايم سعيد)۔

(۲) وفي الكشاف المصطلحات: الرشوة لغة ما يتوصل به إلى الحاجة بالمصانعة بأن تصنع له شيئًا ليصنع لك شيئًا آخر۔ (مجموعة قواعد الفقه ص:۳۰۷)۔ أيضًا: أخذ المال ليسوي أمره عند السلطان دفعا للضرر أو جلبًا للنفع وهو حرام على الآخذ .. إلخ۔ (شامي ج:۵ ص:۳۶۲، طبع ايچ ايم سعيد)۔

(۳) الإجارة بعد ما إنعقدت صحيحة لَا يجوز للآجر فسخها بمجرّد زيادة الخارج في الأجرة۔ (شرح المجلة ص:۲۴۵، المادّة:۴۴۱، طبع حبيبيه كوئٹه)۔

غیرحاضریاں کرنے والے ماسٹر کو پوری تنخواہ لینا

سوال:... ایک صاحبِ علم آدمی ایک اسکول میں ماسٹر ہے، مگر وہ اپنے علاقے کے لوگوں کے معاملات میں اس قدر مصروف ہے کہ باقاعدگی سے اسے اسکول میں حاضری کا موقع نہیں ملا کرتا، بلکہ زیادہ سے زیادہ مہینے میں کوئی ۱۷، ۱۸ حاضریاں اس کی بنیں گی، تو کیا اس کو اس بنا پر پوری تنخواہ وصول کرنا جائز ہوگا کہ وہ خدمتِ خلق اور لوگوں کے کاموں میں مصروف ہے جبکہ اسکول میں ایسا دُوسرا ماسٹر موجود ہو جو اس کے پیریڈ لے سکے؟

جواب:... ماسٹر صاحب کو تنخواہ تو پڑھانے کی ملتی ہے، خدمتِ خلق کی نہیں ملتی۔ اس لئے وہ جتنی پڑھائی کریں بس اتنی ہی تنخواہ کے مستحق ہیں، اس سے زیادہ ناجائز لیتے ہیں۔[1]

غلط بیانی سے عہدہ لینے والے کی تنخواہ کی شرعی حیثیت

سوال:... پاکستان سے ایک صاحب جعلی سرٹیفکیٹ بنواکر یہاں سعودیہ میں ایک بڑی پوسٹ پر آکر فائز ہوئے، پاکستان کے متعلقہ حکام بہت حیرت زدہ ہوئے، اس لئے کہ پاکستان میں یہ صاحب ماضی میں اس عہدے کے اسسٹنٹ کی حیثیت سے کام کرچکے تھے اور اپنی نالائقی کی بنا پر اسسٹنٹ کے عہدے سے بھی متعلقہ محکمے سے نکالے جاچکے تھے۔ اسسٹنٹ سے آگے محنت کرکے قانونی طور پر ترقی کرنا ان کے لئے قطعی ناممکن تھا، اس طرح انہوں نے اس دُنیا میں تو چالاکی سے جعلی سرٹیفکیٹ کے ذریعہ دُوسرے ملک والوں کو بے وقوف بنالیا اور یہاں اس بڑے عہدے پر جیسے تیسے کام کر رہے ہیں، اس طرح انہوں نے پاکستان سے آنے والے ایک موزوں اور قابل انسان کی حق تلفی بھی کی۔ اب ان کی اس کمائی کی شرعی حیثیت کیا ہوگی؟ کیا بہت سے حج اور عمرے کرنے سے ان کا یہ جان بوجھ کر کیا ہوا گناہ دُھل سکتا ہے؟

جواب:... جھوٹ اور جعل سازی کے ذریعہ کوئی عہدہ و منصب حاصل کرنا یہ تو ظاہر ہے کہ حرام ہے، اور جھوٹ، دغابازی اور فریب دہی پر جتنی وعیدیں آئی ہیں، یہ شخص ان کا مستحق ہے، مثلاً: جھوٹوں پر اللہ تعالیٰ کی لعنت۔[2] ارشادِ نبوی ہے کہ دھوکا کرنے والا ہم میں سے نہیں ہے۔[3] اس لئے جعل سازی خواہ چھوٹی کی ہو یا بڑی، ایسے شخص کے بدکار، گناہگار ہونے میں تو کوئی شبہ نہیں، اللہ تعالیٰ سے توبہ کرنی چاہئے۔ باقی رہا یہ مسئلہ ایسے شخص کی کمائی بھی حلال ہے یا نہیں؟ اس کے لئے یہ اُصول یاد رکھنا چاہئے کہ اگر یہ شخص اس منصب

---

(۱) قال العلامة ابن عابدين: بخلاف ما إذا لم يقدر لكل يوم مبلغًا فإنّه يحلّ له الأخذ، فإن لم يدرّس فيها للعرف بخلاف غيرها من أيّام الأسبوع حيث لَا يحلّ له الأجر يوم لم يدرّس فيه مطلقًا سواء قدّر له الأجر يوم أو لَا۔ (رد المحتار ج:۴ ص:۴۲، مطلب في استحقاق القاضي والمدرس الوظيفة في يوم البطالة، طبع سعيد)۔

(۲) قال الله تعالىٰ: "لعنت الله على الكٰذبين" (آل عمران: ۶۱)۔

(۳) قال النبي صلى الله عليه وسلم: من غشّنا فليس منّا۔ الحديث۔ (ترمذي ج:۱ ص:۲۴۵ باب ما جاء في كراهية الغش في البيوع، طبع قديمي)۔

کی اہلیت وصلاحیت رکھتا ہے اور کام بھی صحیح کرتا ہے تو اس کی تنخواہ حلال ہے، اور اگر منصب کا سرے سے اہل نہیں، یا کام ٹھیک سے انجام نہیں دیتا تو اس کی تنخواہ حرام ہے۔[1] اس اُصول کو وہ صاحب ہی نہیں بلکہ تمام سرکاری وغیر سرکاری افسران وملازمین پیشِ نظر رکھیں۔
میرے مشاہدے ومطالعے کی حد تک ہمارے افسران وملازمین میں سے پچاس فیصد حضرات ایسے ہیں جو یا تو اس منصب کے اہل ہی نہیں محض سفارش یا رشوت کے زور سے اس منصب پر آئے ہیں، یا اگر اہل ہیں تو اپنی ڈیوٹی صحیح طور پر نہیں بجالاتے، ایسے لوگوں کی تنخواہ حلال نہیں۔ وہ خود بھی حرام کھاتے ہیں اور گھر والوں کو بھی حرام کھلاتے ہیں۔

اوورٹائم لکھوانا اور اس کی تنخواہ لینا

سوال:... میں نماز روزے کا سختی سے پابند ہوں اور حلال رزق میری جستجو ہے۔ لیکن ایک رُکاوٹ پیش آرہی ہے جو کہ مندرجہ ذیل ہے۔ بزرگوارم! میں ایک مالیاتی اِدارے میں ملازم ہوں جہاں مقرّرشدہ اوقاتِ کار ختم ہونے کے بعد مزید چند گھنٹے خدمات سرانجام دینا پڑتی ہیں، جس کا علیحدہ سے معاوضہ دیا جاتا ہے، جس کا طریقۂ کار یہ ہے کہ تمام ملازمین کو جنھوں نے اوورٹائم کیا ہوتا ہے اوورٹائم ختم کرنے کے بعد ایک رجسٹر پر دستخط کرنے پڑتے ہیں، جس میں ٹوٹل اوورٹائم کتنے گھنٹے کیا اور ساتھ میں وقت اور دستخط تحریر کرنا پڑتے ہیں، لیکن اس تحریر کردہ اور دستخط شدہ وقت سے دو گھنٹے پہلے ہی چھٹی کرلی جاتی ہے اور صرف ایک گھنٹہ کام کیا جاتا ہے، کافی اِداروں میں ایسا ہوتا ہے، تو مزید جو دو گھنٹے کا بھی (جس میں ہم کام نہیں کرتے، چھٹی کرجاتے ہیں) معاوضہ وصول کرتے ہیں کیا وہ ہمارے لئے حلال ہے؟ ہم اسے اپنے بال بچوں کے پیٹ کے لئے استعمال کرسکتے ہیں؟

جواب:... معاوضہ صرف اتنے وقت کا حلال ہے جس میں کام کیا ہو، اس سے زیادہ وقت کا رجسٹر میں اندراج کرنا جھوٹ اور بددیانتی ہے، اور اس کا معاوضہ وصول کرنا قطعی حرام ہے۔[2]

غلط اوورٹائم کی تنخواہ لینا

سوال:... آج کل خاص طور پر سرکاری دفاتر میں یہ بیماری عام ہے کہ لوگ بوگس اوورٹائم اور بوگس ٹی اے ڈی اے حاصل کرتے ہیں جس سے گورنمنٹ کو کروڑوں روپے سالانہ نقصان ہوتا ہے، اس طرح بعض لوگ مہینے میں ۸ یا ۱۰ دن دفتر آتے ہیں مگر تنخواہ پورا مہینہ حاصل کرتے ہیں۔

الف:... وہ لوگ جو اوورٹائم ٹی اے، ڈی اے اور بوگس تنخواہ حاصل کرتے ہیں، ان کی کمائی کیسی ہے؟

---

(۱) أحسن الفتاویٰ ج:۸ ص:۱۹۸۔
(۲) ولأجير الخاص الذى يستحق الأجرة بتسليم نفسه فى المدّة وإن لم يعمل كمن استوجر شهرًا للخدمة أو لرعى الغنم. وانما سمى أجير وحد لأنه لَا يمكنه أن يعمل لغيره لأن منافعه فى المدة صارت مستحقة له. وفى حاشية الهداية: أى سلّم نفسه ولم يعمل مع التمكّن أما إذا امتنع ومضت المدّة لم يستحق الأجر، لأنّه لم يوجد تسليم النّفس. (هداية آخرين ص.۳۱۰ باب ضمان الأجير). أيضًا: الأجير الخاص يستحق الأجرة إذا كان فى مدة الإجارة حاضرًا للعمل ولا يشترط عمله بالفعل، لٰكن ليس له أن يمتنع عن العمل وإذا امتنع لَا يستحق الأجرة. (شرح المجلة ص:۲۳۹، المادّة:۴۲۵).

ب:...جو افسران اوور ٹائم، ٹی اے، ڈی اے اور تنخواہ تیار کرتے ہیں اور ان کاغذات پر کئی افسران دستخط بھی کرتے ہیں، کیا انہیں بری الذمہ قرار دیا جاسکتا ہے یا وہ بھی اس کام میں برابر کے شریک ہیں؟ ان لوگوں کی کمائی سے زکوٰۃ، صدقات اور دُوسرے فلاحی کاموں میں خرچ کی گئی رقم قابلِ قبول ہے یا نہیں؟

جواب:...ظاہر ہے کہ ان کی کمائی خالص حرام ہے،[1] اور جو افسران اس کی منظوری دیتے ہیں وہ اس جرم اور حرام کام میں برابر کے مجرم ہیں۔ صدقہ و خیرات حلال کمائی سے قبول ہوتی ہے، حرام سے نہیں۔[2] حرام مال سے صدقہ کرنے کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی شخص گندگی کا پیکٹ کسی کو تحفے میں دے۔

سرکاری ڈیوٹی صحیح ادا نہ کرنا قومی و ملّی جرم ہے

سوال:...زید کا بحیثیت ورکس شاپ اٹینڈنٹ کے تقرّر کیا جاتا ہے لیکن وہ اپنے فرائضِ منصبی قطعی طور پر انجام نہیں دیتا، لیکن حکومت سے ماہانہ تنخواہ وصول کرتا ہے، کیا اس کی ماہانہ تنخواہ شرعی حدود کے مطابق جائز ہے؟

جواب:...جس کام کے لئے کسی کا تقرّر کیا گیا ہو اگر وہ اس کام کو ٹھیک ٹھیک انجام دے گا تو تنخواہ حلال ہوگی ورنہ نہیں۔[3] جو سرکاری ملازمین اپنی ڈیوٹی صحیح طور پر ادا نہیں کرتے تو وہ خدا کے بھی خائن ہیں اور قوم کے بھی خائن ہیں، اور ان کی تنخواہ شرعاً حلال نہیں۔ دُنیا میں اس خیانت کا خمیازہ انہیں یہ بھگتنا پڑتا ہے کہ اچھی آمدنی، اچھی رہائش اور اچھی خاصی آسائش اور آسودگی کے باوجود ان کا سکون غارت اور رات کی نیند حرام ہوجاتی ہے، طاعت و عبادت کی توفیق سلب ہوجاتی ہے اور آخرت کا عذاب مرنے کے بعد سامنے آئے گا۔ اللہ تعالیٰ اپنی پناہ میں رکھیں۔ بہرحال اپنی ڈیوٹی ٹھیک طور پر بجا نہ لانا ایک ایسا دینی، اخلاقی اور قومی و ملّی جرم ہے کہ آدمی اس گناہ کی معافی بھی نہیں مانگ سکتا۔

ڈرائنگ ماسٹر کی ملازمت شرعاً کیسی ہے؟

سوال:...میرا بھائی بہترین آرٹسٹ ہے، ہم اسے ڈرائنگ ماسٹر بنانا چاہتے ہیں، بعض لوگ کہتے ہیں کہ آرٹ ڈرائنگ

---

(۱) ولیس للخاص أن یعمل لغیرہ، لو عمل نقص من أجرته بقدر ما عمل فتاوی النوازل۔ وقال العلامة ابن العابدین قوله ولیس للخاص أن یعمل لغیرہ بل لَا أن یصلّی النافلة وإذا استأجر رجلًا یومًا أن یعمل کذا فعلیه أن یعمل ذالک العمل إلی تمام المدّة ولَا یشتغل بشیء آخر سوی المکتوبة۔ (ردالمحتار ج:٦ ص:٧٠ مطلب لیس للأجیر الخاص أن یصلی النافلة)۔

(۲) عن أبی هریرة رضی الله عنه قال: قال رسول الله صلی الله علیه وسلم: من تصدّق بعدل تمرة من کسب طیّب ولَا یقبل الله إلّا الطیب، فإن الله یتقبلها بیمینه ثم یربّیها لصاحبها کما یربّی أحدکم فلوّہ حتّٰی یکون مثل الجبل۔ (مشکوٰة ص:١٦٧، باب فضل الصدقة)۔

(۳) لأجیر الخاص الذی یستحق الأجرة بتسلیم نفسه فی المدّة وإن لم یعمل کمن استوجر شهرًا للخدمة أو لرعی الغنم، وإنما سمی أجیر وحد لأنه لَا یمکنه أن یعمل لغیرہ لأن منافعه فی المدة صارت مستحقة له۔ وفی حاشیة هدایة أی سلّم نفسه ولم یعمل مع التمکن، أما إذا امتنع ومضت المدّة لم یستحق الأجر، لأنّه لم یوجد تسلیم النّفس۔ (هدایة ص:٣١٠ باب ضمان الأجیر)۔

اسلام میں ناجائز ہے، وضاحت کریں کہ ڈرائنگ ماسٹر کا پیشہ اسلام میں دُرست ہے یا غلط؟

جواب:... آرٹ ڈرائنگ بذاتِ خود تو ناجائز نہیں، البتہ اس کا صحیح یا غلط استعمال اس کو جائز یا ناجائز بنادیتا ہے، اگر آپ کے بھائی جاندار چیزوں کے تصویری آرٹ کا شوق رکھتے ہیں تو پھر یہ ناجائز ہے،[1] اور اگر ایسا آرٹ پیش کرتے ہیں جس میں اسلامی اُصولوں کی خلاف ورزی نہیں ہوتی تو جائز ہے۔

غلط ڈاکٹری سرٹیفکیٹ بنانا جائز نہیں

سوال:... میں پیشے کے لحاظ سے ڈاکٹر ہوں، ایک مسئلہ جس سے عموماً سابقہ پیش آتا ہے وہ یہ ہے کہ سرکاری ملازمین کسی بھی ذاتی وجہ سے اپنے دفتر سے چھٹی کرنے کے بعد اپنے آفس میں پیش کرنے کے لئے میڈیکل سرٹیفکیٹ بنوانے کے لئے آتے ہیں، یعنی عموماً ان کی چھٹی کرنے کی وجہ کچھ اور ہوتی ہے لیکن وہ اپنے آپ کو بیمار ظاہر کرکے اس عرصے کے لئے میڈیکل سرٹیفکیٹ بنواتے ہیں، آپ سے دریافت یہ کرنا ہے کہ کیا بلاغرض یعنی بلامعاوضہ انہیں ایسا سرٹیفکیٹ بناکر دینا جائز ہے یا نہیں؟ اور اس کا کچھ معاوضہ بھی طلب کیا جاسکتا ہے یا نہیں؟

جواب:... غلط سرٹیفکیٹ دینا جائز نہیں، نہ بلامعاوضہ، نہ معاوضے کے ساتھ۔[2]

جعلی سرٹیفکیٹ کے ذریعے حاصل شدہ ملازمت کا شرعی حکم

سوال:... ایک شخص کسی نہ کسی طرح ایک تجربے کا سرٹیفکیٹ بنواکر باہر ملک جاکر کام کرتا ہے، حقیقت میں اس پوسٹ پر اس نے کام نہیں کیا لیکن اپنے آپ کو اس پوسٹ کا اہل کہتا ہے، قانون کی نظروں میں تو وہ مجرم ہے، لیکن شریعت اور اسلامی اُصولوں پر اگر اس شخص کی کمائی کو پرکھیں تو وہ کمائی جائز ہے یا نہیں؟

---

(۱) وعن ابن عباس قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: يقول كل مصور في النار يجعل له بكل صورة صورها نفسا فيعذبه في جهنم. قال ابن عباس: فإن كنت لَا بُدّ فاعلًا فاصنع الشجر وما لَا رُوح فيه. متفق عليه. (مشكوٰة ص:۳۸۵، كتاب التصاوير). وفي مرقاة المفاتيح شرح المشكوٰة: قال أصحابنا وغيرهم من العلماء تصوير صورة الحيوان حرام شديد التحريم وهو من الكبائر لأنه متوعد عليه بهٰذا الوعيد الشديد المذكور في الأحاديث سواء صنعه في ثوب أو بساط أو درهم أو دينار أو غير ذالك وأما تصوير صورة الشجر والرّجل والجبل وغير ذالك فليس بحرام هٰذا حكم نفس التصوير. (مرقاة المفاتيح ج:۴ ص:۴۸۳ طبع بمبئي). وفي فتاوى الشامية: أما فعل التصوير فهو غير جائز مطلقًا لأنه مضاهاة لخلق الله تعالٰى .... فصنعته حرام بكل حال لأنه فيه مضاهاة لخلق الله. (شامي ج:۱ ص:۶۵۰، ۶۴۷).

(۲) فتنقيح الضابطة في هٰذا الباب علٰى ما منّ به عَلَيّ ربي ان الإعانة على المعصية حرام مطلقًا بنص القرآن أعني قوله تعالٰى: ولَا تعاونوا على الإثم والعدوان، وقوله تعالٰى: فلن أكون ظهيرًا للمجرمين، ولٰكن الإعانة حقيقة هي ما قامت المعصية بعين فعل المعين ولَا يتحقق إلّا بنية الإعانة أو التصريح بها أو تعينها في إستعمال هٰذا الشيء بحيث لَا يحتمل غير المعصية وما لم تقم المعصية بعينه لم يكن من الإعانة حقيقة بل من التسبب ومن أطلق عليه لفظ الإعانة فقد تجوز لكونه صورة إعانة كما مر من السير الكبير. (جواهر الفقه، تفصيل الكلام في مسئلة الإعانة على الحرام ج:۲ ص:۴۵۳).

جواب:...جس منصب پر اسے مقرر کیا گیا ہے، اگر وہ اس کام کی پوری صلاحیت رکھتا ہے اور کام بھی پوری دیانت داری سے کرتا ہے تو اس کی کمائی حلال ہے، البتہ وہ جھوٹ اور غلط کاری کا مرتکب ہے۔ اور اگر وہ اس کام کا اہل نہیں یا اہل ہے مگر کام دیانت داری سے نہیں کرتا تو کمائی حلال نہیں۔[1]

نقل کر کے اسکالرشپ کا حصول اور رقم کا استعمال

سوال:...کسی طالب علم کو اسکول یا کالج کی طرف سے اسکالرشپ کی رقم ملی اور وہ اسکالرشپ کی رقم اس کو اچھے نمبر حاصل کرنے کی وجہ سے ملی، اور وہ اچھے نمبر اس نے امتحان میں نقل کر کے حاصل کئے، اس رقم کی شرعی حیثیت کیا ہوئی؟ اگر نا جائز ہے تو اس کو کسی دینی کام میں لگا سکتے ہیں یا نہیں؟

جواب:...اگر اس کو نقل کرنے کی وجہ سے اِنعام ملا تو یہ شخص انعام کا مستحق نہیں، اس نے دھوکے سے اِنعام حاصل کیا اور دھوکے سے جو رقم حاصل کی جائے وہ حرام ہے۔[2] اور حرام پیسہ کسی دِینی کام میں لگانا جائز نہیں۔[3] اس شخص کو چاہئے کہ وہ اپنے اس فعل پر ندامت کے ساتھ توبہ کرے اور یہ رقم کسی محتاج کو بغیر نیتِ صدقہ کے دے دے۔[4]

اِمتحان میں نقل لگا کر پاس ہونے والے کی تنخواہ کیسی ہے؟

سوال:...ایک شخص جو کہ سرکاری ملازم ہے، بی اے کا امتحان پڑھے بغیر نقل کر کے امتحان دیتا ہے اور پاس ہو جاتا ہے، آفس میں اس کی ترقی ہوتی ہے اور تنخواہ میں اضافہ ہوتا ہے کیونکہ اس نے بی اے پاس کرلیا ہے، تو آیا اس کے اضافی ترقی کے پیسے جائز ہیں کہ نہیں؟

جواب:...اگر اس کی بی اے پاس کی اِستعداد نہیں تو اس کی اضافی تنخواہ جائز نہیں، اور اگر اِستعداد ہے تو جائز ہے۔[5]

سوال:...اگر اس نے کچھ امتحان کی تیاری کی اور کچھ نقل کی اور پاس ہوگیا، تو اس کے ترقی کے پیسے جائز ہوئے کہ نہیں؟

جواب:...وہی اُوپر والا جواب ہے۔

---

(۱) كذا في أحسن الفتاوىٰ ج:۸ ص:۱۹۸ متفرقات الحظر والإباحة.

(۲) عن أبي هريرة ان رسول الله صلى الله عليه وسلم مرّ على صبرة من طعام فادخل يده فيها فنالت أصابعه بللًا فقال: يا صاحب الطعام! ما هذا؟ قال: أصابته السماء يا رسول الله! قال: افلا جعلته فوق الطعام حتّى يراه الناس، ثم قال: من غش فليس منّا. إلخ. والعمل على هذا عند أهل العلم كرهوا الغش وقالوا الغش حرام. (ترمذى ج:۱ ص:۲۴۵، كتاب البيوع).

(۳) عن أبي هريرة قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: إن الله طيب لَا يقبل إلّا طيّبًا ... إلخ. (مشكوة ص:۲۴۱).

(۴) سبيل الكسب الخبيث التصدق إذا تعذر الرد على صاحبه. (شامى ج:۶ ص:۳۸۵، كتاب الحظر والإباحة).

(۵) أحسن الفتاوىٰ ج:۸ ص:۱۹۴.

اِمتحان میں نقل کرنے کا حکم

سوال:... اِمتحانات میں نقل کرنا شرعاً جائز ہے یا ناجائز؟

جواب:... ناجائز۔

سوال:... خاص کر میڈیکل کالجز میں جو تھیوری (تحریری اِمتحان) ہوتی ہے اور جن کی زبانی اِمتحان کی وجہ سے کچھ اہمیت نہیں ہوتی، اور پروفیسر حضرات کو نقل کے بارے میں علم ہوتا ہے اور نقل کھلے عام ہوتی ہے، یعنی چھپ کر، یا ڈرا دھمکا کر نہیں ہوتی، اس صورت میں شرعاً جائز ہے یا ناجائز؟

جواب:... اگر بورڈ یا محکمے یا کالج کی طرف سے نقل پر کوئی پابندی نہیں تو جائز ہے، ورنہ اساتذہ کی چشم پوشی کی وجہ سے جائز نہیں۔

اِمتحان میں نقل کے لئے اِستعمال ہونے والے ''نوٹس'' فوٹو اسٹیٹ کرنا

سوال:... ''نوٹس'' اسکول اور کالج کے فوٹو اسٹیٹ ہوتے ہیں، اور ان ''نوٹس'' سے آج کل پڑھائی کا کام کم، اِمتحان میں نقل کا کام لیا جاتا ہے، کیا ان چیزوں کی فوٹو اسٹیٹ کرنا صحیح ہے؟

جواب:... اس میں فوٹو اسٹیٹ بنانے والا گناہگار نہیں، ان کو اِستعمال کرنے والے گناہگار ہیں۔ [1]

جو اِدارہ گیس، بجلی، پولیس والوں کو حصہ دے کر بچت کرتا ہو، اُس میں کام کرنا

سوال:... میں جس اِدارے میں کام کرتا ہوں، وہاں پر ہر طرف ناجائز طریقے سے پیسے کی بچت کی جاتی ہے، مثلاً: گیس، بجلی، ٹیکس، کارپوریشن، پولیس اور لیبر ڈپارٹمنٹ کے لوگ آکر اپنا حصہ وصول کر کے اِدارے کے مالکان کو فائدہ پہنچاتے ہیں، کیا ایسی جگہ کام کرنا جائز ہے؟

جواب:... کام کرنا جائز ہے، بشرطیکہ آپ خود اِنتظام میں ملوّث نہ ہوں۔

جان بوجھ کر بجلی، گیس، ٹیلیفون کے بل دیر سے بھیجنا تاکہ لیٹ فیس وصول ہو، ان کا یہ فعل کیسا ہے؟

سوال:... اگر بجلی، گیس اور ٹیلیفون کے بل دو تین دِن پہلے مل جائیں، تو عملی طور پر یا ناممکن ہے کہ بل بروقت جمع ہوجائیں، کیونکہ آخری تاریخوں کے سبب بینک کی کھڑکیوں پر لمبی لمبی قطاریں ہوتی ہیں، اور بسااوقات ان حالات اور بعض دیگر

---

(۱) وإذا استأجر الذمی من المسلم دارًا لیسکنها، فلا بأس بذٰلک وإن شرب فیها الخمر، أو عَبَدَ فیها الصلیب، أو أدخل فیها الخنازیر ولم یُلحق المسلم فی ذٰلک بأس، لأن المسلم لَا یؤاجرها لذٰلک، وإنما آجرها للسکنٰی۔ (عالمگیری ج:۴ ص:۴۵۰، کتاب الإجارة، الفصل الرابع فی فساد الإجارة، طبع رشیدیه کوئٹه)۔

وجوہات کی بنا پر بلوں کی ادائیگی میں تاخیر کے سبب سرچارج برداشت کرنا ہی پڑتا ہے۔

اسی طرح ان سرکاری اِداروں کی بدنیتی صاف ظاہر ہے، صرف ایک دِن کے ہیرپھیر سے لاکھوں روپے غریب صارفین سے بٹور لیتے ہیں، اسلام کی رُو سے ایسے لوگوں کے لئے کیا حکم ہے؟

جواب:... قریب قریب تمام سرکاری اِداروں سے لوگوں کو عام طور پر شکایت ہے، اور سچ تو یہ ہے کہ دُوسروں کو خواہ کتنا ہی بُرا کہتے رہیں، مگر ہر شخص کا اپنا ضمیر خود اس بات کی شہادت ہے کہ وہ ظلم کی دوڑ میں کسی سے پیچھے نہیں... اِلَّا ماشاء اللہ... کچھ لوگ اب بھی ہیں جو دیانت داری سے کام کرتے ہیں۔

بجلی کے بل میں کئی ٹیکس شامل کرنا شرعاً کیسا ہے؟

سوال:... آج کل بجلی کے بل پر بعض چیزیں لکھی ہوتی ہیں، مثلاً: کل یونٹ، قیمت بجلی، گورنمنٹ محصول، سرچارج ایندھن، اِضافی سرچارج، کرایہ، میٹر وغیرہ یہ تمام چیزیں مل کر بجلی کے بل کو بہت کردیتی ہیں، مثلاً اگر چھ سو کا بل ہے تو اس میں یونٹ کے حساب سے بجلی کی قیمت مثلاً ڈیڑھ سو تک ہوگی، کیا واپڈا اور کے ای ایس سی کے لئے یہ جائز ہے کہ اس طرح ٹیکس لگاکر بل بنائیں؟

جواب:... جتنا حساب کے ساتھ وہ بل بناتے ہیں، ان کا اتنا بل دینا چاہئے، اس میں کچھ ٹیکس وغیرہ بھی شامل ہوجاتے ہیں، بہرحال بل صحیح بھروانا چاہئے، واللہ اعلم![1]

بجلی، گیس، ٹیلیفون کے بلوں میں زیادہ رقم لگانا، نیز اس کا ذمہ دار کون ہے؟

سوال:... بجلی، گیس، ٹیلی فون وغیرہ کے بلوں میں جو زائد رقم لگاکر لوگوں سے وصول کرلی جاتی ہے، حقوق العباد کے حوالے سے شریعت کے مطابق اس کا حساب کتاب کس طرح ہوگا؟ کون ذمے دار ہوگا؟ جس کی رقم ضائع ہوئی اسے کیا فائدہ ہوگا؟

جواب:... بلوں میں ناجائز رقم جس نے لگائی ہے، قیامت کے دن وہ اس کا بدلہ دے گا۔[2]

درخواست دینے کے باوجود اگر بجلی والے میٹر تبدیل نہ کریں تو کیا محلے والوں کی طرح بے ایمانی جائز ہے؟

سوال:... میرا بجلی کا میٹر بقول میٹر ریڈر کے خراب ہے، درخواست بھی دی گئی، لیکن ۹ ماہ گزرنے کے باوجود اسے تبدیل نہیں کیا گیا، میں نے بے اِیمانی کبھی نہیں کی۔ ایک صاحب کا کہنا ہے کہ اگر کوئی محکمہ بے اِیمانی کرتا ہے تو اتنی ہی بے اِیمانی آپ بھی

---

(۱) کیونکہ یہ ایک طرح سے معاہدہ ہے جس کی پابندی ضروری ہے، واوفوا بالعھد إن العھد کان مسئولًا۔ (بنی إسرائیل:۳۴)۔

(۲) وما کان سببًا لمحظور فھو محظور۔ (رد المحتار ج:۶ ص:۳۵۰، کتاب الحظر والإباحة)۔ قال النووی: فیه تصریح بتحریم کتابة المترابیین والشھادة علیھا وبتحریم الإعانة علی الباطل۔ (مرقاة شرح مشکوٰة ج:۶ ص:۵۱ کتاب البیوع، باب الربا، الفصل الأوّل، طبع رشیدیه)۔

کرسکتے ہیں، اور یہ شرعاً جائز ہے۔ مگر میں نے اس کی اس دلیل کو رَدّ کردیا۔ آپ جناب رہنمائی فرمائیں کہ ان صاحب کا یہ کہنا کہ جتنی بے ایمانی محکمے والے کر رہے ہیں، اتنی میں بھی کرسکتا ہوں؟ جائز ہے یا نہیں؟

جواب: محکمے والے اگر بے ایمانی کرتے ہیں، تو اس کے بدلے میں ہمارے لئے بے ایمانی جائز نہیں، آپ محکمے والوں سے مل کر یہ کہیں کہ آپ کا میٹر خراب ہے، اس کو دُرست کیا جائے۔[1]

گیس کے بل پر جرمانہ لگانا شرعاً کیسا ہے؟

سوال:... تجارتی اور صنعتی صارفین کو گیس کے بل جاری کئے جاتے ہیں، اس میں ادائیگی کی آخری تاریخ درج ہوتی ہے، اگر کوئی صارف اس تاریخ کے بعد بل ادا کرتا ہے تو اس پر ۲ فیصد جرمانہ عائد کیا جاتا ہے، اگر ادائیگی میں مزید تاخیر ہوجائے اور ایک مہینہ اور گزر جائے تو ایک مرتبہ پھر ۲ فیصد جرمانہ عائد کیا جاتا ہے۔ یہ جرمانہ اصل بل کی رقم اور پہلے جرمانے کی رقم دونوں پر لگتا ہے، گویا سود دَر سود کی طرح، اسی طرح ہر مہینہ ۲ فیصد جرمانہ لگتا رہتا ہے، جب تک کہ وہ پوری رقم ادا نہ کردے۔

آپ یہ فرمائیں کہ اسلامی نقطۂ نگاہ سے یہ سود ہے یا نہیں؟

جواب:... اگر سابقہ رقم کے حساب سے جرمانہ عائد کیا جاتا ہے، تب تو یہ سود ہے۔ اور اگر اصل رقم کی کوئی قید نہیں، بلکہ یہ اُصول طے کیا جائے کہ جو شخص وقت پر ادا نہیں کرے گا اس پر اتنا جرمانہ لاگو ہوگا، تو یہ صحیح ہے۔[2]

چوری کی بجلی کے ذریعے چلنے والی موٹر کے پانی سے پکا ہوا کھانا کھانا

سوال:... حکومتی بجلی چوری کرنا بریکٹ یا کنڈے لگا کر کیسا ہے؟ نیز اس بجلی سے موٹر چلتی ہے، جس سے کھانے پینے، وضو وغیرہ کے لئے پانی بھرا جاتا ہے، آیا اس چوری کی بجلی کے حوالے سے کی گئی عبادت قبول ہے یا نہیں؟

جواب:... بجلی کی چوری جائز نہیں،[3] اس سے عبادت کا ثواب بھی ضائع ہوجاتا ہے، توبہ کرنی چاہئے۔[4]

---

(۱) والمظلوم ليس له أن يظلم غيره. (الفقه الحنفي وأدلّته ج:۲ ص:۱۳۵، طبع بيروت).

(۲) أحل الله البيع وحرم الربوٰا، فمن الربا ما هو بيع ومنه ما وليس بيع وهو ربا أهل الجاهلية وهو القرض المشروط فيه الأجل وزيادة مال على المستقرض. (أحكام القرآن للجصّاص ج:۱ ص:۴۶۹، طبع سهيل اكيڈمي لاهور).

(۳) تصرف الإنسان في مال غيره لا يجوز إلّا بإذن أو ولاية. (الجوهرة النيرة، كتاب الشركة ج ۱ ص:۲۸۷).

(۴) عن ابن عمر قال: من اشترى ثوبا بعشرة دراهم أي مثلًا وفيه أي في ثمنه درهم أي شيء قليل حرام لم يقبل الله تعالىٰ له صلاة أو لا يثاب عليها كمال الثواب وإن كان مثابًا بأصل الثواب وأما ما أصل الصلاة فصحيحة بلا كلام ذكره ابن المالك وقال الطيبي رحمه الله كان الظاهر أن يقال منه لكن المعنى لم يكتب الله له صلاة مقبولة مع كونها مجزئة مسقطة للقضاء كالصلاة في الدار المغصوبة اهـ. وهو الأظهر لقوله تعالىٰ انما يتقبل الله من المتقين والثواب انما يترتب على القبول كما أن الصحة مترتبة على حصول الشرائط والأركان والتقوى ليست بشرط لصحة الطاعة عند أهل السُّنّة والجماعة. (مرقاة شرح المشكوٰة ج:۳ ص:۳۰۰ باب الكسب وطلب الحلال، الفصل الثالث، طبع بمبئي).

سوال:... ایسے لوگ جن کے گھر میں اس قسم کی بجلی کے اِستعمال سے حاصل شدہ پانی سے کھانا پکتا ہو، کھانا کھانا کیسا ہے؟

جواب:... نہ کھایا جائے۔

گیس، بجلی وغیرہ کے بل جان بوجھ کر لیٹ بھیجنا

سوال:... ہمارے معاشرے میں لوٹ کھسوٹ اور رقم بٹورنے کا رواج اتنا عام ہوگیا ہے کہ اب سارے سرکاری ادارے بھی ان میں شامل ہوگئے ہیں، سرکاری اداروں نے اب یہ طریقۂ کار بنالیا ہے کہ بجلی، گیس وغیرہ ہر قسم کے واجبات کے بل جب صارفین کو بھیجے جاتے ہیں تو ان پر لکھا ہوتا ہے کہ فلاں تاریخ تک بل کی رقم ادا کردیں، ورنہ لیٹ فیس یعنی سرچارج جرمانہ ۵ سے ۲۰ فیصد تک اضافی ہوگا۔ اب ایسے تمام بل بذریعہ ڈاک تقسیم ہوتے ہیں، جو اکثر و بیشتر ادائیگی کی تاریخ نکل جانے کے بعد ہی صارف کو پہنچتے ہیں، یا پہلے ملتے ہیں تو بھی ایک یا دو دن باقی ہوتے ہیں، جبکہ ان دنوں صارف گھر پر موجود نہیں ہوتا، بینک کی چھٹی ہوتی ہے، وغیرہ وغیرہ، یعنی نتیجتاً ایک بڑی تعداد بلوں کی مقررہ تاریخ کے بعد جمع ہونے کی وجہ سے مع لیٹ فیس ماہانہ جمع ہوتے ہیں، آپ شریعت کے مطابق فتویٰ دے کر مشکور فرمادیں کہ:

۱:... کیا رقم کی وصولی میں لیٹ فیس یا سرچارج وصول کرنا جائز ہے؟ ایسی فالتو رقم وصول کی ہوئی حلال ہوگی؟

۲:... کیا حکومتی اداروں کے علاوہ دُوسرے افراد یا ادارے بھی یہ طریقۂ وصولی اختیار کرسکتے ہیں جس میں اُدھار کی رقم اگر مقررہ تاریخ کو نہ وصول ہو تو من مانا سرچارج جرمانہ وصول کریں اور آیا ایسی فالتو بٹوری ہوئی رقم وصول کنندہ کے لئے حلال تصوّر ہوگی؟

۳:... کیا ایسی رقم جو بلوں میں ناجائز طور پر چارج کی جاتی ہے اور صارف ان کو حق بجانب نہیں سمجھتا اور محکمے کے عمال زبردستی چارج کرلیتے ہیں، حکومت کے لئے حلال ہوگی؟

ہمارا اسلامی ملک ہے، یہاں ہر وقت نظامِ مصطفیٰ کا مطالبہ رہتا ہے، حلال کی کمائی بنیادی شرط ہے، لیکن سرکاری خزانے میں اکثر ایسی رقم جاتی ہے جو عوام سے بے جواز وجوہات پر زبردستی وصول کرلی جاتی ہے، اب آپ اس سلسلے میں واضح فتویٰ دیں۔

جواب:... آپ نے جو شکایت لکھی ہے، اگر صارف کو اس کا تجربہ ہے اور بل ایسے وقت پہنچایا جائے کہ بروقت جمع کرانا ممکن نہ ہو تو اس پر لیٹ فیس وصول کرنا صریحاً ظلم ہے اور ناجائز ہے، متعلقہ اِداروں کو اس پر توجہ کرنی چاہئے اور ناجائز اِستحصال سے اِحتراز کرنا چاہئے۔[1]

---

(۱) وفي شرح الآثار: التعزير بالمال كان في ابتداء الإسلام ثم نسخ والحاصل ان المذهب عدم التعزير بأخذ المال. (ردالمحتار ج:۴ ص:۶۱). أيضًا: عن أبي حرة الرقاشي عن عمه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: ألا لا تظلموا ألا لا يحل مال امرئ إلا بطيب نفس منه. (مشكوٰة ص:۲۵۵). أيضًا: تفصیل کے لئے دیکھیں: كفاية المفتي ج:۲ ص:۲۰۵، طبع دارالاشاعت۔

ناجائز کام کا جواب دار کون ہے، افسر یا ماتحت؟

سوال: فرض کریں کوئی بھی سرکاری محکمے کا افسر اپنے زیرِ دست سرکاری ملازم کو ناجائز کام کرنے کا حکم دیتا ہے تو کیا وہ زیرِ دست سرکاری ملازم اپنے سرکاری اعلیٰ افسر کا حکم مانے، اگر وہ زیرِ دست سرکاری ملازم اپنے سرکاری اعلیٰ افسر کا حکم مانتا ہے تو کیا قیامت کے روز یعنی (حشر کے دن) اس ناجائز کام کا حساب سرکاری اعلیٰ افسر سے ہوگا یا اس کے زیرِ دست سرکاری ملازم سے؟

جواب:... یہ دونوں مجرم ہیں[۱]، اعلیٰ افسر ناجائز کام کا حکم دینے کی وجہ سے گرفتار ہوکر آئے گا، اور اس[۲] کا ماتحت ناجائز کام کرنے کی وجہ سے۔

اس سال کا ''بوائز فنڈ'' آئندہ سال کے لئے بچالینا

سوال:... بکر ایک پرائمری اسکول کا ہیڈ ماسٹر ہے، اس کو ہر سال بچوں کے لئے ۵۰۰۰ (پانچ ہزار) روپے ''بوائز فنڈ'' ملتا ہے، اور ''بوائز فنڈ'' کی مد کے اخراجات سے جو رقم بچ جاتی ہے وہ دُوسرے تعلیمی سال کے فنڈ میں جمع کردیتا ہے۔ سوال یہ ہے کہ یہ رقم تو پچھلے سال کے بچوں کا حق ہے اور قانوناً اس کو اسی سال خرچ بھی کردینا چاہئے، تو کیا جو بچے اسکول چھوڑ کر جاتے رہے، ان کے تعلیمی سال کا فنڈ دُوسرے بچوں پر خرچ کیا جاسکتا ہے کہ نہیں؟

جواب:... اگر اس نے طالب علموں کی ضروریات پوری کرنے میں بخل سے کام لیا تب تو گناہگار ہوگا، ورنہ جو رقم بچ جائے اسے آئندہ سال کے فنڈ میں جمع کرنا ہی چاہئے۔[۳]

پڑوسی سے بجلی کا تار لینا

سوال:... بجلی کا میٹر ملنا مشکل ہے، پڑوسی کے پاس میٹر ہے، اس سے بجلی کا تار لے سکتے ہیں؟

جواب:... بجلی کمپنی کو اگر اس پر اعتراض نہ ہو تو جائز ہے۔[۴]

---

(۱) عن عبدالله بن عمر ان رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: ألا كلكم راع وكلكم مسئول عن رعيته فالإمام الذى على الناس راع وهو مسئول عن رعيته ...إلخ. (بخارى ج:۲ ص:۱۰۷۵). أيضًا: إن الإعانة على المعصية حرام مطلقًا بنص القرآن أعنى قوله تعالىٰ: ولَا تعاونوا على الإثم والعدوان. (أحكام القرآن لمفتى محمد شفيع ج:۳ ص:۷۴).

(۲) قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: لا طاعة فى معصية، إنما الطاعة فى المعروف. (مشكوٰة ص:۳۱۹، كتاب الإمارة والقضاء). أيضًا: ولَا تعاونوا على الإثم والعدوان. (المائدة:۲).

(۳) قال الله تعالىٰ: إن الله يأمركم أن تؤدوا الأمانات إلىٰ أهلها. (النساء:۵۸).

(۴) قال رسول الله صلى الله عليه وسلم. ألا لَا تظلموا! ألا لَا يحل مال امرىءٍ إلّا بطيب نفس منه. رواه البيهقى فى شعب الإيمان. (مشكوٰة، باب الغصب والعارية ص:۲۱۹). أيضًا: لَا يجوز لأحد أن يتصرف فى ملك غيره بلا إذنه ...إلخ. (شرح المجلة ص:۶۱، المادة:۹۶).

اپنی کمائی کا مطالبہ کرنے والے والد و بھائی کا خرچہ کاٹنا

سوال:... تقریباً سات سال پہلے میں نے اپنے والدین اور چھوٹے بھائی کو بھی سعودی عرب بلوالیا، والد صاحب نے چار سال اور بھائی صاحب نے دو سال ایک اسٹور میں کام کیا، ان کی رہائش و خوراک ہمارے ساتھ ہی تھی، میرے بیوی بچے بھی یہاں میرے پاس ہی مقیم تھے، والد صاحب اور بھائی صاحب کی تنخواہ میرے پاس ہی جمع رہتی تھی، دورانِ قیام جتنی بھی ان کی ضروریات تھیں یا لوازماتِ زندگی، وہ پوری ہوتی رہیں، گاہے بگاہے وہ کچھ رقم لیتے بھی رہے، جو کہ میں اپنے پاس لکھتا رہا، اس کے علاوہ ان کے ویزا، ٹکٹ کا خرچہ، والدہ کا زیور، بھائی کی شادی بھی میں نے کی، اس کی شادی اور زیور کا خرچ اور حج کے اخراجات (والد صاحب نے چارج کئے ہیں) اور خوراک کا خرچہ وغیرہ بھی ہوا، جو کہ سب تحریر ہے۔ تین سال پہلے بھائی اور والد واپس چلے گئے، ابھی تک ان کی کفالت میں ہی کرتا ہوں، بھائی کے دو بچے بھی ہوگئے ہیں، مگر وہ سب میرے ہی مکان میں رہتے ہیں، میرے والد صاحب کا مکان علیحدہ ہے جو کہ ان کے نام ہے، مگر ان کی رہائش میرے ہی ساتھ ہے، اب ایک سال سے والد صاحب مجھ سے تقاضا کر رہے ہیں۔ سعودی عرب میں قیام کے دوران ان کی اور چھوٹے بھائی کی کمائی جو انہوں نے کی ہے وہ سب مانگ رہے ہیں، میں نے انہیں لکھا کہ اس دوران آپ لوگوں پر کچھ اخراجات بھی ہوئے ہیں لہٰذا وہ کٹوتی کرکے باقی دے دوں گا۔ جو کچھ بھی خرچ ہوا اس کا حساب کرکے میں نے ان کو تحریر کردیا، مگر وہ میری اس بات سے ناراض ہوگئے، کیا میں نے ان سے زیادتی کی ہے یا ظلم کیا ہے؟ انہوں نے مجھے جواباً ظالم، نافرمان، جہنمی لکھا ہے، کیا ایک آدمی جو کماتا ہے اس کی اپنی کمائی سے خرچ کا حق ہوتا ہے یا نہیں؟ پہلے وہ سب رقم مانگ رہے تھے، اب میرے لکھنے پر انہوں نے لکھا ہے کہ خوراک کا جو کاٹا ہے وہ واپس کرو ورنہ لعنتی دوزخ میں جاؤ گے۔ اگر وہ میرے پاس نہ رہتے دُوسرے شہر میں کام کرتے تو تب اپنی خوراک و رہائش کا بندوبست و خرچہ ان کو خود کرنا تھا یا نہیں، شرعی طور پر کیا صحیح ہے؟ وہ کہتے ہیں کہ اپنا مکان میرے نام رجسٹرڈ کرادو اور اپنا بینک اکاؤنٹ بھی میرے نام ٹرانسفر کرادو، ساتھ ہی ایک حدیث کا حوالہ دیا ہے۔

جواب:... ان کا یہ مطالبہ شرعاً جائز نہیں، اور حدیث کا اس موقع پر حوالہ دینا بھی غلط ہے۔ حدیث اس صورت سے متعلق ہے جبکہ باپ محتاج ہو، اس صورت میں وہ اپنے بیٹے کے مال سے بقدرِ ضرورت لے سکتا ہے۔[1]

گھر میں جو اخراجات ہوتے رہے آپ ان سے حصہ رسدی وصول کرنے کے حق دار ہیں۔[2] لیکن اگر آپ خوراک کے اخراجات اپنے حصے میں ڈال لیں، ان سے وصول نہ کریں تو والد صاحب کی ناراضگی دُور ہوسکتی ہے، اور یہ آپ کے لئے موجب سعادت ہوگا۔ خلاصہ یہ کہ آپ قانوناً یہ اخراجات ان سے وصول کرسکتے ہیں، لیکن مروّت کا تقاضا یہ ہے کہ ان سے کھانے کے اخراجات وصول نہ کریں۔

---

(۱) عن عمرو بن شعیب عن أبیه عن جدّه ان رجلًا اتی النبی صلی الله علیه وسلم فقال: ان لی مالًا وان والدی یحتاج الٰی مالی، قال: أنت ومالک لوالدک ...الخ۔ وفی الحدیث دلیل علٰی وجوب النفقة الوالد علٰی ولده۔ (مرقاة ج:۳ ص:)۔

(۲) بوادر النوادر ص:۴۸۷، طبع ادارہ اسلامیات۔

قرضے کی نیت سے چوری کر کے واپس رکھنا

سوال:... ایک آدمی کچھ پیسے اُدھار لینے کی نیت سے چوری کرتا ہے کہ بعد میں رکھ دُوں گا، اور اپنی ضرورت پوری ہونے کے بعد وہ واپس چوری کئے ہوئے پیسے رکھ دیتا ہے، تو کیا اسے سزا ملے گی کہ اس نے پیسے نکالے ہی کیوں؟

جواب:... چوری کرنے میں دو قصور ہیں، ایک اللہ تعالیٰ کا، کہ اس کے حکم کے خلاف کیا، دُوسرا بندے کا، کہ اس کے مال کا نقصان کیا۔ چوری کے پیسے واپس کردینے سے بندے کا حق تو ادا ہوگیا،[1] لیکن اللہ تعالیٰ کا جو قصور کیا تھا وہ گناہ اس کے ذمہ رہا، وہ توبہ و استغفار سے معاف ہوگا۔[2]

کہیں سے گری پڑی رقم ملے تو اُس کو کیا کریں؟

سوال:... اگر کسی شخص کو سڑک پر سے ۱۰۰ روپے ملتے ہیں اور وہ تین دن تک اِنتظار کرتا ہے کہ ان کا کوئی مالک مل جائے مگر ان پیسوں کا کوئی مالک اس دوران نہیں ملتا، کیا وہ شخص ذاتی طور پر وہ پیسے خرچ کرسکتا ہے؟ اگر نہیں تو وہ ان پیسوں کا کیا کرے؟

جواب:... مالک کو تلاش کرے، اور اگر اس کے ملنے کی توقع نہ ہو تو اس کی طرف سے صدقہ کردے، اور نیت یہ رکھے کہ اگر مالک مل گیا اور اُس نے اس صدقے کو بحال نہ رکھا تو اس کی رقم اپنے پاس سے ادا کروں گا۔[3]

بچپن میں گری پڑی چیز ملی، گھر والوں نے اپنے پاس رکھ لی، اب کیا کیا جائے؟

سوال:... بندہ کو تقریباً آج سے ۸-۹ سال قبل ایک نہر کے کنارے سے سونے کی انگوٹھی ملی، تو اس وقت بچپن کی عمر تھی، گھر آکر بتایا تو گھر والوں نے وہ انگوٹھی رکھوالی۔ اب جس کی مالیت مبلغ ۲۰۰۰ روپے کے قریب ہے، اب بندہ بالغ ہے، کیا گھر والوں سے لے کر اور فروخت کر کے اس کی قیمت نقد ادا کردے جبکہ گھر والے انگوٹھی واپس دینے پر تیار نہیں؟ ایسی حالت میں کیا کیا جائے؟

سوال:... بندہ ایک اسپورٹس کی دُکان چلاتا ہے، آج سے تقریباً سوا سال قبل ایک کرکٹ بیٹ بندہ کی دُکان پر کسی کا رہ گیا، جس کی مالیت تقریباً دو سو روپے تھی، آیا اس کو بھی فروخت کر کے رقم کسی ضرورت مند کو صدقہ کردے؟

جواب:... دونوں سوالوں کا ایک ہی جواب ہے کہ اگر کسی کی گری پڑی چیز مل جائے اور مالک کے ملنے کی کوئی توقع نہ ہو تو

---

(۱) ویبرأ بردها ولو بغیر علم المالک فی البزازیة غصب دراهم إنسان من کیسه ثم ردها فیه بلا علمه بریٔ وکذا لو سلمه إلیه بجهة أخری کهبة ...إلخ. قوله ویبرأ بردها أی برد العین المغصوبة إلی المغصوب منه. (شامی ج:۶ ص:۱۸۲)۔

(۲) "ومن تاب وعمل صالحًا فإنه یتوب إلی الله متابًا" (الفرقان:۷۱)۔

(۳) اللقطة أمانة فی ید الملتقط إذا اشهد الملتقط أنه یأخذها لیحفظها ویردها علٰی صاحبها ... وإن کانت اللقطة أقل من عشرة دراهم عرّفها ایّامًا .... فإن جاء صاحبها ردها إلیه وإلّا تصدق بها علی الفقراء فإن جاء صاحبها بعد التصدق بها فهو بالخیار، إن شاء امضی الصدقة وله ثوابها ...إلخ. (اللباب فی شرح الکتاب ج:۲ ص:۱۱۹، ۱۲۰، کتاب اللقطة، وأیضًا. شرح مختصر الطحاوی ج:۴ ص:۴۵)۔ أیضًا: ابوحنیفة ...... قال فی اللقطة: یعرّفها صاحبها الذی أخذها سنة إن جاء لها طالب، وإلّا تصدق بها ...إلخ. (الفقه الحنفی وأدلّته ج:۳ ص:۱۲۱)۔

اس کو فقراء پر صدقہ کردینا چاہئے، اگر آپ کے گھر کے لوگ نہیں دیتے تو تھوڑا تھوڑا کر کے آپ صدقہ کردیں، یہاں تک کہ آپ کے سر سے بوجھ اُتر جائے۔[1]

کسی کی چیز رہ جائے اور دوبارہ ملاقات بھی مشکل ہو تو اس کی طرف سے صدقہ کردیں

سوال:... حیدرآباد، لطیف آباد میں ایک ایکسیڈنٹ میرے سامنے ہوا، اس ایکسیڈنٹ میں جو سوزوکی کا تھا، جو موڑ پر اُلٹ گئی تھی، اسی سوزوکی میں سے کسی شخص نے قرآن کی تفسیر حصہ اوّل و دوم مجھے پکڑائی، پھر اسی بھگدڑ میں وہ دونوں ہی میرے ہاتھ میں رہ گئیں، جو آج تک میرے پاس محفوظ ہیں، میں نے اس آدمی کو تلاش کرنے کی بڑی کوشش کی، مگر وہ نہیں ملا، مسئلہ یہ ہے کہ میں اُن کا کیا کروں؟

جواب:... مسئلہ تو آپ کا چھپ رہا ہے، اگر کوئی اس کا مالک آجائے اور پتا نشانی بتاکر مانگے تو ٹھیک ہے، ورنہ اصل مالک کی طرف سے صدقہ کردیجئے، یعنی کسی مستحق کو دے دیجئے۔[2]

گم شدہ چیز مالک کی طرف سے صدقہ کردی اور مالک آگیا تو کیا حکم ہے؟

سوال:... ایک مسجد کے خزانچی کو راستے سے ایک عدد سونے کا ٹوپس ملا تھا، انہوں نے لاؤڈ اسپیکر سے اعلان کیا، لیکن ۲۰ یوم گزرنے کے باوجود بھی کوئی نہیں آیا تو انہوں نے پھر اعلان کیا اور کہا کہ اگر دو ماہ تک مزید اس کو لینے کوئی نہیں آیا تو ہم اس کو فروخت کرکے مسجد کے کام میں لے لیں گے، عرض کرنا ہے کہ اگر میعاد گزرنے پر کسی وقت بھی اس ٹوپس کا اصل مالک آجائے اور وہ یہ جانتے ہوئے بھی کہ میرا ٹوپس مسجد کے کام میں لیا جاچکا ہے لیکن پھر بھی وہ شخص ٹوپس کا تقاضا کرے تو کیا مسجد کی انتظامیہ اس شخص کو ٹوپس واپس کرنا پڑے گا یا نہیں؟

جواب:... اگر مالک مطالبہ کرے تو ضرور واپس کرنا پڑے گا۔[3]

سوال:... اگر کسی شخص کو کوئی چیز بھی ملے اور وہ اس کا بارہا اعلان کرے، اور پھر بھی مالک نہ آئے تو کیا وہ چیز خیرات کرسکتا

---

(۱) وأما إذا لم يجيء صاحبها يتصدق بها الملتقط ليصل ثوابها إلى صاحبها. (الفقه الحنفي وأدلّته ج:۳ ص:۱۲۴). قال أبوجعفر: وإذا وجد الرجل لقطة .... فإن جاء صاحبها واستحقها ببينة أقامها عليها دفعها إليه، وإلّا تصدق بها ولم يأكلها ..إلخ. (مختصر الطحاوي مع الشرح ج:۴ ص:۴۵، كتاب اللقطة والآبق). وفيه أيضًا: عن أبي صالح عن أبي هريرة قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم وسئل عن اللقطة لَا يحل اللقطة من التقط شيئًا . . . فإن جاء صاحبه فليرده إليه فإن لم يأت فليتصدق به . . .إلخ. (شرح مختصر الطحاوي ج:۴ ص:۵۳).

(۲) فإذا جاء صاحبها وأقام البينة سلمها إليه وأما إذا لم يجيء صاحبها يتصدق بها الملتقط ليصل ثوابها إلى صاحبها. (الفقه الحنفي وأدلّته ج:۳ ص:۱۲۴، كتاب اللقطة).

(۳) فإذا جاء صاحبها وأقام البينة سلمها إليه. (الفقه الحنفي وأدلّته ج:۳ ص:۱۲۴). عن أُبيّ بن كعب عن النبي صلى الله عليه وسلم أنه قال في اللقطة، وذكر الحديث وقال: فإن جاء صاحبها فعرف عددها، ووكاءها فادفعها إليه . وفي بعضها: فإن جاء ربّها فادفعها إليه. (شرح مختصر الطحاوي ج:۴ ص:۴۹، طبع دار السراج، بيروت).

ہے اس کے اصل مالک کے نام سے؟

اور اگر خیرات کرنے کے بعد اصل مالک کسی وقت بعد میں آجائے اور یہ جانتے ہوئے بھی کہ وہ چیز میرے ہی نام سے اس شخص نے خیرات کردی ہے، لیکن پھر بھی وہ اپنی چیز کا تقاضا کرتے تو کیا وہ شخص ذمہ دار ہے اس بات کا کہ اس شخص کو وہ چیز یا اس کی قیمت ادا کرے؟ یا میعاد گزرنے پر وہ ذمہ دار نہیں ہے؟

جواب:... مالک اگر اس صدقے کو بخوشی قبول کرے تو ٹھیک، ورنہ یہ چیز (یا اس کی قیمت)، مالک کو واپس دِلائی جائے گی، اور وہ صدقہ گم شدہ چیز کو پانے والے کی طرف تصوّر کیا جائے گا۔ [1]

گمشدہ چیز کا صدقہ کرنا

سوال:... عرض یہ ہے کہ مجھے ایک عدد گھڑی دفتر کے باتھ رُوم سے ملی ہے، میں نے اس کی اطلاع قریب کے تمام دفتروں میں کردی، قریبی مسجد میں اعلان کروادیا۔ اس کے علاوہ اشتہار لکھ کر مناسب جگہوں پر لگادیا تاکہ لوگوں کو معلوم ہوجائے اور اس کا اصل مالک مل جائے تو اس کی امانت اس کو واپس کردوں۔ اس واقعے کو عرصہ ڈیڑھ ماہ ہوچکا ہے، لیکن اس کا مالک نہیں ملا۔ آپ سے التماس ہے کہ شرعی نقطۂ نظر سے اس کا حل بتائیں کہ اس گھڑی کا استعمال کیسا ہے؟

جواب:... اگر اس کے مالک کے ملنے کی توقع نہ ہو تو مالک کی طرف سے صدقہ کردیا جائے، بعد میں اگر مالک مل جائے تو اس کو اختیار ہے کہ وہ اس صدقہ کو جائز رکھے یا آپ سے گھڑی کی قیمت وصول کرے، یہ صدقہ آپ کی طرف سے سمجھا جائے گا۔ [2]

دُکان پر چھوڑی ہوئی چیزوں کا کیا کریں؟

سوال:... میری دُکان پر گاہک آتے ہیں، کبھی کبھار کوئی گاہک میری دُکان پر کھانے کی چیزیں جس میں فروٹ وغیرہ شامل ہوتا ہے بھول کر چھوڑ کر چلے جاتے ہیں۔ آپ سے معلوم کرنا ہے کہ ان چیزوں کا کیا کیا جائے؟

۱:... اگر ان چیزوں کو امانتاً رکھ لیا جاتا ہے تو یہ خراب ہوجاتی ہے، زیادہ دیر رکھنے کی وجہ سے۔

۲:... کیا کسی غریب کو دینا جائز ہے یا خود رکھ سکتا ہے؟

۳:... یا پھر انہیں خراب ہونے دیں؟

---

(۱) ثم إن جاء لها طالب بعد ذٰلک کان صاحبها بالخیار، إن شاء ضمنه مثلها وکان الأجر للذی تصدق بها، وإن شاء أمضی الصدقة وکان له الأجر. (الفقه الحنفی وأدلّته ج:۳ ص:۱۲۱) وفی شرح مختصر الطحاوی (ج ۴ ص ۵۵۰) کتاب اللقطة عن أبی هریرة قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم وسئل عن اللقطة: لا یحل اللقطة، من التقط شیئًا فلیعرفه سنة، فإن جاء صاحبه فلیرده إلیه فإن لم یأت، فلیتصدق به، فإن جاء، فلیخیره بین الأجر وبین الذی له. (أیضًا سنن الکبری للبیهقی ج ۶ ص ۱۸۹، طبع دار المعرفة، بیروت).

(۲) وإن کانت أقلّ من عشرة دراهم عرّفها أیامًا وإن کانت عشرة فصاعدًا عرّفها حولًا فإن جاء صاحبها وإلّا تصدق به، وإن جاء صاحبها بعد ما تصدّق بها فهو بالخیار إن شاء أمضی الصدقة وله ثوابها، وإن شاء ضمن الملتقط. (هدایة ج:۲ ص ۶۱۴، ۶۱۵ کتاب اللقطة).

جواب:... ان پھلوں کے خراب ہونے سے پہلے تک تو مالک کا انتظار کیا جائے، جب خراب ہونے کا اندیشہ ہو تو مالک کی طرف سے کسی محتاج کو دے دیئے جائیں۔ اگر بعد میں مالک آئے تو اس کو صحیح صورتِ حال سے آگاہ کر دیا جائے، اگر مالک اس صدقہ کو جائز رکھے تو ٹھیک، ورنہ مالک کو ان پھلوں کی قیمت ادا کر دیں اور یہ صدقہ آپ کی طرف سے شمار ہوگا۔[1]

راستے میں پڑی معمولی چیزوں کا اِستعمال کیسا ہے؟

سوال:... راستے میں چند غیرضروری چیزیں جو پڑی ہوتی ہیں، مثلاً: لکڑی وغیرہ غیرقیمتی وہ ذاتی اِستعمال کے لئے اُٹھا سکتے ہیں؟

جواب:... جائز ہے۔[2]

راستے میں ملنے والے سونے کے لاکٹ کو کیا کیا جائے؟

سوال:... آج سے پانچ یا چھ سال پہلے جب میں نا سمجھ تھی تو ایک دن میری چھوٹی بہن نے باہر سے ایک لاکٹ لا کر دیا، جو اپنی زنجیر سے غالباً ٹوٹ کر گر گیا تھا۔ مجھے وہ بہت اچھا لگا، اس لئے میں نے رکھ لیا، میرا خیال تھا کہ یہ پیتل کا ہے، میں نے اپنی سہیلی کے والد سے پوچھوایا تو انہوں نے کہا کہ یہ پیتل ہی ہے، میں نے دس یا بارہ دن وہ پہنا ہے، یعنی کبھی کبھی ہی پہن لیتی تھی، لیکن آج میں نے ایک جوہری کی دُکان سے پتا کروایا تو معلوم ہوا کہ یہ پانسہ کا سونا ہے اور اس کی قیمت ۸۰۰ روپے ہے، یہ سن کر مجھے بہت افسوس بھی ہوا اور ڈر بھی لگا، اس لئے اب آپ سے پوچھنا ہے کہ میں اس کا کیا کروں؟

۱:... کیا اسے بیچ کر اس کی قیمت صدقہ کر دوں؟

۲:... کیا اس کی قیمت معلوم کر کے صدقہ کر دوں اور اسے اپنے پاس رکھ لوں؟ ویسے اگر یہ بک بھی گیا تو سنا ہے کہ سنار اِستعمال شدہ سونا آدھی قیمت پر لیتے ہیں۔

۳:... میرے ماموں صدقے کے مستحق ہیں، ذہنی مریض ہیں، کیا لاکٹ کی قیمت سے ہم ان کا علاج کروا سکتے ہیں یا نہیں؟ کیونکہ اب اتنے عرصے بعد اس کے مالک کا پتا چلانا بھی مشکل ہے، کیونکہ میری بہن کو یہ عام گزرگاہ سے ملا تھا۔

جواب:... اس لاکٹ کی جتنی قیمت ہو، اتنی قیمت صدقہ کر دیں۔[3] اپنے ماموں کو بھی دے سکتی ہیں۔[4]

---

(۱) گزشتہ صفحے کا حاشیہ نمبر۱ ملاحظہ فرمائیں۔

(۲) الأصل في الأشياء الإباحة. (الأشباه والنظائر ج:۱ ص:۹۷).

(۳) فإن جاء صاحبها وإلّا تصدق بها إيصالًا للحق إلى المستحق وهو واجب بقدر الإمكان ... إلخ. (هداية ج:۲ ص:۶۱۵ كتاب اللقطة).

(۴) وإن كان الملتقط فقير فلا بأس بأن ينتفع بها ... ... وكذا إذا كان الفقير أباه أو ابنه أو زوجته وإن كان هو غنيًا. (هداية ج:۲ ص:۶۱۸ كتاب اللقطة).

گمشدہ بکری کے بچے کو کیا کیا جائے؟

سوال:۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دِین اس مسئلے میں کہ ایک زیرِ تعمیر پلاٹ پر تقریباً دو ماہ کا ایک بکری کا بچہ نمازِ فجر سے قبل آگیا، جس کو بار ہا بھگایا لیکن وہ نہیں گیا۔ اڑوس پڑوس سے دریافت کیا، کسی نے اپنا نہیں بتایا۔ اس علاقے کے چرواہے سے دریافت کیا، اس نے بھی انکار کیا، مسجد کے لاؤڈ اسپیکر سے کہلوایا، مگر کوئی لینے نہیں آیا۔ اب وہ تقریباً دس ماہ کا ہوگیا ہے، از رُوئے شرع کیا قانون لاگو ہوتا ہے؟

جواب:... اگر تلاش کے باوجود اس بکری کے بچے کا مالک نہیں مل سکا تو اس کا حکم گمشدہ چیز کا ہے کہ مالک کی طرف سے صدقے کی نیت کرکے کسی غریب محتاج کو دے دیا جائے، اگر بالفرض کبھی مالک مل جائے تو اس کو اختیار ہوگا، خواہ اس صدقے کو برقرار رکھے یا آپ سے اس کی قیمت وصول کرلے۔ دُوسری صورت میں یہ صدقہ آپ کی طرف سے ہوجائے گا۔[1]

گمشدہ چیز کی تلاش کا اِنعام لینا

سوال:... میری چچی کا لاکٹ گھر میں گم ہوگیا، اور وہ لاکٹ میرے رشتے کی بہن کو مل گیا، مگر اس نے پیسوں کے لالچ میں وہ چھپالیا، جب چچی نے کہا کہ جو لاکٹ لاکر دے گا اسے دس روپے دیئے جائیں گے، تو اس نے وہ لاکٹ چچی کو دے کر دس روپے لے لئے، اب آپ یہ بتائیں کہ یہ دس روپے اس کے لئے حلال ہیں یا حرام؟

جواب:... اگر اس نے واقعی چرایا تھا تو اس کے لئے یہ روپے لینا جائز نہیں۔[2]

گمشدہ چیز اگر خود رکھنا چاہیں تو اتنی قیمت صدقہ کردیں

سوال:... مجھے عیدالاضحیٰ سے چند روز قبل ایک بس سے گری ہوئی کلائی کی گھڑی ملی، گھڑی کافی قیمتی ہے، اپنے طور پر کوشش کرنے کے بعد مالک نہ ملا تو میں نے اخبار "جنگ" راولپنڈی میں ایک اشتہار دیا مگر مالک پھر بھی نہ ملا، اب آپ سے درخواست ہے کہ میرا مسئلہ حل کریں کہ میں اس گھڑی کا کیا کروں؟

جواب:... اگر مالک ملنے کی توقع نہیں تو اس کی طرف سے صدقہ کردیجئے، آپ گھڑی خود رکھنا چاہیں تو اس کی قیمت لگواکر اتنی قیمت صدقہ کردیجئے۔ صدقہ کرنے کے بعد اگر مالک مل جائے اور وہ اس صدقے کو جائز رکھے تو ٹھیک، ورنہ صدقہ آپ کی طرف سے ہوگا، مالک کو اس کی قیمت ادا کرنی پڑے گی۔[3]

---

(۱) وإن كانت أقلّ من عشرة دراهم عرّفها أيّامًا وإن كانت عشرة فصاعدًا عرّفها حولًا فإن جاء صاحبها وإلّا تصدّق به. وإن جاء صاحبها بعد ما تصدق بها فهو بالخيار، إن شاء أمضى الصدقة وله ثوابها، وإن شاء ضمن الملتقط. (هداية ج۲ ص:۶۱۴، ۶۱۵، كتاب اللقطة).

(۲) إذ لا يجوز لأحد من المسلمين أخذ مال أحدٍ بغير سببٍ شرعي. (شامي ج:۴ ص:۶۱، باب التعزير).

(۳) فإن جاء صاحبها وإلّا تصدق بها فإن جاء صاحبها يعني بعد ما تصدق بها فهو بالخيار إن شاء أمضى الصدقة وله ثوابها وإن شاء ضمّن الملتقط لأنه سلم ماله إلى غيره بغير إذنه. (هداية ج:۲ ص:۶۱۵، كتاب اللقطة).

نامعلوم شخص کا اُدھار کس طرح ادا کریں؟

سوال:...اگر ہم نے کسی شخص سے کوئی چیز اُدھار لی، اس کے بعد ہم اس جگہ سے کہیں اور چلے گئے، پھر ایک دن اس کی چیز واپس کرنے اسی کے گھر گئے تو معلوم ہوا کہ وہ شخص تو گھر چھوڑ کر وہاں سے جاچکا ہے، اس شخص کو ہم نے تلاش بھی بہت کیا لیکن وہ نہ ملا تو بتائیے کہ اس شخص کا وہ اُدھار ہم کس طرح چکا سکتے ہیں؟

جواب:...اس کا حکم گم شدہ چیز کا ہے، جس کا مالک نہ مل سکے وہ چیز مالک کی طرف سے صدقہ کردی جائے۔ [۱]

شراب وخنزیر کا کھانا کھلانے کی نوکری جائز نہیں

سوال:...میں بطور میس بوائے (بیرے) کے کام کرتا ہوں، جس میں مجھے خنزیر کا گوشت اور شراب بھی روزانہ کھانے کی میزوں پر لگانا پڑتی ہے، مسئلہ یہ ہے کہ کیا اس کی اُجرت جو ہم کو ملتی ہے وہ جائز ہے یا ناجائز؟ اسلام میں کونسی کمائی حلال اور کونسی حرام ہے؟ مختصر سی تشریح فرمادیں۔

جواب:...شراب اور خنزیر کا گوشت جس طرح کھانا جائز نہیں، اسی طرح کسی کو کھلانا بھی جائز نہیں [۲] اور ایک مسلمان کے لئے ایسی نوکری بھی جائز نہیں جس میں کوئی حرام کام کرنا پڑے۔ [۳]

سوَر کا گوشت پکانے کی نوکری کرنا

سوال:...میں تمام عمر یہ سنتا آیا ہوں کہ سوَر کا گوشت کھانا حرام ہے، بالکل صحیح ہے۔ یہ سننے میں آیا ہے کہ سوَر جس جسم کے حصے پر لگ جائے وہ حصہ ناپاک ہوجاتا ہے۔ محترم جناب! ہم تو باورچی ہیں، جب تک سوَر کے گوشت کو کاٹیں گے نہیں، دھوئیں گے نہیں اور پکائیں گے نہیں تو انگریز ہمیں نوکری کیا دیں گے؟ جبکہ نمک چکھنے اور ذائقے کی بات باقی ہے۔ اگر انگریز کے پاس (یعنی نوکری میں) سوَر کا گوشت نہیں پکاتے تو انگریز مذاق اُڑاتے ہیں کیونکہ ہمارے پاکستانی بھائی وہاں پر شراب، زنا جیسی چیزوں کی پروا نہیں کرتے، بلکہ شراب مانگ لیتے ہیں انگریزوں سے، اور اگر نظر دوڑائی جائے چرس، بھنگ سب کا لین دین ہے، اخباروں میں یہ بیان آتے رہتے ہیں۔ کیا چرس، شراب، رشوت، زنا وغیرہ سے زیادہ سوَر کا گوشت اہمیت رکھتا ہے؟ مہربانی فرماکر مشکل مسئلے کو حل کریں۔

---

(۱) فإن جاء صاحبها وإلّا تصدق بها۔ (هداية ج:۲ ص:۶۱۵، كتاب اللقطة)۔

(۲) وعن أنس ابن مالک قال: لعن رسول الله صلى الله عليه وسلم في الخمر عشرة: عاصرها، ومعتصرها، وشاربها، وحاملها، والمحمولة إليه، وساقيها، وبائعها، وآكل ثمنها، والمشترئ لها، والمشتراة له۔ (ترمذی ج:۱ ص:۲۴۲، باب في بيع الخمر والنهي عن ذالک، طبع رشيديه دهلی)۔

(۳) "وتعاونوا على البر والتقوى، ولَا تعاونوا على الْإثم والعدوان" يعني لَا تعاونوا على إرتكاب المنهيات ولَا على الظلم۔ (تفسير مظهری ج:۳ ص:۱۹)۔ أيضًا: الْإستئجار على المعاصي انه لَا يصح لأنه إستئجار على منفعة غير مقدورة الْإستيفاء شرعًا۔ (بدائع الصنائع ج ۴ ص:۱۸۹، كتاب الْإجارة، مطلب فيما يرجع إلى المعقود عليه، طبع سعيد)۔

جواب:... سور کا گوشت جیسا کہ آپ نے لکھا ہے مسلمانوں کے لئے حرام ہے۔[1] اللہ تعالیٰ کی زمین بہت وسیع ہے، انگریزوں کے پاس سور پکانے کی نوکری آپ کیوں کر رہے ہیں؟ کیا کوئی اور ذریعۂ معاش نہیں مل سکتا؟ رہی یہ بات کہ بعض لوگ شراب، زنا اور رشوت اور دُوسرے گناہوں کی پروا نہیں کرتے، تو یہ لوگ بھی گناہگار ہیں اور مجرم ہیں، لیکن ایک جرم کو دُوسرے جرم کے جواز کے لئے دلیل بنانا صحیح نہیں، ایک شخص اگر زنا کرتا ہے تو کیا اس کے حوالے سے دُوسرے شخص کو گناہ کرنا جائز ہوگا؟

زائد رقم لکھے ہوئے بل پاس کروانا

سوال:... میں گورنمنٹ ڈپارٹمنٹ میں ملازم ہوں، اور جب سرکاری کام کے لئے فوٹو کاپی کروانی ہوتی ہے تو چپراسی مطلوبہ کاپیوں سے زیادہ رقم رسید پر لکھوا کر لاتا ہے اور مجھے ایک فارم پُر کر کے اس رسید کے ساتھ اپنے ماتحت افسر سے تصدیق کرانی ہوتی ہے، کیا اس گناہ میں، میں بھی شریک ہوں، حالانکہ میں اس زائد رقم سے ایک پیسہ بھی نہیں لیتا؟

جواب:... گناہ میں تعاون کی وجہ سے آپ بھی گناہ گار ہیں،[2] اور دُوسروں کی دُنیا کے لئے اپنی عاقبت برباد کرتے ہیں۔[3]

جعلی ملازم کے نام پر تنخواہ وصول کرنا

سوال:... میں سرکاری آفیسر ہوں، ہمیں ایک ذاتی ملازم رکھنے کی اجازت ہے، اس ملازم کی تعیناتی ایک طویل دفتری کارروائی کے نتیجے میں ہوتی ہے، بعد میں رجسٹر پر باقاعدہ حاضری لگتی ہے اور اس ملازم کی تنخواہ ہم لوگ خود ہی انگوٹھا لگا کر لیتے رہتے ہیں۔ لیکن مخصوص حالات کی بنا پر ملازم ہر دو چار ماہ بعد بدلنے پڑتے ہیں۔ ملازم (گھر میں کام والی ماسی) آتے جاتے رہتے ہیں۔ مگر جس ملازم کی تعیناتی کاغذوں میں ہے اس کے نام سے تنخواہ ملتی ہے، میں نے کچھ عرصہ قبل آپ سے دریافت کیا تھا تو آپ نے فرمایا تھا کہ ملازم کی تنخواہ ہمارے لئے جائز نہیں، خواہ گھر کا سارا کام کاج بیگم کرے، تب سے میں نے کئی جزوقتی ملازم رکھنے شروع کئے اور ان سب کی تنخواہ اسی "ملازم" کی تنخواہ سے ادا کرتا ہوں، کیا میرا یہ فعل صحیح ہے؟

تنقیح:... مندرجہ ذیل اُمور کی وضاحت کی جائے:

۱:... کیا ایسا ممکن نہیں کہ آپ قانون کے مطابق ایک مستقل ملازم رکھ لیں؟

۲:... کیا جزوقتی ملازمین رکھنے سے اس قانون کا منشا پورا ہو جاتا ہے؟

۳:... اگر گھر کے لوگ ملازم کا کام خود نمٹایا کریں تو کیا قانون آپ کو ملازم کی تنخواہ وصول کرنے کی اجازت دیتا ہے؟

اس تنقیح کا درج ذیل جواب آیا:

---

(۱) "إنّما حرّم علیکم المیتة والدم ولحم الخنزیر وما أُهل به لغیر الله" (البقرة:۱۷۳).

(۲) "ولا تعاونوا علی الإثم والعدوان" یعنی لا تعاونوا علیٰ إرتکاب المنهیات ولا علی الظلم. (تفسیر مظهری ج ۳ ص ۱۹، طبع اشاعت العلوم دهلی).

(۳) وعن أبی أمامة ان رسول الله صلی الله علیه وسلم قال: من شر الناس منزلةً یوم القیامة عبد أذهب آخرته بدنیا غیره. رواه ابن ماجة. (مشکوٰة ص:۴۳۵، باب الظلم، الفصل الثالث).

آپ نے گزشتہ سوال پر تنقیحی سوالات اُٹھائے ہیں، ان کا جواب حاضر ہے:

۱:...جی ہاں! قانون کے مطابق تو ایک ملازم رکھ لیتے ہیں، مگر وہ ملازم پردے کی مجبوری کے پیشِ نظر گھر میں کام نہیں کرسکتا، اور اگر کسی مائی کو قانون کے مطابق ملازم رکھ لیں تو یہ مائی (ماسی لوگ) تو ہر دو تین ماہ بعد گھر تبدیل کرلیتے ہیں، یا مالک ان کو مجبوراً بدل دیتی ہے، اس صورت میں اس کی تعیناتی اور برخاستگی ایک مشکل مرحلہ ہوگی، کیونکہ اس عمل میں کئی ماہ لگتے ہیں۔ باقی جہاں تک بات قانون کی ہے وہ تو ایک ہی ملازم رکھا جاتا ہے، جبکہ عملی طور پر ایسا شاید ہی کوئی کرتا ہے، یعنی ۲ ا فیصد اور سب لوگوں کو پتہ ہے کہ لوگ اسے اپنے خرچے میں لاتے ہیں۔

۲، ۳:...کوئی ملازم نہ رکھیں گے تو تنخواہ ملازمہ کی نہ ملے گی، اس لئے لوگ کاغذی ملازم رکھ لیتے ہیں اور سہولت کے لئے ۱۰۰، ۲۰۰ روپے کی جزوقتی ملازمہ رکھ لیتے ہیں، جبکہ ملازم کی تنخواہ ایک ہزار سے کچھ اُوپر ملتی ہے۔

جواب:...آپ کی تحریر کا خلاصہ یہ ہے کہ آپ کا قانون ہی کچھ ایسا ہے جو "اعلیٰ افسران" کو جھوٹ اور جعل سازی کی تعلیم دیتا ہے، جب تک آپ جعلی دستخط نہ کریں تب تک اس جائز رعایت سے فائدہ نہیں اُٹھاسکتے جو قانون آپ کو دینا چاہتا ہے، اب تین صورتیں ہوسکتی ہیں:

اوّل:...یہ کہ آپ بھی دُوسرے "افسران" کی طرح ہر مہینے جھوٹے دستخط کرنے کی مشق کیا کریں، ظاہر ہے کہ میں آپ کو اس کا مشورہ نہیں دے سکتا۔

دوم:...یہ کہ آپ ہمیشہ کے لئے اس رعایت سے محرومی کو گوارا کریں، یہ آپ کے ساتھ قانون کی زیادتی ہے کہ اگر آپ سچ بولیں تو رعایت سے محروم، اور اگر رعایت حاصل کرنا چاہتے ہیں تو جھوٹ بولنا لازم۔

تیسری صورت یہ ہے کہ آپ اور آپ کے رُفقاء اس قانون کے وضع کرنے والوں کو توجہ دِلائیں اور اس قانون میں مناسب لچک پیدا کرائیں تاکہ ملازم کی تنخواہ حاصل کرنے کے لئے آپ کو اور آپ کی طرح کے دیگر "اعلیٰ افسران" کو ہر مہینے جعلی دستخط نہ کرنے پڑیں۔

سوال:...ایک یا دو یا تین جزوقتی ملازم رکھنے کے باوجود کچھ رقم بچ جاتی ہے، جسے میں کسی طرح سے حکومت کو واپس کرنے کی کوشش کرتا ہوں، مثلاً میرے ادارے میں کسی چیز کی ضرورت ہے اس کو محکمہ جاتی کاروائی کے ذریعے خریدا جائے تو شاید دو ہزار روپے لگیں، جبکہ میں نے وہی چیز ایک ہزار روپے میں لے کر خاموشی سے رکھ دی، کیا اس طرح اس رقم لوٹانے سے میں مطالبے سے بری الذمہ ہوجاؤں گا؟

جواب:...جی ہاں! جب رقم محکمے میں واپس پہنچ گئی تو آپ کا ذمہ بری ہوگیا۔[1]

سوال:...بعض لوگ میرے دفتر میں بہت ہی غریب ہیں، گزشتہ دنوں ایک ایسے ہی شخص کی بچی کی شادی کے لئے میں نے

---

(۱) ویبرأ بردها ولو بغیر علم المالک فی البزازیة غصب دراهم إنسان من کیسه ثم ردها فیه بلا علمه بریٔ وکذا لو سلمه إلیه بجهة أخریٰ کهبة　إلخ۔ قوله ویبرأ بردها أی برد العین المغصوبة إلی المغصوب منه۔ (ردالمحتار ج ۶ ص ۱۸۲)۔

اس رقم سے کچھ پیسے دیئے، خیال یہ تھا کہ غریب کی مدد بیت المال سے ہونی چاہئے، اور میرے پاس بھی سرکاری رقم ہے، کیا میرا یہ فعل صحیح ہے؟

جواب:... مجھے اس میں تردّد ہے، کیونکہ آپ اس کے مجاز نہیں ہیں۔ بیت المال میں واقعی غریبوں کا حق ہے مگر بیت المال کے شعبے الگ الگ ہیں۔

غیرقانونی طور پر کسی ملک میں رہنے والے کی کمائی اور اَذان و نماز کیسی ہے؟

سوال:... مولانا! اگر کوئی شخص غیرقانونی طور پر پاکستان میں رہے اور یہاں نوکری کرے تو کیا اس کی کمائی جائز ہے؟ کیونکہ وہ قرآن کے اس حکم کی خلاف ورزی کر رہے ہوتے ہیں کہ ''اور تم میں جو لوگ صاحبِ حکومت ہوں ان کی اتباع کرو۔'' اور کیا اگر ایسا شخص موٴذِن یا پیش اِمام ہو تو اس کی دی ہوئی اَذان اور پڑھائی ہوئی نماز کے بارے میں کیا حکم ہے؟ اگر ان کا یہ عمل جائز ہے تو پھر جو لوگ بینکوں اور ٹی وی وغیرہ میں نوکری کرتے ہیں ان کا پیسہ کیوں ناجائز ہوا؟ وہ بھی تو آخر اپنی محنت سے پیسہ کماتے ہیں۔

جواب:... اس کی کمائی تو ناجائز نہیں، اگر کوئی غیرقانونی طور پر رہتا ہو تو حکومت کو اس کی اطلاع کی جاسکتی ہے، واللہ اعلم!

حصے سے دستبردار ہونے والے بھائی کو راضی کرنا ضروری ہے

سوال:... میرے سارے بہن بھائی میرے والد کا مکان میرے نام کرنے کو تیار تھے، جب کاغذات مکمل کرالئے تو ایک بھائی نے دست بردار ہونے سے انکار کردیا، جس پر انہیں ان کا حصہ دینے کو کہا گیا تو نہ وہ حصہ لینے پر تیار ہوئے، نہ دستبردار ہونے پر، کورٹ نے اجتماعی دستبرداری کی وجہ سے ٹرانسفر کردیا ہے۔ کیا یہ شرعی حیثیت سے دُرست ہے؟ واضح رہے کہ میں اپنی والدہ کے ساتھ اس مکان میں رہتا ہوں اور باقی سب اپنے علیحدہ علیحدہ گھروں میں رہتے ہیں۔

جواب:... جو بھائی راضی نہیں، انہیں قیمت دے کر راضی کرنا ضروری ہے۔ [1]

بڑے کی اجازت کے بغیر گھر یا دکان سے کوئی چیز لینا

سوال:... ایک شخص اپنی ضروریات پوری کرنے کے لئے اپنی دُکان سے پیسے چراتا ہے، یعنی چوری کرتا ہے، تو کیا اس صورت میں اس کی نمازیں، وظائف اور تلاوت وغیرہ قبول ہوگی یعنی جو وظیفہ جس کام کے لئے پڑھ رہا ہے وہ وظیفہ چوری کی وجہ سے بےاثر تو نہیں ہوجائے گا؟ کیونکہ یہ شخص اپنی ضروریات کو پوری کرنے کے لئے چوری کرتا ہے، عادۃً نہیں۔

---

(۱) وعن أبی حرة الرقاشی عن عمه قال: قال رسول الله صلی الله علیه وسلم: ألا لا تظلموا! ألا لا یحل مال امرئ إلا بطیب نفس منه. (مشکوٰة ج:۱ ص:۲۵۵)۔ "یٰأیها الذین اٰمنوا لا تأکلوا أموالکم بینکم بالباطل إلّا أن تکون تجارة عن تراض منکم" (النساء:۲۹)۔ إذ لا یجوز لأحد من المسلمین أخذ مال أحد بغیر سبب شرعی۔ (ردالمحتار علی الدر المختار ج:۴ ص:۲۱ باب التعزیر، طبع ایچ ایم سعید کراچی)۔

جواب:... اپنے گھر سے یا دُکان سے اپنے بڑے کی اجازت کے بغیر کوئی چیز لینا جائز نہیں، بتا کر لینا چاہئے۔ [۱]

ماں کی رضامندی سے رقم لینا جائز ہے

سوال:... میں بیمار ہوں، کام نہیں کرتا، میرے دو بھائی ملازمت کرتے ہیں اور اسی سے ہم سب گھر والوں کا گزارا ہوتا ہے، میرا چھوٹا بھائی جاوید جو ملازمت کرتا ہے وہ ہر ماہ گھر کے دُوسرے بھائی بہنوں سے چھپ کر مجھے ایک سو روپے دیتا ہے، اور اس نے مجھے تاکید کی ہے کہ ان روپوں کا ذکر گھر والوں سے نہ کروں، کیونکہ یہ روپے والدہ کے لئے ہیں اور ان روپوں سے مقوی غذا مثلاً: بادام، مغز، اخروٹ وغیرہ لے کر پابندی سے والدہ کو کھلاتے رہنا۔ اب مسئلہ یہ ہے کہ میں خود کافی عرصے سے بیمار ہوں اور کمزور بھی ہوں، اس وجہ سے میری ماں اصرار کرکے ہر ماہ سو روپے میں سے کچھ رقم مجھے دے دیتی ہے، یا کبھی اس سو روپے کی رقم سے بنی ہوئی کسی چیز میں مجھے شریک کرلیتی ہے، جب میرے بھائی کو میں نے یہ بات بتلائی تو اس نے مجھ پر ناگواری کا اظہار کیا کہ میں کیوں اس رقم میں سے لیتا ہوں، لیکن بہرکیف وہ اب بھی بدستور ماں کے لئے رقم دیتا ہے اور ماں بھی بدستور مجھے کبھی رقم میں سے کچھ دیتی ہے اور کبھی اس رقم سے تیار شدہ کھانے میں شریک کرلیتی ہے، کیا میرے لئے اس رقم کا لینا یا اس کھانے وغیرہ میں شریک ہونا جائز ہے یا ناجائز؟ حلال ہے یا حرام؟

جواب:... جب وہ رقم آپ اپنی والدہ کے حوالے کردیتے ہیں، اس کے بعد اگر والدہ اپنی مرضی سے آپ کو کچھ رقم دے دیتی ہے یا اس رقم سے تیار کئے ہوئے کھانے میں آپ کو شریک کرلیتی ہے تو آپ کے لئے وہ رقم یا وہ کھانا شیرِ مادر کی طرح حلال ہے۔ [۲]

کیا مجبوراً چوری کرنا جائز ہے؟

سوال:... چند روز ہوئے ہمارے ورکشاپ میں چوری پر بحث ہو رہی تھی، ایک صاحب فرمانے لگے کہ اگر آدمی غریب ہو اور اپنے بچوں کا پیٹ نہ پال سکے تو اس کو چوری کرنا جائز ہے، اس نے تو قرآن اور حدیث کا نام لے کر یہ بات کہی ہے کہ ان میں موجود ہے۔ اب آپ سے گزارش ہے کہ آپ برائے مہربانی قرآن وحدیث کی رُو سے اس کی وضاحت کریں کہ آیا ایسا کوئی مسئلہ ہے کہ ایسے آدمی کی چوری کو جائز قرار دیا گیا ہو؟

جواب:... اگر کسی شخص کو ایسا فاقہ ہو کہ مردار اس کے لئے جائز ہوجائے تو اس کو اجازت ہے کہ کسی کا مال لے کر اپنی جان

---

(۱) گزشتہ صفحے کا حاشیہ نمبر۱ ملاحظہ فرمائیں۔

(۲) كلّ يتصرف في ملكه كيف شاء۔ (شرح المجلة لسليم رستم باز ج:۱ ص:۶۵۴ رقم المادّة:۱۱۹۲ كتاب الشركة)۔

أيضًا: لأن الملك ما من شانه أن يتصرف فيه، بوصف الإختصاص۔ (رد المحتار ج:۴ ص:۵۰۲، مطلب في تعريف المال)۔

بچائے اور نیت یہ کرے کہ جب گنجائش ہوگی اس کو واپس کردوں گا۔ محض بچوں کا پیٹ پالنے کے لئے چوری کو پیشہ بنالینا، اس کی اجازت نہیں۔ (۱)

رنگ وروغن کی ہوئی دِیوار پر مالک کی اِجازت کے بغیر سیاہ روشنائی پھیرنا

سوال:... رنگ وروغن کی ہوئی دیواروں پر بغیر مالکِ مکان کی اِجازت کے سیاہ روشنائی پھیر دینا، یا اخبارات چسپاں کردینے کی شرعی حیثیت کیا ہے؟

جواب:... مالک کی اِجازت کے بغیر ایسا کرنا ناجائز ہے۔ (۲)

بیوی کو بیٹی لکھوا کر شادی کے لئے پیسے لینا، نیز اُن کا اِستعمال

سوال:... سندھ ویلفیئر بورڈ کی جانب سے فیکٹریوں میں کام کرنے والوں یعنی مزدوروں کو بیٹی کی شادی اور جہیز کے لئے پندرہ ہزار روپیہ کی رقم دی جاتی ہے، کچھ حضرات نے مجوزہ فارم میں اپنی بیٹی کی جگہ بیوی کا نام لکھ دیا اور خود ان کے باپ بن گئے، کیونکہ بیٹی تو ہے نہیں، لیکن پندرہ ہزار کے لالچ میں اپنی بیوی کو جان بوجھ کر اپنی بیٹی ظاہر کیا۔ اس عمل سے نکاح متأثر ہوا یا نہیں؟ اور شرعی حکم کیا ہے؟ قرآن وسنت کی روشنی میں مستفید فرمائیں۔

جواب:... اس جھوٹ سے نکاح تو متأثر نہیں ہوا، مگر اس طرح رقم اینٹھنا حرام ہے، اور اس رقم کا اِستعمال بھی حرام ہے۔ (۳)

کسی کی ملکیتی زمین میں معدنیات نکل آئیں تو کون مالک ہوگا؟

سوال:... ایک شخص کی زمین میں سے (جو کہ اس کی کسی فرد سے یا حکومت سے خرید شدہ ہے، ملکیت کے تمام کاغذات اس کے پاس موجود ہیں، اور اس زمین پر اس کا گھر ہے، یا وہ زرعی زمین ہے یا غیر آباد پڑی ہے) معدنیات کے ذخائر، گیس، کوئلہ، پٹرول، سونا اور چاندی وغیرہ برآمد ہوتے ہیں تو وہ معدنیات اس شخص کی ذاتی ملکیت قرار پائیں گے یا حکومت کی؟

---

(۱) (الأكل) للغذاء والشرب للعطش ولو من حرام أو ميتة أو مال غيره وإن ضمنه (فرض) ثياب عليه بحكم الحديث، ولكن (مقدار ما يدفع) الإنسان (الهلاك عن نفسه)۔ قوله ولو من حرام فلو خاف الهلاك عطشا وعنده خمر له شربه قدر ما يدفع العطش إن علم أنه يدفعه ... إلخ۔ قوله وإن ضمنه لأن الإباحة للاضطرار لَا تنافي الضمان۔ (رداحتار على الدر المختار ج ۲ ص.۳۳۸، كتاب الحظر والإباحة، طبع ايچ ايم سعيد، أحسن الفتاوىٰ ج:۸ ص:۲۰۲)۔

(۲) لَا يجوز لأحد أن يتصرف في ملك غيره بلا إذنه۔ (شرح المجلة، لسليم رستم باز، المادة ۹۶ ص ۶۰)

(۳) قال تعالى: "وَلَا تأكلوا أموالكم بينكم بالباطل" (قوله بالباطل) بالحرام يعني بالربا والقمار والغصب والسرقة والخيانة ونحوها. (تفسير بغوى ج ۲ ص.۵۰)۔ أيضًا: عن أبي حرة الرقاشي عن عمه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم أَلا لا تظلموا! أَلا لا يحل مال إمرىءٍ إلّا بطيب نفس منه۔ (مشكوٰة ص:۲۵۵ باب الغصب والعارية)۔

جواب:... اگر کسی شخص کی مملوکہ زمین میں معدنیات کے ذخائر نکل آئیں تو اگر سونا چاندی کے ذخائر ہوں تو اس پر "خمس" ہے، گیس اور پٹرول وغیرہ کے ذخائر پر کوئی چیز نہیں۔ البتہ اگر پارہ یا اس قسم کے ذخائر ہوں تو اس پر "خمس" ہے۔ ان اُمور کی تفصیل فقہ کی کتابوں میں موجود ہے۔ لیکن اس زمانے میں اگر اس قسم کے ذخائر برآمد ہوجائیں تو حکومت اس زمین کو اپنے قبضے میں لے لیتی ہے، اور اصل مالک کے پاس نہیں چھوڑی جاتی، یہ معلوم نہیں کہ اس کو معاوضہ دیا جاتا ہے یا نہیں؟ اور اگر دیا جاتا ہے تو کتنا دیا جاتا ہے؟ بہرحال شرعی نقطۂ نگاہ سے ان تمام معدنیات پر حکومت کا قبضہ کرلینا صحیح نہیں،[1] واللہ اعلم!

---

(۱) معدن ذهب أو فضة أو حديد أو رصاص أو صفر وجد في أرض خراج أو عشر ففيه الخمس عندنا. (الهداية ج ۱ ص ۱۹۹ طبع شركت علميه). أيضًا: وفي حاشية الهداية: قوله معدن ذهب إلخ اعلم ان المستخرج من المعدن ثلاثة أنواع، جامد ينطبع كالذهب والفضة والحديد وما ذكره المصنف وجامد لا ينطبع كالجص والنورة والكحل وسائر الأحجار كالياقوت والزمرد والملح وما ليس بجامد كالماء والقير والنفط ولا يجب الخمس إلّا في النوع الأوّل عندنا، وقوله وجد سواء كان الواجد مسلمًا أو ذميًا أو كتابيًا أو صبيًا أو امرأة أو عبدًا مكاتبًا. (هداية ج ۱ ص: ۱۹۹، باب في المعادن والركاز، طبع شركت علميه).

سود

سودی کام کا تلاوت سے آغاز کرنا بدترین گناہ ہے

سوال:... میں یونائیٹڈ بینک لمیٹڈ کراچی کی ایک مقامی برانچ میں ملازم ہوں۔ میری برانچ میں ہر روز صبح کام کا آغاز تلاوتِ کلامِ پاک اور پورے اسٹاف کی اجتماعی دُعا سے ہوتا ہے، اور ان کا نظریہ ہے کہ اس سے برکت ہوتی ہے، کام میں دِل لگتا ہے اور کوئی ناخوشگوار واقعہ رُونما نہیں ہوتا۔ میں اس قرآنِ پاک کی تلاوت اور دُعا میں شامل نہیں ہوتا، لیکن جب تلاوت ہو رہی ہوتی ہے تو خاموشی سے سنتا ہوں، کیونکہ قرآن پڑھنا سنت اور سننا واجب ہے۔ میرا مسئلہ یہ ہے کہ قرآن وحدیث کی رُو سے سود، سودی کاروبار، اس کی ملازمت بھی منع ہے۔ قرآن میں ہے کہ سود حرام ہے اور سود نہ لو۔ تلاوت سے اس کا افتتاح کرنا کیسا عمل ہے؟ قرآن وسنت کی روشنی میں بتلائیں کہ کیا یہ جائز ہے؟ اگر نہیں تو اس کے گنہگار کون ہیں؟

جواب:... گناہ کے کام کو تلاوت سے شروع کرنا کس طرح جائز ہوسکتا ہے؟ یہ پوچھئے کہ ''اس سے شریعتِ مطہرہ کی روشنی میں کفر کا اندیشہ تو نہیں...؟''[1]

بینک کے مونوگرام پر ''بسم اللہ الرحمٰن الرحیم'' لکھنا جائز نہیں

سوال:... یہ ایک بڑا مسئلہ ہے کہ ایک بینک کے مونوگرام پر ''بسم اللہ الرحمٰن الرحیم'' لکھی ہوئی ہے، یہ مونوگرام اس بینک کی ہر سلپ پر، ہر انٹرنیٹ پرحتیٰ کہ ہر لفافے پر موجود ہے، روزانہ ہزاروں لفافے اِستعمال کے بعد ردّی کی ٹوکری کی نذر ہوجاتے ہیں اور اس طرح بہت زیادہ بے ادبی ہوتی رہتی ہے، اس کا جوابدہ کون ہے؟ اس بینک کے اعلیٰ افسران یا ہر وہ شخص جو ان لفافوں کو ردّی میں پھینک دیتا ہے (بہت سے لوگ جانتے ہیں، بعض نہیں جانتے کہ مونوگرام پر کیا موجود ہے؟) اس سلسلے میں اس بینک کے اعلیٰ افسران

---

(۱) الکلام منه ما یوجب أجرًا کالتسبیح والتحمید وقراءة القرآن والأحادیث النبویة وعلم الفقه وقد یأثم به إذا فعله فی مجلس الفسق وهو یعلمه لما فیه من الإستهزاء والمخالفة لموجبه۔ (عالمگیریة ج:۵ ص:۳۱۵)۔ أیضًا: قرأ القرآن علٰی ضرب الدف والقضیب یکفر لإستخفافه وأدب القرآن أن لا یقرأ فی مثل هٰذه المجالس، شرب الخمر وقال. بسم الله، أو قال ذٰلک عند الزنا أو عند أکل الحرام المقطوع بحرمته کفر لأنه استخف باسم الله تعالٰی۔ (فتاویٰ بزازیة علٰی هامش الفتاوی الهندیة، فصل فیما یقال فی القرآن والأذکار ج:۲ ص:۳۳۸)۔ أیضًا: وتحرم عند إستعمال محرم بل فی البزازیة وغیرها یکفر من بسمل عند مباشرة کل حرام قطعی الحرمة۔ (ردالمحتار ج:۱ ص:۹، طبع ایچ ایم سعید)۔

سے بھی درخواست ہے کہ اس کا سدِ باب کریں؟

جواب:... اس بینک والوں کو یہ مونوگرام اِستعمال کرنا جائز نہیں، اوّل تو ان کا کام ہی حرام ہے، کیونکہ اس کی ساری بنیاد سود پر ہے، پھر اس کے لئے بسم اللہ شریف کے مونوگرام کو اِستعمال کرنا بہت ہی نازیبا حرکت ہے، اور پھر ان خطوں اور لفافوں میں بسم اللہ شریف کی جو بے ادبی ہوتی ہے وہ سراپا گناہ ہے۔[1]

نفع ونقصان کے موجودہ شراکتی کھاتے بھی سودی ہیں

سوال:... چند سال قبل جب بلاسود بینکاری شروع کرنے اور نفع ونقصان میں شراکت کے کھاتے کھولنے کا حکومت کی طرف سے اعلان ہوا تو میں اپنے بینک منیجر کے پاس گیا اور ان سے دریافت کیا کہ جب بینکوں کا سارا کاروبار سود پر چلتا ہے تو یہ نفع و نقصان میں شراکت کے کھاتے سودی کاروبار سے کس طرح پاک ہوسکتے ہیں؟ انہوں نے جواب دیا کہ حکومت بینکوں کے ذریعہ گندم، چاول، کپاس وغیرہ خریدتی ہے جس پر وہ بینکوں کو کمیشن دیتی ہے، ہم یہ خریداری اس رقم سے کریں گے جو نفع ونقصان میں شراکت کے کھاتوں میں جمع ہوگی اور حکومت سے وصول ہونے والے کمیشن میں سے ہم اپنے کھاتے داروں میں منافع تقسیم کریں گے۔ البتہ ان کھاتوں سے ہر سال یکم رمضان کو زکوۃ کی رقم وضع کی جائے گی۔ مندرجہ بالا یقین دہانی پر میں نے اپنی رقم جاری کھاتے سے نفع ونقصان شراکت کے کھاتے میں منتقل کرادی۔ اس وقت سے اب تک آٹھ اور ساڑھے آٹھ فیصدی کے درمیان ہر سال منافع کا اعلان ہوتا رہا ہے، البتہ میری کل جمع رقم میں سے ڈھائی فیصد زکوۃ ہر سال وضع ہوجاتی ہے۔ میرے جیسے بہت سے بوڑھے افراد اور بیوہ عورتوں نے اپنی رقمیں نفع ونقصان میں شراکت کے کھاتے میں رکھی ہیں، جن سے زکوۃ کی رقم وضع ہونے کے بعد کچھ سالانہ آمدنی ہوجاتی ہے جس سے ان کا خرچ چلتا ہے۔ اگر یہ ذریعہ بند ہوجائے تو ان کے لئے تنگی و ترشی کا باعث ہوگا، یا یہ کہ وہ اپنے رأس المال میں سے خرچ کرتے ہیں یہاں تک کہ وہ تھوڑے عرصے میں ختم ہوجائے اور پھر ان کو سخت تنگی کا سامنا ہوگا۔ بہت سے علمائے کرام کی رائے ہے کہ نفع ونقصان میں شراکت کے کھاتے کی اسکیم سودی کاروبار ہے اور حرام ہے۔ ہم مسلمان ملک میں رہتے ہیں اور ہم سب کا یہ فریضہ ہے کہ ہم اسلامی اَحکامات پر خود عمل کریں اور حکومت اس سلسلے میں کوئی اسلامی حکم نافذ کرے تو اس کے ساتھ تعاون کریں۔ اب اگر اس ملک کے مسلمان باشندے اپنے ''اُولی الامر'' کے دعوٰی کو مان کر اپنی رقمیں نفع ونقصان شراکت کے کھاتے میں جمع کراتے اور حصولِ منافع اور وضعِ زکوۃ میں شریک ہوتے ہیں تو گناہ اور وبال حکومت پر ہوگا یا کھاتہ داروں پر؟ عوام، حکومت کی پالیسیوں پر اختیار نہیں رکھتے اور ایک حد تک بینک میں اپنی رقم رکھنے پر مجبور ہیں۔ ایسی صورت میں عام شہری کیا کریں؟ وضاحت فرمائیں۔

جواب:... ''غیرسودی کھاتوں'' کے سلسلے میں حکومت کا یا بینک والوں کا یہ اعلان ہی کافی نہیں، بلکہ ان کے طریقۂ کار کو معلوم کرکے یہ دیکھنا بھی ضروری ہے کہ آیا شرعی اُصولوں کی روشنی میں وہ واقعی ''غیرسودی'' ہیں بھی یا نہیں؟ اگر سچ مچ ''غیرسودی'' ہوں

(۱) كتابة القرآن على ما يفترش ويبسط مكروهة. (فتاویٰ عالمگیری ج:۵ ص:۳۲۳، طبع رشیدیه كوئٹه).

توڑیے قسمت، ورنہ ''سود'' کے وبال سے کھاتہ دار بھی محفوظ نہیں رہے گا۔[1] میں نے قابلِ اعتماد ماہرین سے سنا ہے کہ ''غیرسودی'' محض نام ہی نام ہے، ورنہ ''غیرسودی بینکاری'' کا جو خاکہ وضع کیا گیا تھا، اس پر اب تک عمل درآمد نہیں ہوا۔ آپ کا یہ ارشاد بجا ہے کہ: ''حکومت کوئی اسلامی حکم نافذ کرے تو اس کے ساتھ تعاون کرنا چاہئے'' مگر حکومت کوئی اسلامی حکم جاری بھی تو کرے؟ اب تک ہماری حکومت کا حال یہ ہے کہ حکومت کسی اسلامی حکم کو نافذ بھی کرتی ہے تو اس پر اپنی خواہشات کی پیوندکاری اور ملاوٹ کرکے اس کی رُوح ہی کو مسخ کردیتی ہے۔

چنانچہ صریح وعدوں کے باوجود ابھی تک سودی نظام کو ختم نہیں کیا گیا اور جن کھاتوں کو غیرسودی ظاہر کیا گیا ہے ان میں بھی سودی نظام کی رُوح کارفرما ہے، ولعل اللہ یحدث بعد ذالک امرًا!

۶۶ ماہ تک ۱۰۰ روپے جمع کرواکر، ہر ماہ تاحیات ۱۰۰ روپے وصول کرنا

سوال:... میں نے نیشنل بینک آف پاکستان کی ایک اسکیم میں حصہ لیا ہے، جس کا طریقۂ کار یہ ہے کہ آپ ۶۶ ماہ تک ۱۰۰ روپے ہر ماہ جمع کرواتے رہیں، ۶۶ ماہ کے بعد آپ کی اصل رقم: ۶,۶۰۰ روپے بھی بینک میں پڑی رہے گی اور وہ آپ کو ۱۰۰ روپے تاحیات (جب تک آپ ۶,۶۰۰ روپے نہ نکلوالیں) دیتے رہیں گے۔ ایک ملازم پیشہ آدمی کیا اپنے لئے اس طرح مستقل آمدنی کا بندوبست کرسکتا ہے؟ کیونکہ جہاں میں ملازم ہوں وہاں پنشن نہیں ملتی۔

جواب:... آپ کی اصل رقم تو بینک میں محفوظ ہے، ہر مہینے تاحیات جو سو روپیہ ملتا رہے گا وہ سود ہوگا۔[2]

مسجد کے اکاؤنٹ پر سود کے پیسوں کا کیا کریں؟

سوال:... میرے پاس مسجد کے چندے کے پیسے جمع ہوتے ہیں، یہ پیسے مسجد میں خرچ کرنے کے بعد جو پیسے بچتے ہیں وہ پیسے بینک میں جمع کردیتا ہوں۔ آپ مہربانی فرماکر یہ بتائیں کہ ان پیسوں پر جو منافع ملتا ہے اس کو میں کیا کروں؟ اس کو مسجد میں استعمال کردیں یا ان منافع والے پیسے کو کسی غریب یا کسی اور کو دیں؟

جواب:... آپ مسجد کے پیسے ''کرنٹ اکاؤنٹ'' میں رکھوائیں جس پر منافع نہیں ملتا، اور جو منافع وصول کرچکے ہیں وہ مسجد میں نہ لگائیں بلکہ کسی محتاج کو دے دیں۔[3]

---

(۱) لعن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آکل الربا وموکلہ وکاتبہ وشاھدیہ وقال: ھم سواء۔ (مسلم، مشکوۃ ص:۲۴۴)۔

(۲) الربا ھو فضل خال عن عوض مشروط لأحد المتعاقدین فی المعاوضۃ۔ (در المختار ج:۵ ص:۱۷۰)۔

(۳) لأن سبیل الخبیث التصدق إذا تعذر الرد علی صاحبہ۔ (رد المحتار ج:۶ ص:۳۸۵، کتاب الحظر والإباحۃ، فصل فی البیع)۔ أیضًا۔ والحاصل أنہ إن علم أرباب الأموال وجب ردہ علیھم، وإلّا فإن علم عین الحرام لا یحل لہ ویتصدق بہ بنیۃ صاحبہ۔ (رد المحتار ج:۵ ص:۹۹، باب البیع الفاسد، مطلب فیمن ورث مالًا حرامًا)۔

سود کی رقم کے کاروبار کے لئے برکت کی دُعا

سوال:... سود پر رقم لے کر کاروبار میں لگانا اور پھر اس میں اللہ تعالیٰ سے برکت کی دُعا کرنا، کیا اس میں برکت ہوگی یا بربادی؟

جواب:... سود پر رقم لینا گناہ ہے، اس سے توبہ و اِستغفار کرنا چاہئے، نہ کہ اس میں برکت کی دُعا کی جائے۔ تجربہ یہ ہے کہ جن لوگوں نے کاروبار کے لئے بینک سے سودی قرض لیا وہ اس قرض کے جال میں ایسے پھنسے کہ رہائی کی کوئی صورت نہیں رہی۔ اس لئے سود پر لی گئی رقم میں برکت نہیں ہوتی بلکہ اس کا انجام "ندامت" ہے۔[1]

کیا وصول شدہ سود حلال ہوجائے گا جبکہ اصل رقم لے کر کمپنی بھاگ جائے؟

سوال:... میں نے کچھ دوستوں کے کہنے پر اپنی ۲۰ ہزار روپے کی رقم ایک سرمایہ کار کمپنی میں جمع کرادی تھی، جس نے ۸ مہینے تک باقاعدہ منافع دیا جو ۸ ہزار روپے ہے، پھر اس کے بعد وہ کمپنی بھاگ گئی۔ اب آپ سے یہ عرض ہے کہ وہ ۸ ہزار روپے جو منافع یا سود کی شکل میں ملے تھے اور اب کمپنی کے بھاگ جانے کی وجہ سے مجھے جو ۱۲ ہزار روپے کا نقصان ہوگیا ہے، اس کے بعد وہ ۸ ہزار روپے حلال ہوگئے ہیں یا نہیں؟ یعنی اگر اس رقم سے کوئی نیک کام خیرات یا زکوٰۃ دی جائے تو وہ قبول ہوگی یا نہیں؟

جواب:... اگر آپ کو سود ملتا تھا تو وہ حلال نہیں، مگر ۲۰ ہزار کی رقم آپ کی ان کے ذمہ تھی، ان میں ۸ ہزار آپ نے گویا اپنا قرضہ واپس لیا ہے، اس لئے یہ جائز ہے۔

پی ایل ایس اکاؤنٹ کا شرعی حکم

سوال:... بینک میں جو رقم پی ایل ایس نفع و نقصان شراکتی کھاتے میں جمع ہوتی ہے، بینک اس میں سے زکوٰۃ کاٹ لیتا ہے اور ۶ فیصد منافع بھی دیتا ہے، کیا یہ قرآن و سنت کی رُو سے جائز ہے؟

جواب:... حکومت اس کو "غیرسودی" کہتی ہے، لیکن اس کی جو تفصیلات معلوم ہوئیں ان سے واضح ہوتا ہے کہ اس کو "غیرسودی" کہنا محض برائے نام ہے، ورنہ واقعتا یہ کھاتہ بھی سودی ہے۔

سود کی رقم دِینی مدرسہ میں بغیر نیتِ صدقہ خرچ کرنا

سوال:... سود کی رقم کسی دِینی مدرسہ میں بغیر نیتِ صدقہ کے دے دے تو کیا جائز ہے؟ اور ان متبرک مقامات پر دینے سے اگر ثواب نہ ہوا تو گناہ تو نہیں ہوگا؟ وضاحت سے جواب عطا فرمائیں۔ بغیر کسی صدقے کی نیت کے اگر کسی عالمِ دِین کو کتابیں لے کر دے دیں تاکہ مناظرہ کے وقت اس کے کام آسکیں یا عوام کو ایسے مذاہب سے روشناس کروانے کے لئے تاکہ وہ گمراہی سے بچ جائیں، کیا یہ جائز ہے؟

---

(۱) عن ابن مسعود قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: ان الربا وإن كثر فإن عاقبته تصير إلى قُلٍّ۔ (مشكوٰة ص:۲۴۶ باب الربا، طبع قديمى كتب خانه كراچى)۔

جواب:... کیا علم اور علماء کے لئے حلال کمائی میں سے دینے کی کوئی گنجائش نہیں؟ صرف یہ نجاست ہی علماء کے لئے رہ گئی ہے...؟

سود کو بینک میں رہنے دیں، یا نکال کر غریبوں کو دے دیں؟

سوال:... ہم تاجر والدین کے بیٹے ہیں، ہمارے والدین زیادہ تر پیسے بینک میں جمع کرتے ہیں اور انہیں جمع کردہ رقم میں سے سال کے بعد "سود" بھی ملتا تھا، ہم نے والدین سے کہا کہ آپ جانتے ہیں کہ سود لینا حرام ہے، پھر کیوں لیتے ہیں؟ تو وہ کہتے ہیں کہ ہم "سود" کی رقم کو غریبوں میں بغیر ثواب کی نیت کے تقسیم کردیتے ہیں۔ اور یہ رقم وہ حضرات اس لئے بینک سے اُٹھاتے ہیں کہ اگر وہ رقم نہ اُٹھائی جائے تو اس سے بینک والوں کا فائدہ ہوگا اور یوں کم از کم غریبوں کا فائدہ تو ہوگا۔ آپ سے سوال یہ ہے کہ آیا اس طرح کرنا صحیح ہے یا افضل پر عمل کرتے ہوئے بالکل سود کی رقم کو ہاتھ ہی نہیں لگانا چاہئے اور پیسے کو بینک ہی میں رہنے دیا جائے؟

جواب:... بینک سے سود کی رقم لے کر کسی ضرورت مند کو دے دی جائے مگر صدقہ، خیرات کی نیت نہ کی جائے، بلکہ ایک نجس چیز کو اپنی ملک سے نکالنے کی نیت کی جائے۔[1]

بیوہ، بچوں کی پرورِش کے لئے بینک سے سود کیسے لے؟

سوال:... میں چار بچیوں کی ماں ہوں اور ابھی پانچ ماہ قبل میرے شوہر کا انتقال ہوگیا ہے، اور میری عمر ابھی ۲۶ سال ہے، میرے شوہر کے مرنے کے بعد ان کے آفس کی طرف سے تقریباً ایک لاکھ سے زیادہ کی رقم فنڈز وغیرہ کی شکل میں مجھے ملی ہے۔ اب میرے گھر والوں اور تمام لوگوں کا یہی مشورہ ہے کہ میں یہ رقم بینک میں ڈال دوں اور ہر مہینے اس پر ملنے والی رقم لے لیا کروں اور اس سے اپنا اور بچوں کا خرچ پورا کروں۔ بات کسی حد تک معقول ہے، مگر میرے نزدیک اوّل تو یہ رقم ہی حرام ہے، پھر اس پر مزید حرام وصول کیا جائے اور اپنا اور اپنے بچوں کا پیٹ پالا جائے، کیونکہ حرام، حرام ہے۔ جبکہ لوگ کہتے ہیں کہ یہ حرام نہیں ہے، مجبوری میں سب جائز ہے۔ جبکہ میرے علم میں ایسی کوئی بات نہیں، میں اس سلسلے میں بہت پریشان ہوں کہ کیا کروں؟

جواب:... اللہ تعالیٰ آپ کی اور آپ کی بچیوں کی کفالت فرمائے۔ آپ کے شوہر کو ان کے آفس سے جو واجبات ملے ہیں اگر ان کی ملازمت جائز تھی، تو یہ واجبات بھی حلال ہیں، البتہ ان کو بینک میں رکھ کر ان کا منافع لینا حلال نہیں بلکہ سود ہے۔ اگر آپ کو کوئی نیک رشتہ مل جائے جو آپ کی بچیوں کی بھی کفالت کرے، تو آپ کے لئے عقد کرلینا مناسب ہے، ورنہ اللہ تعالیٰ پرورِش کرنے والے ہیں، اپنی محنت مزدوری کرکے بچیوں کی پرورِش کریں اور ان کے نیک نصیبے کے لئے دُعا کرتی رہیں، اللہ تعالیٰ آپ کے لئے اور آپ کی بچیوں کے لئے آسانی فرمائیں، آمین!

---

(۱) والحاصل انه إن علم أرباب الأموال وجب رده عليهم، وإلّا فإن علم عين الحرام لا يحل له ويتصدق به بنية صاحبه (شامی ج ۵ ص: ۹۹، طبع سعید)۔ أيضًا: ويتصدق بلا نية الثواب وينوى به براءة الذمة۔ (قواعد الفقه ص: ۱۱۵)۔

خاص ڈپازٹ کی رُقوم کو مسلمانوں کے تصرف میں کیسے لایا جائے؟

سوال:۔ سود اور سودی کاروبار حرام ہے، پاکستانی لوگ اربوں روپے خاص ڈپازٹ میں جمع کراتے ہیں، یہ مسلمانوں کی دولت ہے، ان لوگوں میں بہت سارے بوڑھے لوگ ہوتے ہیں، ان کے کندھوں پر ساری جوان اولاد بیٹے، بیٹیوں کا بار ہوتا ہے۔ بالخصوص پنشن پر جانے والے لوگ۔ ان کو بیٹیوں کو جہیز بھی دینا ہوتا ہے اور روزمرّہ کا خرچ بھی کرنا ہوتا ہے، اگر یہی اربوں روپے تجارت، کرائے کے مکانوں، بسوں اور دُوسرے جائز کاروبار میں لگائے جائیں جس سے اربوں روپے منافع بھی ہوگا، اس سے اگر اصل زَر کو بھی سلامت رکھا جائے اور نفع مسلمانوں کو دیا جائے تو ایسے طریقے سے کاروبار کا نفع اصل زَر کے مالکوں کو ملے گا۔ اس سے ملک کی ترقی بھی ہوگی اور ہر گھرانا خوشحال ہوگا۔ سودی کاروبار اس حالت میں ناجائز ہے، اگر رقم کسی غریب کو بغرضِ ضرورت دی جائے اور اس سے اصل رقم لی جائے، بینک یا خاص ڈپازٹ والے ادارے غریب نہیں ہیں۔

دُوسری بات یہ کہ گھر میں اصل زَر رکھنے سے ڈاکو سب کچھ لوٹ کر لے جائیں گے، موٹروں اور دیگر جائیدادوں کو زبردستی چھین کے لے جاتے ہیں، ان حالات میں اصل زَر بھی محفوظ نہیں رہتا، تنگ دستی سے ہر ایک مجبور ہو جاتا ہے، اسلامی قوانین کے مطابق کسی ڈاکو یا چور کو سزا نہیں ملتی۔ ان حالات میں اصل زَر سے بھی ہاتھ دھونے پڑ جاتے ہیں، اربوں روپے کا جائز تصرف اور حلال کی کمائی کا ذریعہ بنا دیا جائے تو اس میں کیا قباحت ہے؟ شریعت میں ایسے اربوں روپے جن کی حفاظت بھی ہو اور کارآمد منافع بھی ہو تو اس پہلو پر شریعت کے مطابق حکومت کو یا ہمیں مشورہ سے نوازیں۔

جواب:... یہ سوال اپنی جگہ نہایت اہمیت کا حامل ہے، اس کے لئے حکومت کے اربابِ حل وعقد کو غور کرنا چاہئے، اور ایسے لوگوں کے لئے ایسے کاروباری ادارے قائم کرنے چاہئیں جو شرعی مضاربت کے اُصولوں پر کام کریں اور منافع حصہ داروں میں تقسیم کریں۔

ڈیفنس سیونگ سرٹیفکیٹ کے سود سے کاروبار کرنا شرعاً کیسا ہے؟

سوال:... میرے پاس ایک لاکھ روپے کے ڈیفنس سیونگ سرٹیفکیٹ رکھے تھے، دس سال پورے ہونے پر مجھے چار لاکھ چھبیس ہزار روپے ملے، اپنی اصل رقم میں نے گھریلو ضروریات میں اِستعمال کرلی، جبکہ تین لاکھ چھبیس ہزار کی سود کی رقم سے میں نے مارکیٹ سے کیمیکل وغیرہ خرید کر مختلف کمپنیوں کو سپلائی شروع کردی، سود کی یہ رقم میں اپنے ذاتی استعمال میں لایا ہوں۔ کیا اس سود کی رقم سے جو میں سپلائی کر رہا ہوں، اس سے حاصل ہونے والا منافع میرے لئے کھانا جائز ہے؟

جواب: خنزیر کھانے میں اور اس میں کیا فرق ہے؟ خنزیر کا گوشت آپ خود کھائیں یا کسی کو بیچ کر اس کے پیسے کھائیں، ایک ہی بات ہے۔

نیشنل بینک سیونگ اسکیم کا شرعی حکم

سوال:... گورنمنٹ کی ایک نیشنل ڈیفنس سیونگ اسکیم چل رہی ہے، مجھے کسی نے بتایا ہے کہ اس میں رقم جمع کروانا اور پھر

منافع لینا جائز ہے، کیونکہ اس رقم سے ملک کے دفاع کے لئے اسلحہ خریدا جاتا ہے اور ملک کے کام آتا ہے۔ آج جو اسلحہ خریدیں گے اگر وہی اسلحہ چار پانچ سال بعد خریدیں گے تو دُگنی تگنی قیمت حکومت کو ادا کرنا پڑتی ہے، لہٰذا گورنمنٹ اس اسکیم کے تحت اسلحہ خریدتی ہے اور ملک کا دفاع ہوتا ہے۔ آپ قرآن اور حدیث کی روشنی میں مطلع فرمائیں کہ کیا اس اسکیم میں رقم لگانا اور منافع کے ساتھ لینا جائز ہے کہ نہیں؟

جواب:... اگر حکومت اس رقم پر منافع دیتی ہے تو وہ ''سود'' ہے۔[1]

ساٹھ ہزار روپے دے کر تین مہینے بعد اَسّی ہزار روپے لینا

سوال:... ایک شخص نے بازار میں کمیٹی ڈالی تھی، جب اس کی کمیٹی نکلی (جو ساٹھ ہزار روپے کی تھی) تو وہ اس نے ایک دُوسرے دُکان دار کو دے دی کہ مجھے تین مہینے بعد اَسّی ہزار روپے دو گے، تو کیا یہ بھی سود ہے یا نہیں؟

جواب:... یہ بھی خالص سود ہے۔[2]

فی صد کے حساب سے منافع وصول کرنا سود ہے

سوال:... کچھ لوگ سرمائے کا لین دین فی صد کے حساب سے کرتے ہیں، (یعنی ۱۵ فیصد ماہانہ، ۱۰ فی صد ماہانہ)۔ بعض لوگ اسے ''سود'' کہتے ہیں اور بعض کہتے ہیں کہ یہ سود نہیں ہے۔ اسی سلسلے میں ہم نے ایک مسجد کے پیش امام صاحب سے تصدیق چاہی تو انہوں نے اسے سراسر جائز قرار دیا ہے۔ اب ہم لوگ اس عجیب اُلجھن میں مبتلا ہیں کہ کیا کیا جائے؟ لہٰذا آپ اس مسئلے کو قرآن و سنت کی روشنی میں حل کریں اور ہمیں واضح طور پر بتائیں کہ ایسے سرمائے سے جو ماہانہ منافع ملتا ہے وہ حرام ہے تو اسے حلال کرنے کے لئے ہمیں کیا کرنا چاہئے؟ جس سے ہمارا قلب صاف ہو جائے اور ہم عذابِ الٰہی سے بچ سکیں۔

جواب:... فی صد کے حساب سے روپے کا منافع وصول کرنا خالص سود ہے،[3] جس امام صاحب نے اس کے جائز ہونے کا فتویٰ دیا وہ ناواقف ہے، اسے اپنے فتویٰ کی غلطی پر توبہ کرنی چاہئے۔ جو لوگ سود وصول کر چکے ہیں، انہیں چاہئے کہ اتنی رقم بغیر نیتِ

---

(۱) الربا هو فضل خال عن عوض مشروط لأحد المتعاقدين في المعاوضة. (الدر المختار ج:۵ ص:۱۷۰). وهو في الشرع: عبارة عن فضل مال لا يقابله عوض في معاوضة مال بمال. (فتاویٰ عالمگیری ج:۳ ص:۱۱۷، طبع رشيديه).

(۲) الربا هو الفضل المستحق لأحد المتعاقدين في المعاوضة الخالي عن عوض شرط فيه. (الهداية ج:۳ ص:۸۰ باب الربا). أما في إصطلاح الفقهاء فهو زيادة أحد البدلين المتجانسين من غير أن يقابل هذه الزيادة عوض. (كتاب الفقه على المذاهب الأربعة ج:۲ ص:۲۲۷، مباحث الربا، طبع بيروت).

(۳) الربا ...... وشرعًا فضل ولو حكمًا فدخل ربا النسيئة والبيوع الفاسدة فكلها من الربا خال عن العوض بمعيار شرعي، وهو الكيل والوزن مشروط أحد المتعاقدين في المعاوضة. (الدر المختار مع رد المحتار ج.۵ ص:۱۶۸، باب الربا، وكذا في تبيين الحقائق ج:۴ ص:۴۴۶ باب الربا).

صدقہ کے محتاجوں کو دے دیں۔[1]

قرآن کی طباعت کے لئے سودی کاروبار

سوال:... ایک کمپنی کے اشتہارات اخبارات میں، کاروبار میں شرکت کے لئے آپ کی نظر سے بھی ضرور گزرتے ہوں گے، لوگوں کو بڑا میٹھا لالچ دیا جاتا ہے کہ ''قرآن پاک کی اشاعت میں روپیہ لگائیے اور گھر بیٹھے منافع حاصل کیجئے'' کیا یہ سود کی ذیل میں نہیں آتا؟ کیا یہ کمپنی اس طرح سادہ لوح مسلمانوں کو دھوکا دے کر ان کی رقم کو حرام بنادینے کا کام نہیں کر رہی؟ میں سمجھتا ہوں کہ اس طرح تو اس کمپنی کا سارے کا سارا کاروبار ہی حرام قرار پاتا ہے۔ براہِ کرم شریعت کی روشنی میں رہنمائی فرمائیں۔

جواب:... اس کمپنی کے فارم جو آپ نے ارسال کئے ہیں، ان کے مطابق یہ خالص سودی کاروبار ہے، کیونکہ اس نے علی الترتیب ۱۵ فیصد، ساڑھے سات فیصد اور ۲۰ فیصد بالقطع سود رکھا ہوا ہے، اس لئے اس کمپنی میں روپیہ لگانا جائز نہیں۔[2]

کمپنی میں نفع ونقصان کی بنیاد پر رقم جمع کرواکر منافع لینا

سوال:... اگر کسی کمپنی میں حصے کے طور پر رقم جمع کروائی جائے اور وہ کمپنی نفع نقصان کی بنیاد پر ہو اور ہر ماہ وہ رقم سے کاروبار کر کے ہمیں نفع دیں، کوئی مستقل مہینہ نہیں ہے کہ ۱۰۰ روپے پر ۴ روپے یا ۳ روپے، جتنا نفع ہوگا یا نقصان ہوگا وہ اتنا ہی ہمیں ہر مہینے پر رقم دیں گے۔ اور جتنی رقم جمع کروائی ہے وہ اتنی ہی رہے گی، جب چاہیں اپنی رقم نکلوا سکتے ہیں۔ یہ نفع یا سود کتنے فیصد جائز ہے؟ اور کتنے فیصد ناجائز؟ تفصیل سے جواب دیجئے، شکریہ۔

جواب:... اگر کمپنی کا کاروبار خلافِ شریعت نہیں اور وہ مضاربت کے اُصول پر نفع تقسیم کرتی ہے، لگا بندھا منافع طے نہیں کیا جاتا تو یہ منافع جائز ہے۔[3]

قرآن مجید کی طباعت کرنے والے ادارے میں جمع شدہ رقم کا منافع

سوال:... ایک تجارتی ادارہ جو کہ قرآنِ پاک کی طباعت و مکمل تیاری اور اس کو ہدیہ کرنے کا کاروبار کرتا ہے، مندرجہ ذیل

---

(۱) لأن سبيل الخبيث التصدق إذا تعذر الرد على صاحبه. (ردالمحتار ج:۶ ص:۳۸۵ كتاب الحظر والإباحة، فصل في البيع). ويتصدق بلا نية الثواب وينوى به براءة الذمة. (قواعد الفقه ص:۱۱۵).

(۲) ومنها أن يكون نصيب المضارب من الربح معلوما على وجه لَا تنقطع به الشركة في الربح كذا في المحيط، فإن قال على أن لك من الربح مائة درهم أو شرط مع النصف أو الثلث عشرة دراهم لَا تصح المضاربة كذا في محيط السرخسي. (عالمگیری ج:۴ ص:۲۸۷، كتاب المضاربة، الباب الأوّل في تفسيرها وركنها وشرائطها وحكمها).

(۳) ومن شرطها أن يكون الربح بينهما مشاعًا لَا يستحق أحدهما دراهم مسماة من الربح لأن شرط ذٰلك يقطع الشركة بينهما ولَا بد منها كما هي في عقد الشركة. (الهداية، كتاب المضاربة ج:۳ ص:۲۵۸). أيضًا: وشرطها أمور سبعة ... وكون الربح بينهما شائعًا فلو عين قدرًا فسدت ... إلخ. (درمختار ج:۵ ص:۶۴۸، كتاب المضاربة).

شرائط پر دُوسرے لوگوں کو حصہ دار بناتا ہے، صرف منافع کی مختلف شرح پر۔ کیا "الف" اس تجارتی ادارہ کے حصص خرید سکتا ہے؟ اس کا نفع حلال ہے؟ شرائط یہ ہیں:

۱:... رقم کم سے کم تین سال کے لئے جمع کی جائے گی۔

۲:... نئے ڈیپازیٹرز سے کم سے کم رقم دس ہزار قبول کی جائے گی، زیادہ جتنی چاہیں جمع کراسکتے ہیں۔

۳:... دس ہزار سے ۴۹ ہزار تک منافع پندرہ فیصد سالانہ ہوگا، ۵۰ ہزار سے ۹۹ ہزار تک ساڑھے سترہ فیصد ہوگا، ایک لاکھ روپے اور اس سے زائد پر ۲۰ فیصد سالانہ نفع ہوگا۔

۴:... جمع شدہ رقم مقررہ وقت سے قبل کسی حالت میں واپس نہ کی جائے گی، رقم جس نام پر جمع ہوگی اس سے دُوسرے کے نام پر تبدیل نہ ہوگی، جن کی میعاد ختم ہوجائے وہ آئندہ حسبِ مرضی تجدید کریں گے۔

جواب:... مقررہ شرح منافع کے ساتھ اور مقررہ میعاد کے لئے لوگوں سے رقم لینا ناجائز و حرام ہے،[1] قرآن و سنت کی رُو سے خالص سود۔ اور جائز یا ثواب سمجھ کر رقم جمع کرانا اس سے زیادہ گناہ ہے۔

لہٰذا ایسے تجارتی ادارہ میں رقم ہرگز جمع نہ کرائی جائے، ہم نے ایسے اداروں کے متعلق کئی مرتبہ لکھا تھا کہ مذکورہ طریقے سے رقم لینا اور دینا جائز نہیں ہے۔ اور یہ مسئلہ ایسا بھی نہیں کہ اس میں کسی کا اختلاف ہو، بلکہ متفقہ طور پر سودی کاروبار ہے، لیکن اگر جہالت اور ناواقفیت کی بنا پر اس میں ملوّث ہوئے ہیں یا ہو رہے ہیں تو بعض دیدہ و دانستہ شرعی حکم سے اغماض کر رہے ہیں۔

۱۰ ہزار روپے نقد دے کر ۱۵ ہزار روپے کرایہ کی رسیدیں لینا

سوال:... ہمارے بازار میں ایک شخص کو رقم کی ضرورت تھی، اس کی اپنی مارکیٹ ہے، جس میں چار دُکانیں ہیں، اور ایک دُکان کا کرایہ ۵۰۰ روپے ماہوار ہے، تو اس شخص کو بازار کے ایک دُکان دار نے ۱۰ ہزار روپے دیئے اور اس سے ۱۵ ہزار روپے کے کرایہ کی رسیدیں لے لیں، یعنی ۳۰ رسیدیں پانچ پانچ سو روپے کے کرایہ کی، یعنی ۵ ہزار روپے زیادہ لئے۔ اب یہ شخص تقریباً سات مہینے ان دُکانوں کا کرایہ وصول کرکے ۱۵ ہزار روپے وصول کرے گا۔ یہاں بازار میں تقریباً سارے دُکان دار کہتے ہیں کہ یہ سود ہے، لیکن یہ شخص کہتا ہے کہ یہ سود نہیں ہے، اس شخص نے حج بھی کیا ہے اور پانچ وقتہ نمازی بھی ہے۔

جواب:... جب اس شخص نے ۱۰ ہزار روپے کی جگہ ۱۵ ہزار روپے لے لیا ہے تو یہ سود نہیں تو اور کیا ہے...؟[2]

---

(۱) وأحل الله البيع وحرم الربٰوا. (البقرة:۲۷۵). الربا هو فضل خال عن عوض مشروط لأحد المتعاقدين في المعاوضة. (درمختار ج:۵ ص:۱۷۰، باب الربا). وفي الهداية: الربا هو الفضل المستحق لأحد المتعاقدين في المعاوضة الخالي عن عوض شرط فيه. (هداية ج:۳ ص:۸۰ باب الربا).

(۲) باب الربا هو فضل مال بلا عوض في معاوضة مال بمال أي فضل أحد المتجانسين على الآخر ...إلخ. (البحر الرائق ج:۶ ص:۱۳۵، طبع دار المعرفة بيروت). أيضًا: وهو في الشرع عبارة عن فضل مال لَا يقابله عوض في معاوضة مال بمال. (عالمگیری ج:۳ ص:۱۱۷، كتاب البيوع، الباب التاسع، الفصل السادس).

''اے.ٹی.آئی'' اکاؤنٹ میں رقم جمع کروانا

سوال:... گزشتہ کئی برسوں سے بینکوں نے ایک اسکیم جاری کی ہے، جس کا نام ''اے.ٹی.آئی'' ہے، اس اسکیم کے تحت ایک مقررہ رقم جو پچاس روپے سے کم نہ ہو، ۶۶ مہینے تک جمع کرائی جائے اور اس کے بعد ہمیشہ کے لئے اس رقم کے برابر منافع ہر ماہ حاصل کیا جائے، یہ اسکیم ہمیشہ سے لوگوں میں مقبول رہی ہے۔ میں قرآن و سنت کی روشنی میں آپ سے یہ پوچھنا چاہتا ہوں کہ کیا یہ اسکیم شرعی اعتبار سے جائز ہے؟ کیونکہ مجھے بھی اس اسکیم میں شامل ہونے کو کہا گیا تھا، لیکن اب تک میں اس میں شامل نہیں ہوں۔

جواب:... یہ اسکیم بھی سودی ہے، اس لئے جائز نہیں۔[1]

تجارتی مال کے لئے بینک کو سود دینا

سوال:... تجارتی مال دُوسرے ممالک سے بینک کے ذریعے منگوایا جاتا ہے، اور بینک کی بنیاد سود پر ہے، مال بھیجنے والا جب کاغذات تیار کر کے اپنے بینک میں جمع کراتا ہے تو ان کو یہاں بینک پہنچنے میں تقریباً ۸، ۱۰ روز لگ جاتے ہیں، یہاں کے بینک والے اس عرصے کا سود لیتے ہیں جو مجبوراً مال منگوانے والے کو دینا پڑتا ہے۔ آپ مہربانی فرما کر وضاحت فرمائیں کہ اگر بینک سے ہی کسی طریقے سے سود لے کر اسی کو یہ ۸، ۱۰ روز کا سود دے دیا جائے تو کیا ایسا کرنا جائز ہوگا؟

جواب:... سود لینے اور دینے کا گناہ ہوگا، استغفار کیا جائے۔[2]

کسی ادارے یا بینک میں رقم جمع کروانا کب جائز ہے؟

سوال:... اخبارات و اشتہارات میں مختلف کمپنیاں اور ادارے اشتہار دیتے ہیں کہ آپ ہمارے ساتھ سرمایہ کاری کریں، کوئی ۴ فیصد اور کوئی ۵ فیصد منافع دینے کا اقرار کرتا ہے۔ آیا ایسا منافع جائز ہے؟ بینک میں نفع و نقصان شراکت کھاتے سے حاصل شدہ منافع، این ڈی ایف سی اور نیشنل سیونگ اسکیم سے حاصل شدہ منافع جائز ہے؟ جبکہ ہمارا صرف روپیہ ہی لگا ہے، محنت نہیں۔

جواب:... ان دونوں سوالوں کا جواب سمجھنے کے لئے ایک اُصول سمجھ لیجئے۔ وہ یہ کہ جو روپیہ آپ کسی فرد، کمپنی یا ادارے کو کاروبار کے لئے دیں، اس کا منافع آپ کے لئے دو شرطوں کے ساتھ حلال ہے، وہ یہ کہ وہ کاروبار شرعاً جائز ہو، اگر کوئی ادارہ آپ کے روپے سے ناجائز کاروبار کرتا ہے تو اس کا منافع آپ کے لئے حلال نہیں۔[3] دُوسری شرط یہ ہے کہ اس ادارے نے آپ کے ساتھ منافع

---

(۱) گزشتہ صفحے کا حاشیہ نمبر ۱، ۲ ملاحظہ فرمائیں۔

(۲) عن جابر رضی اللہ عنہ قال: لعن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آکل الربا وموکلہ وکاتبہ وشاھدیہ وقال ھم سواء۔ (صحیح مسلم ج:۲ ص:۲۷ باب الربا)۔ عن عبداللہ بن حنظلۃ غسیل الملائکۃ قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: درھم الربا یأکلہ الرجل وھو یعلم أشد من ستّۃ وثلاثین زنیۃ۔ (مجمع الزوائد ج:۴ ص:۱۱۷ کتاب البیوع، باب ما جاء فی الربا)۔ وقال تعالٰی: أفلا یتوبون إلی اللہ ویستغفرونہ واللہ غفور رحیم۔ (المائدۃ:۷۴)۔

(۳) ما حرم فعلہ حرم طلبہ۔ (شرح المجلۃ ص:۳۴)۔

فیصد تقسیم کا اُصول طے کیا ہو۔[1] اگر منافع کی فیصد تقسیم کے بجائے آپ کو اصل رقم کا فیصد منافع دیتا ہے تو یہ حلال نہیں بلکہ شرعاً سود ہے۔[2]
اس اُصول کو آپ مذکورہ سوالوں پر منطبق کرلیجئے۔

پراویڈنٹ فنڈ پر اضافی رقم لینا

سوال:... ایک ملازم کسی ادارے میں کام کرتا ہے، اس کی تنخواہ سے جو بھی رقم کٹتی ہے تو ریٹائر ہونے کے بعد اس ادارے کی طرف سے کچھ زائد کٹوتی پر شامل کرکے دیا جاتا ہے، وہ سود ہے یا نہیں؟

جواب:... اگر ادارہ رقم تنخواہ سے زبردستی کاٹتا ہے اور اس پر منافع دیتا ہے تو یہ سود نہیں، اور اگر ملازم خود کٹواتا ہے تو اس پر منافع لینا جائز نہیں، سود ہے۔[3]

ملازمین کو جو رقم پراویڈنٹ فنڈ میں سود کے نام سے ملائی ہوئی ملتی ہے وہ جائز ہے

سوال:... میں پاکستان اسٹیل میں ملازم ہوں، پراویڈنٹ فنڈ میں جو رقم اِدارے کی طرف سے ملائی جاتی ہے، اس کو سود سمجھتے ہوئے میں نے درخواست اِدارے میں جمع کرادی تھی کہ مجھے سود سے بری الذمہ قرار دے دیا جائے، اور میرے پیسے میں سود نہ ملایا جائے، یعنی میں نے اس زائد رقم کو سود سمجھا، آپ کے ''جنگ'' میں شائع شدہ فتوے سے صحیح صورتِ حال کا علم ہوا، آنجناب اپنا فتویٰ دوبارہ تحریر فرمادیں کہ اسے اِدارے میں پیش کیا جاسکے۔

جواب:... پراویڈنٹ فنڈ کے مسئلے پر حضرت مفتی محمد شفیعؒ کا ایک رسالہ ہے، اس میں فرمایا ہے کہ ملازمین کا جو پراویڈنٹ فنڈ کاٹا جاتا ہے اور ملازمت سے فارغ ہونے کے بعد ان پر سود کے نام سے جو رقم دی جاتی ہے وہ شرعاً سود نہیں، لیکن اگر ملازم نے خود کٹوایا تو اس پر جو زائد رقم ''سود'' کے نام سے ملتی ہے، وہ سود تو نہیں، لیکن سود کے مشابہ ہے، اس سے اِحتراز کیا جائے تو بہتر ہے۔
میرے فتوے کے بجائے وہ رسالہ خرید کر پیش کیا جائے۔

پراویڈنٹ فنڈ کی رقم سے سودی قرض لینا

سوال:... ہم لوگ پی آئی اے میں ملازم ہیں، ہماری تنخواہ سے ہر ماہ کچھ رقم پراویڈنٹ فنڈ کے نام سے کاٹ لی جاتی ہے، اس رقم کے بارے میں یہ طریقۂ کار ہے کہ ہر سال جتنی رقم ہماری تنخواہ سے کاٹی جاتی ہے اتنی ہی رقم کارپوریشن اپنی طرف سے شامل

---

(۱) وشرطها ...... كون الربح بينهما شائعًا۔ (درمختار ج:۵ ص:۶۴۸، كتاب المضاربة، طبع سعيد). ومن شرطها أن يكون الربح بينهما مشاعًا لَا يستحق أحدهما دراهم مسماة من الربح لأن شرط ذلك يقطع الشركة بينهما ولَا بد منها كما هي في عقد الشركة۔ (الهداية، كتاب المضاربة ج:۳ ص:۲۵۸، طبع شركت علمية ملتان).
(۲) ومن شروطها كون نصيب المضارب من الربح حتى لو شرط له من رأس المال أو منه ومن الربح فسدت۔ (درمختار ج:۵ ص:۶۴۸). وفي جمع العلوم الربا شرعًا عبارة عن عقد فاسد ولم يكن فيه زيادة .. إلخ۔ (بحر الرائق ج:۶ ص:۱۲۵ باب الربا، طبع دار المعرفة، بيروت لبنان).
(۳) كفايت المفتي ج:۸ ص:۹۶ ديكهيں۔

کرلیتی ہے، اور پھر ان دونوں رُقوم پر سود مفرد لگایا جاتا ہے، نیز ملازمت کے روز سے لے کر اَب تک اس مد میں جمع شدہ کل رقم پر ہر سال سود مرکب بھی لگایا جاتا ہے، یہ عمل ہر سال ہوتا ہے، اگر کسی موقع پر ہم کارپوریشن سے قرض لیتے ہیں تو اس جمع شدہ رقم سے قرض دیا جاتا ہے اور پھر اصل رقم کے ساتھ سود کو واپس لیا جاتا ہے، جب ہم ملازمت چھوڑیں گے یا ریٹائرڈ ہوجائیں گے تو یہ رقم مع سود ہمیں مل جائے گی۔ کیا یہ طریقۂ کار قرآن وسنت کی روشنی میں دُرست ہے؟

جواب:... ''پراویڈنٹ فنڈ'' کے نام سے جو رقم کارپوریشن کی طرف سے دی جاتی ہے وہ تو جائز ہے،[1] لیکن اس رقم میں سے سودی قرض لینا دینا جائز نہیں۔[2]

پراویڈنٹ فنڈ میں جو اِضافی رقم شامل کی جاتی ہے وہ جائز ہے، لیکن اپنے اِستعمال میں نہ لانا بہتر ہے

سوال:... چند ماہ قبل پراویڈنٹ فنڈ کی رقم کے سلسلے میں ایک سوال کے جواب میں آپ کا یہ اِرشاد نظر سے گزرا تھا، آپ کا جواب ''جنگ'' اخبار میں چھپا تھا، پراویڈنٹ فنڈ کی رقم جو آجر اپنے ملازموں کو ریٹائرمنٹ پر دیتے ہیں کیا اس کا لینا اور اِستعمال کرنا جائز ہے؟ آپ کا جواب ''جائز'' ہے۔

میں ۳۱ر دسمبر ۱۹۹۴ء کو ملازمت سے ریٹائر ہوگیا ہوں، کمپنی والوں نے مجھے میرے پراویڈنٹ فنڈ کی تفصیل دی ہے، جو اس خط کے ساتھ منسلک کر رہا ہوں، اِطلاعاً عرض ہے کہ جو رقم فائدہ (Interest) کی شکل میں دِکھائی گئی ہے وہ میری اور کمپنی کی (Contributions) دونوں کو کمپنی نے اپنے ملازموں کو فائدہ پہنچانے کے لئے اپنے کاروبار میں لگاکر حاصل کی ہے، اور اس میں سے میرے حصے کی رقم تحریر کردی گئی ہے، اگر ممکن ہو تو اس خط کے پشت پر اَز راہِ کرم اپنا تفصیلی جواب کہ آیا منسلک شدہ کاغذ پر پراویڈنٹ فنڈ کی جو رقم درج ہے اسے میں اپنے مصرف میں لاسکتا ہوں کہ نہیں؟

جواب:... انگریزی تو یہ ناکارہ جانتا نہیں، اس لئے منسلکہ پرچہ تو میرے لئے بے کار ہے، باقی پراویڈنٹ فنڈ کے بارے میں مسئلہ وہی ہے جو لکھ چکا ہوں کہ اس میں جو اِضافی رقم شامل کی جاتی ہے، اس کا لینا جائز ہے، البتہ اس پر اگر سود کی رقم شامل کی گئی ہو تو بہتر یہ ہے کہ اس کو اپنے اِستعمال میں نہ لایا جائے، بلکہ کسی مستحق کو بغیر نیتِ ثواب کے دے دی جائے،[3] واللہ اعلم!

---

(۱) قوله بالتعجيل أو بشرطه أو بالإستيفاء أو بالتمكن يعني لا يملك الأجرة إلّا بواحد من هٰذه الأربعة، والمراد انه لا يستحقها الموجر إلّا بذٰلك۔ (البحر الرائق ج:۷ ص:۵۱۱ كتاب الإجارة، طبع رشيديه).

(۲) "وأحل الله البيع وحرم الربٰوا" (البقرة:۲۷۵)۔ كل قرض جر نفعًا فهو حرام۔ (رد المحتار، فصل في القرض ج:۵ ص:۱۶۶ طبع سعيد).

(۳) والحاصل: أنه إن علم أرباب الأموال وجب رده عليهم وإلّا فإن علم عين الحرام لا يحل له ويتصدق به بنية صاحبه۔ (فتاوىٰ شامي ج:۵ ص:۹۹، طبع سعيد)۔ ويتصدق بلا نية الثواب وينوي به براءة الذمة۔ (قواعد الفقه ص:۱۱۵).

متعین منافع کا کاروبار سودی ہے

سوال:… میں ذاتی طور پر سود کے خلاف ہوں اور کسی ایسے کاروبار میں قدم نہیں رکھتا جس میں سود کی آلائش کا اندیشہ ہو۔ میں ایک دو کمپنیوں میں رقم لگا کر حصہ دار کے طور پر شامل ہونا چاہتا ہوں، مثلاً: تاج کمپنی یا قرآن کمپنی۔ ایک تو یہ کمپنیاں قرآن شریف اور دینی کتب کی اشاعت جیسا نیک کام کر رہی ہیں اور منافع بھی اچھا دیتی ہیں، ان کی شرائط یہ ہیں کہ کم از کم تین سال کے لئے جتنی مرضی ہو رقم جمع کرائیں، رقم کے مطابق انہوں نے مختلف منافع کی شرحیں مقرر کر رکھی ہیں، جو وہ باقاعدگی سے ماہانہ، سہ ماہی، ششماہی یا سالانہ (جیسے مرضی ہو) کے حساب سے بھیجتے ہیں۔ اب میری سمجھ میں نہیں آرہا کہ اگر ان کے کاروبار میں رقم جمع کرواکر شراکت کرکے میں کسی مقررہ شرح پر (جو کہ انہوں نے خود مقرر کی ہے) منافع لوں تو یہ کاروبار سودی ہوگا یا کہ شرعی حساب سے جائز منافع ہوگا؟ مجھے یقین ہے کہ آپ ان کمپنیوں سے واقف ہوں گے اور معاملے میں مجھے صحیح راہ دکھائیں گے۔

جواب:… جو کمپنیاں متعین منافع دیتی ہیں، یہ منافع سود ہے۔[1] تاج کمپنی کا طریقۂ کار میں نے دیکھا ہے، وہ خالص سودی کاروبار ہے۔

نوٹوں کا ہار پہنانے والے کو اس کے عوض زیادہ پیسے دینا

سوال:… ہمارے معاشرے میں شادی کی دُوسری رُسومات کے علاوہ ایک یہ بھی رسم ہے کہ سالے کی شادی میں بہنوئی اپنے سالے کو نوٹوں کا ہار پہناتا ہے، اور پھر شادی کے بعد دُولہا کا باپ اس ہار کے عوض ڈبل پیسے ادا کرتا ہے، یعنی اگر بہنوئی ۵۰۰ روپے کا ہار ڈالتا ہے تو اسے ۱۰۰۰ روپے دیئے جاتے ہیں، اور لوگ ڈبل پیسے کے لالچ میں مہنگا ہار پہناتے ہیں۔ آپ سے گزارش ہے کہ اس سوال کا جواب حدیث و قرآن کی روشنی میں دیں کہ یہ ڈبل پیسے دینا جائز ہے یا ناجائز؟ اس میں گنہگار دینے والا ہوگا یا لینے والا یا دونوں ہوں گے؟

جواب:… یہ تو اچھا خاصا سودی کاروبار ہے، جو بہت سے مفاسد کا مجموعہ بھی ہے۔

ریزگاری میں اُدھار جائز نہیں

سوال:… کیا ریزگاری کی ادائیگی ایک ہی مجلس میں ضروری ہے؟ مثلاً ریزگاری دینے والے شخص نے سو روپے کے نوٹ تو لے لئے مگر ریزگاری دُوسرے دن ادا کی تو کیا یہ دُرست ہے؟

جواب:… یہ شرعاً دُرست نہیں، سو روپے اس کے پاس امانت چھوڑ دے، جب ریزگاری آئے تب معاملہ کرے۔[2]

---

(۱) ومنها أن يكون نصيب المضارب من الربح معلومًا على وجه لَا تنقطع به الشركة في الربح، كذا في المحيط۔ فإن قال على أن لک من الربح مائة درهم أو شرط مع النصف أو الثلث عشرة دراهم لَا تصح المضاربة، كذا في محيط السرخسي۔ (عالمگیری ج:۴ ص:۲۸۷ كتاب المضاربة، طبع رشيديه كوئٹه)۔

(۲) قوله وحرم الفضل والنسآء بهما أى بالقدر والجنس لوجود العلة بتمامها۔ (البحر الرائق ج:۶ ص:۱۳۹، باب الربا)۔

روپوں کا روپوں کے ساتھ تبادلہ کرنا

سوال:- کیا روپوں کا روپوں کے ساتھ تبادلہ جائز ہے یا ناجائز؟ اور اگر جائز ہے تو کیا لینے والا اس کے بدلے میں روپے ایک دن کے بعد دے سکتا ہے یا ضروری ہے کہ اسی وقت دینا چاہئے؟ اور اگر اس وقت دینا ضروری ہے تو کسی کے پاس اس وقت نہ ہوں تو کیا یہ حرام ہوگا یا حلال؟ براہِ مہربانی قرآن وحدیث کی روشنی میں بتلائیے۔

جواب:... روپوں کا تبادلہ روپوں کے ساتھ جائز ہے، مگر رقم دونوں طرف برابر ہو، کمی جائز نہیں، اور دونوں طرف سے نقد معاملہ ہو، اُدھار بھی جائز نہیں۔ (۱)

سوال:... اگر کسی کے پاس اس وقت رقم نہ ہو تو کوئی ایسی صورت ہے جس کی وجہ سے وہ رقم (روپے) ابھی لے لے اور اس کے بدلے میں رقم (روپے) بعد میں دے؟

جواب:... رقم قرض لے لے، بعد میں قرض ادا کردے۔ (۲)

بینک میں رقم جمع کروانا جائز ہے

سوال:... بینک میں رقم جمع کروانا کیسا ہے؟ اگر ٹھیک ہے تو سود کی اعانت تو نہیں؟ جو زکوٰۃ حکومت کاٹتی ہے، شرعی طور پر ادا ہو جاتی ہے یا کہ نہیں؟

جواب:... بینک میں رقم جمع کرانا سود میں اعانت تو بلاشبہ ہے، مگر اس زمانے میں بڑی رقم کی حفاظت بینک کے بغیر دُشوار ہے، اس لئے بامرِ مجبوری جمع کروانا جائز ہے، (۳) اور اگر لاکر میں رقم رکھوائی جائے تو بہت اچھا ہے۔

گاڑی بینک خرید کر منافع پر بیچ دے تو جائز ہے

سوال:... "الف" ۳۰ ہزار روپے قیمت کی گاڑی خریدنا چاہتا ہے، مبلغ ۳۰ ہزار اس کے پاس نہیں ہیں، گاڑی کی اصل قیمت کا بل بنوا کر "الف" بینک میں جاتا ہے، بینک ۳۰ ہزار کی گاڑی خرید کر ۵ ہزار روپے منافع پر یعنی ۳۵ ہزار روپے میں یہ گاڑی "الف" کو بیچ دیتا ہے۔ "الف" گاڑی کی قیمت ۳۵ ہزار روپے اقساط میں ادا کرتا ہے، یعنی ۵ ہزار روپے "الف" نے ایڈوانس دے کر گاڑی اپنے قبضے میں لے لی ہے، بقیہ ۳۰ ہزار روپے دس قسطوں میں ۳ ہزار روپے ماہانہ ادا کرے گا۔ کیا اس صورت میں ۵ ہزار روپے بینک کے لئے سود ہوگا یا نہیں؟ ایسا کاروبار کرنا شرعی طور پر جائز ہے یا نہیں؟ برائے مہربانی تفصیل سے بتائیے۔

جواب:... اس معاملے کی دو صورتیں ہیں:

اوّل:... یہ ہے کہ بینک ۳۰ ہزار روپے میں گاڑی خرید کر اس کو ۳۵ ہزار روپے میں فروخت کردے، یعنی کمپنی سے سودا

---

(۱) فإن وجدا حرم الفضل أی الزيادة والنساء. (الدر المختار، كتاب البيوع، باب الربا ج:۵ ص:۱۷۲، طبع سعيد).

(۲) ويجوز القرض فی الفلوس لأنها من العدديات المتقاربة كالجوز والبيض. (بدائع ج:۳ ص:۳۹۵، طبع سعيد).

(۳) الضرورات تبيح المحظورات. (الأشباه والنظائر ج:۱ ص:۸۵، طبع إدارة القرآن).

بینک کرے اور گاڑی خریدنے کے بعد اس شخص کے پاس فروخت کرے، یہ صورت تو جائز ہے۔

دوم:... یہ ہے کہ گاڑی تو "الف" نے خریدی اور اس گاڑی کا بل ادا کرنے کے لئے بینک سے قرض لیا، بینک نے ۳۰ ہزار روپے پر ۵ ہزار روپے سود لگا کر اس کو قرض دے دیا، یہ صورت ناجائز ہے۔[۱] آپ نے جو صورت لکھی ہے وہ دُوسری صورت سے ملتی جلتی ہے، اس لئے یہ جائز نہیں۔

بینک کے ذریعے باہر سے مال منگوانا

سوال:... باہر سے مال منگوانے کی صورت میں بینک کے ذریعہ کام کرنا پڑتا ہے، جس میں یہاں بینک میں "ایل سی" کھولنا پڑتی ہے، جس میں مال کی مالیت کا کچھ فیصد بینک میں فی الفور ادا کرنا پڑتا ہے، بقایا رقم بینک خود دیتا ہے، جو رقم بینک لگاتا ہے، بینک اس پر سود لیتا ہے، شرعاً اس کا کیا جواز ہے؟

جواب:... اس سوال کا جواب معلوم کرنے کے لئے یہ دیکھنا ضروری ہے کہ بینک کی حیثیت کیا ہے؟ کیا وہ مال منگوانے والوں کے وکیل کی حیثیت سے مال منگواتا ہے یا خود خریدار کی حیثیت سے مال منگوا کر ان کو دیتا ہے؟ سوال میں ذکر کیا گیا ہے کہ: "بقایا رقم بینک خود دیتا ہے" اس سے معلوم ہوتا ہے کہ بینک اس چیز کو خود خریدار کی حیثیت سے منگواتا ہے اور اس پر نفع لے کر اس شخص کے پاس فروخت کرتا ہے، اگر یہ صورت ہو تو شرعاً جائز ہے۔[۲] دُوسرے اہلِ علم سے بھی ان کی رائے معلوم کرلی جائے۔

باہر کے بینکوں میں اکاؤنٹ ہو، تو کیا اُن سے سود لے لینا چاہئے؟

سوال:... باہر کے بینکوں میں ڈالر اکاؤنٹ میں ہماری رقم پڑی ہوئی ہے، اس پر ۴ سے ۵ فیصد تک سود ملتا ہے، اس سود کو اس بینک سے لینا چاہئے یا نہیں؟ آپ ہمیں تفصیلی جواب عنایت فرمائیں، اگر جواب "لینے میں ہو" تو اس کا اِستعمال کہاں کرنا چاہئے؟

جواب:... سود لینا تو حرام ہے، البتہ اگر یہ خیال ہو کہ وہ بینک اس سود کی رقم کو اسلام کش وسائل پر خرچ کریں گے تو بینک سے نکلوا کر کسی محتاج کو بغیر نیتِ صدقہ کے دے دی جائے۔[۳]

اگر کسی کو تنخواہ لانے میں خوف محسوس ہو تو کیا وہ بینک کے ذریعے لے سکتا ہے؟

سوال:... آج کے حالات میں زیادہ رقم کو ایک جگہ سے دُوسری جگہ لے کر جانا خطرے سے خالی نہیں، اگر کسی شخص کی تنخواہ اتنی زیادہ ہو کہ اسے لاتے لے جاتے خوف محسوس ہوتا ہو، تو کیا ایسی صورت میں وہ رقم بذریعہ بینک حاصل کرسکتا ہے؟

---

(۱) کل قرض جر نفعًا فهو ربًا۔ (ردالمحتار ج:۵ ص:۱۶۶، مطلب کل قرض جرّ نفعًا حرام)۔

(۲) المرابحة نقل ما ملكه بالعقد الأوّل بالثمن الأوّل مع زيادة ربح .... والبيعان جائزان لِاستجماع شرائط الجواز والحاجة ماسة ... إلخ۔ (هداية، كتاب البيوع، باب المرابحة والتولية ج:۳ ص:۴۷)۔

(۳) لأن سبيل الخبيث التصدق إذا تعذر الرد على صاحبه۔ (رد المحتار ج:۶ ص:۳۸۵ كتاب الحظر والإباحة، فصل في البيع)۔ ويتصدق بلا نية الثواب وينوي به براءة الذمة۔ (قواعد الفقه ص:۱۱۵، طبع صدف پبلشرز کراچی)۔

جواب:... بینک کے ذریعے رقم لینا صحیح ہے۔

کیا غیرمسلموں سے سود لینا جائز ہے؟

سوال: ہمارے اِمام صاحب کا کہنا ہے کہ غیرمسلموں سے سود لینا دُرست ہے، کیونکہ اگر ان سے یہ رقم نہ لیں تو وہ ایک غیرمسلم کو مالی لحاظ سے مستحکم کرنے کی وجہ بن جاتا ہے، اس سلسلے میں آنجناب کی کیا رائے ہے؟

جواب:... آپ کے اِمام صاحب کا مسئلہ اُن کو معلوم ہوگا، مجھے معلوم نہیں، واللہ اعلم!

بینک وغیرہ سے سود لینا دینا

سود کو حلال قرار دینے کی نام نہاد مجدّدانہ کوشش پر علمی بحث

سوال:... ''لندن میں ایک عیسائی دوست نے مشورہ دیا کہ میں ایک مسلم علاقے میں شراب کی دُکان کھول لوں، اور اس کا نام ''مسلم وائن شاپ'' رکھوں۔ میں کچھ دیر کے لئے حیرت زدہ رہ گیا، مگر جلد ہی اس سے مخاطب ہوا کہ بھائی! میرے لئے شراب کا کاروبار کرنا حرام ہے، مزید برآں آپ اس دُکان کا نام بھی ''مسلم وائن شاپ'' (شراب کی اسلامی دُکان) رکھوا رہے ہیں! عیسائی دوست ایک طنز آمیز مسکراہٹ کے ساتھ گویا ہوا کہ: ''اگر سود کا کاروبار کیا جاسکتا ہے اور وہ بھی ''مسلم کمرشل بینک'' کے نام سے، تو یہ بھی کیا جاسکتا ہے'' اس دوست نے مجھے لاجواب کردیا۔''

یہ ایک مسلمان کے خط کا اقتباس ہے جو ''اخبارِ جہاں'' کے ایک شمارے میں شائع ہوا تھا، اس عیسائی دوست نے طنز کا جو نشتر ایک مسلمان کے جگر میں پیوست کیا ہے، اس کی چبھن ہر ذی حس مسلمان اپنے دِل میں محسوس کرے گا، لیکن کیا کیجئے ہماری بدعملی نے عقل و فہم ہی کو نہیں، ملّی غیرت و حمیت اور احساس کو بھی کچل کر رکھ دیا ہے۔ ڈُوب مرنے کا مقام ہے کہ ایک عیسائی، مسلمانوں پر یہ فقرہ چست کرتا ہے کہ ''اسلامی بینک'' کے نام سے سود کی دُکان کھل سکتی ہے تو ''اسلامی شراب خانہ'' کے نام سے شراب خانہ خراب کی دُکان کیوں نہیں کھل سکتی؟ لیکن ہمارے دور کے ''پڑھے لکھے مجتہدین'' اس پر شرمانے کے بجائے بڑی جسارت سے سود کے حلال ہونے کا فتویٰ صادر فرمادیتے ہیں۔ پاکستان میں وقتاً فوقتاً سود کے جواز پر موشگافیاں ہوتی رہتی ہیں، کبھی یونیورسٹیوں کے دانشور سود کے نئے راستہ نکالتے ہیں، تو کبھی کوئی جسٹس صاحب ربا کی اقسام پر بحث فرماتے ہوئے ایک خاص نوعیت کے سود کو جائز گردانتے ہیں۔ جناب کا ان موشگافیوں کے متعلق ایک مفتی اور محدث کی حیثیت سے کیا ردِّ عمل ہے؟

جواب: قریباً ایک صدی سے جب سے غلام ہندوستان پر مغرب کی سرمایہ داری کا عفریت مسلط ہوا، ہمارے مجتہدین سود کو ''اسلامی سود'' میں تبدیل کرنے کے لئے بے چین نظر آتے ہیں، اور بعض اوقات وہ ایسے مضحکہ خیز دلائل پیش کرتے ہیں جنھیں پڑھ کر اقبال مرحوم کا مصرع:

''تم تو وہ ہو جنھیں دیکھ کے شرمائیں یہود!''

یاد آجاتا ہے۔ ہمارے قریبی دور میں ایوب خان کے زیرِ سایہ جناب ڈاکٹر فضل الرحمٰن صاحب نے سود کو ''اسلامیانے'' کی مہم شروع فرمائی تھی، جس کی نحوست یہ ہوئی کہ ڈاکٹر فضل الرحمٰن صاحب اپنے فلسفۂ تجدد کے ساتھ ایوب خان کے اقتدار کو بھی لے ڈُوبے۔ اب نئی

حکومت نے اسلام کے نظامِ معاشیات کی طرف پیش رفت کا ارادہ کیا، ابھی اس سمت قدم اُٹھنے نہیں پائے تھے کہ ہمارے لکھے پڑھے مجتہدوں کی جانب سے ''الامان والحفیظ'' کی پکار شروع ہوگئی۔ ان حضرات کے نزدیک اگر انگریز کا نظامِ کفر مسلط رہے تو مضائقہ نہیں، مغرب کا سرمایہ داری نظام قوم کا خون چوس چوس کر ان کی زندگی کو سراپا عذاب بنادے تو کوئی پروا نہیں، کمیونسٹوں کا ملحدانہ نظام انسانوں کو بھیڑ بکریوں کی صف میں شامل کردے تو کوئی حرج نہیں۔ لیکن اسلام کے عادلانہ نظام کا اگر کوئی نام بھی بھولے سے لے ڈالے تو خطرات کا مہیب جنگل ان کے سامنے آکھڑا ہوتا ہے، گویا ان کے ذہن کا معدہ دورِ فساد کی ہر گلی سڑی غذا کو قبول کرسکتا ہے، نہیں قبول کرسکتا تو بس اسلام کو، اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ

اس موضوع پر چندون پہلے عالی جناب جسٹس (ریٹائرڈ) قدیر الدین صاحب کا ایک مضمون دو قسطوں میں ''ربا قطعی حرام ہے'' کے زیرِ عنوان کراچی کے روزنامہ ''جنگ'' میں شائع ہوا، معلوم نہیں جناب جسٹس صاحب کا اسلامی مطالعہ کس حد تک وسیع ہے؟ وہ دورِ جدید کے کس اجتہادی مکتبِ فکر سے وابستہ ہیں؟ اور خود آں موصوف کو منصبِ اجتہاد پر سرفرازی کا شرف کب سے حاصل ہوا ہے؟ لیکن ہمارے مجتہدین اپنے دعوے کو جس قسم کے دلائل سے آراستہ کرنے کے خوگر ہیں، افسوس ہے کہ موصوف کا معیارِ استدلال ان سے کچھ زیادہ بلند نہیں ہے۔ بلکہ اس مضمون میں علم و فہم کی وہ ساری بوالعجبیاں موجود ہیں، جو ہمارے نومشق مجتہدین کا طرۂ امتیاز ہے۔

ان کی تحریر پڑھ کر قاری کو جو سب سے بڑی مشکل پیش آتی ہے وہ یہ کہ جسٹس صاحب ''ربا قطعی حرام ہے'' کا عنوان دے کر آخر کیا کہنا چاہتے ہیں؟ وہ کبھی یہ فرماتے ہیں کہ ہماری زبان میں جس چیز کو ''سود'' کہا جاتا ہے، وہ ''ربا'' نہیں۔ کبھی یہ بتاتے ہیں کہ بینکوں کے ''سود'' کو دورِ جدید کے بعض علماء نے حلال و مطہر قرار دیا ہے۔ کبھی یہ سمجھاتے ہیں کہ متقدمین بھی ''سود'' کی بعض صورتوں کو جائز قرار دیتے تھے۔ کبھی سود کی حرمت کو تسلیم فرماکر ''نظریۂ ضرورت'' ایجاد فرماتے ہیں۔ کبھی یہ وعظ فرماتے ہیں کہ اگر مسلمانوں نے ''سود'' چھوڑنے کی غلطی کی تو خدانخواستہ ہماری معیشت تلپٹ ہوجائے گی، وغیرہ وغیرہ۔

ایک جسٹس جو برسہا برس تک عدالتِ عالیہ کی کرسی پر رونق افروز رہا ہو، جس کی ساری عمر ماشاء اللہ انگریزی قانون کی موشگافیوں میں گزری ہو، اور سچ جھوٹ کے درمیان امتیاز جس کی خوبی بن گئی ہو، کیا اس سے ایسی ژولیدہ فکری کی توقع کی جاسکتی ہے...؟

جسٹس صاحب کو پہلے دوٹوک بتانا چاہئے تھا کہ وہ بینک کے سود کو حرام سمجھتے ہیں یا حلال اور مطہر؟ اگر حرام سمجھتے ہیں تو ان کی یہ ساری کہانی غیرمتعلق ہوجاتی ہے کہ سود کی فلاں فلاں قسمیں... معاذ اللہ... حلال بھی تجی ٹی ہیں۔ اس صورت میں ان کا فرض یہ تھا کہ وہ ہمیں بتاتے کہ وہ کون کون سے اضطراری حالات ہیں جن کی بناپر وہ بینکوں کو اس حرام خوری کی ''رُخصت'' عطا فرما رہے ہیں۔ اور اگر وہ بینک کے سود کو ''حلال و مطہر'' سمجھتے ہیں تو ان کی نظریۂ ضرورت و رُخصت کی بحث قطعاً لغو اور غیرمتعلق بن جاتی ہے۔ اس صورت میں انہیں یہ بتانا چاہئے تھا کہ قرآن و سنت کے وہ کون کون سے دلائل ہیں جن سے بینک کے ''سود'' کا تقدس ثابت ہوتا ہے۔ آخر دُنیا کا کون عاقل ہے جو ایک پاک اور حلال چیز کا جواز ثابت کرنے کے لئے ''اضطرار'' کی بحث شروع کردے...؟

خلاصہ یہ کہ موصوف کے مضمون سے قاری کو یہ سمجھنا مشکل ہوجاتا ہے کہ ان کا دعویٰ کیا ہے اور وہ کس چیز کو ثابت کرنے کے

درپے ہیں؟ اس طرح ان کا سارا مضمون ایک مبہم دعویٰ کے اثبات میں فکری انتشار کا شاہکار بن کر رہ جاتا ہے۔

دعویٰ کے بعد دلائل پر نظر ڈالیے تو اس میں بھی افسوسناک غلط فہمیاں نظر آتی ہیں، سب سے پہلے انہوں نے ''مقصدِ کلام'' کے عنوان سے ''رُخصت'' کی بحث چھیڑی ہے، اور چلتے چلتے وہ یہ تک لکھ گئے ہیں:

''بڑے بڑے علمائے دِین نے بھی اس حقیقت کو پہچانا ہے اور ''ربا'' (یا سود) کے معاملے میں مجبوری بلکہ خاص حالات میں ''رُخصت'' یا ''اجازت'' کو تسلیم کیا ہے۔''

جسٹس صاحب کا یہ فقرہ میرے لئے ''جدید اِنکشاف'' کی حیثیت رکھتا ہے، مجھے معلوم نہیں وہ کون کون ''بڑے بڑے علماء'' ہیں جنھوں نے ''خاص حالت'' میں سود لینے کا فتویٰ صادر فرمایا ہے۔ اگر جناب جسٹس صاحب اس موقع پر ان ''بڑے بڑے علماء'' کے ایک دو فتوے بھی نقل کردیتے تو نہ صرف ہماری معلومات میں اضافہ ہوتا، بلکہ ان کا ہولناک دعویٰ ''خالی دعویٰ'' نہ رہتا۔

رُخصت کی بحث:

رُخصت اور اضطرار کی بحث میں فاضل جج صاحب نے جو کچھ لکھا ہے، اسے ایک نظر دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ موصوف نہ تو ''اضطرار'' اور ''رُخصت'' کی حقیقت سے واقف ہیں، نہ ''رُخصت'' کے مدارج اور ان کے الگ الگ اَحکام ہی انہیں معلوم ہیں، نہ انہوں نے اس کے لئے فقہ و اُصول کے ابتدائی رسالوں ہی کو دیکھنے کی زحمت فرمائی ہے، انہوں نے کہیں سے سن لیا کہ مجبوری کی حالت میں حرام کھانے کی بھی اجازت ہے، اس کے بعد سود کھانے کی مجبوری کا سارا افسانہ ان کے اِجتہاد نے خود ہی تراش لیا۔

اسلام کی نظر میں سودخوری کس قدر گھناؤنا اخلاقی، معاشی اور معاشرتی جرم ہے، اس کا اندازہ اس حقیقت سے کیا جاسکتا ہے کہ زنا اور قتل ایسے افعالِ شنیعہ پر بھی وہ لرزہ خیز سزا نہیں سنائی گئی جو سودخوری پر سنائی گئی ہے، قرآنِ کریم میں مسلمانوں کو خطاب کرکے کہا گیا ہے:

"یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللهَ وَذَرُوْا مَا بَقِیَ مِنَ الرِّبٰوٓا اِنْ کُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ، فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا فَاْذَنُوْا بِحَرْبٍ مِّنَ اللهِ وَرَسُوْلِهٖ" (البقرۃ:۲۷۸، ۲۷۹)

ترجمہ:... ''اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور سود کا جو بقایا رہتا ہے اسے یک لخت چھوڑ دو، اگر تم مسلمان ہو۔ اور اگر تم ایسا نہیں کرتے تو خدا اور اس کے رسول کی طرف سے اعلانِ جنگ سن لو!''

تمام بد سے بدتر کبیرہ گناہوں کی فہرست سامنے رکھو اور دیکھو کہ کیا کسی گنہگار کے خلاف خدا اور رسول کی طرف سے اعلانِ جنگ کیا گیا ہے؟ اور پھر یہ سوچو کہ جس بدبخت کے خلاف خدا اور رسول میدانِ جنگ میں اُتر آئیں اس کی شورہ بختی کا کیا حشر ہوگا؟ اس کو خدائی عذاب کے کوڑے سے کون بچاسکتا ہے؟ اور اس بدترین مجرم کو جو خدا اور رسول کے ساتھ جنگ لڑ رہا ہے، کون عقل مند ''اُصولِ رُخصت'' کا پروانہ لاکر دے سکتا ہے...؟

یہاں یہ نکتہ بھی یاد رہنا چاہئے کہ جو شخص انفرادی طور پر سودخوری کے جرم کا مرتکب ہے وہ انفرادی حیثیت سے خدا اور رسول کے خلاف میدانِ جنگ میں ہے، اور اگر یہ جرم انفرادی دائرے سے نکل کر اجتماعی جرم بن جائے اور مجموعی طور پر پورا معاشرہ اس سنگین

جرم کا ارتکاب کرنے لگے تو خدائی عذاب کا کوڑا پورے معاشرے پر برسنے لگے گا، اور دُنیا کا کوئی بہادر ایسا نہ ہوگا جو اس جرم کے ارتکاب کے باوجود اس معاشرے کو خدا کے عذاب سے نکال لائے۔

یہ بدنصیب ملک ابتدا ہی سے خدا اور رسول کے خلاف بڑی ڈھٹائی سے مسلح جنگ لڑ رہا ہے، اس پر چاروں طرف سے خدائی قہر و غضب کے کوڑے برس رہے ہیں، "فَصَبَّ عَلَيْهِمْ رَبُّكَ سَوْطَ عَذَابٍ" کا منظر آج ہر شخص کو کھلی آنکھوں نظر آرہا ہے۔ ملک ستر ارب روپے کا مقروض ہے، نوّے ہزار جوان ذلیل بنیوں کے ہاتھ میں قیدی بنا چکا ہے، دِلوں کا سکون چھن چکا ہے، راتوں کی نیند حرام ہوچکی ہے، سب کچھ ہوتے ہوئے بھی "روٹی، روٹی" کی پکار چاروں طرف سے سنائی دے رہی ہے، لیکن وائے حسرت اور بدبختی کہ اب بھی عبرت نہیں ہوتی، بلکہ ہمارے نومجتہد صاحب پروانۂ "رُخصت" لئے پہنچ جاتے ہیں۔ اور حالات کی دُہائی دے کر سود کو حلال کرنے کے لئے ذہانت طباعی کے جوہر دِکھاتے ہیں۔ قرآنِ کریم، خدا اور رسول کے ساتھ "صلح" کو سود چھوڑ دینے کے ساتھ مشروط کرتا ہے، اور جو لوگ سود چھوڑ دینے کا اعلان نہ کریں انہیں مسلمان ہی تسلیم نہیں کرتا، لیکن محترم جسٹس صاحب فرماتے ہیں کہ سود بھی کھاؤ اور مسلمان بھی رہو، سود کا لین دین خوب کرو اور میدانِ جنگ میں خدائی عذاب کے ایٹم بم سے حفاظت کے لئے اُصولِ رُخصت کی خانہ ساز ڈھال جسٹس صاحب سے لیتے جاؤ...!

جسٹس صاحب بتائیں کہ "سودخور" کے خلاف تو قرآنِ کریم اعلانِ جنگ کرچکا ہے، قرآنِ کریم کی وہ کون سی آیت ہے جس میں یہ بتایا گیا ہے کہ ان کی خودساختہ مجبوری میں "سودخور" کی "صلح" خدا اور رسول سے ہوسکتی ہے اور حالات کا بہانہ بناکر خدا اور رسول کو میدانِ جنگ سے واپس کیا جاسکتا ہے؟ انہیں "الف"، "ب"، "ج" کے برخود غلط حوالے دینے کے بجائے قرآنِ کریم کے حوالے سے بتانا چاہئے تھا کہ اس اعلانِ جنگ سے فلاں فلاں صورتیں مستثنیٰ ہیں۔ جسٹس صاحب کو معلوم ہونا چاہئے کہ "سودخور" بہ نصِ قرآن، خدا اور رسول سے جنگ لڑ رہا ہے، خواہ امریکہ کا باشندہ ہو یا پاکستان کا، اس کی صلح خدا اور رسول سے نہیں ہوسکتی، جب تک وہ اپنے اس بدترین جرم سے باز آنے کا عہد نہیں کرتا۔ نہ آپ کی نام نہاد "رُخصت" کا تارِ عنکبوت اسے خدائی گرفت سے بچاسکتا ہے۔

قرآنِ کریم کے بعد حدیثِ نبوی کو لیجئے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نہ صرف سود کھانے، کھلانے والوں پر بلکہ اس کے کاتب و شاہد پر بھی لعنت کی بددُعا کی ہے، اور انہیں راندۂ بارگاہِ خداوندی ٹھہرایا ہے:

"عن علی رضی الله عنه أنه سمع رسول الله صلی الله علیه وسلم لعن آکل الربا أو موکله و کاتبه۔" (مشکوٰۃ ص:۲۴۶)

ایک حدیث میں ارشاد ہے کہ:

"عن عبدالله بن حنظلة غسیل الملائکة قال: قال رسول الله صلی الله علیه وسلم: درهم ربا یأکله الرجل وهو یعلم أشد من ستة وثلاثین زنیةً۔" (مشکوٰۃ ص:۲۴۶)

ترجمہ:... "سود کا ایک درہم کھانا ۳۶ بار زنا کرنے سے بدتر ہے۔"

اور ایک حدیث میں ہے کہ:

"عن أبی هريرة رضی الله عنه قال: قال رسول الله صلی الله عليه وسلم: الربا سبعون جزءً أيسرها أن ينكح الرجل أمه." (مشکوۃ ص:۲۴۶)

ترجمہ:... "سود کے ستر درجے ہیں، اور سب سے ادنیٰ درجہ یہ ہے کہ کوئی شخص اپنی ماں سے منہ کالا کرے۔"

جسٹس صاحب فرمائیں! کہ کیا دُنیا کا کوئی عاقل "مجبوری" کے بہانے سے لعنت خریدنے، ۳۶ بار زنا کرنے اور اپنی ماں سے منہ کالا کرنے کی "رُخصت" دے سکتا ہے...؟

جسٹس صاحب کو معلوم ہی نہیں کہ "مجبوری" کسے کہتے ہیں؟ اور آیا جس مجبوری کی حالت میں مردار کھانے کی "رُخصت" دی گئی ہے، وہ مجبوری پاکستان کے کسی ایک فرد کو بھی لاحق ہے...؟

دینیات کا معمولی طالب علم بھی جانتا ہے کہ جس "مجبوری" میں مردار کھانے کی اجازت دی گئی ہے وہ یہ ہے کہ کوئی شخص کئی دن کے متواتر فاقے کی وجہ سے جاں بلب ہو اور اسے خدا کی زمین پر کوئی پاک چیز ایسی نہ مل سکے جس سے وہ تن بدن کا رشتہ قائم رکھ سکے، تو اس کے لئے سدِرمق کی بقدر حرام چیز کھا کر اپنی جان بچانے کی اجازت ہے، اور اس میں قرآنِ کریم نے "غَيْرَ بَاغٍ وَّلَا عَادٍ" کی کڑی شرط لگا رکھی ہے۔

یہ ہے وہ "اُصولِ ضرورت"، جس کو جسٹس صاحب کا "آزاد اِجتہاد" کروڑپتی سیٹھ صاحبان پر چسپاں کر رہا ہے۔ جسٹس صاحب بتائیں کہ پاکستانی سودخوروں میں کون ایسا ہے جس پر "تین دن سے زیادہ فاقہ" گزر رہا ہو اور اسے جان بچانے کے لئے گھاس، ترکاری بھی میسر نہ ہو...؟

مضاربت کا کاروبار کرنے والے بینک میں رقم جمع کرانا

سوال:... یہاں بینک میں ایک رقم ایسی بھی جمع کرتے ہیں جس کو بینک والے تجارت میں لگاتے ہیں، اور دِکھاتے بھی ہیں کہ فلاں تجارت میں پیسہ لگادیا گیا ہے، اور پیسے جمع کرنے والے کو نفع اور نقصان دونوں میں شریک سمجھا جاتا ہے، اگر نقصان ہو تو پیسہ کاٹتے ہیں اور نفع ہو تو نفع دیتے ہیں، کیا یہ نفع لینا جائز ہے اور کیا یہ مضاربت کے حکم میں داخل ہے؟

جواب:... اگر اس رقم کو مضاربت کے صحیح اُصولوں کے مطابق تجارت میں لگایا جاتا ہے تو جائز ہے،[1] لیکن اگر محض نام ہی نام ہے، تو نام کے بدلنے سے اَحکام نہیں بدلتے۔

سود کے بغیر بینک میں رکھا ہوا پیسہ حلال ہے

سوال:... بینک میں ہمارے پیسے پر جو سود ملتا ہے اگر ہم اسے علیحدہ کرکے کسی ضرورت مند کو دے دیں، زکوۃ یا صدقے کی

---

(۱) ومن شرطها أن يكون الربح بينهما مشاعًا لا يستحق أحدهما دراهم مسماة من الربح لأن شرط ذالک يقطع الشركة بينهما۔ (هداية ج:۳ ص:۲۵۸ كتاب المضاربة)۔

نیت سے نہیں بلکہ صرف سود کے پیسوں سے نجات حاصل کرنے کے لئے، تو کیا باقی ماندہ ہمارا پیسہ جو کہ بینک میں ہے، حلال ہے یا نہیں؟ یعنی وہ پیسہ سود کی شرکت سے پاک ہوگیا یا نہیں؟

جواب:... یہ طریقہ صحیح ہے، باقی ماندہ پیسہ آپ کا حلال ہے۔

مقرّرہ رقم، مقرّرہ وقت کے لئے کسی کمپنی کو دے کر، مقرّرہ منافع لینا

سوال:... اگر کوئی فرم یا ادارہ ایک مقرّرہ رقم، مقرّرہ وقت پر بطور قرض لے اور ہر سال منافع کے طور پر ایک مقرّرہ منافع دے، جب تک کہ وہ راقم واپس نہ لوٹا دے۔ اب آپ قرآن وسنت کی روشنی میں یہ بتایئے کہ یہ منافع واقعی ایک منافع ہے یا سود ہے؟ بعض حضرات اس کو سود کہتے ہیں اور بعض حضرات اس کو منافع کہتے ہیں، برائے مہربانی اس کا حل بتادیں۔

جواب:... شرعاً یہ سود ہے،[۱] جس سے باز نہ آنے والوں کے خلاف اللہ تعالیٰ نے اعلانِ جنگ کیا ہے۔[۲] مسلمانوں کو اس سے توبہ کرنی چاہئے اور جن لوگوں نے ایسی فرم میں رقم دے رکھی ہو، انہیں یہ رقم واپس لے لینی چاہئے۔

کیا میں گریجویٹی کی رقم لے کر بینک میں رکھ کر سود لوں کیونکہ گورنمنٹ بھی تو سود ہی دے رہی ہے؟

سوال:... حکومت میری اصل تنخواہ ۳۵۱۴ روپے سے مبلغ ۲۴۴۹ روپے خرید کر بقیہ رقم ماہوار پنشن دیتی ہے۔ قوانین کے مطابق خریدی گئی پنشن سے مبلغ ۳۳۶۱۲ روپے یکمشت گریجویٹی ادا کردی جاتی ہے، اگر میں مزید نوکری کروں تو میری گریجویٹی حکومت کے پاس رہے گی اور حکومت اس رقم سے سودی کاروبار میں حصہ لے گی اور اگر میں اسی رقم (گریجویٹی) کو بینک میں اپنی مرضی سے جمع کرالوں تو مجھے مبلغ ۴۵۵ روپے ماہوار سود بھی ملے گا اور رقم بھی محفوظ رہے گی، اور قوانین کے مطابق اگر میں مزید نوکری کروں تو عمر بڑھنے کے نتیجے میں مجھے ہر سال مبلغ ۱۶۳/۹۹، روپے نقصان ہوگا، اگر میں اپنے نقصان کو برداشت کرلوں اور ریٹائرمنٹ نہ لوں تو میری رقم سے حکومت جو سودی کاروبار کرے گی اس کا گناہ میرے اُوپر ہوگا یا حکومت پر؟

جواب:... حکومت کے عمل کا آپ پر وبال نہیں ہوگا، اگر آپ اس رقم کو سود پر دیں گے تو گناہ ہوگا، اور سود کی رقم حرام ہوگی۔[۳]

منافع کی متعین شرح پر روپیہ دینا سود ہے

سوال:... میں عرصہ دو سال سے سعودی عرب میں ملازم ہوں، معقول آمدنی ہے اور اس سال چھٹی کے دوران ایک لاکھ

---

(۱) کل قرض جر نفعًا فهو حرام. (رد المحتار ج:۵ ص:۱۶۶، فصل فی القرض، طبع سعید).

(۲) یٰـٓایها الذین اٰمنوا اتقوا الله وذروا ما بقی من الربٰوا إن کنتم مؤمنین. فإن لم تفعلوا فأذنوا بحرب من الله ورسوله. الآیة (البقرة ۲۷۸، ۲۷۹).

(۳) کل قرض جر منفعة فهو وجه من وجوه الربا. (تکملة فتح الملهم ج:۱ ص:۵۷۵). کل قرض جر نفعًا فهو حرام. (ردالمحتار، فصل فی القرض ج:۵ ص:۱۶۶ طبع سعید).

روپیہ قومی بچت میں جمع کرادیا ہے، جس کے منافع کی شرح سالانہ ۱۵ فیصد ہے قرآن وسنت کی روشنی میں یہ بتائیں کیا یہ کاروبار صحیح ہے؟ جبکہ سروس میں رہ کر میں کوئی اور کام نہیں کرسکتا۔

جواب:... متعین شرح پر روپیہ دینا سود ہے، یہ کسی طرح بھی حلال نہیں، آپ اپنا سرمایہ کسی ایسے ادارے میں لگائیں جو جائز کاروبار کرتا ہو، اور حاصل شدہ منافع تقسیم کرتا ہو۔[1]

زرِضمانت پر سود لینا

سوال:... میری ملازمت کیش (رقم) پر کام کرنے سے متعلق ہے، اس لئے اس کی نقد ضمانت ۲,۰۰۰ روپے جمع کرانی پڑتی ہے، اس دو ہزار روپے پر ہم کو سالانہ ۲۰۰ روپے منافع میں ملتے ہیں۔ یہ منافع جائز ہے یا ناجائز؟ یہ بھی واضح کردوں کہ جب تک میری ملازمت ہے، میری رقم بینک کے قبضے میں رہے گی۔ دینے والا رقم دینے پر مجبور ہے جبکہ رقم لینے والا یعنی مقروض قرض لینے پر مجبور نہیں ہے۔ اگر یہی رقم میں کسی کاروبار میں لگاؤں تو مجھ کو اس سے کہیں زیادہ نفع حاصل ہوسکتا ہے، مگر میں ایسا کرنے سے قاصر ہوں، چونکہ میں رقم واپس لینے پر قادر نہیں ہوں۔

جواب:... بصورتِ مسئولہ مذکورہ منافع سود ہے اور اس کا لینا حرام ہے۔ ہر وہ منافع جو کسی مال پر بلاعوض دیا جائے وہ سود ہے۔[2] فقہ کا مشہور اُصول ہے: ''ہر وہ قرض جس سے کوئی نفع اُٹھایا جائے، تو وہ نفع سود ہے''[3] لہٰذا مذکورہ منافع سود ہے اور حرام ہے۔

واضح رہے کہ بینک میں جو رقم جمع کی جاتی ہے، چاہے اپنی مرضی سے یا مجبوراً جمع کرے، بینک کی طرف سے اس پر ایک متعین شرح دی جاتی ہے، چونکہ یہ شرح دینا معروف ہے اور ''المعروف کالمشروط''[4] کے تحت جو شرح وہ دیتے ہیں، وہ سود ہی ہے، لہٰذا اس کا لینا حرام ہے۔ کسی غریب آدمی کے لئے رقم قرض دے کر سود لینا جائز نہیں، جیسا کہ امیر آدمی کے لئے جائز نہیں ہے۔[5]

---

(۱) ومن شرطها أن يكون الربح بينهما مشاعًا لا يستحق أحدهما دراهم مسماة من الربح لأن شرط ذٰلك يقطع الشركة بينهما ولَا بد منها كما هي في عقد الشركة. (الهداية ج:۳ ص:۲۵۸ كتاب المضاربة، وكذا في بحر الرائق ج:۷ ص:۲۶۳). وفي جمع العلوم الربا شرعًا عبارة عن عقد فاسد وان لم يكن فيه زيادة ...إلخ. (بحر الرائق، باب الربا ج:۶ ص:۱۲۵، طبع دار المعرفة، بيروت).

(۲) الربا في الشرع هو فضل خال عن عوض بمعيار شرعي مشروط لأحد المتعاقدين في المعاوضة. (قواعد الفقه ص ۳۰۲). وفي الهداية: الربا هو الفضل المستحق لأحد المتعاقدين في المعاوضة الخالي عن عوض شرط فيه. (هداية ج:۳ ص:۸۰ باب الربا).

(۳) كل قرض جر نفعًا فهو حرام. (رد المحتار ج:۵ ص:۱۶۶، فصل في القرض، طبع سعيد).

(۴) المعروف كالمشروط. (الأشباه والنظائر ج:۱ ص:۱۳۱، ومثله في قواعد الفقه ص:۱۲۵).

(۵) وأحل الله البيع وحرم الربٰوا. (البقرة:۲۷۵).

''سیونگ اکاؤنٹ''، ''نیشنل سیونگ سرٹیفکیٹ'' کے منافع کی شرعی حیثیت

سوال:... بینک سیونگ اکاؤنٹ والوں کو نفع نقصان کی بنیاد پر ماہانہ جمع شدہ رقم پر نفع دیتے ہیں، جو ہر ماہ کم و بیش ہوتا رہتا ہے، کیا یہ نفع سود ہے؟ یا پھر اس کا لینا جائز ہے؟

سوال:... نیشنل سیونگ سرٹیفکیٹ کا بھی کچھ اسی طرح معاملہ ہے، تو کیا یہ نفع بھی جائز ہوگا؟

سوال:... بڑھاپے، بیماری اور ستر سال کی عمر میں آدمی کاروبار کرنے کی صلاحیت نہیں رکھتا، کیا وہ اپنا روپیہ کسی بینک کے سیونگ اکاؤنٹ میں جمع کراکر یا سیونگ سرٹیفکیٹ میں لگاکر اس کے نفع کو آمدنی کا ذریعہ بنا سکتا ہے؟

جواب:... سارے سوالوں کا ایک ہی جواب ہے کہ بینک کے اندر جو رقم رکھی جاتی ہے اور اس پر جو منافع ملتا ہے، اس کو چاہے ''منافع'' کہو، یا کوئی اور نام دو، وہ صریح ''سود'' اور حرام ہے۔[1]

''کریڈٹ کارڈ'' اِستعمال کرنا شرعاً کیسا ہے؟

سوال:... کریڈٹ کارڈ (Credit Card) کے بارے میں معلوم کرنا تھا، اس کو ہم اِستعمال کرسکتے ہیں یا نہیں؟ میری معلومات ہے کہ کریڈیٹ کارڈ کی سالانہ فیس ۲۰۰۰ روپے ہے، کریڈٹ کارڈ کو ملک کے اندر یا بیرونِ ملک اِستعمال کریں تو ایک ماہ کے اندر وہ رقم واپس کردیں تو کوئی سود نہیں دینا پڑتا، اور ایک ماہ بعد اگر رقم دیں تو اس پر سود دینا پڑتا ہے۔ یہ بیرونِ ملک کام آتا ہے، رقم لے کر جانے کی ضرورت نہیں ہوتی۔

جواب:... ایک مہینے کے اندر اگر رقم ادا کردی گئی تو جائز ہے، بعد میں ادا کرنے پر سود دینا پڑتا ہے یہ جائز نہیں۔ لیکن تحقیق کرنے پر معلوم ہوا کہ چاہے وقت پر رقم ادا کردی جائے، تب بھی کریڈٹ کارڈ جاری کرنے والا بینک کریڈٹ کارڈ لے کر اشیاء مہیا کرنے والے دُکان دار سے اپنا کمیشن یا سود ہر حال میں وصول کرتا ہے، اس لئے گویا کریڈٹ کارڈ کا اِستعمال کرنے والا شخص اگرچہ خود سود نہیں دیتا، مگر بینک کو سود دِلانے کا ذریعہ ضرور بنتا ہے، لہٰذا اس کا اِستعمال ناجائز اور حرام ہے۔[2]

بے روزگار، گورنمنٹ سے سودی قرض لے یا پھر بھوکوں مرنا قبول کرے؟

سوال:... کیا فرماتے ہیں علمائے دِین صاحبِ متین اس بارے میں کہ ایک جوان بے روزگار ہے، روزگار کی تلاش میں کافی ہاتھ پیر مارے، لیکن بے سود، اسی دوران حکومت کی جانب سے پچاس ہزار روپے سے دو لاکھ روپے تک قرضہ ایسے افراد کو دینے کا اِعلان ہوتا ہے، لیکن بدقسمتی سے اس قرضے پر سود بھی ادا کرنا ہوگا، سود کے ستر گناہوں میں سب سے کم تر درجے کا گناہ بھی سائل پر عیاں ہے،

---

(۱) باب الربا فضل مال بلا عوض في معارضة مال بمال أي فضل أحد المتجانسين على الآخر ... إلخ. (البحر الرائق ج:۶ ص:۱۳۵ طبع بيروت، باب الربا).

(۲) لعن رسول الله صلى الله عليه وسلم آكل الربا ومؤكله وكاتبه وشاهديه وقال هم سواء. (مشكوة، باب الربا، ص:۲۴۳). ولَا تعاونوا على الْإثم والعدوان. (المائدة:۲). أيضًا: ما حرم فعله حرم طلبه. (قواعد الفقه ص.۱۱۵).

لیکن نہ تو روزگار مہیا ہے، اور نہ ہی مذکورہ صورت قرضہ کے علاوہ کاروبار چلانے کا کوئی اور راستہ ہے، کیا ایسی صورت میں سود پر دیئے جانے والے اس قرضے کو قبول کیا جائے؟ یا بے روزگاری کی لعنت کو ایسے سود والے قرضے پر ترجیح دے کر بھوکوں مرنا قبول کیا جائے؟ اگر "مرتا کیا نہ کرتا" والے مقولے پر عمل کر کے سودی قرضے کو قبول کیا جائے تو کیا اس سلسلے میں سائل کا مؤاخذہ تو نہیں ہوگا؟ شریعت محمدی میں سے فقہ حنفیہ کے ارشادات مفصل تحریر فرما کر ثوابِ دارین حاصل کیجئے۔

جواب:...اس ناکارہ کا تجربہ یہ ہے کہ جو شخص سودی قرض کے جال میں ایک بار پھنس گیا، پھر مدۃ العمر نہیں نکل سکا، ساری عمر سود اَدا کرتا رہا، اور قرضہ جوں کا توں رہا۔[1] بے روزگاری کے لئے چھابڑی لگائی جاسکتی ہے، نوکری اُٹھائی جاسکتی ہے، کوئی اور ہلکی پھلکی محنت مزدوری کی جاسکتی ہے، واللہ اعلم!

بینک کے سرٹیفکیٹ پر ملنے والی رقم کی شرعی حیثیت

سوال:...جس وقت میرے شوہر کا انتقال ہوا تو میرے دو چھوٹے بچے عمر ۳ سال لڑکا اور ۵ ماہ کی لڑکی تھی، میرے شوہر کے پاس دس ہزار کی رقم کا ایک سرٹیفکیٹ تھا، شوہر کے انتقال کے بعد یہ سرٹیفکیٹ اپنے جیٹھ کے ہاتھ میں دیتے ہوئے میں نے کہا کہ: میرے نام منتقل کرادیں، تو بینک والوں نے کہا: اس رقم کے چار حصہ دار ہیں: بیوہ، والدہ، لڑکی، لڑکا، اس لئے یہ بیوہ کے نام منتقل نہیں ہوگا، اگر بیوہ اور والدہ اپنا حصہ لینا چاہیں تو نابالغ کی رقم بینک میں جمع رہے گی ان کے بالغ ہونے تک، اور اگر بیوہ، والدہ اپنا حصہ معاف کردیں تو یہ سرٹیفکیٹ عدالت میں جمع ہوجائے گا، بچوں کے بالغ ہونے پر انہیں ملے گا۔ اس رقم پر چونکہ منافع دیا جاتا ہے اس لئے جب لڑکا ۱۸ برس کا ہوگا تو یہ رقم ایک لاکھ سے زیادہ ہوگی، جب میری ساس نے یہ سنا تو انہوں نے اپنا حصہ معاف کردیا، لازماً مجھے بھی معاف کرنا پڑا۔ یہ اس وقت کی بات ہے جب مجھے دینی معلومات رَتی برابر نہیں تھی، میں نے بھی سوچا جب لڑکا بڑا ہوگا لکھ پتی ہوجائے گا۔ مجھے سود اور منافع کا فرق معلوم نہ تھا۔ اب مجھے جبکہ اللہ نے دینی معلومات دیں اور میں سمجھنے لگی سود اور منافع کیا ہے، سود کھانے والوں کا انجام کیا ہوگا، میں اس سلسلے میں آپ سے چند سوالات کرتی ہوں۔

سوال:...دس ہزار کی رقم بشکل سرٹیفکیٹ میرے شوہر کے نام ہے، یہ رقم تقریباً مجھے سولہ سال کے بعد ملے گی، بچوں کے بالغ ہونے پر، اس سولہ سال کے عرصے میں یہ رقم بینک میں جمع رہی، کیا مجھے اس کی زکوٰۃ دینی ہوگی جبکہ یہ میرے شوہر کے نام ہے؟

جواب:...جب یہ رقم آپ بچوں کے لئے چھوڑ چکی ہیں تو آپ کے ذمہ زکوٰۃ نہیں، اور بالغ ہونے تک بچوں کے ذمہ بھی نہیں، بالغ ہونے کے بعد ان پر زکوٰۃ واجب ہوگی۔[2]

سوال:...میں صرف اصل رقم لینا چاہتی ہوں تو کیا بقایا رقم جو ایک لاکھ ہوگی، مجھے یہ رقم کسی فلاحی ادارے کو دینا چاہئے؟

---

(۱) عن ابن مسعود قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: ان الربا وان كثر فان عاقبته تصير الى قُلّ۔ رواهما ابن ماجة والبيهقي في شعب الإيمان۔ (مشكوٰة ص:۲۴۶ باب الربا، طبع قديمي)۔

(۲) وشرط افتراضها عقل وبلوغ۔ (در المختار ج:۲ ص:۲۵۸، كتاب الزكاة، طبع سعيد)

جواب:... یہ سود کی رقم بغیر نیتِ صدقہ کے محتاجوں کو دے دی جائے۔[1]

سوال:... یہ رقم جو میرے شوہر نے اپنی زندگی میں اپنے ہاتھ سے بینک ڈپازٹ سرٹیفکیٹ کے طور پر خریدا اور اب تک ان کے نام ہے، کیا اس رقم پر ملنے والے سود کا گناہ مرحوم کو نہ ہوگا؟

جواب:... اگر مرحوم نے اس رقم کا سرٹیفکیٹ سود لینے کی نیت سے خریدا تھا تو گناہ ان کے ذمہ بھی ہوگا، اللہ تعالیٰ معاف فرمائے۔ (آمین)

سود کی تعریف

سوال:... سود کی شرعی تعریف کے ساتھ مفصل روشنی ڈالیں، یا آپ نے اس موضوع پر کوئی کتاب لکھی ہو تو اس کے متعلق لکھیں۔ میں ایک سرکاری ملازم تھا، ریٹائرمنٹ لے رہا ہوں، کیا بینک جو منافع دیتے ہیں وہ سود ہے؟ جبکہ بینک زکوٰۃ بھی جمع شدہ رقم سے کاٹ لیتے ہیں۔ بینک میں پی ایل ایس اکاؤنٹ کی شرعی حیثیت کیا ہے؟ جس کو پرافٹ اینڈ لاس اینڈ شیئر کہا جاتا ہے، اگر بینک ہر ماہ فکس منافع نہیں دیتا بلکہ کسی ماہ کم، کسی ماہ زیادہ، کیا یہ بھی سود ہے؟ اَزراہِ کرم اس مسئلے کا مفصل حل لکھیں تاکہ میں خدا اور رسول کے اَحکامات کے مطابق کسی طرح بھی اس لعنت کی زد میں نہ آؤں۔

جواب:... ''جو نفع معاوضے سے خالی ہو'' وہ سود کہلاتا ہے۔[2] مثلاً: سو روپے کے بدلے ایک سو ایک روپے لینا۔ تو سو کے بدلے میں تو سو روپے ہوگئے، زائد جو ایک روپیہ طے کیا ہے، یہ معاوضے سے خالی ہے۔ اس کا نام ''سود'' ہے۔ اس موضوع پر حضرت مفتی محمد شفیعؒ (سابق مفتیٔ اعظم پاکستان) کا رسالہ ''مسئلہ سود'' لائقِ دید ہے۔ بینک جو منافع دیتے ہیں وہ سود ہے۔ پی ایل ایس بھی سودی کھاتہ ہے، اگرچہ اس کا نام بدل دیا گیا ہے۔ موجودہ دور میں بینکنگ کا نظام ہی سود پر مبنی ہے، اس لئے اس کا کوئی شعبہ سود سے مبرا نہیں، اِلَّا ماشاء اللہ!

---

(۱) والحاصل أنه إن علم أرباب الأموال وجب رده عليهم وإلّا فإن علم عين الحرام لَا يحل له ويتصدق به نية صاحبه۔ (ردالمحتار ج:۵ ص:۹۹)۔ أيضاً: ويتصدق بلا نية الثواب وينوي به براءة الذمة۔ (قواعد الفقه ص:۱۱۵)۔

(۲) باب الربا فضل مال بلا عوض في معاوضة مال بمال أي فضل أحد المتجانسين على الآخر ...إلخ۔ (البحر الرائق ج:۶ ص:۱۳۵ طبع بيروت، باب الربا)۔

سود کی رقم کا مصرف

سود کی رقم سے ہدیہ دینا لینا جائز ہے یا ناجائز؟

سوال:... ''الف'' اور ''ب'' دو بھائی ہیں، ''الف'' کا سودی کاروبار ہے، اور ''الف''، ''ج'' کو ہدیہ دیتا ہے تو ''ب'' کے ملازم کو دے کر حکم دیتا ہے کہ ''ج'' کو دے آنا، آیا یہ جائز ہے یا نہیں؟ دُوسری صورت میں اس کے ملازم کو حکم نہیں دیتا بلکہ وہ خود سمجھ لیتا ہے کہ ''ج'' کو ہدیہ دینا ہے تو اس کا کیا حکم ہے؟ ''ج'' کو ہدیہ سودی رقم سے لینا جائز ہے یا نہیں؟

جواب:... صورتِ مسئولہ میں سودی کاروبار کا مفہوم عام ہے، اور اس کی کئی صورتیں ہیں:

۱:... جو شخص سود پر قرضہ لے کر کاروبار کرتا ہے اور کل سرمایہ قرض کا ہوتا ہے۔

۲:... دُوسرا جس کے پاس کچھ رقم ذاتی ہے اور کچھ رقم سود پر بینک سے یا کسی سے قرض لیتے ہیں اور کاروبار کرتے ہیں۔

۳:... تیسرا یہ کہ لوگوں کو سود پر قرض دیتا ہے اور اس طرح رقم بڑھاتا ہے۔

۴:... یہ کہ سودی طریقے سے اشیاء خریدتے ہیں اور فروخت کرتے ہیں، اس کے علاوہ بے شمار صورتیں ہیں۔

ان سب صورتوں کو سودی کاروبار کہتے ہیں اور سب کا حکم برابر نہیں، اس لئے سودی کاروبار کرنے کی وضاحت کرنا تھی۔

ل مجموعی طور پر اگر جائز پیسے زیادہ اور ناجائز کم ہے تو ہدیہ قبول کرنا دُرست ہے، اسی طرح اگر جائز اور ناجائز پیسے ملے ہوئے ہیں اور ہر ایک کی مقدار برابر ہے پھر بھی اس کا ہدیہ قبول کرنا اور لے جانا دُرست ہے، اور اگر حرام پیسے زیادہ ہیں تو ہدیہ قبول نہیں کرنا چاہئے۔[1]

سود کی رقم سے بیٹی کا جہیز خریدنا جائز نہیں

سوال:... اگر ایک غریب آدمی اپنے پیسے بینک میں رکھتا ہے تو اس سے سود کی رقم چھ یا سات سو ملتی ہے، تو کیا وہ آدمی اسے اپنے اُوپر استعمال کرسکتا ہے؟ اگر نہیں کرسکتا تو کیا پھر اسے اپنی بیٹی کے جہیز کے لئے کوئی چیز خرید سکتا ہے؟

---

(۱) أهدى إلى رجل شيئًا أو أضافه إن كان غالب ماله الحلال فلا بأس به إلّا أن يعلم بأنه حرام، فإن كان الغالب هو الحرام ينبغي أن لا يقبل الهدية ولا يأكل الطعام۔ (فتاویٰ عالمگیری ج:۵ ص:۳۴۲، كتاب الكراهية، الباب الثاني عشر في الهدايا والضيافات، طبع رشیدیہ)۔ أيضًا: إذا كان غالب مال المهدي حلالًا فلا بأس بقبول هديته وأكل ماله ما لم يتبين أنه من حرام۔ (الأشباه والنظائر ص:۱۲۵ طبع إدارة القرآن)۔

جواب:... سود کا استعمال حرام اور گناہ ہے، اس سے بیٹی کو جہیز دینا بھی جائز نہیں۔[1]

شوہر اگر بیوی کو سود کی رقم خرچ کے لئے دے تو وبال کس پر ہوگا؟

سوال:... کسی عورت کا شوہر زبردستی اس کو گھر کے اخراجات کے لئے سود کی رقم دے جبکہ عورت کا اور کوئی ذریعہ آمدنی نہ ہو، تو اس کا وبال کس کی گردن پر ہوگا؟

جواب:... وبال تو شوہر کی گردن پر ہوگا،[2] مگر عورت انکار کردے کہ میں محنت کرکے کھالوں گی، مگر حرام نہیں کھاؤں گی۔

سود کی رقم کسی اجنبی غریب کو دے دیں

سوال:... کسی مجبوری کی بنا پر میں نے سود کی کچھ رقم وصول کرلی ہے، اس کا مصرف بتادیں، آیا میں وہ رقم اپنے غریب رشتہ داروں (مثلاً: نانی) کو بھی دے سکتا ہوں؟

جواب:... اپنے عزیز و اقارب کے بجائے کسی اجنبی کو، جو غریب ہو، بغیر نیتِ صدقہ کے دے دی جائے۔[3]

سود کی رقم استعمال کرنا حرام ہے، تو غریب کو کیوں دی جائے؟

سوال:... آج کل مختلف افراد کی طرف سے یہ سننے میں آتا رہتا ہے کہ جو لوگ بینک سے سود نہیں لینا چاہتے، وہ کرنٹ اکاؤنٹ کھول لیں یا پھر اپنے سیونگ اکاؤنٹ کے لئے بینک کو ہدایت کردیں کہ اس اکاؤنٹ میں جمع شدہ رقم پر سود نہ لگایا جائے۔ چلئے یہاں تک تو ٹھیک ہے، لیکن بعض لوگ کہتے ہیں کہ اگر بینک والوں نے تمہاری رقم پر سود لگا ہی دیا ہے تو اس رقم (سود کی رقم) کو بینک میں بیکار مت پڑا رہنے دو، بلکہ نکال کر کسی غریب ضرورت مند کو صدقہ کردو۔ مجھے اس سلسلے میں یہ دریافت کرنا ہے کہ کیا سود جیسی حرام کی رقم صدقہ کی جاسکتی ہے؟ اگر ایسا ممکن ہے تو پھر چوری، ڈاکے، رشوت وغیرہ سے حاصل کی گئی آمدنی بھی بطور صدقہ دیا جانا جائز سمجھا جائے۔ حکم تو یہ ہے کہ "دُوسرے مسلمان بھائی کے لئے بھی تم ویسی ہی چیز پسند کرو جیسی اپنے لئے پسند کرتے ہو" لیکن ہم سے کہا یہ جارہا ہے کہ جو حرام مال (سود) تم خود استعمال نہیں کرسکتے وہ دُوسرے مسلمان کو دے دو، یہ بات کہاں تک دُرست ہے؟

---

(۱) لعن رسول الله صلى الله عليه وسلم آكل الربا وموكله. (ترمذى ج:۱ ص:۲۲۹، باب الربا). أيضًا: عن جابر قال: لعن رسول الله صلى الله عليه وسلم آكل الربا وموكله وكاتبه وشاهديه، وقال هم سواء. رواه مسلم. (مشكوٰة ص:۲۴۴). وعن أبي هريرة قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: اتيت ليلة اسرى بي على قوم بطونهم كالبيوت فيها الحيات ترى من خارج بطونهم فقلت: من هؤلاء يا جبريل؟ قال: هؤلاء أكلة الربا. رواه أحمد وابن ماجة (مشكوٰة ص:۲۴۶ باب الربا).

(۲) وفي الخانية: إمرأة زوجها في أرض الجور إن أكلت من طعامه ولم يكن عين ذالك الطعام غصبًا فهي في سعة من أكله وكذا لو اشترى طعامًا أو كسوة من مال أصله ليس بطيب فهي في سعة من تناوله والإثم على الزوج. (رد المحتار ج:۵ ص:۹۹، مطلب فيمن ورث مالًا حرامًا).

(۳) لأن سبيل الخبيث التصدق إذا تعذر الرد على صاحبه. (رد المحتار ج:۶ ص:۳۸۵ كتاب الحظر والإباحة). أيضًا: ويتصدق بلا نية الثواب وينوى به براءة الذمة. (قواعد الفقه ص:۱۱۵).

جواب:… اگر خبیث مال آدمی کی ملک میں آجائے تو اس کو اپنی مِلک سے نکالنا ضروری ہے، اب دو صورتیں ممکن ہیں، ایک یہ کہ مثلاً سمندر میں پھینک کر ضائع کردے۔ دُوسرے یہ کہ اپنی مِلک سے خارج کرنے کے لئے کسی محتاج کو صدقہ کی نیت کے بغیر دے دے۔ ان دونوں صورتوں میں سے پہلی صورت کی شریعت نے اجازت نہیں دی،(۱) لہٰذا دُوسری کی اجازت ہے۔(۲)

فروغِ تعلیم کے لئے سودی ذرائع اِستعمال کرنا

سوال:… ہمارے علاقے میں بچیوں کے پرائمری اسکول نہ ہونے کی وجہ سے بلوچستان ایجوکیشن فاؤنڈیشن نامی ادارے نے پرائیویٹ اسکول کھلوائے ہیں، جس کے لئے اِمداد مذکورہ بالا اِدارہ فراہم کرتا ہے، اس اسکول کے اِنتظام کے لئے متعلقہ محلے کے بزرگوں نے تعلیمی کمیٹی بنائی ہے، یہ کمیٹی بغیر کسی معاوضے کے کام کرتی ہے۔ ''بلوچستان ایجوکیشن فاؤنڈیشن'' کی طرف سے یہ شرط عائد کی گئی ہے کہ جو اِمداد ہم دیتے ہیں، اس کو آپ بینک میں سیونگ اکاؤنٹ میں رکھیں گے، جس پر بینک سود بھی دے گا۔ اس اکاؤنٹ کے کھلنے کے نتیجے میں جو سود ملے گا اس کا کیا حکم ہے؟ نیز کیا ہم سب اس اَمر کے اِرتکاب پر گناہگار ہوں گے؟

جواب:… اس میں شک نہیں کہ سود حرام ہے اور آپ بچیوں پر اس سود کو اِستعمال کریں گے، تو لازماً آپ بھی گناہگار ہوں گے، اور بچیاں اس حرام کے پیسے کو اِستعمال کریں گی تو اس کا نتیجہ بھی غلط نکلے گا۔ کوئی ایسی صورت اِختیار کریں کہ آپ کو سود اِستعمال نہ کرنا پڑے۔(۳)

سود کی رقم کارِ خیر میں نہ لگائیں بلکہ بغیر نیتِ صدقہ کسی غریب کو دے دیں

سوال:… میں ملازمت کرتا ہوں، خرچ سے جو پیسے بچت ہوتے ہیں وہ بینک میں جمع کراتا ہوں، اور چند دوست لوگ بھی بطور امانت میرے پاس رکھتے ہیں، جو کہ وہ بھی بینک میں رکھتا ہوں، کیونکہ محفوظ رہنے کا دُوسرا راستہ ہے نہیں، مگر بینک میں رکھنے سے مجھے ایک پریشانی بنی ہوئی ہے، وہ یہ کہ بینک میں سود دیتے ہیں جو کہ بعض لوگ کہتے ہیں کہ یہ حرام نہیں ہے، اور بعض کہتے ہیں کہ حرام ہے، اگر حرام ہے تو وہ منافع (سود) بینک کو ہی چھوڑ دُوں یا بینک سے لے کر مسکینوں غریبوں یا کارِ خیر مثلاً: مسجد، راستے بنانے میں لگادُوں؟

جواب:… بینک کے سود کو جو لوگ حلال کہتے ہیں، غلط کہتے ہیں۔ مگر بینک میں سود کی رقم نہ چھوڑیئے، بلکہ نکلوا کر بغیر نیتِ

---

(۱) عن أبی ذر عن النبی صلی الله علیه وسلم قال: الزهادة فی الدنیا لیست بتحریم الحلال ولا إضاعة المال ... الخ. (مشکوٰة ص:۴۵۳، باب التوکل والصبر). وفی المرقاة: قوله ولا إضاعة المال الخ أی بتضییعه وصرفه فی غیر محله بأن یرمیه فی بحر أو یعطیه للناس من غیر تمیز بین غنی وفقیر ... الخ. (مرقاة ج:۵ ص:۹۰ طبع بمبئی).

(۲) والحاصل انه إن علم أرباب الأموال وجب ردّه علیهم، وإلّا فإن علم عین الحرام لا یحل له ویتصدق به بنیة صاحبه. (ردالمحتار ج:۵ ص:۹۹ مطلب فیمن ورث مالًا حرامًا). لأن سبیل الکسب الخبیث التصدق إذا تعذر الرد علی صاحبه. (ردالمحتار ج:۶ ص:۳۸۵ کتاب الحظر والإباحة، فصل فی البیع، طبع ایچ ایم سعید). أیضًا: ویتصدق بلا نیة الثواب وینوی به براءة الذمة. (قواعد الفقه ص:۱۱۵).

(۳) عن علی أنه سمع رسول الله صلی الله علیه وسلم لعن آکل الربا وموکله وکاتبه. (مشکوٰة ص:۲۴۴).

صدقہ کے کسی ضرورت مند محتاج کو دے دیجئے، کسی کارِ خیر میں اس رقم کا لگانا جائز نہیں۔[۱]

سود کی رقم ملازمہ کو بطور تنخواہ دینا

سوال:... میں نے اپنے ۱۰ ہزار روپے کسی دُکان دار کے پاس رکھوادیئے تھے، وہ ہر ماہ مجھے اس کے اُوپر تین سو روپیہ دیتا ہے، اب ہمیں آپ یہ بتائیں کہ یہ رقم جائز ہے یا نہیں؟ ہمارے مسجد کے پیش اِمام سے پوچھا گیا تو انہوں نے اس کو سود قرار دے دیا ہے، جب سے یہ پیسے میں اپنی کام والی کو دے دیتی ہوں۔ اس کو یہ بتا کر دیتی ہوں کہ یہ پیسے سود کے ہیں، یا ان پیسوں کے بدلے کوئی چیز کپڑا وغیرہ دے دیتی ہوں، وہ اپنی مرضی سے یہ تمام چیزیں اور پیسے لیتی ہے، جبکہ اسے پتا ہے کہ یہ سود ہے۔ اب آپ مجھے قرآن و سنت کی روشنی میں یہ بتائیں کہ یہ پیسے کام والی کو دینے سے میں گنہگار تو نہیں ہوتی ہوں؟

جواب:... اگر دُکان دار آپ کی رقم سے تجارت کرے اور اس پر جو منافع حاصل ہو اس منافع کا ایک حصہ مثلاً: پچاس فیصد آپ کو دیا کرے یہ تو جائز ہے۔ اور اگر اس نے تین سو روپیہ آپ کے مقرّر کردیئے تو یہ سود ہے۔[۲] سود کی رقم کا لینا بھی حرام ہے اور اس کا خرچ کرنا بھی حرام ہے۔ آپ جو اپنی ملازمہ کو سود کے پیسے دیتی ہیں، آپ کے لئے ان کو دینا بھی جائز نہیں،[۳] اور اس کے لئے لینا جائز نہیں، سود کی رقم کسی محتاج کو بغیر صدقہ کی نیت کے دے دینی چاہئے۔[۴]

سود کی رقم رشوت میں خرچ کرنا دُہرا گناہ ہے

سوال:... سود حرام ہے اور رشوت بھی حرام ہے، حرام چیز کو حرام میں خرچ کرنا کیسا ہے؟ مطلب یہ کہ سود کی رقم رشوت میں دی جاسکتی ہے کہ نہیں؟

جواب:... دُہرا گناہ ہوگا، سود لینے کا اور رشوت دینے کا۔[۴]

(۱) والحاصل انه إن علم أرباب الأموال وجب رده عليهم وإلّا فإن علم عين الحرام لَا يحل له ويتصدق به بنية صاحبه. (شامي ج:۵ ص:۹۹). لأن سبيل الكسب الخبيث التصدق إذا تعذر الرد علٰى صاحبه. (ردالمحتار، كتاب الحظر والإباحة ج:۶ ص:۳۸۵). أيضًا: ويتصدق بلا نية الثواب وينوى به براءة الذمة. (قواعد الفقه ص:۱۱۵).

(۲) المضاربة هي الشركة في الربح بمال من جانب وعمل من جانب .... وشرطها الرابع أن يكون الربح بينهما شائعًا كالنصف والثلث لَا سهمًا معينًا يقطع الشركة كمأة درهم ... إلخ. (البحر الرائق ج:۷ ص:۲۶۳، ۲۶۴، كتاب المضاربة).

(۳) عن علي أنه سمع رسول الله صلى الله عليه وسلم لعن آكل الربا ومؤكله وكاتبه وشاهديه وقال هم سواء. (مسلم ج:۲ ص:۲۷). ما حرم فعله حرم طلبه، ما حرم أخذه حرم إعطاؤه. (قواعد الفقه ص:۱۱۵).

(۴) ويتصدق بلا نية الثواب وينوى به براءة الذمة. (قواعد الفقه ص:۱۱۵).

(۴) لعن رسول الله صلى الله عليه وسلم الراشي والمرتشي. (ابوداؤد ج:۲ ص:۱۴۸، كتاب القضاء، باب في كراهية الرشوة). لعن رسول الله صلى الله عليه وسلم آكل الربا وموكله وشاهديه وكاتبه. (ترمذي ج:۱ ص:۲۲۹).

بینک کی ملازمت

سودی اداروں میں ملازمت کا وبال کس پر؟

سوال:... ایک مفتی اور حافظ صاحب سے کسی نے پوچھا کہ بینک کی ملازمت کرنا کیسا ہے؟ اور وہاں سے ملنے والی تنخواہ جائز ہے یا نہیں؟ تو انہوں نے جواب دیا کہ: "بینک کی ملازمت جائز ہے، بینک کا ملازم اگر پوری دیانت داری اور محنت سے اپنے فرائض ادا کرے تو اس کی تنخواہ بالکل جائز ہوگی۔ البتہ حکومت اور عوام کو بینکوں کے سودی نظام کو ختم کرنے کی جدوجہد کرنی چاہئے، اور یہ جو بعض علماء بینک ملازم کو غیرمسلم سے اُدھار لے کر اور اپنی تنخواہ سے اس کا قرض ادا کرنے کا مشورہ دیتے ہیں، یہ کسی طرح بھی صحیح نہیں، بلکہ دِین کے ساتھ مذاق ہے۔" جناب مولانا صاحب! میں ایک بینک میں ملازم ہوں اور اس پر خجل رہتا تھا، خصوصاً "آپ کے مسائل اور ان کا حل" میں اس موضوع پر آپ کے جوابات پڑھ کر، لیکن اب مفتی صاحب کے مندرجہ بالا جواب سے ایک گونہ اطمینان ہے کہ میری ملازمت ٹھیک ٹھاک ہے، رہ گیا سودی کاروبار بینک کا، وہ حکومت جانے اور عوام۔ آپ کی اس مسئلے میں کیا رائے ہے؟ اور واضح ہو کہ اس مفتی صاحب کے فتویٰ کے بعد بہت سے لوگوں نے سودی قرضہ حلال جان کر لینا شروع کردیا ہے۔

جواب:... اس سلسلے میں چند اُمور لائقِ گزارش ہیں:

اوّل:... سود کا لین دین قرآنِ کریم کی نصِ قطعی سے حرام ہے[1]، اس کو حلال سمجھنے والا مسلمان نہیں، بلکہ مرتد ہے[2]۔ اور سودی کاروبار نہ چھوڑنے والوں کے خلاف قرآنِ کریم میں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے اعلانِ جنگ کیا گیا ہے (البقرۃ:۲۷۹)[3]۔

دوم:... صحیح مسلم کی حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لعنت فرمائی ہے، سود لینے والے پر، سود دینے والے پر، سود کے لکھنے والے پر اور سود کی گواہی دینے والوں پر، اور فرمایا کہ یہ سب گناہ میں برابر کے شریک ہیں (مشکوٰۃ ص:۲۴۴)[4]۔

سوم:... علمائے اُمت نے جنرل ضیاء الحق مرحوم کے دور میں "غیرسودی بینکاری" کا مکمل خاکہ بنا کر دیا، لیکن جن دِماغوں

---

(۱) یٰٓایھا الذین اٰمنوا اتقوا اللہ وذروا ما بقی من الربٰوا إن کنتم مؤمنین۔ فإن لم تفعلوا فأذنوا بحرب من اللہ ورسولہ۔ (البقرۃ:۲۷۸، ۲۷۹)۔ وقال تعالٰی: وأحل اللہ البیع وحرّم الربٰوا۔ (البقرۃ:۲۷۵)۔

(۲) إستحلال المعصیۃ کفر، إذا ثبت کونھا معصیۃ بدلیل قطعی۔ (رد المحتار ج:۲ ص:۲۹۲، باب زکاۃ الغنم)۔

(۳) ایضاً حاشیہ نمبر۱ ملاحظہ ہو۔

(۴) عن جابر رضی اللہ عنہ قال: لعن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آکل الربا وموکلہ وکاتبہ وشاھدیہ وقال ھم سواء۔

میں یہودیوں کا "ساہوکاری نظام" گھر کئے ہوئے ہے، انہوں نے اس پر عمل درآمد ہی نہیں کیا، نہ شاید وہ اس کا ارادہ ہی رکھتے ہیں۔ اس سے زیادہ "عوام" کیا جدوجہد کرسکتے ہیں؟

چہارم:... جس شخص کے پاس حرام کا پیسہ ہو، اس کو نہ اس کا کھانا جائز ہے، نہ اس سے صدقہ کرسکتا ہے، نہ حج کرسکتا ہے، کیونکہ حرام سے کیا ہوا صدقہ اور حج بارگاہِ الٰہی میں قبول نہیں۔[1] فقہائے اُمت نے اس کے لئے یہ تدبیر لکھی ہے کہ وہ کسی غیرمسلم سے قرض لے کر خرچ کرلے، کیونکہ یہ قرض اس کے لئے حلال ہے، پھر حرام مال قرضے میں ادا کردے، اس کے دینے کا گناہ ضرور ہوگا، مگر حرام کھانے سے بچ جائے گا۔[2]

پنجم:... ہر شخص کا فتویٰ لائقِ اعتماد نہیں ہوتا، اور جس شخص کا فتویٰ لائقِ اعتماد نہ ہو، اس سے مسئلہ پوچھنا بھی گناہ ہے، ورنہ حدیثِ نبوی کے مطابق "ایسے مفتی خود بھی گمراہ ہوں گے، اور دُوسروں کو بھی گمراہ کریں گے" (مشکوٰۃ ص:۳۳)۔[3]

ششم:... غیرمعتبر فتویٰ پر مطمئن ہوجانا عدمِ تدین کی دلیل ہے، ورنہ جب آدمی کو کسی چیز کے جواز اور عدمِ جواز میں تردّد ہوجائے تو دِین داری اور احتیاط کی علامت یہ ہے کہ آدمی ایسی چیز سے پرہیز کرے۔ مثلاً: اگر آپ کو تردّد ہوجائے کہ یہ گوشت حلال ہے یا مردار؟ ایک لائقِ اعتماد شخص کہتا ہے کہ: "یہ مردار ہے" اور دُوسرا شخص (جس کا لائقِ اعتماد ہونا بھی معلوم نہیں) کہتا ہے کہ: "یہ حلال ہے" تو کیا آپ اس کو بغیر کھٹک کے اطمینان سے کھالیں گے...؟ یا کسی برتن میں تردّد ہوجائے کہ اس میں پانی ہے یا پیشاب؟ ایک قابلِ اعتماد، ثقہ آدمی آپ کو بتاتا ہے کہ: "اس میں میرے سامنے پیشاب رکھا گیا ہے" اور دُوسرا کہتا ہے کہ: "میاں! ایسی باتوں پر کان نہیں دھرا کرتے، اطمینان سے پانی سمجھ کر اس کو پی لو" تو کیا آپ کو اس شخص کی بات پر اطمینان ہوجائے گا...؟ الغرض شرع و عقل کا مُسلّمہ اُصول یہ ہے کہ جس چیز میں تردّد ہو اس کو چھوڑ دو۔[4] اُمید ہے کہ ان اُمور کی وضاحت سے آپ کے سوال کا جواب مل گیا ہوگا۔

بینک کے سود کو منافع قرار دینے کے دلائل کے جوابات

سوال:... میں ایک بینک ملازم ہوں، تمام عالموں کی طرح آپ کا یہ خیال ہے کہ بینک میں جمع شدہ رقم پر منافع سود ہے، اور اسلام میں سود حرام ہے۔ سود میرے نزدیک بھی حرام ہے، لیکن سود کے بارے میں، میں اپنی رائے تحریر کررہا ہوں۔ معاف کیجئے

---

(۱) عن النبی صلی الله علیه وسلم قال: لَا تقبل صلٰوة بغیر طهور ولَا صدقة من غلول۔ (ترمذی ج:۱ ص:۳)۔ ویجتهد فی تحصیل نفقة حلال فإنه لَا یقبل بالنفقة الحرام کما ورد فی الحدیث۔ (ردالمحتار، کتاب الحج ج:۲ ص:۴۵۶)۔

(۲) وفی شرح حیل الخصاف لشمس الأئمة الحلوانی رحمه الله ان الشیخ الإمام أبا القاسم الحکیم کان ممن یأخذ جائزة السلطان وکان یستقرض بجمیع حوائجه وما یأخذ من الجائزة کان یقضی به دینه۔ (خلاصة الفتاویٰ ج:۴ ص:۳۴۹)۔ أیضًا: واذا أراد أن یحج ولم یکن معه إلّا مال حرام أو فیه شبهة فیستدین للحج من مال حلال لیس فیه شبهة ویحج به ثم یقض دینه فی ماله۔ (ارشاد الساری ص:۳ طبع بیروت)۔

(۳) عن عبدالله بن عمرو بن العاص قال: سمعت رسول الله صلی الله علیه وسلم یقول: إن الله لَا یقبض العلم إنتزاعًا ینتزعه من الناس ولٰکن یقبض العلم بقبض العلماء حتّٰی إذا لم یبق عالمًا إتخذ الناس رؤسًا جهّالًا فسئلوا فأفتوا بغیر علم، فضلّوا وأضلّوا۔ (بخاری ج:۱ ص:۲۰، باب کیف یقبض العلم)۔

(۴) وفی الحدیث: دع ما یریبک إلٰی ما لَا یریبک۔ (مشکٰوة ص:۲۴۲، کتاب البیوع، باب الکسب وطلب الحلال)۔

گا میری رائے غلط بھی ہوسکتی ہے، آپ کی رائے میرے لئے مقدم ہوگی۔ میرے نزدیک سود وہ ہے جو کسی ضرورت مند شخص کو دے کر اس کی مجبوری سے فائدہ اُٹھاتے ہوئے اپنی دی ہوئی رقم سے زائد رقم لوٹانے کا وعدہ لیا جائے اور وہ ضرورت کے تحت زائد رقم دینے پر مجبور ہو۔

کسی کی مجبوری سے ناجائز فائدہ اُٹھا کر زیادہ رقم وصول کرنا میرے نزدیک سود ہے، اور اس کو ہمارے مذہب میں سود قرار دیا گیا ہے۔ میرے پاس اپنے اخراجات کے علاوہ کچھ رقم پس انداز تھی جس کو میں اپنے جاننے والے ضرورت مند کو دے دیا کرتا تھا، لیکن ایک دو صاحبان نے میری رقم واپس نہیں کی جبکہ میں ان سے اپنی رقم سے زیادہ وصول نہیں کرتا تھا، اور نہ ہی واپسی کی کوئی مدت مقرر ہوئی تھی۔ جب ان کے پاس ہو جاتے تھے وہ مجھے اصل رقم لوٹا دیا کرتے تھے، لیکن چند صاحبان کی غلط حرکت نے مجھے رقم کسی کو بھی نہ دینے پر مجبور کر دیا۔

میرے پاس جو رقم گھر میں موجود تھی، اس کے چوری ہو جانے کا بھی خوف تھا، اور دُوسرے یہ کہ اگر اسی رقم سے میں کچھ آسائش کی اشیاء خریدتا ہوں تو میرے اخراجات میں اضافہ ہو جائے گا، جبکہ تنخواہ اس کا بوجھ برداشت نہیں کر سکتی، اس لئے میں نے بہتر یہی سمجھا کہ کیوں نہ اس کو بینک میں ڈپازٹ کر دیا جائے، لیکن سود کا لفظ میرے ذہن میں تھا، پھر میں نے کافی سوچا اور بالآخر یہ سوچتے ہوئے بینک میں جمع کروا دیا کہ اس رقم سے ملکی معیشت میں اضافہ ہوگا، جس سے غریب عوام خوش ہوں گے اور دُوسرے، میری معاشی مشکلات میں کمی ہو جائے گی۔ میں بینک کے منافع کو سود اس لئے بھی نہیں سمجھتا کہ اس طرح سے کسی کی مجبوریوں سے فائدہ نہیں اُٹھ رہا، کسی کو نقصان نہیں پہنچ رہا، اور پھر بینک میں جمع شدہ رقم سے ملکی معیشت میں اضافہ کیا جاسکتا ہے، اس طرح سے بیروزگار افراد کو روزگار ملتا ہے اور پھر یہ کہ بینک اپنے منافع میں سے کچھ منافع ہمیں بھی دیتا ہے۔ میرے نزدیک یہ منافع سود اس لئے نہیں ہے کہ اس طرح سے کسی کی ضروریات سے فائدہ نہیں اُٹھایا گیا، کیونکہ بعض دفعہ کسی کو اُدھار دی ہوئی رقم بڑھتے بڑھتے اتنی ہو جاتی ہے کہ اصل رقم لوٹانے کے باوجود بھی اصل رقم سے زائد قرض رہ جاتی ہے، میرے نزدیک صرف اور صرف یہ سود ہے، بینک کا منافع نہیں۔

دُوسری بات میری بینک ملازمت ہے، بینک ملازمت کو آپ عالم حضرات ناجائز کہتے ہیں، اس کا مطلب یہ ہوا کہ میں جو روزی کما رہا ہوں، وہ بھی ناجائز ہے۔ تو کیا میں ملازمت چھوڑ دُوں اور ماں باپ اور بچوں کو اور خود کو بھوکا رکھوں؟ کیونکہ ملازمت حاصل کرنا بہت مشکل ہے۔ اور پھر میں یہ سمجھتا ہوں کہ ہر گورنمنٹ ملازم کو جو تنخواہ ملتی ہے اس میں بینک کے منافع کا حصہ بھی شامل ہوتا ہے۔ اس طرح سے تو ہر گورنمنٹ ملازم ناجائز روزی کما رہا ہے، اور آپ یہ کہیں کہ وہ شخص محنت کر کے مزدوری کما رہا ہے تو ہمیں بھی بینک بغیر محنت کے تنخواہ نہیں دیتا۔ ہم جو تنخواہ بینک سے لیتے ہیں وہ ہماری محنت کی ہوتی ہے، نہ کہ بینک اپنے منافع سے دیتا ہے۔ اور آپ روزی کے اس ذریعہ کو کیا کہیں گے جو کوئی شخص کسی بینک ملازم کے ہاں، رشوت خور، منشیات فروش، مشرک، طوائف اور ڈاکو کے ہاں کام کر کے روزی کماتا ہے؟ ان مندرجہ بالا باتوں سے میں یہ سمجھتا ہوں کہ ہر وہ شخص جو کہیں پر بھی کوئی بھی ملازمت کرتا ہے اس کی تنخواہ میں ناجائز پیسہ ضرور شامل ہو جاتا ہے، لہٰذا میرے ان سوالوں کا تفصیلی جواب عنایت فرمائیں۔

جواب:... روپیہ قرض دے کر اس پر زائد روپیہ وصول کرنا سود ہے،[1] خواہ لینے والا مجبوری کی بنا پر قرض لے رہا ہو، یا اپنا کاروبار چکانے کے لئے، اور وہ جو زائد روپیہ دیتا ہے، خواہ مجبوری کے تحت دیتا ہو یا خوشی سے۔ اس لئے آپ کا یہ خیال صحیح نہیں ہے کہ سود محض مجبوری کی صورت میں ہوتا ہے۔

۱:... یہ بینک کا سود جو آپ کو بے ضرر نظر آرہا ہے، اس کے نتائج آج عفریت کی شکل میں ہمارے سامنے ہیں۔ امیروں کا امیر تر ہونا اور غریبوں کا غریب تر ہونا، ملک میں طبقاتی کشمکش کا پیدا ہو جانا اور ملک کا کھربوں روپے کا بیرونی قرضوں کے سود میں جکڑا جانا، اسی سودی نظام کے شاخسانے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے سودی نظام کو اللہ اور رسول کے خلاف اعلانِ جنگ قرار دیا ہے، اسلامی معاشرہ خدا اور رسول سے جنگ کر کے جس طرح چور چور ہو چکا ہے، وہ سب کی آنکھوں کے سامنے ہے۔ میرے علم میں ایسی بہت سی مثالیں موجود ہیں کہ کچھ لوگوں نے بینک سے سودی قرضہ لیا اور پھر اس لعنت میں ایسے جکڑے گئے کہ نہ جیتے ہیں، نہ مرتے ہیں۔ ہمارے معاشی ماہرین کا فرض یہ تھا کہ وہ بینکاری نظام کی تشکیل غیرسودی خطوط پر استوار کرتے، لیکن افسوس کہ آج تک سود کی شکلیں بدل کر ان کو حلال اور جائز کہنے کے سوا کوئی قدم نہیں اُٹھایا گیا۔

۲:... بینک کے ملازمین کو سودی کام (حساب و کتاب) بھی کرنا پڑتا ہے، اور سود ہی سے ان کو تنخواہ بھی ملتی ہے، جبکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

"عن علی رضی الله عنه أنه سمع رسول الله صلی الله علیه وسلم لعن آکل الربا أو موکله و کاتبه۔" (مشکوٰۃ ص:۲۴۶)

ترجمہ:... "اللہ کی لعنت! سود لینے والے پر، دینے والے پر، اس کی گواہی دینے والے پر اور اس کے لکھنے والے پر۔"

جو کام بذاتِ خود حرام ہو، ملعون ہو اور اس کی اُجرت بھی حرام مال ہی سے ملتی ہو، اس کو اگر ناجائز نہ کہا جائے تو کیا کہا جائے...؟ فرض کریں کہ ایک شخص نے زنا کا اڈہ قائم کر رکھا ہے اور زنا کی آمدنی سے وہ قحبہ خانے کے ملازمین کو تنخواہ دیتا ہے تو کیا اس تنخواہ کو حلال کہا جائے گا؟ اور کیا قحبہ خانے کی ملازمت حلال ہوگی...؟

آپ کا یہ شبہ کہ: "تمام سرکاری ملازمین کو جو تنخواہ ملتی ہے، اس میں بینک کا منافع شامل ہوتا ہے، اس لئے کوئی ملازمت بھی صحیح نہیں ہوئی" یہ شبہ اس لئے صحیح نہیں کہ دُوسرے سرکاری ملازمین کو سود کی لکھت پڑھت کے لئے ملازم نہیں رکھا جاتا، بلکہ حلال اور جائز کاموں کے لئے ملازم رکھا جاتا ہے، اس لئے ان کی ملازمت جائز ہے۔ اور گورنمنٹ جو تنخواہ ان کو دیتی ہے وہ سود میں سے نہیں دیتی بلکہ سرکاری خزانے میں جو رُقوم جمع ہوتی ہیں، ان میں سے دیتی ہے، اور بینک ملازمین کو ان پر قیاس کرنا غلط ہے۔

آپ کا یہ کہنا کہ: "ملازمت چھوڑ کر والدین کو اور خود کو اور بچوں کو بھوکا رکھوں؟" اس کے بارے میں یہی عرض کر سکتا ہوں کہ جب قیامت کے دن آپ سے سوال کیا جائے گا کہ: "جب ہم نے حلال روزی کے ہزاروں وسائل پیدا کئے تھے، تم نے کیوں حرام

(۱) کل قرض جر نفعًا فهو حرام۔ (رد المحتار ج:۵ ص:۱۶۶، فصل فی القرض)۔

کمایا اور کھلایا؟'' تو اس سوال کا کیا جواب دیجئے گا...؟ اور میں کہتا ہوں کہ اگر آپ بھوک کے خوف سے بینک کی ملازمت پر مجبور ہیں اور ملازمت نہیں چھوڑ سکتے تو کم سے کم اپنے گناہ کا اقرار تو اللہ کی بارگاہ میں کرسکتے ہیں کہ: ''یا اللہ! میں اپنی ایمانی کمزوری کی وجہ سے حرام کما اور کھلا رہا ہوں، میں مجرم ہوں، مجھے معاف فرمادیجئے'' اقرارِ جرم کرنے میں تو کسی بھوک، پیاس کا اندیشہ نہیں...!

کیا مجبوراً رقم قومی بچت اسکیم میں لگاسکتے ہیں؟

سوال:...ایک ریٹائرڈ بزرگ اپنی آمدنی کے لئے اپنی آخری جمع پونجی کہاں استعمال کریں جبکہ:

۱:...ان کا کوئی بیٹا نہیں ہے۔

۲:...کاروباری تجربہ نہ ہونے کی وجہ سے رقم ڈُوبنے کا خدشہ ہے۔

۳:...دُکان چلانے کی صحت اجازت نہیں دیتی۔

۴:...شراکت داری میں سو فیصدی پیسہ ڈُوبنے کا اندیشہ ہے۔

کیا ان تمام مجبوریوں کے سبب یہ اپنی رقم قومی بچت کی ماہانہ اسکیم میں لگاسکتے ہیں؟ اگر نہیں تو پھر کیا کریں؟

جواب:...کوئی قابلِ اعتماد آدمی تلاش کرلیا جائے، جو صحیح طریقے سے کاروبار کرے، ورنہ یہ پیسے بینک میں رکھ لیں، بقدرِ ضرورت اِستعمال کرتے رہیں۔

سود سے کیسے بچا جائے جبکہ مسلمان ملک بھی اسی نظام سے منسلک ہیں؟

سوال:...بین الاقوامی معاشی نظام سود پر چل رہا ہے، ایک ملک دُوسرے ملک سے قرضہ سود پر حاصل کرتا ہے، آج کے دور میں کوئی ملک بھی ایسا نہیں جو کہ اس معاشی نظام سے علیحدہ رہ سکے، حتیٰ کہ سعودی عرب جیسا مال دار ملک بھی مختلف طریقوں سے اسی معاشی نظام سے منسلک ہے۔ یا تو پوری دُنیا کے معاشی نظام کو یکسر تبدیل کردیا جائے کہ سود کا تصوّر نہ ہو، یا پھر ایک ملک مکمل طور پر ہر لحاظ سے خودکفیل ہو تاکہ اس کو دُوسرے سے قرضہ لینے کی ضرورت پیش نہ آئے۔ ان دو صورتوں کے علاوہ کوئی تیسری صورت نہیں ہے جو کہ کسی ملک کو اس بین الاقوامی نظام سے علیحدہ رکھے، ورنہ جو ملک قرضہ لے گا، لازم ہے کہ اس ملک کا معاشی نظام سود پر ہی اُستوار ہوگا۔

جواب:...مغرب کے یہودی ساہوکاروں نے یہ سودی نظام بنایا ہی ایسے طور پر کہ کوئی ملک معاشی طور پر خودکفیل نہ ہوسکے۔ بہرحال سود تو حرام ہی رہے گا، اس کو حلال قرار دینا تو ہمارے اِختیار میں نہیں۔[1]

دوائی والی کمپنی کی تنخواہ میں سود شامل نہیں ہوتا

سوال:...میرے عزیز و اقارب میری تنخواہ کو سود میں شامل کر رہے ہیں، یہ جو تنخواہ ملتی ہے، اس میں سود شامل ہوتا ہے، میں

---

(۱) وأحل الله البيع وحرم الربٰوا۔ (البقرة:۲۷۵)۔ يٰـأيها الذين اٰمنوا اتقوا الله وذروا ما بقي من الربٰوا إن كنتم مؤمنين۔ (البقرة:۲۷۸)۔

ایک غیرملکی کمپنی میں ملازمت کرتا ہوں، یہ ایک دوائی کی کمپنی ہے، اور ہر قسم کی دوائی بنتی ہے، میں آپ سے یہ معلوم کرنا چاہتا ہوں کہ یہ جو تنخواہ میں لیتا ہوں آیا یہ سود میں شامل ہوتی ہے یا مجھے اصل اُجرت ملتی ہے؟ میری کل تنخواہ ۴۰۰۰ روپے ہے، نہ مجھے بینک سے ملتی ہے، کمپنی مجھے دیتی ہے، نہ تو اس کا کوئی تعلق بینک سے ہے، اور نہ کہیں اور سے، آٹھ گھنٹے ہم محنت کرتے ہیں اسی کی اُجرت ہمیں ملتی ہے۔ عزیز و اقارب مجھے اس لئے بھی کہتے ہیں کہ یہ ایک غیرملکی کمپنی ہے۔ ہر کمپنی اپنا پیسہ بینک میں رکھتی ہے، اس کا کوئی تعلق نہیں ہوتا، وہ تو ہمیں جو مقرّر کردہ اُجرت ہے وہ ہمیں ملتی ہے، مگر لوگ یہ کہتے ہیں کہ جو تنخواہ آپ لیتے ہیں اس میں سود شامل ہوتا ہے، اور یہ بھی کہتے ہیں کہ پورا پاکستان سود پر چل رہا ہے۔

جواب:... آپ کی ملازمت اور تنخواہ صحیح ہے، لوگوں کی قیاس آرائیاں بے علمی پر مبنی ہیں، ان کی باتوں سے پریشان نہ ہوں۔

کوئی محکمہ سود کی آمیزش سے پاک نہیں تو بینک کی ملازمت حرام کیوں؟

سوال:... بینک کی نوکری کا ایک مسئلہ پوچھنا چاہتا ہوں، اُمید ہے کہ آپ اس کا جواب دے کر میرے اور دُوسرے لوگوں کے شکوک و شبہات کو دُور کردیں گے۔ میں ایک بینک میں ملازم ہوں اور اس ملازمت کو ایک سودی کاروبار تصوّر کرتا ہوں، اور یہ بھی سمجھتا ہوں کہ جو زمین سود کی دولت سے خریدی گئی ہو اس پر نماز بھی نہیں ہوسکتی، یعنی بینک کی زمین پر۔ میرے کچھ دوست اس بات سے اختلاف کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اس سود میں اور جو سود حرام ہوچکا ہے، بہت فرق ہے۔ بنیے لوگوں کی مجبوری سے فائدہ اُٹھاکر سود اُٹھالیتے اور بڑھاتے جاتے ہیں، اگر مقرّرہ وقت تک قرض نہیں ملتا تو سود مرکب لگادیا جاتا ہے، جبکہ بینک ایک معاہدے کے تحت دیتے ہیں اور قرض دار کو قرض واپس کرنے میں چھوٹ بھی دے دی جاتی ہے۔ بعض حالات میں سود کو معاف بھی کردیا جاتا ہے۔ بینک لوگوں کی جو رقم اپنے پاس رکھتے ہیں اسے کاروبار میں لگاکر کافی رقم کمالیتے ہیں اور پھر انہی لوگوں کو ایک منافع کے ساتھ وہ رقم واپس کردیتے ہیں۔ اگر بینک کی جائیداد سودی جائیداد ہے تو حکومت کی ہر ایک جائیداد بھی سودی ہے، کیونکہ حکومت بینکوں کو مجبور کرتی ہے کہ وہ سود لے اور دے، حکومت اسی رقم سے معیشت کو چلاتی ہے، مثلاً: کوئی اسپتال، اسکول یا جو بھی جائیداد حکومت خریدتی اور بناتی ہے اس میں سود کی رقم بھی شامل ہوتی ہے۔

جواب:... آپ کے دوستوں نے "حرام سود" کے درمیان اور بینک کے سود کے درمیان جو فرق بتایا ہے وہ میری سمجھ میں نہیں آیا۔ یہ تو ظاہر ہے کہ سود کا لین دین جب بھی ہوگا کسی معاہدے کے تحت ہی ہوگا، یہی بینک کرتے ہیں۔ بہرحال بینک کی آمدنی سود کی مد میں شامل ہے، اس لئے اس پر سودی رقم کے تمام اَحکام لگائے جائیں گے۔

غیرسودی بینک کی ملازمت جائز ہے

سوال:... "بینک میں ملازمت جائز ہے یا ناجائز ہے" اس سلسلے میں آپ سے صرف یہ معلوم کرنا چاہتا ہوں کہ میرے بہت سے دوست بینک میں کام کرتے ہیں اور مجھے بھی بینک میں کام کرنے کو کہتے ہیں، لیکن میں نے ان سے یہ کہا ہے کہ بینک میں سود کا لین دین ہوتا ہے، اس لئے بینک کی سروس ٹھیک نہیں ہے، کیونکہ دُنیا کی زندگی بہت تھوڑی سی ہے، آخرت کی زندگی بہت لمبی ہے جو کبھی بھی

ختم نہیں ہوگی۔ اس لئے ہر انسان کو دُنیا میں خدا کے اَحکامات اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقے پر زندگی گزارنی چاہئے۔ ہٰذا میں بینک کی ملازمت کے بارے میں یہ معلوم کرنا چاہتا ہوں کہ چونکہ اس وقت بینک میں سود ہی پر سارا کاروبار ہوتا ہے، اس لئے اگر بینک کی ملازمت اس وقت کرنا ناجائز ہے، تو جیسا کہ ہمارے ملک میں ابھی اسلامی نظام نافذ ہونے والا ہے اور اس میں سود کو بالکل ختم کردیا جائے گا، اس کی جگہ اسلامی نظام کے تحت کام ہوگا، تو اس صورت میں اس وقت بینک میں سود کا نظام اگر ختم ہوجائے تو بینک کی ملازمت جائز ہے یا ناجائز؟ براہِ مہربانی جواب عنایت فرمائیں۔

جواب:… جب بینک میں سودی کاروبار نہیں ہوگا تو اس کی ملازمت بلاشک وشبہ جائز ہوگی۔

زرعی ترقیاتی بینک میں نوکری کرنا

سوال:… کیا میں زرعی ترقیاتی بینک میں نوکری کرسکتا ہوں؟

جواب:… زرعی ترقیاتی بینک اور دُوسرے بینک کے درمیان کوئی فرق نہیں۔

بینک کی تنخواہ کیسی ہے؟

سوال:… میں ایک بینک میں ملازم ہوں، جس کے بارے میں شاید آپ کو علم ہوگا کہ یہ ادارہ کیسے چلتا ہے۔ ہم بے شک محنت تھوڑی بہت کرتے ہیں لیکن میرا اپنا خیال ہے کہ ہماری تنخواہ حلال نہیں۔ بعض دوستوں کا خیال ہے کہ حلال ہے، اس لئے کہ ہم محنت کرتے ہیں۔ بہرحال گورنمنٹ نے سودی کاروبار ختم کرنے کا اعلان بھی کیا ہے، اور کچھ کھاتے ختم بھی ہو رہے ہیں، لیکن ابھی مکمل نجات نہیں ملی، آیا ہمارا رزق حلال ہے یا حرام؟ قرآن وحدیث کی روشنی میں وضاحت فرمائیں۔

جواب:… بینک اپنے ملازمین کو سود میں سے تنخواہ دیتا ہے، اس لئے یہ تنخواہ حلال نہیں۔ اس کی مثال ایسی سمجھ لیجئے کہ کسی زانیہ نے اپنے ملازم رکھے ہوئے ہوں اور وہ ان کو اپنے کسب میں سے تنخواہ دیتی ہو، تو ان ملازمین کے لئے وہ تنخواہ حلال نہیں ہوگی، بالکل یہی مثال بینک ملازمین کی ہے۔ علاوہ ازیں جس طرح سود لینے اور دینے والے پر لعنت آئی ہے، اسی طرح اس کے کاتب وشاہد پر لعنت آئی ہے۔[1] اس لئے سود کی دستاویزیں لکھنا بھی حرام ہے، اور اس کی اُجرت بھی حرام ہے۔ حرام کو اگر آدمی چھوڑ نہ سکے تو کم از کم درجے میں حرام کو حرام تو سمجھے…!

بینک کی ملازمت حرام ہے تو دُوسری تنخواہیں کیوں جائز ہیں جبکہ وہ بھی سود سے گورنمنٹ ادا کرتی ہے؟

سوال:… عرض ہے کہ بینک کی ملازمت اور اس کے عوض تنخواہ کو آپ نے حرام کمائی قرار دے دیا ہے، اس لئے کہ یہ سود میں

(۱) لعن رسول الله صلی الله علیه وسلم آکل الربا وموکله وشاهدیه وکاتبه وقال هم سواء۔ (مسلم ج ۲ ص ۲۷، باب الربا)۔ أیضًا: "یٰاَیها الذین اٰمنوا لَا تاکلوا أموالکم بینکم بالباطل" بما لم تبحه الشریعة من نحوه السرقة والخیانة والغصب والقمار وعقود الربا۔ (تفسیر نسفی ج ۱ ص: ۳۵۱، طبع دار ابن کثیر، بیروت)۔

سے ادا کی جاتی ہے، اور دُوسری ملازمتوں کی تنخواہ کو آپ نے جائز کام کی اُجرت قرار دے کر حلال کردیا ہے حالانکہ دُوسرے ملازمین کی تنخواہوں کو بھی گورنمنٹ سود کی کمائی میں سے ادا کرتی ہے۔ گویا بینک کا ملازم تو حرام کار ہے اور بینک کی طرف سے جمع شدہ رقم وصول کرنے والا حلال کار ہے، حکومتِ پاکستان بھی سود پر قرضے لیتی ہے۔

آپ نے حضرت علیؓ کا وہ ارشاد تو سنا ہی ہوگا کہ جب ان سے شراب کی حرمت کے بارے میں پوچھا گیا تو انہوں نے فرمایا کہ اگر شراب کا ایک قطرہ کسی پانی سے بھرے بڑے تالاب میں گرجائے اور پھر وہ تالاب سوکھ جائے اور اس میں گھاس اُگ آئے اور وہ گھاس کوئی بکری، گائے کھالے تو اس بکری گائے کا دُودھ بھی حرام ہے۔

ہم پاکستانی جو بھی کمائی کرتے ہیں اس میں تنخواہیں، تجارت، عطیے، چندے، چوری چکاری، لوٹ مار بھی شامل ہیں، وہ سب بنیادی طور پر سود کا ہی تو مال ہے، تو پھر ہمارا کھانا پینا، لباس، مکان، ساز و سامان اور جائیدادیں بھی سود کی کمائی سے موجود ہیں، یہاں تک کہ ہماری مسجدیں، مدرسے اور بڑے بڑے دینی مراکز جو چندہ لیتے ہیں سب سود کا مال ہوتا ہے، کوئی بھی اِمامِ مسجد یا مدرسے والے کسی سے چندہ یا عطیہ لیتے وقت یہ نہیں پوچھتے کہ یہ مال تم نے کیسے کمایا ہے؟ بھلا پاکستان میں جہاں ہر کام اور کمائی سودی کاروبار کی بدولت ہو رہے ہیں وہاں حلال کمائی کا تصوّر بھی نہیں کیا جاسکتا۔ ہم حج بھی سودی کمائی پر کرتے ہیں، اور پھر حاجی بن جاتے ہیں وغیرہ۔ کوئی گستاخی یا بے ادبی ہوگئی ہو تو معاف فرمادیں، اللہ تعالیٰ معاف فرمانے والوں کو پسند فرماتا ہے۔

جواب:... آپ کی حیرت بجا ہے، تاہم اپنے اِختیار اور اِرادے سے حرام کھانا اور بات ہے، اور ایک شخص جائز کام یا ملازمت کرتا ہے، اس میں غیراِختیاری طور پر حرام کی ملاوٹ ہوجاتی ہے تو یہ دُوسری بات ہے، دونوں کا ایک حکم نہیں۔

بینک ملازمین، پولیس، کسٹم، واپڈا والوں کے بچوں کو ٹیوشن پڑھانا

سوال:... میں ایک اُستاد ہوں، اور مختلف طبقات سے تعلق رکھنے والے افراد کے بچوں کو ٹیوشن پڑھاتا ہوں، آپ سے پوچھنا یہ ہے کہ کیا میں بینک والوں، پولیس والوں، کسٹم والوں، واپڈا والوں اور اس طرح کے دُوسرے لوگوں کے بچوں کو پڑھا کر اپنی محنت کی ٹیوشن فیس لے سکتا ہوں؟ اَزراہِ کرم ہر ایک کے بارے میں الگ الگ مشورہ دیں۔

جواب:... ہر ایک کی تفصیل لکھنا تو مشکل ہے، مختصر یہ کہ جس شخص کی آمدنی کا غالب حصہ حلال کا ہو، وہ آپ کے لئے جائز ہے، اور جس کی آمدنی کا غالب حصہ حلال کا نہ ہو، اس سے پرہیز کرنا چاہئے۔ اور ان سے کہا جائے کہ آپ بچوں کو پڑھواتے ہیں تو مجھے حلال کے پیسے لاکردیں۔[1]

---

(۱) آکل الربا وکاسب الحرام أهدیٰ إلیه أو أضافه وغالب ماله حرام لَا یقبل ولَا یأکل ما لم یخبره إن ذٰلک المال أصله حلال۔ (عالمگیری ج.۵ ص:۳۴۳، الباب الثانی عشر فی الهدایا والضیافات، کتاب الکراهیة)۔ أیضًا: إذا کان غالب مال المهدی حلالًا فلا بأس بقبول هدیته وأکل ماله مالم یتبین أنه من حرام۔ (الأشباه والنظائر ص:۱۲۵، طبع إدارة القرآن)۔

بینک کی مختلف پانی، بجلی، گیس، تنخواہوں کی ادائیگی کی خدمات انجام دینے والے کی تنخواہ کیوں حرام ہے؟

سوال:… قرضہ دینے کے علاوہ آج کل ''بینک'' روزمرّہ کی زندگی کا لازمی جزو بن گیا ہے، اور مختلف خدمات انجام دے رہا ہے۔ پانی، بجلی، گیس وغیرہ کا بل، ٹیکس، تنخواہوں کی ادائیگی، ایک ملک سے دُوسرے ملک کے تاجر حضرات کے درمیان تجارتی رابطے، رُقوم کی ترسیل وغیرہ وغیرہ۔ یعنی بینک کی اہمیت سے بھی انکار نہیں کیا جاسکتا، جو لوگ اس ادارے سے وابستہ ہیں وہ یہ خدمات بھی انجام دے رہے ہیں آیا جو حقِ خدمت وہ لیتے ہیں وہ جائز ہے یا ناجائز؟

جواب:… وہ خدمات بجا ہیں، لیکن بینک سودی نظام پر چل رہا ہے، اگر اس نظام کو تبدیل کردیا جائے تو بینک بڑی مفید چیز ہے، ورنہ سب سے زیادہ نقصان دہ چیز ہے۔

کیا تصویر کھنچوانے کی طرح بینک کی ملازمت بھی مجبوری نہیں ہے جبکہ دُوسری ملازمت نہیں ملتی؟

سوال:… بینک پیشے سے ہزاروں نہیں، بلکہ لاکھوں افراد وابستہ ہیں۔ آج کل ملازمتوں کا حال آپ کو معلوم ہے، ہم نہ چاہنے کے باوجود اپنے بیوی بچوں، ماں یا بہن بھائی وغیرہ کی کفالت کرنے کے لئے اس پیشے سے وابستہ ہیں۔ آپ نے پچھلی کسی اشاعت میں فرمایا تھا کہ بینک ملازمت کرنے والوں کی کمائی حرام ہے، نہ رزق حلال، نہ عبادات قبول، حتیٰ کہ جن کے رشتہ دار بینک میں ملازمت کر رہے ہوں ان کے ہاں کھانا پینا، ان سے تعلق رکھنا بھی صحیح نہیں۔ میری ان تمام عرض داشتوں کا مطلب آپ سے رہنمائی حاصل کرنا ہے، میں الحمدللہ! مسلمان ہوں اور کوشش کرتا ہوں کہ خدا اور اس کے رسول کے بتائے ہوئے راستے پر چلوں، مگر مسلسل ذہنی کرب سے دوچار ہوں۔ آپ نے تصویر کے بارے میں ایک دفعہ فرمایا تھا کہ اگر قانونی مجبوری ہو تو کھنچوائی جاسکتی ہے، جس کا عذاب یا جوابدہی حکومتِ وقت پر ہوگی، تو اس معاشی نظام میں جس کا ہم حصہ ہیں، ہم لوگ کس حد تک ذمہ دار ہیں؟

جواب:… یہ تو میں بھی جانتا ہوں کہ لاکھوں آدمیوں کا ذریعۂ معاش یہی ہے۔ اور یہ بھی جانتا ہوں کہ میرے کہنے پر یا خدا اور رسول کے کہنے پر بھی اس ذریعۂ معاش کو نہیں چھوڑیں گے…! لیکن زہر کھانے والوں کو یہ بتانا بہرحال ضروری ہے کہ جو کچھ تم کھا رہے ہو، یہ زہر ہے۔ اس کا فائدہ یہ ہوگا کہ اور نہیں تو وہ اپنے آپ کو گناہگار سمجھ کر اِستغفار تو کرتے رہیں گے۔ اس لئے آپ تین کام کریں۔ ایک یہ کہ کسی حلال ذریعہ معاش کی تلاش میں رہیں، اور اللہ تعالیٰ سے دُعا بھی کرتے رہیں۔ دوم یہ کہ اللہ تعالیٰ سے معافی مانگتے رہیں، اور اپنے آپ کو خدا اور رسول کا مجرم تصوّر کریں۔ تیسرے یہ کہ بینک سے جو تنخواہ ملتی ہے اس کو نہ گھر میں خرچ کریں نہ اس سے صدقہ خیرات اور حج وعمرہ کریں، بلکہ کسی غیرمسلم سے قرض لے کر خرچ کیا کریں، اور اپنی پوری تنخواہ سے اس کا

قرض ادا کر دیا کریں۔[1]

بینک میں سودی کاروبار کی وجہ سے ملازمت حرام ہے

سوال:... آیا پاکستان میں بینک کی نوکری حلال ہے یا حرام؟ (دوٹوک الفاظ میں) کیونکہ کچھ حضرات جو صوم وصلوٰۃ کے پابند بھی ہیں اور پندرہ بیس سال سے بینک کی نوکری کرتے چلے آرہے ہیں اور اپنی اولاد کو بھی اس میں لگا دیا ہے، اور کہتے ہیں کہ: ''ہم مانتے ہیں کہ سودی کاروبار مکمل طور پر حرام ہے مگر بینک کی نوکری (گو بینک میں سودی نظام ہے) ایک مزدوری ہے جس کی ہم اُجرت لیتے ہیں، اصل سود خور تو ''علیٰ حکام ہیں جن کے ہاتھ میں سارا نظام ہے، ہم تو صرف نوکر ہیں اور ہم تو سود نہیں لیتے'' وغیرہ وغیرہ۔

جواب:... بینک کا نظام جب تک سود پر چلتا ہے اس کی نوکری حرام ہے، ان حضرات کا یہ استدلال کہ: ''ہم تو نوکر ہیں، خود تو سود نہیں لیتے'' جواز کی دلیل نہیں، کیونکہ حدیث میں ہے:

''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سود کھانے والے پر، کھلانے والے پر، اور اس کے لکھنے والے پر اور اس کی گواہی دینے والے پر لعنت فرمائی، اور فرمایا کہ یہ سب برابر ہیں۔''[2]

پس جبکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سب کو ملعون اور گناہ میں برابر قرار دیا ہے تو کسی شخص کا یہ کہنا کس طرح صحیح ہوسکتا ہے کہ: ''میں خود تو سود نہیں لیتا، میں تو سودی ادارے میں نوکری کرتا ہوں۔''

علاوہ ازیں بینک ملازمین کو جو تنخواہیں دی جاتی ہیں، وہ سود میں سے دی جاتی ہیں، تو مالِ حرام سے تنخواہ لینا کیسے حلال ہوگا...؟ اگر کسی نے بدکاری کا اڈہ قائم کیا ہو اور اس نے چند ملازمین بھی اپنے اس ادارے میں کام کرنے کے لئے رکھے ہوئے ہوں، جن کو اس گندی آمدنی میں سے تنخواہ دیتا ہو، کیا ان ملازمین کی یہ نوکری حلال اور ان کی تنخواہ پاک ہوگی...؟

جو لوگ بینک میں ملازم ہیں، ان کو چاہئے کہ جب تک بینک میں سودی نظام نافذ ہے، اپنے پیشہ کو گناہ اور اپنی تنخواہ کو ناپاک سمجھ کر اللہ تعالیٰ سے اِستغفار کرتے رہیں اور کسی جائز ذریعۂ معاش کی تلاش میں رہیں۔ جب جائز ذریعۂ معاش مل جائے تو فوراً بینک کی نوکری چھوڑ کر اس کو اختیار کرلیں۔

بینک کی ملازمت کرنے والا گناہ کی شدّت کو کم کرنے کے لئے کیا کرے؟

سوال:... میں عرصہ ۸ سال سے بینک میں ملازمت بطور اسٹینو کر رہا ہوں، جو کہ اسلامی نقطۂ نگاہ سے حرام ہے۔ میں اس

---

(۱) وفی شرح حیل الخصاف لشمس الأئمة الحلوانی رحمه الله ان الشیخ الإمام أبا القاسم الحکیم کان ممن یأخذ جائزة السلطان وکان یستقرض بجمیع حوائجه وما یأخذ من الجائزة کان یقضی به دینه۔ (خلاصة الفتاوی ج:۴ ص:۳۴۹)۔
أیضًا: وإذا أراد أن یحج ولم یکن معه إلّا مال حرام أو فیه شبهة فیستدین للحج من مال حلال لیس فیه شبهة ویحج به ثم یقضی دینه فی ماله۔ (ارشاد الساری ص:۳، طبع بیروت)۔

(۲) عن علی أنه سمع رسول الله صلی الله علیه وسلم لعن آکل الربا ومؤکله وکاتبه وشاهدیه وقال هم سواء۔ (مسلم ج:۲ ص:۲۷، باب الربا)۔

دلدل سے نکلنا چاہتا ہوں، لیکن کچھ سمجھ میں نہیں آتا کہ کس طرح جان چھڑاؤں؟ گھر کی ذمہ داریاں بہت زیادہ ہیں اور کوئی دُوسرا روزگار بظاہر نظر نہیں آتا۔ اُمید ہے کوئی بہتر تجویز یا مشورہ عنایت فرمائیں گے۔

جواب:... آپ تین باتوں کا التزام کریں:

اوّل:... اپنے آپ کو گنہگار سمجھتے ہوئے اِستغفار کرتے رہیں، اور اللہ تعالیٰ سے دُعا کرتے رہیں کہ کوئی حلال ذریعۂ معاش عطا فرمائیں۔

دوم:... حلال ذریعۂ معاش کی تلاش اور کوشش جاری رکھیں، خواہ اس میں آمدنی کچھ کم ہو، مگر ضرورت گزارے کے مطابق ہو۔

سوم:... آپ بینک کی تنخواہ گھر میں استعمال نہ کیا کریں، بلکہ ہر مہینے کسی غیرمسلم سے قرض لے کر گھر کا خرچ چلایا کریں، اور بینک کی تنخواہ قرض میں دے دیا کریں، بشرطیکہ ایسا کرنا ممکن ہو۔ [1]

بینک کی تنخواہ کے ضرر کو کم کرنے کی تدبیر

سوال:... میں ایک بینک میں ملازم ہوں، اس سلسلے میں آپ سے التماس ہے کہ آپ مجھے مندرجہ ذیل سوالات کا حل بتائیں:

۱:... یہ پیشہ حلال ہے یا نہیں؟ کیونکہ ہم لوگ محنت کرتے ہیں، اس کا معاوضہ ملتا ہے۔

۲:... آپ نے فرمایا تھا کہ تنخواہ کسی غیرمسلم سے قرض لے کر اس کو ادا کردی جائے، اگر کوئی غیرمسلم جاننے والا نہ ہو تو اس کا دُوسرا طریقہ کیا ہے؟

۳:... حلال روزی کے لئے میں کوشش کر رہا ہوں، مگر کامیابی نہیں ہوتی، کیا اس رقم کو کھانے والے کی دُعا قبول نہیں ہوتی؟ کیونکہ میں دُعا کرتا ہوں، اگر دُعا قبول نہیں ہوتی تو پھر کس طرح میں دُوسرا وسیلہ بنا سکوں گا۔

۴:... میں نے اس پیسے سے دُوسرا کاروبار کیا تھا، مگر مجھے سات ہزار روپے کا نقصان ہوا، اب میں کوئی دُوسرا کام کرنے سے ڈرتا ہوں، کیونکہ یہ رقم جہاں بھی لگاتا ہوں، اس سے نقصان ہوتا ہے۔ برائے مہربانی اس کا حل بتائیں کہ کوئی کاروبار کرنا ہو تو پھر کیا کیا جائے؟

۵:... کہتے ہیں کہ اس رقم کا صدقہ، خیرات قبول نہیں ہوتا، اس کا کیا طریقہ ہے؟

۶:... برائے مہربانی کوئی ایسا طریقہ بتائیں کہ میری دُعا، نماز، صدقہ، خیرات قبول ہو۔

جواب:... بینک کا سارا نظام سود پر چل رہا ہے اور سود ہی میں سے ملازمین کو تنخواہ دی جاتی ہے، اس لئے یہ تو جائز نہیں۔

---

(۱) وفی شرح حیل الخصاف لشمس الأئمة الحلوانی رحمه الله ان الشیخ الإمام أبا القاسم الحکیم کان ممن یأخذ جائزة السلطان وکان یستقرض بجمیع حوائجه وما یأخذ من الجائزة کان یقضی به دینه۔ (خلاصة الفتاوی ج:۴ ص ۳۴۹)۔ أیضًا۔ واذا أراد أن یحج ولم یکن معه إلّا مال حرام أو فیه شبهة فیستدین للحج من مال حلال لیس فیه شبهة ویحج به ثم یقض دیه فی ماله۔ (ارشاد الساری ص:۳۰، طبع بیروت)۔

میں نے یہ تدبیر بتائی تھی کہ ہر مہینے کسی غیرمسلم سے قرض لے کر گھر کا خرچ چلایا جائے اور بینک کی تنخواہ قرض میں دے دی جائے۔[1] اب اگر آپ اس تدبیر پر عمل نہیں کرسکتے تو سوائے توبہ و استغفار کے اور کیا ہوسکتا ہے؟ حرام مال کا صدقہ نہیں ہوتا، اس کی تدبیر بھی وہی ہے جس پر آپ عمل نہیں کرسکتے۔

بینک کی ملازمت کی تنخواہ کا کیا کریں؟

سوال:... میں جب سے بینک میں ملازم ہوا ہوں (مجھے تقریباً ۵ سال ہوگئے ہیں) زیادہ تر بیمار رہتا ہوں۔ اب بھی مجھے حلق میں اور سینے میں صبح فجر سے لے کر رات سونے تک تکلیف رہتی ہے۔ میں بینک کی ملازمت چھوڑنا چاہتا ہوں لیکن جب تک یہ تکلیف رہے گی میرے لئے اور ملازمت تلاش کرنا بہت مشکل ہے۔ اخبار ''جنگ'' میں ''آپ کے مسائل اور ان کا حل'' میں بھی ایک دفعہ اس سلسلے میں ایک جواب آیا تھا کہ کسی غیرمسلم سے قرض لے کر تنخواہ اس قرض کی ادائیگی میں دے دی جائے، جب تک کہ دُوسری ملازمت نہ ملے، اور دُعا و استغفار کیا جائے۔ لیکن میرے کسی غیرمسلم سے تعلقات نہیں ہیں، اس لئے میرے لئے اس سے قرض لینا اور پھر تنخواہ اس کی ادائیگی میں دینا بھی ممکن نہیں ہے۔ آپ ہی اس سلسلے میں رہنمائی فرمائیں۔ میں نے اپنی اس تکلیف کا علاج بھی مختلف حکیموں، ڈاکٹروں اور رُوحانی علاج بھی کروایا ہے، لیکن ابھی تک افاقہ نہیں ہوا ہے۔

جواب:... اپنے کو گنہگار سمجھ کر اللہ تعالیٰ سے معافی مانگتے رہیں اور یہ دُعا کرتے رہیں کہ اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے رزقِ حلال کا راستہ کھول دیں اور حرام سے بچالیں۔

جس کی نوّے فیصد رقم سود کی ہو، وہ اب توبہ کس طرح کرے؟

سوال:... ایک صاحب تمام عمر بینک کی ملازمت کرتے رہے اور جو آمدنی ان کو ہوتی تھی اس میں سود کی ملاوٹ ہوتی تھی اور وہ آمدنی خود اور اسے اہل و عیال پر خرچ کرتے رہے۔ اب ریٹائر ہوگئے ہیں اور انہوں نے سودخوری اپنا پیشہ بنالیا ہے، اب صرف سود پر ان کا گزارہ ہے، اگر خدا کرے اس سودخوری سے وہ توبہ کرلیں تو اس وقت جو ان کے پاس سرمایہ ہے، اس کا کیا کریں؟ کیا توبہ کے بعد وہ سرمایہ حلال ہوسکتا ہے؟ ۹۰ فیصد ان کا سرمایہ بطور سود کے بینکوں سے کمایا ہوا ہے۔

جواب:... توبہ سے حرام روپیہ تو حلال نہیں ہوتا، حرام روپے کا حکم یہ ہے کہ اگر اس کا مالک موجود ہو تو اس کو واپس کردے، اور اگر ناجائز طریقے سے کمایا ہو تو بغیر نیتِ صدقہ کے کسی محتاج کو دے دے،[2] اور اگر اس کے پاس ناپاک روپے کے سوا کوئی چیز اس کے اور اس کے اہل و عیال کے خرچ کے لئے نہ ہو تو اس کی یہ تدبیر کرے کہ کسی غیرمسلم سے قرضہ لے کر اس کو استعمال کرے اور یہ

---

(۱) گزشتہ صفحے کا حاشیہ نمبر۱ ملاحظہ فرمائیں۔

(۲) والحاصل أنه إن علم أرباب الأموال وجب رده عليهم، وإلّا فإن علم عين الحرام لَا يحل له ويتصدق به بنية صاحبه. (ردالمحتار ج ۵ ص ۹۹، مطلب فيمن ورث مالًا حرامًا، طبع سعيد). أيضًا ويتصدق بلا نية الثواب إنما ينوى به براءة الذمة. (قواعد الفقه ص:۱۱۵، طبع صدف پبلشرز كراچی).

ناجائز روپیہ قرض میں ادا کرے۔ قرضے میں لی ہوئی رقم اس کے لئے حلال ہوگی،[1] اگرچہ ناجائز رقم سے قرض ادا کرنے کا گناہ ہوگا۔

بینک میں ملازم ماموں کے گھر کھانا اور تحفہ لینا

سوال:... میرے ماموں بینک میں ملازمت کرتے ہیں، جو کہ ایک سودی ادارہ ہے، تو کیا ہم ان کے گھر کھانا کھا سکتے ہیں؟ اور اگر وہ تحفے وغیرہ دیں تو وہ استعمال کر سکتے ہیں؟ جبکہ ان کی کمائی ناجائز اور حرام کی ہے۔ ان کے گھر کھانے سے ہماری نماز، روزہ قبول ہوگا یا نہیں؟

جواب:... بینک کی تنخواہ حلال نہیں، ان کے گھر کھانے سے پرہیز کیا جائے، اور جو کھالیا ہو اس پر استغفار کیا جائے۔ وہ کوئی تحفہ وغیرہ دیں تو کسی محتاج کو دے دیا جائے۔[2]

بینک ملازم مسجد کے لئے گھڑی دے تو کیا کیا جائے؟

سوال:... اکثر بینک والے اپنے بینک کی طرف سے مسجد میں گھڑی دیتے ہیں، تو کیا یہ صحیح ہے؟

جواب:... بینک کی تنخواہ سے دیں تو نہ لی جائے۔

بینک میں ملازم عزیز کے گھر کھانے سے بچنے کی کوشش کریں

سوال:... میرے عزیز بینک میں ملازم ہیں، ان کے گھر جب جانا ہوتا ہے تو ان کے ہاں چائے وغیرہ پینا کیسا ہے؟ اگرچہ میں دل سے اچھا نہیں سمجھتا مگر قریبی سسرالی رشتہ دار ہونے کے ناتے جا کر نہ کھانا شاید عجیب لگے۔

جواب:... کوشش بچنے کی کی جائے، اور اگر آدمی مبتلا ہو جائے تو استغفار سے تدارک کیا جائے۔[3] اگر ممکن ہو تو اس عزیز کو بھی سمجھایا جائے کہ وہ بینک کی تنخواہ گھر میں نہ لایا کریں بلکہ ہر مہینے کسی غیر مسلم سے قرض لے کر گھر میں خرچ دے دیا کریں اور بینک کی تنخواہ سے قرض ادا کر دیا کریں۔[4]

---

(۱) وفي شرح حيل الخصاف لشمس الأئمة الحلواني رحمه الله ان الشيخ الإمام أبا القاسم الحكيم كان ممن يأخذ جائزة السلطان وكان يستقرض بجميع حوائجه وما يأخذ من الجائزة كان يقضي به دينه. (خلاصة الفتاوى ج:۴ ص:۳۴۹).

(۲) رجل أهدىٰ إلى رجل شيئًا أو أضافه إن كان غالب ماله الحلال فلا بأس به إلّا أن يعلم بأنه حرام فإن كان الغالب هو الحرام ينبغي أن لا يقبل الهدية ولا يأكل الطعام. (عالمگیری ج:۵ ص:۳۴۲). أيضًا: إذا كان غالب مال المهدى حلالًا فلا بأس بقبول هديته وأكل ماله ما لم يتبين أنه من حرام. (الأشباه والنظائر ص:۱۲۵، طبع إدارة القرآن). وفي الفتاوى رجل اهدى إلى إنسان أو أضافه إن كان غالب مال المهدى حرامًا لا ينبغي أن يقبل ولا يأكل من طعامه حتى يخبره ان ذالك المال حلال ورثه أو استقرضه ولو كان غالب ماله حلالًا لا بأس به ما لم يبين انه حرام. (خلاصة الفتاوى ج:۴ ص ۳۴۹).

(۳) ومن يعمل سوءًا أو يظلم نفسه ثم يستغفر الله يجد الله غفورًا رحيمًا. (النساء:۱۱۰).

(۴) ايضاً.

بیمہ کمپنی، انشورنس وغیرہ

بیمہ اور انشورنس کا شرعی حکم

سوال:... بیمہ اور انشورنس، اسلامی اُصولوں کے لحاظ سے کیسا ہے؟ بعض دفعہ درآمدات کے لئے بیمہ ضروری ہوتا ہے، کیونکہ جہاز کے ڈُوبنے اور آگ لگنے کا خطرہ ہوتا ہے، اور ایسی صورت میں وہ شخص بیمہ، انشورنس کمپنی پر کلیم (دعویٰ) کر کے کل مالیت وصول کرسکتا ہے، ایسی صورتوں میں شریعت کیا کہتی ہے؟

جواب:... بیمہ کی جو موجودہ صورتیں رائج ہیں، وہ شرعی نقطۂ نظر سے صحیح نہیں، بلکہ قمار اور جوا کی ترقی یافتہ شکلیں ہیں۔ اس لئے اپنے اختیار سے بیمہ کرانا تو جائز نہیں۔[1] اور اگر قانونی مجبوری کی وجہ سے بیمہ کرانا پڑے تو اپنی ادا کردہ رقم سے زیادہ وصول کرنا دُرست نہیں۔[2] چونکہ بیمہ کا کاروبار دُرست نہیں، اس لئے بیمہ کمپنی میں ملازمت بھی صحیح نہیں۔

انشورنس کمپنی کی ملازمت کرنا

سوال:... میں ایک انشورنس کمپنی میں کام کرتا ہوں، اور یہاں آنے سے پہلے مجھے یہ نہیں معلوم تھا کہ انشورنس میں کام کرنا دُرست نہیں ہے، اور میں اس وقت صرف لائف انشورنس ہی کو غلط سمجھتا رہا۔ میں اس نوکری میں ۱۹۸۵ء سے لگا ہوں۔ ہماری انشورنس کمپنی براہِ راست لائف پالیسی جاری نہیں کرتی بلکہ اس کا تعلق اسٹیٹ لائف سے ہے، یہ کمپنی لائف کے علاوہ اور تمام رِسک لیتی ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ میں اس کو چاہتا ہوں کہ آج ہی چھوڑ دُوں، لیکن پیچھے گھر کو بھی دیکھتا ہوں کہ میرے والد صاحب خود سرکاری آفیسر تھے ریٹائر ہوچکے ہیں اور والد صاحب کی پنشن آتی ہے۔

جواب:... آپ فوری طور پر تو ملازمت نہ چھوڑیں، البتہ کسی جائز ذریعۂ معاش کی تلاش میں رہیں اور اللہ تعالیٰ سے دُعا بھی کرتے رہیں کہ اس سود کی لعنت سے نجات عطا فرمائیں۔ جب کوئی جائز ذریعۂ معاش میسر آجائے تو چھوڑ دیں، اس وقت تک اپنے آپ کو گنہگار سمجھتے ہوئے اِستغفار کرتے رہیں۔ اور اگر کوئی صورت ہوسکے کہ آپ کسی غیرمسلم سے قرض لے کر گھر کے خرچ کے لئے

---

(۱) قال تعالیٰ: إنما الخمر والميسر والأنصاب والأزلام رجس من عمل الشيطان۔ (المائدة:۹۰)۔ أيضًا: ما حرم فعله حرم طلبه۔ (شرح المجلة لسليم رستم باز ص:۳۴، المادة:۳۵)۔

(۲) کیونکہ یہ زائد رقم سود ہے، وقال تعالیٰ: وأحل الله البيع وحرم الربوٰا۔ (البقرة:۲۷۵)۔

دے دیا کریں اور تنخواہ کی رقم سے اس کا قرض ادا کر دیا کریں تو یہ صورت اختیار کرنی چاہئے۔[1]

سوال:... ضروری بات یہ ہے کہ کمپنی سے دو وقت چائے ملتی ہے، وہ پینا کیسا ہے؟

جواب:... نہ پیا کریں۔

کیا انشورنس کا کاروبار جائز ہے؟

سوال:... ہمارے ہاں انشورنس کا کاروبار ہوتا ہے، کیا شرعی لحاظ سے یہ جائز ہے؟ میری نظر میں اس لئے دُرست ہے کہ اگر آپ ایک مکان کی انشورنس کرائیں، اگر مکان کو آگ لگ جائے تو رقم مل جاتی ہے، اگر آگ نہ لگے تو ادا شدہ رقم ضائع ہوجاتی ہے، اس لئے اس میں چونکہ نفع و نقصان دونوں شامل ہیں، اس لئے جائز معلوم ہوتی ہے۔ البتہ زندگی کی پالیسی سے اگر انسان کی موت یا حادثہ واقع نہ ہوجائے تو کسی وقت وہ رقم ڈبل ہوجاتی ہے۔ کیا آپ کے خیال میں یہ اسکیم عمدہ نہیں کہ انسان کو تحفظ مل سکتا ہے؟ اگر کوئی مرد یا عورت بے سہارا ہے اور آخری عمر کی وجہ سے انشورنس کرواتا ہے تو کیا یہ اچھا نہ ہوگا؟ بس ایک تحفظ سا مل جاتا ہے۔ بہرحال آپ کے فتویٰ کا انتظار رہوگا، اہمیت جناب کے فتویٰ کی ہوگی۔

جواب:... انشورنس کی جو صورتیں آپ نے لکھی ہیں، وہ صحیح نہیں۔ یہ معاملہ قمار اور سود دونوں سے مرکب ہے۔[2] رہا آپ کا یہ ارشاد کہ: ''اس سے انسانوں کو تحفظ مل جاتا ہے'' اس کا جواب قرآنِ کریم میں دیا جاچکا ہے:

"قُلْ فِيْهِمَآ اِثْمٌ كَبِيْرٌ وَّمَنَافِعُ لِلنَّاسِ وَاِثْمُهُمَآ اَكْبَرُ مِنْ نَّفْعِهِمَا" (البقرة:۲۱۹)

ترجمہ:... ''آپ فرمادیجئے کہ ان دونوں (کے استعمال) میں گناہ کی بڑی بڑی باتیں بھی ہیں اور لوگوں کو (بعضے) فائدے بھی ہیں، اور (وہ) گناہ کی باتیں ان فائدوں سے بڑھی ہوئی ہیں'' (ترجمہ حضرت تھانویؒ)

میڈیکل انشورنس کی ایک جائز صورت

سوال:... میڈیکل انشورنس یہاں پر کچھ اس طرح سے شروع ہوئی کہ کسی آفس کے چند لوگ باری باری بیمار ہوئے جس کی وجہ سے بہت سے لوگوں کی مالی حالت ابتر ہوگئی۔ اس کے بعد ایک شخص اتنا بیمار ہوا کہ اس کے پاس علاج کے پیسے بھی نہ تھے، اس پر اس کے قریبی دوست و احباب نے کچھ رقم جمع کی جس کی وجہ سے اس کا علاج ہوسکا۔ اس طرح سے اس کے دوست و احباب نے جو کہ ساتھ ملازم تھے، باقاعدہ ایک فنڈ قائم کیا کہ ہر شخص ہر تنخواہ پر چند روپے فنڈ میں جمع کروائے اور پھر بوقتِ ضرورت ہر ممبر کے علاج کے موقع پر اسے مالی امداد مہیا کرے اس سے ممبر لوگوں کو بیماری کے وقت علاج کے لئے فنڈ سے پیسے مل جاتے تھے۔ اسی طرح رفتہ

---

(۱) وفي شرح حيل الخصاف لشمس الأئمة الحلواني رحمه الله ان الشيخ الإمام أبا القاسم كان ممن يأخذ جائزة السلطان وكان يستقرض بجميع حوائجه وما يأخذ من الجائزة كان يقضي به دينه۔ (خلاصة الفتاوىٰ ج:۴ ص ۳۴۹)۔

(۲) كل قرض جرّ نفعًا فهو حرام، القرض بالشرط حرام والشرط ليس بلازم۔ (خلاصة الفتاوىٰ ج ۳ ص ۵۴)۔ وحرم لو شرط فيها من الجانبين لأنّه يصير قمارًا۔ قال الشامي وسمى القمار قمارًا لأن كل واحد من المقامرين ممن يجوز أن يذهب ماله إلى صاحبه ويجوز أن يستفيد مال صاحبه وهو حرام بالنص۔ (ردالمحتار ج:۶ ص:۴۰۳، كتاب الحظر والإباحة)۔

باہر کے لوگ بھی اس فنڈ میں پیسے جمع کروانے لگے، اور بہت سے لوگ اس سے فائدہ اُٹھانے لگے، اور آج پورے امریکہ میں یہ رواج یا انشورنس عام ہے، اور بڑے بڑے لوگ بغیر تنخواہ کے اس کاروبار کو چلارہے ہیں۔ یہ ہے میڈیکل انشورنس، تجارتی طور پر کوئی اس سے فائدہ حاصل نہیں کرتا۔ اگر فنڈ میں سے زیادہ بیمار ممبروں پر صَرف ہوتا ہے تو تمام ممبروں کے لئے فیس بڑھادیتے ہیں، اور اگر کم ہوتا ہے تو فیس کم کردیتے ہیں، اگر یہ صورت ناجائز ہے تو اس کا بدل کیا ہوسکتا ہے؟

جواب:... میڈیکل انشورنس کی جو تفصیل سوال میں بیان کی گئی ہے، چونکہ اس کے کسی مرحلے میں سود یا قمار نہیں، اور بھی کوئی چیز خلافِ شریعت نہیں، اس لئے امدادِ باہمی کی یہ صورت بلاکراہت جائز بلکہ مستحب ہے۔ علمائے کرام کی طرف سے انشورنس اور امدادِ باہمی کی جو جائز صورتیں مختلف مواقع پر تجویز کی گئی ہیں، ان میں سے ایک یہ بھی ہے۔ مگر افسوس کہ مسلمان ملکوں میں اس طرف توجہ نہ دی گئی۔ کاش! ان کو بھی توفیق ہو کہ وہ انشورنس کی رائج الوقت حرام صورتوں کو چھوڑ کر جائز صورتیں اختیار کرلیں، واللہ اعلم!

بیمہ کمپنی میں بطور ایجنٹ کمیشن لینا

سوال:... ایک بیمہ کمپنی نے اعلان کیا ہے کہ کوئی بھی شخص اگر اس کے ایجنٹ کے طور پر کام کرے گا تو اسے مناسب کمیشن دیا جائے گا۔ آپ سے یہ معلوم کرنا ہے کہ کیا یہ کمیشن لینا جائز ہوگا؟ نیز یہ بھی بتائیں کہ آج کل تین قسطوں پر مشتمل ایک بیمہ پالیسی چل رہی ہے جس میں پالیسی ہولڈر بیمہ کی مدّت کے اختتام پر اپنی اداشدہ رقم کی دُگنی رقم وصول کرسکتا ہے، آپ وضاحت فرمائیں کہ کیا یہ رقم جائز ہوگی؟

جواب:... بیمہ کمپنیوں کا موجودہ نظام سود پر چلتا ہے، اور سود میں سے کمیشن لینا کیسا ہوگا؟ اس کو بیان کرنے کی ضرورت نہیں۔[1] اسی طرح دُگنی رقم میں بھی برابر کا سود شامل ہے۔

دس ہزار روپے والی بیمہ اسکیم کا شرعی حکم

سوال:... حکومت نے حال ہی میں ۱۰ ہزار روپے کی جس بیمہ اسکیم کا اعلان کیا ہے اس کے جائز یا ناجائز ہونے کے متعلق ارشاد فرمائیں۔ یہ اَمر ملحوظِ خاطر رہے کہ اس اسکیم کے تحت مرحوم نے اسٹیٹ لائف سے کسی قسم کا معاہدہ نہیں کیا ہوتا ہے اور اسی لئے وہ قسطیں بھی نہیں ادا کرتا، یعنی اس نے اپنی زندگی کا سودا پہلے سے نہیں کیا ہوتا، مرحوم کے لواحقین اگر یہ رقم لینا چاہیں تو لے سکتے ہیں، اگر نہ لینا چاہیں تو ان کی مرضی۔

جواب:... یہ تو حکومت کی طرف سے امدادی اسکیم ہے، اس کے جائز ہونے میں کیا شبہ ہے...؟

---

(۱) الحرام ينتقل أى تنتقل حرمته وان تداولته الأيدى وتبدلت الأملاک۔ (رد المحتار ج:۵ ص:۹۸)۔ أيضًا: لو رأى المكاس مثلًا يأخذ من أحد شيئًا من المكس ثم يعطيه آخر ثم يأخذ من ذالک الآخر آخر فهو حرام اهـ (ردالمحتار ج:۵ ص:۹۸، باب البيع الفاسد، مطلب الحرمة تتعد، طبع ايچ ايم سعيد كراچی)۔

اگر بیمہ گورنمنٹ کی مجبوری سے کروائے تو کیا حکم ہے؟

سوال: اگر بیمہ حکومت کی طرف سے لازمی قرار دیا جائے، تو کیا رَدِّعمل اختیار کیا جائے؟

جواب:... بیمہ، سود و قمار کی ایک شکل ہے، اختیاری حالت میں کرانا ناجائز ہے، لازمی ہونے کی صورت میں قانونی طور سے جس قدر کم سے کم مقدار بیمہ کرانے کی گنجائش ہو، اسی پر اکتفا کیا جائے۔[1]

بیمہ کیوں حرام ہے؟ جبکہ متوفی کی اولاد کی پروَرِش کا ذریعہ ہے

سوال:... بیمہ کروانا جائز ہے یا نہیں؟ جبکہ ایک غریب آدمی یا کوئی اور اپنا بیمہ کرواتا ہے تو اگر اس کی موت واقع ہو جائے اور اس کی اولاد کی پروَرِش کے لئے کوئی نہ ہو تو اسے بیمہ کی رقم مل جائے، جس سے وہ اپنے گھرانے کی پروَرِش کر سکے۔

جواب:... بیمہ کا موجودہ نظام سود پر مبنی ہے، اس لئے یہ جائز نہیں،[2] اور اس کے پسماندگان کو جو رقم ملے گی وہ بھی حلال نہیں۔[3]

---

(۱) الضرورات تبيح المحظورات .... والثانية ما ابيح للضرورة يقدر بقدرها. (الأشباه والنظائر ج:۱ ص:۹۳، الفن الأوّل).

(۲) وأحل الله البيع وحرم الربوٰا. (البقرة:۲۷۵).

(۳) جو اصل رقم جمع کرائی ہو، اس کا واپس لینا دُرست ہے۔

جوا

تاش کھیلنا اور اس کی شرط کا پیسہ کھانا

سوال:... مسلمان کے لئے تاش کھیلنا کیسا ہے؟ نیز یہ کہ اگر تاش میں جیتی ہوئی رقم استعمال کی جاتی ہے تو اس گھر میں کھانا پینا جائز ہے کہ نہیں؟

جواب:... تاش کھیلنا حرام ہے، اور اس پر شرط لگانا جوا ہے، اس سے جیتی ہوئی رقم مردار کھانے کے حکم میں ہے۔ (۱)

شرط رکھ کر کھیلنا جوا ہے

سوال:... یہاں کراچی میں خاص طور پر اکثر ہوٹلوں میں کیرم کلب چل رہے ہیں، وہاں پر کھیلنے والے حضرات بوتل کی شرط یا چائے کی شرط رکھ کر گیم کھیلتے ہیں۔ تو کیا یہ کیرم کھیلنا جائز ہے یا ناجائز ہے؟

جواب:... شرط رکھ کر کھیلنا جوا ہے، اور "جوا" حرام ہے۔ (۲)

مرغوں کو لڑانا اور اس پر شرط لگانا

سوال:... اکثر لوگوں نے زمانۂ جاہلیت کی بہت سی فرسودہ رسمیں اب تک اپنائی ہوئی ہیں، انہی میں سے ایک یہ بھی ہے کہ مرغوں کو آپس میں لڑایا جاتا ہے، یہاں تک کہ مرغے ایک دُوسرے کو لہولہان کرکے ہار جیت کا فیصلہ کردیتے ہیں۔ اس کے علاوہ رِکشوں اور دُوسری گاڑیوں کی ریس لگائی جاتی ہے، صرف یہی نہیں بلکہ مرغے لڑانے والے بازیگر اور رِکشوں کی ریس دوڑانے والے شعبدہ باز

---

(۱) یٰۤاَیُّها الذین اٰمنوا إنما الخمر والمیسر والأنصاب والأزلام رجس من عمل الشیطٰن فاجتنبوہ لعلکم تفلحون. (المائدة: ۹۰). وعن أبی موسی الأشعری أن رسول الله صلی الله علیه وسلم قال: من لعب بالنرد فقد عصی الله ورسوله. (مشکوٰة ص ۳۸۶) وعن علی أنه کان یقول الشطرنج هو میسر الأعاجم، وعن ابن شهاب ان أبا الموسی الأشعری قال: لا یلعب بالشطرنج إلّا خاطی وعنه أنه سئل عن لعب الشطرنج فقال: هی من الباطل ولَا یحب الله الباطل. (مشکوٰة ص ۳۷۷). وکره تحریمًا اللعب بالنرد والشطرنج .... وأباحه الشافعی وأبو یوسف وهذا إذا لم یقامر ولم یداوم ولم یخل بواجب وإلّا فحرام بالإجماع. وفی الشامیة: (قوله والشطرنج) انما کره لأن من اشتغل به ذهب عناؤه الدنیوی وجاءه الغناء الأخروی فهو حرام وکبیرة عندنا وفی إباحته إعانة الشیطان علی الإسلام والمسلمین. (رد المحتار علی الدر المختار، کتاب الحظر والإباحة، فصل فی البیع ج:۶ ص:۳۹۴).

(۲) وحرم لو شرط فیها من الجانبین لأنه یصیر قمارًا ...... سمی القمار قمارًا لأن کل واحد من المقامرین ممن یحور أن یذهب ماله إلی صاحبه ویحوز أن یستفید مال صاحبه وهو حرام بالنص. (فتاویٰ شامی ج:۶ ص:۴۰۳، کتاب الحظر والإباحة).

ہزاروں روپے کی شرطیں بھی لگاتے ہیں، جس کا مرغا لڑائی میں یا رِکشا ریس میں ہار جائے اسے اور بھی بہت کچھ ہارنا پڑتا ہے۔ کیا اسلامی معاشرے میں ان حرکتوں کو برقرار رکھنا جائز ہے؟

جواب:... شرعاً ایسا مقابلہ ناجائز ہے اور اس سے ملنے والی رقم جوئے کی رقم ہے اور حرام ہے۔[1]

ذہنی یا علمی مقابلے کی اسکیموں کی شرعی حیثیت

سوال:... کسی قسم کے ذہنی یا علمی یا تعلیمی مقابلے کے ضمن میں بنیادی طور پر مقابلے کے حل کے ساتھ بلاواسطہ رقم (بصورت منی آرڈر یا پوسٹل آرڈر) وصول کی جاتی ہے۔ جیسے: "جنگ پزل، مشرق انعامی پزل، نوائے وقت انعامی پزل" وغیرہ۔ یعنی ہر اُمیدوار اوّلاً اس مقابلے کے حل کے ساتھ رقم خرچ کرتا ہے، بعدازاں مقابلے کے حل میں قرعہ اندازی کی جاتی ہے اور عمرے کا ٹکٹ یا دیگر نقد انعامات وغیرہ دیئے جاتے ہیں، لہٰذا مفصل جواب دیں کہ اس صورتِ حال کی شرعی حیثیت کیا ہے؟

جواب:... یہ صورت غائبانہ جوا کی ایک قسم ہے اور سود بھی ہے۔ جو رقم فیس داخلہ وغیرہ ساتھ دی جاتی ہے وہ زیادہ کی خواہش اور زیادہ لینے کے لئے دی جاتی ہے، اس لئے سود ہوا، اور ملنا نہ ملنا غیریقینی، اس لئے جوا ہوا۔ سود اور جوا دونوں حرام ہیں۔[2] زیادہ ملنے کی صورت نقد کی ہو یا ٹکٹ کی شکل میں، دونوں حرام ہیں۔ ان اسکیموں کا اصل مقصد زائد رقم کا لالچ ہوتا ہے، ذہنی و علمی اضافہ مقصد نہیں ہوتا، اس طرح جوئے کی عادت اور حوصلہ پیدا ہوتا ہے، یہ ایک "شریفانہ جوا" ہے، واللہ اعلم!

جوئے کے بارے میں ایک حدیث کی تحقیق

سوال:... ایک عرصہ ہوا میں نے ایک حدیث ان الفاظ میں سنی تھی کہ: "فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ: جس نے جوا کھیلا، گویا اس نے میرے خون میں ہاتھ رنگے۔" میں اس حدیث کو ضرورت کے وقت اکثر لوگوں سے کہتا رہا، اب تقریباً چالیس سال بعد کسی کے توجہ دلانے سے یہ احساس ہوا ہے کہ یہ حدیث ان الفاظ کے ساتھ ہے بھی یا نہیں؟ میں نے اس کی جستجو کی، لیکن ابھی تک میری نظر سے یہ حدیث نہیں گزری۔ اس سے مجھے تشویش ہے کہ کہیں میں نے یہ حدیث غلط تو بیان نہیں کی۔ لہٰذا یہ فرمائیے کہ یہ حدیث صحیح ہے یا غلط؟ اگر ہے تو کن الفاظ میں اور کس کتاب میں ہے؟ تاکہ ذہنی تردّد دُور ہو، اللہ آپ کو جزائے خیر دے گا۔

جواب:... آپ نے حدیث جن الفاظ میں نقل کی ہے، وہ تو کہیں نظر سے نہیں گزری، البتہ صحیح مسلم میں حضرت بریدہ بن حصیب اسلمی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

"عن بريدة رضي الله عنه أن النبي صلى الله عليه وسلم قال: من لعب بالنردشير

(۱) وحرم لو شرط فيها من الجانبين لأنه يصير قمارًا .... سمي القمار قمارًا لأن كل واحد من المقامرين ممن يجوز أن يذهب ماله إلى صاحبه ويجوز يستفيد مال صاحبه وهو حرام. (فتاویٰ شامی ج:٦ ص:٤٠٣، كتاب الحظر والإباحة).

(۲) وأحل الله البيع وحرم الربٰوا. (البقرة:٢٧٥). يٰأيها الذين اٰمنوا إنما الخمر والميسر والأنصاب والأزلام رجس من عمل الشيطٰن فاجتنبوه لعلكم تفلحون. (المائدة:٩٠).

فکانما صبغ یدہ فی لحم خنزیر ودمہ۔" (رواہ مسلم، مشکوٰۃ ص:۳۸۶)

ترجمہ:... "آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے نردشیر کا کھیل کھیلا تو یہ ایسا ہے گویا اس نے خنزیر کے گوشت اور خون میں ہاتھ رنگے۔"

اور مسندِ احمد کی ایک حدیث میں ہے کہ:

"آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص نرد کھیلے اور پھر اُٹھ کر نماز پڑھنے لگے تو اس کی مثال ایسی ہے کہ کوئی شخص پیپ اور خنزیر کے خون سے وضو کرے، پھر اُٹھ کر نماز پڑھنے لگے۔"

(تفسیر ابنِ کثیر ج:۲ ص:۶۰۲)[1]

"عن علی رضی اللہ عنہ أنہ کان یقول: الشطرنج ہو میسر الأعاجم۔"

(مشکوٰۃ ص:۳۸۷)

ترجمہ:... "حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ارشاد ہے کہ: شطرنج عجمیوں کا جوا ہے۔"

"عن ابن شہاب أن أبا موسی الأشعری رضی اللہ عنہ قال: لَا یلعب بالشطرنج إلّا خاطیٔ۔" (مشکوٰۃ ص:۳۸۷)

ترجمہ:... "حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کا ارشاد ہے کہ: شطرنج کا کھیل صرف نافرمان خطاکار ہی کھیل سکتا ہے۔"

قرعہ اندازی کے ذریعے دُوسرے سے کھانا پینا

سوال:... ہم پانچ چھ دوست ہیں جو کہ رات کو روزانہ ایک ہوٹل میں جمع ہوتے ہیں اور پھر آپس میں قرعہ اندازی کرتے ہیں، جس کا نام نکلتا ہے وہی کھلاتا پلاتا ہے، اس میں اکثر ایسا ہوتا ہے کہ کسی صاحب کا نام ہفتے میں چار مرتبہ بھی آتا ہے، کسی کا دو مرتبہ اور کسی کا آتا ہی نہیں۔ تو اس بارے میں شرعی اَحکام کیا ہیں؟

جواب:... یہ قرعہ اندازی جائز نہیں،[2] البتہ اگر یہ صورت ہو کہ جس کا نام ایک بار آجائے، آئندہ اس کا نام قرعہ اندازی

---

(۱) وقال الإمام أحمد: حدثنا مکی بن إبراہیم، حدثنا الجعید عن موسی بن عبدالرحمٰن الخطمی: انہ سمع محمد بن کعب وہو یسأل عبدالرحمٰن یقول: ما سمعت أباک یقول عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم؟ فقال عبدالرحمن: سمعت أبی یقول: سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول: مثل الذی یلعب بالنرد، ثم یقوم فیصلی، مثل الذین یتوضأ بالقیح ودم الخنزیر، ثم یقوم فیصلی۔ (تفسیر ابن کثیر ج:۲ ص:۶۰۲، طبع مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ)۔

(۲) یٰٓأیہا الذین اٰمنوا إنما الخمر والمیسر والأنصاب والأزلام رجس من عمل الشیطٰن فاجتنبوہ لعلکم تفلحون (المائدۃ: ۹۰)۔ أیضًا: وحرم لو شرط فیہا من الجانبین لأنہ یصیر قمارًا .... سمی القمار قمارًا لأن کل واحد من المقامرین ممن یجوز أن یذہب مالہ إلٰی صاحبہ ویجوز أن یستفید صاحبہ وہو حرام بالنص۔ (فتاویٰ شامی ج:۶ ص:۴۰۳، کتاب الحظر والإباحۃ، فصل فی البیع، طبع سعید)۔

میں شامل نہ کیا جائے یہاں تک کہ تمام رُفقاء کی باری پوری ہوجائے تو جائز ہے۔ [۱]

قرعہ ڈال کر ایک دُوسرے سے کھانا پینا

سوال:... چند آدمی مل کر یہ طے کرتے ہیں کہ ہم پرچی ڈالیں گے، جس کا نام نکلے گا وہ دُوسرے سارے آدمیوں کو چائے یا مٹھائی کھلائے۔ بھلے اس کا نام روزانہ نکلے اسے ضرور کھلانی پڑے گی۔ ہم نے اس بات سے ان کو منع کیا، یہ جائز نہیں کہ ایک آدمی پر روزانہ بوجھ پڑے، جس آدمی کا نام ایک دن نکل آئے، دُوسرے دن اس کا نام پرچیوں میں نہ رکھا جائے۔

جواب:... یہ جو طے کیا ہے کہ جس کا نام نکلا کرے، وہ چائے پلائے، یہ تو صریح جوا ہے، یہ جائز نہیں۔ [۲] اور آپ نے جو صورت تجویز کی ہے، وہ دُرست ہے۔

قرعہ اندازی سے کسی ایک گاہک کو پندرہ بیس فیصد رعایت کرنا

سوال:... کوئی دُکان دار گاہکوں کو ترغیب دینے کی خاطر روزانہ فروخت میں سے یا ہر دو سو گاہکوں میں سے کسی ایک گاہک کو اس کی خرید کردہ اشیاء کی مالیت کی پندرہ فیصد یا بیس فیصد رقم لوٹا دیتا ہے، جبکہ اس گاہک کا اِنتخاب بذریعہ قرعہ اندازی ہوتا ہے، کیا یہ جائز ہے؟

جواب:... یہ صورت جائز ہے، شرعاً اس میں کوئی حرج نہیں۔ [۳]

---

(۱) وذکر الناطفی ان القرعة ثلاثة: الأولى لإثبات حق البعض وابطال حق البعض وانها باطلة. والثانية لطيبة النفس وانها جائزة كالقرعة بين النساء في السفر، والثالثة لإثبات حق واحد في مقابلة مثله ليفرز بها حق كل واحد منهما وهو جائز. (عالمگیریة ج:۵ ص:۲۱۷، طبع رشیدیه کوئٹه).

(۲) ایضاً، نیز گزشتہ صفحے کا حاشیہ نمبر ۲ ملاحظہ فرمائیں۔

(۳) وفي رد المحتار: قوله وصح الحط منه أي من الثمن وكذا من رأس مال السلم والمسلم فيه كما هو صريح كلامهم رملي على المنح. (رد المحتار ج:۵ ص:۱۵۴). ويجوز أن يحط من الثمن ويتعلق الإستحقاق بجميع ذالك فالزيادة والحط يلتحقان بأصل العقد عندنا. (هداية مع فتح القدير ج:۵ ص:۲۷۰ باب المرابحة والتولية).

پرائز بونڈ، بیسی اور اِنعامی اسکیمیں

پراویڈنٹ فنڈ کی شرعی حیثیت

سوال:... پراویڈنٹ فنڈ کی شریعت میں کیا حیثیت ہے؟

جواب:... مفتی محمد شفیعؒ کا فتویٰ ہے کہ پراویڈنٹ فنڈ لینا جائز ہے۔

جی پی فنڈ لینا جائز ہے

سوال:... آپ کا کالم جو کہ "جنگ" اخبار میں چھپتا ہے، میں آپ نے تحریر کیا ہے کہ جی پی فنڈ کی رقم پر جو زائد ۲۰ فیصد سود ملتا ہے، وہ اگر نہ لیں تو بہتر ہے، اور اگر لے لیں تو کوئی حرج ہے، جی پی فنڈ جو ہے وہ گورنمنٹ ملازم کی تنخواہ میں سے کٹتا رہتا ہے، اور ریٹائرمنٹ کے بعد جو بھی کل رقم بنتی ہے اس پر ۲۰ فیصد سود لگا کر گورنمنٹ دے دیتی ہے، براہِ کرم آپ ہمیں یہ بتائیں کہ ہم اس زائد ۲۰ فیصد کی رقم کو حلال سمجھ کر نیک مقاصد یا ذاتی مقاصد میں اِستعمال کرسکتے ہیں یا نہیں؟

جواب:... جی پی فنڈ جو گورنمنٹ ریٹائرڈ ہونے والے ملازمین کو دیتی ہے، اس کا لینا جائز ہے، اور اس پر جو اِضافہ سود کے نام سے دیتی ہے، اس کا لینا بھی جائز ہے، اس لئے کہ مذکورہ رقم درحقیقت تنخواہ ہی کا حصہ ہے۔[1]

پنشن کی رقم لینا کیسا ہے؟

سوال:... میں گورنمنٹ ملازمت کرتا تھا، اب ریٹائر ہوگیا ہوں، ہر ماہ مجھے پنشن مل رہی ہے، جو اسٹیٹ بینک سے جاکر لیتا ہوں، یہ شرعی طور پر جائز ہے یا نہیں؟ بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ جس کام پر محنت صَرف نہ ہو اس کا معاوضہ بھی جائز نہیں۔

جواب:... پنشن کی رقم معاوضے کا ایک حصہ ہے، اس لئے اس کا لینا جائز ہے۔[2]

---

(۱) قوله بالتعجيل أو بشرطه أو بالإستيفاء أو بالتمكن يعني لا يملك الأجرة إلّا بواحدة من هذه الأربعة، والمراد أنه لا يستحقها المؤجر إلّا بذلك۔ (البحر الرائق ج:۷ ص:۵۱۱ كتاب الإجارة طبع رشيديه)۔ ولتستحق بإحدى معاني للثلاثة إما بشرط التعجيل أو بالتعجيل من غير شرط أو باستيفاء المعقود عليه۔ (الهداية، باب الأجر متى يستحق ج:۳ ص:۲۹۲)۔

(۲) قوله بالتعجيل أو بشرطه أو بالإستيفاء أو بالتمكن يعني لا يملك الأجرة إلّا بواحدة من هذه الأربعة، والمراد أنه لا يستحقها المؤجر إلّا بذلك۔ (البحر الرائق ج:۷ ص:۵۱۱ كتاب الإجارة، طبع رشيديه كوئٹه)۔

پنشن جائز ہے، اس کی حیثیت عطیہ کی ہے

سوال:... گورنمنٹ ملازمین کو مدتِ ملازمت ختم کرنے کے بعد پنشن بطور حق ملتی ہے، مروّجہ قانون کے مطابق پنشنر کو یہ حق حاصل ہے کہ اگر وہ چاہے تو اپنی نصف پنشن کی حد تک گورنمنٹ کو بیچ دے، یعنی پنشن کی اس رقم کے بدلے (عوض) یکمشت رقم نقد لے لے۔ اس کو انگریزی میں کمیوٹیشن آف پنشن کہتے ہیں، اس کے لئے شرط ہے کہ پنشنر بالکل تندرست ہو اور مقامی سِول سرجن اس کو تندرست تسلیم کرکے سرٹیفکیٹ دے۔ بصورتِ دیگر کمیوٹیشن منظور نہیں ہوتا۔ عام طور پر جب پنشنر تندرست ہو تو زندگی کی آخری حد ستر سال مانی جاتی ہے، اور اسی حساب سے یکمشت رقم پنشن کی رقم کے بدلے یا عوض میں ادا کی جاتی ہے، اور اب وہ ہمیشہ کے لئے پنشن کے اس حصے سے جو وہ کمیوٹ کرچکا ہے، محروم ہوجاتا ہے۔ اس طرح بعض حالات میں اگر پنشنر جلد انتقال کرجائے گورنمنٹ نقصان میں رہتی ہے، اور اگر ستر سے زیادہ زندہ رہے تو خود پنشنر نقصان میں رہتا ہے، اب جبکہ ملک میں اسلامی قوانین نافذ ہیں، جوا، شراب وغیرہ بند اور زکوٰۃ وصول کی جارہی ہے تو کیا یہ مروّجہ قانون مذکورہ بالا شکل میں جوا یا شرط کے ممنوعہ حدود میں شامل نہیں ہے؟ اگر جواب اثبات میں ہے تو اس حالت میں کیا گورنمنٹ کو ان تمام پنشنروں کو جو ستر سال کی حد پوری کرچکے ہیں اور اب بھی زندہ ہیں ان کی کمیوٹڈ پنشن اب بحال نہیں کرنی چاہئے جس طرح سود (ربا) کے حرام ہوتے ہی اصل کے سوا تمام قسم کا سود وصول کرنا ممنوع قرار دیا گیا ہے اور عملاً معاف کردیا گیا۔ ازراہِ کرم جواب اخبار ''جنگ'' کے کالم ''آپ کے مسائل اور ان کا حل'' میں عنایت فرمادیں تاکہ دیگر علمائے کرام کو بھی رائے زنی کا موقع ملے۔ نیز کیونکہ معاملہ حکومتِ وقت سے متعلق ہے، اس لئے مؤدّبانہ عرض ہے کہ جواب ہر کسی ایسی تأویل و توجیہ سے پاک ہو جو اُصولِ مُسلّمہ کے خلاف ہو، اللہ تعالیٰ جناب کو جزائے خیر عطا فرمائے، آمین۔

جواب:... پنشن کی حیثیت ایک لحاظ سے عطیہ کی ہے، اس لئے جو معاملہ پنشنر اور حکومت کے درمیان طے ہوجائے وہ صحیح ہے، یہ جوا اور قمار نہیں۔

بیوہ کو شوہر کی میراث قومی بچت کی اسکیم میں جمع کروانا جائز نہیں

سوال:... ایک شخص اپنے پیچھے ایک بیوہ اور دو بچے چھوڑ کر اس دارِ فانی سے رُخصت ہوگیا۔ اب اس کی بیوی دُوسری شادی کرنا نہیں چاہتی اور شوہر کی چھوڑی ہوئی رقم کو قومی بچت یا کسی اور منافع بخش اسکیم میں لگانا چاہتی ہے، اور اس کے منافع سے (جو دُوسرے معنوں میں سود کہلاتا ہے) اپنی اور اپنے بچوں کی گزراوقات کرنا چاہتی ہے، کیا اس کے لئے ایسا کرنا جائز ہے؟ جبکہ اسلام میں سود حرام ہے، یہاں تک کہ وہ بدن جنت میں داخل نہ ہوگا جو حرام روزی سے پروَرِش کیا گیا ہو۔

جواب:... بیوہ کا اس کے شوہر کے ترکہ میں آٹھواں حصہ ہے،[1] باقی سات حصے اس کے بچوں کے ہیں، سود کی آمدنی

---

(۱) قال تعالیٰ. فإن كان لكم ولد فلهن الثمن. الآية (النساء:۱۲). يجوز العصبة بنفسه ما أبقت الفرائض وعند الإنفراد يجوز جميع المال ثم العصبات بالقسم أربعة أصناف جزء الميت كالإبن ثم إبنه وإن سفل. (درمختار ج:۲ ص:۷۷۴).

حرام ہے[1]،اس روپے کو کسی جائز تجارت میں لگانا چاہئے۔

انٹرپرائزز اِداروں کی اسکیموں کی شرعی حیثیت

سوال: انٹرپرائزز اِداروں کی اسکیموں کے متعلق یہ طریقہ ہے کہ وہ اپنے تمام ممبروں سے قسط وار رقم وصول کرتے ہیں اور ہر مہینے قرعہ اندازی ہوتی ہے، جس کا نام نکلتا ہے اسے موٹر سائیکل کار وغیرہ دے دیتے ہیں اور باقی رقم نہیں لیتے، کیا یہ طریقہ جائز ہے؟ اور وہ چیز اس کے لئے حلال ہے یا نہیں؟ اور باقی ممبر ہر مہینے قسط جمع کراتے رہتے ہیں، ایک آدمی کو تو ایک قسط پر موٹر سائیکل یا کار مل جاتی ہے اور باقیوں کو آخر تک قسط دینی پڑتی ہے، اس کا جواب عنایت فرمائیں کیا یہ اسکیم جائز ہے یا نہیں؟

جواب:... یہ صورت ناجائز اور لاٹری قسم کی ہے۔[2]

ہلالِ احمر کی لاٹری اسکیم جوئے کی ایک شکل ہے

سوال:... دُوسرے ملکوں کی طرح پاکستان میں بھی ایک ادارہ کام کر رہا ہے "ہلالِ احمر" کے نام سے، جو دُکھی انسانیت کے نام پر تین روپے فی ٹکٹ کے حساب سے انعامی ٹکٹ فروخت کرتا ہے، ان ٹکٹوں کی قرعہ اندازی کا وہی سسٹم ہے جو کہ انعامی بونڈز کا ہوتا ہے، اس ادارے کی جانب سے ہر ماہ قرعہ اندازی کے ذریعے انعامات تقسیم کئے جاتے ہیں۔ مسئلہ یہ ہے کہ آپ یہ بتائیں کہ اس ادارے کی جانب سے دُکھی انسانیت کی جو خدمت کی جاتی ہے کیا وہ جائز ہے؟ کیونکہ جس رقم سے وہ یہ نیک کام انجام دیتے ہیں، وہ رقم ان ٹکٹوں سے حاصل کی جاتی ہے، جو لوگوں کو اِنعام کا لالچ دے کر فروخت کئے جاتے ہیں۔ نیز اگر اس ٹکٹ کے خریدنے کے بعد کسی شخص کا انعام نکل آئے تو کیا وہ حلال اور جائز ہوگا یا حرام؟ اکثر ریڈیو پر اس ادارے کی جانب سے یہ اعلان کیا جاتا ہے کہ ہلالِ احمر کے تین روپے والے انعامی ٹکٹ خرید کر دُکھی انسانیت کی خدمت میں حصہ لیں، اور لاکھوں روپے کے انعامات حاصل کریں۔

یہ بتائیں کہ آیا اس طرح سے دُکھی انسانیت کی خدمت کی جاسکتی ہے؟ اور اگر ہم یہ ٹکٹ خرید لیں تو کیا ہم کو ثواب ملے گا؟ جبکہ یہ ٹکٹ صرف انعام کے لالچ میں خریدے جاتے ہیں۔ پھر اس ٹکٹ کے خریدنے سے ثواب کا کیا تعلق؟ اور اگر یہ فرض کرلیا جائے کہ ہمارے دِل میں انعام کا بالکل لالچ نہیں ہے تو کیا اس ٹکٹ کے خریدنے سے ثواب ملے گا؟ میرے خیال میں تو دُکھی انسانیت کی خدمت اس طرح بھی کی جاسکتی ہے کہ جو لوگ یہ ٹکٹ خریدتے ہیں وہ بجائے ٹکٹ خریدنے کے ہلالِ احمر کے فنڈ میں بھی رقم دے کر ثواب حاصل کرسکتے ہیں۔ اور یہ ادارہ لاکھوں روپے کے انعامات ہر ماہ تقسیم کرتا ہے، یہ لاکھوں روپے کی رقم بھی دُکھی انسانیت کی خدمت میں صَرف کی جاسکتی ہے۔ برائے مہربانی اس مسئلے کا حل بتاکر میری اُلجھن دُور فرمائیں۔

---

(۱) وأحل الله البيع وحرم الربوٰا. (البقرة:۲۷۵). وعن علي قال: لعن رسول الله صلى الله عليه وسلم آكل الربا وموكله وكاتبه وشاهديه وقال هم سواء. (مسلم ج:۲ ص:۲۷).

(۲) يٰـأيها الذين اٰمنوا إنما الخمر والميسر والأنصاب والأزلام رجس من عمل الشيطٰن. الآية. قال الشامي: سمي القمار قمارًا لأن كل واحد المقامرين ممن يجوز أن يذهب ماله إلى صاحبه ويجوز أن يستفيد مال صاحبه وهو حرام بالنص. (ردالمحتار ج:۶ ص:۴۰۳، كتاب الحظر والإباحة، فصل في البيع، طبع سعيد).

جواب:... ہلالِ احمر کا ادارہ تو بہت ضروری ہے، اور خدمتِ خلق بھی کارِ ثواب ہے، مگر روپیہ جمع کرنے کا جو طریقہ آپ نے لکھا ہے، یہ جوئے کی ایک شکل ہے جو شرعاً جائز نہیں۔[1]

ہر ماہ سو روپے جمع کر کے پانچ ہزار لینے کی گھریلو پتی اسکیم جائز نہیں

سوال:... ایک شخص تقریباً بیس سال سے حیدرآباد کے ایک علاقے میں رہائش پذیر ہے، نہایت ہی شریف اور با اخلاق آدمی ہے، لوگوں میں انہیں عزّت کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے۔ دینی مسائل سے بخوبی واقف ہیں، تعلیم یافتہ ہیں، حسب ونسب میں اچھے خاندان سے تعلق رکھتے ہیں، لباس اور شکل وصورت میں باشرع ہیں، روزے نماز کے پابند ہیں، اپنے محلے کی جامع مسجد میں اکثر وبیشتر دینی جلسوں سے بھی خطاب کرتے رہتے ہیں، اور کبھی کبھی اِمام صاحب کی عدم موجودگی میں پنج وقتہ نماز اور جمعہ کے دن تقریر یا اِمامت کے فرائض بھی انجام دیتے ہیں۔ بعض مرتبہ دُوسرے محلے اور علاقے کی جامع مسجدوں میں بھی ان کے اِماموں کی عدم موجودگی میں نمازِ جمعہ پڑھانے اور تقاریر کرنے کے لئے انہیں مدعو کیا جاتا ہے۔

انہوں نے اپنی مدد آپ کے جذبے کے تحت ایک گھریلو پتی اسکیم جاری کی ہے، جس کے وہ خود نگرانِ اعلیٰ اور رقم کے ضامن ہیں۔ اس اسکیم میں ڈھائی سو ممبران ہیں، یہ اسکیم ۱۰۰ روپے اور ۲۰۰ روپے ماہوار کی ہے، اور اس کی مدّت پچاس ماہ ہے ۱۰۰ روپے ماہوار والے ممبر کو ۵,۰۰۰ روپے اور ۲۰۰ روپے ماہوار والے ممبر کو ۱۰,۰۰۰ روپے ہر ماہ قرعہ اندازی کے ذریعے دیئے جاتے ہیں۔ پچاس ماہ کی مدّت کے بعد قرعہ اندازی سے باقی رہنے والے ممبران کو ان کی جمع شدہ تمام رقم یعنی ۱۰۰ روپے والوں کو ۵,۰۰۰ روپے اور ۲۰۰ روپے والے کو ۱۰,۰۰۰ روپے یکمشت ادا کردیئے جائیں گے۔ کیونکہ پچاس ماہ میں ان کی یہی رقم جمع ہوگی۔ البتہ ہر ماہ قرعہ اندازی کے ذریعہ جو نام نکالا جاتا ہے اس ممبر کو یکمشت ۵,۰۰۰ روپے یا ۱۰,۰۰۰ روپے کی رقم بطورِ امداد ادا کردی جاتی ہے اور اس کے ذمہ جو باقی اقساط رہ جاتی ہے وہ وصول نہیں کی جاتیں۔ اس کی بقایا اقساط کی ادائیگی کی ذمہ داری پتی کے نگرانِ اعلیٰ پر ہوتی ہے، کیونکہ ہر ماہ ممبر کو رقم ادا کرنے کے بعد جو رقم باقی بچتی ہے، اس کے لئے ممبران نے ان کو یہ حق دیا ہے کہ ان کی اس رقم سے نگرانِ اعلیٰ پچاس ماہ تک جو چاہیں کاروبار کریں، لیکن پچاس ماہ کی مدّت کے بعد باقی تمام ممبران کو مقررہ وقت پر ان کی تمام جمع شدہ رقم بغیر کسی نفع یا نقصان پر واپس کرنا ہوگی۔ لہٰذا نگرانِ اعلیٰ شرعی طریقے پر کاروبار کرتے ہیں، اور اس کاروبار کے نفع ونقصان کے ذمہ دار ہوتے ہیں۔ نگرانِ اعلیٰ نہ تو اس جمع شدہ رقم کو بینک میں رکھ کر کوئی سود حاصل کرتے ہیں اور نہ ہی کسی سودی کاروبار میں یہ رقم لگاتے ہیں، یہ بات انہوں نے خدا کو حاضر ناظر سمجھ کر اور گواہ بناتے ہوئے قسم کھا کر ہم سے کہی ہے۔ انہوں نے یہ بھی کہا کہ یہ صرف اپنی مدد آپ کے تحت ایک اسکیم ہے، اس میں کوئی سودی لین دین نہیں ہے، بلکہ اکثر وہ اس رقم سے بعض ضرورت مندوں کو قرضِ حسنہ بھی دیتے رہتے ہیں۔ مذکورہ شخص نے یہ گھریلو پتی اسکیم اپنی مدد آپ کا جذبہ پیدا کرنے اور ان میں بچت کی عادت ڈالنے کے لئے شروع کی ہے، اس سے ان کا مقصد کسی قسم

---

(۱) قال تعالٰی: یسئلونک عن الخمر والمیسر قل فیھما إثم کبیر ومنافع للناس۔ (البقرة:۲۱۹) ولا خلاف بین أھل العلم فی تحریم القمار وان المخاطرة من القمار قال ابن عباس ان المخاطرة قمار وقد کان ذٰلک مباحًا إلٰی أن ورد التحریم. (أحکام القرآن للجصاص ج:۱ ص:۲۹۸، طبع سھیل اکیڈمی لاھور)۔

کی ناجائز دولت کا حصول نہیں ہے۔ لہٰذا ایسی صورت میں کیا اس نیک اور دِین دار شخص کو اِمام صاحب کی عدم موجودگی میں پنج وقتہ نماز یا جمعہ کی نماز یا خطبہ دینا جائز ہے یا نہیں؟ اور ہماری نمازیں اس شخص کے پیچھے ہوں گی یا نہیں؟

جواب:... گھریلو بچت اسکیم کا جو طریقۂ کار سوال میں لکھا گیا ہے، یہ شرعاً جوا ہے۔ اس اسکیم میں شرکت حرام ہے اور جس شخص کو ۱۰۰ روپے کے بدلے ۵,۰۰۰ روپے اور ۲۰۰ روپے کے بدلے ۱۰,۰۰۰ روپے ملیں گے، وہ زائد رقم اس کے لئے حرام ہے۔[۱]

نوٹ:... جس نیک شخص نے یہ اسکیم جاری کی ہے، ان کو اس سے توبہ کرنی چاہئے، ورنہ ان صاحب کے پیچھے نماز جائز نہیں۔[۲]

ہر ماہ تین سو دے کر ۹ ہزار کی کمیٹی وصول کر کے باقی قسطیں نہ دینا

سوال:... نو ہزار کی کمیٹی جس میں ہر رُکن کو تین سو روپے ماہوار دینے ہوتے ہیں جس کی کمیٹی کھل جائے وہ بقایا رقم نہیں دیتا۔ یعنی اگر کسی رُکن نے صرف نو سو روپے تین کمیٹیوں کے دیئے ہوں تو اس کو نو ہزار مل جائیں گے۔ سوال یہ ہے کہ مذکورہ مثال میں ملنے والے آٹھ ہزار ایک سو روپے جائز ہیں یا ناجائز؟

جواب:... ناجائز ہے۔[۳]

پری میمنٹ اسکیم کی شرعی حیثیت

سوال:... ان دو اسکیموں کے بارے میں آپ کا کیا خیال ہے؟

پہلی اسکیم جو تقریباً ۲۵۰ سے ۳۰۰ ممبران پر مشتمل ہوتی ہے، ہر ممبر ۳۰۰ روپے ماہوار دیتا ہے، ہر مہینے قرعہ اندازی ہوتی ہے، قرعہ میں جس کا نام نکل آتا ہے اس کو مبلغ ۱۵,۰۰۰ روپے یا اس کی مالیت کے برابر دُوسری چیز دی جاتی ہے، اور اس سے باقی قسطیں بھی نہیں لی جاتیں۔

دُوسری اسکیم ۱۰۰ ممبران پر مشتمل ہے، اور ہر ماہ ایک ممبر ۱۰۰ روپے دیتا ہے، ہر مہینے قرعہ میں نام نکل آنے کی صورت میں تین ہزار روپے کے زیورات اس کو دیئے جاتے ہیں اور اس سے باقی قسطیں نہیں لی جاتیں۔ اس کے علاوہ ہر مہینے چند اشخاص کو اضافی انعام بھی قرعہ اندازی کے ذریعہ دیئے جاتے ہیں۔ پہلی اسکیم کی مدّتِ تکمیل ۵۰ ماہ، اور دُوسری اسکیم کی مدّتِ تکمیل ۳۰ ماہ ہے۔ اسکیم نمبر ۱ اور اسکیم نمبر ۲ کے قواعد و ضوابط اور شرائط کے دونوں پرچے منسلک ہیں۔

جواب:... دونوں اسکیمیں سود کی ایک شکل ہیں، اس لئے کہ ہر دو اسکیموں میں سب سے اہم شرط یہ ہے کہ جس ممبر کا بھی

(۱) گزشتہ صفحے کا حاشیہ نمبر ۱ ملاحظہ فرمائیں۔

(۲) ويكره إمامة عبد وفاسق وأعمى. قال الشامي: أما الفاسق فقد عللوا كراهة تقديمه بأنه لا يهتم لأمر دينه وبأن في تقديمه للإمامة تعظيمه وقد وجب عليهم إهانته شرعًا ...... بل مشى في شرح المنية ان كراهة تقديمه كراهة تحريم. (رد المحتار ج:۱ ص:۵۶۰، باب الإمامة، كتاب الصلاة، طبع سعيد).

(۳) لما روى عن رسول الله صلى الله عليه وسلم أنه نهى عن قرض جر نفعًا ولأن الزيادة المشروطة تشبه الربا، لأنها فضل لا يقابله عوض التحرز عن حقيقة الربا وعن شبهة الربا واجب. (بدائع الصنائع ج:۷ ص:۵۹۷، باب القرض).

نام نکل آیا اس سے بقیہ اقساط نہیں لی جائیں گی، اور نام نکلنے پر اسے ایک مقررہ رقم یا اس کے مساوی چیز دی جائے گی۔ دُوسری جانب یہ کہ رقم جمع کرانے کا مقصد اور اِرادہ زیادہ رقم حاصل کرنا ہوتا ہے اور اسکیم نکالنے والے کی تحریک بھی یہی ہوتی ہے کہ ہر ممبر قرعہ اندازی میں حصہ لے کر نام نکلنے پر زائد رقم حاصل کرے، اس وجہ سے اس میں جوا اور سود دونوں چیزیں پائی جاتی ہیں، جو کہ حرام ہیں، ناجائز ہیں،[1] اور اس میں تعاون بھی گناہ ہے۔[2]

نیز اسکیم نمبر ۱ کی آٹھویں شرط کے مطابق جو ممبر اسکیم جاری نہ رکھ سکے اس کی جمع شدہ رقم سے ۱۰ فیصد کاٹ لینا یہ بھی ناجائز ہے، جبکہ اس کی پوری کی پوری جمع شدہ رقم واپس ہونی چاہئے۔[3]

نیز اسکیم نمبر ۲ میں ۳۰۰ روپے ماہوار کے مقابلے میں قرعہ اندازی میں نام نکل آنے والے ممبر کو جہاں ۱۵,۰۰۰ روپے لینے کا اختیار ہے، وہاں اس کو ۷ تولہ سونا لینے کا بھی اختیار ہے، اگر وہ سونا لے تو یہ اس اعتبار سے ناجائز ہے کہ جب سونا یا چاندی روپے پیسے کے مقابلے میں فروخت کئے جائیں تو اس میں قبضہ ایک ہی مجلس میں فوری طور پر ہونا چاہئے، یعنی اِدھر پیسے لئے اور اُدھر سونا دیا، جبکہ اس صورت میں ممبر نے رقم ایک ماہ قبل دی تھی اور اس کو ۷ تولہ سونا اب دیا جارہا ہے، چنانچہ یہ بیع اُدھار پر ہوئی اور سونا چاندی میں اُدھار کی بیع ناجائز ہے۔[4]

مندرجہ بالا اُمور کے پیشِ نظر صورتِ مسئولہ میں مذکورہ دونوں اسکیمیں شریعت کی رُو سے ناجائز ہیں، لہٰذا ان اسکیموں میں رقم لگانا بھی ناجائز ہے۔

بچت سرٹیفکیٹ اور یونٹ وغیرہ کی شرعی حیثیت

سوال:... حکومت کی طرف سے مختلف قسم کے بچت سرٹیفکیٹ اور یونٹ وغیرہ جاری کردہ ہیں، جو کہ ۶ سال کے بعد دُگنے اور ۱۰ سال کے بعد تین گنا قیمت کے ہوجاتے ہیں، اس کی یہ رقم سود شمار ہوگی یا منافع؟

---

(۱) وأحل الله البيع وحرم الربٰوا۔ (البقرة:۲۷۵)۔ ولَا خلاف بين أهل العلم في القمار ...إلخ۔ (أحكام القرآن للجصاص الرازي ج:۱ ص:۳۹۸، طبع سهيل اكيڈمي)۔

(۲) ولا تعاونوا على الإثم والعدوان۔ (المائدة:۲)۔

(۳) قوله لَا بأخذ مال في المذهب قال في الفتح: وعن أبي يوسف يجوز التعزير للسلطان بأخذ المال وعندهما وباقي الأئمة لَا يجوز اهـ۔ ومثله في المعراج وظاهره أن ذالك رواية ضعيفة عن أبي يوسف، قال في الشرنبلالية. ولَا يفتي بهٰذا لما فيه من تسليط الظلمة علىٰ أخذ مال الناس فيأكلونه ومثله في شرح الوهبانية عن ابن وهبان۔ (رد المحتار ج:۴ ص.۶۱، باب التعزير، مطلب في التعزير بأخذ المال، طبع ايچ ايم سعيد كراچي)۔

(۴) الصرف هو البيع إذا كان كل واحد من عوضيه من جنس الأثمان .... اختص بشرائط ثلاثة أحدها وجود التقابض من كلا الجانبين ...... والثالث أن لَا يكون بدل الصرف مؤجلًا ...إلخ۔ (الجوهرة النيرة، باب الصرف ص ۲۳۳ طبع دهلي)۔

جواب:... رقم پر مقرر شدہ منافع شرعاً سود ہے، اور حکومت بھی اس کو سود ہی سمجھتی ہے۔[۱]

انجمن کے ممبر کو قرضِ حسنہ دے کر اس سے ۲۵ روپے فی ہزار منافع وصول کرنا

سوال:... ہم نے فلاحی کاموں کے لئے ایک انجمن تشکیل دی ہے، اور حسبِ ضرورت ایک ممبر کو ہم کچھ رقم قرضِ حسنہ دیتے ہیں، لیکن ہم فی ہزار روپیہ پر ۲۵ روپے منافع انجمن ہذا کے لئے ماہانہ وصول کرتے ہیں۔ اب مشترکہ انجمن میں جس آدمی کو یہ رقم دی جاتی ہے، وہ آدمی اس انجمن کا ممبر ہے۔ آپ یہ وضاحت کیجئے کہ فی ہزار ۲۵ روپے ماہانہ جو وصول کرتے ہیں، آیا یہ سود ہے؟ یا جائز منافع؟

جواب:... خالص سود ہے۔[۲]

ممبروں کا اقساط جمع کرواکر قرعہ اندازی سے اِنعام وصول کرنا

سوال:... ایک کمپنی اپنے مقرّر کردہ ممبروں سے ہر ماہ اقساط وصول کرکے قرعہ اندازی کے ذریعہ ایک مقرّر کردہ چیز دیتی ہے، جس ممبر کا نام نکل جاتا ہے، وہ اپنی چیز وصول کرنے کے بعد قسط جمع کرانے سے بری ہوجاتا ہے۔ مقرّرہ مدت تک کچھ ممبر باقی رہ جاتے ہیں، تو کمپنی انہیں مع انعامات ان کی جمع شدہ رقم واپس کردیتی ہے۔ اس صورت میں شراکت جائز ہے یا نہیں؟ اگر جائز نہیں تو کوئی ممبر وہ شراکت درمیان میں ختم کرنا چاہے تو کمپنی اس ممبر کی جمع شدہ رقم سے آدھی رقم اپنے پاس رکھتی ہے اور آدھی ممبر کو واپس کرتی ہے۔ اس صورت میں ممبر کو کیا کرنا چاہئے؟ جبکہ اس کی آدھی رقم غبن ہورہی ہے؟

جواب:... یہ معاملہ بھی جوئے اور سود کی ایک شکل ہے، اس لئے جائز نہیں۔[۳] اور مطالبے پر کمپنی کا آدھی رقم خود رکھ لینا بھی ناجائز ہے۔[۴] افسوس ہے کہ بہت سے لوگوں نے ایسے دھندے شروع کر رکھے ہیں، مگر نہ حکومت ان پر پابندی لگاتی ہے، نہ عوام یہ دیکھتے ہیں کہ یہ صحیح ہے یا غلط...!

یہ کمیٹی ڈالنا جائز ہے

سوال:... جو لوگ کمیٹی کے نام پر دس آدمی ۳۲ روپیہ فی کس جمع کرتے ہیں، مہینے کے بعد قرعہ اندازی کرکے ممبران میں سے جس کا نام نکل آئے تو مبلغ ۶,۰۰۰ روپے دے دیتے ہیں، جبکہ اس کی جمع شدہ رقم ۹۶۰ روپے ہوتی ہے، کیا یہ جائز ہے یا ناجائز؟

---

(۱) هو فضل حالٍ عن عوض بمعيار شرعي مشروط لأحد المتعاقدين في المعاوضة. (فتاویٰ شامی ج:۵ ص:۱۶۸)۔ وأحل الله البيع وحرم الربوا. (البقرة:۲۷۵)۔ كل قرض جر نفعًا فهو حرام. (رد المحتار ج:۵ ص:۱۶۶)۔

(۲) ایضاً۔

(۳) وأحل الله البيع وحرم الربوا (البقرة:۲۷۵)۔ يٰأيها الذين اٰمنوا إنما الخمر والميسر والأنصاب والأزلام رجس من عمل الشيطٰن فاجتنبوه لعلكم تفلحون (المائدة:۹۰)۔

(۴) لا يجوز لأحد من المسلمين أخذ مال أحد بغير سبب شرعي. (رد المحتار ج:۴ ص:۶۱ مطلب في تعزير بأخذ المال، طبع سعيد کراچی)۔

جس ممبر کی کمیٹی نکل آئے وہ ۳۲ روپے یومیہ بھی دیتا رہتا ہے اس وقت تک جب تک ۶,۰۰۰ روپے پورے نہیں ہوتے۔

جواب:... یہ کمیٹی کا طریقہ قرض کے لین دین کا معاملہ ہے، میں تو اس کو جائز سمجھتا ہوں۔[1]

بارہ آدمیوں کا مل کر کمیٹی ڈالنا

سوال:... ہم جس علاقے میں رہتے ہیں، وہاں بارہ افراد کا گروپ مل کر کمیٹی ڈالنا چاہتا ہے، یعنی کہ ہر مہینے ایک فرد کے ذمے دو ہزار ہوں گے، اور ہر ماہ چوبیس ہزار کی کمیٹی نکلے گی، یہ کمیٹی ایک سال کی ہوگی اور ناموں کی ترتیب سے کمیٹی ملے گی، معلوم یہ کرنا ہے کہ یہ جائز ہے یا نہیں؟

جواب:... بعض علماء نے اس کے ناجائز ہونے کا فتویٰ دیا ہے، لیکن میں اس کو جائز کہتا ہوں، بشرطیکہ اس میں کوئی غلط شرط نہ رکھی گئی ہو، اس لئے کہ یہ باہمی تعاون کی ایک صورت ہے۔

کمیٹی (بیسی) ڈالنا جائز ہے

سوال:... میں نے ایک کمیٹی ڈال رکھی ہے، پچھلے ہفتے ایک صاحب سے سنا ہے یہ کمیٹی جو آج کل ایک عام رواج بن چکی ہے، سراسر سود ہے، لہٰذا مہربانی فرماکر آپ یہ بتائیں کہ کیا شرعی لحاظ سے ایسا کرنا جائز ہے؟

جواب:... کمیٹی ڈالنے کی جو عام شکل ہے کہ چند آدمی رقم جمع کرتے ہیں اور پھر قرعہ اندازی کے ذریعہ وہ رقم کسی ایک کو دے دی جاتی ہے، اس میں شرعاً کوئی قباحت نہیں، جبکہ باری باری سب کو ان کی رقم واپس مل جاتی ہے۔

کمیٹی ڈالنے کا مسئلہ

سوال:... آج کل رواج ہے کہ بارہ یا چوبیس آدمی آپس میں رقم ایک کے پاس جمع کرتے ہیں، مثلاً: فی آدمی ۶۰ روپے، اور ماہ کی آخری تاریخ میں اس پر قرعہ ڈالتے ہیں جس کو آج کل کی اصطلاح میں ''کمیٹی'' بولتے ہیں، ہمارے شہر کے علماء کہتے ہیں کہ یہ سود ہے، مگر اچھے خاصے لوگ اس میں مبتلا ہیں اور کوئی پروا بھی نہیں کرتے، بلکہ کہتے ہیں کہ یہ تو ایک دُوسرے کے ساتھ احسان ہے، سود کیسے بنتا ہے؟ تو مہربانی فرماکر شریعتِ مطہرہ کی رُو سے بیان فرمائیں۔

جواب:... کمیٹی کے نام سے بہت سی شکلیں رائج ہیں، بعض تو صریح سود اور جوئے کے حکم میں آتی ہیں، وہ تو قطعاً جائز نہیں۔ اور جو صورت سوال میں ذکر کی گئی ہے اس کے جواز میں اہلِ علم کا اختلاف ہے، بعض ناجائز کہتے ہیں اور بعض جائز۔ اس لئے خود تو پرہیز کیا جائے لیکن دُوسروں پر زیادہ شدّت بھی نہ کی جائے۔[2]

---

(۱) وان لم یکن النفع مشروطًا فی القرض فعلی قول الکرخی لَا بأس به۔ (رد المحتار ج:۵ ص:۱۶۶، طبع سعید)۔

(۲) وعن الخلاصة وفی الذخیرة وان لم یکن النفع مشروطًا فی القرض فعلی قوله الکرخی لَا بأس به۔ (رد المحتار ج ۵ ص ۱۶۶ مطلب کل قرض جر نفعًا حرام، طبع ایچ ایم سعید کراچی)۔

ناجائز کمیٹی کی ایک اور صورت

سوال:... آج کل لوگوں نے ایک نئی کمیٹی ڈالنے کا سلسلہ شروع کیا ہے، مثلاً: ۱۰۰ روپے روز کی کمیٹی ڈالتے ہیں، اس کمیٹی کے ممبران کل ۱۰۰ بنتے ہیں، پندرہ ماہ تک کی کمیٹی ہوتی ہے، وہ ہر ماہ ایک کمیٹی کھولتے ہیں، پندرہ ماہ کے اندر اندر جس ممبر کی کمیٹی کھلتی ہے چاہے پہلے ہی کھلے وہ کمیٹی لے لے گا اور کمیٹی لینے کے بعد وہ کوئی رقم کمیٹی والوں کو ادا نہیں کرے گا۔ یعنی پہلی کمیٹی صرف ۳,۰۰۰ روپے دے کر ۴۵ ہزار روپے حاصل کرے گا۔ چند ماہ تک وہ پندرہ ممبران کی کمیٹی کھولیں گے اور انہیں اسی طرح ۴۵ ہزار روپے ادا کرتے رہیں گے۔ پندرہ ماہ پورے ہونے کے بعد بقایا ۸۵ ممبران کو بھی وہ ۴۵ ہزار روپے فی ممبر ادا کریں گے۔ اب صورتِ حال کچھ اس طرح بنتی ہے کہ ۱۰۰ ممبران کی ایک ماہ میں انہیں ۲۵,۵۰۰ روپے، ۴۵ ہزار روپے ادا کرنے کے بعد رقم بچتی ہے، پندرہ ماہ تک ان کے پاس کل رقم ۳۸۲,۵۰۰ روپے جمع ہوتی ہے۔ پندرہ ماہ پورے ہونے پر ۱۰۰ ممبران جس میں پندرہ ممبران ہر ماہ نکلنے والی کمیٹی کے بھی شامل ہیں، انہیں کل رقم ادا کرنی ہے ۴۵ ہزار روپے، اس طرح پندرہ ماہ بعد انہیں ۶۷,۵۰۰ روپے کا نقصان ہوگا۔ اس نقصان کو پورا کرنے کے لئے وہ سیونگ بینک میں منافع حاصل کرنے کے لئے ہر روز رقم جمع کرتے رہتے ہیں، یا پھر وہ ممبران کی رقم سے بزنس کرتے ہیں، وہ اس طرح کہ جب جو چیز مارکیٹ میں سستی ملتی ہے، اس کا ذخیرہ کرلیتے ہیں، اور جب مارکیٹ میں مال ختم یا مہنگا ہوجاتا ہے تو اسے فروخت کردیتے ہیں، یا پھر انعامی بانڈز زیادہ تعداد میں خرید لیتے ہیں، ان میں بھی کوئی نہ کوئی انعام نکل آتا ہے، ان طریقوں سے وہ نقصان کی رقم پوری کرتے ہیں۔

اب شرعی نقطۂ نظر سے اس طرح کمیٹی ڈالنا جائز ہے یا ناجائز؟ اور جو پندرہ ممبران تھوڑی رقم دے کر زیادہ رقم حاصل کرتے ہیں، ان کی وہ رقم کون سی کمائی کہلائے گی؟ اور کمیٹی ڈالنے والے نقصان پورا کرنے کے لئے اس طرح منافع بخش کاروبار کرتے ہیں تو ان کا کاروبار اور منافع جائز و حلال ہے یا ناجائز و حرام؟

جواب:... ایسی کمیٹی سود اور قمار (جوا) کا مجموعہ ہے، اس لئے اس کے حرام اور باطل ہونے میں کوئی شک وشبہ نہیں۔ [1]

نیلامی بیسی (کمیٹی) جائز نہیں

سوال:... ہماری تقریباً چالیس آدمیوں کی ایک کمیٹی ہے، جس کو "بی سی" کہتے ہیں، یہ نیلامی کمیٹی ہے جس میں ہر ممبر ماہانہ ۱۵۰۰ روپے جمع کرتا ہے جس سے مجموعی رقم ۶۰ ہزار روپے بن جاتی ہے۔ یہ نیلامی کمیٹی ہے جب سب ممبر اکٹھے ہوتے ہیں تو اس پر بولی لگتی ہے، یہ ۶۰ ہزار روپے ایک ممبر اپنی مرضی سے ۱۶ ہزار روپے میں لے لیتا ہے، یعنی اس پر کوئی دباؤ اور جبر نہیں ہوتا۔ اس سے ہم کو آگاہ کریں کہ اس میں گناہ ہے یا نہیں؟ اور یہ ۱۶ ہزار روپے فی ممبر ۴۰۰ روپے سود آتا ہے، وہاں کمیٹی کے رجسٹر میں پورا ۱۵۰۰ روپے لکھ دیتا ہے، یعنی ۴۰۰ منافع ہوا۔

---

(۱) وأحل الله البيع وحرم الربوٰا۔ (البقرة: ۲۷۵)۔ يٰأيها الذين اٰمنوا إنما الخمر والميسر والأنصاب والأزلام رجس من عمل الشيطٰن فاجتنبوه لعلكم تفلحون۔ (المائدة: ۹۰)۔

جواب:... یہ جائز نہیں، بلکہ سود ہے۔[1]

اِنعامی بونڈز کی رقم کا شرعی حکم

سوال:... میں نے ایک دوست کے مشورے سے ۵۰ روپے کا بونڈ خریدا، فیصلہ ہوا کہ بونڈ کھلنے کی صورت میں آدھا انعام میرا اور آدھا انعام اس کا ہوگا۔ اتفاق سے ایک دن بعد وہ بانڈ ۵۰ ہزار روپے کا کھل گیا، چونکہ میں نے اس سے وعدہ کرلیا تھا اس لئے میں نے اس کو ۲۵ ہزار روپے ادا کردیئے۔ لیکن مجھے بعد میں پتا چلا کہ انعامی بونڈ کا انعام سود سے بھی بدتر ہے، تو مجھے بہت دُکھ ہوا اور میں نے اس کو استعمال بھی نہیں کیا، اور نہ میں اب استعمال کرنا چاہتا ہوں۔ لیکن افسوس! میرے والدین یہ کہتے ہیں کہ اگر تم یہ پیسہ استعمال نہیں کرتے تو ہمیں دے دو، ہماری مرضی ہم کچھ بھی کریں۔ حالانکہ ہم گھر والے اچھے خاصے کھاتے پیتے گھرانے کے ہیں۔ بتلایئے اس رقم کے بارے میں کیا حکم ہے؟ اس سلسلے میں خاص اور اہم بات یہ بتائی جائے کہ میں اس پیسے کو کہاں صرف کروں؟

جواب:... انعامی بونڈز کے نام سے جو انعام دیا جاتا ہے، حقیقتاً یہ سود کی ایک شکل ہے۔ انعامی بونڈز کے اِنعام میں ملنے والی رقم حرام ہے اور اس کا استعمال کرنا جائز نہیں۔ بینک جب انعامی بونڈز کی کوئی سیریز نکالتا ہے اور اس سیریز کے ذریعہ سے جو رقم وہ عوام سے کھینچ لیتا ہے، اس رقم کو عموماً بینک کسی کو سودی قرضے پر دے دیتا ہے۔ جس شخص کو قرضہ دیتا ہے اس سے بینک سود وصول کر کے اس سودی رقم میں سے کچھ اپنے پاس رکھتا ہے اور کچھ رقم قرعہ اندازی (لاٹری) کے ذریعہ ان لوگوں میں تقسیم کردیتا ہے کہ جنھوں نے انعامی بونڈز خریدے تھے۔ چنانچہ قرعہ اندازی کے بعد جو رقم لوگوں کو ملتی ہے وہ اصل میں سود ہی کی رقم ہوتی ہے۔ اس کے علاوہ اگر یہ فرض کرلیا جائے کہ بینک اس رقم کو سودی قرضے پر نہیں دیتا بلکہ اس کو کسی کاروبار میں لگاتا ہے اور اس کاروبار سے جو نفع ہوتا ہے وہ نفع قرعہ اندازی کے ذریعہ بونڈز خریدنے والوں میں تقسیم کردیا جاتا ہے، پھر بھی انعامی بونڈز پر ملنے والی رقم جائز نہیں ہے، اس لئے کہ اوّل تو پارٹنرشپ کے بزنس میں نفع، نقصان دونوں کا احتمال ہوتا ہے، جبکہ یہاں بینک کی طرف سے نقصان کا کوئی ذکر ہی نہیں۔

دُوسری بات یہ کہ تجارتی اور شرعی اُصول کے مطابق پارٹنرشپ کے کاروبار میں جب نفع ہوتا ہے تو اس نفع میں سے ہر پارٹنر (شریک) کو اتنے فیصد ہی حصہ ملتا ہے کہ جتنے فیصد اس نے روپیہ لگایا ہے،[2] نفع کی تقسیم قرعہ اندازی (لاٹری) کے ذریعہ کرنا، اس میں بہت سوں کے ساتھ ناانصافی ہونا یقینی بات ہے، لہٰذا پرائز بونڈز کا انعام ہر اعتبار سے ناجائز اور حرام ہے۔ اور یہ درحقیقت سود اور جوئے دونوں کا مرکب ہے، اگرچہ بینک اسے ''اِنعام'' ہی کہتا ہے۔ زہر کو اگر کوئی تریاق کہے تو وہ تریاق نہیں بنتا، بلکہ زہر اپنی جگہ زہر ہی رہتا ہے۔ یہ وہی پُرانی شراب ہے جو نئی بوتلوں میں بند کرکے، نئے لیبل کے ساتھ لوگوں کے سامنے پیش کی جارہی ہے۔

---

(۱) (الذین یأکلون الربٰوا) ھو فضل مال خال عن العوض فی معاوضة مال بمال۔ (تفسیر نسفی ج:۱ ص:۲۲۴، طبع دار ابن کثیر، بیروت)۔ الربا ھو لغة: مطلق الزیادة وشرعًا فضل ولو حکمًا فدخل ربا النسیئة .. . حال عن عوض۔ (الدر المختار مع الرد ج:۵ ص:۱۶۸ باب الربا)۔

(۲) المضاربة .... ومن شرطھا أن یکون الربح بینھما مشاعًا بحیث لَا یستحق أحدھما منه دراھم مسماة الخ۔ (الجوھرة النیرة ج:۱ ص:۳۷۵، ۳۷۶، کتاب المضاربة، طبع دھلی)۔

آپ کے والدین اگر یہ کہتے ہیں کہ رقم ہمارے حوالے کردو، تو شرعی اعتبار سے اس اَمر میں والدین کی اطاعت جائز نہیں ہے،[۱] جس طرح آپ خود حرام کمائی سے بچنا چاہتے ہیں اسی طرح اپنے والدین اور دیگر گھر والوں کو بھی اس حرام ذریعہ آمدنی سے محفوظ رکھیں اور یہ رقم ان کے حوالے نہ کریں۔

باقی یہ کہ یہ رقم پھر آپ کہاں استعمال کریں؟ تو اس میں ایک تو یہ ہے کہ اگر آپ نے بینک سے اپنے اِنعام کی رقم نہیں لی ہے تو اَب مت لیجئے، اور اگر آپ اِنعام کی رقم لے چکے ہیں تو اس کو ان لوگوں میں بغیر نیتِ ثواب کے صدقہ کردیں کہ جو لوگ زکوٰۃ اور صدقہ خیرات کے مستحق ہیں۔[۲]

پرائز بونڈز بیچ کر اس کی رقم استعمال کرنا دُرست ہے

سوال:... پرائز بونڈز کی اِنعامی رقم حرام ہے، اگر حرام ہے تو ہم نے جو بونڈز خرید رکھے ہیں وہ کسی آدمی کو بیچ دیں تو آنے والی رقم کیا ناجائز ہوگی؟

جواب:... اِنعامی بونڈز کی رقم لینا جائز نہیں، جتنے میں خریدا ہے، اتنی ہی رقم میں اسے بیچنا یا بینک کو واپس کردینا دُرست ہے۔

پرائز بونڈ کی پرچیوں کی خرید و فروخت

سوال:... کراچی سمیت ملک بھر میں "پرائز بونڈ" اور اَب پرائز بونڈ کی پرچیوں کا کاروبار عام ہوگیا ہے، ہر شخص پرچیاں خرید کر راتوں رات امیر بن جانے کے چکر میں ہے، کیا ان پرچیوں کے اِنعام سے "عمرہ" یا کوئی بھی نیک کام یا غریبوں، بیواؤں کی امداد کرسکتے ہیں یا نہیں؟

جواب:... یہ پرچیوں کا کاروبار جائز نہیں ہے،[۳] اس سے نہ عمرہ جائز ہے اور نہ صدقہ خیرات صحیح ہے۔[۴] یہ کاروبار بند کردینا

---

(۱) عن النواس بن سمعان .... لا طاعة لمخلوق في معصية الخالق۔ (مشكوٰة ص:۳۲۱، كتاب الإمارة)۔

(۲) والحاصل انه إن علم عين الحرام لا يحل له ويتصدق به بنية صاحبه۔ (رد المحتار ج:۵ ص:۹۹)۔ أيضًا: ويتصدق بلا نية الثواب إنما ينوي به براءة الذمة۔ (قواعد الفقه ص:۱۱۵)۔

(۳) يٰـأيها الذين اٰمنوا إنما الخمر والميسر والأنصاب والأزلام رجس من عمل الشيطٰن فاجتنبوه لعلكم تفلحون۔ (المائدة:۹۰)۔ كل شيء من القمار فهو من الميسر حتّٰى لعب الصبيان بالجوز۔ (تفسير ابن كثير ج:۲ ص:۹۱)۔

(۴) وتكون النفقة من وجه حلال فإن الحج لا يقبل بالنفقة الحرام .... فلا يثاب لعدم القبول۔ (ارشاد السارى ص:۳ طبع بيروت)۔ أيضًا: عن عبدالله بن مسعود عن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: لا يكسب عبد مال حرام فيتصدق منه فيقبل منه ولا ينفق منه فيبارك له فيه ولا يتركه خلف ظهره إلا كان زاده إلى النار ان الله لا يمحو السيّئ بالسيّئ ولٰكن يمحو السيّئ بالحسن ان الخبيث لا يمحو الخبيث۔ رواه أحمد وكذا في شرح السُّنّة۔ (مشكوٰة ص:۲۴۲ باب الكسب وطلب الحلال)۔

چاہئے اور جو رقم اس سلسلے میں حاصل ہوئی ہے، وہ غرباء و مساکین کو بغیر نیتِ ثواب کے دے دینی چاہئے۔[1]

پرائز بونڈز کا حکم

سوال:... پچھلے ہفتے پاکستان ٹیلیویژن کے ایک پروگرام میں پروفیسر علی رضا شاہ نقوی نے ایک سوال: ''کیا پرائز بونڈز کی صورت میں کسی بھی بونڈز ہولڈر کی رقم ضائع نہیں ہوتی، جبکہ جوا اور لاٹری میں صرف ایک آدمی کو رقم ملتی ہے اور دُوسروں کی رُقوم ضائع ہوجاتی ہیں، لہٰذا انعامی بونڈز پر موصولہ رقم کے انعام سے حاصل شدہ رقم سے حج کیا جاسکتا ہے؟'' کے جواب میں ارشاد فرمایا تھا کہ: ''پرائز بونڈز کرنسی کی ایک دُوسری شکل ہے، جسے ملک میں کہیں بھی کیش کروایا جاسکتا ہے، اِنعام نکلے تو جائز اور حلال ہے، اور اس سے حج کیا جاسکتا ہے۔'' کیا شریعت کی رُو سے واقعی یہ جواب دُرست ہے؟

جواب:... یہ جواب بالکل غلط ہے۔ سوال یہ ہے کہ جس شخص کو اِنعامی بونڈز کی رقم ملی، وہ کس مد میں ملی؟ اور شریعت کے کس قاعدے سے اس کے لئے حلال ہوگئی...؟

بینک اور پرائز بونڈز سے ملنے والا نفع سود ہے

سوال:... میں یہ معلوم کرنا چاہتا ہوں کہ یہ جو بینکوں میں رقم رکھوانے سے اور پرائز بونڈز اور سرٹیفکیٹس پر جو نفع ملتا ہے، کیا یہ سود ہے؟ میرے علم میں تو یہ ہے کہ یہ سود ہے، لیکن ایک صاحب فرماتے ہیں کہ: ''اس کو سود ماننے کو ہماری عقل نہیں مانتی کیونکہ یہ تو تجارت ہے، اور جو نفع ملتا ہے وہ سود نہیں بلکہ خالص منافع ہے، اور مُلّاؤں نے خواہ مخواہ ہی اسے سود قرار دیا ہے، اس کی کوئی عقلی دلیل نہیں ہے۔'' پس اب آپ سے گزارش ہے کہ قرآن و حدیث اور عقلی دلائل کی روشنی میں اس کی وضاحت کردیجئے تاکہ یہ غلط فہمی دُور ہوجائے۔

جواب:... یہ بھی سود ہے۔[2] اگر کسی کی عقل نہ مانتی ہو تو اسے اللہ تعالیٰ کے کسی نیک بندے کی صحبت میں بیٹھ کر اپنی اصلاح کرانی چاہئے، یا فردائے قیامت کا انتظار کرنا چاہئے، اس دن پتا چل جائے گا کہ مُلّا ٹھیک کہتا تھا یا مسٹر صاحب کی عقل ٹھیک سوچتی تھی...!

پرائز بونڈ کی اِنعامی رقم کا مصرف

سوال:... پرائز بونڈ کی اِنعامی رقم کس مصرف میں لگاسکتے ہیں؟ ہمارے ایک دوست کا اِنعام نکلا ہے، کیا اسے مسجد کے بیت

---

(۱) وما حصل بسبب خبيث فالسبيل رده إلى ربّ المال. (قواعد الفقه ص:۱۱۵). وفي رد المحتار. إن عرفوهم وإلّا تصدقوا بها لأن سبيل الكسب الخبيث التصدق إذا تعذر الرد على صاحبها. (شامی ج:۲ ص:۳۸۵). ويتصدق بلا نية الثواب إنّما ينوی به براءة الذمة. (قواعد الفقه ص:۱۱۵).

(۲) هو فضل خال عن عوض بمعيار شرعی مشروط لأحد المتعاقدين في المعاوضة. (الدر المختار مع ردالمحتار ج:۵ ص.۱۶۸، باب الربا، طبع ایچ ایم سعید).

الخلا میں لگا سکتے ہیں؟ یا کسی غریب کو بغیر بتائے دے سکتے ہیں یا پتا کر دیں؟

جواب:... کسی محتاج مقروض کو اس کا قرضہ ادا کرنے کے لئے دے دیا جائے، اور کسی مصرف میں لگانا صحیح نہیں۔ (۱)

پرائز بونڈ کے اِنعام کی رقم سے عمرہ کرنا یا کسی کو کروانا

سوال:... میں ایک پرائیویٹ اسکول میں پڑھاتی ہوں، اسکول والے اگر میری کارکردگی سے خوش ہوکر مجھے ۱۵۰۰ روپے کا پرائز بونڈ دیتے ہیں جس پر میرا اِنعام بھی نکل آتا ہے تو کیا ان پیسوں کا اِستعمال میرے لئے جائز ہوگا؟ مثلاً کیا میں ان پیسوں سے اپنے والدین کو عمرہ کرواسکتی ہوں؟

جواب:... پرائز بونڈ پر جو اِنعام نکلتا ہے، وہ جائز نہیں، نہ اس سے عمرہ کرنا جائز ہے، (۲) بلکہ کسی کو وہ پیسے دے دینے چاہئیں۔ (۳)

پرائز بونڈ کی اِنعامی رقم تعلیمی اِخراجات میں خرچ کرنا

سوال:... پرائز بونڈ جو کہ حکومت کی طرف سے عوام کے لئے تحفہ ہے، اگر نکل آئے تو اس سے حج ممکن نہیں، لیکن کیا یہ رقم اپنے تعلیمی خرچ یا دیگر ضروریات میں اِستعمال کی جاسکتی ہیں؟ جبکہ پرائز بونڈ وغیرہ غریب حضرات کے پاس ہی ہوتے ہیں۔

جواب:... امیر کے پاس ہوں یا غریب کے پاس شرعاً جائز نہیں۔ کوئی حرام کھانا چاہے تو کون روکتا ہے؟ مرنے کے بعد بھرنا ہوگا۔

اِنعامی اسکیموں کے ساتھ چیزیں فروخت کرنا

سوال:... اب سے کچھ عرصہ پہلے تک مملکتِ پاکستان میں بچوں کے لئے ٹافیاں وغیرہ بنانے والے کاروباری منافع خوروں نے یہ طریقہ اختیار کر رکھا تھا کہ اپنے ناقص مال کو زیادہ سے زیادہ فروخت کرنے کے لئے مختلف لاٹریوں اور اِنعامی کوپن کے چکر چلا کر معصوم بچوں کو بیوقوف بنایا جارہا تھا۔ مثلاً: اگر بچے کوئی مخصوص سپاری یا چیونگم خریدیں تو ہر پیکٹ میں ایک سے پانچ یا سات تک کوئی نمبر ہوگا، بچوں سے کہا جاتا ہے اگر وہ یہ نمبر پورے جمع کرلیں تو انہیں ایک عدد گھڑی، گانوں کا کوئی کیسٹ یا کوئی اور قیمتی چیز بطور اِنعام دی جائے گی۔ معصوم بچے اِنعام حاصل کرنے کے لالچ میں دھڑا دھڑ ناقص اور صحت کے لئے نقصان دہ چیزیں خرید کر کثرت سے کھاتے ہیں۔ اس طرح ایک طرف تو یہ بچے اپنے والدین کا پیسہ برباد کرتے ہیں، اور دُوسری طرف ملک وقوم کی امانت یعنی اپنی صحت کو بھی

---

(۱) لأن سبيل الكسب الخبيث التصدق إذا تعذر الرد على صاحبه. (در مختار ج:۵ ص:۳۸۶ باب الربا).

(۲) وتكون النفقة من وجه حلال فإن الحج لا يقبل بالنفقة الحرام .... فلا يثاب لعدم القبول. (إرشاد السارى ص:۳، طبع دار الفكر، بيروت).

(۳) لأن سبيل الكسب الخبيث التصدق إذا تعذر الرد على صاحبه. (درمختار ج:۵ ص:۳۸۶). أيضًا: ويتصدق بلا نية الثواب وينوى به براءة الذمة. (قواعد الفقه ص:۱۱۵).

نقصان پہنچاتے ہیں۔ بچے کتنی بھی خریداری کرلیں مگر وہ نمبر پورے جمع نہیں ہوتے ہیں۔ اب تک یہ سلسلہ بچوں تک محدود تھا، مگر زمانے کی ترقی کے ساتھ ساتھ اِنعامی اسکیم کی یہ کاروباری حکمتِ عملی بھی کسی وبائی بیماری کی طرح چاروں طرف پھیلتی چلی گئی اور آج ہمارے وطنِ عزیز کی بڑی بڑی کمپنیاں ایک دُوسرے پر بازی لے جانے کے لئے چاروں طرف انعامی اسکیموں کا جال پھیلا رہی ہیں۔ یہ انعامی اسکیمیں اس غریب ملک کے عوام کے ساتھ ایک بڑا ظلم ہے، کیونکہ یہ اسکیمیں انہیں فضول خرچی اور غیرضروری خریداری کی طرف صرف اور صرف انعام کے لالچ کی وجہ سے راغب کر رہی ہیں، جس کے نتیجے میں ایک عام آدمی کے محدود مالی وسائل نہ صرف بُری طرح متأثر ہوتے ہیں، بلکہ اس کے لئے مالی مشکلات اور ذہنی پریشانیوں کا باعث بھی بنتے ہیں، کیونکہ ان انعامی اسکیموں کے جاری کرنے والے مفاد پرست عناصر نے کمالِ ہوشیاری کے ساتھ ایسے حربے اپنائے ہوئے ہیں کہ اوّل تو انعام نکلتا ہی نہیں اور اگر نکلتا ہے تو لاکھوں خریداروں میں صرف ایک آدھ کا، نتیجہ ظاہر ہے مایوسی کے سوا کچھ نہیں۔

یہ صورتِ حال نہ صرف مایوس کن بلکہ باعثِ ندامت بھی ہے کہ ایک اسلامی مملکت میں جہاں کی حکومت ملک کے معاشرے کو اسلامی قانون اور شریعت میں ڈھالنے کی سخت جدوجہد کر رہی ہے، وہاں چند مفاد پرست اور خودغرض عناصر اپنے مالی فائدے کے لئے ملک کے سادہ لوح غریب عوام اور معصوم بچوں و نوجوانوں کے اخلاق کو تباہ کر رہے ہیں، کیونکہ ان لاٹری اسکیموں کا شکار سب سے زیادہ بچے اور نوجوان ہو رہے ہیں، جن میں انعام کی لالچ میں جوئے اور قماربازی کا عنصر جنم لے رہا ہے، جو آگے چل کر ان کی اخلاقی اور معاشرتی تباہی کا پیش خیمہ بن سکتا ہے۔ ظلم کی انتہا تو یہ ہے کہ ملکی ذرائع ابلاغ جو ہمارے اندر قومی تشخص اور اسلامی معاشرے کے قیام کے لئے صحیح فضا بنانے کے ذمہ دار ہیں، انہیں بھی اس وبا اور غیراخلاقی مہم کو گھر گھر پہنچانے کے لئے بے دریغ استعمال کیا جا رہا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ پاکستان ٹیلیویژن جو کہ حکومتِ پاکستان کا ایک قومی ادارہ ہے، اس پر آج کل اسکیموں کے اشتہارات کی بھرمار ہے۔

محترمی! خود میرے ساتھ بھی یہ واقعہ ہوچکا ہے۔ ریڈیو پاکستان کراچی سے ایک مشہور چائے کمپنی کے کمرشل ریڈیو پروگرام میں بہترین شعر روانہ کرنے پر مجھے چائے کے پورے کارٹن کا حق دار قرار دیا گیا اور ریڈیو پر اس کا باقاعدہ اعلان بھی کیا گیا، کافی عرصہ انتظار کے بعد جب انعام مجھے موصول نہ ہوا تو میں مذکورہ کمپنی کے دفتر گیا، وہاں انہوں نے جواب دیا کہ: ''ہمیں کچھ معلوم نہیں، آپ ریڈیو والوں سے جاکر معلوم کریں۔'' اس طرح کے انعامی چکر آج کل چاروں طرف چل رہے ہیں۔ مہربانی فرماکر آپ فقہِ حنفیہ کی روشنی میں یہ بتائیے کہ کیا یہ انعامی اسکیمیں دِینِ اسلام میں جائز اور حلال ہیں؟ اگر نہیں تو حکومت چاروں طرف پھیلے ہوئے اس غیراخلاقی طوفان کا کوئی نوٹس کیوں نہیں لیتی؟

جواب:... کسی چیز کے انفرادی جواز و عدمِ جواز سے قطعِ نظر اس کے معاشرتی فوائد و نقصانات پر غور کرنا چاہئے، آپ نے انعامی لاٹریوں کا جو نقشہ پیش کیا ہے، یہ ملک و ملت کے لئے کسی طرح بھی مفید نہیں۔ اس لئے حکومت کو اس فریب دہی کا سدِ باب کرنا چاہئے۔

جہاں تک انفرادی جواز کا تعلق ہے، بظاہر کمپنی کی طرف سے انعامی کوپن کا اعلان بڑا دِلکش اور معصوم معلوم ہوتا ہے، لیکن اگر ذرا گہری نظر سے دیکھا جائے تو معلوم ہوگا کہ کمپنی انعام کی شرط پر اپنی چیزیں فروخت کرتی ہے اور خریداروں میں سے ہر خریدار گویا اس شرط پر چیز خریدتا ہے کہ اسے یہ انعام ملے گا، گویا اس کاروبار کا خلاصہ ''خرید و فروخت بشرطِ انعام'' ہے، اور شرعاً ایسی خرید و فروخت ناجائز ہے جس میں کوئی ایسی خارجی شرط لگائی جائے جس میں فریقین معاملے میں سے کسی ایک کا نفع ہو۔[1] حدیث شریف میں ہے کہ: ''حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس خرید و فروخت سے منع فرمایا، جس میں شرط لگائی جائے۔''[2] اس لئے یہ انعامی کاروبار شرعاً ناجائز بھی ہے اور معاشرے کے لئے مہلک بھی، حکومت کو چاہئے کہ اس پر پابندی عائد کرے۔

اِنعامی پروگراموں میں حصہ لینا کیسا ہے؟

سوال:... میں اکثر اِنعامی پروگراموں میں حصہ لیتا ہوں، اور مختلف کہانیاں اور دیگر معلومات اِنعامی پروگراموں کے لئے بھیجتا ہوں، جن میں کافی محنت خرچ ہوتی ہے، اگر میرا انعام نکل آئے تو وہ اِنعام میرے لئے صحیح ہے یا غلط؟

جواب:... یہ اِنعامی پروگرام بھی مہذب جوا ہے۔[3]

معمابازی کی رقم کی شرعی حیثیت

سوال:... ''جنگ'' اخبار میں آپ کے کالم سے مستفیض ہونے کا موقع ملتا رہتا ہے، گزشتہ روز میرے ایک دوست نے کہا کہ پرائز بونڈ کی طرح معمابازی بھی جائز ہے، آپ سے قرآن و سنت کی روشنی میں رہنمائی چاہتا ہوں کہ کیا معمابازی کرنے والا اِدارہ اور اِدارے کا عملہ اور اِنعامی رقم حاصل کرکے اسے اہلِ خانہ پر صَرف کرنا جائز ہے؟ حلال ہے یا ناجائز اور حرام ہے؟ اور کیا پرائز بونڈ کا اِطلاق اس پر نہیں ہوتا؟

جواب:... میں تو پرائز بونڈ کو بھی جائز نہیں کہتا،[4] بلکہ خالص حرام کہتا ہوں، اور معمابازی بھی اس کی چھوٹی بہن ہے، اس لئے اس کو کیسے جائز کیا جاسکتا ہے...؟

---

(۱) وکل شرط لا یقتضیه العقد وفیه منفعة لأحد المتعاقدین أو المعقود علیه یفسده. (هدایة ج:۳ ص:۵۹، کتاب البیوع).

(۲) عن عمرو بن شعیب عن أبیه عن جده عن النبی صلی الله علیه وسلم أنه نهی عن بیع وشرط. قوله نهی عن بیع وشرط، أقول: تمسک به أبو حنیفة علٰی فساد البیع بالشرط. (اعلاء السُّنن، باب النهی عن البیع بالشرط ج:۱۴ ص:۱۴۰).

(۳) إنّما الخمر والمیسر والأنصاب والأزلام رجس من عمل الشیطٰن فاجتنبوه لعلکم تفلحون. (المائدة ۹۰). أیضًا: أکد تحریم الخمر والمیسر من وجوه حیث صدر الجملة بإنما وقرنها بعبادة الأصنام ومنه الحدیث: شارب الخمر کعابد الوثن، وجعلهما رجسا من عمل الشیطان، ولا یأتی منه إلّا الشر البحت وأمر بالإجتناب وجعل الإجتناب من الفلاح وإذا کان الإجتناب فلاحًا کان الإرتکاب خسرًا. (تفسیر النسفی ج:۱ ص:۴۷۳، طبع دار ابن کثیر، بیروت).

(۴) یسئلونک عن الخمر والمیسر قل فیهما إثم کبیر ومنافع للناس. (البقرة:۲۱۹). أیضًا: والمیسر: القمار، مصدر من یسر ... . واشتقاقه من الیسر لأنه أخذ مال الرجل بیسر وسهولة بلا کد وتعب أو من الیسار کأنه سلب یساره. (تفسیر نسفی ج:۱ ص:۱۸۲، طبع دار ابن کثیر، بیروت).

ڈالر والی لاٹری کی ایک قسم کا حکم

سوال:...ایک شخص کسی آدمی سے اس اسکیم کا ایک کوپن خریدتا ہے جو کہ ۱۲۰ ڈالر میں اسے ملتا ہے، اور اس کی تقسیم کچھ یوں ہے کہ:

۱:...۴۰ ڈالر اس شخص کو دیتا ہے جس سے یہ خرید رہا ہے اور اس کا نام کوپن لسٹ میں نمبر ۵ پر ہے۔

۲:...۴۰ ڈالر اسی لسٹ میں نمبر ۱ پر آئے ہوئے شخص کو کمپنی کے ذریعے بھجواتا ہے۔

۳:...اور ۴۰ ڈالر کمپنی کو بھجواتا ہے۔

اس کے بدلے میں کمپنی اسے چار کوپن بھیجتی ہے اور ان چار کوپنوں کو لسٹ میں اس کا نام اب نمبر ۵ پر آگیا ہے، اور جس شخص نے اس کوپن کو پہلے خریدا تھا اس کا نام اب نمبر ۴ پر ہوگا۔ یہ شخص ان چار کوپنوں کو ۴۰، ۴۰ ڈالر میں چار مزید بندوں کو فروخت کرتا ہے، اس طرح اسے ۱۸۰ ڈالر ملتے ہیں جس میں ۴۰ ڈالر اس کا منافع ہے کیونکہ اس نے ۱۲۰ ڈالر خرچ کئے تھے۔ اس طرح یہ سلسلہ چل نکلتا ہے اور ہر کوپن خریدنے والا چار کوپن حاصل کرنے کے بعد انہیں آگے بیچتا چلا جاتا ہے، اور اس شخص کا نام لسٹ نمبر چوتھے سے تیسرے، تیسرے سے دُوسرے اور دُوسرے سے پہلے نمبر پر پہنچتا ہے (چاہے جتنی بھی عرصے میں پہنچے) جب پہلے نمبر پر آگیا تو جس طرح اس شخص نے ۴۰ ڈالر لسٹ میں نمبر ۱ والے کو بھیجے تھے اسی طرح اب ۱۰۲۴ لوگ اسے ۴۰، ۴۰ ڈالر بھجوائیں گے، اور اسے کل ۴۰۹۶۰ ڈالر جو لاکھوں روپے میں بنتے ہیں منافع ملے گا۔ آیا یہ طریقہ کار اسلام میں جائز ہے؟

جواب:...خالص سود ہے، کیونکہ اس نے ۱۲۰ ڈالر خرید کر بقول آپ کے ۴۰۹۶۰ (نہیں، بلکہ ۴۱۰۰۰) ڈالر کمائے۔[۱]

سوال:...اگر جائز نہیں ہے تو آیا یہ جوئے کے زُمرے میں آتا ہے یا لاٹری وغیرہ کے؟

جواب:...جی ہاں جوا بھی ہے، یہ سلسلہ آگے چلا تو زائد رقم سود، ورنہ اِحتمال ہے ۱۲۰ ڈالر بھی جائیں۔[۲]

پرائز بونڈ کا اِنعام سود ہے تو پھر جائز ذریعہ کون سا ہے؟

سوال:...میں نے آپ سے پوچھا تھا کہ یہاں بینک اپنے بونڈ بیچتے ہیں، اور اس پر اِنعام بھی نکالتے ہیں، مطلب یہ کہ اپنا پیسہ محفوظ رہے گا، کیا اگر بونڈ پر اِنعام نکل آئے تو وہ پیسے اِستعمال کرسکتے ہیں؟ آپ کا جواب تھا: یہ سود ہے، اور اس کا حکم بھی دُوسرے سود کا ہے، ذرا اس کی وضاحت کردیں کہ یہ دُوسرا سود کیا ہے؟ سود تو میری سمجھ یہ آتا ہے کہ آپ پہلے سے مقرّر کریں، جبکہ یہاں تو یہ ہے کہ اگر کبھی اِنعام نکل آیا تو ٹھیک، ورنہ آپ کا روپیہ محفوظ۔ اگر یہ سب ہی ذریعے ناجائز اور سود کے اندر آتے ہیں تو پھر کوئی جائز ذریعہ ہی بتادیجئے؟

---

(۱) لأنها فضل لا يقابله عوض التحرز عن حقيقة الربا وشبهة الربا واجب. (بدائع الصنائع ج:۱۰ ص:۵۹۷، كتاب القرض).

(۲) وحرم لو شرط فيها من الجانبين لأنه يصير قمارًا .... سمي القمار قمارًا لأن كل واحد من المقاصرين ممن يجوز أن يذهب ماله إلى صاحبه ويجوز يستفيد مال صاحبه وهو حرام. (فتاوىٰ شامي ج:۶ ص:۴۰۳، طبع سعيد).

جواب:… دُوسرے سود سے مراد عام سود ہے، جو بینک دیتا ہے، اور یہ اِنعام بھی ان کی سود ہی کی رقم سے ہوتا ہے، اس لئے یہ بھی جائز نہیں۔[1] اگر کاروبار میں روپیہ لگایا جائے تو اس سے جو منافع حاصل ہوتا ہے اس کا فیصد لینا جائز ہے، مثلاً آپ نے کسی کو ایک لاکھ روپیہ دیا کہ وہ اس سے کاروبار کرے، اس سے جو منافع ہو اس کے بارے میں طے کرلیا جائے کہ اتنا فیصد کام کرنے والے کا ہوگا اور اتنا فیصد رقم والے کا، یہ صحیح ہے۔[2]

(۱) لما روی عن النبی صلی الله علیه وسلم أنه نهی عن قرض جرّ نفعًا، ولأن الزیادة المشروطة تشبه الربا، لأنها فضل لَا یقابله عوض، التحرز عن حقیقة الربا وعن شبهة الربا واجب۔ (بدائع الصنائع، کتاب القرض ج:۷ ص:۵۹۷)۔

(۲) ومن شرطها أن یکون الربح بینهما مشاعًا لَا یستحق أحدهما دراهم مسماة من الربح لأن شرط ذالک یقطع الشرکة بینهما ولَا بد منها کما هی فی عقد الشرکة۔ (الهدایة ج:۳ ص:۲۵۸، کتاب المضاربة)۔ وکون الربح شائعًا فلو عین قدرًا فسدت۔ (الدر المختار مع الرد المحتار ج:۵ ص:۶۴۸ کتاب المضاربة)۔

کمیشن

پیشگی رقم دینے والے کے کمیشن کی شرعی حیثیت

سوال:... میں کمیشن ایجنٹ ہوں، فروٹ مارکیٹ میں میری آڑھت کی دُکان ہے، کوئی زمین دار یا ٹھیکے دار مال لے آتا ہے تو فروخت کرنے کے بعد دس فیصد کمیشن کی صورت میں لے کر کے بقایا رقم ادا کردیتا ہوں۔ اب اس میں پریشانی والا مسئلہ یہ ہے کہ زمین دار یا ٹھیکے دار کو مال لانے سے قبل بیس پچیس ہزار روپے دیتا ہوں تاکہ مجھے مال دے، اور عام دستور بھی یہی ہے کہ زمین دار اور ٹھیکے دار کو مال لانے سے قبل اسی لالچ پر پیسے دئے جاتے ہیں تاکہ وہ مال بھیجے اور اس مال کے فروخت پر کمیشن لیا جاسکے۔ اب اس طریقۂ کار پر مختلف باتیں سنتے ہیں، کچھ سود کا کہتے ہیں، اور بعض لوگ حرام کا کہتے ہیں، اور زیادہ تر لوگ جو اس کام سے تعلق رکھتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ حلال ہے۔

جواب:... چونکہ زمین داران کو یہ رقم پیشگی کے طور پر دیتے ہیں، یعنی ان کا مال آتا رہے گا اور اس میں سے ان کی رقم وضع ہوتی رہے گی، اس لئے یہ ٹھیک ہے، اس پر کوئی قباحت نہیں۔ اس کی مثال ایسی ہوگی کہ دُکان دار کے پاس کچھ روپیہ پیشگی جمع کرادیا جائے اور پھر اس سے سودا سلف خریدتے رہیں، اور آخر میں حساب کرلیا جائے۔ (۱)

زمین دار کو پیشگی رقم دے کر آڑھت پر مال کا کمیشن کاٹنا

سوال:... اکثر و بیشتر چھوٹے بڑے زمین دار زرعی ضرورتوں کے پیشِ نظر آڑھتیوں سے بوقتِ ضرورت بطور اُدھار کچھ رقم لیتے رہتے ہیں، زرعی فصل کی آمد پر اجناس فصل آڑھتیوں کے حوالے کردی جاتی ہے، بوقتِ ادائیگی رقم مذکورہ آڑھتی واجب الادا رقم میں سے ۲۰ فیصد رقم منہا کرکے بقایا رقم مذکورہ زمین دار کے حوالے کرتا ہے۔ حل طلب مسئلہ یہ ہے کہ آیا ایسی رقم جس کو کمیشن کا نام دیا جاتا ہے ازرُوئے قرآن و سنت کسی سے لینا جائز ہے؟ اگر ناجائز ہے تو ایسی ناجائز رقم لینے اور دینے والے دونوں کے لئے کیا وعید آئی ہے؟

جواب:... یہاں دو مسئلے الگ الگ ہیں۔ ایک مسئلہ ہے کاشت کاروں کا آڑھتیوں سے رقم لیتے رہنا اور فصل کی برآمد پر

---

(۱) ولَا بأس أن يضع الرجل عند الرجل درهمًا ثم يأخذ منه بربع أو بثلث أو كسر معلوم سلعة معلومة. (مؤطا إمام مالک جامع بين الطعام ص:۵۹۰)۔ وفي رد المحتار: ولو اعطاء الدرهم وجعل يأخذ منه كل يوم خمسة امناء ولم يقل في الإبتداء اشتريتُ منک يجوز وهذا حلالٌ۔ (رد المحتار ج:۴ ص:۵۱۶، كتاب البيوع)۔

اس رقم کا ادا کرنا۔ اس کی دو صورتیں ہیں، ایک یہ کہ آڑھتی ان کاشت کاروں سے قبل از وقت سستے داموں غلہ خرید لیں، مثلاً: گندم کا نرخ اَسّی روپے ہے، آڑھتی کاشت کار سے فصل آنے سے دو مہینے پہلے ساٹھ روپے کے حساب سے خرید لیں اور فصل وصول کرنے کی تاریخ، جگہ، جنس کی نوعیت وغیرہ طے کرلیں، یہ صورت جائز ہے۔[1] دُوسری صورت یہ ہے کہ علی الحساب رقم دیتے جائیں اور فصل آنے پر اپنا قرض مع زائد پیسوں کے وصول کریں، یہ سود ہے اور قطعی حرام ہے۔[2]

دُوسرا مسئلہ آڑھتی کے کمیشن کا ہے، یعنی اس نے جو کاشت کار کا غلہ یا جنس فروخت کی ہے، اس پر وہ اپنا محنتانہ فیصد کمیشن کی شکل میں وصول کرے (عام طور پر ''آڑھت'' اسی کو کہا جاتا ہے)، یہ صورت حضرت اِمام ابوحنیفہؒ کے قول کے مطابق تو جائز نہیں،[3] بلکہ ان کو اپنی محنت کے دام الگ طے کرنے چاہئیں، کمیشن کی شکل میں نہیں، مگر صاحبینؒ اور دُوسرے ائمہؒ کے قول کے مطابق جائز ہے۔[4]

ایجنٹ کے کمیشن سے کاٹی ہوئی رقم ملازمین کو نہ دینا

سوال:... ہمارے ہاں کپڑا مارکیٹ میں ایک تسلیم شدہ رسم ہے کہ مالکِ دُکان جب کسی ایجنٹ کی معرفت کپڑا فروخت کرتا ہے تو اس کو کمیشن دیتے وقت دس پیسہ فی روپیہ کے حساب سے رقم کاٹتا ہے، جس کو ہمارے ہاں ''سُکھڑی'' کہتے ہیں۔ یہ تسلیم شدہ بات ہے کہ سُکھڑی دُکان کے نوکروں کے لئے ہوتی ہے اور پورے مہینے کی جمع شدہ سُکھڑی ہر ماہ کے آخر میں تمام نوکروں کو مساوی تقسیم کردی جاتی ہے۔ کچھ مالکانِ دُکان یہ رقم ایجنٹ کے کمیشن سے تو کاٹتے ہیں مگر خود کھا جاتے ہیں، استفسار پر وہ کہتے ہیں کہ یہ رقم ہمارے رشتے کی بیواؤں اور یتیموں کو دی جاتی ہے جو بہت غریب ہیں۔ کیا غریب کارکنان کا حق مار کر بیواؤں کو دینا شرعاً جائز ہے؟

جواب:... دس پیسے کاٹ کر جو رقم دی گئی ہے، دلال کی اُجرت اتنی ہی ہوئی، اور دس پیسے جو باقی رہ گئے وہ مالک کی ملکیت میں رہے، خواہ کسی کو دے دے، یا خود رکھ لے۔[5]

چندہ جمع کرنے والے کو چندے میں سے فیصد کے حساب سے کمیشن دینا

سوال:... کسی دِینی مدرسے کے لئے کوئی سفیر مقرّر کیا جائے اور وہ سفیر کہے کہ میں ۳۳ فیصد یا ۳۰ فیصد لوں گا، جبکہ خلفائے راشدینؓ کے دور میں زکوٰۃ، صدقات اکٹھا کرنے والے حضرات کو بیت المال سے مقرّرہ ماہانہ دیا جاتا تھا، اور آج ایک سفیر دِینی

---

(۱) فالسلم عقد يثبت به الملك في الثمن عاجلًا وفي الثمن آجلًا فبان تقول لآخر أسلمت إليك عشرة دراهم في كرّ حنطة أو أسلفت ويقول الآخر قبلت وينعقد السلم وأمّا الشروط الذي في المسلم فيه فأحدها بيان جنس المسلم فيه حنطة أو شعيرا والثاني أن يكون المسلم فيه مؤجلا بأجل معلوم والثالث بيان مكان الإيفاء ...إلخ۔ (فتاویٰ عالمگیری ج:۳ ص:۱۷۸، كتاب البيوع، طبع رشيديه)۔

(۲) وفي الأشباه كل قرض جرّ نفعًا فهو حرام۔ (درمختار ج:۶ ص:۳۹۵، طبع سعيد)۔

(۳) فقال: ومنه كان أبوحنيفة يكره السمسرة وفي التلويح: وأكثر العلماء لا يجيزون هذا لأنها وإن كانت أجرة السمسرة لكنها مجهولة وشرط جوازها عند الجمهور أن تكون الأجرة معلومة۔ (اعلاء السُّنن ج:۱۶ ص:۲۰۷)۔

(۴) وفي الحاوي: سئل محمد بن سلمة عن أجرة السمسار فقال: أرجو أنه لا بأس به۔ (درمختار ج:۶ ص:۶۳)۔

(۵) كل يتصرف في ملكه كيف يشاء۔ (شرح المجلة ج:۱ ص:۶۵۴، رقم المادّة:۱۱۹۲)۔

ادارے کے لئے کام کرنے کا ۳۰ فیصد یا ۳۳ فیصد لینا چاہتا ہے، جبکہ ایک مفتی صاحب یہ فتویٰ دے چکے ہیں کہ یہ کمیشن لینا یعنی فیصد لینا ناجائز ہے، اور میرا موقف ہے کہ یہ جائز ہے، یا اسے تنخواہ دی جائے یا فیصد؟ اب آپ سے استدعا ہے کہ کتاب اللہ اور سنتِ رسول سے مکمل واضح اور مدلل جواب عنایت فرماکر اُمتِ مسلمہ پر احسانِ عظیم فرمائیں۔

جواب:... سفیر کا فیصد کمیشن مقرر کرنا دو وجہ سے ناجائز ہے، ایک تو یہ اُجرت مجہول ہوئی، کیونکہ کچھ معلوم نہیں کہ وہ مہینے میں کتنا چندہ کرکے لائے گا؟[1] دُوسری وجہ یہ کہ کام کرنے والے نے جو کام کیا ہو اسی میں سے اُجرت دینا ناجائز ہے،[2] اس لئے سفیر کی تنخواہ مقرر کرنی چاہئے۔

قیمت سے زائد بل بنوانا نیز دلالی کی اُجرت لینا

سوال:... ہماری ایک دُکان ہے، ہمارے پاس کوئی گاہک آتا ہے اور جو مال پچاس روپے کا ہوتا ہے، ہم سے کہتا ہے کہ اس کا بل پچپن روپے سے بنادو، لیکن ہم ایسا نہیں کرتے تو گاہک چلا جاتا ہے، دُوسری دُکان سے بل بڑھاکر مال لے لیتا ہے۔ ایسا کرنا جائز ہے یا ناجائز ہے؟

جواب:... یہ تو جھوٹ ہے، البتہ اگر ۵۵ روپے کی چیز فروخت کرکے پانچ روپے چھوڑ دیئے جائیں تو جائز ہے، مگر یہ رعایت اس ادارے کے لئے ہے جس کا نمائندہ بن کر یہ شخص مال خریدنے کے لئے آیا ہے، زائد رقم کا بل لے کر، زائد رقم کو اپنی جیب میں ڈال لینا اس کے لئے حرام ہے۔[3]

سوال:... ایک آدمی ہمارے پاس آتا ہے، ہم سے ریٹ پوچھتا ہے، ہم ریٹ بتادیتے ہیں، اور وہ کہتا ہے میں گاہک لے کر آتا ہوں، ہر چیز پر پانچ روپے کمیشن دینا۔ یہ جائز ہے یا ناجائز ہے؟

جواب:... یہ شخص دُکان دار کی طرف سے دلال ہے، اور اپنی دلالی کی اُجرت وصول کرتا ہے، اور دلالی کی اُجرت جائز ہے۔[4]

---

(۱) ولا يصح حتّٰى تكون المنافع معلومة والأجرة معلومة لأن الجهالة في المعقود عليه وبدله يفضي إلى المنازعة. (الجوهرة النيرة ص:۲۶۳ كتاب الإجارة).

(۲) لأن المنفعة يجوز أن تكون أجرة للمنفعة إذا كانت مختلفة الجنس .... وإن اتحد جنسها لا يجوز ... إلخ. (البحر الرائق ج:۷ ص:۲۹۸، كتاب الإجارة، طبع دار المعرفة، بيروت).

(۳) الوكيل إذا باع أن يكون أمينا فيما يقبضه من الثمن. (الفقه الحنفي وأدلته ج:۲ ص:۱۳۴، ضمان الوكيل). أيضًا: الوكيل ممن لا يثبت له حكم تصرفه وهو الملك فإن الوكيل بالشرى لا يملك المشترى والوكيل بالبيع لا يملك الثمن لأن الوكيل يملك التصرف من جهة الموكل. (الجوهرة النيرة ج:۱ ص:۳۰۰ كتاب الوكالة).

(۴) وفي الحاوي: سئل محمد بن سلمة عن أجرة السمسار، فقال: أرجوا أنه لا بأس به وإن كان في الأصل فاسدًا لكثرة التعامل وكثير من هذا غير جائز فجوّزوه لحاجة الناس إليه كدخول الحمام. (رد المحتار ج:۶ ص:۶۳، كتاب الإجارة، باب الإجارة الفاسدة، مطلب في أجرة الدلّال، طبع سعيد كراچی).

دلالی کی اُجرت لینا

سوال:... اگر میں کسی شخص کو مشینری، اس کے پارٹس وغیرہ اپنی معرفت خرید کردُوں اور دُکان دار سے کمیشن حاصل کروں تو کیا یہ کمائی اَکلِ حلال ہے؟ مثلاً: کسی کارخانہ دار یا کاروباری شخص کو اپنے ہمراہ لے جاکر کسی بڑی دُکان سے دس بیس ہزار کا مال خرید کر اسے کسی رقم سے دِلوایا اور بعد میں دُکان دار سے مال بکوانے کا کمیشن کسی ریٹ پر حاصل کیا، تو کیا یہ جائز ہوگا؟

جواب:... یہ دلالی کی صورت ہے،(۱) اور دلالی کی اُجرت جائز ہے۔(۲)

گاڑیاں فروخت کرنے کا کمیشن لینا

سوال:... زید مختلف قسم کی گاڑیوں کی خرید و فروخت کا کام کرتا ہے، زید گاڑیاں خود نہیں خریدتا، بلکہ دو آدمیوں کے درمیان وکیل بنتا ہے اور ان کا سودا طے کراتا ہے، اور دونوں آدمیوں سے اپنا کمیشن یا معاوضہ جو کہ پہلے سے طے ہوتا ہے، لیتا ہے۔ آیا یہ معاوضہ یا کمیشن لینا جائز ہے یا نہیں؟

جواب:... جائز ہے۔(۳)

کسی کا مال فروخت کرنے کی دلالی لینا، نیز کیا اپنے لئے مال خریدنے پر دلالی لینا جائز ہے؟

سوال:... کسی کا مال فروخت کرنے کے لئے دلّالی کی جاتی ہے، جو تقریباً ڈیڑھ فیصد ہے، اب اگر ہم کسی کا مال کسی دُوسرے کو فروخت کریں اور خود صرف دلّالی لیتے ہیں، اس سے جس کا مال ہوتا ہے، بعض اوقات ہم مقررہ مال اپنی ذات کے لئے لے رہے ہوتے ہیں، لیکن جس سے مال خریدتے ہیں اس سے بھی دلّالی لیتے ہیں، چونکہ ہماری پہچان بطور دلّال ہے، کیا اس مال پر بھی دلّالی لی جاسکتی ہے جو اپنی ذات کے لئے لیا جاتا ہے؟

جواب:... اگر اس کا مال کسی دُوسرے آدمی کے پاس فروخت کرتے ہیں تو اس کی دلّالی لینا جائز ہے، اگر اس چیز کو خود ہی رکھ لیتے ہیں تو اس کی دلّالی لینا جائز نہیں۔(۴)

---

(۱) والسمسار اسم لمن يعمل للغير بالأجرة بيعًا وشراءً. (المبسوط للسرخسي ج:۱۴ ص:۱۱۵، باب السمسار، طبع دار المعرفة بيروت).

(۲) قال في التاترخانية: وفي الدّلال والسمسار يجب اجر المثل .... وفي الحاوي: سئل عن محمد بن سلمة عن أجرة السمسار فقال: أرجوا أنه لَا بأس به وإن كان في الأصل فاسدًا لكثرة التعامل وكثير من هذا غير جائز، فجوزوه لحاجة الناس إليه. (رد المحتار ج:۶ ص:۶۳، كتاب الإجارة، باب الإجارة الفاسدة مطلب في اجرة الدّلال).

(۳) وأما الدّلال فإن باع العين بنفسه بإذن ربّها فأجرته على البائع وإن سعى بينهما وباع المالك بنفسه يعتبر العرف. وفي الشامية: فتجب الدّلالة على البائع أو المشترى أو عليهما بحسب العرف، جامع الفصولين. (رد المحتار ج:۴ ص:۵۶۰، كتاب البيوع، مطلب فساد المتضمن يوجب فساد المتضمن).

(۴) وأما الدّلال فإن باع العين بنفسه بإذن ربّها فأجرته على البائع، وإن سعى بينهما وباع المالك بنفسه يعتبر العرف. وفي الشامية: فتجب الدّلالة على البائع أو المشترى أو عليهما بحسب العرف. (ردالمحتار ج:۴ ص:۵۶۰، كتاب البيوع).

کمپنی کا کمیشن لینا جائز ہے

سوال:... بڑی بڑی کمپنیوں والے حضرات ان کی کسی چیز کی فروختگی کے بعد کمیشن ادا کرتے ہیں، مجھے بھی دو ایک مرتبہ واسطہ ہوا ہے کہ میں نے ایک کمپنی کی ایک چیز فروخت کرائی تھی جس کے صلے میں مالکان نے مجھے کمیشن عنایت کیا تھا۔ آپ اس سوال کا جواب بمطابق شرعی قوانین دیجئے کہ یہ کمیشن جائز ہے یا ناجائز ہے؟

جواب:... جائز ہے۔[1]

اِدارے کے سربراہ کا سامان کی خرید پر کمیشن لینا

سوال:... ''آپ کے مسائل اور اُن کا حل'' کے عنوان میں کمپنی کے کمیشن کے متعلق ایک سوال چھپا، جس میں یہ تحریر تھا کہ بڑی بڑی کمپنیوں والے اپنی کسی چیز کی فروخت کے لئے کمیشن ادا کرتے ہیں، اس کے جواب میں آپ نے فرمایا کہ جائز ہے۔ آپ کا جواب واقعی اس لحاظ سے تو ضرور دُرست ہے کہ اگر کوئی کمپنی اپنے قواعد و ضوابط میں یہ شرط رکھے یا اس کمیشن پر ہی اپنا اسٹور کھولے جس طرح آٹے وغیرہ کے ڈپو ہیں، یا جوتوں کے سروس، باٹا وغیرہ کے اسٹور ہیں۔ لیکن جواب مختصر ہونے کی وجہ سے لوگوں کو غلط فہمیوں میں مبتلا کردے گا کیونکہ اگر آپ سوال پر غور فرمائیں تو وہ بے حد پیچیدہ ہے اور ساتھ ہی ذرا وضاحت طلب ہے۔ یہ سوال ایسے کمیشن کا بھی احاطہ کرتا ہے جو مثلاً: دوائی کی کمپنیاں اپنے ایجنٹ کے ذریعہ ڈاکٹروں کو بعض اوقات قیمتی Sample یعنی نمونے کے تحفے دیتی ہیں، اور معاملہ یہاں تک بھی اس کی لپیٹ میں آجاتا ہے کہ گزشتہ دنوں امریکہ کی جہاز ساز کمپنی نے پاکستان کے بااختیار لوگوں کو چار طیاروں کی فروخت کے لئے ۱۶ لاکھ ڈالر کمیشن دیا تھا۔ یہ عام دستور ہے کہ سرکاری دفاتر، کالج، یونیورسٹیاں اور اسکولوں کے لئے جو سامان خریدا جاتا ہے اس میں خرید کرنے والوں کے لئے باقاعدہ کمیشن ہوتا ہے۔ اُصولاً یہ کمیشن حکومت یا اس مد کے کھاتے میں جمع ہونا چاہئے جس مد سے پیسہ لگتا ہے، لیکن عموماً یہ اس بااختیار شخص یا اس کے ایجنٹ کی جیب میں چلا جاتا ہے۔ چونکہ دینی لحاظ سے آپ کے جوابات بہت اہم ہوتے ہیں اور آپ کا مقام بھی بہت اُونچا ہے، اس لئے ڈر ہے کہ کہیں مجرم ذہن رکھنے والے آپ کے اس فتوے کا ناجائز استعمال نہ کریں۔ لہٰذا میرے ناقص خیال میں اس کی وضاحت ضروری ہے تاکہ عوام الناس کو صحیح صورتِ حال کا علم ہوجائے۔

جواب:... اپنے سوال کا جواب سمجھنے کے لئے پہلے ایک اُصول سمجھ لیجئے، وہ یہ کہ ایک کمپنی مال تیار کرتی ہے، اور وہ کچھ لوگوں کو اپنے مال کی نکاسی کے لئے وکیل اور ایجنٹ مقرر کرتی ہے، جو شخص کمپنی کے مال کی نکاسی کے لئے اس کمپنی کا وکیل اور نمائندہ ہو اس کو کمپنی کی طے کردہ شرائط کے مطابق کمپنی سے کمیشن اور معاوضہ وصول کرنے کا حق ہے۔[2]

---

(۱) إجارة السمسار والمنادی والحمامی والصکاک وما لَا یقدر فیه الوقت ولَا العمل تجوز لما کان للناس به حاجة ویطیب أجر المأخوذ لو قدر أجر المثل۔ (رد المحتار ج:۶ ص:۴۷ باب إجارة الفاسدة)۔ أیضًا: وأما الدلّال فإن باع العین بنفسه بإذن ربها فأجرته علی البائع، وإن سعی بینهما وباع المالک بنفسه یعتبر العرف۔ (الدر المختار ج:۴ ص:۵۶۰، کتاب البیوع)۔ أیضًا. قال فی التاتارخانیة: وفی الدلّال والسمسار یجب أجر المثل۔ (رد المحتار ج:۶ ص:۶۳ مطلب فی أجرة الدلّال)۔

(۲) أیضًا۔

اس کے برعکس ایک اور شخص ہے جو کسی اِدارے کا ملازم ہے، اور وہ اپنے اِدارے کے لئے اس کمپنی سے مال خریدنا چاہتا ہے، وہ چونکہ فروخت کرنے والی کمپنی کا نمائندہ نہیں، بلکہ خریدنے والے اِدارے کا وکیل اور نمائندہ ہے، اس کے لئے اس کمپنی سے کمیشن وصول کرنا جائز نہیں ہے، بلکہ کمپنی کی طرف سے اس کو جتنی رعایت (کمیشن کی شکل میں) دی جائے گی، وہ اس اِدارے کا حق ہے جس کا یہ وکیل اور نمائندہ بن کر مال خریدنے کے لئے آیا ہے۔

جب یہ اُصول اچھی طرح ذہن نشین ہوگیا، تو اب سمجھئے کہ میں نے جو مسئلہ لکھا تھا کہ فروخت کنندہ کمپنی سے کمیشن لینا جائز ہے، یہ ان لوگوں کے بارے میں ہے جو کمپنی کی طرف سے وکیل اور نمائندے بن کر مال فروخت کرتے ہیں، وہ گویا اس کمپنی کے ملازم ہیں، اور ان کا اس کمپنی سے اُجرت وصول کرنا جائز ہے۔[1]

بخلاف اس کے، سرکاری ملازم اور وزراء اور افسران، سرکاری اِداروں کے لئے جو مال خریدتے ہیں، اس فروخت کرنے والی کمپنی کے وکیل اور نمائندے نہیں ہوتے، بلکہ وہ سرکار کے وکیل اور نمائندے ہوا کرتے ہیں، اس لئے سرکاری ملازمین، سرکاری اِداروں کے لئے جو سامان خریدتے ہیں وہ کمپنی سے جتنی قیمت پر ملا ہو، اتنی ہی قیمت پر متعلقہ سرکاری محکمے کو پہنچانا ضروری ہے، اور کمپنی کی جانب سے جو رعایت یا کمیشن دیا جاتا ہے اس کو سرکاری ملازمین اور افسران کا، یا وزیرانِ بے تدبیر کا خود ہضم کر جانا شرعاً غبن اور خیانت ہے، اس لئے ان کا اپنے اِدارے کے لئے خریدی ہوئی چیز میں سے کمیشن وصول کرکے اسے خود ہضم کرنا کسی طرح جائز نہیں، بلکہ قومی خزانے میں خیانت اور حرام ہے۔[2]

کمیشن کے لئے جھوٹ بولنا جائز نہیں

سوال:...کمیشن کا کاروبار مثلاً: کپڑے اور مکان کی دلالی کرنا کیسا ہے؟ واضح رہے کہ اس میں تھوڑا بہت جھوٹ بولنا پڑتا ہے، کیونکہ اس میں نقص کو چھپایا جاتا ہے اور خوبیاں بڑھ چڑھ کر بیان کی جاتی ہیں۔

جواب:...دلالی جائز ہے،[3] باقی فریب اور جھوٹ تو کسی چیز میں بھی جائز نہیں۔ اور کسی عیب دار چیز کو یہ کہہ کر فروخت کرنا

---

(۱) إجارة السمسار والمنادی والحمامی والصکاک وما لَا یقدر فیه الوقت ولَا العمل تجوز لما کان للناس به حاجة ویطیب أجر المأخوذ لو قدر أجر المثل. (رد المحتار ج:۶ ص:۴۷ باب الإجارة الفاسدة). أیضًا: فتجب الدلَالة علی البائع أو المشتری علیهما أو بحسب العرف. (رد المحتار ج:۴ ص:۵۶۰، کتاب البیوع).

(۲) یٰـأیها الذین اٰمنوا لَا تأکلوا أموالکم بینکم بالباطل بما لم تبحه الشریعة من نحو السرقة والخیانة والغصب والقمار وعقود الربا. (تفسیر نسفی ج:۱ ص:۳۵۱). أیضًا: الوکیل إذا باع أن یکون أمینًا فیما یقبضه من الثمن. (الفقه الحنفی وأدلّته ج:۲ ص:۱۳۴ ضمان الوکیل). أیضًا: الوکیل ممن لَا یثبت له حکم تصرفه وهو الملک فإن الوکیل بالشری لَا یملک المشتری والوکیل بالبیع لَایملک الثمن .... لأن الوکیل یملک التصرف من جهة الموکل. (الجوهرة النیرة ج:۱ ص:۳۰۰ کتاب الوکالة).

(۳) فتجب الدلَالة علی البائع أو المشتری أو علیهما بحسب العرف. (رد المحتار ج:۴ ص:۵۶۰، کتاب البیوع).

بھی جائز نہیں کہ: ''اس میں کوئی عیب نہیں۔''[۱]

ملک سے باہر بھیجنے کے پیسوں سے کمیشن لینا

سوال:... اگر کسی آدمی کو باہر بھیجنے کے لئے اس سے سولہ ہزار روپے لئے جائیں، لینے والا آگے ایجنٹ کو چودہ ہزار روپے دے، اور آدمی چلا جائے، اب دو ہزار کام کرانے والے کے لئے جو درمیان میں ہے حلال ہے یا نہیں؟

جواب:... یہ دو ہزار اگر اس نے اپنے دوڑ دُھوپ کا محنتانہ لیا ہے تو جائز ہے۔[۲]

اسٹور کیپر کو مال کا کمیشن لینا جائز نہیں

سوال:... میں ایک فیکٹری میں اسٹور کیپر کی حیثیت سے ملازم ہوں، ہمارے پاس جو مال ہوتا ہے، یعنی جو چیز فیکٹری کے لئے آتی ہے اس کی خرید و فروخت وغیرہ ہمارے سیٹھ یعنی فیکٹری کے مالک کرتے ہیں، ریٹ وغیرہ مال سپلائی کرنے والے سے خود طے کرتے ہیں، میرا صرف یہ کام ہوتا ہے کہ جب فیکٹری میں مال آئے، اس کو چیک کروں کہ مال صحیح ہے، خراب تو نہیں؟ یا وزن کم تو نہیں؟ وہ میں چیک کر کے وصول کرتا ہوں مال بھی صحیح ہوتا ہے، اور وزن میں ٹھیک ہوتا ہے، مگر مال سپلائی کرنے والے مجھے فی ٹن ۵ روپے کمیشن دیتے ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ ہم سب کو دیتے ہیں، جن جن کے پاس ہمارا مال جاتا ہے، یہ کمیشن وہ مجھے خود دیتے ہیں، میں ان سے نہیں مانگتا۔ اور میں نے ان کو اس بات سے آگاہ کیا ہوا ہے کہ اگر مال کا وزن کم ہوا یا مال خراب ہوا تو میں واپس کر دُوں گا۔ اور اگر سیٹھوں نے کہا کہ ان سے مال منگواؤ تو آپ کو آرڈر دُوں گا ورنہ نہیں۔ ریٹ میں اگر فرق آئے تو میں مالکان فیکٹری کو آگاہ کر دیتا ہوں، اگر وہ کہیں کہ مال کا آرڈر دو، تو دیتا ہوں، ورنہ مال دُوسرے سے منگوا لیتے ہیں، لیکن مالکان فیکٹری کو یہ معلوم نہیں کہ ہمارا اسٹور کیپر ان سے کمیشن لیتا ہے۔ عرض یہ ہے کہ آپ بتائیں کہ یہ میرے لئے جائز ہے یا کہ حرام؟

جواب:... ان لوگوں کی آپ سے رشتہ داری تو نہیں ہے کہ آپ کو تحفہ دیں، نہ آپ ان کے پیرزادہ ہیں کہ آپ کی خدمت میں ہدیہ پیش کریں، اب سوائے رشوت کے اس کی اور کیا مد ہوسکتی ہے؟ اس لئے آپ کے لئے اس کمیشن کا لینا جائز نہیں۔[۳]

کام کروانے کا کمیشن لینا

سوال:... میری ایک سہیلی جو کہ لوگوں کو کڑھائی کرا کر دیتی ہے، کڑھائی سستی بنواتی ہے اور پیسے زیادہ لیتی ہے، جن سے

---

(۱) لا یحل کتمان العیب فی مبیع أو ثمن لأن الغش حرام .... إذا باع سلعة معیبةً علیه البیان ۔ إلخ. (فتاوی شامی ج:۵ ص:۴۷، باب خیار العیب)۔

(۲) إجارة السمسار والمنادی والحمامی والصکاک وما لا یقدر فیه الوقت ولا العمل تجوز لما کان للناس به حاجة. (ردالمحتار ج:۶ ص:۴۷، کتاب الإجارة، طبع ایچ ایم سعید)۔

(۳) وفی الکشاف المصطلحات الرشوة لغةً ما یتوصل به إلی الحاجة بالمضایقة بأن تصنع له شیئًا لیصنع لک شیئًا آخر. (مجموعة قواعد الفقه ص:۳۰۷، طبع صدف پبلشرز کراچی)۔

کڑھائی کرواتی ہے اس کے پورے پیسے دیتی ہے اور باقی پیسے خود لیتی ہے، دُکان دار بھی یوں کرتے ہیں، یہ پیسے اس کے لئے جائز ہیں یا ناجائز؟

جواب:... اگر دونوں طرف کے پیسے طے کرلئے جاتے ہیں تو جائز ہے۔[۱]

پان اُتارنے اور نیلام کرنے کا کمیشن لینا

سوال:... میں "پان منڈی" میں کام کرتا ہوں، گاڑیوں سے مال اُتارنا، اس کو ترتیب سے رکھنا اور اس کا ہر طرح سے خیال رکھتے ہوئے نیلام کرنا، یہ سب منڈی میں ہماری ذمہ داریاں ہیں۔ اگر کسی کا مال منڈی میں غائب ہوجائے تو اس کے ذمہ دار بھی ہم ہیں۔ اتنی ذمہ داریاں نبھانے کے بدلے میں ہم ایک کلو پان پر چار روپے مزدوری (کمیشن) لیتے ہیں، جس میں پان کے مالک کی خوشی بھی شامل ہے۔ اگر کوئی مال کی لاٹ چھوٹی ہو تو ہم اس پر کمیشن نہیں لیتے۔ اگر ہم اپنی مزدوری نہ لیں تو اور کوئی ذریعہ بھی نہیں ہے۔ مجھے روزانہ میرے کام کی جو اُجرت ملتی ہے، کیا وہ میرے لئے حلال ہے؟

جواب:... آپ کو جو اُجرت ملتی ہے، وہ چونکہ آپ کے کام کا معاوضہ ہے، اس لئے اس کا لینا آپ کے لئے حلال ہے،[۲] لیکن مال میں خیانت نہ کریں۔

کیا فیکٹری کے پُرزے خریدنے یا بنوانے میں ملازم کمیشن لے سکتا ہے؟

سوال:... زید ایک نجی فیکٹری میں ملازمت کرتا ہے، اور اس فیکٹری میں مشینوں کے پُرزہ جات جو روزانہ بیسیوں کی تعداد میں ناکارہ ہوتے رہتے ہیں، ان کو مختلف ورکشاپ سے بنواتا ہے یا خریدتا ہے، یہ اس کی ذمہ داری ہے۔ وہ جن کارخانوں اور ورکشاپوں سے بنواتا یا خریدتا ہے ان سے بنوانے یا خریدنے کا کمیشن لیتا ہے، کیوں ایک جیسے کام کرنے کے کئی کارخانے ہیں، اور اگر وہ کارخانے والے کمیشن دینے سے اِنکار کرتے ہیں تو وہ وہی چیز کسی اور کارخانے سے کمیشن کی بنیاد پر بنوانا شروع کردیتا ہے، لہٰذا کارخانے والے جانتے ہیں کہ اگر ہم کمیشن نہیں دیں گے تو وہ (زید) کسی اور سے بنوالے گا، لہٰذا خوشی سے کمیشن دیتے ہیں، بلکہ بعض تو خود پیشکش کرتے ہیں۔ اس طرح سے وہ کئی ہزار روپے تنخواہ کے علاوہ بناتا ہے، اگر اس سے کہو کہ کمیشن نہ لو، تو وہ دلیل یہ دیتا ہے کہ اگر ایک پُرزہ مارکیٹ میں ۳ روپے کا ہے تو میں فیکٹری کو ۳ روپے کا ہی دیتا ہوں، کارخانے والے بل بھی ۳ روپے کے حساب سے دیتے

---

(۱) إجارة السمسار والمنادی والحمامی والصکّاک وما لَا یقدر فیه الوقت ولَا العمل تجوز لما کان للناس به حاجة ویطیب الأجر المأخوذ لو قدر أجر المثل۔ (ردالمحتار، اوّل باب الإجارة الفاسدة ج:٦ ص:۴۷)۔ أیضًا: والسمسار اسم لمن یعمل للغیر بالأجرة بیعًا وشراءً۔ (المبسوط للسرخسی ج:۱۴ ص:۱۱۵، باب السمسار)۔ أیضًا: قال فی التاترخانیة: وفی الدلّال والسمسار یجب أجر المثل۔ (رد المحتار ج:٦ ص:٦۳ مطلب فی أجرة الدلّال)۔

(۲) الإجارة هی تملیک نفع مقصود من العین بعوض۔ (درمختار ج:۵ ص:۲)۔ فإن کانت مأجورة عادة کثوکیل المحامین وسماسرة البیع والشراء لزم أجر المثل ویدفعه أحد العاقدین بحسب العرف۔ (الفقه الإسلامی وأدلّته ج:۴ ص:۱۵۱، الوکالة بأجر)۔ أیضًا: الإجارة علی الأعمال: هی التی تعقد علٰی عمل معلوم کبناء وخیاطة قمیص وحمل إلٰی موضع معین وصباغة ثوب واصلاح حذاء ونحوه۔ (الفقه الإسلامی وأدلّته ج:۴ ص:۷٦٦ أحکام الإجارة علی الأعمال)۔

ہیں، مگر رقم کی ادائیگی میں دو روپے پچھتر پیسے لیتے ہیں، رقم بھی وہی ادا کرتا ہے، فیکٹری کے مالک نے اسے کمیشن لینے کی ہدایت نہیں کی ہے، اور اگر مالک کو یہ معلوم ہوجائے کہ وہ کمیشن لیتا ہے تو وہ اسے نوکری سے نکال دے۔ مگر اس بات کا یقین ہے کہ مالک کو سو فیصد اندازہ ہے کہ وہ کمیشن لیتا ہے مگر پکڑتا یوں نہیں ہے کہ اسے معلوم ہے جو بھی اس منصب پر ہوتا ہے، یہ کرتا ہے، لہٰذا اسے معلوم ہے کہ اگر میں دُوسرا ملازم رکھوں گا تو وہ بھی یہی کرے گا۔ آپ اسلام کی رُو سے بتایئے کہ اس کے یہ پیسے حلال ہیں کہ حرام ہیں؟

جواب:... کارخانے کا ملازم کارخانے کا نمائندہ ہے، وہ کام بھی کارخانے کے وکیل اور نمائندے کی حیثیت سے کراتا ہے، اس لئے اس کو جو رعایت ملے گی وہ بھی اس کی نہیں، بلکہ کارخانے کی ہے، اس لئے ملازم کا کمیشن وصول کرنا جائز نہیں، بلکہ خیانت اور بددیانتی ہے۔[1] حق حلال کی کمائی میں برکت ہوتی ہے اور حرام کی کمائی دیکھنے میں تو خوشنما ہے مگر یہ وہ زہر ہے جو اندر ہی اندر سرایت کرتا رہتا ہے اور بالآخر اس شخص کی دُنیا و آخرت دونوں کو غارت کردیتا ہے۔

ڈرائیونگ کے چالان شدہ لائسنس چھڑانے کی دلالی کرنا

سوال:... ایک بروکر چالان شدہ ڈرائیونگ لائسنس مختلف کورٹوں سے لاتا ہے، ڈرائیوروں سے وہ اگر ۸۰ روپے لیتا ہے تو کورٹ میں تیس چالیس روپے دے کر لائسنس چھڑاتا ہے، اور باقی اس کے ہوگئے، آیا یہ کاروبار جائز ہے یا نہیں؟

جواب:... حرام کمانے اور کھانے کے جہاں اور طریقے جاری ہیں، یہ بھی ان ہی میں سے ہے، ہر محکمے نے اپنے دلال چھوڑے ہوئے ہیں اور وہ لوگوں سے فیس وصول کرکے افسران کا حصہ ادا کرتے ہیں۔ جہاں تک مسئلے کا تعلق ہے، آپ کسی شخص کو کسی کام کرنے کے لئے وکیل مقرّر کریں تو اس کی اُجرت جائز ہے۔[2]

سرکاری افسران کا طے شدہ کمیشن لینا

سوال:... ایک شخص کسی سرکاری یا غیرسرکاری اعلیٰ عہدے پر فائز ہو، اور اس کو اس کی مقرّر کردہ تنخواہ بھی ملتی ہو، لیکن اس کے ساتھ ساتھ روپے پیسے کے لین دین کرنے پر فکس کمیشن بھی لے رہا ہو جو کہ اس کی تنخواہ سے بھی زیادہ ہو، اور قانون میں اس قسم کی رقم لینے کا کوئی جواز بھی نہ ہو، اور اس محکمے کے سارے کے سارے افسران اس کمیشن کو جائز سمجھ کر لیتے بھی ہوں اور ہر ایک افسر کی اس کے عہدے کے لحاظ سے کمیشن کی رقم بھی مقرّر کردی گئی ہو، جسے اس شخص کو مجبوراً لینا پڑتا ہو، اور بقول اس شخص کے اس کے پاس لینے کے سوا کوئی چارہ نہیں، تو کیا یہ رقم اس کے لئے حرام ہوئی یا حلال؟

اور اس کے جو اہلِ خانہ ہیں، ان کے لئے یہ مال کیسا ہے؟ حالانکہ وہ اسے دِل سے بھی بُرا سمجھتے ہوں اور زبان سے بھی

---

(۱) المال الذی قبضه الوکیل بالبیع والشراء وایفاء الدین واستیفائه، والمال الذی قبضه الوکیل بقبض العین بحسب وکالته هو فی الحکم الودیعة بید الوکیل۔ (شرح المجلة لسلیم رستم باز ص:۷۸۴)۔

(۲) تصح الوکالة بأجر وبغیر أجر، لأن النبی صلی الله علیه وسلم کان یبعث عماله لقبض الصدقات، ویجعل لهم عمولة، فإذا تمت الوکالة بأجر لزم العقد ویکون للوکیل حکم الأجیر۔ (الفقه الإسلامی وأدلّته ج:۴ ص:۱۵۱ تعریف الوکالة)۔

(حکمت سے) سمجھاتے ہوں، اور ان کا اس شخص کے علاوہ کوئی اور ذریعہ آمدنی نہ ہو۔ بیوی اسے چھوڑ کر کہیں اور نہیں جاسکتی، اور بچے ابھی چھوٹے ہوں اور پڑھ رہے ہوں، یعنی ابھی پیروں پر کھڑے نہ ہوئے ہوں، تو ان کو باپ کا یہ مال جائز ہے یا ناجائز؟ اگر ناجائز ہے تو قرآن وسنت کی روشنی میں کوئی ایسا حل بتائیے جو کہ اہلِ خانہ کے لئے قابلِ عمل ہو۔

جواب:... سرکاری افسران اپنی تنخواہ کے علاوہ جو کمیشن لیتے ہیں، وہ شرعاً حرام ہے۔[1] مرنے کے بعد ان کو یہ پوری رقم بھرنی پڑے گی، جبکہ پاس کچھ نہیں ہوگا۔ یہاں اِحتساب سے بچ نکلتے ہیں، لیکن اللہ تعالیٰ کی طرف سے جب اِحتساب ہوگا، اور ہم سب کا ہوگا، اس سے کوئی نہیں بچ سکے گا۔ باقی رہے اس کی بیوی بچے! تو یہ رقم ان کے لئے بھی حرام ہے۔ بیوی ہونے کی وجہ سے، یا بچوں کے چھوٹا ہونے کی وجہ سے، یا ان کے زیرِ تعلیم ہونے کی وجہ سے حرام رقم کسی کے لئے حلال نہیں ہوجاتی۔ جن لوگوں سے کمیشن لیتے ہیں، ان کا حق کھاتے ہیں، اور یہ قبر میں اور حشر میں پیٹ میں آگ کے انگارے بن جائیں گے۔[2] اللہ تعالیٰ ہمارے سرکاری افسروں کو اس بلا سے محفوظ رکھے۔ حلال آمدنی اگر تھوڑی ہو تو اس میں برکت ہوتی ہے، اور حرام آمدنی زیادہ بھی ہو تو اس میں برکت نہیں ہوتی، بلکہ وہ دُنیا میں بھی وبالِ جان ہے اور آخرت کی بات کو اُوپر لکھ ہی چکا ہوں۔

---

(۱) (یٰٓایھا الذین اٰمنوا لَا تأکلوا أموالکم بینکم بالباطل) بما لم تبحه الشریعة من نحو السرقة والخیانة والغصب والقمار وعقود الربا۔ (تفسیر نسفی ج:۱ ص:۳۵۱)۔ وفی الکشاف المصطلحات الرشوة لغة ما یتوصل به إلی الحاجة بالمصانعة بأن تصنع له شیئًا لیصنع لک شیئًا آخر۔ (قواعد الفقه ص:۳۰۷)۔

(۲) إن الذین یأکلون أموال الیتامٰی ظلمًا إنّما یأکلون فی بطونهم نارًا وسیصلون سعیرًا۔ (النساء:۱۰)۔ أیضًا: عن جابر قال: قال رسول الله صلی الله علیه وسلم: لَا یدخل الجنة لحم نبت من السُّحت، وکل لحم نبت من السُّحت کانت النار أولٰی به. رواہ أحمد والدارمی والبیهقی۔ (مشکٰوة ص:۲۴۲، باب الکسب وطلب الحلال)۔

وراثت

ورثہ کی تقسیم کا ضابطہ اور عام مسائل

وارث کو وراثت سے محروم کرنا

سوال:... رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: جو اپنے وارث کو میراث سے محروم کردے گا تو اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کو جنت کی میراث سے محروم کردے گا (ابنِ ماجہ)۔

مندرجہ بالا حدیث مبارکہ میں خدا نے جو قوانین بنادیئے وہ اٹل ہیں، اور انہیں توڑنے والا کفر کا کام کرتا ہے، ہم نے اکثر ایسی مثالیں دیکھی ہیں کہ باپ اپنی اولاد میں سے کسی ناراض ہوجاتا ہے تو اسے وراثت سے محروم کردیتا ہے۔ اب ہمارے ذہن میں مندرجہ بالا حدیث کا مفہوم بھی ہے اور یہ بات بھی ہے کہ میرے پاس جو کچھ ہے وہ میری مرضی ہے کہ جسے بھی دُوں، اب خدا کے اس اٹل فیصلے سے کیا مفہوم اخذ کیا جاسکتا ہے؟ اس ناقص عقل کو تشریح کے ساتھ جواب جلد مرحمت فرمایئے۔

جواب:... کسی شرعی وارث کو محروم کرنا یہ ہے کہ یہ وصیت کردی جائے کہ میرے مرنے کے بعد فلاں شخص وارث نہیں ہوگا، جس کو عرفِ عام میں "عاق نامہ" کہا جاتا ہے۔ ایسی وصیت حرام اور ناجائز ہے، اور شرعاً لائقِ اعتبار بھی نہیں، اس لئے جس شخص کو عاق کیا گیا ہو وہ بدستور وارث ہوگا۔[1]

نافرمان اولاد کو جائیداد سے محروم کرنا یا کم حصہ دینا

سوال:... ایک ماں باپ کے تین لڑکے ہیں، تینوں میں سے ایک لڑکے نے اپنی زندگی میں ماں باپ کے ساتھ اچھا سلوک کیا اور ماں باپ اس سے خوش ہیں، اور باقی دونوں میں سے ایک تعلیم حاصل کر رہا ہے اور جو بڑا ہے اس نے آج تک بھی ماں کو ماں اور باپ کو باپ نہیں سمجھا، رہتے وہ سب ایک ہی گھر میں ہیں، اب باپ جائیداد کو تقسیم کرنا چاہتا ہے۔ مولانا صاحب! آپ قرآن و

---

(۱) قال الله تعالىٰ: يوصيكم الله في أولادكم للذكر مثل حظ الأنثيين. الآية. (النساء: ۱۱). عن أنس بن مالك قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: من فرض من ميراث وارثه قطع الله ميراثه من الجنة يوم القيامة. (سنن ابن ماجة، باب الحيف في الوصية ص:۱۹۴، باب الوصايا). وقال رسول الله صلى الله عليه وسلم: من قطع ميراث وارثه قطع الله ميراثه من الجنة. (مشكوٰة ص:۲۶۶). وكل من وقف على جور في الوصية من جهة الخطاء أو العمد ردّها إلى العدل، كمن أوصى بالزيادة على الثلث، أو أوصى بحرمان أحد من الورثة من الميراث وغيره. (أحكام القرآن للتهانوى ج:۱ ص:۱۲۲).

حدیث کی روشنی میں فیصلہ کریں کہ کیا باپ اس لڑکے کو جائیداد کا زیادہ حصہ دے سکتا ہے جس نے ماں باپ کے ساتھ اچھا سلوک کیا؟ کیا وہ ایسا کرسکتا ہے یا وہ تینوں میں برابر تقسیم کردے؟ آپ اس سلسلے میں فیصلہ فرمادیں تاکہ میں کوئی فیصلہ کرسکوں۔

جواب:... جن لڑکوں نے ماں باپ کو ماں باپ نہیں سمجھا، انہوں نے اپنی عاقبت خراب کی اور اس کی سزا دُنیا میں بھی ان کو ملے گی۔[1] مگر ماں باپ کو یہ اجازت نہیں کہ اپنی اولاد میں سے کسی کو جائیداد سے محروم کرجائیں، سب کو برابر رکھنا چاہئے ورنہ ماں باپ بھی اپنی عاقبت خراب کریں گے۔[2]

ناخلف بیٹے کے ساتھ باپ اپنی جائیداد کا کیا کرے؟

سوال:... محمود اپنے باپ کا اکلوتا فرزند ہے، جو مع اہل وعیال بلاکسی معاوضہ کے مدّت دراز سے باپ کے گھر رہتا ہے۔ محمود پابندی کے ساتھ صوم وصلوٰۃ کا عادی نہیں، رمضان شریف کے روزے بلاکسی عذرِ شرعی کے نہیں رکھتا۔ معقول تنخواہ پر ملازم ہے، باپ کی کبھی کوئی خدمت نہیں کی۔ باپ بیٹے کا ناشتہ پانی الگ، بلکہ عملاً باپ سے الگ تھلگ ایک حد تک معاندانہ طرزِ عمل کا حامی رہا۔ گھر میں بیشتر وقت ٹیلیویژن، ریڈیو وغیرہ کی رنگینیوں اور لہو ولعب میں گزرتا ہے، ضعیف العمر باپ اپنے ہی گھر میں گانے بجانے اور خرافات وناجائز مشغلے کا متحمل نہیں بلکہ اس کے لئے سوہانِ رُوح بنا ہوا ہے۔ باپ تین چار دیگر مکانات کا مالک ہے، اس کو یہ فکر دامن گیر ہے کہ باپ کے بعد لڑکا وارث ہوا کرتا ہے، پچھلے اور موجودہ حالات اور طرزِ معاشرت کا جائزہ لینے سے یہ خدشہ بعید اَز قیاس نہیں کہ باپ کا ترکہ ملنے پر محمود کی بے دینی، بے راہ روی اور حرام افعال ومشاغل میں انہماک کی وجہ سے ان تمام ناجائز اُمور وافعال میں اضافہ ناگزیر ہوگا۔ شرعی نقطۂ خیال سے باپ کیا لائحہ عمل اختیار کرے کہ حشر میں کوئی باز پُرس نہ ہو اور اپنی عاقبت بھی دُرست ہوجائے؟

جواب:... جس قدر ہوسکتا ہے اپنی زندگی میں صدقہ خیرات کرے، باقی لڑکا اگر بے راہ روی اختیار کرے گا تو باپ پر اس کی کوئی ذمہ داری نہیں، اس کا وبال اسی کی گردن پر ہوگا۔[3]

والدین کا کسی وارث کو زیادہ دینا

سوال ا:... جیسا کہ قانونِ شریعت سے وراثت میں لڑکا دو حصے اور لڑکی ایک حصے کی حق دار ہیں، اس کے علاوہ کیا والدین اپنی اسی جائیداد میں سے آدھا یا ایک تہائی حصہ ایک یا دو اولادوں کو ہبہ یا وصیت کرسکتے ہیں؟

---

(۱) قال الله تعالٰی: وقضٰی ربک ألّا تعبدوا إلّا إیاه وبالوالدین إحسانًا إما یبلغن عندک الکبر أحدهما أو کلاهما فلا تقل لهما أفٍّ ولَا تنهرهما وقل لهما قولًا کریمًا۔ واخفض لهما جناح الذل من الرحمة وقل ربّ ارحمهما کما ربّیٰنی صغیرًا۔ (بنی إسرائیل: ۲۳، ۲۴)۔ عن عبدالرحمٰن بن أبی بکرة عن أبیه قال: قال رسول الله صلی الله علیه وسلم: ألَا أحدثکم بأکبر الکبائر؟ قالوا: بلٰی یا رسول الله! قال: الإشراک بالله وعقوق الوالدین۔ الحدیث۔ (الترمذی ج:۲ ص:۱۲)۔

(۲) عن أنس بن مالک قال: قال رسول الله صلی الله علیه وسلم: من فرّ من میراث وارثه قطع الله میراثه من الجنّة یوم القیامة۔ (سنن ابن ماجة ص:۱۹۴، مشکوٰة ص:۲۶۶، باب الوصایا)۔

(۳) وأن لیس للإنسان إلّا ما سعٰی، وأن سعیه سوف یریٰ۔ (عبس)۔ ولَا تزر وازرة وزر أُخریٰ۔

سوال ۲:... کیا باقی ماندہ وارث وحق دار اولاد سے شہادت لینی ہوگی، تاکہ رحلت کے بعد آپس میں کسی قسم کی گڑبڑ نہ ہونے پائے؟ کیونکہ ہبہ یا وصیت کا اطلاق رحلت کے بعد ہی ہوگا۔

سوال ۳:... کیا کسی اولاد کو امتیازی حیثیت دے کر ہبہ یا وصیت کے ذریعہ اس کو زیادہ کا حق دینا جائز ہے؟ بصورتِ دیگر عاق کرنے کی اجازت تو ہے؟

جواب ۱:... وارث کے لئے وصیت نہیں ہوتی، پس اگر کسی نے یہ وصیت کی کہ میری اولاد میں فلاں کو اتنا حصہ زیادہ دیا جائے تو یہ وصیت باطل ہے۔[1] البتہ اگر تمام وارث عاقل و بالغ ہوں اور وہ اپنی خوشی سے اس کو اتنا حصہ زیادہ دینا چاہیں تو دے سکتے ہیں۔[2]

جواب ۲:... ہبہ زندگی میں ہوتا ہے، ہبہ کے مکمل ہونے کے لئے یہ شرط ہے کہ جو چیز ہبہ کی گئی ہے وہ موہوب لہٗ (جس کو ہبہ کیا گیا ہے) کے حوالے کردے اور اس کا مالکانہ قبضہ دے دے،[3] جب تک قبضہ نہ دیا جائے وہ چیز ہبہ کرنے والے کی ملکیت میں رہتی ہے اور اگر وہ اس دوران مرجائے تو یہ چیز بھی ترکہ میں شامل ہوگی، موہوب لہٗ کو نہیں ملے گی۔[4]

جواب ۳:... کسی اولاد کو امتیازی حیثیت دے کر ہبہ کرنا اگر کسی خاص ضرورت کی بنا پر ہو، مثلاً: وہ معذور ہے یا زیادہ ضرورت مند اور محتاج ہے، تب تو جائز ہے، ورنہ جائز نہیں، کیونکہ اس سے دُوسری اولاد کی حق تلفی ہوتی ہے۔[5] حدیث شریف میں اس کو ظلم اور جور سے تعبیر فرمایا ہے۔[6] اولاد میں سے کسی کو عاق کرنا اور وراثت سے محروم کرنا شرعاً جائز نہیں، بڑا سخت گناہ ہے، اور عاق کرنے

---

(۱) عن أبي أمامة الباهلي قال: سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول في خطبة عام حجة الوداع: إن الله تبارك وتعالى قد أعطى كل ذي حق حقه، فلا وصية لوارث. الحديث. (جامع الترمذي ج:۲ ص:۳۳، باب ما جاء لا وصية لوارث).

(۲) ولا تجوز الوصية للوارث عندنا إلّا أن يجيزها الورثة وهم كبار. (فتاویٰ عالمگیریة ج:۶ ص:۹۰).

(۳) وفي الهداية: وتصح بالإيجاب والقبول والقبض .... والقبض لا بد منه لثبوت الملك. (هداية ج:۳ ص:۲۸۱ كتاب الهبة). قال في فتح القدير: لا يملكه الموهوب له إلّا بالقبول والقبض. (ج:۷ ص:۴۸۰). قال في الشامي: تصح بقبض بلا إذن في المجلس. (ج:۶ ص:۶۹۰، كتاب الوصايا).

(۴) ایضاً حوالہ بالا۔

(۵) ولو وهب رجل شيئًا لأولاده في الصحة وأراد تفضيل البعض على البعض في ذالك لا رواية لهذا في الأصل عن أصحابنا وروى عن أبي حنيفة رحمه الله تعالى انه لا بأس به إذا كان المفضل لزيادة فضل له في الدين وان كانا سواء يكره وروى المعلى عن أبي يوسف انه لا بأس به إذا لم يقصد به الإضرار وان قصد به الإضرار سوّى بينهم يعطى الإبنة مثل ما يعطى الإبن وعليه الفتوى هكذا في فتاوىٰ قاضيخان. (الهندية ج:۴ ص:۳۹۱، كتاب الهبة).

(۶) عن النعمان بن بشير أن أباه أتى به إلى رسول الله صلى الله عليه وسلم فقال: إني نحلت إبني هذا غلامًا، فقال أكل ولدك نحلت مثله؟ قال: لا! قال: فارجعه .... وفي رواية انه قال: لا أشهد على جور. متفق عليه. (مشكوة ص:۲۶۰، كتاب الهبة، طبع قديمي كتب خانه).

سے وہ شرعاً عاق نہیں ہوگا بلکہ اسے اس کا شرعی حصہ ملے گا۔[1]

کسی ایک وارث کو حیات میں ہی ساری جائیداد دے دی تو عدالت کو تصرف کا اِختیار ہے

سوال:... ایک صاحبِ جائیداد مسلم اپنے آخری سال میں اپنے دس بچوں کے بجائے ایک ہی بچے کو جائیداد غیرمنقولہ بیچ کر رقم دے گیا کہ خود کھالو تاکہ بعد میں تقسیم نہ ہو، اس اولاد میں بیوہ بچیاں بھی ہیں، کیا اسلامی عدالت میں قانونی نقطۂ نگاہ سے، اخلاقاً نہیں، یہ جائیداد کی رقم واپس تقسیم کروائی جاسکتی ہے؟

جواب:... اگر اس نے یہ تصرف اپنی زندگی میں کیا تھا تو قانوناً نافذ ہے،[2] تاہم عدالت اس تصرف کو توڑنے کی مجاز ہے۔[3]

مرنے کے بعد اِضافہ شدہ مال بھی تقسیم ہوگا

سوال:... کیا مرحوم کے صرف انہیں جانوروں میں میراث ہوگی جو بوقتِ وفات موجود تھے یا جو بعد میں اضافہ ہوا اور تقسیم کے وقت کثرت سے موجود ہیں، ان سب میں حصے ہوں گے؟

جواب:... مرحوم کے مال میں اس کی وفات کے بعد جو اضافہ ہوا ہے وہ بھی حسبِ دستورِ سابق تقسیم ہوگا۔

باپ کی وراثت میں بیٹیوں کا بھی حصہ ہے

سوال:... والدین اپنی وراثت میں جو کچھ ترکہ میں چھوڑ کر جاتے ہیں اس پر بہن بھائیوں کا کیا قانونی حق بنتا ہے؟ جبکہ ایک بھائی باپ کے مکان میں رہائش پذیر ہے، جبکہ بھائیوں کا کہنا ہے کہ باپ کی وراثت میں بہنوں کا کوئی حصہ نہیں ہے۔ اَحکامِ قرآنی اور احادیث کے حوالے سے جواب صادر فرمائیں کہ بہن، بھائیوں کے خلاف قانونی کارروائی کا حق رکھتی ہے؟

جواب:... قرآنِ کریم میں تو بھائیوں کے ساتھ بہنوں کا بھی حصہ (بھائی سے آدھا) رکھا ہے،[4] وہ کون لوگ ہیں جو قرآنِ کریم کے اس قطعی اور دوٹوک حکم کے خلاف یہ کہتے ہیں کہ باپ کی وراثت میں بہنوں کا (یعنی باپ کی لڑکیوں کا) کوئی حصہ نہیں...؟

دُوسرے ملک میں رہنے والی بیٹی کا بھی باپ کی وراثت میں حصہ ہے

سوال:... میرے سسر کا انتقال ہوگیا ہے، انہوں نے وارثوں میں بیوہ، تین لڑکے جن میں سے ایک کا انتقال ہوچکا ہے اور

---

(۱) من قطع میراث وارثه قطع الله میراثه من الجنة یوم القیامة. (مشکوٰة ج:۱ ص:۲۶۶، باب الوصایا، طبع قدیمی).
وکل من وقف علی جور فی الوصیة من جهة الخطأ أو العمد ردها إلی العدل، کمن أوصی بالزیادة علی الثلث، أو أوصٰی بحرمان أحدٍ من الورثة عن المیراث وغیره. (أحکام القرآن للتهانوی ج:۱ ص:۱۶۲).

(۲) رجل وهب فی صحته کل المال للولد جاز فی القضاء، ویکن آثمًا فیما صنع، کذا فی فتاویٰ قاضیخان. (فتاوی عالمگیریة ج:۴ ص:۳۹۱، کتاب الهبة، الباب السادس، أیضًا: البحر الرائق ج:۷ ص:۲۸۸).

(۳) ایضاً حوالہ نمبر ۱ ملاحظہ ہو۔

(۴) قال الله تعالٰی. "یوصیکم الله فی أولَادکم للذکر مثل حظ الأنثیین" (النساء:۱۱). "وان کانوا إخوة رجالًا ونساءً فللذکر مثل حظ الأنثیین" (النساء:۱۷۶).

چھ لڑکیاں چھوڑی ہیں، جس میں ایک لڑکی ہندوستان کی شہری ہے۔ مرحوم کی جائیداد کس طرح سے تقسیم ہوگی؟ کیا ہندوستانی شہریت رکھنے والی لڑکی بھی پاکستانی وراثت کی حق دار ہے؟ اگر نہیں تو اس کا حصہ کاٹنے کے بعد کتنا کتنا حصہ بنے گا؟ یعنی بیوہ، لڑکوں اور لڑکیوں کا الگ الگ۔

جواب:... آپ نے یہ نہیں لکھا کہ مرحوم کے جس لڑکے کا انتقال ہوچکا ہے، اس کا انتقال باپ سے پہلے ہوا ہے یا بعد میں؟ بہرحال اگر پہلے ہوا ہو تو مرحوم کا ترکہ (ادائے قرض اور نفاذِ وصیت کے بعد) اَسی۸۰ حصوں پر تقسیم ہوگا، ان میں سے دس حصے بیوہ کے، چودہ چودہ دونوں لڑکوں کے اور سات سات لڑکیوں کے، جو لڑکی ہندوستان میں ہے وہ بھی وارث ہوگی۔[1] اور جس لڑکے کا انتقال اس کے باپ کی زندگی میں ہوچکا ہے وہ وارث نہیں ہوگا۔ اور اگر اس لڑکے کا انتقال باپ کے بعد ہوا ہے تو ترکہ چھیانوے حصوں پر تقسیم ہوگا، بارہ حصے بیوہ کے، چودہ چودہ تینوں لڑکوں کے اور سات سات لڑکیوں کے، مرحوم لڑکے کا حصہ اس کے وارثوں میں تقسیم ہوگا۔

اکٹھے رہنے والوں میں اگر کسی ایک نے مکان بنوایا تو وہ کس کا ہوگا؟

سوال:... میرے والد کے دو چھوٹے بھائی ہیں، تینوں بھائی شروع ہی سے اکٹھے رہے، ہمارے بڑے چچا ملک سے باہر کویت معاش کے حصول کے لئے چلے گئے، اور ان کا خاندان یہیں ہمارے ساتھ رہا، ان کے بچوں کی تعلیم و تربیت کی ذمہ داری ہمارے والد صاحب کی تھی، والد صاحب کی ساری تنخواہ گھر میں خرچ ہوجاتی تھی، جبکہ چچا بھی کویت سے ماہانہ خرچہ بھیجتے تھے، چچا کے کویت میں ہونے کی وجہ سے ہمارے مالی حالات بہتر ہوئے اور ہم نے رہنے کے لئے مکان بھی بنوالیا، جس میں لگا غالب سرمایہ چچا ہی کا تھا، اب تینوں بھائی الگ ہوچکے ہیں اور بڑے چچا نے اس مکان کو اپنے بیٹے کے نام کروالیا ہے، اور ان کا دعویٰ ہے کہ یہ مکان ان کا ہے، اس سے پہلے وہ مکان چھوٹے چچا کے نام پر تھا، آپ شرعی رُو سے بتائیے کہ اس مکان کا اصل حق دار کون ہے؟

جواب:... چونکہ تینوں بھائی اکٹھے رہ رہے تھے، تینوں کے خرچ اِخراجات بھی مشترک تھے، اور یہ جو مکان بنایا گیا یہ بھی مشترک بنایا گیا، لیکن آپ کے وہ چچا جو کویت گئے ہوئے تھے، اُن کا دعویٰ ہے کہ یہ مکان اُن کا ہے اور اُن کے پیسوں سے بنا ہے، اس لئے یہ بات تو اُن کی صحیح ہے، لیکن اُن کو اس بات پر غور کرنا چاہئے کہ اگر میں شروع ہی سے بتادیتا کہ یہ مکان میرا ہے تو کیا دُوسرے بھائی اس کے بال بچوں کی غور و پرداخت کرتے؟ بہرحال یہ مکان اسی کا ہے، لیکن اس نے اس مکان پر قبضہ جماکر اخلاق و مروّت کے خلاف کیا، واللہ اعلم!

بہنوں سے ان کی جائیداد کا حصہ معاف کروانا

سوال:... ہمارے معاشرے میں وراثت سے متعلق یہ روایت چل رہی ہے کہ باپ کے انتقال کے بعد اس کی اولاد میں

---

(۱) وفی الدر المختار: (واختلاف الدارین بمنع الإرث) ولٰکن هٰذا الحکم فی حق أهل الکفر لا فی حق المسلمین۔ (درمختار ج:۶ ص:۷۶۸)۔ أیضًا: أی إختلاف الدار لا یؤثر فی حق المسلمین کما فی عامة الشروح حتی ان المسلم التاجر أو الأسیر لو مات فی دار الحرب ورث منه ورثة الذین فی دار الإسلام۔ (فتاویٰ شامی ج:۶ ص:۷۶۸)۔

سے بھائی اپنی بہنوں اور ماں سے یہ لکھوا لیتے ہیں کہ انہیں جائیداد میں سے کوئی حصہ نہیں چاہئے۔ بہنیں، بھائیوں کی محبت کے جذبے میں سرشار ہوکر اپنے حصے سے دستبردار ہوجاتی ہیں۔ اسی طرح باپ کی تمام جائیداد بیٹوں کو منتقل ہوجاتی ہے، کیا شرعی لحاظ سے اس طرح معاملہ کرنا دُرست ہے؟ کیا اس طرح بہنیں اپنی اولاد کا حق غصب کرنے کی مرتکب نہیں ہوتیں؟ اگر بہنیں اپنے حصے سے دستبردار ہوجائیں تو کیا ان کی اولاد کو مذکورہ حصہ طلب کرنے کا حق ہے؟

جواب:... اللہ تعالیٰ نے باپ کی جائیداد میں جس طرح بیٹوں کا حق رکھا ہے اسی طرح بیٹیوں کا بھی حق رکھا ہے۔[1] لیکن ہندوستانی معاشرے میں لڑکیوں کو ان کے حق سے محروم رکھا جاتا رہا، اس لئے رفتہ رفتہ یہ ذہن بن گیا کہ لڑکیوں کا وراثت میں حصہ لینا گویا ایک عیب یا جرم ہے۔ لہٰذا جب تک انگریزی قانون رائج رہا کسی کو بہنوں سے حصہ معاف کرانے کی ضرورت محسوس نہ ہوئی، اور جب سے پاکستان میں شرعی قانونِ وراثت نافذ ہوا، بھائی لوگ بہنوں سے لکھوا لیتے ہیں کہ انہیں حصہ نہیں چاہئے۔ یہ طریقہ نہایت غلط اور قانونِ الٰہی سے سرتابی کے مطابق ہے۔ آخر ایک بھائی دُوسرے کے حق میں کیوں دستبردار نہیں ہوجاتا...؟ اس لئے بہنوں کے نام ان کا حصہ کردینا چاہئے۔ سال دو سال کے بعد اگر وہ اپنے بھائی کو دینا چاہیں تو ان کی خوشی ہے، ورنہ موجودہ صورتِ حال میں وہ خوشی سے نہیں چھوڑتیں بلکہ رواج کے تحت مجبوراً چھوڑتی ہیں۔

اگر کسی بہن نے اپنا حصہ واقعتاً خوشی سے چھوڑ دیا ہو تو اس کی اولاد کو مطالبہ کرنے کا کوئی حق نہیں، کیونکہ اولاد کا حق ماں کی وفات کے بعد ثابت ہوتا ہے، ماں کی زندگی میں ان کا ماں کی جائیداد پر کوئی حق نہیں، اس لئے اگر وہ کسی کے حق میں دستبردار ہوجائیں تو اولاد اس کو نہیں روک سکتی۔[2]

کیا جہیز وراثت کے حصے کے قائم مقام ہوسکتا ہے؟

سوال:... ہمارے والد مرحوم ترکہ میں ایک بڑا مکان، مین بازار میں پانچ دُکانیں اور ایک تقریباً چار سو گز کا پلاٹ جو کمرشل استعمال میں ہے چھوڑ کر فوت ہوئے۔ اس تمام پراپرٹی کی مارکیٹ ویلیو تقریباً چالیس لاکھ ہے، ہمارے تمام بھائی ماشاء اللہ اچھی اچھی جگہوں پر برسرِ روزگار ہیں، گھر میں کسی چیز کی کمی نہیں، مگر ہم شادی شدہ بہنوں کے گھریلو حالات صحیح نہیں، مشکل سے گزارا ہوتا ہے، مگر ہماری والدہ ہم بہنوں کا حصہ دینے کو تیار نہیں، وہ کہتی ہیں: ''بہنوں کو جہیز دے دیا گیا، باقی تمام ترکہ لڑکوں کا ہے'' جبکہ شادی میں ہم لوگوں کو بمشکل چالیس پچاس ہزار کا جہیز دیا گیا، وہ بھی زیادہ تر خاندان والوں کے تحفے تحائف تھے۔ براہِ مہربانی فرمایئے کہ آیا ہماری والدہ کا فرمانا صحیح ہے یا ہم اپنا حصہ لینے میں حق بجانب ہوں گے، اور اس سلسلے میں والدہ پر دباؤ ڈالنا گستاخی تو نہ ہوگی؟ یا یہ کہ ہماری

---

(۱) قال تعالیٰ: یوصیکم الله فی أولادکم للذکر مثل حظ الأنثیین۔ الآیة۔ (النساء: ۱۱)۔ عن أبی هریرة عن النبی صلی الله علیه وسلم قال: والذی نفس محمد بیده! إن علی الأرض من مؤمن إلّا وأنا أولی الناس به فأیکم ما ترک دینًا أو ضیاعًا فأنا مولاه، وأیکم ترک مالًا فإلی العصبة من کان۔ (صحیح مسلم ج:۲ ص:۳۶)۔ وفی السراجی ص:۳،۲ قال علمائنا رحمهم الله تتعلق بترکة المیت حقوق أربعة .... ثم یقسم الباقی بین ورثته بالکتاب والسُّنّة وإجماع الأمّة، فیبدأ بأصحاب الفروض وهم الذین لهم سهام مقدرة فی کتاب الله۔

(۲) (فإن قسمه وسلمه صحّ) أی لو وهب مشاعًا یقسم ثم قسمه وسلمه صح وملکه۔ (البحر الرائق ج:۷ ص:۲۸۶)۔

والدہ کو بحیثیت سرپرست اس وقت کیا دِینی ذمہ داری ادا کرنا چاہئے؟

جواب:... آپ کے مرحوم والد کے ترکہ میں لڑکیوں اور لڑکوں کا یکساں حق ہے، دو لڑکیوں کا حصہ ایک لڑکے کے برابر ہوگا،[۱] آپ کی والدہ محترمہ کا یہ کہنا کہ: ”لڑکیوں کو جہیز مل چکا ہے، لہٰذا اب ان کو جائیداد میں حصہ نہیں ملے گا“ چند وجوہ سے غلط ہے۔

اوّل:... اگر لڑکیوں کو جہیز مل چکا ہے تو لڑکوں کی شادی پر اس سے دُگنا خرچ ہوچکا ہے، اب از رُوئے انصاف یا تو لڑکوں کو بھی جائیداد سے محروم رکھا جائے یا لڑکیوں کو بھی شرعی حصہ دیا جائے۔

دوم:... لڑکیوں کو جہیز تو والد کی زندگی میں دیا گیا اور وراثت کے حصے کا تعلق والد مرحوم کی وفات سے ہے، تو جو چیز والد کی وفات سے حاصل ہوئی اس کی کٹوتی والد کی زندگی میں کیسے ہوسکتی ہے...؟

سوم:... ترکہ کا حصہ تو متعین ہوتا ہے کہ کل جائیداد اتنی مالیت کی ہے اور اس میں فلاں وارث کا اتنا حصہ ہے، لیکن جہیز کی مالیت تو متعین نہیں ہوتی بلکہ والدین حسبِ توفیق دیا کرتے ہیں۔ پس جہیز ترکہ کے قائم مقام کیسے ہوسکتا ہے؟

چہارم:... پھر ایک چیز کے بدلے دُوسری چیز دینا ایک معاملہ، ایک سودا اور ایک لین دین ہے، اور کوئی معاملہ اور سودا دو فریقوں کے بغیر نہیں ہوا کرتا، تو کیا والدین اور لڑکیوں کے درمیان یہ سودا طے ہوا تھا کہ یہ جہیز تمہیں تمہارے حصۂ وراثت کے بدلے میں دیا جاتا ہے...؟

الغرض آپ کی والدہ کا موقف قطعاً غلط اور مبنی بر ظلم ہے، وہ لڑکیوں کو حصہ نہ دے کر اپنے لئے دوزخ خرید رہی ہیں،[۲] انہیں اس سے توبہ کرنی چاہئے۔

رہا سوال یہ کہ والدہ پر دباؤ ڈالنے سے ان کی گستاخی تو نہیں ہوگی؟ اس کا جواب یہ ہے کہ صرف مانگنا گستاخی نہیں۔ دیکھئے! بندے اللہ تعالیٰ سے مانگتے ہیں، بچے اپنے والدین سے مانگتے ہیں، اس کو کوئی گستاخی نہیں کہتا، ہاں! لہجہ گستاخانہ ہو تو یقیناً گستاخی ہوگی۔ پس اگر آپ ملتجیانہ لہجے میں والدہ پر دباؤ ڈالیں تو یہ گستاخی نہیں، اور اگر تحکمانہ لہجے میں بات کریں تو گستاخی ہے۔[۳]

وراثت کی جگہ لڑکی کو جہیز دینا

سوال:... جہیز کی لعنت اور وبا سے کوئی محفوظ نہیں ہے، بعض لوگوں نے یہ کہنا شروع کردیا ہے کہ: ”ہم جہیز کی شکل میں اپنی بیٹی کو ”ورثہ“ کی رقم دے دیتے ہیں“ کیا یہ ممکن ہے کہ باپ اپنی زندگی میں ہی ورثہ بیٹی کو دے دے جہیز کے نام پر، اور اس کے بعد اس سے سبکدوش ہوجائے؟

---

(۱) قال تعالٰی: یوصیکم اللہ فی أولَادکم للذکر مثل حظ الأنثیین۔ (النساء:۱۱)۔ وأمّا بنات الصلب ..... . ومع الإبن للذکر مثل حظ الأنثیین وھو یعصبھن۔ (سراجی ص:۸)۔ وإذا اختلط البنون والبنات عصب البنون البنات فیکون للإبن مثل حظ الأنثیین۔ (فتاویٰ عالمگیری ج:۶ ص:۴۴۸ کتاب الفرائض)۔

(۲) عن أنس بن مالک قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: من فرض میراث وارثہ قطع اللہ میراثہ من الجنّة یوم القیامة۔ (سنن ابن ماجة ص:۱۹۴، باب الحیف فی الوصیة، طبع نور محمد کراچی)۔

(۳) قال اللہ تعالٰی: فلا تقل لھما أف ولَا تنھرھما وقل لھما قولًا کریما۔ (بنی إسرائیل:۲۳)۔

جواب:... ورثہ تو والدین کے مرنے کے بعد ہوتا ہے، زندگی میں نہیں۔[۱] البتہ اگر لڑکی اس جہیز کے بدلے اپنا حصہ چھوڑ دے تو ایسا کرسکتی ہے۔

ماں کی وراثت میں بھی بیٹیوں کا حصہ ہے

سوال:... ہماری والدہ کا انتقال ہوئے تقریباً ساڑھے آٹھ سال ہوچکے ہیں، ہم چار بہنیں اور دو بھائی ہیں، ہماری والدہ کے ورثہ پر ہمارے والد صاحب اور بھائیوں نے قبضہ کر رکھا ہے، تمام جائیداد اور کاروبار سے والد اور بھائی مالی فائدہ اُٹھا رہے ہیں، ہم بہنیں جب والد صاحب سے اپنا حصہ مانگتی ہیں تو کہتے ہیں کہ: "بیٹیوں کا ماں کے ورثے میں کوئی حصہ نہیں ہوتا، اور یہ سب میرا ہے۔"

جواب:... آپ کے والد کا یہ کہنا غلط ہے کہ ماں کی وراثت میں بیٹیوں کا کوئی حصہ نہیں ہوتا، بیٹیوں کا حصہ جس طرح باپ کی میراث میں ہوتا ہے، اسی طرح ماں کی میراث میں بھی ہوتا ہے۔[۲] آپ نے جو صورت لکھی ہے اس پر آپ کی والدہ کا ترکہ ۳۲ حصوں پر تقسیم ہوگا، آٹھ حصے آپ کے والد کے ہیں، ۶، ۶ حصے دونوں بھائیوں کے، اور ۳، ۳ چاروں بہنوں کے۔ نقشہ تقسیم حسبِ ذیل ہے:

والد	بھائی	بھائی	بہن	بہن	بہن	بہن
۸	۶	۶	۳	۳	۳	۳

مرحوم کے بعد پیدا ہونے والے بچے کا وراثت میں حصہ

سوال:... ایک شخص کا انتقال ہوگیا، اس نے اپنے پیچھے بیوہ، دو لڑکے اور ایک لڑکی چھوڑی۔ انتقال کے بعد ہی اس کا ترکہ شرع کے مطابق دونوں لڑکوں، لڑکی اور بیوہ میں تقسیم کردیا گیا، مگر اس کے انتقال کے وقت بیوہ چار ماہ کی حاملہ تھی، اور پانچ مہینے بعد ایک اور لڑکی پیدا ہوئی۔ پوچھنا یہ ہے کہ آیا وہ لڑکی باپ کے ترکے کی حق دار ہے یا نہیں؟ اور اگر ہے تو اس کا حق کس طرح ملے گا؟ کیونکہ تقسیم تو پہلے ہی ہوچکی ہے اور ہر حق دار اس کو مکمل طور پر استعمال کرچکا ہے۔

جواب:... یہ لڑکی اپنے مرحوم باپ کی وارث ہے، اور اس کی پیدائش سے پہلے ترکہ کی تقسیم جائز ہی نہیں تھی، کیونکہ یہ معلوم نہیں تھا کہ بچے کی پیدائش ہوگی یا بچی کی؟ بہرحال پہلی تقسیم غلط ہوئی، لہٰذا نئے سرے سے تقسیم کی جائے اور اس بچی کا حصہ بھی رکھا جائے۔[۳] مرحوم کا کل ترکہ ۴۸ حصوں میں تقسیم کیا جائے گا ان میں سے ۶ حصے بیوہ کے، ۱۴، ۱۴ دونوں لڑکوں کے، اور ۷، ۷ دونوں

---

(۱) لأن التركة في الإصطلاح ما تركه الميت من الأموال صافيا عن تعلق حق الغير بعين من الأموال. (شامی ج:۶ ص:۷۵۹، كتاب الفرائض، طبع سعيد).

(۲) قال الله تعالٰى: فإن كان لهن ولد فلكم الربع مما تركن من بعد وصية يوصين بها أو دين. الآية (النساء:۱۲). يوصيكم الله في أولادكم للذكر مثل حظ الأنثيين. (النساء:۱۱). قال في الخلاصة: وان إختلط الذكور والإناث فالمال بينهم للذكر مثل حظ الأنثيين. (خلاصة الفتاوىٰ ج:۴ ص:۲۱۲، كتاب الفرائض، طبع رشيديه).

(۳) وروى الخصاف عن أبي يوسف أنه يوقف نصيب ابن واحد، أو بنت واحدة إليها أكثر هذا هو الأصح وعليه الفتوىٰ. (الشريفية مع السراجي ص:۱۳۱، طبع رشيديه كوئٹه).

لڑکیوں کے ہوں گے۔[1] نقشۂ تقسیم اس طرح ہے:

بیوہ	لڑکا	لڑکا	لڑکی	لڑکی
۶	۱۴	۱۴	۷	۷

لڑکے اور لڑکی کے درمیان وراثت کی تقسیم

سوال:... اگر مسلمان متوفی نے ایک لاکھ روپے ترکہ میں چھوڑے اور وارثوں میں ایک لڑکا اور دو لڑکیاں ہوں تو از رُوئے شریعت ایک لاکھ روپے کی تقسیم کس طرح ہوگی؟ کیا ہماری عدالتیں بھی اسلامی قانونِ وراثت کے مطابق فیصلے کرتی ہیں؟

جواب:... اگر اور کوئی وارث نہیں تو مرحوم کی تجہیز و تکفین، ادائے قرضہ جات اور باقی ماندہ تہائی مال میں وصیت نافذ کرنے کے بعد (اگر اس نے کوئی وصیت کی ہو)[2] مرحوم کا ترکہ چار حصوں میں تقسیم ہوگا، دو حصے لڑکے کے، اور ایک ایک حصہ دونوں لڑکیوں کا۔ ہماری عدالتیں بھی اسی کے مطابق فیصلہ کرتی ہیں۔[3] تقسیم کا نقشہ یہ ہے:

لڑکا	لڑکی	لڑکی
۲	۱	۱

والدین کی جائیداد میں بہن بھائی کا حصہ

سوال:... تقسیمِ ہند سے قبل ہمارے والدین فوت ہوگئے اور ایک مکان چھوڑ گئے تھے، جس کے ہم دونوں بلاشرکت غیرے مالک تھے، یعنی میں اور میری غیرشادی شدہ بہن، ہمارے حصے کا تناسب اس جائیداد میں شرع و سنت کی رُو سے کیا ہوگا؟

جواب:... والدین کی متروکہ جائیداد میں آپ بہن بھائی دو ایک کی نسبت سے شریک ہیں، یعنی دو حصے آپ کے لئے، ایک

---

(۱) أما للزوجات: فحالتان الربع للواحدة فصاعدة عند عدم الولد وولد الإبن وإن سفل، والثمن مع الولد، وولد الإبن وإن سفل. قال الله تعالىٰ: يوصيكم الله في أولَادكم للذكر مثل حظ الأنثيين. (النساء: ١١). وقال زيد بن ثابت: إذا ترك رجل أو إمرأة ابنةً فلها النصف فإن كانتا إثنتين أو أكثر فلهن الثلثان فإن كان معهن ذكر بدىء بمن شَرِكَهُمْ فيعطى فريضته وما بقى فللذكر مثل حظ الأنثيين. (صحيح بخارى ج:٢ ص:٩٩٧، باب ميراث الولد مع أبيه وأمّه).

(٢) وفي الدر المختار: (يبدأ من تركة الميت الخالية عن تعلق حق الغير بعينها كالرهن والعبد الجانى) بتجهيزه من غير تقتير ولَا تبذير، ثم تقدم ديونه التي لها مطالب من جهة العباد ثم تقدم وصيته من ثلث ما بقى ثم يقسم الباقى بعد ذلك بين ورثته. (درمختار ج:٦ ص:٧٥٩، ٧٦٠). تتعلق بتركة الميت حقوق أربعة مرتبة: الأوّل يبدأ بتكفينه وتجهيزه من غير تبذير ولَا تقتير ثم تقضٰى ديونه من جميع ما بقى من ماله، ثم تنفذ وصاياه من ثلث ما بقى بعد الدين ثم يقسم الباقى بين ورثته بالكتاب والسُّنّة وإجماع الأمّة فيبدأ بأصحاب الفروض وهم الذين لهم سهام مقدرة في كتاب الله. (سراجى ص.٢، ٣ طبع مجيديه ملتان). وأما بنات الصلب ...... ومع الإبن للذكر مثل حظ الأنثيين وهو يعصبهن. (سراجى ص:٨).

(٣) قال تعالىٰ: يوصيكم الله في أولَادكم للذكر مثل حظ الأنثيين. (النساء: ١١). وأما بنات الصلب ... ..ومع الإبن للذكر مثل الأنثيين وهو يعصبهن وإن اختلط الذكور والإناث فالمال يقسم بينهم للذكر مثل حظ الأنثيين. (خلاصة الفتاوى ج.٣ ص:٢١٢، كتاب الفرائض، طبع رشيديه).

بہن کا۔[1] نقشۂ تقسیم یہ ہے:

بھائی	بہن
۲	۱

بھائی بہنوں کا وراثت کا مسئلہ

سوال:... ہم تین بہنیں اور ایک بھائی ہیں، ہماری والدہ اور والد انتقال کرچکے ہیں، ایک مکان ہمارے ورثہ میں چھوڑا ہے، جس کو ہم ۱۵۰,۰۰۰ روپے میں فروخت کر رہے ہیں، مسئلہ یہ ہے کہ بہنوں کے حصے میں کیا آئے گا اور بھائی کے حصے میں کیا رقم آئے گی؟ ہم مسلمان ہیں اور سنی عقیدے سے تعلق ہے۔

جواب:... آپ کے والد مرحوم کے ذمہ کوئی قرض ہو تو اس کو ادا کرنے، اور کوئی جائز وصیت کی ہو تو تہائی مال کے اندر اسے پورا کرنے کے بعد،[2] اس کی ملکیت میں چھوٹی، بڑی، منقولہ، غیرمنقولہ جتنی چیزیں تھیں وہ پانچ حصوں پر تقسیم ہوں گی، دو حصے بھائی کے اور ایک ایک حصہ تینوں بہنوں کا۔[3] جس کا نقشہ یہ ہے:

بھائی	بہن	بہن	بہن
۲	۱	۱	۱

والد یا لڑکوں کی موجودگی میں بہن بھائی وارث نہیں ہوتے

سوال:... زید کے پاس اپنی تنخواہ سے خرید کردہ دو پلاٹ ہیں، اور ایک مکان جس میں وہ اپنے بیوی بچوں کے ہمراہ رہائش پذیر ہے۔ جس ادارے میں زید ملازم ہے اس کی طرف سے زید کی وفات کی صورت میں تقریباً آٹھ لاکھ روپیہ اس کے بیوی بچوں کو ملے گا، اس رقم میں پراویڈنٹ فنڈ دو لاکھ اور گروپ انشورنس چھ لاکھ روپے ہے، جو ملازمین کے ورثاء کی مالی مدد کے لئے ادارے کا مستقل طریقۂ کار ہے اور ملازمین کی تنخواہ میں سے ہر ماہ معمولی رقم گروپ انشورنس کی مد سے کٹوتی ہوتی ہے۔ زید کے تین بھائی، دو بہنیں اور والدین زندہ ہیں، زید کے چار بیٹے اور چار بیٹیاں جو تمام غیرشادی شدہ ہیں، اُوپر دیئے گئے ترکہ میں سے ہر ایک کا شرعی حصہ بتاکر مشکور فرمائیں۔

جواب:... زید کی وفات کے وقت اگر یہ تمام وارث زندہ ہوں تو آٹھواں حصہ اس کی بیوہ کا، اور چھٹا چھٹا حصہ والدین

---

(۱) گزشتہ صفحے کا حاشیہ نمبر ۳ ملاحظہ فرمائیں۔

(۲) وفي الدر المختار: يبدأ من تركة الميت الخالية عن تعلق حق الغير بعينها كالرهن والعبد الجاني بتجهيزه من غير تقتير ولا تبذير، ثم تقدم ديونه التي لها مطالب من جهة العباد، ثم تقدم وصية من ثلث ما بقي، ثم يقسم الباقي بين ورثته. (درمختار ج:۶ ص:۷۶۰، كتاب الفرائض، طبع سعيد)۔

(۳) قال تعالى: وان كانوا إخوة رجالًا ونساءً فللذكر مثل حظ الأنثيين۔ (النساء:۱۷۶)۔

کا، باقی اس کی اولاد کا۔[1] لڑکے کا حصہ لڑکی سے دُگنا ہوگا، ترکہ کے کل ۲۸۸ حصے ہوں گے۔ ۳۶ حصے بیوہ کے، ۴۸، ۴۸ حصے ماں اور باپ کے، ۲۶، ۲۶ حصے لڑکوں کے، ۱۳، ۱۳ حصے لڑکیوں کے۔ والد یا لڑکوں کی موجودگی میں بہن بھائی وارث نہیں ہوتے۔[2] نقشۂ تقسیم یہ ہے:

بیوہ	والد	والدہ	بیٹا	بیٹا	بیٹا	بیٹا	بیٹی	بیٹی	بیٹی	بیٹی
۳۶	۴۸	۴۸	۲۶	۲۶	۲۶	۲۶	۱۳	۱۳	۱۳	۱۳

مرحوم کی اولاد کے ہوتے ہوئے بہنوں کو کچھ نہیں ملے گا

سوال:... ہمارے والد صاحب چار ماہ قبل وفات پاگئے ہیں، ہم چار بھائی، تین بہنیں اور والدہ صاحبہ ہیں، والد مرحوم کی دو بہنیں بھی ہیں، والد صاحب کے والدین نہیں ہیں، والد صاحب کی جائیداد ایک مکان جس میں سب رہ رہے ہیں، اور دُکان جو کہ کرایہ پر ہے، اس کی تقسیم کیسے کریں گے؟

جواب:... تقسیم اس طرح ہوگی:

بیوہ	بیٹا	بیٹا	بیٹا	بیٹا	بیٹی	بیٹی	بیٹی
۱۱	۱۴	۱۴	۱۴	۱۴	۷	۷	۷

یعنی کل جائیداد کے ۸۸ حصے بناکر، بیوہ کو ۱۱ حصے، بقیہ ہر بیٹے کو ۱۴، ۱۴، ہر بیٹی کو ۷، ۷ حصے ملیں گے، مرحوم کی بہنوں کو کچھ نہیں ملے گا۔[3]

مرحوم کے انتقال پر مکان اور مویشی کی تقسیم

سوال:... ہمارے بہنوئی کا انتقال ہوگیا، جس کی جائیداد میں ایک مکان اور چند مویشی ہیں، قرضہ وغیرہ نہیں ہے، اور ورثاء

---

(۱) قال الله تعالیٰ: فإن كان لكم ولد فلهن الثمن مما تركتم من بعد وصية توصون بها أو دين۔ (النساء:۱۲)۔ فللزوجات حالتان: الربع بلا ولد والثمن مع الولد۔ (درمختار مع رد المحتار ج:۶ ص:۷۷۰، كتاب الفرائض، طبع سعيد)۔ وقال الله تعالیٰ: ولأبويه لكل واحد منهما السدس مما ترك إن كان له ولد۔ (النساء:۱۱)۔ وقال تعالیٰ: يوصيكم الله في أولادكم للذكر مثل حظ الأنثيين۔ (النساء:۱۱)۔

(۲) قال في العالمگيرية: ويسقط بنو الأعيان وهم الإخوة لأبوين بالإبن وابنه وبالأب۔ (عالمگيری ج:۶ ص:۴۵۳، كتاب الفرائض)۔ ويسقط بنو الأعيان وهم الإخوة والأخوات لأب وأم بثلاثة بالإبن وابنه وإن سفل۔ (درمختار ج:۶ ص:۷۸۱، كتاب الفرائض، سراجی ص:۱۰ فصل في العصبات)۔

(۳) قال الله تعالیٰ: فإن كان لكم ولد فلهن الثمن مما تركتم من بعد وصية توصون بها أو دين۔ (النساء:۱۲)۔ فللزوجات حالتان: الربع بلا ولد والثمن مع الولد۔ (رد المحتار على الدر المختار ج:۶ ص:۷۷۰، كتاب الفرائض)۔ وقال تعالیٰ: يوصيكم الله في أولادكم للذكر مثل حظ الأنثيين۔ (النساء:۱۱)۔ ويسقط بنو الأعيان وهو الإخوة لأبوين بالإبن وابنه وبالأب۔ (فتاویٰ عالمگيری ج:۶ ص:۴۵۳، كتاب الفرائض)۔ ويسقط بنو الأعيان وهم الإخوة والأخوات لأب وأم بثلاثة بالإبن وابنه وإن سفل۔ (در المختار ج:۶ ص:۷۸۱، كتاب الفرائض، سراجی ص:۱۰ فصل في العصبات)۔

میں ایک بیوہ، ایک بچی، والد اور دو بھائی چھوڑے ہیں، میراث کیسے تقسیم کی جائے؟

جواب:... مرحوم کی ملکیت بوقتِ وفات جو چیزیں تھیں ان میں آٹھواں حصہ بیوہ کا، نصف بچی کا اور باقی اس کے والد کا ہے،[1] کل ترکہ ۲۴ حصوں پر تقسیم ہوگا، ان میں بیوہ کے تین، بچی کے بارہ اور والد کے نو حصے ہیں، جس کا نقشہ یہ ہے:

بیوہ	بچی	والد
۳	۱۲	۹

بیوہ، تین بیٹوں اور دو بیٹیوں کے درمیان جائیداد کی تقسیم

سوال:... ہمارے نانا مرحوم نے ایک حویلی اور کچھ زمین ترکہ میں چھوڑی اور پس ماندگان میں ایک بیوہ، تین بیٹے اور دو بیٹیاں ہیں۔ از راہِ کرم قرآن و سنت کی روشنی میں مندرجہ ذیل سوالات کے جوابات ارشاد فرمائیں:

۱:... ورثہ کی تقسیم (حنفی طریقے سے) کے حصے۔

۲:... نانا مرحوم کی وہ اولاد جو ان کے دورانِ حیات وفات پاگئی تھی یا ان کے لواحقین (بیوی بچے) جو کہ اب خود صاحبِ حیثیت ہوں، کسی طرح سے بھی مندرجہ بالا جائیداد میں وراثت کے حق دار ہو سکتے ہیں؟

۳:... نیز یہ کہ کنبے کا جو شخص اس وراثت کی تقسیم پر مامور ہے، اگر اپنی من مانی سے خلافِ شرع تقسیم کرنا چاہے تو دینی او دُنیاوی طور پر اس کے مؤاخذہ کے لئے کیا اَحکام ہیں؟

جوابا:... مرحوم کا ترکہ بعد ادائے قرض و تہائی مال میں نفاذِ وصیت کے بعد چونسٹھ حصوں پر تقسیم ہوگا،[2] ان میں سے آٹھ بیوہ کے ہوں گے، چودہ چودہ لڑکوں کے، اور سات سات لڑکیوں کے۔[3] تقسیم کا نقشہ حسبِ ذیل ہے:

بیوہ	بیٹا	بیٹا	بیٹا	بیٹی	بیٹی
۸	۱۴	۱۴	۱۴	۷	۷

۲:... مرحوم کی زندگی میں جو فوت ہوگئے ان کا، یا ان کی اولاد کا مرحوم کی جائیداد میں کوئی حصہ نہیں۔

---

(۱) قال تعالٰی: فإن کان لکم ولد فلهن الثمن مما ترکتم، من بعد وصیة توصون بها أو دین (النساء:۱۲)، فللزوجات حالتان .... الثمن مع الولد۔ (درمختار ج:۶ ص:۷۷۰، کتاب الفرائض، طبع سعید)۔ ولأبویه لکل واحد منهما السدس (النساء:۱۱)۔ یوصیکم الله فی أولادکم للذکر مثل حظ الأنثیین (النساء:۱۱)۔

(۲) تتعلق بترکة المیت حقوق أربعة مرتبة، الأوّل یبدأ بتکفینه وتجهیزه من غیر تبذیر ولَا تقتیر ثم تقضی دیونه من جمیع ما بقی من ماله ثم تنفذ وصایاه من ثلث ما بقی بعد الدین ثم یقسم الباقی بین ورثته بالکتاب والسُّنّة واجماع الأمّة فیبدأ بأصحاب الفروض وهم الذین لهم سهام مقدرة فی کتاب الله۔ (سراجی ص:۲،۳ طبع مجیدیه ملتان)۔

(۳) کما قال الله تعالٰی: فإن کان لکم ولد فلهن الثمن مما ترکتم من بعد وصیة توصون بها أو دین (النساء:۱۲)۔ فللزوجات حالتان الربع بلا ولد والثمن مع الولد۔ (در المختار مع رد المحتار ج:۶ ص:۷۷۰، کتاب الفرائض)۔ وقال تعالٰی: یوصیکم الله فی أولادکم للذکر مثل حظ الأنثیین (النساء:۱۱)۔ وأما بنات الصلب فأحوال ثلاث .... ومع الإبن للذکر مثل حظ الأنثیین۔ (سراجی ص:۷،۸، باب معرفة الفروض، طبع المصباح)۔

۳:... دُنیا میں اس کا خلافِ شرع فیصلہ نافذ نہیں ہوگا، آخرت میں وہ عذاب کا مستحق ہوگا۔[1]

بیوہ، چار لڑکوں اور چار لڑکیوں کے درمیان جائیداد کی تقسیم

سوال:... میرے بہنوئی کا دِل کا دورہ پڑنے سے انتقال ہوگیا، مرحوم نے پسماندگان میں بیوہ، دو شادی شدہ لڑکیاں، دو غیرشادی شدہ لڑکیاں اور چار لڑکے چھوڑے ہیں، ان میں مبلغ دو لاکھ روپیہ نقد کس طرح سے تقسیم کیا جائے گا؟

جواب:... مرحوم کا ترکہ ادائے قرض اور نفاذِ وصیت از تہائی مال کے بعد ۲۸۸ حصوں پر تقسیم ہوگا۔

۳۶ بیوہ کے، ۴۲، ۴۲ چاروں لڑکوں کے، ۲۱، ۲۱ چاروں لڑکیوں کے،[2] نقشہ حسبِ ذیل ہے:

بیوہ	لڑکا	لڑکا	لڑکا	لڑکا	لڑکی	لڑکی	لڑکی	لڑکی
۳۶	۴۲	۴۲	۴۲	۴۲	۲۱	۲۱	۲۱	۲۱

بیوہ، بیٹا اور تین بیٹیوں کا مرحوم کی وراثت میں حصہ

سوال:... میرے رشتے کے ایک ماموں ہیں، ان کے والد چند ماہ قبل انتقال کرگئے اور ترکہ میں کچھ نقدی چھوڑی، میرے ماموں اکیلے بھائی ہیں اور ان کی تین بہنیں اور والدہ ہے، ترکہ کی تقسیم کس طرح ہوگی؟

جواب:... اس ترکہ کے چالیس حصے ہوں گے، پانچ حصے آپ کے ماموں کی والدہ کے، چودہ حصے خود ان کے، اور سات سات حصے تینوں بہنوں کے۔[3] نقشہ تقسیم یہ ہے:

والدہ (یعنی مرحوم کی بیوہ)	بھائی	بہن	بہن	بہن
۵	۱۴	۷	۷	۷

بیوہ، ایک بیٹی، دو بیٹوں کے درمیان وراثت کی تقسیم

سوال:... میرے والد صاحب کی وفات کے بعد ہم چار حصے دار ہیں، ۱: میری والدہ محترمہ، ۲: میرے بڑے بھائی، ۳: میری ہمشیرہ، ۴: میں ان کا چھوٹا بیٹا۔ یعنی دو بیٹے، ایک بیٹی اور بیوہ، اب آپ سے درخواست ہے کہ ہم لوگوں کا کتنا حصہ ہوگا؟

---

(۱) قال الله تعالىٰ: ومن يعص الله ورسوله ويتعد حدوده يدخله نارًا خالدًا فيها وله عذاب مهين۔ (النساء: ۱۴)۔

(۲) گزشتہ صفحے کا حاشیہ نمبر ۲، ۳ ملاحظہ کیجئے۔

(۳) قال تعالىٰ: فإن كان لكم ولد فلهن الثمن مما تركتم من بعد وصية توصون بها أو دين۔ (النساء: ۱۲)۔ والثمن للزوجات مع الولد أو ولد الإبن وهو منصوص في القرآن۔ (الجوهرة النيرة ج:۲ ص:۳۱۰، كتاب الفروض)۔ وقال تعالىٰ: يوصيكم الله في أولادكم للذكر مثل حظ الأنثيين (النساء: ۱۱)۔ وإذا اختلط البنون والبنات عصب البنون البنات فيكون للإبن مثل حظ الأنثيين۔ (عالمگیری ج:۶ ص:۴۴۸ كتاب الفرائض، طبع رشيديه كوئٹه)۔

جواب:... تجہیز و تکفین، ادائے قرضہ جات اور نفاذِ وصیت کے بعد[1] مرحوم کا ترکہ چالیس حصوں پر تقسیم ہوگا، ان میں سے پانچ حصے بیوہ کے، ۱۴، ۱۴ لڑکوں کے اور سات لڑکی کے۔[2] جس کا نقشہ یہ ہے:

بیوہ	بیٹا	بیٹا	بیٹی
۵	۱۴	۱۴	۷

والد، بیوی، لڑکا اور دو لڑکیوں میں جائیداد کی تقسیم

سوال:... زید کے انتقال کے وقت زید کے والد، بیوی، ایک بیٹا اور دو بیٹیاں حیات تھیں۔ یہ معلوم کرنا مقصود ہے کہ از رُوئے شریعت زید مرحوم کی جائیداد منقولہ و غیر منقولہ میں زید مرحوم کے والد کا حصہ ہے کہ نہیں؟ اور اگر ہے تو کتنا ہے؟ اور ہر وارث کا کتنا حصہ ہے؟

جواب:... صورتِ مسئولہ میں (ادائے قرضہ جات اور نفاذِ وصیت کے بعد) زید کے والد کا چھٹا حصہ ہے، اگر زید کی جائیداد چھیانوے حصوں پر تقسیم کی جائے تو بیوہ کو بارہ، والد کو سولہ، ہر لڑکی کو سترہ اور لڑکے کو چونتیس حصے ملیں گے۔[3] نقشہ تقسیم یہ ہے:

بیوہ	والد	بیٹا	بیٹی	بیٹی
۱۲	۱۶	۳۴	۱۷	۱۷

بیوہ، گیارہ بیٹے، پانچ بیٹیوں اور دو بھائیوں کے درمیان وراثت کی تقسیم

سوال:... ایک آدمی وفات پاگیا، اس کی اولاد میں گیارہ بیٹے اور پانچ بیٹیاں اور ایک بیوی اور دو بھائی رہ گئے، از رُوئے شریعت میراث کیسے تقسیم ہوگی؟

جواب:... آٹھواں حصہ بیوی کو دے دیا جائے،[4] باقی سات حصے لڑکوں اور لڑکیوں پر تقسیم کردیئے جائیں، اس طرح کہ لڑکے کا حصہ لڑکی سے دُگنا ہو۔ بھائیوں کو کچھ نہیں ملے گا۔[5] اگر مرحوم کا ترکہ دو سو سولہ (۲۱۶) حصوں پر تقسیم کیا جائے تو بیوہ کو ستائیس، ہر لڑکے کو چودہ، اور ہر لڑکی کو سات حصے ملیں گے، تقسیم کا نقشہ درج ذیل ہے:

---

(۱) قال في الدر المختار (ج:۶ ص:۷۶۰) يبدأ من تركة الميت الخالية عن تعلق حق الغير بعينها كالرهن والعبد الجاني بتجهيزه من غير تقتير، ولا تبذير، ثم تقدم ديونه التي لها مطالب من جهة العباد، ثم تقدم وصية من ثلث ما بقي ثم يقسم الباقي بعد ذالك بين ورثته. (أيضاً: سراجي ص:۳،۲).

(۲) گزشتہ صفحے کا حاشیہ نمبر ۳ ملاحظہ ہو۔

(۳) ایضاً۔

(۴) قال الله تعالى: فإن كان لكم ولد فلهن الثمن مما تركتم من بعد وصية توصون بها أو دين. (النساء:۱۲). وأما الثمن ففرض الزوجة أو الزوجات إذا كان للميت ولد أو ولد الإبن. (عالمگیری ج:۶ ص:۴۵۰، کتاب الفرائض).

(۵) قال تعالى: يوصيكم الله في أولادكم للذكر مثل حظ الأنثيين. (النساء:۱۱). وإذا اختلط البنون والبنات عصب البنون البنات فيكون للإبن مثل حظ الأنثيين. (عالمگیری، کتاب الفرائض ج:۶ ص:۴۴۸، طبع رشیدیه).

بیوہ	بیٹا	بیٹا	بیٹا	بیٹا	بیٹا	بیٹا	بیٹا	بیٹا	بیٹا	بیٹا	بیٹا	بیٹی	بیٹی	بیٹی	بیٹی	بیٹی
۲۷	۱۴	۱۴	۱۴	۱۴	۱۴	۱۴	۱۴	۱۴	۱۴	۱۴	۱۴	۷	۷	۷	۷	۷

مرحوم کا قرضہ بیٹوں نے ادا کیا تو وارث کا حصہ

سوال:... میرے والد کا انتقال ہوگیا، والد نے اپنے وارثوں میں ایک بیوہ، سات بیٹیاں اور چار بیٹے چھوڑے ہیں۔ والد صاحب اپنے انتقال کے وقت ۲۵۰ گز زمین پر آدھا حصہ بنا ہوا چھوڑ گئے تھے، اور ایک عدد ۳۳۰ گز کا پلاٹ تھا، اور ایک کارخانہ تھا جس میں لکڑی کے فریم اور دُوسرا سامان تھا، جس کی مالیت اس وقت ۱۵,۰۰۰ روپے تھی، اور بینک میں ۵,۰۰۰ روپے تھے۔ والد صاحب کے انتقال کے وقت انہوں نے ۳۰,۰۰۰ روپے دُوسروں کے دینے تھے۔ والد صاحب نے جو کارخانہ چھوڑا تھا، اسے ہم نے کچھ روپیہ قرض لے کر چلانا شروع کردیا اور ایک سال کے اندر اندر ہم بھائیوں نے محنت کرکے سب سے پہلے اپنے والد کا قرضہ چکادیا، اور ہم نے جو قرض لیا تھا وہ بھی ہم بھائیوں نے ادا کردیا، اور مزید رقم بھی ہم نے کمائی۔ اب معلوم یہ کرنا ہے کہ جو ہمارے والد نے اثاثہ چھوڑا ہے اس میں سارے وارثوں کا حصہ بنتا ہے یا جو کچھ ہم نے کمایا ہے یعنی بھائیوں نے اس میں بھی سارے وارثوں کا حصہ بنتا ہے؟ اگر سارے وارثوں کا حصہ بنتا ہے تو کس جائیداد میں کس کا کتنا حصہ بنتا ہے؟ قرآن وحدیث کی روشنی میں جواب دے کر شکریہ کا موقع دیں۔

جواب:... مرحوم کی تجہیز وتکفین اور ادائے قرضہ جات کے بعد[1] ان کے ترکہ کی جتنی مالیت تھی اس کے ۱۲۰ حصے کئے جائیں گے، ان میں سے پندرہ حصے بیوہ کے، چودہ حصے ہر لڑکے کے، اور سات حصے ہر لڑکی کے ہوں گے:[2]

بیوہ	بیٹا	بیٹا	بیٹا	بیٹا	بیٹی	بیٹی	بیٹی	بیٹی	بیٹی	بیٹی	بیٹی
۱۵	۱۴	۱۴	۱۴	۱۴	۷	۷	۷	۷	۷	۷	۷

والدہ، بیوہ، لڑکوں اور لڑکی کے درمیان وراثت کی تقسیم

سوال:... زید اس دُنیائے فانی سے رحلت فرماگئے ہیں، معلوم کرنا ہے کہ اَز رُوئے اسلامی حنفی سنی شریعت، زید مرحوم کی جائیداد منقولہ اور غیرمنقولہ میں زید مرحوم کی والدہ، بیوہ، اور لڑکی کا کوئی حصہ ہے یا نہیں؟ کیونکہ زید مرحوم نے کوئی تحریری وصیت نامہ

(۱) یبدأ من ترکة المیت .... بتجهیزه من غیر تبذیر ولَا تقتیر ثم تقدم دیونه التی لها مطالب من جهة العباد، ثم تقدم وصیة من ثلث ما بقی، ثم یقسم الباقی بین ورثته ...إلخ۔ (فتاویٰ شامی ج:۶ ص:۷۶۰، کتاب الفرائض، طبع سعید۔ أیضًا: السراجی فی المیراث ص:۲،۳، طبع المصباح)۔

(۲) قال الله تبارک وتعالٰی: فإن کان لکم ولد فلهن الثمن مما ترکتم من بعد وصیة توصون بها أو دین۔ (النساء:۱۲)۔ وقال الله تعالٰی: یوصیکم الله فی أولَادکم للذکر مثل حظ الأنثیین۔ (النساء:۱۱)۔ وفی السراجی. أما للزوجات فحالتان. الربع للواحدة فصاعدةً عند عدم الولد وولد الإبن وإن سفل، والثمن مع الولد أو ولد الإبن وإن سفل، وأما لبنات الصلب فأحوال ثلاث، النصف للواحدة، والثلثان للإثنتین فصاعدةً ومع الإبن للذکر مثل حظ الأنثیین وهو یعصبهن۔ (ص:۷،۸)۔

وغیرہ نہیں چھوڑا، اگر کوئی حصہ ہے تو ہر وارث کا مع (تینوں لڑکوں کے) ہر ایک کا کتنا کتنا حصہ ہے؟

جواب:... زید کا کل ترکہ ۱۶۸ حصوں پر تقسیم ہوگا، ان میں سے ۲۱ حصے بیوہ کے،[1] ۲۸ ماں کے، ۳۴ ہر لڑکے کے اور ۱۷ حصے لڑکی کے ہیں۔[2] تقسیم کا نقشہ یہ ہے:

بیوہ	ماں	لڑکا	لڑکا	لڑکا	لڑکی
۲۱	۲۸	۳۴	۳۴	۳۴	۱۷

بیوہ، تین لڑکوں، ایک لڑکی کا مرحوم کی وراثت میں حصہ

سوال:... ہمارے والد صاحب مرحوم نے اپنے ترکہ میں ایک دُکان چھوڑی، جس کی مالیت ڈیڑھ لاکھ روپے ہے، اس دُکان کے مندرجہ ذیل حصہ دار ہیں، والدہ، تین بیٹے اور ایک بیٹی۔ براہِ مہربانی یہ بتایئے کہ ۱۵۰,۰۰۰ کی رقم ہماری والدہ، ہم تین بھائیوں اور ایک بہن میں کتنی کتنی مقدار میں تقسیم ہوگی؟

جواب:... آپ کے والد مرحوم کا ترکہ ادائے قرض و وصیت کے بعد[3] آٹھ حصوں پر تقسیم ہوگا، ان میں ایک حصہ آپ کی والدہ کا، ایک بہن کا، اور دو دو حصے بھائیوں کے،[4] نقشہ تقسیم یہ ہے:

والدہ	بھائی	بھائی	بھائی	بہن
۱	۲	۲	۲	۱

ڈیڑھ لاکھ روپے کی رقم اس طرح تقسیم ہوگی:

والدہ	ہر بھائی	بہن
۱۸,۷۵۰	۳۷,۵۰۰	۱۸,۷۵۰

---

(۱) فإن كان لكم ولد فلهن الثمن مما تركتم من بعد وصية توصون بها أو دين. (النساء:۱۲)۔ والثمن للزوجات مع الولد أو ولد الإبن وهو منصوص في القرآن. (الجوهرة ج:۲ ص:۳۱۰)۔ ولأبويه لكل واحد منهما السدس مما ترك إن كان له ولد (النساء:۱۱)۔ ميراث الأم .... فجعل لها السدس مع الولد. (شرح مختصر الطحاوي ج:۴ ص:۸۴)۔

(۲) يوصيكم الله في أولادكم للذكر مثل حظ الأنثيين (النساء:۱۱)۔ وإذا اختلط البنون والبنات عصب البنون البنات فيكون للإبن مثل حظ الأنثيين. (فتاویٰ عالمگیری ج:۶ ص:۴۴۸ كتاب الفرائض، طبع رشيديه)۔

(۳) قال علمائنا رحمهم الله تعالىٰ: تتعلق بتركة الميت حقوق أربعة مرتبة: الأول يبدأ بتكفينه وتجهيزه من غير تبذير ولا تقتير، ثم تقضىٰ ديونه من جميع ما بقي من ماله، ثم تنفذ وصاياه من ثلث ما بقي بعد الدين، ثم يقسم الباقي بين ورثته بالكتاب والسُّنّة وإجماع الأمّة. (السراجي في الميراث ص:۳،۲ طبع سعيد)۔

(۴) قال تعالىٰ: فإن كان لكم ولد فلهن الثمن مما تركتم (النساء:۱۲)۔ وفي السراجي (ص:۸) وأما للزوجات فحالتان ...... والثمن مع الولد، أو ولد الإبن وإن سفل، وقال تعالىٰ: يوصيكم الله في أولادكم للذكر مثل حظ الأنثيين (النساء:۱۱)۔ وفي الفتاوى الهندية (ج:۶ ص:۴۴۸) كتاب الفرائض: وإذا اختلط البنون والبنات عصب البنون البنات فيكون للإبن مثل حظ الأنثيين.

بیوہ، دو بیٹوں اور چار بیٹیوں میں ترکہ کی تقسیم

سوال:... میرے والد مرحوم نے ترکہ میں ایک مکان (جس کی مالیت تقریباً ایک لاکھ روپے ہے) چھوڑا ہے، ہم دو بھائی، چار بہنیں اور والدہ صاحبہ ہیں۔ دو بہنیں اور ایک بھائی شادی شدہ ہیں، اگر ہم یہ مکان بیچ کر شریعت کی رُو سے تمام رقم ورثاء میں تقسیم کرنا چاہیں تو یہ تقسیم کس طرح ہوگی؟

جواب:... آپ کے والد مرحوم کا ترکہ ۶۴ حصوں پر تقسیم ہوگا، آٹھ حصے آپ کی والدہ کے، ۱۴، ۱۴ حصے دونوں بھائیوں کے، اور ۷، ۷ حصے چاروں بہنوں کے۔[1] نقشۂ تقسیم یہ ہے:

بیوہ	بیٹا	بیٹا	بیٹی	بیٹی	بیٹی	بیٹی
۸	۱۴	۱۴	۷	۷	۷	۷

بیوہ، والد اور دو بیٹوں میں وراثت کی تقسیم

سوال:... میرے والد صاحب کا انتقال ہوگیا، ان کے والد صاحب حیات ہیں اور انہوں نے خاندانی جائیداد بھی بانٹ دی ہے، میرے والد صاحب کے ورثاء مندرجہ ذیل ہیں: بیوہ، والد، دو بیٹے، تقسیمِ جائیداد کی صورت بتلائیں۔

جواب:... مرحوم کا کل ترکہ تجہیز و تکفین کے مصارف ادا کرنے، قرضے کی ادائیگی اور نفاذِ وصیت کے بعد (اگر کوئی وصیت کی ہو) ۴۸ حصوں میں تقسیم ہوگا، ۶ حصے بیوہ کے، ۸ حصے ان کے والد کے، ۱۷، ۱۷ حصے دونوں لڑکوں کے۔[2]

مرحوم کی جائیداد کی تین لڑکوں، تین لڑکیوں اور بیوہ کے درمیان تقسیم

سوال:... ایک شخص کا انتقال ہوگیا، اس نے اپنے پیچھے دو لاکھ بیس ہزار روپے کی جائیداد چھوڑی ہے، ورثاء مندرجہ ذیل ہیں: بیوی، ۳ لڑکے، ۳ لڑکیاں۔ براہِ کرم ورثا کے حصے تحریر فرمائیں۔

جواب:... بیوہ کا حصہ ستائیس ہزار چار سو ننانوے روپے ننانوے پیسے، ہر لڑکے کا حصہ بیالیس ہزار سات سو ستتر روپے ستتر پیسے، ہر لڑکی کا حصہ اکیس ہزار تین سو اٹھاسی روپے اٹھاسی پیسے۔

بیوہ، والدہ، والد، لڑکی، لڑکوں کے درمیان ترکہ کی تقسیم

سوال:... کیا فرماتے ہیں علماء اس مسئلے میں کہ ایک شخص کا انتقال ہوا، متوفی نے ایک بیوی، تین لڑکے، ایک لڑکی، ایک ماں

(۱، ۲) قال الله تعالیٰ: فإن كان لكم ولد فلهن الثمن مما تركتم. (النساء: ۱۲). قال في السراجي: وأما للزوجات فحالتان ... والثمن مع الولد أو ولد الإبن وإن سفل. (ص:۸). قال الله تعالیٰ: يوصيكم الله في أولادكم للذكر مثل حظ الأنثيين. (النساء: ۱۱). قال في السراجي: ومع الإبن للذكر مثل حظ الأنثيين. (ص:۸). ولأبويه لكل واحد منهما السدس مما ترك إن كان له ولد. (النساء: ۱۱). أيضاً: فتاویٰ عالمگیری ج:۶ ص:۴۴۸، کتاب الفرائض، طبع مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ. أيضاً: الجوهرة النيرة ج:۲ ص:۴۱۰، کتاب الفروض، طبع حقانیہ.

اور باپ، ایک بھائی اور تین بہنیں چھوڑی ہیں، دریافت طلب اَمر یہ ہے کہ متوفی کا ترکہ وارثوں میں کس طرح تقسیم ہوگا؟

جواب:... مرحوم کا کل ترکہ بعد ادائے قرض ونفاذِ وصیت[۱] ۱۶۸ حصوں پر تقسیم ہوگا، بیوہ کے ۲۱، والدین کے ۲۸، ۲۸، ہر لڑکے کے ۲۶ اور لڑکی کے ۱۳ حصے ہیں،[۲] اور باقی رشتہ دار محروم ہیں۔[۳]

بیوہ	والدہ	والد	لڑکا	لڑکا	لڑکا	لڑکی
۲۱	۲۸	۲۸	۲۶	۲۶	۲۶	۱۳

مرحومہ کے مالِ میراث کی تقسیم کس طرح ہوگی جبکہ ورثاء شوہر، ۴ لڑکے، ۳ لڑکیاں ہیں

سوال:... ایک عورت کا انتقال ہوگیا، متوفیہ نے حسبِ ذیل ورثاء چھوڑے ہیں، شوہر لڑکے ۴، لڑکیاں ۳، ہر ایک کا حصہ شرعی متعین فرمائیں۔

جواب:... متوفیہ کا ترکہ تجہیز و تکفین کرنے، قرضہ ادا کرنے اور وصیت کو پورا کرنے کے بعد[۴] درج ذیل طریقے سے تقسیم ہوگا:

شوہر	لڑکا	لڑکا	لڑکا	لڑکا	لڑکی	لڑکی	لڑکی
۱۱	۶	۶	۶	۶	۳	۳	۳

یعنی متوفیہ کے مال کے چوالیس حصہ کرکے ۱۱ گیارہ حصے شوہر کو ملیں گی اور ہر لڑکے کو ۶ حصے اور ہر لڑکی کو ۳ حصے ملیں گے۔[۵]

---

(۱) تتعلق بتركة الميت حقوق أربعة مرتبة، الأوّل يبدأ بتكفينه وتجهيزه من غير تبذير ولَا تقتير، ثم تقضٰى ديونه من جميع ما بقى من ماله، ثم تنفذ وصاياه من ثلث ما بقى بعد الدين، ثم يقسم الباقى بين ورثته بالكتاب والسُّنّة واجماع الأمّة. (السراجى فى الميراث ص:۲،۳).

(۲) فإن كان لكم ولد فلهن الثمن مما تركتم. (النساء:۱۲). وفى السراجى (ص:۸) با معرفة الفروض، فصل فى النساء: وأما للزوجات فحالتان .... والثمن مع الولد أو ولد الإبن، وإن سفل. قال تعالىٰ: ولأبويه لكل واحد منهما السدس مما ترك إن كان له ولد. (النساء:۱۱). وإذا اختلط البنون والبنات عصب البنون البنات فيكون للإبن مثل حظ الأنثيين. (عالمگیری ج:۶ ص:۴۴۸، كتاب الفرائض، طبع رشيديه).

(۳) وبنو الأعيان والعلات كلهم يسقطون بالولد وولد الإبن ...إلخ. (سراجى ص:۱۱، طبع المصباح لَاهور).

(۴) ایضاً حوالہ نمبر۱ ملاحظہ ہو۔

(۵) قال الله تعالىٰ: فإن كان لهن ولد فلكم الربع مما تركن من بعد وصية يوصين بها أو دين. الآية. قال فى السراجى (ص ۷) باب معرفة الفروض: وأما للزوج فحالتان .... والربع .... مع الولد أو ولد الإبن وإن سفل. قال الله تعالىٰ: يوصيكم الله فى أولَادكم للذكر مثل حظ الأنثيين. الآية (النساء:۱۱). وأما لبنات الصلب فأحوال ثلاث . . . ومع الإبن للذكر مثل حظ الأنثيين وهو يعصبهن. (سراجى ص:۸، باب معرفة الفروض).

باپ کی موجودگی میں بہن بھائی وارث نہیں ہوتے

سوال:... ماں، باپ، چار بھائی (دو شادی شدہ)، پانچ بہنیں (ایک شادی شدہ) کے حصے میں جائیداد کا کتنا حصہ آئے گا؟ ایک بھائی کے چار بچے اور ایک بہن کے دو بچے ہیں، یعنی کل افراد ۱۷ ہیں۔

جواب:... کل مال کا چھٹا حصہ ماں کا ہے اور باقی باپ کا،[1] باپ کی موجودگی میں بہن بھائی وارث نہیں ہوتے۔[2] تقسیم میراث کا نقشہ یہ ہے:

والد	والدہ	بہن	بھائی
۵	۱	محروم	محروم

(۱) قال الله تعالى. فإن كان له إخوة فلأمّه السدس من بعد وصية يوصي بها أو دين. الآية (النساء: ۱۱). وأما للأمّ فأحوال ثلاث. السدس مع الولد أو ولد الإبن ... إلخ. (سراجی ص: ۱۱، طبع المصباح). وأمّا الأب فله أحوال ثلاث .... والتعصيب المحض وذلک عند عدم الولد. (سراجی ص: ۶، طبع المصباح).

(۲) ويسقط بنو الأعيان وهم الإخوة والأخوات لأب وأمّ بثلاثة: بالإبن وابنه وإن سفل وبالأب إتفاقًا ... إلخ. (درمختار ج ۶ ص: ۷۸۱، كتاب الفرائض، طبع ایچ ایم سعید).

لڑکیوں کو وراثت سے محروم کرنا

وراثت میں لڑکیوں کا حصہ کیوں نہیں دیا جاتا؟

سوال:... آپ کے صفحے میں وراثت سے متعلق ایک سوال پڑھا تھا، آپ سے پوچھنا یہ ہے جس طرح لڑکوں کو ورثہ دیا جارہا ہے اس طرح لڑکی کا حصہ کیوں نہیں دیا جاتا؟ عموماً عورتیں بھائیوں سے شرماحضوری میں براہِ راست حصہ نہیں مانگتیں، جبکہ وہ حقیقتاً ضرورت مند ہیں۔

جواب:... شریعت نے بہن کا حصہ بھائی سے آدھا، اور بیٹی کا حصہ بیٹے سے آدھا رکھا ہے،[1] اور جو چیز شریعت نے مقرر کی ہے اس میں شرماشرمی کی کوئی بات نہیں، بہنوں اور بیٹیوں کا شرعی حصہ ان کو ضرور ملنا چاہئے۔ جو لوگ اس حکم خداوندی کے خلاف کریں گے وہ سزائے آخرت کے مستحق ہوں گے، اور ان کو اس کا معاوضہ قیامت کے دن ادا کرنا پڑے گا۔[2]

وراثت میں لڑکیوں کو محروم کرنا بدترین گناہِ کبیرہ ہے

سوال:... تقسیم سے پہلے ہمارے نانا کپڑے کا کاروبار کرتے تھے، یہاں درمیان میں کچھ بھی کیا ہو، لیکن مرنے سے کچھ عرصہ پہلے انہوں نے برنس روڈ میں ایک چائے خانہ کھولا ہوا تھا، جس کو بعد میں مٹھائی کی دُکان میں تبدیل کرلیا۔ دُکان پگڑی پر تھی اور بڑے بیٹے کے نام تھی، بعد میں دُکان چل پڑی اور بہت مشہور ہوگئی۔ بڑے بیٹے نے اپنے بھائیوں میں وہ دُکانیں بانٹ لیں، اس طرح نانا کے مرنے پر بچوں نے صرف بھائیوں میں جائیداد تقسیم کردی، لڑکیوں کو کچھ نہیں دیا، کچھ عرصے بعد نانی کا انتقال ہوا، انہوں نے جو رقم چھوڑی تھی، لڑکوں میں تقسیم ہوگئی، لڑکیوں کو کچھ نہیں ملا۔ اب مولانا صاحب! آپ سے عرض ہے کہ آپ صحیح صورتِ حال کا اندازہ لگاکر جواب دیجئے کہ کیا ان لوگوں کا یہ طرزِ عمل ٹھیک ہے؟ کیا اس سے مرنے والوں کی رُوحیں بے چین نہ ہوں گی؟ ویسے بھی ہم

---

(۱) وإذا اختلط البنون والبنات عصب البنون البنات فيكون للابن مثل حظ الأنثيين۔ (فتاوىٰ عالمگیری ج:۶ ص:۴۴۸ كتاب الفرائض)۔ وأما الأخوات لأب وأمّ .... ومع الأخ لأب وأمّ للذكر مثل حظ الأنثيين يصرن به عصبة إلخ۔ (سراجي ص:۱۰)۔ قال تعالىٰ: يوصيكم الله في أولَادكم للذكر مثل حظ الأنثيين۔ (النساء:۱۱)۔ وقال: وإن كانوا إخوة رجالًا ونساءً فللذكر مثل حظ الأنثيين۔ (النساء:۱۷۶)۔

(۲) وقال تعالىٰ: ومن يعص الله ورسوله ويتعد حدوده يدخله نارًا خالدًا فيها وله عذاب مهين۔ (النساء:۱۴)۔ وعن أنس بن مالك قال. قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: من فرض من ميراث وارثه قطع الله ميراثه من الجنة يوم القيامة۔ (سنن ابن ماجة ص:۱۹۴، باب الحيف في الوصية، طبع نور محمد كراچي، مشكوٰة ص:۲۶۶، باب الوصايا، طبع قديمي)۔

نے اپنے بزرگوں سے سنا ہے کہ حق داروں کا حق کھانے والا کبھی پھلتا پھولتا نہیں۔

جواب:... بیٹیوں اور بہنوں کو وراثت سے محروم کرنا بدترین گناہِ کبیرہ ہے، آپ کے نانا، نانی تو اس کی سزا بھگت ہی رہے ہوں گے،[1] جو لوگ اس جائیداد پر اب ناجائز طور پر قابض ہیں وہ بھی اس سزا سے بچ نہیں سکیں گے۔ لڑکوں کو چاہئے کہ بہنوں کا حصہ نکال کر ان کو دے دیں۔

کیا بچیوں کا بھی وراثت میں حصہ ہے؟

سوال:... ہم پانچ بہن بھائی ہیں، دو بھائی اور تین بہنیں، سب شادی شدہ ہیں۔ ماں باپ حیات ہیں، ہم بھائی جس مکان میں رہ رہے ہیں وہ ہماری اپنی ملکیت ہے، چونکہ ہم بھائیوں کی بیویاں ایک جگہ رہنا پسند نہیں کرتیں اس لئے ہم نے یہ مکان فروخت کرنے کا فیصلہ کیا ہے، مکان کا سودا بھی ہوگیا ہے۔ اب صورتِ حال یہ ہے کہ جب بہنوں کو یہ معلوم ہوا کہ ہم مکان فروخت کر رہے ہیں، انہوں نے بھی مکان میں اپنے حصے کا مطالبہ کردیا ہے۔ میں نے ان سے کہا کہ باپ کی جائیداد میں بیٹیوں کا حصہ نہیں ہوتا، جبکہ بہنیں اپنا حصہ لینے پر اصرار کر رہی ہیں۔ مولانا صاحب! آپ ہی ہماری بہنوں کو سمجھائیں کہ باپ کی جائیداد میں لڑکیوں کا حق نہیں ہوتا۔ اور مولانا صاحب! اگر میں ہی غلطی پر ہوں تو براہِ کرم کتاب و سنت کی روشنی میں یہ بتائیں کہ کیا ہماری بہنیں بھی اس جائیداد میں سے حصے کی حق دار ہیں؟ اور اگر ہیں تو بہنوں کے حصے میں کتنی رقم آئے گی؟ آپ کا احسان مند رہوں گا۔

جواب:... یہ تو آپ نے غلط لکھا ہے کہ: ”باپ کی جائیداد میں بیٹیوں کا حصہ نہیں ہوتا“ قرآنِ کریم نے بیٹی کا حصہ بیٹے سے آدھا بتایا ہے،[2] اس لئے یہ کہنا تو جہالت کی بات ہے کہ: ”باپ کی جائیداد میں بیٹیوں کا حصہ نہیں ہوتا“ البتہ جائیداد کے حصے والد کی وفات کے بعد لگا کرتے ہیں، اس کی زندگی میں نہیں۔ اپنی زندگی میں اگر والد دینا چاہے تو بہتر یہ ہے کہ سب کو برابر دے، لیکن اگر کسی کی ضرورت و احتیاج کی بنا پر زیادہ دے دے تو گنجائش ہے۔[3] بہرحال آپ کو چاہئے کہ اپنی بہنوں کو بھی دیں، بھائیوں کا دُگنا حصہ اور بہنوں کا اکہرا۔[4]

---

(۱) قال تعالٰی: ومن یعص الله ورسوله ویتعد حدوده یدخله نارًا خالدًا فیها وله عذاب مهین۔ (النساء:۱۴)۔ وعن أنس بن مالک قال: قال رسول الله صلی الله علیه وسلم: من فرّ من میراث وارثه قطع الله میراثه من الجنة یوم القیامة۔ (سنن ابن ماجة ص:۱۹۴، باب الحیف فی الوصیة، طبع نور محمد کراچی)۔

(۲) قال تعالٰی: یوصیکم الله فی أولادکم للذکر مثل حظ الأنثیین۔ الآیة (النساء:۱۱) ومع الإبن للذکر مثل حظ الأنثیین وهو یعصبهن۔ (سراجی ص:۸، باب معرفة الفروض، طبع المصباح)۔

(۳) ولو وهب رجل شیئًا لأولاده فی الصحة وأراد تفضیل البعض علی البعض فی ذالک لا روایة لهٰذا الأصل ... ۔ وروی المعلّٰی عن أبی یوسف رحمه الله تعالٰی أنه لا بأس به إذا لم یقصد به الإضرار وإن قصد به الإضرار سوّی بینهم یعطی الإبنة مثل ما یعطی للإبن وعلیه الفتوٰی۔ (فتاویٰ عالمگیری ج:۴ ص:۳۹۱، کتاب الهبة، الباب السادس)۔

(۴) ایضاً حوالہ نمبر۲۔

لڑکیوں کو وراثت سے محروم کرنا

سوال:... آپ نے "وراثت میں لڑکیوں کو محروم کرنا" کے جواب میں یہ فرمایا کہ: "آپ کے نانا، نانی تو اس کی سزا بھگت ہی رہے ہوں گے" میری سمجھ میں نہ آسکا کہ غلطی کا ارتکاب تو لڑکوں نے کیا ہے، پھر مرحوم والدین کو کس بات کی سزا مل سکتی ہے؟ کیا نانا اور نانی کو اپنی زندگی ہی میں جائیداد شرعی طور پر تقسیم کردینی چاہئے تھی؟

جواب:... چونکہ نانا، نانی سوال کے مطابق قصوروار نظر آرہے تھے، اس بنا پر وہ بھی سزا کے مستحق ہوں گے، لیکن اگر اس معاملے میں ان کی مرضی شامل نہیں تھی، بلکہ بعد کے ورثاء نے لڑکیوں کو محروم کیا تو وہ اس حدیث کی وعید کے مستحق نہیں ہوں گے۔

سوال:... ایک صاحبِ جائیداد جن کی تین لڑکیاں اور ایک لڑکا ہے، لڑکیاں اپنے اپنے گھر خوش و خرم ہیں، اور مال و زر جہیز کی صورت میں دے دیا گیا ہے، لڑکا ڈاکٹری کی تعلیم حاصل کر رہا ہے، والدین کی خواہش ہے کہ اب تمام جائیداد کا مالک ڈاکٹر بیٹا ہی رہے اور تقسیم نہ ہونے پائے، کیونکہ تقسیم کردینے سے چاروں کو معمولی رقم میسر آئے گی۔ کیا اسلام میں اس کی اجازت ہے؟

سوال:... اسلام میں جہیز کی کوئی قید یا اجازت نہیں ہے، اور آج کل معاشرہ والدین کی بساط سے زیادہ کا خواہاں ہوتا ہے، کیا جہیز کو والدین کی جانب سے وراثت کا تصور نہیں کیا جاسکتا؟

سوال:... کیا والدین کو شرعی رُو سے اپنی زندگی میں یہ حق پہنچتا ہے کہ وہ اپنی اولاد میں کسی ایک یا دو کو ساری جائیداد بخش دیں؟

سوال:... کیا والدین وصیت نامہ لکھ کر چار اولادوں میں سے کسی ایک کو حق دار مقرّر کرسکتے ہیں؟

سوال:... اگر تینوں اولادیں بخوشی اپنا حصہ چھوٹے بھائی کو دینے کے لئے تیار ہوں، یہ تینوں بالغ ہیں اور والدین کی بھی خوشی ہے، کیا لڑکیوں کو اپنے اپنے شوہر سے اجازت طلب کرنی ہوگی؟ کیا والدین اس طرح تقسیم کرسکتے ہیں؟

سوال:... میرا اہم سوال یہ ہے کہ جہیز کو وراثت مان لیا جائے، ہم اسلام و قرآن کے اَحکام کے پابند ہیں، جہیز کی پابندی معاشرہ کراتا ہے، لہٰذا جہیز کو وراثت کیوں نہ سمجھ لیا جائے یا نیت کرلی جائے؟ بعض اوقات تو ایسا ہوتا ہے کہ لڑکیوں کو جہیز میں اتنا دیا جاتا ہے کہ باقی اولاد کے لئے کچھ بھی باقی نہیں رہتا۔

جواب:... وراثت مرنے کے بعد تقسیم ہوتی ہے،[1] زندگی میں والدین اپنی اولاد کو جو کچھ دیتے ہیں، وہ ان کی طرف سے عطیہ ہے، اس کو وراثت سمجھنا صحیح نہیں، اور وارثوں میں کسی وارث کو محروم کرنے کی وصیت کرنا بھی جائز نہیں۔ البتہ اگر وارث سب عاقل و بالغ ہوں تو اپنی خوشی سے ساری وراثت ایک وارث کو دے سکتے ہیں۔[2] والدین اپنی اولاد کو جو عطیہ دیں اس میں حتی الوسع

---

(۱) لأن التركة في الإصطلاح ما تركه الميت من الأموال صافيًا عن تعلق حق الغير بعين من الأموال. (فتاوىٰ شامی ج ۶ ص: ۷۵۹، كتاب الفرائض).

(۲) ولَا تجوز لوارثه لقوله عليه السلام إن الله تعالىٰ أعطى كل ذي حق حقه ألَا لَا وصية للوارث ...... إلَّا أن يجيزها الورثة إلخ. (هداية ج:۴ ص:۶۵۲، ۶۵۳، كتاب الوصايا). وعن أبي أُمامة الباهلي قال: سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول في خطبته عام حجة الوداع: إن الله تبارك وتعالىٰ قد أعطىٰ كل ذي حق حقه فلا وصية للوارث. (الترمذي ج:۲ ص:۳۳، باب ما جاء لَا وصية لوارث).

برابری کا لحاظ رکھنا ضروری ہے، تاکہ کسی کی حق تلفی نہ ہو۔[1] پس اگر لڑکیوں کو کافی مقدار میں جہیز دیا جاچکا ہو تو لڑکی کے جہیز سے دُگنا مالیت کا سامان والدین اپنے لڑکے کو عطا کرسکتے ہیں۔ اُمید ہے آپ کے سارے سوالوں کا جواب ہوگیا ہوگا۔

وراثت سے محروم لڑکی کو طلاق دے کر دُوسرا ظلم نہ کرو

سوال:... زید کے انتقال کے بعد ان کی جائیداد زید کی بیوی نے فروخت کرکے لڑکوں کی رضامندی سے اپنے مصرف میں لے لی، جبکہ زید کی اولاد میں لڑکی بھی ہے، اس طرح انہوں نے حکومت اور شرعی دونوں قانون کی رُو سے لڑکی کو وراثت کے حق سے محروم کیا جو شرعی اور قانونی جرم ہے۔ اس حق تلفی کے سلسلے میں لڑکی کے شوہر کو کیا اقدام کرنا چاہئے؟ آیا لڑکی کو طلاق دے کر لڑکی والوں کو سبق سکھانا جائز عمل ہوگا؟ جبکہ لڑکی والے ہٹ دھرمی پر آمادہ ہیں اور اپنی غلطی تسلیم نہیں کرتے، اور نہ ہی وہ اس فعل پر نادم ہیں۔

جواب:... لڑکی کو محروم کرکے انہوں نے ظلم کیا،[2] اور اگر "عقل مند" شوہر اس کو طلاق دے گا تو اس مظلومہ پر دُوسرا ظلم کرے گا، جو عقل و انصاف کے خلاف ہے۔

حقوقِ والدین یا اِطاعتِ اَمیر؟

سوال:... میرا بڑا بیٹا بچپن سے ہی والد کے ساتھ مسجد جاتا رہا، مسجد ہی سے ایک دِینی جماعت کے پروگرام سنتا رہا، ہم نے اسے ہمیشہ اچھے ماحول میں رہنے کی تعلیم دی۔ گانے ناچ اور دیگر فضولیات سے دُور رکھا۔ اس لئے وہ دِینی جماعت کے بچوں کے رسائل لاتا رہا، ان کے ساتھ اچھے معلوماتی مقابلوں میں حصہ لیتا رہا۔ جب میٹرک کلاس میں گیا تو ہم نے کہا کہ اسکول کا کام پورا کیا کرو، تعلیم پر توجہ دو، مگر وہ کہتا کہ ہمارے ناظم نے فلاں وقت بلایا ہے، فلاں کام ہے۔ باپ صبح کے گئے رات کو آتے، اس نے تعلیم پر توجہ کم دی، نتیجہ یہ نکلا کہ بہت خراب نمبر سے پاس ہوا، مجبوراً ٹیکنیکل تعلیم دِلوائی، وہاں نوکری بھی لگ گئی، لیکن پروگراموں کا سلسلہ بڑھتا گیا۔ زیادہ سمجھاتی تو کہتا کہ امیر کی اطاعت لازمی ہے، امیر کی اطاعت خدا کے رسول کی اطاعت ہے۔ نتیجہ یہ نکلا کہ نوکری جاتی رہی، تعلیم بھی ختم ہوگئی۔ گھر سے تعلق کا صرف اتنا حال ہے کہ بہن، بوڑھا باپ کام کرتے ہیں، میں سلائی کرتی ہوں، وہ آتا ہے، ہوٹل کی طرح کھا کر چلا جاتا ہے، بہن بھائیوں پر حکم چلاتا ہے، اسے غرض نہیں کہ کوئی بیمار ہے تو کون ہسپتال لے جارہا ہے؟ کس طرح خرچ چل رہا ہے؟ یہی دُھن دماغ میں ہے کہ جماعت سے نکلنا کفر ہے، امیر کی نافرمانی خدا کی نافرمانی ہے۔

اس کے ساتھی بہت تعریف کرتے ہیں کہ ہر کام میں آگے آگے رہتا ہے، ہر پروگرام میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیتا ہے، لیکن حقیقت کوئی ہمارے دِل سے پوچھے، اس بگڑے ہوئے ماحول میں بچیوں سے سودے منگوانے پڑتے ہیں، خود بازار سے سامان اُٹھا کر

---

(۱) ولو وهب رجل شيئًا لأولاده في الصحة وأراد تفضيل البعض على البعض في ذٰلك لَا رواية لهٰذا الأصل .... وروى المعلى عن أبي يوسف .... إن قصد به الإضرار سوى بينهم يعطي الإبنة مثل ما يعطي للإبن وعليه الفتوىٰ۔ (فتاوی عالمگیری ج:۴ ص:۳۹۱، كتاب الهبة، الباب السادس في الهبة للصغير، طبع رشيديه)۔

(۲) وعن أنس بن مالك قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: من فرّ من ميراث وارثه قطع الله ميراثه من الجنّة يوم القيامة۔ (سنن ابن ماجة ص:۱۹۴، باب الحيف في الوصية، طبع نور محمد)۔

لاتا پڑتا ہے، ایک بچہ ہے وہ زیادہ تر کام کرتا ہے، پڑھنے کے ساتھ ساتھ کام کر کے ہمارے حوالے کر دیتا ہے، خدا کے فضل سے نماز روزے کا پابند ہے، یہ آتے ہی اس پر حکم چلاتا ہے، اگر کسی کام کو کہا جائے تو کہتا ہے اس سے کراؤ۔

چھوٹی بچیوں نے، ماں باپ نے رو رو کر دُعائیں مانگیں تو ایک عارضی نوکری ملی ہے، اس میں بھی یہی حال ہے، دس دن پروگراموں کی نظر ہیں، اب کسی کا اِستقبال ہے، اب کسی جگہ مظاہرہ ہے، کہیں کے لئے فنڈ اِکٹھا کرنا ہے، کسی کو کتابیں دینی ہیں، وغیرہ وغیرہ۔

یہ صرف ایک بچے کا حال نہیں، اس میں بی اے، ایم اے اور دیگر تعلیم یافتہ بچے بھی شامل ہیں جو ذہنی مریض بن چکے ہیں، والدین اور اَمیر کی اطاعت کے درمیان ان کے ذہن اُلجھ کر رہ گئے ہیں، کبھی کبھی ان پر ترس بھی آتا ہے اور غصہ بھی۔

مولانا صاحب! آپ بتائیے کہ ہم جیسے سفید پوش لوگ جن کی جمع پونجی ایک مکان ہوتی ہے کیا وہ وراثت میں اس طرح کی اولاد کو حق دار بنا سکتے ہیں؟ کیا شریعت میں ایسا کوئی قانون ہے کہ ہم اپنی زندگی میں ان کو مکان کی ملکیت سے عاق کر سکیں؟ کیونکہ جب ہماری زندگی میں ان کا رویہ ایسا ہے تو بعد میں تو چھوٹے بہن بھائیوں کا حق مار کر اپنی من مانی کر سکتے ہیں۔ کیا اسلام میں ایسا کوئی تصوّر موجود ہے کہ معاش کی جدوجہد نہ کرے، والدین اور عزیز و اقارب کے حقوق پورے نہ کرے، صرف امیر کی اطاعت کرے؟ اگر ایسا ہے تو ہم ضرور صبر کریں گے، اگر ایسے بچے وراثت کے حق دار ہیں تو ہم خدا کے رسول کی نافرمانی ہرگز نہ کریں گے۔

جواب:... نوجوانوں کے مزاج میں جوشِ عمل ہوتا ہے، تجربہ محدود، ذہن ناپختہ، طبیعت میں شاخِ تازہ کی طرح لچک، ان کو کسی اچھے یا بُرے کام میں لگا دینا بڑا آسان ہوتا ہے۔ اور جب ان کے ذہن میں کسی تحریک کی اچھائی بیٹھ جاتی ہے یا بٹھادی جاتی ہے تو وہ اس میں نتائج و عواقب سے بے نیاز ہو کر منہمک ہو جاتے ہیں، اس کے خلاف نہ وہ والدین کی پروا کرتے ہیں، نہ کسی کی نصیحت پر کان دھرتے ہیں۔ اس لئے عام طور سے تمام تحریکوں کا نتیجہ شور شرابے کے سوا کچھ نہیں نکلتا۔ بہت سے نوجوان ان تحریکی سرگرمیوں کی وجہ سے تعلیم سے محروم رہ جاتے ہیں، بہت سے روزگار سے جاتے رہتے ہیں، بہت سے والدین سے باغی ہو کر اپنے عزیز و اقارب اور والدین کے ہاتھ سے نکل جاتے ہیں۔ حدیث شریف میں فرمایا ہے کہ جوانی بھی جنون اور دیوانگی کا ایک شعبہ ہے۔[1] جب تک یہ نوجوان تحریکاتی جماعتوں کے سرگرم کارکن رہتے ہیں اس وقت تک ان پر دیوانگی کا دورہ رہتا ہے، اور جب جنونِ شباب کا دور ختم ہوتا ہے اور عمر میں پختگی آتی ہے تب انہیں پتہ چلتا ہے کہ انہوں نے کیا کھویا اور کیا پایا؟ ایسے نوجوان دورِ شباب ختم ہونے کے بعد ہمیشہ اِحساسِ محرومی کا شکار رہتے ہیں، ماں باپ کی بددُعائیں ہمیشہ کے لئے ان کے گلے کا ہار بن جاتی ہیں، اس طرح ان کی دُنیا بھی تباہ ہو جاتی ہے اور آخرت بھی برباد ہو جاتی ہے۔ میں سیاسی قائدین سے اِلتجا کرتا ہوں کہ وہ بھولے بھالے ناتجربہ کار نوجوانوں کو تحریکات کے الاؤ کا ایندھن نہ بنائیں۔ اور ان نوجوانوں سے درخواست کرتا ہوں کہ وہ والدین سے بغاوت کا راستہ اِختیار کر کے کسی کا بُرا نہیں

---

(۱) الشباب شعبة من الجنون والنساء حبالة الشيطان۔ أبو نعيم في الحلية عن عبدالرحمن بن عابس وابن لال عن ابن مسعود والديلمي عن عبدالله بن عامر في حديث طويل والتيمي في ترغيبه عن زيد بن خالد كلهم مرفوعًا به۔ (المقاصد الحسنة ص:۲۵۸، رقم الحديث:۵۸۶، حرف الشين، طبع مكتبة الباز)۔

کرتے، بلکہ خود اپنا مستقبل تاریک کرتے ہیں۔ ان کی دیوانہ وار تحریکی مصروفیات سے نہ ان کو کچھ ملتا ہے، نہ ان کے والدین، اور نہ معاشرے کو۔ آج وطنِ عزیز میں جیسی بدامنی اور شر و فساد ہے، یہ انہی تحریکات کا ثمرۂ تلخ ہے۔ ہمارے جن نوجوانوں کو "کنتم خیر اُمّة" کا تاج سر پر رکھ کر نوعِ انسانی کی بھلائی، امن و آشتی اور اِسلامی اُخوّت و محبت کے مبلغ ہونا چاہئے تھا، وہ ان تحریکات کے نتیجے میں گروہی عصبیت، نفرت و عداوت اور قتل و غارت کے علم بردار بنے ہوئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہم پر رحم فرمائیں اور اپنے نبیٔ اُمی صلی اللہ علیہ وسلم کی برکت سے ہمارے نوجوانوں کو دینِ قیم پر چلنے کی توفیق ارزانی فرمائیں۔

آپ نے جو پوچھا ہے کہ کیا ان صاحبزادے کو عاق کردیں؟ میرا مشورہ یہ ہے کہ ایسا ہرگز نہ کریں، کیونکہ اولاد کو جائیداد سے محروم کرنا شرعاً جائز نہیں۔[1] علاوہ ازیں کسی شخص کو اس سے بڑھ کر کیا سزا دی جاسکتی ہے کہ وہ اپنے والدین کا نافرمان ہو، (اللہ تعالیٰ ہر شخص کو اس سزا سے محفوظ رکھیں)، پھر اولاد خواہ کیسی بھی ہو والدین کو اس کے لئے خیر ہی مانگنی چاہئے۔ دُعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ آپ کے صاحبزادے کو عقل و ایمان نصیب فرمائیں، اللہ تعالیٰ نے والدین کی شکل میں جو نعمت ان کو عطا فرمائی ہے، اس کی قدر کرنے کی توفیق سے نوازیں۔

---

(۱) قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: من قطع ميراث وارثه، قطع الله ميراثه من الجنة. (مشكوٰة ص.۲۶۶، باب الوصايا).

نابالغ، یتیم، معذور، رضاعی اور منہ بولی اولاد کا ورثہ میں حصہ

نابالغ بھائیوں کی جائیداد اپنے نام کروانا

سوال:...کیا بڑے بھائی یا بڑی بہن کو اس بات کا حق ہے کہ وہ نابالغ بھائیوں یا نابالغ بہنوں کا حقِ ملکیت اپنے نام منتقل کرلے، یا بہن اپنے نابالغ بہن یا بھائیوں کی طرف سے ان کا حق بھائیوں کو منتقل کردے؟

جواب:...نابالغ بھائیوں کی جائیداد اپنے نام منتقل کروانا جائز نہیں، یتیموں کا مال کھانے کا وبال ہوگا۔[1]

یتیم بھتیجی کو وراثت سے محروم کرنا

سوال:...ایک بھائی فوت ہوگیا، جائیداد میں بہت کچھ چھوڑا، ایک بچی کو یتیم چھوڑ کر مرا، لیکن چچا نے اس کا حصہ نہیں دیا، تمام جائیداد اپنے اکلوتے بیٹے کے نام کرکے مرگیا۔ بیٹا اچھا خاصا پڑھا لکھا اور مسئلے مسائل سے واقف ہے، کیا وہ بھی گناہگار ہے؟ کیا اس کو اس یتیم کا حصہ دینا چاہئے؟ اسلام اس بارے میں کیا کہتا ہے؟

جواب:...اس یتیم بچی کا حق ادا کرنا اس لڑکے کے ذمہ ضروری ہے، ورنہ یہ بھی اپنے باپ کے ساتھ دوزخ میں پہنچے گا۔[2]

رضاعی بیٹے کا وراثت میں حصہ نہیں

سوال:...میرے نانا کے دو لڑکے ہیں، اور دُودھ پینے کے رشتے سے میں ان کا تیسرا بیٹا ہوگیا ہوں، کیا میرے نانا کے مرنے کے بعد ان کی جائیداد میں میرا بھی کوئی حصہ ہوگا یا نہیں؟

جواب:...نانا کی جائیداد میں آپ کا کوئی حصہ نہیں۔[3]

کیا لے پالک کو جائیداد سے حصہ ملے گا؟

سوال:...کیا بے اولاد شخص اپنے برادران سے ناراض ہوکر غیر کفو خاندان سے بچہ لے کر لے پالک بنا سکتا ہے؟ جبکہ اس

---

(۱) إن الذين يأكلون أموال اليتمٰى ظلمًا إنّما يأكلون في بطونهم نارًا وسيصلون سعيرًا۔ (النساء:۱۰)۔

(۲) واٰتوا اليتمٰى أموالهم ولَا تتبدّلوا الخبيث بالطيب ولَا تأكلوا أموالهم إلٰى أموالكم إنه كان حوبًا كبيرًا۔ (النساء:۲)۔ إن الذين يأكلون أموال اليتمٰى ظلمًا إنّما يأكلون في بطونهم نارًا وسيصلون سعيرًا۔ (النساء:۱۰)۔

(۳) فيبدأ بأصحاب الفرائض .... ثم بالعصبات من جهة النسب .... ثم ذوي الأرحام ... إلخ۔ (سراجي ص:۴)۔

کے برادران اور دیگر قریبی رشتہ دار سب ہی اس کی دِلجوئی کی خاطر (جس بچے کو وہ خود چاہے) دینے کو تیار ہیں، جو اس پر بار بھی نہ ہو، بلکہ خدمت کرے اور اپنے اخراجات کا خود کفیل بھی ہو۔ بالفرض وہ شخص اپنے اقارب سے کوئی بچہ نہ لے تو کیا غیرکفو لے پالک اس شخص کے ترکہ کا کلی وارث ہوجائے گا اور اعزہ محروم؟ اگر وہ شخص اس طرح تحریر بھی کردے کہ متبنّیٰ کلی وارث ہے؟

جواب:... شرعاً لے پالک وارث نہیں ہوتا، خواہ اپنے خاندان کا ہو یا غیرخاندان کا، اس لاوارث کے مرنے کے بعد اس کی وراثت شرعی وارثوں کو پہنچے گی، لے پالک کو نہیں۔ [1]

منہ بولی اولاد کی وراثت کا حکم

سوال:... ہم لوگ آٹھ بہن بھائی ہیں، اور میرے سوا سب صاحبِ اولاد ہیں، میری شادی خالہ زاد سے ہوئی ہے، اور تقریباً ۱۶ سال سے کوئی اولاد نہیں ہے۔ میں نے اور میرے شوہر نے اپنی مرضی اور اتفاق سے میری سگی بھانجی اور میرا چھوٹا بھائی بطور اولاد کے لے کر پالے ہیں، اور یہ دونوں اب جوان ہو رہے ہیں، اور میرے شوہر کا کوئی بھائی نہیں، ایک بہن ہے، جس کے تین بچے ہیں، جو ہم سے الگ رہتے ہیں۔ پوچھنا یہ ہے کہ ہمارے ان دونوں بچوں یعنی میرے بھائی اور میری بھانجی کی ہمارے ساتھ شرعی حیثیت کیا ہے؟ اور ان دونوں کی آپس میں کیا حیثیت ہوگی؟ کیا یہ دونوں آپس میں بہن بھائی کہلا سکتے ہیں؟ اور کیا میرے شوہر ان کے ساتھ اپنی ولدیت لگا سکتے ہیں؟ اس کے علاوہ ہماری جائیداد میں ان کا کیا حصہ ہوگا؟ جبکہ ہمارا ان کے سوا کوئی نہیں ہے۔

جواب:... ان دونوں کا حکم آپ کی اولاد کا نہیں، نہ ان کی ولدیت تبدیل کرنا جائز ہے۔ [2] آپ لوگ اپنی زندگی میں اپنی جائیداد کا مالک ان کو بنادیں۔ یہ دونوں آپس میں ماموں بھانجی ہیں، بہن بھائی نہیں۔

کیا ذہنی معذور بچے کو بھی وراثت دینا ضروری ہے؟

سوال:... میرے تین بچے ہیں، دو لڑکے، ایک لڑکی۔ اور ان کے درمیان وراثت کا معاملہ یوں تو صاف ہے، یعنی پانچ حصوں میں دو دو لڑکوں کے، ایک لڑکی کا۔ مگر اس میں غیرمعمولی بات جو حل طلب ہے وہ یہ کہ میرا بڑا لڑکا پیدائشی کمزور دماغ کا غیرمعمولی حالت کا ہے، یعنی نہ وہ بول سکتا ہے، نہ اس کو عقل و شعور ہے۔ اس غیرمعمولی حالت کی وجہ سے میں نے اس کو انگلستان میں ایک بچوں کے اسکول یا ہسپتال میں داخل کردیا تھا، جس کی دیکھ بھال اور کل اخراجات حکومتِ انگلستان اُٹھاتی ہے۔ گویا ایک طرح میرا خون کے رشتے کے علاوہ کوئی تعلق نہیں ہے۔ اب ایسی حالت میں وہ حق دار تو ضرور ہے مگر وراثت کا استعمال نہ وہ کرسکتا ہے اور نہ اس کی ضرورت ہے، اور نہ وہ طالب ہوسکتا ہے۔ ایسی حالت میں کیا یہ مناسب نہ ہوگا کہ جائیداد صرف ان دونوں بچوں کو ہی دے دی جائے، تین حصے کرکے، ایک لڑکی کا اور دو لڑکے کے؟

---

(۱) لے پالک چونکہ تین اقسامِ ورثاء یعنی ذوی الفروض، عصبات اور ذوی الارحام میں سے نہیں ہے، اس لئے یہ شرعاً وراثت کا حق دار بھی نہیں ہے۔

(۲) وما جعل أدعيآء كم أبنآء كم ذلكم قولكم بأفواهكم والله يقول الحق وهو يهدى السبيل. أدعوهم لأبآئهم هو أقسط عند الله ...الآية (الأحزاب:۴،۵).

جواب:... معذور اولاد تو زیادہ ہمدردی کی مستحق ہوتی ہے، نہ کہ اس کو وراثت سے محروم کردیا جائے۔ آپ اپنی زندگی میں اس کو محروم کرکے دُنیا میں اپنے لئے جہنم کا سودا نہ کریں، اس کا حصہ محفوظ رہنا چاہئے، خواہ اس کی ضرورت ہو یا نہ ہو، اور امکانی وسائل کے ساتھ اس کا حصہ پہنچانے کی کوشش کرنی چاہئے۔ بہرحال وراثت سے محروم کرنا جائز نہیں۔ (۱)

معذور بچے کا وراثت میں حق

سوال:... دماغی یا جسمانی معذور بچے کا اپنے باپ کی وراثت میں اتنا ہی حق ہے جتنا کہ صحت مند بہن بھائیوں کا یا کہ کم زیادہ ہے؟

سوال ۲:... یہ بھی بتائیں کہ اگر کوئی بھائی اس معذور کی دیکھ بھال کا ذمہ دار بنے تو اس پر یہ خرچ معذور کے حصے میں سے کرے گا یا اپنے مصارف میں سے کرے گا؟

جواب:... معذور بچے کا حق بھی اتنا ہی ہے جتنا دُوسرے کا حق ہے، (۲) البتہ اگر اس کی معذوری کے مدِ نظر اپنی زندگی میں اس کو دُوسروں سے زیادہ دے دے تو جائز ہے۔

جواب ۲:... جو بھائی معذور کی کفالت کر رہا ہے، وہ معذور پر اسی کے مال میں سے خرچ کرے گا، بشرطیکہ معذور کے پاس مال موجود ہو۔ اور اگر اس کے پاس اپنا مال نہ ہو تو اس کا خرچ تمام بھائی بہن وراثت کے حصے کے مطابق برداشت کریں گے، جس کی تشریح یہ ہے کہ اگر یہ معذور کچھ مال چھوڑ کر مرے تو اس کے بھائی بہنوں کو جتنا جتنا حصہ وراثت کا ملتا ہے، اتنا اتنا حصہ اس کے ضروری اخراجات کا ادا کریں۔ (۳)

مدّت تک مفقود الخبر رہنے والے لڑکے کا باپ کی وراثت میں حصہ

سوال:... زید نے رانی سے شادی کی، پھر دورانِ حمل زید اور رانی میں طلاق ہوگئی، رانی نے طلاق نامہ میں لکھوایا کہ موجود حمل سے لڑکا یا لڑکی تولد ہو تو اس کے نان و نفقہ یا پرورش کا ذمہ دار زید نہ ہوگا، نہ ہی زید اس اولاد کا مالک ہوگا۔ چنانچہ زید مرتے دم تک اس اولاد (لڑکے) سے لاتعلق رہا۔ اب یہ لڑکا زید کے ورثے میں شرعاً حق دار ہے یا نہیں؟ اگر ہے تو کس قدر؟

جواب:... یہ لڑکا زید کا شرعاً وارث ہے، اور زید کے دُوسرے لڑکوں کے برابر کا حق دار ہے۔ طلاق نامے میں یہ لکھ دینا کہ: ''اس حمل سے پیدا ہونے والے بچے کا زید سے کوئی تعلق نہ ہوگا'' شرعاً غلط اور باطل ہے۔ باپ بیٹے کے نسبی تعلق کی نفی کا نہ باپ کو حق ہے، نہ ماں کو۔

---

(۱) من قطع میراث وارثه قطع الله میراثه من الجنة۔ (مشکوٰة ج:۱ ص:۲۶۶، باب الوصایا)۔

(۲) للرجال نصیب مما ترک الوالدان والأقربون وللنساء نصیب ...الآیة (النساء:۷)۔

(۳) ویجب ذالک (نفقة) علٰی مقدار المیراث ویجبر علیه لأن التنصیص علی الوارث تنبیه علٰی إعتبار المقدار ولأن الغرم بالغنم والجبر لإیفاء حق مستحق .... ونفقة الأخ المعسر علی الأخوات المتفرقات الموسرات أخماسًا علٰی قدر المیراث۔ (الهدایة، کتاب الطلاق، باب النفقة ج:۲ ص:۴۲۷، طبع مکتبه شرکة علمیة)۔

سوال:... سوال نمبر۱ سے پیوستہ ہے، زید کی پہلی بیوی سے ایک لڑکی اور ایک لڑکا ہے، لڑکی زید کی زندگی میں ہی فوت ہوگئی اور اپنے پیچھے دو لڑکیاں اور ایک لڑکا چھوڑا، زید کی دُوسری بیوی سے ایک لڑکا ہوا، جبکہ زید اور اس کی بیوی رانی میں دورانِ حمل طلاق ہوچکی تھی، جیسا کہ سوال نمبر۱ مندرجہ بالا میں ذکر ہوچکا ہے، اب وہ لڑکا تقریباً ۴۹ سال تک مفقود الخبر رہنے کے بعد زید کے ترکہ میں سے حصہ مانگتا ہے، اگر شرعاً وہ حق دار ہے تو کس قدر؟ فرض کریں کہ زید کی املاک کی مالیت دس لاکھ روپے ہو تو اس کی تقسیم کا شرعِ محمدی میں کیا کلیہ و قاعدہ ہے؟

الف:... اگر زید کی دُوسری بیوی سے لڑکا شامل ہو۔

ب:... اگر زید کی مرحومہ بیٹی کی اولاد (۲ لڑکیاں اور ایک لڑکا) بھی شامل ہوں۔

جواب:... زید کی پہلی بیوی کا لڑکا وارث ہے، جیسا کہ اُوپر لکھا جاچکا، اور عرصۂ دراز تک مفقود الخبر رہنے سے اس کا حقِ وراثت باطل نہیں ہوا۔[1]

زید کی لڑکی چونکہ اپنے والد کی زندگی میں فوت ہوگئی اس لئے لڑکی کی اولاد زید کی وارث نہیں ہوگی۔ صورتِ مسئولہ میں زید کے صرف دو وارث ہیں، پہلی بیوی رانی کا لڑکا جو عرصہ تک مفقود الخبر رہا، اور دُوسری بیوی کا لڑکا، یہ دونوں برابر کے وارث ہیں، اس لئے زید کا ترکہ اگر دس لاکھ ہے تو دونوں کو پانچ پانچ لاکھ دیا جائے۔[2]

نوٹ:... اگر زید کی وفات کے وقت اس کی دُوسری بیوی زندہ تھی تو دس لاکھ میں سے ایک لاکھ پچیس ہزار اس کا حصہ ہے، باقی ماندہ آٹھ لاکھ پچھتر ہزار دونوں بھائیوں پر برابر تقسیم ہوگا، اور بیوہ کے انتقال کے بعد بیوہ کا حصہ صرف اس کے لڑکے کو ملے گا۔

---

(۱) المفقود حیّ فی ماله حتّٰی لَا یرث منه أحد ومیت فی مال غیره حتّٰی لَا یرث من أحد لثبوت حیاته باستصحاب الحال وهو معتبر فی البقاء ما کان علٰی ما کان دون إثبات ما لم یکن ...إلخ۔ (شریفیه شرح سراجی ص:۱۵۱)۔ وقال العلامة ابن عابدین رحمه الله تعالٰی: (قوله وهو فی حق نفسه حی) مقابله قوله الآتی ومیت فی حق غیره وحاصله ان یعتبر حیًّا فی حق الأحکام التی تضره وهی المتوقفة علٰی ثبوت موته ویعتبر میتًا فیما ینفعه ویضرّ غیره وهو ما یوقف علی حیاته لأن الأصل انه حی وأنه إلی الآن کذالک استصحابًا للحال السابق والإستصحاب حجة ضعیفة تصلح للدفع لَا للإثبات أی تصلح لدفع ما لیس بثابت لَا لإثباته۔ (ردالمحتار ج:۴ ص:۲۹۳، کتاب المفقود)۔

(۲) وأقرب العصبة الإبن وان سفل، وهو إتفاق أهل العلم .... وذالک لقول النبی صلی الله علیه وسلم: ألحقوا الفرائض بأهلها، فما بقی فلأولی عصبةٍ ذکرٍ۔ (شرح مختصر الطحاوی ج:۴ ص:۹۲ باب العصبة)۔

سوتیلے اعزّہ میں تقسیمِ وراثت کے مسائل

متوفیہ کی جائیداد، بیٹے، شوہرِ ثانی، اولاد، والد اور بھائی کے درمیان کیسے تقسیم ہوگی؟

سوال:... کیا فرماتے ہیں علمائے دِین اس مسئلے میں کہ مہرالنساء بنت قاری احمد علی خان صاحب کی دُوسری شادی قریب ایک سال ہوا، ریاض احمد سے ہوئی تھی، مہرالنساء کا مرا ہوا بچہ پیدا ہوا اور اس کے ایک ماہ بعد مہرالنساء کا انتقال ہوگیا۔ مرحومہ کے وارثین و ملکیت درج ذیل ہیں، لہٰذا علماء سے درخواست ہے کہ وہ حصہ رسدی کی شرح سے مطلع فرمائیں۔

۱:... ریاض احمد خان شوہرِ ثانی

۲:... ظاہر علی خان بیٹا پہلے شوہر سے

۳:... حامد علی خان حقیقی بھائی

۴:... قاری احمد علی والد حقیقی

منقولہ و غیر منقولہ جائیداد: نقد رقم، زیورات، فرنیچر، مرحومہ کے کپڑے، ایک اسکوٹر جو مرحومہ نے خرید کر شوہر کو بطور ہبہ دیا تھا، سلائی کی مشین، وقف جائیداد، یہ جائیداد کلکتہ میں اولاد کے لئے وقف ہے، اور مرحومہ کو اور اس کے بھائی حامد علی خان کو ننھیال کی طرف سے ملی ہے۔ مہر: دُوسرے شوہر ریاض کے ساتھ جب عقد ہوا تو گیارہ ہزار روپے سکہ رائج الوقت مہر بندھا تھا، جو کہ سب کا سب باقی ہے۔ کیا یہ ایک کو یا سب کو ملے گا؟ نیز پہلے شوہر سے بھی متوفیہ کا مہر مرحومہ کی ملکیت میں آتا ہے، وہ بھی اس میں شامل ہوگا یا نہیں؟

جواب:... اس صورت میں مسماۃ مہرالنساء کا مالِ متروکہ جس میں اس کے دونوں نکاحوں کا مہر بھی شامل ہے، تجہیز و تکفین کرنے، اور قرضہ ادا کرنے، اور وصیت پوری کرنے کے بعد ورثاء پر بطریقِ ذیل تقسیم ہوگا:[1]

شوہر ریاض احمد کو ۳، والد قاری احمد علی کو ۲، بیٹا ظاہر علی خان کو ۷، بھائی حامد علی خان، محروم۔ یعنی متوفیہ کے کل مال کے بارہ حصے کئے جائیں گے، ان میں سے ایک چوتھائی یعنی ۳ حصے شوہر کو ملیں گے، اور چھٹا حصہ یعنی بارہ میں سے ۲ حصے والد کو، اور باقی سات حصے بیٹے کو ملیں گے، اور بھائی محروم ہوگا۔ اولاد کے لئے وقف شدہ جائیداد میں صرف متوفیہ کے بیٹے ظاہر علی خان کا حق ہوگا، شوہر اور

---

(۱) يبدأ من تركة الميت ...... بتجهيزه من غير تقتير ولَا تبذير ثم تقدم ديونه التي مطالب من جهة العباد، ثم تقدم وصية من ثلث ما بقي ثم يقسم الباقي بين ورثته. (درمختار ج:۶ ص:۷۶۰، كتاب الفرائض، طبع سعيد كراچي).

والد کا کوئی حصہ نہیں ہے۔ اسکوٹر جو متوفیہ نے اپنے دُوسرے شوہر کو خرید کر بطور ہبہ دے دی تھی، وہ بھی ترکہ میں شامل نہیں ہوگی۔[1] ورثاء کی تقسیمِ میراث کا نقشہ یہ ہے:

شوہر	والد	بیٹا	بھائی
۳	۲	۷	محروم

دو بیویوں کی اولاد میں مرحوم کی وراثت کیسے تقسیم ہوگی؟

سوال:... ہمارا گھرانہ مندرجہ ذیل افراد پر مشتمل تھا، ان میں سے گھرانے کے سربراہ کا انتقال ۱۹۵۹ء میں ہوگیا ہے، گھرانے کے سربراہ کی دو بیویاں تھیں، ان میں سے پہلی بیوی کا انتقال شوہر سے پہلے ہوا ہے، اس سے ایک بیٹی تھی اور ایک بیٹا ہے۔ بیٹی کا انتقال باپ کے بعد ۱۹۶۱ء میں ہو چکا ہے، اور اس میں سے ایک بیٹا ہے۔ اس طرح دُوسری بیوہ زندہ ہے اور اس سے دو بیٹے اور چار بیٹیاں ہیں۔ ان افراد میں سے ہر ایک کا جائیداد میں کیا حصہ ہوگا؟ اور جائیداد تین لاکھ روپے میں فروخت ہو رہی ہے، تو ہر ایک کے حصے میں کتنی رقم آئے گی؟

جواب:... تجہیز و تکفین، ادائے قرضہ جات اور تہائی مال سے نفاذِ وصیت کے بعد مرحوم کا کل ترکہ ۸۸ حصوں پر تقسیم ہوگا، ان میں سے بیوہ کے ۱۱، ہر لڑکے کے ۱۴، اور ہر لڑکی کے ۷ حصے ہوں گے، تقسیم کا نقشہ یہ ہے:

بیوہ	بیٹا	بیٹا	بیٹا	بیٹی	بیٹی	بیٹی	بیٹی	بیٹی
۱۱	۱۴	۱۴	۱۴	۷	۷	۷	۷	۷

تین لاکھ روپے کو جب ان حصوں پر تقسیم کیا جائے تو وارثوں کے حصے میں مندرجہ ذیل رقم آئے گی:[2]

بیوہ: سینتیس ہزار پانچ سو (۳۷,۵۰۰)

ہر لڑکا: سینتالیس ہزار سات سو ستائیس روپے ستائیس پیسے (۴۷,۷۲۷/۲۷)

ہر لڑکی: تیئس ہزار آٹھ سو تریسٹھ روپے تریسٹھ پیسے (۲۳,۸۶۳/۶۳)

---

(۱) أمّا للزوج .... والربع مع الولد أو ولد الإبن أما الأب فله أحوال ثلاث: الفرض المطلق وهو السدس وذٰلک مع الإبن أو إبن الإبن ...إلخ. (سراجي ص:۶، ۷). وبنو الأعيان والعلات كلهم يسقطون بالإبن وابن الإبن. (سراجي ص:۱۱). وفي الدر المختار: (والربع للزوج) .... (مع أحدهما) أي: الولد أو ولد الإبن. ...... (وللأب والجد) ثلاث أحوال: الفرض المطلق وهو (السدس) وذٰلک (مع ولد أو ولد إبن) اهـ (الدر مع الشامية ج:۶ ص:۷۷۰ كتاب الفرائض طبع ايچ ايم سعيد). وفيه: (ويسقط بنو الأعيان) وهو الإخوة والأخوات .... (بالإبن) وابنه وإن سفل. (الدر مع الشامية ج:۶ ص:۷۸۱، كتاب الفرائض، فصل في العصبات).

(۲) وللمرأة من ميراث زوجها الربع .... فإن كان له ولد، أو ولد إبن وإن سفل، فلها الثمن، وذٰلک لقول الله تعالىٰ. فإن كان لكم ولد فلهن الثمن مما تركتم ...إلخ. (شرح مختصر الطحاوي ج:۴ ص:۸۳، ۸۴ باب قسمة المواريث). وإذا اختلط البنون والبنات، عصب البنون البنات فيكون للإبن مثل حظ الأنثيين. (فتاویٰ عالمگیری ج:۶ ص:۴۴۸، كتاب الفرائض، طبع رشيديه كوئٹه).

نوٹ:... جس لڑکی کا انتقال ہوچکا، اس کا حصہ اس کے لڑکے کو دیا جائے، اور اگر لڑکے کا باپ زندہ ہے تو اس کا ایک چوتھائی اس کو دیا جائے اور تین حصے لڑکے کو۔

بیوہ، سوتیلی والدہ، والد، بھائیوں اور بیٹے کے درمیان وراثت کی تقسیم

سوال:... میرے والد صاحب کا انتقال ہوگیا، آبائی جائیداد زمین اور سرکاری طور پر سروس سے کاٹا ہوا پیسہ چھوڑ گئے ہیں، اس میں تقسیمِ میراث کا طریقہ بتلائیں، ورثاء کی تفصیل مندرجہ ذیل ہے: سوتیلی والدہ، والد، چھ بھائی، دو بیٹے اور ایک بیوہ۔

جواب:... مرحوم کی کل جائیداد (ان کے قرضہ جات ادا کرنے کے بعد، اگر ان کے ذمہ کچھ ہوں) اور تہائی مال میں وصیت نافذ کرنے کے بعد (اگر وصیت کی ہو) ۴۸ حصوں پر تقسیم ہوگی، ان میں سے چھ حصے ان کی بیوہ کے، آٹھ حصے ان کے والد کے، اور ۱۷، ۱۷ حصے ان کے دونوں لڑکوں کے۔[1] صورتِ مسئلہ:

بیوہ	والد	لڑکا	لڑکا	بھائی
۶	۸	۱۷	۱۷	محروم

دُوسری جگہ شادی کرنے والی والدہ، بیوی اور تین بہنوں کے درمیان وراثت کی تقسیم

سوال:... ایک شخص فوت ہوگیا ہے، اور اس کی تین بہنیں ہیں، اور ایک بیوی ہے، (اولاد کوئی نہیں ہے)، اور والدہ نے دُوسری شادی کی ہے، تو تقسیمِ ترکہ فقہِ حنفی کے حساب سے کس طرح ہوگی؟ جبکہ ایک تایا بھی ہے اور وہ بھی کچھ آس لگائے بیٹھا ہے۔

جواب:... صورتِ مسئولہ میں مرحوم کا ترکہ (ادائے قرض ونفاذِ وصیت کے بعد)[2] اُنتالیس حصوں میں تقسیم ہوگا، چھ والدہ کے، نو بیوی کے، اور آٹھ آٹھ تینوں بہنوں کے،[3] تایا کو کچھ نہیں ملے گا۔ نقشہ حسبِ ذیل ہے:

(۱) وللمرأة من ميراث زوجها الربع .... فإن كان له ولد، أو ولد الإبن وإن سفل، فلها الثمن، وذالك لقول الله تعالىٰ .... فإن كان لكم ولد فلهن الثمن مما تركتم ...إلخ. (شرح مختصر الطحاوی ج:۴ ص:۸۳، ۸۴ باب قسمة المواريث، طبع بيروت). قال تعالىٰ: ولأبويه لكل واحد منهما السدس مما ترك إن كان له ولد (النساء: ۱۱). وإذا اختلط البنون والبنات، عصب البنون البنات، فيكون للإبن مثل حظ الأنثيين. (عالمگیری ج:۶ ص:۴۴۸، کتاب الفرائض).

(۲) يبدأ من تركة الميت .... بتجهيزه من غير تقتير ولَا تبذير ثم تقدم ديونه التي لها مطالب من جهة العباد ثم تقدم وصية من ثلث ما بقي بعد تجهيزه وديونه ...... ثم يقسم الباقي بين ورثته. (درمختار، کتاب الفرائض ج:۶ ص:۷۶۰).

(۳) قال تعالىٰ: ولأبويه لكل واحد منهما السدس مما ترك إن كان له ولد. (النساء: ۱۱). أما للأمّ فأحوال ثلاث السدس مع الولد .... أو مع الإثنين من الإخوة والأخوات فصاعدًا. أمّا للزوجات فحالتان الربع .... عند عدم الولد أو ولد الإبن. وأما الأخوات لأب وأمّ .... الثلثان للإثنين فصاعدة. (سراجی ص:۷، ۸، ۱۱). وللأمّ ثلاث أحوال (السدس مع أحدهما أو مع إثنين من إخوة أو من أخوات فصاعدًا .... فيفرض للزوجة فصاعدًا ثمن مع ولد أو ولد إبن .... (الثلثان لكل إثنين فصاعدًا ممن فرضه النصف) وهو خمسة .... والأخت لأبوين ...إلخ. (الدر مع الشامية ج:۶ ص. ۷۷۲، ۷۷۳، طبع ایچ ایم سعید).

بیوہ	والدہ	بہن	بہن	بہن
۹	۶	۸	۸	۸

ہبہ میں وراثت کا اِطلاق نہیں ہوتا

سوال:... میرے شوہر کا انتقال ہوگیا، اس نے اپنی زندگی میں ایک مکان بنواکر مجھے دے دیا تھا، یعنی مجھے مالک بنادیا تھا، اور اس کے ایک حصے کو کرایہ کے طور پر دیا تھا، اور ہم دونوں اس مکان کے دُوسرے حصے میں رہتے تھے، اور ایک حصے کا کرایہ میں وصول کرتی تھی، کیونکہ اس نے اپنی زندگی اور صحت میں وہ مکان میرے قبضے میں دے دیا تھا، اور اس کرایہ کی رقم کو بلاشرکتِ غیرے میں تصرف میں لاتی رہی۔ مکان مجھے دینے کا بہت سے لوگوں کے سامنے مرحوم نے ذکر کیا تھا، جن میں باشرع کئی لوگ گواہ ہیں، تو کیا اس مکان میں وراثت جاری ہوگی؟

سوال ۲:... میرے شوہر اپنے سوتیلے بھائی کے ساتھ کاروبار میں شریک تھے، اور میرے شوہر کی کوئی اولاد نہیں (نہ لڑکے اور نہ لڑکیاں)، دیگر ورثاء درج ذیل ہیں: ۱: مرحوم کی بیوہ یعنی میں خود۔ ۲: مرحوم کا ایک سگا بھائی۔ ۳: مرحوم کے دو سوتیلے بھائی۔ ۴: اور مرحوم کی ایک سوتیلی بہن (باپ شریک)، ان کے علاوہ کوئی اور وارث نہیں ہے۔ از رُوئے شرع وراثت کیسے تقسیم کی جائے گی؟

جواب:... جبکہ زید نے اپنا مکان بیوی کے نام ہبہ کرکے بیوی کو مکان کا مالک بنادیا اور قبضہ بھی بیوی کا ہے، اور اس پر متعدّد لوگ گواہ بھی موجود ہیں، تو یہ ہبہ شرعاً پورا اور لازم ہوگیا، اب اس مکان میں وراثت جاری نہیں ہوگی۔[1] مکان کے علاوہ متوفی زید کا اثاثہ بیوی اور حقیقی بھائی پر اس طرح تقسیم ہوگا کہ کل ترکہ کا رُبع یعنی چوتھا (حصہ) اولاد نہ ہونے کی وجہ سے بیوی کو ملے گا،[2] اور باقی ترکہ حقیقی بھائی کو دے دیا جائے گا۔ باپ شریک بھائی بہن محروم ہیں، ان کو کچھ نہیں ملے گا،[3] تقسیم کی صورت یہ ہوگی:

بیوی	حقیقی بھائی	باپ شریک بہن بھائی
۱	۳	محروم

سوتیلے بیٹے کا باپ کی جائیداد میں حصہ

سوال:... کیا سوتیلے بیٹے کو باپ کی جائیداد سے حصہ مل سکتا ہے؟ جبکہ شادی کے وقت وہ بچہ اپنی ماں کے ساتھ آیا ہو، اور

---

(۱) وشرائط صحتها في الموهوب أن يكون مقبوضًا غير مشاع مميزًا غير مشغول .... وتتم الهبة بالقبض الكامل ...الخ۔ (در مختار، كتاب الهبة ج:۵ ص:۶۸۸ تا ۶۹۰، طبع سعيد)۔

(۲) أما للزوجات حالتان الربع للواحدة فصاعدة عند عدم الولد وولد الإبن۔ (سراجي ص:۷)۔ وفي الدر المختار. والربع لها عند عدمهما فللزوجات حالتان: الربع بلا ولد والثمن مع الولد. (الدر مع الشامية ج:۶ ص:۷۷۰، كتاب الفرائض، طبع ايچ ايم سعيد)۔ كما قال الله تبارك وتعالىٰ: ولهن الربع مما تركتم إن لم يكن لكم ولد۔ (النساء: ۱۲)۔

(۳) قال في السراجي: ثم يرجحون بقوة القرابة أعني به أن ذا القرابتين أولىٰ من ذي قرابةٍ واحدةٍ ذكرًا كان أو أنثى لقوله عليه السلام إن أعيان بني الأمّ يتوارثون دون بني العلّات، كالأخ لأب وأمّ أو الأخت لأب وأمّ ...... أولىٰ من الأخ لأب والأخت لأب۔ (سراجي ص:۱۴، طبع المصباح لاهور)۔

اب اپنے بچوں کے ساتھ الگ اپنے گھر میں رہتا ہے۔

جواب:... اس بچے کا سوتیلے باپ کی وراثت میں کوئی حصہ نہیں ہے۔

سوتیلی ماں اور بیٹے کا وراثت کا مسئلہ

سوال:... میرے والد صاحب جو پاکستانی شہری تھے، انڈیا میں انتقال کرگئے اور وہیں دفن کردیئے گئے۔ عدت کی میعاد پڑ جانے کے باوجود سوتیلی والدہ ۱۵ دن بعد کراچی آگئیں۔ یہاں آکر عدت میں انڈیا سے لایا ہوا مال فروخت کیا۔ میں اکلوتی اولاد ہوں، سوتیلی ماں کی کوئی اولاد نہیں ہے۔ یہ واضح رہے کہ سوتیلی والدہ سے کسی قسم کا خونی یا خاندانی رشتہ نہیں ہے۔ آنے کے بعد انہوں نے والد صاحب کی چھوڑی ہوئی نقدی اور قیمتی سامان اِدھر اُدھر کرنا شروع کردیا، والد صاحب نے ایک پلاٹ، ایک فلیٹ، نقدی، زیور، قیمتی سامان، پیپر کٹنگ مشین وغیرہ تقریباً ۵ لاکھ کی مالیت کا سامان چھوڑا، سب سے پہلے مالک مکان نے میرے دادا کے نام کی رسید (والد صاحب کے نام، میرے نام نہیں) ڈائریکٹ سوتیلی ماں کے نام پُرانی تاریخوں میں تبدیل کردی، اسے مکان سے دلچسپی تھی، وہ بیوہ کو اکیلا سمجھ کر رسید بدلنے کے بدلے میں مکان اونے پونے میں لینا چاہتا ہے۔ رسید بدلنے سے میرے رشتہ داروں کی دلچسپی کا مرکز میری سوتیلی والدہ بن گئیں، میں نوکری پیشہ غیر ہنرمند ہوں، محدود تنخواہ میں مشکل سے گزارا کرتا ہوں، الگ مکان میں رہتا ہوں (تقریباً ۱۰ سال سے)۔ والد صاحب سے صرف سوتیلی والدہ ہی اختلاف کا باعث تھی، وہ مصلّے پر بیٹھ کر کہتی تھیں: ”میں اس گھر میں رہوں گی یا تیرا بیٹا رہے گا“ روز کے جھگڑوں سے تنگ آکر آخر باپ کی خاطر میں نے قربانی دی، بیمار باپ صدمے سے بچ جائے گا اور روز کا جھگڑا ختم ہوجائے گا، باپ سے تعلقات اچھے تھے۔ ۱۹۸۰ء میں حج پر گئے تو مجھے تسلی دی کہ تو کب تک نوکریاں کرے گا، واپس آکر مکان بڑا لے کر دو حصے کرلیں گے اور دُکان (کاروبار) چھوٹی موٹی کھول لیں گے، تو سنبھالنا میں نگہداشت کرتا رہوں گا، آخر تو بھی بیمار رہتا ہے۔ لیکن والدہ نے مجھے ذلیل کرکے گھر سے نکال دیا، کہنے لگیں: ”میں تیری شکل دیکھنا نہیں چاہتی“ مالک مکان نے موقع سے فائدہ اُٹھاکر بلڈنگ میں داخلے پر پابندی لگادی، اور مجھ سے بہانہ یہ کیا کہ میں تمہارا حصہ دِلواؤں گا، تمہارا چودہ آنہ حصہ بنتا ہے۔ میں نے والدہ کے ساتھ ہر تعاون کی پیشکش کی لیکن وہ میرے ساتھ رہ کر دولت کھونا نہیں چاہتی تھی، کوئی رشتے دار میری حمایت میں نہیں بولتا۔ ۱۹۸۰ء میں والد صاحب نے حج فارم میں وارث کے کالم میں میرا ہی نام لکھوایا تھا، کئی دفعہ مطلع کرنے کے بعد کوئی میری حمایت کو راضی نہیں ہوا۔

چہلم پر سوتیلی والدہ نے تکبر سے لوگوں کو کہا: ”جس نے کھانا کھانا ہو، کھالے ورنہ سب یتیم خانے میں دے دُوں گی“ اور کہتی ہیں کہ: ”میں ایک پیسہ کا حصہ نہیں دُوں گی، پلاٹ مسجد میں دے دُوں گی“ کیا مجھے اس جائیداد میں وراثت کا حق نہیں؟ جوڑ کاوٹ ڈال رہے ہیں ان کے لئے شریعت کیا کہتی ہے؟ شوہر کے پیچھے اسے یہ سب کچھ ملا اور بیٹے کے حق کو مار رہی ہے، کیا یہ صحیح ہو رہا ہے؟ کیا میں غلطی پر ہوں؟ وہ سب حق پر ہیں، اس پورے مسئلے پر تبصرہ کریں۔

جواب:... آپ کے والد کی جائیداد میں آپ کی سوتیلی والدہ کا آٹھواں حصہ ہے،[1] اور باقی سات حصوں کے وارث آپ ہیں۔[2] اگر وہ اس میں کوئی ناجائز تصرف کریں گی تو اپنی عاقبت برباد کریں گی۔ آپ کو بہرحال مطمئن ہونا چاہئے۔ آپ اگر عدالت سے رُجوع کرسکتے ہیں تو کریں، اور اگر اتنی ہمت نہیں تب بھی آپ کی چیز آپ ہی کی ہے۔ یہاں نہ ملی تو آخرت میں ملے گی، جبکہ آپ وہاں یہاں سے زیادہ ضرورت مند اور محتاج ہوں گے۔ آپ نہ تو اپنی سوتیلی والدہ کی بے ادبی کریں اور نہ کسی دُوسرے کی شکایت کریں، جتنے لوگ آپ کو والد کی وراثت سے محروم کرنے کی کوشش میں حصہ لے رہے ہیں وہ سب اپنے لئے جہنم خرید رہے ہیں۔[3] کسی بزرگ کا ارشاد ہے کہ سب سے بڑا احمق وہ ہے جو دُنیا کی خاطر اپنے دِین کو برباد کرتا ہے، اور اس سے بڑھ کر احمق وہ ہے جو دُوسروں کی دُنیا کے لئے اپنے دِین کو تباہ و برباد کرتا ہے۔

مرحوم کے ترکہ میں دونوں بیویوں کا حصہ ہے

سوال:... ہمارے والد کی دو شادیاں تھیں، پہلی بیوی سے ہم دو بھائی اور دُوسری بیوی سے ایک لڑکی ہے، ہمارے والد کو فوت ہوئے تقریباً دس سال گزر چکے ہیں، اور اس عرصے میں ہماری دُوسری والدہ نے دُوسرا عقد کرلیا ہے، جس سے ان کے تین بچے ہیں۔ اب ہم اپنے والد کی وراثت منقولہ و غیر منقولہ کو تقسیم کرنا چاہتے ہیں۔ اب آپ بتائیں کہ ہم میں سے ہر ایک کو کتنا حصہ ملتا ہے؟ اور ہماری دُوسری والدہ کو کتنا حصہ، اگر شرعاً ان کا حق ہو؟ ذرا تفصیل سے بتائیں، مہربانی ہوگی۔

جواب:... آپ کے والد مرحوم کا ترکہ اس کی دونوں بیویوں اور اولاد میں اس طرح تقسیم ہوگا:

پہلی بیوی	دُوسری بیوی	لڑکا	لڑکا	لڑکی
۵	۵	۲۸	۲۸	۱۴

یعنی کل ترکہ کے ۸۰ حصے بناکر آٹھویں حصے کی رُو سے دونوں بیویوں کو ۱۰ حصے (ہر ایک کو ۵، ۵ حصے کرکے ملیں گے، اور بقیہ ۷۰ حصے اس کی اولاد میں اکہرا دُہرا کے حساب سے تقسیم ہوں گے) دونوں لڑکوں کو ۲۸، ۲۸ کرکے، اور لڑکی کو ۱۴ حصے ملیں گے۔

---

(۱) قال تعالٰی: فإن کان لکم ولد فلهن الثمن مما ترکتم۔ (النساء:۱۲)۔ فیفرض للزوجة فصاعدًا الثمن مع الولد أو ولد لإبن۔ (الدر مع الشامیة ج:۶ ص:۷۷۰، کتاب الفرائض، طبع ایچ ایم سعید)۔ قال فی السراجی: أمّا للزوجات فحالتان .. .. والثمن مع الولد أو والد الإبن وان سفل۔ (السراجی، باب معرفة الفروض، فصل فی النساء ص:۸)۔

(۲) وأقرب العصبة الإبن وابن إبنٍ وان سفل وهو إتفاق أهل العلم .... وذالک لقول النبی صلی الله علیه وسلم: ألحقوا الفرائض بأهلها، فما بقی فلا ولی عصبةٍ ذکرٍ۔ (شرح مختصر الطحاوی ج:۴ ص:۹۲، باب العصبة)۔ أیضًا: والعصبات: وهم کل من لیس له سهم مقدر ویأخذ ما بقی من سهام ذوی الفروض، وإذا انفرد أخذ جمیع المال۔ (فتاوی عالمگیری ج:۶ ص:۴۵۱ طبع رشیدیه)۔

(۳) من قطع میراث وارثه قطع الله میراثه من الجنّة یوم القیامة۔ (مشکوٰة ص:۲۶۶، باب الوصایا)۔

الغرض مرحوم کے ترکہ میں دُوسری بیوی کا حصہ بھی ہے۔[1]

دو بیویوں اور ان کی اولاد میں جائیداد کی تقسیم

سوال:... ایک شخص کی دو بیویاں ہیں، ایک سے ایک لڑکا اور دُوسری سے تین لڑکے ہیں، وہ اپنی جائیداد ان پر تقسیم کرنا چاہتا ہے، بعض لوگ کہتے ہیں کہ جائیداد دونوں بیویوں میں تقسیم ہوگی، اور بعض لوگ کہتے ہیں کہ نہیں چاروں لڑکوں میں تقسیم کرنا ہوگی۔ شریعت کی رُو سے اس جائیداد کو کس طرح تقسیم کیا جائے؟

جواب:... شرعاً اس کی جائیداد کا آٹھواں حصہ دونوں بیویوں کے درمیان، اور باقی سات حصے چاروں لڑکوں کے درمیان مساوی تقسیم ہوں گے،[2] گویا اس کی جائیداد کے اگر ۳۲ حصے کرلئے جائیں تو ان میں سے دو دو حصے دونوں بیویوں کو ملیں گے، اور باقی ۲۸ حصے چار لڑکوں پر سات حصے فی لڑکا کے حساب سے برابر تقسیم ہوں گے۔ تقسیم کا نقشہ یہ ہے:

بیوہ	بیوہ	لڑکا	لڑکا	لڑکا	لڑکا
۲	۲	۷	۷	۷	۷

والدہ مرحومہ کی جائیداد میں سوتیلے بہن بھائیوں کا حصہ نہیں

سوال:... ہماری والدہ صاحبہ فوت ہوچکی ہیں، اور ہم دو بھائی ہیں، اور تین بھائی سوتیلے ہیں، آپ بتائیے کہ جائیداد کا وارث کون ہوگا؟

جواب:... جو چیزیں آپ کی والدہ کی ملکیت تھیں، ان کی وراثت تو صرف ان کی اولاد ہی کو پہنچے گی، سوتیلے بھائی بہنوں کو نہیں۔ البتہ آپ کے والد کی جائیداد میں سوتیلے بھائیوں کا بھی برابر کا حصہ ہے،[3] واللہ اعلم!

---

(۱) أمّا للزوجات ...... والثمن مع الولد أو ولد الإبن ... الخ۔ وأما بنات الصلب .... ومع الإبن للذكر مثل حظ الأنثيين وهو يعصبهن۔ (سراجی ص:۷،۸)۔ قال تعالٰی: فإن كان لكم ولد فلهن الثمن مما تركتم۔ (النساء:۱۲)۔ فيفرض للزوجة فصاعدا الثمن مع الولد أو ولد الإبن .... للبنات ست أحوال: ثلاث تحقق في بنات الصلب وبنات الإبن وهي النصف للواحدة والثلثان للأكثر وإذا كان معهن ذكر عصبهن۔ (الدر مع الشامية ج:۶ ص:۷۶۹، ۷۷۰، كتاب الفرائض)۔

(۲) قال تعالٰی: فإن كان لكم ولد فلهن الثمن مما تركتم (النساء:۱۲)۔ وفي السراجي (ص:۷،۸) أما للزوجات .... الثمن مع الولد وولد الإبن ... الخ۔ (ايضًا: شرح مختصر الطحاوی ج:۴ ص:۹۲)۔ العصبات: وهم كل من ليس له سهم مقدر ويأخذ ما بقي من سهام ذوی الفروض وإذا انفرد أخذ جميع المال وإذا اجتمع جماعة من العصبة في درجة واحدة يقسم المال عليهم باعتبار أبدانهم لكل واحد سهم۔ (هندية ج:۶ ص:۴۵۱ طبع رشيديه)۔

(۳) وفي السراجي. ثم بالعصبات من جهة النسب، والعصبة كل من يأخذ ما أبقته أصحاب الفرائض۔ (ص:۳)۔ ثم يرجحون بقوة القرابة أعني به أن ذا القرابتين أولٰى من ذی قرابة واحدةٍ ذكرًا كان أو أنثٰى، لقوله عليه السلام: ان أعيان بني الأمّ يتوارثون دون بني بني العلات كالأخ لأب وأمّ ... الخ۔ (ص:۱۴، باب العصبات، طبع مصباح)۔

مرحوم کی میراث سوتیلے باپ کو نہیں ملے گی

سوال:... میرا ایک پیارا دوست جو کہ ایک بینک میں ملازم تھا، عین عالمِ جوانی میں بجلی کے شاٹ کے بہانے، مالکِ حقیقی سے جاملا، اس کو بینک کی طرف سے کچھ معاوضہ ملنے والا ہے، اور بینک کے قرضے سے اس نے ایک مکان بنوایا تھا، مکان بند پڑا ہے، خود اور والدین کی رہائش دُوسرے اپنے ذاتی مکان میں ہے۔ مرحوم شادی شدہ تھا اور اس کے تین بچے بھی ہیں۔ دو لڑکے، ایک لڑکی۔ اب آیئے مسئلے کی طرف! وہ یہ ہے کہ اس کا جو والد ہے جس کے پاس وہ رہتا تھا، وہ اس کا سگا باپ نہیں ہے، سوتیلا باپ ہے، اس کی ماں نے اس کے ساتھ نکاح کیا تھا، جس کی قومیت بھی دُوسری ہے، ماں زندہ ہے۔ جب تک مرحوم زندہ تھا اس پر یہ باپ بڑا ظلم کرتا تھا، اب کہتا ہے: "اس کا وارث میں ہوں، جو کچھ ہے اور مکان میرا ہے، میرے نام ہونا چاہئے" جبکہ اس کی بیوی کہتی ہے کہ: "میں اس کی بیوی ہوں اور اس کے تین بچے صغیر ہیں، جو کچھ ملے، مجھے اور میرے بچوں کو ملے، تم اس کے سگے باپ بھی نہیں ہو" باپ کہتا ہے: "یہ تمام کی ملکیت ہے، جس کے گھر میں جتنے بھی آدمی ہیں، دس بارہ حصہ دار ہیں۔" بیوی کہتی ہے: "میں اور میرے بچے دربدر ہوجائیں گے۔"

جواب:... مرحوم کے ترکہ سے پہلے اس کا قرض ادا کیا جائے[1]، اور جو کچھ باقی بچے اس میں چھٹا حصہ مرحوم کی والدہ کا ہے، آٹھواں حصہ اس کی بیوی کا ہے، سوتیلے والد کا اس میں کوئی حصہ نہیں، نہ مکان میں، اور نہ روپے پیسے میں، باقی اکہرا دُہرا کے حساب سے بچوں کا ہے۔[2]

تفصیل یہ کہ کل ترکہ کو ۱۲۰ حصوں پر تقسیم کرکے، بیوہ کو ۱۵، ماں کو ۲۰، ہر لڑکے کو ۳۴، ۳۴، اور لڑکی کو ۱۷ حصے دیئے جائیں گے۔ صورتِ مسئلہ یہ ہے:

بیوہ	ماں	لڑکا	لڑکا	لڑکی
۱۵	۲۰	۳۴	۳۴	۱۷

والد مرحوم کا ترکہ دو بیویوں کی اولاد میں تقسیم کرنا

سوال:... ہمارے والد صاحب کا انتقال ہوگیا، والد صاحب کی دو بیویاں تھیں، ایک سے ۳ اور دُوسری سے ۵ بچے ہیں، پہلی بیوی کا انتقال ہوگیا، ورثاء کی تفصیل یہ ہے: پانچ لڑکے اور تین لڑکیاں، اور ایک بیوہ ہے۔ جبکہ کل جائیداد، زیورات بیوہ کے قبضے

(۱) يبدأ من تركة الميت .... بتجهيزه من غير تقتير ولَا تبذير، ثم تقدم ديونه التي لها مطالب من جهة العباد ... الخ. (درمختار ج:۶ ص:۷۶۰، كتاب الفرائض).

(۲) قال تعالىٰ: ولأبويه لكل واحد منهما السدس مما ترك إن كان له ولد. (النساء: ۱۱). وقال تعالىٰ: فإن كان لكم ولد فلهن الثمن مما تركتم من بعد وصية توصون بها أو دين. (النساء: ۱۲). وقال تعالىٰ: يوصيكم الله في أولادكم للذكر مثل حظ الأنثيين. (النساء: ۱۱). وإن اختلط الذكور والإناث فالمال بينهم للذكر مثل حظ الأنثيين. (خلاصة الفتاوىٰ ج:۴ ص:۳۶۰، كتاب الفرائض، طبع رشيديه).

میں ہے اور وہ عدت میں ہے۔

جواب:... مرحوم کا کل ترکہ بعد از ادائے قرض ونفاذِ وصیت ۱۰۴ حصوں پر تقسیم ہوکر وارثوں کو حسبِ ذیل حصے ملیں گے:

بیوہ	لڑکا	لڑکا	لڑکا	لڑکا	لڑکا	لڑکی	لڑکی	لڑکی
۱۳	۱۴	۱۴	۱۴	۱۴	۱۴	۷	۷	۷

مرحوم کی بیوہ کا اس کی جائیداد پر اپنے حصے سے زیادہ قابض ہونا ناجائز ہے۔[۱]

مرحوم کا ترکہ کیسے تقسیم ہوگا جبکہ والد، بیٹی اور بیوی حیات ہوں؟

سوال:... میرا نام غزالہ شفیق احمد ہے، میں اپنے والد کی اکلوتی بیٹی ہوں، میری پیدائش کے دو سال بعد میرے والدین میں علیحدگی ہوگئی تھی، اس کے پانچ سال بعد میرے والد نے دُوسری شادی کرلی تھی، لیکن ان سے کوئی اولاد نہیں ہوئی۔ اب مسئلہ یہ ہے کہ میرے والد کا انتقال ہوگیا ہے اور ان کا ایک مکان اور دُکان جو ۸۰ گز پر ہے، جو کہ پہلے میرے دادا نے (جو ماشاء اللہ حیات ہیں) خریدا اور بنوایا تھا، اور اپنے بیٹے شفیق کے نام گفٹ کردیا تھا، اور اس کے تین سال بعد میرے والد کا انتقال ہوگیا۔ اب جبکہ میں ان کی اکلوتی بیٹی، ان کی دُوسری بیوی اور ان کے والد حیات ہیں، مہربانی کرکے آپ یہ بتائیں کہ والد کے انتقال کے بعد ہم سب کا کتنا حصہ بنتا ہے؟

جواب:... آپ کے مرحوم والد کا کل ترکہ (ادائے ماوجب کے بعد) چوبیس حصوں میں تقسیم ہوگا، تین حصے آپ کی سوتیلی والدہ کے، بارہ حصے (یعنی کل ترکہ کا آدھا) آپ کا،[۲] اور باقی ماندہ نو حصے آپ کے دادا کے ہیں۔[۳] صورتِ مسئلہ یہ ہے:

بیوہ	بیٹی	والد
۳	۱۲	۹

اور ہاں! آپ نے یہ نہیں لکھا کہ آپ کی دادی صاحبہ بھی زندہ ہیں یا نہیں؟ اگر دادی صاحبہ نہ ہوں تب تو مسئلہ وہی ہے جو

---

(۱) قال تعالیٰ: ولأبویه لکل واحد منهما السدس مما ترک إن کان له ولد (النساء: ۱۱)۔ وقال تعالیٰ: فإن کان لکم ولد فلهن الثمن مما ترکتم من بعد وصیة توصون بها أو دین (النساء: ۱۲)۔ وقال تعالیٰ: یوصیکم الله فی أولادکم للذکر مثل حظ الأنثیین (النساء: ۱۱)۔ وإن اختلط الذکور والإناث فالمال بینهم للذکر مثل حظ الأنثیین۔ (خلاصة الفتاوی ج:۴ ص:۲۱۲، کتاب الفرائض طبع رشیدیه کوئٹه)۔

(۲) أما الزوجات . . . . . الثمن مع الولد أو ولد الإبن وإن سفل۔ وأما لبنات الصلب فأحوال ثلاث النصف للواحدة . . إلخ۔ (سراجی ج:۸)۔ وللزوجة الربع عند عدمهما والثمن مع أحدهما والزوجات والواحدة یشترکن فی الربع والثمن وعلیه الإجماع . . . إلخ۔ (عالمگیری ج:۶ ص:۴۵۰، کتاب الفرائض، الباب الثانی فی ذوی الفروض طبع رشیدیه)۔ وأما النساء فالأولیٰ البنت ولها النصف إذا انفردت۔ (هندیة ج:۶ ص:۴۴۸، کتاب الفرائض، الباب الثانی)۔

(۳) وأما الأب فله أحوال ثلث الفرض المطلق وهو السدس وذالک مع الإبن أو إبن الإبن وإن سفل، الفرض والتعصیب معًا وذالک مع الإبنة، أو إبنة الإبن وإن سفلت۔ (السراجی فی المیراث ص:۶، باب معرفة الفروض، طبع المصباح)۔

میں نے اُوپر لکھ دیا، اور اگر دادی صاحبہ بھی موجود ہوں تو کل ترکہ کا چھٹا حصہ ان کو دیا جائے گا،[1] اس صورت میں ترکہ کے ۲۴ حصے ہوں گے، ان میں ۳ مرحوم کی بیوہ کے، ۴ والدہ کے، ۱۲ بیٹی کے اور ۵ والد کے۔ تقسیم کا نقشہ یہ ہے:

بیوہ	بیٹی	والدہ	والد
۳	۱۲	۴	۵

تین شادیوں والے والد کا ترکہ کیسے تقسیم ہوگا؟

سوال:... ہم تین بھائی اور تین بہنیں ہیں، صرف میں پاکستان میں ہوں، باقی سب ہندوستان میں ہیں۔ والد صاحب کا ہندوستان میں انتقال ہو چکا ہے، والد صاحب نے تین شادیاں کی تھیں، پہلی والدہ سے ایک بھائی اور ایک بہن، دُوسری والدہ سے میں تنہا، اور تیسری والدہ سے ایک بھائی اور دو بہنیں ہیں۔ صرف تیسری والدہ بقیدِ حیات ہیں۔ والد صاحب کے ترکہ کی تقسیم جو ایک مکان اور زمین کی شکل میں ہیں اس کی فروخت کس طور پر ہوگی؟ وضاحت سے جواب دیجئے گا۔

جواب:... آپ کے والد مرحوم کا ترکہ (ادائے قرض ونفاذِ وصیت از ثلث مال کے بعد)[2] ۷۲ حصوں پر تقسیم ہوگا، ان میں سے ۹ حصے بیوہ کے ہیں، ۱۴، ۱۴ لڑکوں کے، اور ۷، ۷ لڑکیوں کے، نقشہ حسبِ ذیل ہے:[3]

بیوہ	لڑکا	لڑکا	لڑکا	لڑکی	لڑکی	لڑکی
۹	۱۴	۱۴	۱۴	۷	۷	۷

دُوسری شادی کے بعد پہلی بیوی کی اولاد کو وراثت سے محروم کرنا

سوال:... دُوسری شادی کے بعد جس طرح پہلی بیوی سے تعلق ختم ہو جاتا ہے، تو کیا اولاد سے بھی ہو جاتا ہے؟ ایک صاحب نے اپنی بیوی کو کسی بھی وجہ سے طلاق دی، مگر بعد میں انہوں نے اپنی پہلی بیوی کی اولاد سے بھی تعلق تقریباً ختم کرلیا، جن میں صرف لڑکیاں ہی ہیں، اور اَب اپنی جائیداد میں سے بھی لڑکیوں کو کوئی حصہ دینے پر راضی نہیں ہیں، ان کا کہنا ہے کہ میری تمام جائیداد کی وارث میری موجودہ اولاد ہے۔ کیا یہ اسلام کے عین مطابق ہے؟

---

(۱) الثالثة الأمّ ولها ثلاثة أحوال السدس مع الولد وولد الإبن أو إثنين من إخوة والأخوات من أى جهة كانوا ... إلخ. (هندية ج ۲ ص ۴۴۹، كتاب الفرائض، الباب الثاني في ذوي الفروض طبع رشيديه). أما للأمّ فأحوال ثلاث السدس مع الولد وولد الإبن وإن سفل. (سراجي ص:۱۱، باب معرفة الفروض ومستحقيها، فصل في النساء).

(۲) تتعلق بتركة الميت حقوق أربعة مرتبة، الأول يبدأ بتكفينه وتجهيزه من غير تقتير ولا تبذير، ثم تقضى ديونه من جميع ما بقي من ماله، ثم تنفذ وصاياه من ثلث ما بقي بعد الدين، ثم يقسم الباقي بين ورثته. (سراجي ص ۳،۲).

(۳) قال تعالىٰ: فإن كان لكم ولد فلهن الثمن من بعد وصية توصون بها أو دين. (النساء:۱۲). قال في السراجي: أما الزوجات فحالتان ... والثمن مع الولد وولد الإبن وإن سفل. (ص:۸، باب معرفة الفروض، فصل في النساء). قال الله تعالىٰ: يوصيكم الله في أولادكم للذكر مثل حظ الأنثيين. (النساء:۱۱). وإذا اختلط البنون والبنات، عصب البنون البنات، فيكون للإبن مثل حظ الأنثيين. (فتاوىٰ عالمگیری ج:۶ ص:۴۴۸، كتاب الفرائض، الباب الثاني، أيضًا: السراجي ص ۹).

جواب:... اسلام کے عین مطابق نہیں، بلکہ اسلام کے عین خلاف ہے۔ اس شخص کی تمام اولاد حصہ رسدی میں برابر کی وارث ہے، خواہ پہلی بیوی سے ہو یا دُوسری بیوی سے۔ اگر پہلی بیوی کی اولاد کو محروم کرنا چاہے، وہ تب بھی محروم نہیں ہوگی۔[1] البتہ اپنی جائز اولاد کو محروم کرکے یہ شخص اپنے لئے جہنم ضرور خرید ے گا۔ ایک حدیث میں ہے کہ ایک شخص ساٹھ سال تک نیک عمل کرتا رہتا ہے، لیکن وہ آخری وقت میں کوئی غلط وصیت کرکے وارثوں کو نقصان پہنچاتا ہے، جس کی وجہ سے اس کے لئے دوزخ واجب ہوجاتی ہے۔ (مشکوٰۃ ص:۲۶۶)۔[2] ایک اور حدیث میں ہے: جو شخص اپنے وارث کو وراثت سے محروم کرے گا، اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اسے جنت کی میراث سے محروم کردیں گے۔ (ایضاً)[3] بڑی بے عقلی کی بات ہے کہ آدمی دُوسروں کی دُنیا بنانے کے لئے اپنی عاقبت برباد کرلے۔

(۱) ويستحق الإرث بإحدى خصال ثلاث: بالنسب وهو القرابة، والسبب وهو الزوجية، والولاء. (عالمگیری ج ۶ ص:۴۴۷، كتاب الفرائض، طبع رشيديه).

(۲) وان الرجل ليعمل والمرأة بطاعة الله ستين سنة ثم يحضرهما الموت فيضارّان في الوصية فتجب لهما النار. (مشكوة ص.۲۶۶، كتاب الوصايا).

(۳) من قطع ميراث وارثه قطع الله ميراثه من الجنّة يوم القيامة. (مشكوة ص:۲۶۶، كتاب الوصايا).

ترکہ میں بھائی، بہن، بھتیجے، چچا، پھوپھی وغیرہ کا حصہ

مرحوم کے تین بھائیوں، تین بہنوں اور دو لڑکیوں میں ترکہ کی تقسیم کیسے ہوگی؟

سوال:... ایک شخص کا انتقال ہوگیا ہے، اس کے ۳ بھائی، اور ۳ بہنیں ہیں، اور اس کی صرف دو لڑکیاں ہیں، جائیداد کس طرح تقسیم ہوگی؟

جواب:... مرحوم کے ترکہ کے ۲۷ حصے ہوں گے، نو، نو دونوں لڑکیوں کے، دو، دو تینوں بھائیوں کے، اور ایک ایک تینوں بہنوں کا۔[1] تقسیم کا نقشہ یہ ہے:

لڑکی	لڑکی	بھائی	بھائی	بھائی	بہن	بہن	بہن
۹	۹	۲	۲	۲	۱	۱	۱

بے اولاد پھوپھی مرحومہ کی جائیداد میں بھتیجی کی اولاد کا حصہ

سوال:... چند مہینے پہلے میری امی مرحومہ کی پھوپھی صاحبہ کا انتقال ہوگیا، مرحومہ بے اولاد تھیں اور انہوں نے کافی جائیداد اپنے پیچھے چھوڑی ہے۔ ان کے وارثوں میں ان کے بھتیجے اور بھتیجیاں ہیں، یہ وارث تین بھائیوں کی اولادیں ہیں، ان تینوں بھائی کا بھی انتقال ہو چکا ہے، پہلے بھائی کی اولاد میں ۲ لڑکے اور ۴ لڑکیاں ہیں، جن میں سے ایک لڑکی (یعنی میری امی) کا انتقال ہو چکا ہے، دُوسرے بھائی کی اولاد میں ۳ لڑکے ہیں۔ تیسرے بھائی کی اولاد میں ۲ لڑکیاں اور ۴ لڑکے ہیں، جن میں سے ایک لڑکے کا انتقال ہو چکا ہے، ان دونوں بھتیجا اور بھتیجی کا انتقال پھوپھی صاحبہ کی زندگی میں ہی ہوگیا تھا۔ آپ سے پوچھنا یہ ہے کہ کیا وراثت میں اس بھتیجا اور بھتیجی کا بھی حق ہے جن کا انتقال پھوپھی صاحبہ کی زندگی میں ہو چکا ہے؟ کیونکہ وہ دونوں صاحبِ اولاد تھے۔ اور کیا ان کا حق ان کے بچوں کو ملنا چاہئے یا نہیں؟ کیونکہ میں نے سنا ہے کہ سگے نواسے یا نواسی، پوتا، پوتی کے والدین اگر اپنے والدین کی زندگی میں ہی وفات پاچکے ہوں تو انہیں وراثت میں حق نہیں ملتا، لیکن جو رشتے کے نواسے یا نواسی یا پوتے، پوتی ہوتے ہیں انہیں ان کا حق ملتا ہے۔

---

(۱) قال تعالیٰ: فإن کن نساءً فوق اثنتین فلهن ثلثا ما ترک۔ (النساء: ۱۱)۔ قال فی السراجی (ص:۸)۔ وأما لبنات الصلب فأحوال ثلاث ..... والثلثان للإثنین فصاعدةً۔ قال الله تعالیٰ: وإن کانوا إخوة رجالًا ونساءً فللذکر مثل حظ الأنثیین۔ (النساء:۱۷۶)۔ وفی السراجی: وأما الأخوات لأب وأمّ فأحوال خمس .... ومع الأخ لأب وأمّ للذکر مثل حظ الأنثیین یصرن به عصبة ...إلخ۔ (السراجی فی المیراث، باب معرفة الفروض، فصل فی النساء ص:۱۰)۔

اس کے علاوہ مرحومہ پھوپھی صاحبہ کی ایک سوتیلی بہن بھی تھی، یعنی باپ تو ایک لیکن ماں دو، ان کا بھی انتقال ہو چکا ہے، ان کی اولاد کا وراثت میں حق ہے یا نہیں؟ نیز یہ کہ جائیداد میں سے کیا ان بچوں کو بھی حصہ ملے گا جن کے والدین اپنی پھوپھی کی زندگی میں ہی وفات پاچکے تھے؟

جواب:... آپ کی امی مرحومہ کی پھوپھی کی جائیداد میں آدھا حصہ تو پھوپھی کی سوتیلی بہن کا ہے،[1] (اس کے انتقال کے بعد اس کے لڑکے، لڑکیوں اور شوہر کو ملے گا)، باقی نصف حصہ پھوپھی کے ان بھتیجوں کا ہے جو پھوپھی کی وفات کے وقت موجود تھے، ان سب بھتیجوں کو برابر ملے گا۔[2] بھتیجیوں کو (جن میں آپ کی والدہ بھی شامل ہیں) کچھ نہیں ملے گا،[3] جو بھتیجے، پھوپھی سے پہلے انتقال کر گئے ان کو بھی کچھ نہیں ملے گا۔ مرحومہ کی جائیداد کی تقسیم کی صورت یہ ہے:

سوتیلی بہن	بھتیجا	بھتیجا	بھتیجا	بھتیجا	بھتیجا	بھتیجا	بھتیجا	بھتیجا
۸	۱	۱	۱	۱	۱	۱	۱	۱

نانا کے ترکے کا حکم

سوال:... عرض یہ ہے کہ میرے نانا جان اب سے دو مہینے قبل وفات پاچکے ہیں، انہوں نے ترکہ میں کچھ رقم اور ایک مکان چھوڑا ہے، رقم کو ان کی تجہیز و تکفین وغیرہ میں خرچ کر دیا ہے، اب صرف مکان رہ گیا ہے۔ میرے نانا کی اولاد میں سے ایک میری والدہ ہیں جو میرے ساتھ مقیم ہیں، اور ایک میری خالہ تھیں جن کا انڈیا (بھارت) میں ہی ۱۹۶۵ء میں انتقال ہو گیا، اور ان کے بچے وغیرہ انڈیا ہی میں رہ رہے ہیں۔ ان کا ہم سے کوئی رابطہ نہیں۔ یہاں یہ بھی وضاحت کرنا ضروری سمجھتا ہوں کہ ہم لوگوں کے خالہ سے اختلافات بھی نہیں تھے، بس ہم دونوں خاندان کسی ایک جگہ مستقل قیام نہ کرنے کی وجہ سے کسی سے کوئی خط و کتابت یا رابطہ نہیں رکھ سکے اور نہ ہمارے پاس ایک دُوسرے کا پتا ہے۔ عرض یہ ہے کہ میری والدہ کے علاوہ نانا کی کوئی اولاد نہیں ہے، اور والدہ کی طرف سے ہم پانچ بھائی اور تین بہنیں ہیں۔ معلوم یہ کرنا چاہتا ہوں کہ ان کے ترکہ کی رقم کا ہم میں کون کون حق دار ہے اور کس تناسب سے؟ اس کے علاوہ میری والدہ کی خواہش ہے کہ تمام رُقوم کو ہم سب بھائی بہن خود میں برابر برابر تقسیم کرلیں، تو کیا شرعی طور پر ایسا کرنے پر کوئی ممانعت تو نہیں ہے؟ اس کے علاوہ اگر میں اپنے حصے کی رقم نہ لینا چاہوں یا کسی کے حق میں دستبردار ہونا چاہوں تو کیا ایسا کرسکتا ہوں کہ

---

(۱) والأخوات لأب .... النصف للواحدة. (سراجی ص:۱۱، باب معرفة الفروض).

(۲) اما العصبة بنفسه .... أولٰهم بالميراث جزء الميت .... ثم جزء أبيه أى الإخوة ثم بنوهم ... إلخ. (سراجی ص:۱۴ باب العصبات).

(۳) کیونکہ بھتیجے عصبہ ہیں اور بھتیجیاں ذوی الارحام ہیں، اور قانوناً عصبہ کی موجودگی میں ذوی الارحام محروم ہوتے ہیں۔ باب ذوی الأرحام ذو الرحم هو كل قريب ليس بذى سهم ولا عصبة. (سراجی ص:۳۴). باب توريث ذوى الأرحام هو كل قريب ليس بذى سهم ولا عصبة فهو قسم ثالث حينئذٍ، ولا يرث مع ذى سهم ولا عصبة سوى الزوجين ... إلخ. (الدر المختار على هامش الطحاوى ج:۴ ص:۳۹۲). والصنف الثالث ينتمى إلى أبوى الميت وهم أولاد الأخوات وبنات الإخوة ... إلخ. (سراجی ص:۳۵ باب ذوى الأرحام).

نہیں؟ جواب سے مطلع فرماکر میری پریشانی دُور فرمادیں، عین نوازش ہوگی۔

جواب:... اگر آپ کے نانا مرحوم کے بھائی بھتیجے ہوں یا ان کی اولاد ہو تو ان کو تلاش کیا جائے، اگر بھائی یا بھائی کی اولاد نہ ہو تو ان کے (نانا کے) چچا کی اولاد، وہ نہ ہو تو باپ کے چچا کی اولاد، دادا کے چچا کی اولاد، علیٰ ہٰذا، اُوپر تک ان کے جدی خاندان میں کوئی موجود ہو تو ان کو تلاش کیا جائے، اگر (اُوپر کی ذکر کردہ ترتیب کے مطابق) مل جائیں تو نصف تو آپ کی والدہ ہے اور باقی نصف جدی وارثوں کا،(۱) اور اگر جدی وارثوں میں سے کوئی بھی زندہ نہیں تو پورا مکان آپ کی والدہ کا ہے، وہ جس طرح چاہیں تقسیم کرسکتی ہیں۔(۲)

مرحوم کی وراثت کے مالک بھتیجے ہوں گے نہ کہ بھتیجیاں

سوال:... الف، ب، ج، تینوں بھائی فوت ہوگئے، ''د'' جو لاولد ہے، زندہ رہا، اس کی زندگی میں اس کی اہلیہ بھی فوت ہوگئی، اب ''د'' بھی فوت ہوگیا ہے، ''د'' نے انتقال کے وقت اپنے پیچھے ایک مکان اور کچھ نقد رقم چھوڑی ہے، جس کی قیمت رائج الوقت سکہ کے مطابق تقریباً ایک لاکھ روپیہ بنتی ہے۔ ''د'' کا ماسوائے تینوں بھائیوں کی اولاد کے اور کوئی وارث نہیں ہے، اب یہ ترکہ کس کو ملے گا؟

جواب:... شرعاً اس کے وارث اس کے بھتیجے ہوں گے، بھتیجیاں وارث نہیں ہوں گی۔(۳)

مرحومہ کی جائیداد کی تقسیم کیسے ہوگی جبکہ قریبی رشتہ دار نہ ہوں؟

سوال:... ہمارے خاندان میں ایسی عورت کا انتقال ہوا جس کا کوئی حقیقی وارث نہیں ہے، شوہر، ماں باپ، بہن بھائی سب مرحومہ کی زندگی میں انتقال کرگئے۔ اب اس کے ایک سگے مرحوم بھائی اور ایک سگی مرحومہ بہن کی حقیقی اولاد موجود ہے۔ مرحوم بھائی کی اولاد میں ایک بیٹا اور ایک بیٹی حیات ہیں، جبکہ اس بھائی کی ایک صاحبِ اولاد بیٹی کا مرحومہ کی زندگی میں انتقال ہوچکا، لیکن اس کا شوہر و اولاد موجود ہے، اسی طرح مرحومہ بہن کی اولاد میں دو بیٹے اور تین بیٹیاں حیات ہیں، جبکہ اس کا ایک صاحبِ اولاد بیٹا مرحومہ کی زندگی میں انتقال کرچکا ہے، لیکن اس کی اولاد موجود ہے، اس عورت کی جائیداد کی تقسیم شرعاً کس طرح ہوسکتی ہے؟

---

(۱) أما العصبة بنفسه ..... أولهم بالميراث جزء الميت أى البنون ثم بنوهم ثم أصله أى الأب ثم الجد .... ثم جزء أبيه أى الإخوة ثم بنوهم وإن سفلوا ثم جزء جده أى الأعمام ثم بنوهم ...إلخ. (سراجى ص:۱۴، باب العصبات). وأما بنات الصلب فأحوال ثلاث النصف للواحدة ...إلخ. (سراجى ص:۸، باب معرفة الفروض، فصل فى النساء).

(۲) ما فضل من المخرج عن فرض ذوى الفروض ولَا مستحق له من العصبة يرد ذٰلك الفاضل عل ذوى الفروض بقدر حقوقهم. (الشريفية شرح السراجية ص:۷۴ باب الرد، طبع مكتبه حقانيه).

(۳) ومن لَا فرض لها من الإناث وأخوها عصبة لَا تصير عصبة بأخيها كالعم والعمة .... كان المال كله للعم دون العمة وكذا الحال فى .... ابن الأخ مع بنت الأخ. (شريفية شرح سراجى، باب العصبات ص:۳۰). وباقى العصبات يتفرد بالميراث ذكورهم دون أخواتهم وهم أربعة أيضًا العم، وابن العم وابن الأخ ...إلخ. (عالمگيرى ج:۶ ص:۴۵۱).

جواب:... مرحومہ کا وارث صرف اس کا بھتیجا ہے، اس کے علاوہ سوال میں ذکر کئے گئے لوگوں میں سے کوئی وارث نہیں۔[1]

بھتیجے وراثت میں حق دار ہیں

سوال:... زید انتقال کے وقت کنوارا تھا، اس نے ترکہ میں ایک پلاٹ چھوڑا تھا، انتقال کے وقت زید کے دو بھائی اور تین بہنیں تھیں، جو کہ اس پلاٹ کے قانونی ورثاء بنے، اسی عرصے میں ایک بھائی کا اور انتقال ہوگیا، کیا دُوسرے بھائی کے بچے بھی جس کا بعد میں انتقال ہوا پلاٹ کے قانونی ورثاء سمجھے جائیں گے؟ زید کے والدین بہت پہلے انتقال کرچکے ہیں۔

جواب:... جی ہاں! مرحوم بھائی کے انتقال کے بعد اس کی اولاد اس کے حصے کی وارث ہوگی، کیونکہ اس بھائی کا انتقال زید کے بعد ہوا ہے۔[2]

غیرشادی شدہ مرحوم کی وراثت، چچا، پھوپھی اور ماں کے درمیان کیسے تقسیم ہوگی؟

سوال:... ایک شخص غیرشادی شدہ (کنوارا) وفات پاگیا، اس کے ورثاء میں سے ایک والدہ ہے، ایک حقیقی چچا ہے، اور ایک حقیقی پھوپھی ہے۔ ازرُوئے فقہِ حنفیہ ان ورثاء کے حصوں کا تعین فرمایا جائے۔

جواب:... ترکہ کے تین حصے ہوں گے، ایک تہائی ماں کا،[3] اور دو تہائی چچا کا۔[4] نقشہ تقسیم مندرجہ ذیل ہے:

ماں	چچا	پھوپھی
۱	۲	محروم

بہن، بھتیجوں اور بھانجوں کے درمیان وراثت کی تقسیم

سوال:... محمد اسماعیل کا انتقال ہوگیا، مرحوم کی ایک حقیقی بہن، چار بھتیجے، ایک بھتیجی، دو بھانجے اور ایک بھانجی ہے، والدین اور اولاد کوئی نہیں، نہ بیٹا، بیٹی ہیں، نہ پوتا، پوتی، صرف مذکورہ بالا وارث ہیں، لہٰذا صورتِ مسئولہ میں مرحوم کی وراثت کا شرعی تقسیم طریقہ کیا ہوگا؟ ایک مکان تھا، اس کو فروخت کردیا گیا، دفتر سے کاغذات بنوانے میں تین ہزار روپیہ خرچ ہوا، تقریباً بارہ ہزار روپیہ کا قرضہ تھا، وہ بھی ادا کردیا گیا، مکان فروخت ہوا تیس ہزار میں سے پندرہ ہزار خرچ ہوگئے، اب صرف پندرہ ہزار روپیہ باقی ہے، لہٰذا آنجناب سے گزارش ہے کہ مرحوم کی وراثت کی تقسیم کا شرعی طریقہ کیا ہوگا اور کس کس وارث کو کتنا کتنا حصہ ملے گا؟

---

(۱) وباقي العصبات ينفرد بالميراث ذكورهم دون أخواتهم وهم أربعة أيضًا العم، وابن العم وابن الأخ ۔ إلخ۔ (عالمگیری ج:۶ ص:۴۵۱، كتاب الفرائض، الباب الثالث في العصبات)۔

(۲) أما العصبة بنفسه ۔ ...... أولٰهم بالميراث جزء الميت أي البنون ثم بنوهم ...... ثم جزء أبيه أي الإخوة ثم بنوهم وإن سفلوا ...إلخ۔ (سراجی ص:۱۴، باب العصبات)۔

(۳) قال تعالٰى. فإن لم يكن له ولد وورثه أبواه فلأمه الثلث۔ (النساء:۱۲)۔ وللأمّ الثلث الكل عند عدم هؤلاء المذكورين أي عند عدم الولد وولد الإبن ...إلخ (شريفية شرح سراجی ص:۳۰، باب معرفة الفروض)۔

(۴) فأقرب العصبات الإبن ... ۔ ثم العم لأب وأمّ ...إلخ۔ (فتاوىٰ عالمگیری ج:۶ ص:۴۵۱، كتاب الفروض)۔

جواب:... مرحوم کا ترکہ ادائے قرض اور نفاذِ وصیت کے بعد آٹھ حصوں پر تقسیم ہوگا، چار حصے بہن کے،[1] اور ایک ایک حصہ چاروں بھتیجوں کا۔[2] بھتیجی، بھانجے اور بھانجی کو کچھ نہیں ملے گا۔[3] نقشہ یہ ہے:

بہن	بھتیجا	بھتیجا	بھتیجا	بھتیجا	بھتیجی	بھانجے	بھانجی
۴	۱	۱	۱	۱	محروم	محروم	محروم

بیوی، لڑکوں اور لڑکیوں کے درمیان وراثت کی تقسیم

سوال ا:... میری عمر تقریباً ۶۵ سال ہے، میری بیوی حیات ہے، میری دو بیٹیاں ہیں، دونوں شادی شدہ ہیں، اپنے شوہروں اور اولاد کے ساتھ خوش وخرم ہیں۔ ان کے شوہر اللہ کے فضل سے کھاتے پیتے اور تسلی بخش حیثیت کے مالک ہیں۔ میرے دو بھائی ہیں، وہ بھی صاحبِ اولاد ہیں اور تسلی بخش مالی حیثیت کے مالک ہیں۔ میری بہن نہیں ہے، والدین دونوں فوت ہوچکے ہیں، مکان یا زمین کی صورت میں میری کوئی غیرمنقولہ جائیداد نہیں ہے، صرف کچھ نقد ہے، کچھ حصص اور بینک میں پی ایل ایس میں محفوظ رقم ہے۔ اگر میں مندرجہ بالا صورت میں فوت ہوجاؤں تو میرے اثاثے کی تقسیم میرے ورثاء میں کیسے ہوگی؟

جواب:... آپ کو کیا معلوم ہے کہ آپ کے مرنے کے وقت آپ کے کون کون وارث موجود ہوں گے؟ اور جب تک یہ معلوم نہ ہو، میں وراثت کے حصے کیسے بتاؤں؟ البتہ یہ کہہ سکتا ہوں کہ اگر آپ کی موت کے وقت یہی وارث ہوئے تو آٹھواں حصہ آپ کی بیوی کو ملے گا، دوتہائی دونوں لڑکیوں کو،[4] اور جو باقی بچے گا وہ دونوں بھائیوں کو ملے گا۔[5] نقشہ تقسیم یہ ہے:

---

(۱) أما الأخوات لأب وأمّ ...... النصف للواحدة لقوله تعالٰى وله أخت فلها نصف ما ترك. (شريفية شرح سراجي ص:۲۶، باب معرفة الفروض، فصل في النساء).

(۲) اما العصبة بنفسه .... أولٰهم بالميراث جزء الميت أى البنون ثم بنوهم ...... ثم جزء أبيه أى الإخوة ثم بنوهم وإن سفلوا ...إلخ. (سراجي ص:۱۴، باب العصبات).

(۳) کیونکہ یہ ذوی الارحام ہیں اور عصبہ کی موجودگی میں ذوی الارحام کو حصہ نہیں ملتا۔ باب ذوى الأرحام، ذو الرحم هو كل قريب ليس بذى سهم ولَا عصبة. (سراجي ص:۳۴). باب توريث ذوى الأرحام هو كل قريب ليس بذى سهم ولَا عصبة فهو قسم ثالث حينئذٍ، ولَا يرث مع ذى سهم ولَا عصبة سوى الزوجين ...إلخ. (الدر المختار علٰى هامش الطحطاوى ج:۴ ص:۲۹۶). والصنف الثالث ينتمى إلٰى أبوى الميت وهم أولَاد الأخوات وبنات الإخوة ...إلخ. (سراجي ص:۳۵).

(۴) كما قال الله تبارك وتعالٰى: فإن كان لكم ولد فلهن الثمن مما تركتم من بعد وصية توصون بها أو دين. (النساء:۱۲). أما الزوجات .... .. والثمن مع الولد أو ولد الإبن وإن سفل. اما بنات الصلب ...... والثلثان للإثنين فصاعدةً. (سراجي ص:۸، باب معرفة الفروض، فصل في النساء).

(۵) أما العصبة بنفسه فكل ذكر لَا تدخل فى نسبته إلى الميت انثٰى وهم أربعة أصناف .... الأقرب فالأقرب يرجحون بقرب الدرجة أعنى أولٰهم بالميراث جزء الميت أى البنون .... ثم جزء أبيه أى الإخوة ثم بنوهم وإن سفلوا. (سراجي ص:۱۴، باب العصبات). والعصبة كل من يأخذ ما أبقته أصحاب الفرائض وعند الإنفراد يحرز جميع المال. (سراجي ص ۳).

بیوہ	لڑکی	لڑکی	بھائی	بھائی
۶	۱۲	۱۲	۵	۵

فرض کیجئے تیس ہزار کی رقم ہے، دس، دس ہزار دونوں بیٹیوں کو ملے گا، ۳۷۵۰ (پونے چار ہزار) بیوی کو، اور ۶۲۵۰ (چھ ہزار دو سو پچاس) آپ کے دونوں بھائیوں کا ہوگا۔

سوال ۲:... اگر میری بیوی مجھ سے پہلے سدھارے تو اس صورت میں میرے ورثاء کے حقوق میں کیا تبدیلی ہوگی؟

جواب:... اس صورت میں دو تہائی دو لڑکیوں کا، اور ایک تہائی دونوں بھائیوں کا ہوگا۔[۱]

سوال ۳:... کیا میری بیوی اور بیٹیوں کی موجودگی میں میرے بھائی یا ان کی اولاد بھی میرے وارث ٹھہرتے ہیں؟

جواب:... جی ہاں! لڑکیوں کا دو تہائی اور بیوی کا آٹھواں حصہ دینے کے بعد جو باقی رہتا ہے، بھائی اس کے وارث ہیں، اور اگر بھائی نہ ہوں تو بھتیجے وارث ہیں۔[۲]

بیوہ، بھائی، تین بہنوں کے درمیان جائیداد کیسے تقسیم ہوگی؟

سوال:... میرا دوست تھا، اس کا انتقال ہوگیا، اس کی کوئی اولاد نہیں ہے، آپ سے یہ مسئلہ معلوم کرنا ہے کہ اسلام کے مطابق اس کی جائیداد و مال کی کس طرح تقسیم ہوگی؟ اس کی ایک بیوی ہے، ایک سگا بھائی، تین سگی بہنیں، اور ایک سگا چچا بھی ہے۔ اس میں کس کس کا کتنا حق ہے؟ اور کس کا بالکل حق نہیں ہے؟ جو اس نے زیور سونا چھوڑا ہے اس پر صرف بیوی کا حق ہے یا اس کو بھی جائیداد و مال میں شامل کرکے تقسیم کیا جائے؟

جواب:... ادائے قرض و نفاذِ وصیت کے بعد مرحوم کی جائیداد بیس حصوں میں تقسیم ہوگی، ان میں پانچ حصے بیوہ کے ہیں،[۳] چھ بھائی کے اور تین، تین بہنوں کے۔[۴] چچا کو کچھ نہیں ملے گا۔[۵] زیور اگر بیوی کے مہر میں دے دیا تھا تو اس کا ہے، ورنہ ترکہ میں شامل ہوگا۔ تقسیمِ میراث کا نقشہ یہ ہے:

بیوہ	بھائی	بہن	بہن	بہن
۵	۶	۳	۳	۳

---

(۱) یوصیکم الله فی أولَادکم للذکر مثل حظ الأنثیین فإن کن نساءً فوق اثنتین فلهن ثلثا ما ترک۔ (النساء: ۱۱)۔ أما العصبة بنفسه فکل ذکر لَا تدخل فی نسبته إلی المیت انثٰی وهم أربعة أصناف .... الأقرب فالأقرب یرجحون بقرب الدرجة أعنی أولٰهم بالمیراث جزء المیت أی البنون .... ثم جزء أبیه أی الإخوة ثم بنوهم وإن سفلوا۔ (سراجی ص۱۴،۱۳، باب العصبات)۔ والعصبة کل من یأخذ ما أبقته أصحاب الفرائض۔ (سراجی ص:۴)۔

(۲) ایضاً۔

(۳) اما للزوجات فحالتان الربع للواحدة فصاعدة عند عدم الولد وولد الإبن ...إلخ۔ (سراجی ص:۷)۔

(۴) اما الأخوات لأب وأمّ .... ومع الأخ لأب وأم للذکر مثل حظ الأنثیین یصرن به عصبة ...إلخ۔ (سراجی ص:۱۰)۔

(۵) فأقرب العصبات الإبن ثم ابن الإبن .... ثم العم ...إلخ۔ (عالمگیری ج:۶ ص:۴۵۱، کتاب الفرائض)۔

بیوہ، والدہ اور بہن بھائیوں کے درمیان وراثت کی تقسیم

سوال:... ہمارے بڑے بھائی کا انتقال ہوگیا ہے، مرحوم نے لواحقین میں والدہ، ۴ بھائی، ۴ بہنیں شادی شدہ، بیوہ اور ایک سوتیلی بیٹی شادی شدہ خوش حال چھوڑی ہے۔ جناب سے عرض ہے کہ مرحوم کا ترکہ وارثین میں شریعت اور قانون کے مطابق کس طرح تقسیم کیا جائے گا؟ تحریر فرمادیں، جبکہ مرحوم پر قرضہ بھی ہے اور جائیداد کا کچھ حصہ شراکت میں شامل ہے۔

جواب:... سب سے پہلے مرحوم کا قرضہ ادا کیا جائے (اگر بیوی کا مہر ادا نہ کیا ہو تو وہ بھی قرضے میں شامل ہے، اور وراثت کی تقسیم سے پہلے اس کا ادا کرنا لازم ہے)، اس کے بعد مرحوم نے کوئی وصیت کی ہو تو تہائی مال میں اس کو پورا کیا جائے۔ ادائے قرض و نفاذِ وصیت کے بعد[1] مرحوم کا ترکہ ۱۴۴ حصوں پر تقسیم ہوگا، ان میں ۳۶ بیوہ کے، ۲۴ والدہ کے، ۱۴، ۱۴ چاروں بھائیوں کے، اور ۷، ۷ چاروں بہنوں کے۔[2] نقشۂ تقسیم حسبِ ذیل ہے:

بیوہ	والدہ	بھائی	بھائی	بھائی	بھائی	بہن	بہن	بہن	بہن
۳۶	۲۴	۱۴	۱۴	۱۴	۱۴	۷	۷	۷	۷

بیوہ، والدہ، چار بہنوں اور تین بھائیوں کے درمیان مرحوم کا ورثہ کیسے تقسیم ہوگا؟

سوال:... زید کا انتقال ہوگیا ہے، ورثاء میں ایک بیوہ، ایک والدہ، چار بہنیں، تین بھائی ہیں، ان میں ورثہ کس طرح تقسیم ہوگا؟

جواب:... تجہیز و تکفین کے مصارف، ادائے قرضہ جات اور نفاذِ وصیت کے بعد[3] مرحوم کا کمل ترکہ ایک سو بیس حصوں میں تقسیم ہوگا، ان میں بیس والدہ کے، تیس بیوہ کے، چودہ، چودہ بھائیوں کے، اور سات، سات بہنوں کے۔[4] تقسیم میراث کا نقشہ یہ ہے:

بیوہ	والدہ	بھائی	بھائی	بھائی	بہن	بہن	بہن	بہن
۳۰	۲۰	۱۴	۱۴	۱۴	۷	۷	۷	۷

مرحوم کی جائیداد، بیوہ، ماں، ایک ہمشیرہ اور ایک چچا کے درمیان کیسے تقسیم ہوگی؟

سوال:... گلشن ولد خیر محمد کا انتقال ہو چکا ہے، اور اس کے مندرجہ ذیل لواحقین ہیں، اور وہ زرعی زمین چھوڑ کر مرا ہے، ایک

---

(۱) التركة تتعلق بها حقوق أربعة جهاز الميت ودفنه والدّين والوصية ..... وتنفذ وصاياه من ثلث ما يبقى بعد الكفن والدّين. (فتاویٰ عالمگیری ج:۶ ص:۴۴۷، كتاب الفرائض).

(۲) أما للزوجات فحالتان الربع للواحدة فصاعدة عند عدم الولد وولد الإبن ... إلخ. (سراجی ص:۷، باب معرفة الفروض). أما الأخوات لأب وأم ...... ومع الأخ لأب وأم للذكر مثل حظ الأنثيين يصرن به عصبة إلخ. (سراجی ص:۱۰، باب معرفة الفروض). قال تعالىٰ: ولأبويه لكل واحد منهما السدس مما ترك ان كان له ولد. (النساء: ۱۱).

(۳) ایضاً حاشیہ نمبر۱ دیکھئے۔

(۴) ایضاً حاشیہ نمبر۲ دیکھئے۔

بیوہ، ایک ماں، ایک ہمشیرہ اور ایک چچا۔ لہٰذا التماس ہے کہ کس کس کو زمین کا کتنا حصہ ملے گا اور کس کو نہیں ملے گا؟

جواب:... گلشن مرحوم کا ترکہ (ادائے قرضہ جات اور اگر کوئی وصیت کی ہو تو تہائی مال میں وصیت نافذ کرنے کے بعد)[1] بارہ حصوں پر تقسیم ہوگا، ان میں تین بیوہ کے، دو والدہ کے، چھ ہمشیرہ کے اور ایک چچا کا۔[2] نقشہ حسبِ ذیل ہے:

بیوہ	والدہ	ہمشیرہ	چچا
۳	۲	۶	۱

مرحوم کی وراثت میں بیوہ اور بھائی کا حصہ

سوال:... میرے سگے تایازاد بھائی کا ہمارے مشترکہ مکان میں حصہ تھا، مرحوم نے زندگی میں لاتعلقی کرلی تھی، وفات کے بعد حساب کیا گیا، سب کو حصے تقسیم کئے گئے، اس میں تین سال ان کی حیات کے باقی ماندہ وفات کے بعد کرایہ کا پیسہ میرے پاس جمع ہے۔ مرحوم لاولد فوت ہوئے، ایک بیوہ ہے اور ایک بھائی۔ مرحوم کے تین سال حیات کی کل رقم بیوہ کو دی جائے، اور چوتھے کی رقم کا ۱/۴ دیا جائے یا کل رقم کا ۱/۴ لاولد بیوہ کو دیا جائے اور باقی ماندہ بھائی کو؟ کیونکہ حسابات ان کی وفات کے بعد ہوئے ہیں۔

جواب:... مکان کا حصہ اور اس مکان کے کرایہ کی رقم اور دیگر مالِ متروکہ کے حق دار مرحوم کی بیوہ اور بھائی ہیں، حقوقِ متقدمہ کی ادائیگی کے بعد کرایہ کی جملہ رقم وغیرہ میں ۱/۴ بیوہ کا ہے، اور بقیہ ۳/۴ بھائی کو ملے گا۔[3] تقسیمِ میراث کا نقشہ یہ ہے:

بیوہ	بھائی
۱	۳

---

(۱) التركة تتعلق بها حقوق أربعة، جهاز الميت ودفنه والدّين والوصية وتنفذ وصاياه من ثلث. (هندية ج:٦ ص:۴۴٧).

(۲) قال تعالى: ولأبويه لكل واحد منهما السدس مما ترك إن كان له ولد (النساء:١١). الثالثة الأمّ ولها ثلاثة أحوال السدس مع الولد وولد الإبن. (فتاوىٰ عالمگیری ج:٦ ص:۴۴۹). وللزوجة الربع عند عدمهما أى الولد وولد الإبن. (عالمگیری ص:۴۵۰). قال تعالى: ولهن الربع مما تركتم إن لم يكن لكم ولد (النساء:١٢). وفي السراجي (ص:١٠، باب معرفة الفروض) وأما الأخوات لأب وأم فأحوال خمس، النصف للواحدة. وفيه أيضًا: أما العصبة بنفسه .... أولهم بالميراث جزء الميت .... ثم جزء جده أى الأعمام ثم بنوهم وإن سفلوا. (سراجي ص:١۴، باب العصبات).

(۳) قال علمائنا رحمهم الله تعالىٰ: تتعلق بتركة الميت حقوق أربعة مرتبة الأول يبدأ بتكفينه وتجهيزه . . ثم تقضى ديونه من جميع ما بقى من ماله ثم تنفذ وصاياه من ثلث ما بقى بعد الدّين، ثم يقسم الباقي بين ورثته بالكتاب والسُّنّة وإجماع الأمّة. (السراجي في الميراث ص:٢، ٣). أيضًا وقال تعالىٰ: ولهن الربع مما تركتم إن لم يكن لكم ولد (النساء ١٢). أما العصبة بنفسه فكل ذكر لا تدخل في نسبته إلى الميت انثى وهم أربعة أصناف . . . الأقرب فالأقرب يرجحون بقرب الدرجة اعني أولٰهم بالميراث جزء الميت .... ثم جزء أبيه أى الإخوة اهـ (سراجي ص:١۴، ١٠ باب العصبات).

بہن، بھتیجوں اور بھتیجیوں کے درمیان وراثت کی تقسیم

سوال:... ایک شخص انتقال کرگیا اور اپنے پیچھے کافی منقولہ اور غیر منقولہ جائیداد چھوڑ گیا، اس کے حسبِ ذیل سگے رشتہ دار موجود ہیں، ایک بہن سگی، بھتیجے آٹھ سگے، بھتیجیاں پانچ سگی، دو سگے بھائی اس کی وفات سے پہلے فوت ہوگئے ہیں۔ اب شرعی لحاظ سے اس کا منقولہ اور غیر منقولہ مال کس طرح ان کے سگے رشتہ داروں میں تقسیم کیا جائے تاکہ متنازعہ مسئلہ حل ہوجائے؟

جواب:... اس شخص کا آدھا ترکہ (ادائے قرض اور نفاذِ وصیت کے بعد) بہن کو ملے گا، اور باقی آدھا آٹھوں بھتیجوں کے درمیان برابر تقسیم ہوگا، بھتیجیوں کو کچھ نہیں ملے گا۔ گویا ترکہ کے سولہ حصے کئے جائیں، آٹھ حصے بہن کے ہوں گے، اور ایک ایک حصہ آٹھوں بھتیجوں کا۔[1] نقشۂ تقسیم یہ ہے:

بہن	بھتیجا	بھتیجا	بھتیجا	بھتیجا	بھتیجا	بھتیجا	بھتیجا	بھتیجا
۸	۱	۱	۱	۱	۱	۱	۱	۱

بے اولاد مرحوم ماموں کی وراثت میں بھانجوں کا حصہ

سوال:... میرے ماموں اور ممانی کا انتقال ہوگیا، ان کے نام ایک جائیداد تھی، لیکن وہ خود صاحبِ اولاد نہ تھے، اور نہ ہی ان کے والدین زندہ تھے، میرے ماموں مرحوم کی ایک ہمشیرہ اور ان کے ایک بھائی زندہ تھے، بعد میں ان دونوں کا بھی انتقال ہوگیا، صاحبِ جائیداد مرنے والے ماموں صاحب کے حصے میں بعد میں مرنے والے بھائی، اور بہن کی اولاد از رُوئے شریعت جائیداد میں وارث ہے یا نہیں؟ اور اگر ہے تو کتنی ہے؟

جواب:... آپ کے مرحوم ماموں کے ترکہ کے دو حصے ان کے بھائی کو ملے اور ایک بہن کو، ان کے بعد ان کی اولاد اسی تناسب سے وارث ہوگی۔[2]

بھائی کے ترکہ کی تقسیم

سوال:... ایک شادی شدہ بھائی، کنواری بہن اور بیوہ ماں، ہم تین افراد ہیں۔ بیوہ ماں کا ایک لڑکا بغیر شادی اور وصیت کے انتقال کرجاتا ہے، اور اپنے پیچھے ایک خطیر رقم چھوڑ جاتا ہے، تب کیا آدھی رقم کی وارث ماں ہے یا بھائی؟ اس تمام رقم کا حق دار کون قرار پائے گا؟ براہِ کرم اس کی تقسیم سے آگاہ فرمایئے۔

---

(۱) قال تعالیٰ: إن امرؤا هلک لیس له ولد وله أخت فلها نصف ما ترک۔ (النساء:۱۷۶)۔ قال فی السراجی: وأما للأخوات لأب وأم فأحوال خمس النصف للواحدة ...إلخ۔ (ص:۱۰)۔ وباقی العصبات ینفرد بالمیراث ذکورهم دون أخواتهم وهم أربعة أیضًا، العم، وابن العم وابن الأخ ...إلخ۔ (عالمگیری ج:۶ ص:۴۵۱، کتاب الفرائض)۔

(۲) قال تعالیٰ: وإن کانوا إخوةً رجالًا ونساءً فللذکر مثل حظ الأنثیین۔ (النساء:۱۷۶)۔

جواب:... مرحوم کے ترکہ میں ایک تہائی ماں کا ہے، اور باقی بھائی اور بہن کا۔[1] اس لئے کل ترکہ ۹ حصوں پر تقسیم ہوگا، ان میں سے تین حصے ماں کے، چار بھائی کے اور دو بہن کے ہوں گے۔ جس کا نقشہ حسبِ ذیل ہے:

ماں	بھائی	بہن
۳	۴	۲

غیرشادی شدہ شخص کی تقسیمِ وراثت

سوال:... ایک غیرشادی شدہ شخص ایک مکان چھوڑ کر مرجاتا ہے، اس وقت اس شخص کے والد اور والدہ زندہ ہوتے ہیں، ان کے علاوہ اس کے دو بھائی اور چار شادی شدہ بہنیں بھی ہوتی ہیں، مگر والدہ کا کچھ دنوں پہلے انتقال ہوچکا ہے، وہ مکان تاحال مرحوم کے نام پر ہے اور اس کی منتقلی کسی بھی وارث کے نام پر نہیں ہوئی ہے۔ مرحوم کی اس جائیداد پر کس کس کا کتنا کتنا حق ہے؟ اور اس کا بٹوارہ کس طرح کیا جائے؟

جواب:... اس مرحوم کا ترکہ چھ حصوں میں تقسیم ہوگا، ایک حصہ اس کی والدہ کا اور باقی پانچ حصے والد کے۔[2] پھر والدہ کا حصہ ۳۲ حصوں میں تقسیم ہوگا، ان میں سے آٹھ حصے اس کے شوہر کے، چھ، چھ دونوں لڑکوں کے، اور تین، تین چاروں لڑکیوں کے، گویا پورے مکان کے ۱۹۲ حصے کئے جائیں، تو اس میں ۱۶۸ لڑکے کے والد کے ہیں، چھ ہر لڑکے کے، اور تین ہر لڑکی کے۔

صورتِ مسئلہ یہ ہے:

والد	لڑکا	لڑکا	لڑکی	لڑکی	لڑکی	لڑکی
۱۶۸	۶	۶	۳	۳	۳	۳

---

(۱) وللأم ثلث الكل عند عدم هٰؤلاء المذكورين أى عند عدم الولد وولد الإبن. (شريفية ص:۳۰). اما الأخوات لأب وأُم .... ومع الأخ لأب وأُمّ للذكر مثل حظ الأنثيين يصرن به عصبة. (سراجى ص:۱۰). (نوٹ) اس مسئلے میں ماں کو سدس ملنا چاہئے، کیونکہ دو یا دو سے زائد بہن بھائی ہونے کی صورت میں ماں کو سدس ملتا ہے، لہٰذا یہ مسئلہ ۱۸ سے بنے گا، جس میں ماں کو ۳، بھائی کو ۱۰، بہن کو ۵ حصے ملیں گے۔ تقسیمِ میراث کا نقشہ یہ ہے:

ماں	بھائی	بہن
۳	۱۰	۵

وأما للأم فأحوال ثلاث السدس مع الولد أو ولد الإبن سفل، أو مع الإثنين من الإخوة والأخوات فصاعدًا من أى جهة كانا. (سراجى ص:۱۱، ۱۲). وفى الحاشية۲ (من أى جهة كانا) .... ويتصور فى إثنين أحد وعشرون صورة لأنها إما أخوان أو أختان أو أخت وأخ ...إلخ. (سراجى ص:۱۲، حاشيه نمبر۲، طبع قديمى. أيضًا: حاشية الطحطاوى على الدر المختار ج:۴ ص:۳۸۱ كتاب الفرائض، طبع رشيديه كوئٹه).

(۲) كما قال الله تعالٰى: فإن كان له إخوة فلأمه السدس. (النساء:۱۱). وأما للأمّ فأحوال ثلاث، السدس مع الولد أو ولد الإبن وإن سفل، أو مع الإثنين من الإخوة والأخوات فصاعدًا. (سراجى ص:۱۲). أما الأب فله أحوال ثلاث .... والتعصيب المحض وذٰلك عند عدم الولد وولد الإبن وإن سفل. (سراجى ص:۶، باب معرفة الفروض). قال فى السراجى: وأما للزوج فحالتان .... والربع مع الولد أو ولد الإبن وإن سفل. (ص:۷، باب معرفة الفروض). قال الله تعالٰى: يوصيكم الله فى أولادكم للذكر مثل حظ الأنثيين. (النساء:۱۱).

والدین کی زندگی میں فوت شدہ اولاد کا حصہ

قانونِ وراثت میں ایک شبہ کا ازالہ

سوال:... شریعتِ مطہرہ نے جو قوانین بنی نوعِ انسان کے لئے بنائے ہیں، وہ سب کے سب ہمارے لئے سراسر خیر ہیں، چاہے ہماری سمجھ میں آئیں، چاہے نہ آئیں۔ اسلام کے وراثت کے قوانین لاجواب ہیں، کسی بھی دِین یا معاشرت میں ایسے حق و انصاف پر مبنی وراثت کے قوانین نظر سے نہیں گزرے، لیکن اسلامی قانونِ وراثت میں ایک شق ایسی ہے کہ شک ہوتا ہے کہ ایسا کیوں ہے؟ وہ شق یہ ہے کہ باپ کی زندگی میں اگر بیٹا فوت ہوجائے تو پوتے، پوتی کو وراثت میں کوئی حق نہیں ہے۔ خیال فرمائیں کہ یہ پوتے، پوتی یتیم ہیں ان کو تو مرحوم باپ کے ترکہ کے حق میں اگر زیادہ نہیں تو کم از کم اتنا تو ملنا چاہئے جو مرحوم باپ کو اگر زندہ ہوتے تو ملتا۔

ایک اور سوال ہے کہ دُوسرے پوتے، پوتی جو بیٹے کے زندہ ہوتے ہوئے موجود ہیں، ان کو ترکہ ملتا ہے کہ نہیں؟

جواب:... یہاں دو اُصول ذہن میں رکھئے۔ ایک یہ کہ تقسیمِ وراثت قرابت کے اُصول پر مبنی ہے، کسی وارث کے مال دار یا نادار ہونے اور قابلِ رحم ہونے یا نہ ہونے پر اس کا مدار نہیں۔[1] دوم یہ کہ عقلاً و شرعاً وراثت میں الاقرب فالاقرب کا اُصول جاری ہوتا ہے،[2] جس کا مطلب یہ ہے کہ جو شخص میت کے ساتھ قریب تر رشتہ رکھتا ہو، اس کے موجود ہوتے ہوئے دُور کی قرابت والا وراثت کا حق دار نہیں ہوتا۔

ان دونوں اُصولوں کو سامنے رکھ کر غور کیجئے کہ ایک شخص کے اگر چار بیٹے ہیں، اور ہر بیٹے کے چار چار لڑکے ہوں، تو اس کی جائیداد لڑکوں پر تقسیم ہوتی ہے، پوتوں کو نہیں دی جاتی، اس مسئلے میں شاید کسی کو بھی اختلاف نہیں ہوگا، اس سے معلوم ہوا کہ بیٹوں کی موجودگی میں پوتے وارث نہیں ہوتے۔

---

(۱) ثم یقسم الباقی بین ورثته بالکتاب والسُّنّة واجماع الأمّة فیبدأ بأصحاب الفرائض وهم الذین سهام مقدرة فی کتاب الله تعالٰی ثم بالعصبات من جهة النسب والعصبة کل من یأخذ ما أبقته أصحاب الفرائض وعند الإنفراد یحرز جمیع المال ثم بالعصبة من جهة النسب وهو مولی العتاقة ثم عصبته علی الترتیب ثم الرد علی ذوی الفروض النسبیة بقدر حقوقهم ثم ذوی الأرحام۔ (السراجی ص:۳،۴ طبع المصباح، أیضًا: طحطاوی علی الدر المختار ج:۴ ص:۳۸۵، کتاب الفرائض)۔

(۲) أما العصبة .. .. .. وهم أربعة أصناف .... الأقرب فالأقرب یرجحون بقرب الدرجة ...إلخ۔ (سراجی ص:۱۴ باب العصبات، طبع المصباح)۔

اب فرض کیجئے ان چار لڑکوں میں سے ایک کا انتقال والد کی زندگی میں ہوجاتا ہے، پیچھے اس کی اولاد رہ جاتی ہے، اس کی اولاد، دادا کے ئے وہی حیثیت رکھتی ہے جو دُوسرے تین بیٹوں کی اولاد کی ہے، جب دُوسرے بیٹوں کی اولاد اپنے دادا کی وارث نہیں، کیونکہ ان سے قریب تر وارث (یعنی لڑکے) موجود ہیں، تو مرحوم بیٹے کی اولاد بھی وارث نہیں ہوگی۔

اگر یہ کہا جائے کہ اگر چوتھا لڑکا اپنے باپ کی وفات کے وقت زندہ رہتا، تو اس کو چوتھائی حصہ ملتا، اب وہی حصہ اس کے بیٹوں کو دِلایا جائے، تو یہ اس لئے غلط ہے کہ اس صورت میں اس لڑکے کو جو باپ کی زندگی میں فوت ہوا، باپ کے مرنے سے پہلے وارث بنادیا گیا، حالانکہ عقل و شرع کے کسی قانون میں مورث کے مرنے سے پہلے وراثت جاری نہیں ہوتی۔

الغرض! اگر ان پوتوں کو جن کا باپ فوت ہوچکا ہے، پوتا ہونے کی وجہ سے دادا کی وراثت دِلائی جاتی ہے تو یہ اس وجہ سے غلط ہے کہ پوتا اس وقت وارث ہوتا ہے جبکہ میت کا بیٹا موجود نہ ہو، ورنہ تمام پوتوں کو وراثت ملنی چاہئے، اور اگر ان کو ان کے مرحوم باپ کا حصہ دِلایا جاتا ہے تو یہ اس وجہ سے غلط ہے کہ ان کے مرحوم باپ کو مرنے سے پہلے تو حصہ ملا ہی نہیں، جو اس کے بچوں کو دِلایا جائے۔

اگر یہ کہا جائے کہ بے چارے یتیم پوتے، پوتیاں رحم کے مستحق ہیں، ان کو دادا کی جائیداد سے ضرور حصہ ملنا چاہئے تو یہ جذباتی دلیل اوّل تو اس لئے غلط ہے کہ تقسیمِ وراثت میں یہ دیکھا ہی نہیں جاتا کہ کون قابلِ رحم ہے، کون نہیں؟ بلکہ قرابت کو دیکھا جاتا ہے۔ ورنہ کسی امیر کبیر آدمی کی موت پر اس کے کھاتے پیتے بیٹے وارث نہ ہوتے بلکہ اس کے مفلوک اور تنگ دست پڑوسی کے یتیم بچے کو وراثت ملا کرتی کہ وہی قابلِ رحم ہیں۔

علاوہ ازیں اگر کسی کے یتیم پوتے قابلِ رحم ہیں، تو شریعت نے اس کو اجازت دی ہے کہ وہ تہائی مال کی وصیت ان کے حق میں کرسکتا ہے، اس طرح وہ ان کی قابلِ رحم حالت کی تلافی کرسکتا ہے۔ مذکورہ بالا صورت میں ان کے باپ سے ان کو چوتھائی وراثت ملتی، مگر دادا وصیت کے ذریعہ ان کو تہائی وراثت کا مالک بناسکتا ہے۔ اور اگر دادا نے وصیت نہیں کی تو ان بچوں کے چچاؤں کو چاہئے کہ حسنِ سلوک کے طور پر اپنے مرحوم بھائی کی اولاد کو بھی برابر کے شریک کرلیں۔ لیکن اگر سنگدل دادا کو وصیت کا خیال نہیں آتا، اور ہوس پرست چچاؤں کو رحم نہیں آتا، تو بتایئے! اس میں شریعت کا کیا قصور ہے کہ محض جذباتی دلائل سے شریعت کے قانون کو بدل دیا جائے...؟ اگر شریعت کے ان اَحکام کے بعد بھی کچھ لوگوں کو یتیم پوتوں پر رحم آتا ہے اور وہ ان بچوں کو بے سہارا نہیں دیکھنا چاہتے تو انہیں چاہئے کہ اپنی جائیداد ان بچوں کے نام کردیں، کیونکہ شریعت کی طرف سے بے سہارا لوگوں کے ساتھ حسنِ سلوک کا بھی حکم ہے، اور اس سے یہ بھی اندازہ ہوجائے گا کہ ان بے سہارا بچوں پر لوگوں کو کتنا ترس آتا ہے...!

شریعت نے پوتے کو جائیداد سے کیوں محروم رکھا ہے؟ جبکہ وہ شفقت کا زیادہ مستحق ہے!

سوال:... ۶؍جنوری کے اخبار ”جنگ“ اسلامی صفحہ پر ”آپ کے مسائل اور اُن کا حل“ میں ایک مسئلہ تھا وراثت کے متعلق، اور آپ نے اس کا جواب لکھا تھا، جس کا مطلب یہ ہے کہ اگر کسی شخص کا انتقال اپنے والد سے پہلے ہوجاتا ہے تو اس کے والد کے انتقال کے بعد والد کی جائیداد میں اس کی اولاد کا کوئی حصہ نہیں۔ یہ تو بے شک شریعتِ اسلامی کا فیصلہ ہے، اور مذہبِ اسلام وہ واحد

مذہب ہے جس میں انسانی زندگی کے تمام مسائل کا حل موجود ہے، اور جس حسن وخوبی سے اسلام نے تمام مسائل کا حل پیش کیا ہے، دُنیا کا کوئی دُوسرا نظام ایسی مثال پیش نہیں کرسکتا۔ تمام اَحکامِ اسلامی اپنے اندر کوئی نہ کوئی مصلحت پوشیدہ کئے ہوئے ہیں جو کہ بعض اوقات ایک عام انسان کی عقل سے بالاتر بھی ہوسکتے ہیں، اور صحیح علم نہ ہونے کی وجہ سے انسان کو خلافِ عقل معلوم ہوتے ہیں۔ مذکورہ مسئلہ بھی کچھ اسی طرح کا ہے کہ ہم جیسے انسانوں کو خلافِ عقل معلوم ہوتا ہے، اور یہ بات بظاہر انصاف کے خلاف معلوم ہوتی ہے کہ ان بے سہارا بچوں کو یونہی بے سہارا رہنے دیا جائے۔ انہیں اپنے والد کے حق سے بھی محروم کردیا جائے، جبکہ دُوسری طرف اسلام ہر طرح یتیموں کی مدد کی ترغیب دیتا ہے۔ براہِ مہربانی تفصیل سے اس مسئلے کی وضاحت کردیں تاکہ میرے جیسے اور بہت سے لوگوں کے ذہنوں میں جو یہ بات کھٹک رہی ہے، صاف ہوجائے۔

جواب:... جس شخص کے صلبی بیٹے موجود ہوں، اس کی وراثت اس کے بیٹوں ہی کو ملے گی، بیٹوں کی موجودگی میں پوتا شرعاً وارث نہیں،(۱) اگر دادا کو اپنے پوتوں سے شفقت ہے اور وہ یہ چاہتا ہے کہ اس کی جائیداد میں اس کے یتیم پوتے بھی شریک ہوں تو اس کے لئے شریعت نے دو طریقے تجویز کئے ہیں:

اوّل یہ کہ اپنے مرنے کا انتظار نہ کرے، بلکہ صحت کی حالت میں اپنی جائیداد کا اتنا حصہ ان کے نام منتقل کرادے جتنا وہ ان کو دینا چاہتا ہے، اور اپنی زندگی ہی میں ان کو قبضہ بھی دِلادے۔(۲)

دُوسرا طریقہ یہ ہے کہ وہ مرنے سے پہلے اپنے یتیم پوتوں کے حق میں تہائی جائیداد کے اندر اندر وصیت کرجائے کہ اتنا حصہ اس کے مرنے کے بعد ان کو دیا جائے۔(۳)

فرض کیجئے کہ کسی شخص کے پانچ لڑکوں میں سے ایک اس کی زندگی میں فوت ہوجاتا ہے، دادا اپنے مرحوم بیٹے کی اولاد کے لئے اپنی تہائی جائیداد تک کی وصیت کرسکتا ہے، حالانکہ اگر ان بچوں کا باپ زندہ ہوتا تو اس کو اپنے باپ کی جائیداد میں سے پانچواں حصہ ملتا، جو اس کی اولاد کو منتقل ہوتا، اب وصیت کے ذریعے پانچویں حصے کی بجائے دادا ان کو تہائی حصہ دِلاسکتا ہے۔ اور اگر دادا کو اپنے پوتوں پر اتنی بھی شفقت نہیں کہ وہ اپنی زندگی میں ان کو کچھ دے دیں یا مرنے کے بعد دینے کی وصیت ہی کرجائے، تو اِنصاف کیجئے! اس میں قصور کس کا ہے، دادا کا یا شریعت کے قانون کا ہے...؟

مرحوم بیٹے کی جائیداد کیسے تقسیم ہوگی؟ نیز پوتوں کی پروَرِش کا حق کس کا ہے؟

سوال:... میرا جوان بیٹا، عمر تقریباً ۴۰ سال، قضائے اِلٰہی سے داغِ مفارقت دے گیا ہے۔ سرکار کی طرف سے ملازمت کا

(۱) فأقرب العصبات الإبن ثم إبن الإبن ... إلخ. (فتاویٰ عالمگیریة ج:۶ ص:۴۵۱، کتاب الفرائض، الباب الثالث).

(۲) الهبة عقد مشروع ...... وتصح بالإيجاب والقبول والقبض ...... والقبض لَا بد منه لثبوت الملک. (هداية ج:۳ ص:۲۸۱ کتاب الهبة).

(۳) الوصية غير واجبة وهي مستحبة .... ولَا تجوز بما زاد على الثلث لقوله عليه السلام .... الثلث والثلث كثير. (هداية ج:۴ ص:۶۵۱ کتاب الوصايا).

تقریباً تین لاکھ روپیہ ملا ہے، تقریباً اَسی ہزار کے پرائز بونڈ اور تقریباً پندرہ ہزار کا زیور جولڑکے کی ماں نے اس کی بیوی کو پہنایا تھا، باقی کچھ اور چھوٹی موٹی چیزیں ہیں۔ میت کے وارثوں میں اس کے بوڑھے والدین، ایک بیوہ اور تین بچے یعنی ایک لڑکی اور دو لڑکے جو ابھی نابالغ ہیں اور زیرِ تعلیم ہیں۔ ان کے علاوہ میت کی تین بہنیں اور چار بھائی بھی بوقتِ وفات موجود ہیں۔ بیوہ مصر ہے کہ اسے سروس اور پنشن وغیرہ کا تمام روپیہ اور اس کا سب سامان مع اس کے جہیز کے اور دونوں طرف کے زیورات دے دیئے جائیں اور بچے بھی خود اپنے پاس رکھنا چاہتی ہے۔ کہتی ہے کہ وہ بیوہ ہوئی ہے، طلاق تو نہیں ہوئی۔ مولانا صاحب! مجھے اپنے پوتوں کا بہت درد ہے، مگر کل کلاں کو سارا مال سمیٹ کر پوتے میرے دروازے پر ڈال گئی تو میں کیا کرسکتا ہوں اور میرا کون ساتھ دے گا؟ میں نے بہت کہا کہ دونوں طرف سے برادری کے کچھ آدمی لاؤ، ان کے رُوبرو فیصلہ ہوجائے کہ بچے مستقل کون اپنے پاس رکھے گا؟ مگر نہیں مانتی، اور اپنے بھائیوں کو آئے دن مارکٹائی کے لئے لے آتی ہے، براہِ کرم جواب سے نوازیں تاکہ میں اسے بھی دِکھا سکوں۔

جواب:... آپ کے مرحوم بیٹے کا ترکہ ۱۲۰ حصوں پر تقسیم ہوگا، ان میں سے ۱۵ حصے بیوہ کے ہیں، ۲۰ حصے والدہ کے، ۲۰ حصے والد کے، ۲۶، ۲۶ دونوں لڑکوں کے، اور ۱۳ حصے لڑکی کے۔ اس لئے مرحوم کی بیوہ کا یہ دعویٰ غلط ہے کہ مرحوم کا سارا ترکہ اس کے حوالے کردیا جائے۔[۱] تقسیمِ میراث کا نقشہ مندرجہ ذیل ہے:

بیوہ	والدہ	والد	لڑکا	لڑکا	لڑکی
۱۵	۲۰	۲۰	۲۶	۲۶	۱۳

۲:... بچوں کا نان و نفقہ دادا کے ذمہ ہے،[۲] اور ان کے مال کی حفاظت بھی اسی کے ذمہ ہے، لہٰذا بچوں کے حصے کی حفاظت دادا کرے گا، بچوں کی ماں کو اس کا کوئی حق نہیں۔[۳]

۳:... لڑکے سات برس کی عمر تک ماں کی پرورش میں رہیں گے، سات برس کی عمر ہونے پر ان کی پرورش دادا کے ذمہ ہوگی، اور لڑکی جوان ہونے تک والدہ کے پاس رہے گی، پھر دادا کے پاس۔[۴]

---

(۱) واما للزوجات فحالتان .... والثمن مع الولد أو ولد الإبن وان سفل. (سراجی ص:۷، باب معرفة الفروض). أما الأب فله أحوال ثلاث ... . السدس وذلک مع الإبن وابن الإبن وان سفل. (سراجی ص:۶، باب معرفة الفروض). أما للأُم فأحوال .... السدس مع الولد وولد الإبن ...إلخ. (سراجی ص:۱۱). وأما لبنات الصلب .... ومع الإبن للذكر مثل حظ الأنثيين وهو يعصبهن. (سراجی ص:۸).

(۲) ولو وجد معها جدّ لأب بأن كان للفقير أم وجدّ لأب وأخ عصبي .... كانت النفقة على الجدّ وحده كما صرّح به في الخانية، ووجه ذلک: أن الجدّ يحجب الأخ ...إلخ. (فتاویٰ شامی ج:۳ ص:۶۲۵ كتاب الطلاق، باب النفقة مطلب في حصر أحكام نفقة الأصول ...إلخ. طبع ایچ ایم سعید).

(۳) ایضاً۔

(۴) والأمّ والجدة أحق بالغلام حتّٰى يستغني وقدر بسبع سنين .... والأمّ والجدة أحق بالجارية حتّٰى تحيض ... . وبعد ما استغنى الغلام وبلغت الجارية فالعصبة أولٰى يقدم الأقرب فالأقرب كذا في فتاوىٰ قاضيخان. (الهندية ج:۱ ص:۵۴۲، كتاب الطلاق، الباب السادس عشر في الحضانة، طبع رشيديه كوئٹه).

دادا کی وصیت کے باوجود پوتے کو وراثت سے محروم کرنا

سوال:... میرے والد صاحب پہلے فوت ہوئے ہیں، اور دادا صاحب بعد میں فوت ہوئے تھے، جو زمین میرے دادا صاحب نے اپنے مرنے سے پہلے میرے والد صاحب کو دی تھی، وہ اسی جگہ اور مکان میں فوت ہوئے تھے۔ جب میرے والد صاحب فوت ہوئے تو چند سال کے بعد دادا صاحب فوت ہوگئے، لیکن دادا صاحب نے فوت ہوتے سے پہلے اپنے سب بیٹوں کو کہا تھا کہ میرے پوتے کا آپ سب نے انتقال کرانا اور اس کو اسی زمین میں رہنے دینا اور اس کے ساتھ اچھے رہنا۔ یہ سب زبانی باتیں میرے دادا صاحب نے اپنے بیٹوں کو کہی تھی، آخر وہ بھی فوت ہوگئے، یعنی دادا صاحب۔ ان کے مرنے کے بعد میرے چاچا، ورتایا وغیرہ نے انتقال اپنے ساتھ کرایا تھا، اب میرے چچازاد بھائی نے میرے خلاف کیس عدالت میں کیا ہوا ہے کہ آپ کا انتقال نہیں ہے اور آپ اس زمین کے وارث نہیں ہیں۔ وہ یہ کہتے ہیں کہ آپ کا والد پہلے فوت ہوا ہے اور دادا بعد میں۔ اب میرے چچی زاد بھائی یہ بولتے ہیں۔ اس لئے جناب سے عرض ہے کہ کیا میں اس رقبے کا وارث ہوسکتا ہوں یا کہ نہیں؟ میرے نام انتقال کو ۲۴ یا ۲۵ سال گزر گئے ہیں، اب میں اس جگہ پر رہتا ہوں جو میرے دادا اور والد کا مکان ہے۔

جواب:... جو واقعات آپ نے بیان کئے ہیں، اگر وہ صحیح ہیں تو آپ اپنے والد کی جائیداد کے مستحق ہیں، کیونکہ آپ کے دادا نے آپ کے حق میں وصیت کردی تھی، چونکہ آپ کا کیس عدالت میں ہے، اس لئے عدالت ہی واقعات کی چھان پھٹک کرکے صحیح فیصلہ کرسکتی ہے۔

پوتے کو دادا کی وراثت سے محروم کرنا جائز نہیں، جبکہ دادا نے اس کے لئے وصیت کی ہو

سوال:... کیا دادا کی جائیداد میں پوتے کا حق نہیں ہوتا؟ میرے دو چچا ہیں، وہ کہتے ہیں کہ تمہارے والد باپ کی زندگی میں مرگئے، لہٰذا اب تمہارا جائیداد میں قانوناً اور شرعاً حق نہیں ہوتا ہے، جبکہ میرے دادا حضور نے ایک اسٹامپ پر دونوں بیٹوں کے برابر پوتے کو بھی بطور بخشش لکھ کر گئے ہیں۔ برائے مہربانی آپ شرع کی روشنی میں بتائیں یہ بات کہاں تک دُرست ہے اور کہاں تک غلط؟

جواب:... اگر آپ کے دادا، آپ کو بھی دونوں چچاؤں کے برابر دے کر گئے ہیں تو ایک تہائی جائیداد شرعاً آپ کی ہے،(۱) آپ کے چچا غلط کہتے ہیں۔

---

(۱) وعن عامر بن سعد عن أبيه رضي الله عنه قال: مرضت عام الفتح حتّى أشفيت على الموت فعادني رسول الله صلى الله عليه وسلم فقلت أي رسول الله إنّ لي مالًا كثيرًا، وليس يرثني إلّا ابنة لي، أفأتصدق بثلثي مالي؟ قال: لا! قلت: فالشطر؟ قال: لا! قلت: فالثلث؟ قال: الثلث والثلث كثير، أن تذر ورثتك أغنياء خير من ان تذرهم عالة يتكففون الناس. (سنن ابن ماجة، واللفظ له ج:۱ ص:۱۹۴، ابواب الوصايا. سنن أبي داوٗد ج:۲ ص:۳۹۵، كتاب الوصايا). ولا تجوز الوصية بما زاد على الثلث لقوله عليه السلام ...... الثلث والثلث كثير. (هداية ج:۴ ص:۶۵۱ كتاب الوصايا).

دادا کی ناجائز جائیداد پوتوں کے لئے بھی جائز نہیں

سوال:... ہمارا دادا جو وراثت ہمارے لئے ورثے میں چھوڑ کر گیا ہے، یہ وراثت اس کی جائز ملکیت نہیں تھی، بلکہ زمین کا ایک حصہ یتیم بچوں کا ناجائز غصب شدہ ہے اور دُوسرا حصہ جو ان کی جائز ملکیت تھا وہ فروخت کردیا گیا (معاوضہ لے کر)، اسی فروخت شدہ زمین کا کچھ حصہ محکمہ مال کے کاغذوں میں سابق مالک کے نام تھا، ایسا یا تو محکمہ مال کی غلطی سے ہوا یا خود ڈیل کرکرایا گیا، سات سال مقدمہ کرکے قوانین کے ذریعے یہ بھی واپس لے لیا گیا، زمین کے یہ دونوں حصے بیٹوں کے بعد پوتے استعمال کر رہے ہیں؟ کیا اسلام و شریعت کی رُو سے یہ زمین ہمارے لئے جائز وحلال ہے؟ جواب عنایت فرمائیں۔

جواب:... جس جائیداد کے بارے میں یقین ہے کہ وہ یتیموں سے غصب کی گئی ہے، وہ نہ آپ کے دادا کے لئے حلال تھی، نہ اس کے بیٹوں کے لئے اور نہ اب پوتوں کے لئے۔ اس جائیداد کا کھانا قرآنی الفاظ میں: ''پیٹ میں آگ بھرنا'' ہے، اس لئے یہ جائیداد جن کی ہے، ان کو واپس کردیجئے۔[1]

جائیداد کی تقسیم اور عائلی قوانین

سوال:... میرے والد محمد اسماعیل مرحوم مربع نمبر ۲۳ کے نصف حصے کے مالک تھے، ان کی اولاد میں ہم دو بہنیں اور تین بھائی تھے، ایک بھائی عبدالرحیم ۱۹۴۹ء میں اور دُوسرے بھائی عبدالمجید ۱۹۶۶ء میں وفات پاگئے۔ ۱۹۷۲ء میں والد صاحب بھی دارِفانی سے کوچ کرگئے، اس وقت ہم دو بہنیں ہاجراں بی بی اور زبیدہ بی بی اور ایک بھائی عبدالرحمٰن بقیدِ حیات ہیں۔ مرحوم بھائی عبدالمجید کی پانچ بیٹیاں ہیں جن میں سے چار شادی شدہ ہیں۔ والد کے انتقال کے بعد متعلقہ حکام نے درج بالا جائیداد کو ورثاء میں اس طرح تقسیم کیا کہ عبدالرحمٰن بیٹا: ۹/۵ حصہ، زبیدہ بی بی، ہاجراں بی بی بیٹیاں: ۲۷/۱۰ حصہ، اور پانچ پوتیاں: ۹/۲، اور پھر اس طرح تقسیم کیا گیا کہ عبدالرحمٰن بیٹا: ۳/۱ حصہ، زبیدہ بی بی، ہاجراں بی بی بیٹیاں: ۳/۱ حصہ، اور پانچ پوتیاں: ۳/۱ حصہ۔ چونکہ بھائی عبدالمجید ۱۹۶۶ء میں والد صاحب کی زندگی ہی میں انتقال کرگئے تھے، اس لئے ان کے نام کوئی جائیداد منتقل ہی نہیں ہوئی تھی، تو کیا دادا کی جائیداد میں سے اسلامی قانونِ وراثت کی رُو سے پوتیاں حصہ دار ہوسکتی ہیں؟ اگر دادا کی جائیداد میں پوتیاں اسلامی قانونِ وراثت کی رُو سے حصہ دار ہوسکتی ہیں تو دُرست، ورنہ بتایا جائے کہ ہماری آج تک شنوائی کیوں نہیں ہورہی ہے؟ کیا متعلقہ حکام جو چاہیں وہ کرتے رہیں اور ان سے پوچھنے والا کوئی نہ ہو! اس سلسلے میں صدرِ مملکت کی خدمت میں ایک درخواست بھیجی گئی، مگر میری تمام گزارشات ردّی کی ٹوکری کی نذر کردی گئیں، آخرکار صدرِ محترم کی خدمت میں تار بھیجے گئے، مگر انہیں بھی درخورِ اعتناء نہ سمجھا گیا۔ گورنر پنجاب کی خدمت میں بھی درخواستیں بھیجی گئیں مگر انہوں نے بھی کوئی توجہ نہ دی، کمشنر فیصل آباد کی خدمت میں بھی درخواستیں بھیجی گئیں، یہ سب کچھ کرنے کے باوجود کوئی بھی کچھ کرنے کے لئے تیار نہیں۔ اتنی فریاد و پکار کے باوجود بھی اگر اربابِ اقتدار کے کانوں پر جوں

---

(۱) قال تعالیٰ: إن الذين يأكلون أموال اليتمٰى ظلمًا إنّما يأكلون فى بطونهم نارًا وسيصلون سعيرًا. (النساء: ۱۰).

تک نہ رینگے تو میں نہیں سمجھتی کہ اس مملکتِ خداداد میں کس قسم کا اسلامی قانون رائج ہے، اور ایک عام شہری کب تک نوکر شاہی کے ہاتھوں میں پریشان ہوتا رہے گا۔ آخر میں صدرِ مملکت و چیف مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر صاحب کی خدمت میں آپ کے مؤقر جریدے کی وساطت سے یہ گزارش کروں گی کہ اگر اسلامی قانونِ وراثت کی رُو سے پوتیاں دادا کی جائیداد میں سے حصہ دار ہوسکتی ہیں تو مجھے کم از کم جواب تو دیں، اگر نہیں تو پھر درج بالا جائیداد کو قانونِ اسلام کے مطابق ہم دو بہنوں اور ایک بھائی میں تقسیم کرنے کے اُحکامات صادر فرمائیں اور متعلقہ حکام کے خلاف بھی سخت قانونی کارروائی کا حکم دیں تاکہ آئندہ کسی کو بھی اسلامی قانون کے ساتھ مذاق اُڑانے کی جراَت نہ ہو۔

جواب:... شرعاً آپ کے والد مرحوم کی جائیداد چار حصوں میں تقسیم ہوگی، دو حصے لڑکے کے، اور ایک ایک حصہ دونوں لڑکیوں کا۔[1] پوتیاں اپنے دادا کی شرعاً وارث نہیں۔[2] پاکستان میں وراثت کا قانون، خدائی شریعت کے مطابق نہیں، بلکہ ایوب خان کی ''شریعت'' کے مطابق ہے، آپ کے والد مرحوم کی جائیداد کا انتقال اسی ''ایوبی شریعت'' کے مطابق ہوا ہے۔ تقسیمِ میراث کا نقشہ حسبِ ذیل ہے:

لڑکا	لڑکی	لڑکی
۲	۱	۱

والد کے ترکہ کی تقسیم سے قبل بیٹی کا انتقال ہوگیا تو کیا اسے حصہ ملے گا؟

سوال:... چار بہن بھائی والدین کے ترکہ کے وارث ٹھہرے، چاروں کی شادیاں ہوگئیں، ابھی وراثت کی تقسیم باقی تھی کہ ایک بہن کی موت واقع ہوگئی، مرحومہ والدین کے ترکہ میں سے کتنے حصے کی حق دار تھی؟

جواب:... آپ نے یہ نہیں لکھا کہ کتنے بھائی اور کتنی بہنیں، بہرحال بھائی کا حصہ بہن سے دُگنا ہوتا ہے۔[3]

سوال:... اس کے بچے اور میاں اس کے حصے کی جائیداد (زیور اور نقدی کی حالت میں ترکہ) کے جائز وارث ہیں کہ نہیں؟

جواب:... جس بہن کا انتقال والدین کے بعد ہوا ہے وہ بھی والد کے ترکہ کی شرعاً وارث ہے، اور اس کا حصہ اس کے شوہر اور اس کی اولاد میں تقسیم ہوگا۔

---

(۱) وأمّا لبنات الصلب فأحوال ...... ومع الإبن للذكر مثل حظ الأنثيين وهو يعصبهن۔ (سراجی ص۸)۔

(۲) کیونکہ یہ ذوی الارحام ہیں، اور عصبہ کی موجودگی میں ان کو حصہ نہیں ملتا۔ باب ذوی الأرحام، ذو الرحم هو كل قريب ليس بذى سهم ولَا عصبة۔ (سراجی ص:۳۴)۔ باب توريث ذوى الأرحام هو كل قريب ليس بذى سهم ولا عصبة فهو قسم ثالث حينئذٍ، ولَا يرث مع ذى سهم ولَا عصبة سوى الزوجين ... إلخ۔ (الدر المختار على هامش الطحطاوى ج:۴ ص۳۹۲)۔ والصنف الثالث ينتمى إلى أبوى الميت وهم أولَاد الأخوات وبنات الإخوة ... إلخ۔ (سراجى ص:۳۵، باب ذوى الأرحام)۔

(۳) ایضاً حاشیہ نمبر ۱ ملاحظہ ہو۔

مرحوم کی وراثت بہن، بیٹیوں اور پوتوں کے درمیان کیسے تقسیم ہوگی؟

سوال:... ہمارے ماموں مرحوم گزشتہ سال انتقال فرماگئے، اور اپنے پیچھے ایک بڑی جائیداد چھوڑ گئے، یعنی ۲ مکان (جن کی مالیت تقریباً ۲ لاکھ بنتی ہے) اس کے علاوہ وہ ایک ہوٹل بھی چھوڑ کر گئے ہیں، جس کی مالیت تقریباً ۱۲-۱۵ لاکھ ہے۔ اب صورتِ حال یہ ہے کہ انہوں نے ابھی تک کوئی تحریری ثبوت ایسا نہیں چھوڑا یا نہیں ملا کہ انہوں نے وہ جائیداد اپنی کسی اولاد میں تقسیم کردی ہے، ان کی ۴ بیٹیاں ہیں، اور ایک لڑکا تھا جوان کی زندگی میں ہی وفات پاگیا، اس کا ایک لڑکا اور ایک لڑکی موجود ہے۔ لڑکی شادی شدہ اور لڑکا بھی شادی شدہ ہے (یعنی پوتا اور پوتی) اور ۴ بیٹیاں بھی شادی شدہ ہیں۔ لیکن اب معلوم ہوا ہے کہ چاروں لڑکیوں نے مل کر کسی قانونی چکر سے وہ تمام جائیداد اپنے نام کروالی ہے، آیا یہ بات قانون اور شرعی لحاظ سے جائز ہے؟ یا یہ کہ اس جائیداد میں اور رشتہ دار بھی حق دار بنتا ہے؟ ہماری امی جو اکیلی بہن ہیں جو قریبی رشتہ رکھتی ہیں، باقی سب مرچکے ہیں۔ دریافت یہ کرنا ہے کہ کیا شرعی طور پر ہماری امی یعنی ماموں کی سگی بہن کو شریعت کوئی حصہ یا حق دار تصور کرتی ہے؟ جبکہ ساری جائیداد ماموں کی ذاتی ملکیت ہے، یعنی وہ ورثہ میں ملی ہوئی نہیں، اس طرح پوتا اور پوتی کا کیا حق بنتا ہے؟ اگر بنتا ہے تو کتنا بنتا ہے؟

جواب:... آپ کے ماموں کی جائیداد اٹھارہ حصوں میں تقسیم ہوگی، تین تین حصے چاروں بیٹیوں کے، اور تین حصے بہن کے (یعنی آپ کی والدہ کے)، اور دو حصے پوتے کے، اور ایک حصہ پوتی کو ملے گا۔[1] نقشۂ تقسیم حسبِ ذیل ہے:

بیٹی	بیٹی	بیٹی	بیٹی	بہن	پوتا	پوتی
۳	۳	۳	۳	۳	۲	۱

والد سے پہلے فوت ہونے والے بیٹے کا والد کی جائیداد میں حصہ نہیں

سوال:... ہم چار بھائی ہیں، ہمارے والدین حیات ہیں، مجھ سے دو بڑے بھائی ہیں، سب سے بڑے بھائی کو ہمارے والد صاحب نے ایک مکان بناکر دے دیا، ان کی شادی کردی۔ ہم تین بھائی، ایک مجھ سے بڑا اور ایک مجھ سے چھوٹا جو والد صاحب کے مکان میں رہتا ہے، والد صاحب کے ساتھ، مجھ سے بڑے بھائی کا آج سے دس سال پہلے انتقال ہوگیا اور اس کی بیوی اور چھ بچوں کو ۵ سال تک والد صاحب نے پالا اور اس کے بعد، اس بیوہ کا نکاح سب سے بڑے بھائی کے ساتھ کردیا۔ نکاح کے بعد مرحوم بھائی کے بچوں کو بھی اپنے ساتھ اپنے مکان میں لے گیا اور مرحوم کا سارا سامان ہر چیز اپنے مکان میں شفٹ کرلی، اور نکاح کے فوراً بعد ہمارے والدین سے بڑے بھائی کی ناراضگی ہوگئی اور ہمارے گھر انہوں نے آنا جانا بند کردیا، اور ۶ سال سے وہ ہمارے گھر یعنی

---

(۱) قال تعالٰی فإن کن نساءً فوق اثنتین فلهن ثلثا ما ترک۔ (النساء: ۱۱)۔ قال فی السراجی: وأما للأخوات لأب وأم فأحوال خمس . ولهن الباقی مع البنات أو بنات الإبن لقوله علیه السلام إجعلوا الأخوات مع البنات عصبة۔ (ص ۱۰، ۱۱)۔ وبنات الإبن کبنات الصلب، ولهن أحوال ست .... ولا یرثن مع الصلبیتین إلّا أن یکون بحذائهن أو أسفل منهن غلام فیعصبهنّ والباقی بینهم للذکر مثل حظ الأنثیین۔ (سراجی ص:۸، باب معرفة الفروض)۔

والدین سے ملنے نہیں آئے، نہ مرحوم بھائی کے بچے، سب جوان ہوگئے ہیں، وہ بھی نہیں ملتے۔ یعنی کہ بالکل آنا جانا بند ہے، اور ساری غلطی بھی بڑے بھائی کی ہے، اب بڑے بھائی کہتے ہیں کہ ہمیں مرحوم بھائی کے مکان میں حصہ دیا جائے، جبکہ والد صاحب جو کہ حیات ہیں اور کام کاج کرنے کے قابل نہیں ہیں، انہوں نے مکان ہم دو بھائیوں کے نام کردیا ہے، اور ہم دونوں بھائی بھی شادی شدہ ہیں اور والدین ہمارے ساتھ رہتے ہیں، تو قرآن وسنت کی رُو سے آپ یہ فیصلہ کریں کہ والد صاحب کو اس مکان میں سے بڑے بھائی کو حصہ دینا چاہئے یا نہیں؟ آپ یہ فیصلہ کردیں تاکہ ہمارے دِل کو سکون مل جائے۔

جواب:... آپ کے بڑے بھائی جو اپنے والد کی حیات میں انتقال کرگئے ہیں ان کا والد کی جائیداد میں کوئی حصہ نہیں۔

لڑکوں، لڑکیوں اور پوتوں کے درمیان وراثت کی تقسیم

سوال:... میرے والد کے پاس کچھ زمین اور ایک مکان ہے، لیکن میرے والد وفات پاچکے ہیں، انہوں نے اپنی اولاد میں تین لڑکے اور تین لڑکیاں شادی شدہ چھوڑی ہیں، جو موجود ہیں۔ چوتھا نمبر لڑکا جو پانچ سال پہلے وفات پاچکا تھا، اس کی اولاد میں بھی چار لڑکے اور ایک لڑکی ہے، یعنی میرے بھائی کی اولاد (میرے والد کے پوتے ہوئے)۔ والدہ، والد کی زندگی میں ہی فوت ہوچکی تھیں، اب وراثت کی تقسیم کیسے ہوگی؟

جواب:... اگر آپ کے والد نے اپنے ان پوتوں کے حق میں، جن کا والد پہلے انتقال کرگیا تھا، کوئی وصیت کی تھی تو اس وصیت کو پورا کیا جائے۔[1] اور اگر آپ کے والد صاحب نے کوئی وصیت نہیں کی تو اخلاق ومروّت کا تقاضا یہ ہے کہ آپ اپنے مرحوم بھائی کی اولاد کو بھی برابر کا حصہ دے دیں،[2] شرعاً یہ آپ کے ذمہ واجب تو نہیں۔ آپ کے والد کی جائیداد نو حصوں پر تقسیم ہوگی، دو دو حصے لڑکوں کے، اور ایک ایک حصہ لڑکیوں کا۔[3] تقسیمِ میراث کا نقشہ یہ ہے:

لڑکا	لڑکا	لڑکا	لڑکی	لڑکی	لڑکی
۲	۲	۲	۱	۱	۱

تجہیز وتکفین، فاتحہ کا خرچہ ترکہ سے منہا کرنا

سوال:... تجہیز وتکفین کا خرچہ فاتحہ وغیرہ کا خرچہ ترکہ میں سے منہا کیا جائے گا یا نہیں؟

جواب:... تجہیز وتکفین کا خرچہ تو میّت کے مال سے شمار ہوگا، اور فاتحہ وغیرہ کا خرچ ہر وارث اپنے مال سے کرے، اگر مرحوم

---

(۱) تتعلق بتركة الميت حقوق أربعة مرتبة ...... ثم تنفذ وصاياه من ثلث ما بقي بعد الدّين ... الخ۔ (سراجی ص ۳)۔

(۲) قال تعالٰى وإذا حضر القسمة أولوا القربٰى واليتٰمٰى والمسٰكين فارزقوهم منه وقولوا لهم قولًا معروفًا۔ (النساء ۸)۔

(۳) وإذا اختلط البنون والبنات عصب البنون البنات فيكون للإبن مثل حظ الأنثيين۔ (فتاویٰ عالمگیری ج ۶ ص ۴۴۸)۔

کے بچے نابالغ ہوں تو ان کے حصے میں سے دعوت کرنا بھی ناجائز ہے اور اس کو کھانا بھی۔[1]

مرحومہ کی جائیداد، ورثاء میں کیسے تقسیم ہوگی؟

سوال:...مرحومہ والدہ کی اولاد میں ۳ بیٹیاں اور ۳ بیٹے شامل تھے، ایک بیٹے کا انتقال ان کی موجودگی میں ہی ہو چکا تھا، جبکہ دُوسرے بیٹے کی وفات ان کے بعد ہوئی، ہر دو کی بیوائیں اور بچے موجود ہیں، اس وقت تین بیٹیاں شادی شدہ اور ایک بیٹا بقیدِ حیات ہیں، مرحومہ کی جائیداد کس طرح تقسیم ہوگی؟

جواب:...مرحومہ کا ترکہ ادائے قرض ونفاذِ وصیت از ثلث مال کے بعد[2] سات حصوں پر تقسیم ہوگا، دو دو حصے ان دو بیٹوں کے جو والدہ کی وفات کے وقت زندہ تھے، اور ایک ایک حصہ تینوں بیٹیوں کا۔[3] تقسیم میراث کا نقشہ یہ ہے:

بیٹا	بیٹا	بیٹی	بیٹی	بیٹی
۲	۲	۱	۱	۱

جو بیٹا، مرحومہ کے بعد فوت ہوا اس کا حصہ اس کی بیوہ اور بچوں پر تقسیم ہوگا، اور جو بیٹا، مرحومہ سے پہلے انتقال کر گیا اس کے وارثوں کو مرحومہ کے ترکہ سے کچھ نہیں ملے گا، البتہ اگر مرحومہ ان کے بارے میں کچھ وصیت کر گئی ہیں تو ان کی وصیت کے مطابق ان کو دیا جائے۔

مرحومہ کا ورثہ بیٹیوں اور پوتوں کے درمیان کیسے تقسیم ہوگا؟

سوال:...ماں کے بیٹے، ماں کی وفات سے چودہ برس پہلے فوت ہو چکے ہیں، مگر پوتے اور پوتیاں موجود ہیں، ماں کی بیٹیاں بھی ہیں، کیا ماں کے فوت ہونے کے بعد ان کی بیٹیاں اور پوتے، پوتیاں ماں کی ذاتی ملکیت کے حق دار برابر کے ہوتے ہیں؟ کہتے ہیں کہ پوتے، پوتیاں اسلامی نقطۂ نظر سے حق دار نہیں ٹھہرتے، لیکن ایوبی دور میں وراثت کے کسی آرڈی ننس کے تحت حق دار ٹھہرتے ہیں، برائے مہربانی اس کی وضاحت کردیں۔

جواب:...صورتِ مسئولہ میں ماں کی وراثت کا دو تہائی حصہ اس کی بیٹیوں کو ملے گا، اور ایک تہائی اس کے پوتے، پوتیوں

---

(۱) كفن الوارث الميت أو قضى دينه من مال نفسه فإنه يرجع ولا يكون متطوعًا. (الدر المختار ج:۶ ص:۷۱۷ كتاب الوصايا، طبع سعيد). قال علمائنا رحمهم الله تعالى: تتعلق بتركة الميت حقوق أربعة مرتبة. الأول يبدأ بتكفينه وتجهيزه من غير تبذير ولا تقتير، ثم تقضى ديونه من جميع ما بقي من ماله، ثم تنفذ وصاياه من ثلث ما بقي بعد الدين، ثم يقسم الباقي بين ورثته .. إلخ. (السراجي في الميراث ص:۲، ۳ طبع سعيد).

(۲) تتعلق بتركة الميت حقوق أربعة مرتبة .... ثم تقضى ديونه من جميع ما بقي من ماله، ثم تنفذ وصاياه من ثلث ما بقي بعد الدين ...إلخ. (سراجي ص:۳).

(۳) وإذا اختلط البنون والبنات عصبت البنون البنات، فيكون للابن مثل حظ الأنثيين. (عالمگيری ج:۶ ص:۴۴۸، كتاب الفرائض، طبع رشيديه كوئٹه).

کو۔ لڑکے کا حصہ لڑکی سے دُگنا ہوگا۔[1] یہ فقیر تو خدا تعالیٰ کی نازل کردہ شریعت پر ایمان رکھتا ہے، کسی جنرل خان کی شریعت پر ایمان نہیں رکھتا۔ جس کو اپنی قبر آگ سے بھرنی اور اپنی عاقبت برباد کرنی ہو، وہ شوق سے ایوب خان کی ''شریعت'' پر عمل کرے۔

مرحوم سے قبل انتقال ہونے والی لڑکیوں کا وراثت میں حق نہیں

سوال:... ایک خاندان میں والدین کی وفات سے قبل دو شادی شدہ لڑکیوں کا انتقال ہو جاتا ہے، جو کہ صاحبِ اولاد تھیں، ان کی وفات کے بعد والدین انتقال کر جاتے ہیں، اب باقی ورثائے جائیداد کا کہنا ہے کہ جو لوگ پہلے مر گئے ہیں، ان کا اس میں حق نہیں بنتا۔ جناب سے درخواست ہے کہ کتاب و سنت کی روشنی میں بتائیں کہ شریعت کیا کہتی ہے؟ آیا جو دو لڑکیاں والدین کی وفات سے پہلے وفات پا گئی تھیں ان کی اولاد کا اس ورثہ میں حق بنتا ہے کہ نہیں؟

جواب:... شرعاً صرف وہی لڑکیاں، لڑکے وارث ہوتے ہیں جو والدین کی وفات کے وقت زندہ ہوں، جن لڑکیوں کی وفات والدین سے پہلے ہوگئی وہ وارث نہیں، نہ ان کی اولاد کا حصہ ہے۔[2]

باپ سے پہلے انتقال کرنے والی لڑکی کا وراثت میں حصہ نہیں

سوال:... میرے نانا کی تین لڑکیاں اور پانچ لڑکے ہیں، میری ماں کا انتقال نانا کی حیات میں ہو گیا تھا، اب نہ تو نانا ہے اور نہ نانی، نانا کا مکان تھا جو کہ تقریباً تین لاکھ کا ہے، میں اپنی مرحومہ ماں کا اکلوتا بیٹا ہوں، کیا نانا کی جائیداد میں، میں بھی حق دار ہوں؟ اگر ہوں تو میرا کتنا حصہ ہوگا؟ اس وقت وراثت کے حق دار پانچ لڑکے اور دو لڑکیاں ہیں، جبکہ میری ماں اس دُنیا میں نہیں۔

جواب:... آپ کے نانا صاحب کے انتقال کے وقت جو وارث زندہ تھے انہی کو حصہ ملے گا، آپ کی والدہ کا انتقال آپ کے نانا سے پہلے ہوا اس لئے آپ کی والدہ کا حصہ نہیں۔[3]

نواسہ اور نواسی کا وراثت میں حصہ

سوال:... میری ماں کے انتقال کو ساڑھے تین مہینے ہوگئے، ان کے پاس سونے کے دو کڑے اور ایک گلے کا بٹن تھا، انہوں نے اپنی زندگی میں کہا تھا کہ بٹن (جو تقریباً ڈھائی تولے کا ہے) میرے بیٹے یعنی مجھ کو دے دیا جائے، میں بھائیوں میں اکیلا ہوں اور میری چار بہنیں ہیں۔ ان میں سے دو میری والدہ سے پہلے انتقال کر گئی تھیں، دونوں کے ایک ایک بچہ ہے۔ ہاتھ کے کڑے کے لئے انہوں نے کہا کہ چاروں میں آدھا آدھا تقسیم کر دیا جائے، یعنی دونوں بہنوں اور ایک نواسی اور نواسہ کو۔ آپ شرع کے مطابق بتائیں کہ ان کو وصیت کے مطابق اسی طرح کر دُوں؟ دونوں بہنیں جو حیات ہیں ان کے ساتھ کوئی زیادتی تو نہیں ہوگی، جن میں سے چھوٹی

---

(۱) وبنات الإبن كبنات الصلب ...... ولا يرثن مع الصلبيتين إلّا أن يكون بحذائهن أو أسفل منهن غلام فيعصبهن والباقي بينهم للذكر مثل حظ الأنثيين. (سراجي ص:۸، باب معرفة الفروض)۔

(۲) وكان ميراثهما ممن بقي من ورثتهما يرث كل واحد منهما ورثته من الأحياء. (مؤطا إمام مالک ص:۲۶۷)۔

(۳) ایضاً۔

بہن کو طلاق ہوگئی ہے اور وہ میرے پاس ہی رہ رہی ہے۔

جواب:... نواسی اور نواسہ آپ کی مرحومہ والدہ کے وارث نہیں، اس لئے ان کے حق میں جو وصیت کی اس کو پورا کیا جائے، یعنی ہاتھ کا ایک کڑا دونوں میں تقسیم کیا جائے۔ آپ کے اور آپ کی بہنوں کے بارے میں جو وصیت کی، وہ صحیح نہیں، کیونکہ وارث کے حق میں وصیت نہیں ہوتی۔[1] اس لئے آپ کی والدہ نے جو ترکہ چھوڑا ہے (اگر ان کے ذمہ کچھ قرضہ ہے تو ادا کرنے کے بعد، اور جو وصیت کی تھی اس کو پورا کرنے کے بعد) چار حصوں میں تقسیم ہوگا، دو حصے آپ کے، اور ایک ایک حصہ دونوں بہنوں کا، پھر بہن بھائی اگر والدہ کی ہدایت پر خوشی سے عمل کرلیں تو کوئی حرج نہیں۔[2] تقسیم میراث کا نقشہ یہ ہے:

بیٹا	بیٹی	بیٹی
۲	۱	۱

(۱) إن الله قد أعطى كل ذى حق حقه فلا وصية لوارث. (ترمذى ج:۲ ص:۳۲، أبواب الوصايا).

(۲) وإذا اختلط البنون والبنات عصب البنون البنات، فيكون للإبن مثل حظ الأنثيين. (عالمگیری ج:٦ ص:۴۴۸ كتاب الفرائض، طبع رشيديه كوئته).

مورث کی زندگی میں جائیداد کی تقسیم

وراثت کے ٹکڑے ٹکڑے ہونے کے خوف سے زندگی میں وراثت کی تقسیم

سوال:... اگر کوئی صاحب جائیداد جس کے ورثاء آدھی درجن سے زیادہ ہوں اور اس میں کچھ ورثاء خوش حال اور کچھ غریب ہوں تو صاحب جائیداد اگر اپنی ملکیت کو ٹکڑے ٹکڑے ہونے اور ضائع ہونے کے خیال سے بچانے کے لئے اپنی ملکیت کی رقم کو شرعی طور پر اپنی زندگی میں تمام ورثاء میں تقسیم کردے اور پھر اس ملکیت کو کسی غریب اور مستحق وارث کے نام منتقل کردے، تو اس میں شرعاً کیا مسائل پیدا ہوسکتے ہیں؟

جواب:... شریعت نے حصے مقرّر کئے ہیں، خواہ کوئی امیر ہو یا غریب، اس کو اس کا حصہ دیا جاتا ہے۔[1] اگر باقی وارثوں کی رضامندی سے کسی ایک کو یا چند کو دیا جائے تو کوئی حرج نہیں، اور اگر وارث راضی نہ ہوں تو جائز نہیں۔ یہ مرکر خود بھی ٹکڑے ٹکڑے ہوجائے گا، اس کو اپنے بچنے کی فکر کرنی چاہئے نہ کہ جائیداد کو بچانے کی:

بلبل نے آشیانہ چمن سے اُٹھالیا
اس کی بلا سے بوم بسے یا ہما رہے!

اولاد کا والدین کی زندگی میں وراثت سے اپنا حق مانگنا

سوال:... کوئی اولاد لڑکا یا لڑکی (خاص طور پر لڑکا) شرعی لحاظ سے اپنے والد سے اس کی زندگی ہی میں اس کے اثاثے یا جائیداد میں سے اپنا حق مانگنے کا مجاز ہے کہ نہیں؟

---

(۱) قال تعالى: للرجال نصيب مما ترك الوالدان والأقربون وللنساء نصيب مما ترك الوالدان والأقربون مما قل منه أو كثر نصيبًا مفروضًا. (النساء:۷). أيضًا. معارف القرآن ج:۲ ص:۳۱۴. وعن أبي أمامة الباهلي رضي الله عنه قال: سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول في خطبته عام حجة الوداع: إن الله قد أعطى كل ذي حق حقه ... الخ (جامع الترمذي ج ۲ ص:۳۲ أبواب الوصايا). أيضًا عن عمرو بن خارجة ان النبي صلى الله عليه وسلم ... قال: إن الله قسم لكل وارث نصيبه فلا يجوز لوارث وصية. (ابن ماجة ص:۱۹۴، أبواب الوصايا، طبع مير محمد).

جواب:... وراثت تو موت کے بعد تقسیم ہوتی ہے،[1] زندگی میں والد اپنی اولاد کو جو کچھ دے دے وہ عطیہ ہے، اور ظاہر ہے کہ عطیہ دینے پر کسی کو مجبور نہیں کیا جاسکتا۔

اپنی زندگی میں کسی کو جائیداد دے دینا

سوال:... کیا صحت مند آدمی اپنی جائیداد کسی کو اپنی مرضی سے دے سکتا ہے؟

جواب:... دے سکتا ہے، مگر جس کو دے اس کو قبضہ دِلا دے،[2] اور اگر وارثوں کو محروم کرنے کی نیت ہو، تو گناہگار ہوگا۔[3]

زندگی میں بیٹے اور بیٹیوں کا حق کس تناسب سے دینا چاہئے؟

سوال:... ایک شخص نے اپنی زندگی میں اپنی دولت سے کچھ حصہ نکال کر اس دولت سے ایک جائیداد اپنے لڑکے اور لڑکیوں کو جو کہ تمام شادی شدہ ہیں، مشترکہ طور دے دی اور اس جائیداد میں لڑکوں کے دو حصے اور لڑکیوں کا ایک حصہ مقرر کردیا، اور یہ کہہ دیا کہ میں اپنی زندگی میں ورثہ تقسیم کر رہا ہوں، اس لئے اس جائیداد میں لڑکوں کے دو دو، اور لڑکیوں کا ایک ایک حصہ ہوگا، جو کہ ورثہ کی تقسیم کا ایک شرعی طریقہ ہے۔ جائیداد جب بیٹوں اور بیٹیوں کو دے دی گئی، تو بیٹیوں نے باپ سے کہا کہ ہمیں معلوم ہوا ہے کہ زندگی میں اگر ترکہ بانٹا جائے تو لڑکے اور لڑکیوں کا حصہ برابر ہوتا ہے، اس کے جواب میں باپ نے کہا کہ میں تو دے چکا، لیکن بیٹیوں کا اصرار ہے کہ ان کا حصہ بیٹوں کے برابر ہونا چاہئے، کیونکہ ان کے بقول شرعاً یہ پابندی ہے کہ زندگی میں اگر ترکہ بانٹا جائے تو اس میں بیٹے اور بیٹیوں کا حصہ برابر ہوتا ہے۔

جواب:... اگر کوئی شخص اپنی زندگی میں اپنی جائیداد اولاد کے درمیان تقسیم کرتا ہے تو بعض ائمہ کے نزدیک اس کو چاہئے کہ لڑکے کا حصہ دو لڑکیوں کے برابر رکھے، اور بعض ائمہ کے نزدیک مستحب یہ ہے کہ سب کو برابر دے، لیکن اگر لڑکوں کو دو حصے دیئے اور

---

(۱) أما بيان الوقت الذي يجرى فيه الإرث .... قال مشائخ بلخ: الإرث يثبت بعد موت المورث. (البحر الرائق ج:۹ ص:۳۶۴ كتاب الفرائض، طبع رشيديه). وفي الدر المختار: وهل إرث الحي من الحيّ أم من الميت أي قبيل الموت في آخر جزء من أجزاء حياته؟ المعتمد الثاني (وفي الشامية) لأن التركة في الإصطلاح. ما تركه الميت من الأموال صافيًا عن تعلق حق الغير بعين من الأحوال. (رد المحتار مع الدر المختار ج:۶ ص:۷۵۸،۷۵۹).

(۲) وفي الهندية (ج:۴ ص:۳۷۴): ومنها أن يكون الموهوب مقبوضًا حتّى لَا يثبت الملك للموهوب له قبل القبض. أيضًا: تنعقد الهبة بالإيجاب والقبول وتتم بالقبض الكامل، لأنها من التبرعات، والتبرع لَا يتم إلّا بالقبض. (شرح المجلة لسليم رستم باز ص ۴۶۲ رقم المادّة:۸۳۷، كتاب الهبة، طبع مكتبه حبيبه كوئته). أيضًا: وتتم الهبة بالقبض الكامل. (درمختار ج.۵ ص.۶۹۲).

(۳) عن أنس قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: من قطع ميراث وارثه قطع الله ميراثه من الجنّة يوم القيامة. (مشكوة ج:۱ ص۲۶۶، باب الوصايا، طبع قديمي كتب خانه).

لڑکی کو ایک حصہ دیا تب بھی جائز ہے۔ لہٰذا صورتِ مسئولہ میں اس شخص کی تقسیم صحیح ہے اور لڑکیوں کا اِصرار صحیح نہیں۔ [1]

جائیداد میں حصہ

سوال:... عرض ہے کہ ہمارے والد صاحب کے نام ایک مکان ہے، ہم دو بھائی اور پانچ بہنیں ہیں۔ تین سال پہلے والد صاحب نے یہ مکان ہماری چھوٹی بہن کے نام کردیا۔ اب بڑی بہن اس مکان میں بچوں کے ساتھ رہ رہی ہیں، جب مکان تیار ہو رہا تھا تو والد صاحب نے بڑی بہن سے تین لاکھ روپے اُدھار لئے تھے، اس مکان کے آدھے حصے کا کرایہ آٹھ ہزار روپے بھی دو سال سے بہن لے رہی ہیں اور اسی مکان میں رہ رہی ہیں۔ اب وہ کہہ رہی ہیں کہ ۱/۲/۱۹۹۹ء کو میرا قرضہ پورا ہوجائے گا، تو میں مکان سے چلی جاؤں گی۔ تمام بہنیں یہ چاہتی ہیں کہ مجھے مکان میں حصہ نہ ملے، کیونکہ میں پچھلے پانچ سال سے کراچی میں الگ رہ رہا ہوں، جبکہ ہمارا مکان حیدرآباد میں ہے، والد صاحب سب بہنوں ہی کی بات مانتے ہیں، ہماری نہیں سنتے۔ میں والد صاحب کا نافرمان نہیں ہوں، جبکہ مکان میری سربراہی میں تیار ہوا، اب خدا جانے کیا ہوا ہے؟ آپ سے یہ پوچھنا ہے کہ میں ان کا بڑا بیٹا ہوں، اگر وہ مجھے جائیداد میں سے حصہ نہیں دیتے تو اس کے متعلق کیا حکم ہے؟

جواب:... اگر انہوں نے یہ مکان اپنی چھوٹی بیٹی کے نام کرادیا، تو یہ ان کی چیز تھی، انہوں نے چھوٹی بیٹی کو دے دی۔ [2] البتہ بغیر ضرورت کے اور بغیر وجہ کے انہوں نے یہ عمل کیا ہے تو وہ گنہگار ہوں گے۔ [3]

دادا نے اگر مرنے سے قبل اپنا حصہ پوتوں کو دے کر قبضہ بھی دے دیا تو وہ اُنہیں کا ہوگا

سوال:... میرے دادا کی اولاد میں دو بیٹے ہیں، میرے دادا نے اپنی زندگی میں ہی اپنی زمین کے تین حصے کرکے ایک حصہ میرے والد کو، ایک حصہ میرے چچا کو اور ایک حصہ خود رکھا۔ میرے والد کا اِنتقال ہوگیا تو میرے دادا نے اپنا حصہ بھی ہمیں دے دیا۔

---

(۱) ولو وهب رجل شيئًا لأولاده في الصحة وأراد تفضيل البعض على البعض في ذٰلك، لا رواية في الأصل عن أصحابنا، وروى عن أبي حنيفة رحمه الله تعالىٰ أنه لا بأس به إذا كان التفضيل لزيادة فضل في الدِّين، وإن كانوا سواءً يكره، وروى المعلى عن أبي يوسف رحمه الله تعالىٰ، أنه لا بأس به إذا لم يقصد به الإضرار، وإن قصد به الإضرار سوّى بينهم ...إلخ. (فتاوىٰ عالمگيرى ج:۴ ص:۳۹۱، كتاب الهبة، الباب السادس). أيضًا: الأفضل في هبة الإبن والبنت التثليث كالميراث وعند الثاني التنصيف وهو المختار. (الفتاوى البزازية على هامش الهندية ج:۶ ص.۲۳۷ كتاب الهبة). قال أبو جعفر ينبغي للرجل أن يعدل بين أولاده في العطايا: والعدل في ذالك في قول أبي يوسف التسوية بينهم، وفي قول محمد يحريهم على سبيل مواريثهم لو توفي. (شرح مختصر الطحاوى ج.۴ ص:۲۴ كتاب العطايا).

(۲) رجل وهب في صحته كل المال للولد جاز في القضاء ويكون آثمًا فيما صنع. (عالمگيرى ج:۴ ص.۳۹۱، كتاب الهبة). الهبة عقد مشروع تصح بالإيجاب والقبول والقبض. (هداية ج:۳ ص:۲۵۷، كتاب الهبة).

(۳) عن أنس قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: من قطع ميراث وارثه قطع الله ميراثه من الجنّة. (رواه ابن ماجة، مشكوة ج:۱ ص:۲۶۶، باب الوصايا، طبع قديمى).

جب میرے والد کے اِنتقال کو ایک سال ہوگیا تو چچا نے کہا کہ شریعت میں تمہارا حصہ نہیں بنتا، اور ہم سے ہمارا حصہ بھی اور جو دادا نے دیا تھا وہ بھی چھین لیا، یاد رہے کہ یہ سب کچھ میرے دادا کے اِنتقال کے بعد ہوا ہے، آپ قرآن و سنت کی روشنی میں بتائیں کہ ہم اس جائیداد کے وارث ہیں یا نہیں؟

جواب:... آپ کے دادا نے جو حصہ آپ کے والد کی زندگی میں اس کے حوالے کردیا تھا، وہ آپ کے والد کا ہوگیا، اس میں آپ کے چچا کا کوئی حق نہیں۔[1]

اور آپ کے والد کی وفات کے بعد جو اپنا حصہ دادا نے آپ کو دیا تھا، اگر اس پر آپ کو قبضہ بھی دِلا دیا تھا تو وہ بھی آپ کا ہوگیا (خواہ کاغذات میں آپ کے نام نہیں کیا)، اور اگر قبضہ نہیں دِلایا، صرف زبان سے کہہ دیا تھا کہ یہ حصہ بھی تمہارا ہے، تو یہ آپ کا نہیں ہوا، بلکہ یہ چچا کا ہے۔[2] واللہ اعلم!

ہبہ کی واپسی دُرست نہیں

سوال:... ایک باپ نے ایک لڑکے کے علاوہ اپنی تمام لڑکیوں اور لڑکوں کی شادی کرادی، اور جس کی شادی نہیں کی اس کے لئے تمام بچوں کی شادی پر جو رقم خرچ ہوئی اس سے آدمی کا ایک کلیم اس کے حق میں ہبہ کردیا، اور اس کی تحویل میں دے دیا، کیا یہ اسی کا ہوگا؟ والد کی وفات کے بعد باقی ورثاء اس کو واپس لے سکتے ہیں؟

جواب:... جب ہبہ مکمل ہوگیا تو اَب واپس لینا ورثاء کے لئے دُرست نہیں، اور یہ اسی کا ہوگا۔[3]

زندگی میں جائیداد لڑکوں اور لڑکیوں میں برابر تقسیم کرنا

سوال:... جناب محترم! ہمارے ایک جاننے والے جو کہ دِین دار بھی ہیں، ان کے تین لڑکے اور تین لڑکیاں ہیں جو کہ سب شادی شدہ ہیں۔ ان صاحب کا یہ ارادہ ہے کہ وہ اپنی جائیداد کو اولاد میں برابر تقسیم کردیں، کیونکہ ان کا یہ کہنا ہے کہ مرنے کے بعد میں ایسا نہیں کرسکتا۔ وہ ایسا اس لئے کرنا چاہ رہے ہیں کہ وہ اپنے نالائق بے ادب لڑکوں کو سزا دینا چاہتے ہیں، اس کے بارے میں شریعت کا کیا حکم ہے؟ کیا وہ ایسا کرنے کے مجاز ہیں یا نہیں؟

---

(۱) وينعقد الهبة بقوله وهبتُ ونحلتُ وأعطيتُ لأن الأوّل صريح فيه والثاني مستعمل فيه ...إلخ۔ (الهداية ج:۳ ص:۲۸۲ كتاب الهبة)۔

(۲) الهبة عقد مشروع وتصح بالإيجاب والقبول والقبض۔ (الهداية ج:۳ ص:۲۸۲ كتاب الهبة)۔ يملك الموهوب له الموهوب بالقبض۔ (شرح المجلة ج:۱ ص:۴۷۳ طبع مكتبه حنفيه كوئٹه)۔

(۳) ولَا يتم حكم الهبة إلّا مقبوضة ويستوى فيه الأجنبي والولد إذا كان بالغًا هكذا في المحيط۔ (عالمگيری ج:۴ ص:۳۷۷)۔ تمليك الموهوب له الموهوب بالقبض۔ (شرح المجلة ج:۱ ص:۴۷۳ مكتبه حنفيه كوئٹه)۔

جواب:... اپنی زندگی میں اپنی جائیداد، اپنی اولاد میں (خواہ لڑکے ہوں یا لڑکیاں) برابر تقسیم کرسکتے ہیں۔[1]

زندگی میں ترکہ کی تقسیم

سوال:... میں لاولد ہوں، میرے پاس آباء واجداد کی کوئی جاگیر ہے، نہ کوئی رقم ورثہ میں ملی تھی۔ میں نے خود اپنی محنت مزدوری کرکے اپنا گزارہ کیا، اور اب میرے پاس اتنی رقم ہے کہ میں چاہتا ہوں کہ اپنے کاروبار کے لئے صرف اتنی پونجی رکھ کر جس سے میرا گزارا چلتا رہے، بقایا رقم میں اپنے لواحقین میں تقسیم کردوں، یعنی زندگی میں اپنے ہاتھ سے دے دوں۔ لواحقین میں میرا ایک حقیقی بھائی ہے، اور دو حقیقی بہنیں ہیں۔ برائے مہربانی یہ تحریر فرمائیں کہ قرآن واحادیث کی روشنی میں تقسیم حصہ کیسے کیا جائے؟

جواب:... آپ جب تک بقیدِ حیات ہیں، اپنی املاک کو استعمال کریں، اپنی آخرت کے لئے سرمایہ بنائیں اور راہِ خدا پر خرچ کریں۔ مرنے کے بعد جس کا جتنا حصہ ہوگا خود ہی لے لے گا، اور اگر آپ کو یہ خیال ہو کہ ممکن ہے کہ بعد کے لوگ شریعت کے مطابق تقسیم نہ کریں تو دو دِین دار اور عالم اَشخاص کو اس کا ذمہ دار بنائیں کہ وہ شرعی حصوں کے مطابق تقسیم کریں۔ یہ بات میں نے آپ کے سوال سے ہٹ کر لکھی ہے۔ آپ کے سوال کا جواب یہ ہے کہ اگر آپ کی وفات کے وقت یہ سب بہن بھائی زندہ ہوں تو بھائی کو دونوں بہنوں کے برابر حصہ ملے گا، گویا چار میں سے دو حصے بھائی کے ہوں گے اور ایک ایک دونوں بہنوں کا،[2] آپ چاہیں تو ابھی تقسیم کردیں۔ نقشۂ تقسیم اس طرح ہے:

بھائی	بہن	بہن
۲	۱	۱

زندگی میں مال میں تصرف کرنا

سوال:... میری شادی ہوئی اور بیوی فوت ہوگئی تھی، کوئی اولاد نہیں ہے، میں لاولد ہوں۔ میں نے جو کمایا اور جو دولت میرے پاس ہے، میرے اپنے ہاتھوں سے کمائی ہوئی ہے، آباء واجداد کی وراثت سے کوئی جائیداد نہیں ہے، اور نہ کوئی دولت میرے حصے میں آئی۔ میں کرائے کے مکان میں ہوں، میرا ایک حقیقی بھائی ہے، جو صاحبِ اولاد ہے، دو حقیقی بہنیں ہیں، وہ بھی صاحبِ اولاد ہیں۔ میں زندگی میں ہی ان تینوں بھائی اور بہنوں کو اپنی دولت سے حصہ دینا چاہتا ہوں، کیا ان کا حق ہے؟ اگر میں پہلے ان کا حصہ دے دوں لیکن بعد میں جو ہوگا یعنی بچے گا وہ میں جہاں اور جس کو چاہوں وصیت نامہ لکھ کر رکھوں گا تاکہ بعد میں کوئی مطالبہ نہ کرسکے، لہٰذا

(۱) عن النعمان بن بشير أتى به إلى رسول الله صلى الله عليه وسلم فقال: إني نحلت ابني هٰذا غلامًا، فقال. أكل ولدك نحلت مثله؟ قال. لَا! قال: فارجعه. (صحيح البخاري ج:۱ ص:۳۵۲)۔ وفي الخلاصة: المختار التسوية بين الذكر والأنثى في الهبة. (البحر الرائق ج:۷ ص:۴۹۰، كتاب الهبة، وكذا في خلاصة الفتاوىٰ ج:۴ ص:۴۰۰ كتاب الهبة، طبع رشيديه)۔ تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو: شرح مختصر الطحاوي ج:۴ ص:۲۲ تا ۲۹، كتاب العطايا، طبع بيروت۔

(۲) وأما الأخوات لأب وأم فأحوال خمس ...... ومع الأخ لأب وأمّ للذكر مثل حظ الأنثيين۔ (سراجي ص ۱۰)۔

قرآن وحدیث کی روشنی میں وضاحت سے جواب دیں۔

الف: اگر میرا بھائی اور دو بہنیں حق دار ہیں تو میں اپنے کاروبار اور ... کے اخراجات کے لئے موجودہ مال سے خود کتنا مال اپنے لئے رکھوں؟

ب: بقایا مال میں سے ایک بھائی اور دو بہنوں میں تقسیم کا شرعی طریقہ کیا ہے؟

جواب:... جب تک آپ زندہ ہیں وہ مال آپ کا ہے، اس میں جو جائز تصرف آپ کرنا چاہیں آپ کو حق ہے۔( ) آپ کے مرنے کے بعد جو وارث اس وقت موجود ہوں گے ان کو شریعت کے مطابق حصہ ملے گا، اور تہائی مال کے اندر اندر آپ وصیت کر سکتے ہیں کہ فلاں کو دے دیا جائے، یا فلاں کارِ خیر میں لگادیا جائے۔(۲)

مرنے سے قبل جائیداد ایک ہی بیٹے کو ہبہ کرنا شرعاً کیسا ہے؟

سوال:... ہمارے والد وفات پاگئے ہیں، ہم پانچ بھائی، ایک بہن اور ہماری والدہ ہیں، لیکن ہمارے والد انتقال سے پہلے اپنی جائیداد، مکان ہمارے ایک ہی بھائی نوشاد علی کے نام کر گئے ہیں۔ بھائی کا کہنا ہے کہ والد نے مجھے یہ مکان، جائیداد گفٹ کی ہے، اس لئے .س پر اب کسی کا حق نہیں ہے۔ لہٰذا آپ سے درخواست ہے کہ اسلامی نقطۂ نظر سے بتائیں کہ کیا اب اس پر یعنی جائیداد اور مکان پر ہمارا کوئی حق نہیں؟ یا اگر تقسیم ہوگی تو کس طرح ہوگی؟

جواب:... سوال کے الفاظ سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کے والد صاحب نے اپنی جائیداد اپنے بیٹے نوشاد علی کے نام انتقال سے پہلے بیماری کی حالت میں کی تھی، اور پھر اس بیماری کی حالت میں انتقال کر گئے۔ اگر آپ کے سوال کا مطلب میں نے صحیح سمجھا ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ مرض الوفات کے تصرف کی حیثیت وصیت کی ہوتی ہے، اور وصیت وارث کے لئے جائز نہیں، لہٰذا آپ کے

( ) ولكل واحد منهم ان يتصرف في حصته كيف ما شاء. (شرح المجلة لسليم رستم باز ج:۱ ص:۶۴۳، رقم المادّة: ۱۱۶۲ الفصل الثامن في أحكام القسمة). كلٌ يتصرف في ملكه كيف شاء. (أيضًا ج.۱ ص:۶۵۴، رقم المادّة: ۱۱۹۲، كتاب الشركة). أيضًا: لأن الملك ما من شانه ان يتصرف فيه بوصف الإختصاص. (رد المحتار ج:۴ ص:۵۰۲، مطلب في تعريف المال والملك، طبع سعيد).

(۲) قال علمائنا رحمهم الله تعالىٰ: تتعلق بتركة الميت حقوق أربعة مرتبة ... ثم تنفذ وصاياه من ثلث ما بقي بعد الدين، ثم يقسم الباقي بين ورثته بالكتاب والسُّنّة واجماع الأُمّة فيبدأ بأصحاب الفروض ... إلخ. (السراجي في الميراث ص ۳،۲، طبع المصباح). وعن عامر بن سعد عن أبيه رضي الله عنه قال: مرضت عام الفتح، حتّٰى اشفيت على الموت، فعادني رسول الله صلى الله عليه وسلم فقلت: أي رسول الله! إنّ لي مالًا كثيرًا وليس يرثني إلّا ابنة لي، أفأتصدق بثلثي مالي؟ قال: لا! قلت: فالشطر؟ قال: لَا! قلت: فالثلث؟ قال: الثلث! والثلث كثيرٌ، أن تذر ورثتك أغنياء خير من أن تذرهم عالةً يتكففون الناس. (سنن ابن ماجة واللفظ لهٗ ج:۱ ص:۱۹۴، أبواب الوصايا، أيضًا سنن أبي داوٗد ج:۲ ص:۳۹۵ كتاب الوصايا). وفي الفتاوى الهندية ج:۶ ص:۹۰ كتاب الوصايا: ولَا تجوز بما زاد على الثلث إلّا أن يجيزها الورثة بعد موته وهم كبار.

والد صاحب کا یہ تصرف وارثوں کی رضامندی کے بغیر باطل ہے،[1] اور یہ جائیداد سب وارثوں پر شرعی حصوں کے مطابق تقسیم ہوگی۔

اور اگر نوشاد علی کے نام جائیداد کردینا مرض الوفات میں نہیں ہوا، بلکہ صحت و تندرستی کے زمانے میں انہوں نے یہ کام کیا تھا، تو اس کی دو صورتیں ہیں، اور دونوں کا حکم الگ الگ ہے۔

ایک صورت یہ ہے کہ سرکاری کاغذات میں جائیداد بیٹے کے نام کرادی، لیکن بیٹے کو جائیداد کا قبضہ نہیں دیا، قبضہ و تصرف مرتے دم تک والد صاحب ہی کا رہا، تو یہ ہبہ مکمل نہیں ہوا، لہٰذا صرف وہی بیٹا اس جائیداد کا حق دار نہیں، بلکہ تمام وارثوں کا حق ہے اور یہ جائیداد شرعی حصوں پر تقسیم ہوگی۔[2]

دُوسری صورت یہ ہے کہ آپ کے والد صاحب نے جائیداد بیٹے کے نام کرکے قبضہ بھی اس کو دِلا دیا، اور خود قطعاً بے دخل ہوکر بیٹھ گئے تھے، بیٹا اس جائیداد کو بیچے، رکھے، کسی کو دے، ان کو اس پر کوئی اعتراض نہیں تھا، تو اس صورت میں یہ ہبہ مکمل ہوگیا۔ یہ جائیداد صرف اسی بیٹے کی ہے، باقی وارثوں کا اس میں کوئی حق نہیں رہا۔[3] لیکن دُوسرے وارثوں کو محروم کرکے آپ کے والد صاحب ظلم وجور کے مرتکب ہوئے جس کی سزا وہ اپنی قبر میں بھگت رہے ہوں گے۔[4] اگر وہ لائق بیٹا اپنے والد صاحب کو اس عذاب سے بچانا چاہتا ہے تو اسے چاہئے کہ اس جائیداد سے دستبردار ہوجائے اور شرعی وارثوں کو ان کے حصے دے دے۔

اپنی حیات میں جائیداد کس نسبت سے اولاد کو تقسیم کرنی چاہئے؟

سوال:... میری چھ اولادیں ہیں، جن کی تفصیل حسبِ ذیل ہے: ۴ لڑکیاں شادی شدہ، ایک لڑکا شادی شدہ، ایک لڑکا

---

(۱) إذا وهب واحد في مرض موته شيئًا لأحد ورثته، وبعد وفاته لم يجز سائر الورثة، لَا تصح تلك الهبة أصلًا، لأن الهبة في مرض الموت وصية ولَا وصية لوارث ولٰكن لو أجاز الورثة هبة المريض بعد موته صحت ...... وانما تتوقف الهبة على إجازة الورثة إذا مات المريض من ذٰلك المرض، كما قيده في المتن بقوله بعد وفاته، وأما لو برىء المريض، نفذت الهبة ولو لم يجزها الورثة. (شرح المجلة لسليم رستم باز ج:۱ ص:۴۸۴، رقم المادة: ۸۷۹، كتاب الهبة، طبع كوئٹه، أيضًا عالمگيرى ج:۴ ص:۴۰۰ كتاب الهبة). وعن أبي أُمامة رضى الله عنه قال: سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول في خطبته عام حجة الوداع: إن الله قد أعطى كل ذى حق حقه، فلا وصية لوارث. (مشكوٰة ص:۲۶۵، باب الوصايا، طبع قديمى، أيضًا عالمگيرى ج:۶ ص:۹۱، كتاب الوصايا، طبع رشيديه كوئٹه).

(۲) تنعقد الهبة بالإيجاب والقبول وتتم بالقبض الكامل، لأنها من التبرعات والتبرع لَا يتم إلّا بالقبض. (شرح المجلة لسليم رستم باز ج:۱ ص:۴۶۲ رقم المادة:۸۳ كتاب الهبة). أيضًا: وتتم الهبة بالقبض الكامل ولو الموهوب شاغلًا بملك الواهب لَا مشغولًا به .... كما يكون للواهب الرجوع فيهما يكون لوارثه بعد موته لكونها مستحقة الرد. (فتاوىٰ شامى ج:۵ ص:۶۹۲ كتاب الهبة، طبع سعيد).

(۳) وشرائط صحتها في الموهوب أن يكون مقبوضًا غير مشاع مميزًا غير مشغول. (تنوير الأبصار مع الدر المختار، كتاب الهبة ج:۵ ص:۶۸۸). أيضًا: يملك الموهوب له الموهوب بالقبض فالقبض شرط لثبوت الملك لَا لصحة القبض. (شرح المجلة لسليم رستم باز ج:۱ ص:۴۷۳ رقم المادة: ۸۶۱). أيضًا: ومنها أن يكون الموهوب مقبوضًا حتّٰى لَا يثبت الملك للموهوب له قبل القبض. (فتاوىٰ عالمگيرى ج:۴ ص:۳۷۴، كتاب الهبة).

(۴) من قطع ميراث وارثه قطع الله ميراثه من الجنة. (مشكوٰة ج:۱ ص:۲۶۶، باب الوصايا).

غیرشادی شدہ۔ میری کچھ جائیداد لالوکھیت میں ہے، سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ میں چاہتا ہوں کہ اپنی زندگی میں جس جس کا جو حصہ نکلے اس کو ان کا حصہ دے دُوں۔ معلوم یہ کرنا ہے کہ پہلے غیرشادی شدہ لڑکے کا حصہ نکال کر (یعنی شادی کے اخراجات) باقی رقم کی تقسیم کس طرح ہوگی؟ ایک روز چاروں لڑکیاں اور چاروں داماد موجود تھے، میں نے ان کے سامنے یہ مسئلہ رکھا، چونکہ چاروں لڑکیاں صاحبِ نصاب ہیں، انہوں نے متفقہ طور پر یہ کہا کہ اللہ تعالیٰ نے ہم کو بہت دیا ہے، ہم چاروں اپنے حصے اپنے دونوں بھائیوں کو دینا چاہتی ہیں۔ اب فرمائیے کہ اس جائیداد کی تقسیم کس طرح ہوگی؟

جواب:... آپ اپنے غیرشادی شدہ لڑکے کی شادی کے اخراجات نکال کر اس لڑکے کے حوالے کرکے باقی جائیداد اپنی زندگی ہی میں اپنی تمام اولاد میں تقسیم کرسکتے ہیں۔ البتہ اس تقسیم کے لئے ضروری ہے کہ لڑکے اور لڑکی دونوں کو برابر کا حصہ دیں۔[1] اور جو جائیداد منقولہ یا غیرمنقولہ ان کے درمیان تقسیم کریں، وہ ان کے قبضے میں دے دیں، اور اگر آپ نے جائیداد ان کے قبضے میں نہیں دی بلکہ محض کاغذی طور پر تقسیم کی ہے اور جائیداد اپنے قبضے میں رکھی ہے تو آپ کے انتقال کے وقت وہ جائیداد منقولہ و غیرمنقولہ جو آپ کے قبضے میں ہے، اس کی تقسیم میراث کے اُصولوں کے مطابق ہوگی، یعنی لڑکی کا ایک حصہ اور لڑکے کے دو حصے۔ آپ کی لڑکیاں اگر اپنے حصے سے دست بردار ہونا چاہتی ہیں تو آپ اپنی تمام جائیداد اپنے لڑکوں کو دے سکتے ہیں، لیکن اس صورت میں بھی اگر آپ نے لڑکوں کے درمیان جائیداد تقسیم کرکے ان کو قبضہ دے دیا تو آپ کے انتقال کے بعد آپ کی لڑکیوں کو اس میں حصے کا مطالبہ کرنے کا حق نہ ہوگا، اور اگر آپ نے انتقال تک لڑکوں کو قبضہ نہ دیا تو آپ کے انتقال کے بعد لڑکیاں اس جائیداد میں اپنے حصے کا مطالبہ میراث کے اُصولوں کے مطابق کرسکتی ہیں۔[2]

---

(۱) ولو وهب رجل شيئًا لأولاده في الصحة وأراد تفضيل البعض على البعض ...... عن أبي يوسف أنه لا بأس به إذا لم يقصد به الإضرار وإن قصد به الإضرار سوّى بينهم يعطي الإبنة مثل ما يعطي للإبن وعليه الفتوىٰ. (فتاویٰ عالمگیری ج:۴ ص:۳۹۱، كتاب الهبة، الباب السادس، طبع رشيديه كوئٹه).

(۲) وتتم الهبة بالقبض الكامل ولو الموهوب شاغلًا لملك الواهب لا مشغولًا به في محوز مقسوم ومشاع لا يبقى منتفعًا به بعد أن يقسم ..... وفي الشامية: وكما يكون للواهب الرجوع فيهما يكون لوارثه بعد موته لكونها مستحقة الرد. (تنوير الأبصار مع الشامية ج:۵ ص:۶۹۲، كتاب الهبة، طبع ايچ ايم سعيد).

عورت کی موت پر جہیز و مہر کے حق دار

عورت کے انتقال کے بعد مہر کا وارث کون ہوگا؟

سوال:... عورت کے انتقال کے بعد مہر کی رقم (جائیداد، زیور یا نقدی کی صورت میں ہو) کا وارث کون ہوتا ہے؟

جواب:... عورت کے مرنے کے بعد اس کا مہر بھی اس کے ترکہ میں شامل ہوجاتا ہے، جو اس کے وارثوں میں حصہ رسدی تقسیم ہوگا۔[1]

لاولد متوفیہ کے مہر کا وارث کون ہے؟

سوال:... شادی کے ایک سال بعد بحکمِ خداوندی لڑکی کا انتقال ہوگیا، کوئی اولاد نہیں ہے۔ اس صورت میں جہیز میں سامان کی واپسی اور مہر کی رقم کا مطالبہ کیا جاسکتا ہے یا نہیں؟

جواب:... لڑکی کا جہیز اور مہر آدھا شوہر کا ہے،[2] اور باقی آدھا اس کے والدین کا، اس طور پر کہ والد کے دو حصے اور والدہ کا ایک حصہ۔ گویا کل ترکہ کے اگر چھ حصے کردیئے جائیں تو تین حصے شوہر کے ہیں، دو حصے والد کے، ایک حصہ والدہ کا۔[3] جتنا والدین کا حق ہے اس کا مطالبہ کرسکتے ہیں۔ تقسیمِ میراث کا نقشہ یہ ہے:

شوہر	والد	والدہ
۳	۲	۱

بیوی کے مرنے کے بعد اس کے مہر اور دیگر سامان کا حق دار کون ہوگا؟

سوال:... میں نے دو سال پیشتر شادی کی تھی، ایک اللہ تعالیٰ کا دیا ہوا بچہ ہے جو ۵ ماہ کا ہے، لیکن بیوی اس جہانِ فانی سے

(۱) لأن التركة ما تركه الميت من الأموال صافيًا عن تعلق حق الغير بعين من الأموال۔ (رد المحتار ج:۶ ص:۷۵۹، كتاب الفرائض).

(۲) کیونکہ یہ دونوں چیزیں مرحومہ کی ملکیت تھیں، اور انتقال کے بعد ان کا ترکہ بن گئیں، اور اس طرح کی صورتِ حال میں کہ میّت کی جب اولاد نہ ہو تو شوہر کو کل ترکہ سے نصف ملتا ہے۔

(۳) قوله تعالٰى. فإن لم يكن له ولد وورثه أبواه فلأمه الثلث، أى مما ترك، والمعنى "وورثه أبواه" فحسب، لأنه إذا ورثه أبواه مع أحد الزوجين كان للأم ثلث ما يبقى بعد إخراج نصيب الزوج، لا ثلث ما ترك .... فإن امرأة لو تركت زوجا وأبوين، فصار للزوج النصف وللأم الثلث، والباقي للأب۔ (تفسير النسفي ج:۱ ص:۳۳۶، طبع دار ابن كثير، بيروت).

رُخصت ہوگئی، یعنی انتقال کرگئی۔ میرا ۵ ماہ کا بچہ ابھی تک زندہ ہے اور اس بچے کی پرورش کی خاطر میں نے بیوی کی چھوٹی بہن سے شادی کرلی، یعنی میری سالی سے شادی ہوگئی۔ پہلے شادی کے وقت نکاح نامہ میں حق مہر کی رقم پچاس ہزار روپے لکھی گئی تھی، اب میرا سسر مجھے بہت تنگ کرتا ہے اور وہ یہ کہتا ہے کہ بیوی کے مرنے کے بعد پچاس ہزار روپے کا حق دار میں ہوں۔ بیوی کے مرنے کے بعد حق مہر دینا پڑتا ہے؟ اگر دینا ہے تو اس حق مہر کے حق دار کون کون ہیں؟ دُوسری بات یہ ہے کہ میرے پاس پہلی بیوی کے کچھ زیورات اور کپڑے بھی پڑے ہیں، جن کو ملاکر رقم کی کل تعداد تقریباً ۱۵ ہزار روپے بنتی ہے، ان سب کا حق دار کون ہوگا؟

جواب:... آپ کی مرحومہ بیوی کا کل ترکہ (جس میں اس کا مہر اور زیورات، برتن اور کپڑے بھی شامل ہیں) کے بارہ حصے ہوں گے، ان میں سے تین حصے آپ کے (یعنی شوہر کے) ہیں، دو حصے مرحومہ کے باپ کے اور باقی سات حصے مرحومہ کے لڑکے کے ہیں۔[1] نقشۂ تقسیم حسبِ ذیل ہے:

شوہر	والد	بیٹا
۳	۲	۷

سوال:... پہلی بیوی کے مرجانے کے بعد میں نے اپنی چھوٹی سالی سے شادی کرلی، اس دُوسری بیوی کے نکاح نامہ میں، میں نے مہر کی رقم ایک لاکھ روپے لکھی، شادی کو تقریباً ایک سال ہوگیا، اب میرا سسر کہتا ہے کہ یہ حق مہر کا روپیہ بھی مجھے دے دیا جائے۔ صاحبِ قدر! اگر مجھے یہ روپیہ دینا ہو تو یہ اتنی بڑی رقم کہاں سے لاؤں؟ یہ کام میرے لئے بہت مشکل ہے۔

جواب:... دُوسری بیوی کا مہر جو آپ نے ایک لاکھ رکھا ہے، وہ بیوی کا حق ہے، اس کے باپ کا نہیں، وہ آپ کے ذمہ بیوی کا قرض ہے، وہ وصول کرنا چاہے تو آپ کو ادا کرنا ہوگا،[2] اور اگر معاف کردے، خواہ اس کا پورا یا اس کا کچھ حصہ، تو اس کو اختیار ہے۔[3]

مرحومہ کا جہیز ورثاء میں کیسے تقسیم ہوگا؟

سوال:... مسماۃ پروین کی شادی تقریباً سوا سال پیشتر ہوئی، اس دوران ان کے ایک بچی گل رُخ پیدا ہوئی، جس کی عمر اس وقت تقریباً ۶ ماہ ہے، مسماۃ پروین اپنے خاوند کے گھر آباد رہی، سوا ماہ پیشتر پروین قضائے الٰہی سے وفات پاگئی، مرحومہ پروین کے جہیز کا جو سامان وغیرہ ہے، شرعاً قرآن پاک اور حدیث کی رُو سے کس کی ملکیت ہے؟

جواب:... مرحومہ کا کل ترکہ (جس میں شوہر کا مہر بھی شامل ہے، اگر وہ وصول نہ کرچکی ہو) ادائے قرضہ جات اور نفاذِ

---

(۱) قال تعالٰی: فإن کان لھن ولد فلکم الربع مما ترکن۔ (النساء: ۱۲)۔

(۲) اعلم ان المھر یجب بالعقد ...... ثم یستقر المھر بأحد أشیاء ثلاثة، اما بالدخول أو بموت أحد الزوجین واما بالخلوة الصحیحة ...الخ۔ (البنایة شرح الھدایة، باب المھر ج:۶ ص:۱۴۳، طبع حقانیه ملتان)۔

(۳) وان حطت عنه من مھرھا صح الحط، لأن المھر حقھا والحط یلاقیه حالة البقاء۔ (الھدایة مع شرح البنایة، باب المھر ج:۶ ص:۱۷۳، طبع حقانیه ملتان)۔

وصیت از تہائی مال (اگر کوئی وصیت کی ہو) کے بعد تیرہ حصوں میں تقسیم ہوگا، تین شوہر کے، چھ لڑکی کے، دو، دو ماں باپ کے۔[1] نقشہ حسبِ ذیل ہے:

شوہر	بیٹی	ماں	باپ
۳	۶	۲	۲

مرحومہ کا جہیز، حق مہر وارثوں میں کیسے تقسیم ہوگا؟

سوال:... میری بیوی تین ماہ قبل یعنی بچی کی ولادت کے موقع پر انتقال کرگئی، لیکن بچی خدا کے فضل سے خیرت سے میرے پاس ہے، اب مسئلہ یہ معلوم کرنا ہے کہ:

الف:... مرحومہ جو سامان جہیز میں اپنے میکے سے لائی تھی، اس کے انتقال کے بعد کس کا ہوگا؟

ب:... میرے سسرال والے مرحومہ کی رقم میں مہر کا مطالبہ کر رہے ہیں، حالانکہ مرحومہ نے زبانی طور پر اپنی زندگی میں بغیر کسی دباؤ کے وہ رقم مہر معاف کردی تھی۔ مرحومہ کی وراثت کی شرعی تقسیم کا حل بتادیں۔ ورثاء مندرجہ ذیل ہیں: شوہر، بیٹی، والدہ، والد۔

جواب:... مرحومہ کا سامان جہیز، حق مہر اور دُوسرا سامان وغیرہ وارثوں میں مندرجہ ذیل طریقے سے تقسیم کیا جائے گا۔

حق مہر معاف کرنے کے سلسلے میں اگر مرحومہ کے والدین منکر ہیں اور حق مہر کا مطالبہ کرتے ہیں اور شوہر کے پاس کوئی گواہ نہیں ہے تو معافی کا کچھ اعتبار نہیں ہوگا، اس لئے حق مہر بھی ورثاء میں تقسیم ہوگا، مرحومہ کی جائیداد منقولہ و غیرمنقولہ، زیورات و حق مہر وغیرہ کو تیرہ حصوں میں تقسیم کرکے، شوہر کو تین حصے، بیٹی کو چھ حصے، والدہ کو دو حصے، اور والد کو دو حصے ملیں گے۔[2] تقسیم میراث کا نقشہ یہ ہے:

شوہر	بیٹی	والدہ	والد
۳	۶	۲	۲

---

(۱) قال تعالٰی: فإن كان لهنّ ولد فلكم الربع مما تركن من بعد وصية يوصين بها أو دين۔ (النساء:۱۲)۔ قال فی السراجی: وأما للزوج فحالتان النصف عند عدم الولد أو ولد الإبن وإن سفل والربع مع الولد وولد الإبن وإن سفل۔ (ص:۷)۔ قال الله تبارک وتعالٰی: وإن كانت واحدةً فلها النصف۔ (النساء:۱۱)۔ قال فی السراجی: وأما لبنات الصلب فأحوال ثلاث النصف للواحدة۔ (ص:۸)۔ قال تعالٰی: ولأبويه لكل واحد منهما السدس مما ترک إن كان له ولد۔ (النساء:۱۱)۔ قال فی السراجی. أما الأب فله أحوال ثلاث الفرض المطلق وهو السدس وذلک مع الإبن أو إبن الإبن وإن سفل ...إلخ۔ (ص ۲)۔ وقال أيضًا: وأما للأمّ فأحوال ثلاث، السدس مع الولد أو ولد الإبن وإن سفل۔ (ص:۱۱، باب معرفة الفروض)۔

(۲) ایضاً حوالہ بالا۔

حق مہر زندگی میں ادا نہ کیا ہو تو وراثت میں تقسیم ہوگا

سوال:... ایک عورت وفات پاگئی، اس کا مہر شوہر نے ادا نہیں کیا، براہِ کرم اس کا حل فرمائیں اور ہماری مشکلات کو آسان فرمائیں۔

۱:... مہر ایک ہزار ایک روپے کا ہے۔

۲:... مرحومہ کے والدین حیات ہیں۔

۳:... مرحومہ کا شوہر زندہ ہے۔

۴:... مرحومہ کے تین لڑکے اور تین لڑکیاں یعنی چھ بچے ہیں۔

جواب:... مرحومہ کی دُوسری چیزوں کے ساتھ اس کا مہر بھی ترکہ میں تقسیم ہوگا، مرحومہ کے ترکہ کے ۱۰۸ حصے ہوں گے، ان میں سے ۲۷ شوہر کے، ۱۸ والد کے، ۱۸ والدہ کے، دس دس لڑکوں کے اور پانچ پانچ لڑکیوں کے۔[1] نقشہ حسبِ ذیل ہے:

شوہر	والد	والدہ	لڑکا	لڑکا	لڑکا	لڑکی	لڑکی	لڑکی
۲۷	۱۸	۱۸	۱۰	۱۰	۱۰	۵	۵	۵

مرحومہ کا زیور بھتیجے کو ملے گا

سوال:... میرے دادا کی بہن ہمارے پاس رہتی تھیں، اب ان کا انتقال ہوچکا ہے، اور وہ بیوہ تھیں، ان کی کوئی اولاد بھی نہیں تھی، ان کا کچھ زیور جو کہ چاندی کا ہے، ہمارے پاس ہے تو آپ سے یہ پوچھنا ہے کہ اس کا کیا کیا جائے؟ کیونکہ مرحومہ نے اپنی زندگی میں اسے مسجد میں دینے سے بھی انکار کیا تھا اور کسی دُوسرے کو بھی اس کا وارث قرار نہیں دیا تھا، حالانکہ ان کی جو زمین تھی وہ انہوں نے اپنی زندگی ہی میں اپنے بھتیجے کے نام کردی تھی۔ اب مسئلہ زیور کا ہے، جو انہوں نے کسی کو نہیں دیا اور زندگی میں جب بھی ان سے کسی مسجد وغیرہ میں دینے کا کہا تو اس کے لئے بھی انکار کیا، اب وہ زیور ان کے مرنے کے بعد ہمارے پاس ہے۔ اب آپ بتائیں اس کا ہم کیا کریں؟

جواب:... اس زیور کا وارث مرحومہ کا بھتیجا ہے، اس کو دے دیا جائے۔[2]

---

(۱) قال تعالٰی: فإن كان لهن ولد فلكم الربع مما تركن من بعد وصية يوصين بها أو دين (النساء: ۱۲)۔ قال في السراجي: وأما للزوج فحالتان النصف عند عدم الولد أو ولد الإبن وإن سفل والربع مع الولد وولد الإبن وإن سفل۔ (ص:۷)۔ قال تعالٰی. وإن كانت واحدة فلها النصف (النساء: ۱۱) قال في السراجي: وأما لبنات الصلب فأحوال ثلاث النصف للواحدة (ص:۸)۔ قال تعالٰی: ولأبويه لكل واحد منهما السدس مما ترك إن كان له ولد۔ (النساء: ۱۱) قال في السراجي: أما الأب فله أحوال ثلاث الفرض المطلق وهو السدس وذالك مع الإبن أو ابن الإبن وإن سفل۔ (ص:۶)۔ وقال أيضًا: وأما للأم فأحوال ثلاث، السدس مع الولد أو ولد الإبن وإن سفل۔ (ص: ۱۱، باب معرفة الفروض)۔

(۲) أولهم بالميراث ... ... ثم جزء أبيه أي الإخوة ثم بنوهم وإن سفلوا ... إلخ۔ (سراجي ص:۱۴، باب العصبات)۔ والعصبة كل من يأخذ ما أبقته أصحاب الفرائض وعند الإنفراد يحرز جميع المال۔ (سراجي ص:۴)۔

ماں کے دیئے ہوئے زیور میں حقِ ملکیت

سوال:... میری ماں نے دو شادیاں کیں، پہلے شوہر سے صرف میں، اور دُوسرے شوہر سے ان کے ایک بیٹا ہے، ہم نے اکٹھے پرورش پائی، ان کے پاس کچھ زیور ہے جو انہوں نے دُوسرے شوہر کی کمائی سے بنوایا، آج کل وہ شدید علیل ہیں، انہوں نے اس میں سے ایک زنجیر (غالباً ایک تولے کی) اپنی خوشی سے مجھے دی ہے۔ بتایئے کہ ماں کے زیرِ استعمال چیزوں میں سے میرا حق بنتا ہے کہ نہیں؟ ب: اور اگر بنتا ہے تو کتنا؟ ج: اور کیا انہیں اور بھائی کو یہ حق دینا چاہئے؟ نیز یہ کہ وہ اب یہ چیز دے کر دوبارہ مانگ رہی ہیں، ایسی صورت میں کیا وہ اپنے حق سے بری الذمہ ہوگئیں اور اب ان کے اس فعل سے حق دار کا حق غصب کرنے کا عذاب کس پر ہوگا؟

جواب:... یہ زیور جو آپ کی والدہ کے زیرِ استعمال ہے، سوال یہ ہے کہ اس کا مالک کون ہے؟ اس کی مالک آپ کی والدہ ہیں؟ یا آپ کے سوتیلے والد؟ اگر آپ کی والدہ اس کی مالک ہیں تو وہ آپ کو دینے کی مجاز ہیں، اور ان کو چاہئے کہ اتنا ہی زیور اپنے دُوسرے بیٹے کو بھی دیں[1]، اور اگر یہ زیور ان کی ملکیت نہیں، بلکہ شوہر کی ملکیت ہے تو وہ کسی کو دینے کی مجاز نہیں۔[2]

پہلی صورت میں آپ کو دینے کے بعد واپس لینے کا اس کو حق نہیں، اور دُوسری صورت میں یہ زیور آپ کو دینا صحیح نہیں تھا، اس لئے آپ اسے واپس کردیں۔[3]

حق مہر میں دیئے ہوئے مکان میں شوہر کا حقِ وراثت

سوال:... ہمارے والد صاحب نے اپنی زندگی میں ہماری والدہ کو مہر کے عوض ایک مکان دے دیا تھا، والدہ صاحبہ ۱۹۷۲ء میں انتقال کرگئیں۔ شہر کے سٹی سروے میں والد صاحب اور ہم چار بھائیوں کو وارث دِکھایا گیا، والد صاحب نے اپنی زندگی میں اپنے بڑے بیٹے کو اپنا حصہ دے دیا، معلوم یہ کرنا ہے کہ آیا مکان میں والد صاحب کا حصہ بنتا ہے؟ جبکہ انہوں نے وہ مکان مہر میں والدہ کو دیا تھا؟

جواب:... جو مکان آپ کے والد مرحوم نے آپ کی والدہ مرحومہ کو مہر میں دیا تھا، وہ مرحومہ کی ملکیت تھا، اور مرحومہ کے انتقال کے بعد آپ کے والد، مرحومہ کے چوتھائی ترکہ کے وارث تھے، اس ترکہ میں یہ مکان بھی شامل تھا۔ لہٰذا اس مکان کا چوتھائی حصہ بھی آپ کے والد مرحوم کو منتقل ہوگیا۔[4] گویا مکان کے ۱۶ حصوں میں سے چار حصوں کے وارث آپ کے والد مرحوم ہیں، اور تین،

---

(۱) والعطايا إن لم يقصد به الإضرار، وإن قصده يسوى بينهم يعطى البنت كالإبن عند الثاني وعليه الفتوى. ولو وهب في صحته كل المال للولد جاز وأثم. (درمختار، كتاب الهبة ج:۵ ص:۶۹۶، طبع سعيد).

(۲) وأما ما يرجع إلى الواهب فهو أن يكون الواهب .... حرًّا عاقلًا بالغًا مالكًا للموهب حتى لو كان عبدًا ... أو لا يكون مالكًا لا يصح. (فتاوىٰ عالمگيرى، كتاب الهبة ج:۴ ص:۳۷۴، طبع رشيديه).

(۳) ايضاً.

(۴) قال تعالى: فإن كان لهن ولد فلكم الربع مما تركن. (النساء:۱۲). وأما للزوج .... الربع مع الولد أو ولد الابن (سراجى ص:۶، طبع المصباح).

تین حصوں کے وارث چار لڑکے ہوئے، جب والد مرحوم نے اپنا حصہ بڑے بیٹے کو دے دیا تو ۷ حصے بڑے بیٹے کے ہوگئے اور باقی ۹ حصے تینوں بھائیوں کے ہوئے۔

مرحومہ کی چوڑیوں کا کون وارث ہوگا؟

سوال:... ایک عورت کا انتقال ہوگیا، اس کے ہاتھوں کی چوڑیاں جس پر دو حصے اس کے بیٹے کا حق ہے، اور ایک حصہ بیٹی کا ہے، لیکن بیٹی نے یہ کہہ کر کہ چوڑیاں میں نے بنوائی ہیں، اپنے پاس رکھ لی ہیں۔ پوچھنا یہ ہے کہ کوئی بھی زیور وغیرہ مرنے کے بعد اس شخص کی ملکیت کی بنا پر تقسیم ہوتا ہے یا اگر کسی نے بنوا کر دیا ہے تو اس کو ہی واپس کردیا جاتا ہے، جیسا کہ بیٹی نے ماں کی تمام چوڑیاں اپنے پاس رکھ لی ہیں؟

جواب:... اگر بیٹی نے یہ چوڑیاں ماں کو صرف پہننے کے لئے دی تھیں، ماں ان چوڑیوں کی مالک نہیں تھی اور بیٹی کے پاس اس کے گواہ موجود ہیں، تب تو یہ چوڑیاں بیٹی ہی کی ہیں، ورنہ مرحومہ کا ترکہ ہے، سب وارثوں پر تقسیم ہوگا۔ [1]

مرحومہ کے چھوڑے ہوئے زیورات سے بچوں کی شادیاں کرنا کیسا ہے؟

سوال:... زید اور اس کی بیوی دونوں حیات تھے، اس وقت انہوں نے اپنی حیثیت کے مطابق دو لڑکیوں کی شادی، زیور، کپڑے اور سامان کے ساتھ کردی۔ زید کی بیوی کا انتقال ہوگیا، اس نے اپنا زیور طلائی چھوڑا، زید نے اس کو اپنے بھائی کے پاس بازار میں امانتاً رکھ دیا اور کہا یہ زیور بقایا غیرشادی شدہ اولاد کو دیا جائے گا۔ زید نے یہ وعدہ کرکے کہ اس زیور کی قیمت جو بازار میں لگی ہے، اگر ورثاء کو شرع کے موافق دینی پڑی تو میں اپنے پاس سے دُوں گا۔ زید کی زندگی میں چار اولادوں میں سے دو بچیاں شادی کے قابل ہوگئیں، تو زید نے اس زیور میں سے کپڑا، سامان وغیرہ لے کر اپنی حیثیت کے مطابق دو بچیوں کی شادی کرادی۔ اب زید کا انتقال ہوگیا، اس کے انتقال کے بعد یہ دو بچے جو غیرشادی شدہ تھے، ظاہر میں باپ نے چار بچیوں کی شادی کرادی اور دو بچے شادی سے محروم ہوگئے، اب بقایا زیورات جو کہ زید کی وصیت کے مطابق چھوٹے بھائی کے پاس رکھوائے تھے اور جو باقی ہیں، وہ ان دو بچوں کے ہیں جو غیرشادی شدہ ہیں۔ باقی اس سے محروم ہیں، کیونکہ زید نے اس زیور کے بارے میں اقرار کیا تھا کہ اس کی نقد قیمت میں خود ادا کروں گا، مگر وہ ادا نہ کرسکے۔ بصورتِ دیگر اگر بقایا زیور سے یہ دو بچے جو اَبھی غیرشادی شدہ ہیں، یہ شرعاً محروم ہوجاتے ہیں، جبکہ دو بھائی جو کہ بالغ ہیں وہ اقرار کرتے ہیں کہ یہ زیور والد صاحب کی وصیت کے مطابق دونوں بچوں کو دے دیا جائے جو کہ غیرشادی شدہ ہیں، اور بقایا زیور کی قیمت ہم اپنے پاس سے شرع کے موافق ورثاء پر ادا کردیں گے، جبکہ تقریباً دس سال پہلے کا زیور کا وزن اور قیمت کا پرچہ

---

(۱) قال في الهداية. وللمعير أن يرجع في العارية متى شاء لقوله عليه السلام المنحة مردودة والعارية مؤدّاة. (هداية ج.۳ ص ۲۷۹). عن عمرو بن شعيب عن أبيه عن جده ان النبى صلى الله عليه وسلم قال: البينة على المدعي واليمين على المدعى عليه. (مشكوٰة ج.۲ ص:۳۲۶ باب الأقضية والشهادات، طبع قديمى).

موجود ہے، بقایا زیور کی قیمت اب لگوا کر ادا کی جائے یا پہلی قیمت تصوّر کی جائے گی، جو امانت رکھتے وقت اور وصیت کے وقت تھی؟ جواب دے کر مشکور فرمائیں۔

جواب:... زید کی بیوی کے انتقال کے بعد بیوی کی جائیداد منقولہ وغیر منقولہ، زیورات وغیرہ سب ترکہ میں شامل ہیں، اس لئے ان زیورات میں سے جو کچھ بچا ہوا ہے اور جو زید نے اپنی زندگی میں لڑکی اور لڑکے کے نکاح کے موقع پر دیا ہے اس کے حق دار ورثاء ہیں، معلوم ہوا کہ زید کی بیوی کے ورثاء میں چار لڑکیاں اور دو لڑکے ہیں، اور شوہر زید موجود ہے، تو بیوی کا ترکہ اس طرح تقسیم ہوگا:[1]

شوہر	لڑکا	لڑکا	لڑکی	لڑکی	لڑکی	لڑکی
۸	۶	۶	۳	۳	۳	۳

یعنی متوفیہ کے ترکہ کے کل ۳۲ حصے بنا کر، ۸ حصے زید کو اور بقیہ ۲۴ حصے اس کی اولاد کو اکہرا دُہرا کے حساب سے ملیں گے۔ اس لئے زید نے اپنی زندگی میں بیوی کے زیورات میں سے جو لڑکی اور لڑکے کی شادی پر صَرف کیا ہے اگر وہ حصہ چوتھائی سے زیادہ ہے تو وہ زید کے ذمہ پر ورثاء کا قرض ہے، اس لئے زید کے انتقال کے بعد سب سے پہلے ورثاء کا قرضہ ادا کیا جائے اس کے بعد زید کا ترکہ ورثاء میں تقسیم کیا جائے۔[2]

---

(۱) وأما للزوج .... الربع مع الولد ... إلخ۔ وأما لبنات الصلب .... ومع الإبن للذكر مثل حظ الأنثيين وهو يعصبهن۔ (سراجی ص:۷،۸، باب معرفة الفروض، طبع المصباح)۔

(۲) تتعلق تركة الميت حقوق أربعة .... ثم تقضى ديونه من جميع ما بقي من ماله ... إلخ۔ (سراجی ص:۳)۔

جائیداد کی تقسیم میں ورثاء کا تنازع

مرحوم کے بھتیجے، بھتیجیاں اور ان کی اولاد ہو تو وراثت کی تقسیم

سوال:... میرے دوست کے پھوپھا کا انتقال دس روز قبل ہوگیا تھا، مرحوم کی کوئی اولاد نہیں ہے، لہٰذا جائیداد فساد کی جڑ بنی ہوئی ہے، کچھ لوگ کہتے ہیں مسجد یا مدرسے میں دے دو، اور کچھ لوگ کہتے ہیں کہ جن لوگوں کا حق بنتا ہے انہیں دے دو۔ وارث اس طرح سے ہیں: مرحوم کے بڑے بھائی کے چار بیٹے تھے، بہن کوئی نہیں۔ جن میں سے تین بیٹے پہلے ہی انتقال کرچکے ہیں، اب ایک بیٹا حیات ہے۔ یاد رہے کہ تین مرحوم بیٹوں کی اولادیں زندہ ہیں، یعنی مرحوم کے وہ پوتا پوتی کہلاتے ہیں۔ دُوسرے نمبر پر مرحوم کے چھوٹے بھائی کی اولاد میں تین بیٹے اور دو بیٹیاں موجود ہیں۔ کچھ لوگوں کا کہنا یہ بھی ہے کہ جائیداد دو حصوں میں تقسیم کرلو، آدھی جائیداد بڑے بھائی کی اولاد والے رکھ لیں، اور آدھی جائیداد چھوٹے بھائی کی اولاد والے رکھ لیں، بہنوں کو کوئی حصہ نہ دیں۔ جبکہ دونوں بہنیں مرحوم کی حقیقی بھتیجی ہیں، اور جبکہ بھتیجے اور پوتے حق دار بن رہے ہیں۔ اب آپ یہ بتائیں قرآن اور حدیث سے مرحوم کی جائیداد کے بارے میں شرعی حکم کیا ہے؟ کون کون حق دار ہیں اور کس طرح سے ہیں؟ آیا کہ مرحوم کی دونوں حقیقی بھتیجیاں حق دار ہیں یا نہیں؟ اور اگر کوئی کسی کی حق تلفی کرتا ہے تو اس کی سزا اللہ کے یہاں کیا ہے؟

جواب:... سوال کے مطابق مرحوم کے چار بھتیجے (ایک بڑے بھائی کا بیٹا، اور تین چھوٹے بھائی کے بیٹے) جو زندہ ہیں، وہ مرحوم کے وارث ہیں۔ اس لئے مرحوم کی جائیداد ان چار بھتیجوں کو برابر برابر تقسیم کردی جائے۔[1] جو بھتیجے مرحوم کی زندگی میں فوت ہوگئے ان کی اولاد کو کچھ نہیں ملے گا، اس طرح جو بھتیجیاں زندہ ہیں وہ بھی وارث نہیں، ان کو بھی کچھ نہیں ملے گا۔[2] صرف چار بھتیجے جو زندہ ہیں ان کو یہ جائیداد ملے گی۔

---

(۱) اما العصبة بنفسه .... أولٰهم بالميراث جزء الميت أى البنون ثم بنوهم .... ثم جزء أبيه أى الإخوة ثم بنوهم وان سفلوا۔ (سراجی ص:۱۴)۔ وفى الهندية: وهم (أى العصبة) كل من ليس له سهم مقدر ويأخذ ما بقى من سهام ذَوِى الفروض، وإذا إنفرد أخذ جميع المال ...... فأقرب العصبات الإبن ثم إبن الإبن، وان سفل، ثم الأب ثم الجد أب الأب وإن علا، ثم . ... إبن الأخ لأب وأمّ۔ (عالمگیری ج:۶ ص:۴۵۱، كتاب الفرائض، الباب الثالث فى العصبات)۔

(۲) کیونکہ یہ ذَوِی الارحام ہیں، اور بھتیجے عصبہ ہیں، عصبہ کی موجودگی میں ذَوِی الارحام کو حصہ نہیں ملتا۔ باب ذوى الأرحام، ذو الرحم هو كل قريب ليس بذى سهم ولَا عصبة۔ (سراجی ص:۳۴)۔ باب توريث ذوى الأرحام، هو كل قريب ليس بذى سهم عصبة فهو قسم ثالث حينئذٍ، ولَا يرث مع ذى سهل ولَا عصبة سوى الزوجين ... إلخ۔ (الدر المختار علٰى هامش الطحاوى ج:۴ ص:۳۹۲)۔ والصنف الثالث ينتمى إلٰى أبوى الميت وهم أولَاد الأخوات وبنات الإخوة۔ (سراجی ص:۳۵)۔

شوہر کا بیوی کے نام مکان کرنا اور سسر کا دھوکے سے اپنے نام کروانا

سوال:...میرے شوہر کا مکان جو کہ انہوں نے اپنے انتقال سے قبل میرے نام کردیا تھا، میرے سسر نے میرے شوہر کے انتقال کے بعد دھوکے سے اپنے نام کروالیا، جس کا پتا میرے سسر کے انتقال کے بعد چلا، جناب سے پتا کرنا ہے کہ کیا یہ شرعی طور پر دُرست ہے؟ اگر نہیں تو اس کا حل کیا ہے؟

جواب:...اگر شوہر نے وہ مکان آپ کے نام کردیا تھا اور قبضہ بھی آپ ہی کا تھا تو شرعاً وہ مکان آپ ہی کا ہے،(۱) خسر نے غلط کام کیا اور ان کے مرنے کے بعد جن لوگوں نے اس مکان کو اپنا تصوّر کیا وہ بھی گنہگار ہیں، ان کو چاہئے کہ وہ مکان آپ کو دے دیں۔(۲)

مرحوم کا قرضہ اگر کسی پر ہو تو کیا کوئی ایک وارث معاف کرسکتا ہے؟

سوال:...میرے والد محترم سے ایک شخص نے کچھ رقم بطور قرض لی، اس کے عوض اپنا کچھ قیمتی سامان بطور زَرِضمانت رکھوا دیا، مقررہ میعاد پوری ہونے پر جب وہ شخص نہیں آیا، والد محترم نے مجھ سے کہا کہ فلاں شخص ملے تو اس سے رقم کی وصولی کا تقاضا کرنا اور اس کی امانت یاد دِلانا، کئی مرتبہ وہ شخص ملا، میں نے والد محترم کے انتقال کا بتایا اور اس سے اپنی رقم کا مطالبہ کیا، اس شخص نے کہا کہ وہ رقم نہیں دے سکتا، اسے یہ رقم معاف کردی جائے، اور اس کی امانت اس کو واپس دے دی جائے، اپنی موت اور اس کی امانت کی حفاظت کی کوئی گارنٹی نہ ہونے کے ڈر سے میں نے اس کی امانت اس کے حوالے کردی۔

۱:...کیا میں نے صحیح کیا؟

۲:...کیا میں والد محترم کی طرف سے اس قرض دار کو رقم معاف کرسکتا ہوں؟

۳:...یا اور کوئی طریقہ ہو تو تحریر فرمادیں۔

جواب:...آپ کے والد کے انتقال کے بعد ان کی رقم وارثوں کے نام منتقل ہوگئی، آپ اگر اپنے والد کے تنہا وارث ہیں اور کوئی وارث نہیں، تو آپ معاف کرسکتے ہیں، اور اگر دُوسرے وارث بھی ہیں تو اپنے حصے کی رقم خود تو معاف کرسکتے ہیں اور دُوسرے وارثوں سے معاف کرانے کی بات کرسکتے ہیں (بشرطیکہ تمام وارث عاقل و بالغ ہوں)۔(۳)

---

(۱) قال في الهندية. لو قال منحتک هذه الأرض أو هذه الدار أو هذه الجارية فهي إعارة إلّا إذا نوى الهبة. (عالمگیری ج:۴ ص:۳۷۰، كتاب الهبة). أما الأوّل فكقوله وهبت هذا الشيء لک أو ملكته منک أو جعلته لک أو هذا لک أو أعطيتک أو نحلتک هذا فهذا كله هبة. (عالمگیری ج:۴ ص:۳۷۵). وتتم الهبة بالقبض الكامل لأنها من التبرعات، والتبرع لَا يتم إلّا بالقبض. (شرح المجلة ج:۱ ص:۴۶۲ المادّة:۸۳۷، طبع كوئٹه).

(۲) ألَا لَا تظلموا! ألَا لَا يحل مال امرىءٍ إلّا بطيب نفسه منه. (مشكوٰة ج:۱ ص:۲۵۵، باب الغصب والعارية).

(۳) وكل ما جاز بإجازة الوارث فإنه يملكه المجازلة من قبل الموصي عندنا .... وفي كل موضع يحتاج إلى الإجازة إنما يجوز إذا كان المجيز من أهل الإجازة نحو ما إذا أجازه وهو عاقل بالغ. (فتاویٰ عالمگیریة ج:۶ ص:۹۱ كتاب الوصايا).

والد کی طرف سے بیٹی کو مکان کے "ہبہ نامے" میں اس کے بیٹے کی گواہی شرعاً دُرست نہیں

سوال:... دو ماہ قبل میرے نانا اِنتقال کرگئے، نانا کی رہائش رفاہِ عام ملیر میں اپنے ذاتی گھر میں تھی، جو ان کی واحد جائیداد ہے۔ نانا کی صرف دو بیٹیاں ہیں، ایک میری والدہ اور دُوسری ان کی بڑی بہن یعنی میری خالہ۔ نانا اپنی زندگی میں میری والدہ سمیت خاندان کے دیگر اَفراد سے یہ کہہ چکے تھے کہ وہ جائیداد کی یکساں تقسیم کریں گے۔

تاہم گزشتہ چند روز قبل جب میں نے نانا کی وصیت کے حوالے سے اپنی خالہ (جو کہ گزشتہ تقریباً بیس سال سے نانا کے گھر میں اپنے خاوند اور بچوں کے ہمراہ رہائش پذیر ہیں) سے رابطہ کیا تو مجھے بتایا گیا کہ نانا کی جائیداد سے ہمارا کوئی تعلق نہیں ہے، کیونکہ دو سال قبل اُنہوں نے اپنا مکان خالہ کے نام "ہبہ" کردیا ہے، اور اُن کی خدمت کے صلے میں مکان ان کے نام کردیا ہے۔ جب "ہبہ" یا "گفٹ" کی دستاویز کو پڑھا گیا تو اس میں بعض جملے مشروط تھے، مثلاً میں اپنے ورثاء کے عدمِ اِعتراض اور خاندان کے دیگر اَفراد کی موجودگی میں مذکورہ جائیداد اپنی بیٹی کے نام کرتا ہوں اور میرے اس فیصلے پر کسی کو اِعتراض نہیں ہے۔

مذکورہ وصیت سے میری والدہ اور نہ ہی خاندان کا کوئی اور فرد باخبر تھا۔ دستاویز کے آخر میں گواہوں میں میری خالہ کے بڑے اور چھوٹے بیٹے کے نام شامل تھے۔ جنھوں نے اپنی رہائش کے لئے پتے بھی فرضی لکھوائے تھے۔ علاوہ ازیں خاندان کے کسی فرد کو اس فیصلے سے آگاہ نہیں کیا گیا تھا۔ جب میں نے اپنے خالہ زاد بھائیوں سے دریافت کیا کہ انہوں نے نانا کی زندگی میں ہمیں اس بات سے کیوں لاعلم رکھا؟ تو انہوں نے جواب دیا کہ انہوں نے ایسا نانا کی ہدایت پر کیا تھا۔ کیا والد اپنی دُوسری اولادوں کو لاعلم رکھتے ہوئے پوری ملکیت "ہبہ" کرسکتا ہے؟ اور کیا گواہوں کے حوالے سے (میری خالہ کے حقیقی بیٹے) خالہ زاد بھائیوں کی گواہی قابلِ قبول ہوگی؟ کیا اسے جبر یا دباؤ میں کی گئی کارروائی کہا جاسکتا ہے؟

جواب:... آپ کے نانا صاحب کو زندگی میں اپنی جائیداد پر یہ حق حاصل تھا کہ جس کو چاہیں اور جتنا چاہیں دے سکتے تھے، مگر دُوسرے وارثوں کو محروم کرنے کی نیت سے ان کا ایسا کرنا ناجائز اور گناہِ کبیرہ ہے۔[1] موجودہ صورت میں آپ کی خالہ کا اپنے نام گفٹ نامہ پیش کرنا اور اس پر گواہوں کی جگہ ان کے بیٹوں کے دستخط ہونا شرعی اُصولوں کے اِعتبار سے دُرست نہیں۔ کیونکہ بیٹے کی اپنی ماں کے حق میں گواہی ناجائز ہے۔[2] بہرحال اگر وہ مکان والد صاحب نے اپنی حیات میں ان کے حوالے کردیا اور ثقہ گواہوں سے ثابت ہوجائے کہ یہ ہبہ نامہ بھی انہوں نے اپنے ہوش و حواس میں بلاکسی جبر و اِکراہ کے تحریر کیا ہے تو یہ مکان اب ان کا ہے۔ ورنہ پھر آپ کی والدہ بھی اس مکان میں برابر کی شریک ہیں۔ بہرحال حقیقت اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے، یا تو آپ حضرات دست بردار

---

(۱) ولو وهب رجل لأولاده في الصحة وأراد تفضيل البعض على البعض .... عن أبي حنيفة رحمه الله تعالى: لا بأس به إذا كان التفضيل لزيادة فضل له في الدين .... وعن أبي يوسف رحمه الله تعالى: أنه لا بأس به إذا لم يقصد به الإضرار، وإن قصد به الإضرار، سوّى بينهم. (عالمگیری، کتاب الهبة ج:۴ ص:۳۹۱ طبع رشیدیه).

(۲) قوله عليه السلام: لا يقبل شهادة الولد لوالده ولا الوالد لولده ولا المرأة لزوجها ولا الزوج لامرأته ...الخ. (الهداية، كتاب الشهادة ج:۳ ص:۱۶۰، طبع شركت علميه ملتان).

ہوجائیں، یا پھر آپ کی خالہ صاحبہ اپنے والد صاحب کی قبر کو اچھا کریں اور اپنی عاقبت کو خراب نہ کریں، اور آپ حضرات کو شرعی حصہ دے دیں۔

بھائیوں کا باپ کی زندگی میں جائیداد پر قبضہ

سوال:... ہمارے والد صاحب نے دو شادیاں کی تھیں، جس میں سے ہم تین بہن بھائی ہیں، دو بھائی اور میں، ایک بہن، میری والدہ بھی اور میرے بھائیوں کی والدہ بھی وفات پاچکی ہیں، والد صاحب ابھی زندہ ہیں، ہمارے والد صاحب کی زمین ہے جس پر میرے دو بھائی قابض ہیں اور دونوں نے الگ الگ ہوکر زمین کا بٹوارہ کرلیا ہے، مگر میں اپنا حصہ باپ کی زمین سے لینا چاہتی ہوں، شریعتِ محمدی کے مطابق مجھے میرے باپ کی زمین میں سے کتنا حصہ آتا ہے؟ کیونکہ میرے والد، بھائیوں کی طرف داری کرتے ہیں، باپ کی جائیداد میں میرا کتنا حصہ ہے؟ اور میری ماں الگ ہے اس کا کتنا حصہ ہے؟

جواب:... آپ کی والدہ اور آپ کے بھائیوں کی والدہ دونوں وفات پاچکی ہیں، لہٰذا ان کا حصہ تو ختم، دو بھائی اور ایک بہن ہو تو بہن کا پانچواں حصہ بیٹھتا ہے، یعنی جائیداد کے پانچ حصے کئے جائیں تو دو دو حصے دونوں بھائیوں کے ہیں اور ایک حصہ آپ کا۔[1] آپ کے بھائیوں کا باپ کی زندگی میں جائیداد پر قابض ہوکر آپ کو محروم کردینا جائز نہیں، آپ کے بھائیوں پر شرعاً فرض ہے کہ وہ آپ کا حصہ ادا کریں۔[2] تقسیم کا نقشہ یہ ہے:

بھائی	بھائی	بہن
۲	۲	۱

بھائی، بہنوں کے درمیان شرعی ورثہ پر تنازع

سوال:... کسی شخص کی وراثت کی تقسیم کا مسئلہ ہے، ثالثوں میں دو جماعتیں ہوگئی ہیں، ایک طرف وہ لوگ ہیں جو کہ دِین دار ہیں، اور دُوسری طرف وہ لوگ ہیں جو کہ دُنیادار ہیں۔ دِین دار لوگ یہ کہتے ہیں کہ جائیداد منقولہ وغیر منقولہ کا حساب لگاکر بہنوں کا حصہ ملکیت بھائیوں کے نام منتقل کردو۔ بھائی حسبِ ضرورت بہنوں کا خرچہ اُٹھاتے رہیں اور جب اس کا دینے کا وقت آئے گا تو اس کو دے دیں، اس طرح آئندہ بہنوں کا حقِ ملکیت نہ رکھا تو مسائل نہیں پیدا ہوں گے، ورنہ جائیداد بہنوں کو دینے سے اس کے شوہروں اور بچوں کو مسائل پیدا ہوں گے۔

دُوسری طرف جو دُنیادار لوگ ہیں، وہ کہتے ہیں کہ جائیداد منقولہ وغیر منقولہ سے اتنی آمدنی ہے کہ وہ بہنوں کے اخراجات کے لئے کافی ہے، اور اس آمدنی کا حصہ (بہنوں) کے اخراجات کے بعد بھی بچے گا، تو یہ طریقہ منتقل نہ کرو، بلکہ شرعی طریقے کے مطابق حقِ ملکیت رہنے دو، اس طرح بہنوں کو آئندہ اس جائیداد کے نفع اور آمدنی میں حصہ ملتا رہے گا، اور جس وقت ضرورت ہو اس کو بہنوں کی

---

(۱) واذا إختلط البنون والبنات عصب البنون البنات فيكون للإبن مثل حظ الأنثيين۔ (فتاویٰ عالمگیری ج:۶ ص ۴۴۸)۔

(۲) من قطع ميراث وارثه قطع الله ميراثه من الجنّة يوم القيامة۔ (مشکوٰة ص:۲۶۶، باب الوصايا)۔

رضامندی سے فروخت کردو۔

اس مسئلے کو حل کردیں شرعی اور اخلاقی طور پر بھی کون سا طریقہ صحیح ہے؟

جواب: شرعی حصوں کے مطابق جائیداد تقسیم کر کے بہنوں کی جائیداد ان کے حوالہ کر دی جائے، اور اگر وہ غیر شادی شدہ ہیں تو بھائی احتیاط کے ساتھ ان کا حصہ نکالیں اور ان پر خرچ کریں، جب وہ شادی شدہ ہو جائیں تو جائیداد اور اس کی آمدنی ان کے حوالے کر دیں۔[1]

موروثی مکان پر قبضے کے لئے بھائی، بہن کا جھگڑا

سوال:... عرض ہے کہ ہم دو بہن، بھائی ہیں (ایک بھائی، ایک بہن)، والدین گزر گئے، ترکہ میں ایک مکان ہے، جس میں ہم رہتے ہیں، میری بہن نے ایک مکان خریدا، مجھے اس میں منتقل کر دیا۔ تقریباً ساڑھے چار سال بعد میری بہن نے وہ مکان فروخت کر دیا، پھر مجھے اس گھر میں (جو کہ ہمارے والدین کا تھا) نہیں آنے دیا، میں کرائے کے مکان میں رہنے لگا، تقریباً اٹھارہ سال ہو گئے کرایہ کے مکان میں رہتے ہوئے، میں کرائے کی مد میں تقریباً: ۴۳,۲۰۰ روپے ادا کر چکا ہوں۔ میں نے برادری میں درخواست دی تو پنچوں نے میری بہن کو بلایا اور میری درخواست بتائی، جس پر میری بہن نے ساڑھے چار سال کا کرایہ ۲۰۰ روپے ماہوار کے حساب سے: ۱۰,۸۰۰ روپے ذمہ لگایا، اس کے علاوہ میری بہن نے میری طرف ۲,۰۰۰ روپے قرضہ بتایا اور کلمہ پڑھ کر کہا کہ یہ میرے ہیں، اس کے علاوہ (والدین کے مکان میں جو ترکہ میں ہے) بجلی لگوائی: ۴۰۰ روپے، پانی کا نل لگوایا: ۳۰۰ روپے، گیس لگایا: ۵۰۰ روپے، مرمت مکان: ۵,۰۰۰ روپے، اس طرح جنرل ٹوٹل: ۱۹,۰۰۰ روپے ہوئے۔ پنچوں نے پھر میرا حساب کیا کہ ترکہ کے مکان میں ۱۹۵۹ء سے رہتی ہو، اور یہ مکان میری بہن سے (جس میں، میں ساڑھے چار سال رہا) بڑا ہے، لہٰذا اس کا کرایہ کم از کم ۲۰۰ روپے ماہوار لگاؤ، تقریباً ۲۸ سال ہوئے جس کا کرایہ: ۶۷,۲۰۰ روپے ہوا، اور سولہ سو (۱,۶۰۰) روپے نقد کے ہیں، کل رقم: ۶۸,۸۰۰ روپے ہوئے۔ لہٰذا شریعت کی رُو سے بتائیں یہ رقم بہن، بھائی میں کس طرح تقسیم کی جائے؟ اور مکان کس طرح تقسیم کیا جائے؟ مہربانی فرما کر بہن کا علیحدہ اور بھائی کا علیحدہ حصہ بتایا جائے تاکہ یہ معاملہ نمٹ جائے۔

جواب:... والدین نے جو مکان چھوڑا ہے، اس پر دو حصے بھائی کے ہیں، اور ایک حصہ بہن کا، لہٰذا اس کے تین حصے کر کے دو بھائی کو دِلائے جائیں اور ایک بہن کو۔[2] تقسیم کی صورت یہ ہے:

بھائی	بہن
۲	۱

۲:... بہن جو دو ہزار کا قرضہ بھائی کے نام بتاتی ہے، اگر اس کے گواہ موجود ہیں یا بھائی اس قرضے کا اقرار کرتا ہے تو بھائی سے

(۱) إن الله يأمركم أن تؤدّوا الأمٰنٰت إلٰى أهلها ... إلخ. (النساء:۵۸).

(۲) كما قال الله تبارك وتعالٰى: يوصيكم الله في أولَادكم للذكر مثل حظ الأنثيين. (النساء:۱۱).

وہ قرضہ دلایا جائے، ورنہ بہن کا دعویٰ غلط ہے، خواہ وہ کتنی ہی دفعہ کلمہ پڑھ کر یقین دلائے۔ [1]

۳:... بہن نے اپنے بھائی کو جس مکان میں ٹھہرایا تھا، اگر اس کا کرایہ طے کرلیا تھا تو ٹھیک ہے، ورنہ وہ شرعاً کرایہ وصول کرنے کی مجاز نہیں۔ [2]

۴:... بھائی کے مکان میں جو وہ ۲۸ سال تک رہی، چونکہ یہ قبضہ غاصبانہ تھا اس لئے اس کا کرایہ اس کے ذمہ لازم ہے۔ [3]

۵:... بہن نے اس مکان میں جو بجلی، پانی اور گیس پر روپیہ خرچ کیا، یا مکان کی مرمت پر خرچ کیا، چونکہ اس نے بھائی کی اجازت کے بغیر اپنی مرضی سے کیا، اس لئے وہ بھائی سے وصول کرنے کی شرعاً مجاز نہیں۔ [4]

خلاصہ یہ کہ بہن کے ذمہ بھائی کے ۶۷,۲۰۰ روپے بنتے ہیں، اور شرعی مسئلے کی رُو سے بھائی کے ذمہ بہن کا ایک پیسہ بھی نہیں نکلتا۔ تاہم پنچایت والے صلح کرانے کے لئے کچھ بھائی کے ذمہ بھی ڈالنا چاہیں تو ان کی خوشی ہے۔

نوٹ:... اگر یہ مسائل سمجھ میں نہ آئے ہوں، تو دو سمجھدار آدمی آکر مجھ سے زبانی سمجھ لیں۔

بھائی، بہنوں کا حصہ غصب کر کے ایک بھائی کا مکان پر قبضہ

سوال ۱:... ہمارے والد صاحب کا مکان جو کہ عرصہ ۲۱ سال سے ہمارے بڑے بھائی نے قبضہ کر رکھا ہے، اور اس مکان میں اپنی مرضی سے بجلی، گیس، پانی لگوایا اور مکان بھی بنوایا، مگر ہماری اجازت نہیں تھی۔ والد صاحب زندہ تھے مگر ان سے بھی اجازت نہیں لی، بلکہ والد صاحب کو گھر سے نکال دیا اور والد صاحب کی ایک کھڈی تھی وہ بھی اُکھاڑ کر پھینک دی۔ والد صاحب کو انتقال ہوئے ۱۰ سال ہوگئے ہیں، ہم کل ۳ بھائی ۴ بہنیں، ایک والدہ۔ اس وقت مکان کی قیمت تقریباً ایک لاکھ ۷۵ ہزار روپے ہے، اس کا حساب بتادیجئے کہ بھائی اور بہن اور والدہ کا حصہ کتنا ہوگا؟

سوال ۲:... دُوسرے یہ کہ بھائی نے جو رقم مکان بنوانے میں اور بجلی، گیس، پانی لگوانے میں صَرف کی، اس میں سے کٹے گی یا ۲۱ سال سے مکان پر قابض ہونے کی وجہ سے کرایہ کی صورت میں برابر ہوگی؟

جواب ۱:... آپ کے والد مرحوم کا مکان ۸۰ حصوں پر تقسیم ہوگا، دس حصے تمہاری والدہ کے، چودہ چودہ حصے تینوں بھائیوں

---

(۱) عن عمرو بن شعيب عن أبيه عن جده أن النبي صلى الله عليه وسلم قال: البينة على المدعي واليمين على المدعى عليه. رواه الترمذي. (مشكوة ج:۲ ص:۳۲۷، باب الأقضية والشهادات، طبع قديمي كتب خانه).

(۲) قال في العالمگيرية: ولو قال آجرتك منفعة هذه الدار شهرًا بكذا يجوز على الأصح. كذا في خزانة المفتين. (ج:۴ ص:۴۰۹). فإن عرض في المدة ما يمنع الإمتناع كما إذا غصبت الدار من المستاجر أو غرقت الأرض المستأجرة أو انقطع عنها الشرب أو مرض العبد أو أبق سقطت الأجرة بقدر ذلك، كذا في محيط السرخسي. (عالمگيرى ج:۴ ص:۴۱۳).

(۳) لو إستعمله كله أحدهم بالغلبة بلا إذن الآخر لزمه أجر حصة شريكه لأنه لما إستعمله بالغلبة صار غاصبًا. (درالمختار مع رد المحتار ج:۴ ص:۳۵۵).

(۴) ولو عمّر لنفسه بلا إذنها فالعمارة له ويكون غاصبًا للعرصة فيؤمر بالتفريغ بطلبها ذلك ولو لها بلا إذنها فالعمارة لها وهو متطوع في البناء فلا رجوع له. (الدر المختار ج:۶ ص:۷۴۷، مسائل شتى، كتاب الخنثى، طبع سعيد).

کے، اور سات سات حصے چاروں بہنوں کے، تقسیم کا نقشہ درج ذیل ہے:

والدہ (مرحوم کی بیوہ)	بیٹا	بیٹا	بیٹا	بیٹی	بیٹی	بیٹی	بیٹی
۱۰	۱۴	۱۴	۱۴	۷	۷	۷	۷

ایک لاکھ ۷۵ ہزار کی رقم میں درج ذیل حصے بنتے ہیں:[1]

والدہ کا حصہ: ۲۱,۸۷۵

ہر بھائی کا حصہ: ۳۰,۶۲۵

ہر بہن کا حصہ: ۱۵,۳۱۲/۵۰

جواب ۲:... بڑے بھائی نے مکان پر جو خرچ کیا ہے وہ چونکہ دُوسرے حصہ داروں کی اجازت کے بغیر خرچ کیا ہے، اس لئے اَز رُوئے قانون تو اس کا معاوضہ لینے کا حق دار نہیں، مگر اس کی رعایت کرتے ہوئے یہ کیا جائے کہ اکیس سال سے کرائے کی مد میں اس کے ذمہ جو رقم بنتی ہے اس کو منہا کر کے باقی رقم اس کو دے دی جائے۔

والدین کی جائیداد سے بہنوں کو کم حصہ دینا

سوال:... ہم الحمدللہ چار بہنیں اور دو بھائی ہیں، محترم والد مرحوم کے انتقال کے وقت ہمارے چچا صاحب نے ترکہ کا بڑا حصہ کاروبار، جائیداد وغیرہ بھائیوں کے نام منتقل کردیا تھا، اور بہنوں کو اشک شوئی کے لئے تھوڑا بہت دے دیا تھا، جب ان سے ترکہ کی تقسیم کی بنیاد دریافت کرنے کی جسارت کی تو انہوں نے فرمایا کہ باپ کا نام جاری رکھنے کے لئے مصلحت کا یہی تقاضا ہے۔ محترمہ والدہ صاحبہ الحمدللہ حیات ہیں اور بہت ضعیف ہیں، ان کے نام لاکھوں روپے کی جائیداد ہے، انہی چچا صاحب نے والدہ صاحبہ کی جائیداد فروخت کراکر لاکھوں روپے دونوں بھائیوں کو تقسیم کرادیئے اور بہنوں کو صرف چند ہزار روپے والدہ صاحب نے دے دیئے۔ الحمدللہ دونوں بھائی پہلے ہی سے کروڑ پتی ہیں اور محترم چچا صاحب ان کو بہت چاہتے ہیں، برائے مہربانی اَز رُوئے شریعت فرمائیں کہ روپیہ کی، اولاد میں اس طرح کی تقسیم جائز ہے؟ اور چچا صاحب کا رول شریعت کے مطابق صحیح ہے؟

جواب:... آپ کے والد مرحوم کا ترکہ (ادائے قرض و نفاذِ وصیت کے بعد، اگر کوئی وصیت کی ہو) ۶۴ حصوں پر تقسیم ہوگا، آٹھ حصے آپ کی والدہ کے، ۱۴، ۱۴ دونوں بھائیوں کے، اور ۷، ۷ حصے چاروں بہنوں کے۔[2] اللہ تعالیٰ... جس نے یہ حصے مقرّر فرمائے ہیں... آپ کے چچا سے زیادہ اپنے بندوں کی مصلحت کو جانتا ہے، اس لئے آپ کے چچا کا حکمِ الٰہی سے انحراف کرنا گناہ ہے، جس سے

---

(۱) كما قال الله تبارك وتعالىٰ: فإن كان لكم ولد فلهن الثمن مما تركتم۔ (النساء:۱۲)۔ قال الله تعالىٰ: يوصيكم الله في أولادكم للذكر مثل حظ الأنثيين۔ (النساء:۱۱)۔ وفي السراجي: وأما لبنات الصلب .... ومع الإبن للذكر مثل حظ الأنثيين۔ (سراجي ص:۸، باب معرفة الفروض)۔

(۲) كما قال الله تبارك وتعالىٰ: فإن كان لكم ولد فلهن الثمن مما تركتم۔ (النساء:۱۲)۔ قال الله تعالىٰ: يوصيكم الله في أولادكم للذكر مثل حظ الأنثيين۔ (النساء:۱۱)۔

آپ کے چچا کو توبہ کرنی چاہئے اور دُوسروں کی دُنیا کی خاطر اپنی آخرت برباد نہیں کرنی چاہئے۔ بہنوں کا جو حصہ بھائیوں نے لے لیا ہے وہ ان کے لئے حلال نہیں، ان کو لازم ہے کہ بہنوں کو واپس کردیں، ورنہ ساری عمر حرام کھانے کا وبال ان پر رہے گا اور قیامت کے دن ان کو بھرنا ہوگا، واللہ اعلم![1] تقسیم میراث کا نقشہ یہ ہے:

بیوہ	بیٹا	بیٹا	بیٹی	بیٹی	بیٹی	بیٹی
۸	۱۴	۱۴	۷	۷	۷	۷

جائیداد میں بیٹیوں اور بہن کا حصہ

سوال:... مسئلہ یہ ہے کہ ہمارے والدین کی طلاق ہمارے بچپن میں ہوگئی تھی، ہم تین لڑکیاں ہیں اور ہماری عمریں اُس وقت ایک، دو اور چار سال کی تھیں، ہمارے والد نے ہمیں کبھی بھی خرچہ نہیں دیا۔ مولانا صاحب! ہماری ملاقات اپنے والد سے ۲۴ سال کے بعد ہوئی، اس وقت تک دو بہنوں کی شادی ہوچکی تھی۔ ایک مہینے پہلے ہمارے والد کا انتقال ہوگیا ہے، والد صاحب ایک مکان، ایک دُکان چھوڑ گئے ہیں، جو انہوں نے ہماری پھوپھی کے نام چھوڑا ہے، جس میں پچاس تولے سونا اور نقدی بھی شامل ہے۔ مولانا صاحب! اب ہماری پھوپھی کہتی ہیں کہ تم بہنوں کا اس پورے اثاثے میں کوئی حق نہیں۔ انہوں نے ہمارے باپ کی جائیداد میں سے ایک پائی بھی نہیں دی۔ ہماری پھوپھی "شارجہ" میں مقیم ہیں، اور اپنے شوہر اور بچوں کے ساتھ خوش حال زندگی گزار رہی ہیں۔ مولانا صاحب! میں بہت پریشان ہوں، ساری زندگی ہمارے باپ نے ہمیں کچھ بھی نہیں دیا۔ ہماری پھوپھی کا کہنا ہے کہ ساری جائیداد ان کے نام ہے، اور اس میں سے وہ ہم بہنوں کو کوئی حصہ نہیں دیں گی۔ مولانا صاحب! آپ مجھے بتائیے کہ قیامت کے دن ایسے باپ کے لئے کیا حکم ہے کہ جو دُنیا میں اپنی اولادوں کو دربدر کردیتا ہے اور مرنے سے پہلے ان کو ان کا حق نہیں دیتا، ایسے لوگوں کے لئے کیا حکم ہے جو سب کچھ جان بوجھ کر دُوسروں کے حق پر قبضہ جماتے ہیں؟

جواب:... آپ کے والد کے ترکہ میں دو تہائی آپ تینوں بہنوں کا حق ہے، اور ایک تہائی آپ کی پھوپھی کا حصہ ہے۔[2] آپ کی پھوپھی کا فرض ہے کہ اس پوری جائیداد میں دو تہائی بیٹیوں کو دے دے، اگر وہ ایسا نہیں کرتی تو اس کی دُنیا و آخرت دونوں برباد

(۱) وعن أنس رضی الله عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: من قطع ميراث وارثه، قطع الله ميراثه من الجنة يوم القيامة. (مشكوة ص:۲۶۶ باب الوصايا). عن عمرو بن يثربي قال: خطبنا رسول الله صلى الله عليه وسلم فقال: لا يحل لإمرىءٍ من مال أخيه شيء إلّا بطيب نفس منه. (شرح معاني الآثار للطحاوي ج:۲ ص:۳۱۴، كتاب الكراهة، طبع مكتبه حقانيه ملتان).

(۲) كما قال الله تعالى: فإن كن نساءً فوق اثنتين فلهن ثلثا ما ترك. (النساء:۱۱). قال في السراجي: وأما لبنات الصلب فأحوال ثلاث النصف للواحدة والثلثان للإثنتين. (ص:۸). وأما للأخوات لأب وأمّ فأحوال خمس .... ولهن الباقي مع البنات أو بنات الإبن لقوله عليه السلام إجعلوا الأخوات مع البنات عصبةً. (السراجي ص:۱۱، باب معرفة الفروض).

ہو جائیں گی، اور اللہ تعالیٰ کی ایسی مار پڑے گی کہ دیکھنے والوں کو اس پر رحم آئے گا...![1]

بارہ سال پہلے بہنوں کے قبضہ شدہ حصے کی قیمت کس طرح لگائی جائے؟

سوال: . بھائیوں نے باپ کے انتقال کے بعد بہنوں کی بلااجازت و مرضی کے تمام منقولہ وغیر منقولہ جائیداد اپنے نام منتقل کرلی اور بہنوں کے حصے کاغذی کتاب میں درج کرلئے، کاغذی قیمت کی صورت میں۔ اس طرح بہنوں کو نہ صرف اس جائیداد منقولہ وغیر منقولہ سے ہونے والی آمدنی و منافع سے محروم کیا، جو اس سے حاصل ہوتی تھی، بلکہ اس اضافے سے بھی محروم کیا جو کہ مارکیٹ میں اس کی قیمت سے ہوا، جبکہ ان جائیدادوں سے ہونے والی آمدنی کا حصہ بہنوں کا اتنا تھا کہ ان کے خرچے کا بار بھائیوں پر نہیں تھا، اگر قیمت لگا بھی لی تھی تو اس کو صرف کاغذی حد تک رکھا اور اس پیسے کو کسی بھی سرمایہ کاری میں نہیں لگایا، اس طرح زَر کی قدر میں کمی کا موجب بنے۔ چنانچہ بہنیں بارہ سال پہلے کے ایک روپے جس کی آج ویلیو ۲۰ پیسے ہے، قبول نہیں کرتیں، بلکہ بھائیوں سے کہتی ہیں کہ وہ جائیداد ہمیں دے دیں اور کل روپیہ جو ہمیں دے رہے ہیں وہ خود لے لیں۔ دُوسری بات یہ کہ ماضی میں جب بھی بہنوں نے تقاضا کیا تو خالی جیب دِکھادی اور بھائی اپنی جائیدادیں مزید خریدتے رہے۔

جواب:... بہنوں کا یہ مطالبہ حق بجانب ہے کہ ان کو قیمت نہیں بلکہ جائیداد کا حصہ دیا جائے،[2] البتہ اگر بہنوں نے اپنی خوشی اور رضامندی سے اپنا حصہ بھائیوں کے ہاتھ فروخت کردیا تھا تو وہ قیمت وصول کرسکتی ہیں، مگر دس برس تک قیمت بھی ادا نہ کرنا صریح ظلم ہے۔[3]

جائیداد سے عاق کردہ بیٹے سے باپ کا قرضہ ادا کروانا

سوال:... باپ نے اپنے بیٹے کو ملکیتِ جائیداد سے محروم کردیا ہے، اور اس کو گھر سے نکال دیا ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ باپ کا کہنا ہے بیٹے کو کہ تم اپنی بیوی کو طلاق دو۔ جبکہ بیوی بیٹے کے ساتھ صحیح ہے، اس میں کوئی عیب وغیرہ نظر نہیں آتا۔ اب باپ یہ کہتا ہے کہ کچھ قرضہ ملکیت کے اُوپر ہے وہ تم اُتاردو، بیٹا ہر چیز سے محروم ہے تو کیا یہ قرضہ بیٹے کے اُوپر لگ سکتا ہے؟

جواب:... اگر بیوی کا قصور نہ ہو تو والدین کا یہ مطالبہ کہ لڑکا اس کو طلاق دے، ناجائز ہے۔[4] ۲:... اولاد کو وراثت سے محروم

---

(۱) قال تعالیٰ: یٰایها الذین اٰمنوا لَا تأکلوا أموالکم بینکم بالباطل۔ (البقرة:۱۸۸)۔ وفی معالم التنزیل: بالباطل یعنی بالربا والقمار والغصب۔ (ج:۲ ص:۵۰)۔ وعن أبی حرة الرقاشی عن عمه قال: قال رسول الله صلی الله علیه وسلم: ألَا لَا تظلموا! ألَا لَا یحل مال امرىءٍ إلّا بطیب نفس منه۔ (مشکوٰة ص:۲۵۵ باب الغصب والعاریة)۔

(۲) وعلی الغاصب رد العین المغصوبة معناه ما دام قائمًا لقوله علیه السلام علی الید ما أخذت حتّٰی ترد وقال علیه السلام لَا یحل لأحد أن یأخذ متاع أخیه لَاعبًا ولَا جادًا فإن أخذه فلیرده علیه۔ (هدایة، کتاب الغصب ج:۳ ص:۳۷۱)۔

(۳) قال رسول الله صلی الله علیه وسلم: مطل الغنی ظلم۔ (مشکوٰة ج:۱ ص:۲۵۱)۔ لَا یجوز لأحد من المسلمین أخذ مال أحد بغیر سبب شرعی، کذا فی البحر الرائق۔ (عالمگیری ج:۲ ص:۱۶۷، طبع رشیدیه کوئٹه)۔

(۴) عن النواس بن سمعان قال: قال رسول الله صلی الله علیه وسلم: لَا طاعة لمخلوق فی معصیة الخالق۔ رواه فی شرح السُّنّة۔ (مشکوٰة ص:۳۲۱، کتاب الأمارة، طبع قدیمی کراچی)۔

کرنا حرام ہے، اور محروم کرنے پر بھی وہ وراثت سے محروم نہیں ہوگا، بلکہ دُوسرے وارثوں کی طرح "عاق شدہ" کو بھی وراثت ملے گی۔[1]

۳:... باپ کے ذمہ جو قرضہ ہو، اگر باپ نادار ہو اور اولاد کے پاس گنجائش ہو تو باپ کا قرضہ ضرور ادا کرنا چاہئے، لیکن اگر باپ مال دار ہے، قرضہ ادا کرسکتا ہے، یا اولاد کے پاس گنجائش نہیں تو قرضہ باپ کو ادا کرنا چاہئے، لیکن اگر باپ نے ادا نہ کیا تو اس کی موت کے بعد جائیداد میں سے پہلے قرضہ ادا کیا جائے گا، بعد میں جائیداد تقسیم ہوگی۔[2]

والد صاحب کی جائیداد پر ایک بیٹے کا قابض ہوجانا

سوال:... زید بڑا بھائی ہے، نوکری کرکے اپنے بچوں کا پیٹ پالتا ہے، خالد کے انتقال کے بعد دُوسرے بھائی نے دُکان کھولی، زید اس کو کہتا ہے اس میں میرا حق ہے، مگر دُوسرا بھائی کہتا ہے کہ یہ میری ذاتی ہے۔ ایسے ہی والد صاحب کی ملکیت سے جو غلہ نکلتا ہے اس میں بھی زید کو حصہ نہیں دیتا اور کہتا ہے کہ میں سب کو خرچہ دیتا ہوں۔ واضح ہو کہ زید کے دو بھائی شادی شدہ ہیں، تیسرا بھائی بھی اس کے ساتھ رہتا ہے، سب ایک گھر میں رہتے ہیں، حکمِ شرعی صادر فرماویں۔

جواب:... والد کا ترکہ تو تمام شرعی وارثوں میں شرعی حصوں کے مطابق تقسیم ہونا چاہئے، اس پر کسی ایک بھائی کا قابض ہوجانا غصب اور ظلم ہے۔[3] باقی جتنے بھائی کمانے والے ہیں ان کے ذمہ والدہ اور چھوٹے بھائیوں کا خرچہ بقدرِ حصہ ہے۔ دُکان میں اگر بھائی نے اپنا سرمایہ ڈالا ہے تو دُکان اس کی ہے، اور اگر والد کی جائیداد ہے تو وہ بھی تقسیم ہوگی۔

والدین کی وراثت سے ایک بھائی کو محروم رکھنے والے بھائیوں کی شرعی سزا

سوال:... میرا مسئلہ یہ ہے کہ جو سامان وغیرہ وراثت کا ہو، یعنی ماں باپ کا گھریلو سامان جو کافی مقدار میں ہو اور دُشمنی اور مخالفت کی بنا پر دو بھائی آپس میں تقسیم کرلیں اور تیسرے بھائی کو علم تک نہ ہو کہ وراثت کا مال تقسیم ہوچکا ہے، محض دُشمنی اور مخالفت کی بنا پر تیسرے بھائی کو بالکل بے دخل کردیں، حالانکہ تینوں بھائی سگے ہوں اور ایک بھائی کا حق ماریں۔ تو بزرگوار! ایسے بھائیوں اور ایسے وراثت کی تقسیم کا خدا تعالیٰ کے نزدیک اور حدیثِ نبوی میں کیا حکم ہے؟ کیا اس طرح انسان گنہگار نہیں ہوتا؟ اور آخرت میں کیا انجام ہوگا؟

جواب:... والدین کی وراثت میں تمام اولاد اپنے اپنے حصے کے مطابق برابر کی شریک ہے۔[4] پس دو بھائیوں کو وراثت

---

(۱) عن أنس بن مالک قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: من فر من ميراث وارثه قطع الله ميراثه من الجنة يوم القيامة. (سنن ابن ماجة ص:۱۹۴، باب الوصايا، باب الحيف في الوصايا، طبع نور محمد كراچی).

(۲) ثم تقضى ديونه من جميع ما بقي من ماله .... ثم يقسم الباقي بين ورثته ...إلخ. (سراجی ص:۳).

(۳) قال تعالى: للرجال نصيب مما ترك الوالدان والأقربون وللنساء نصيب مما ترك الوالدان والأقربون مما قل منه أو كثر نصيبًا مفروضًا. (النساء:۷). عن أبي حرة الرقاشي ...... قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: ألا لا تظلموا، ألا لا يحل مال امرىء إلّا بطيب نفس منه. (مشكوة ج:۱ ص:۲۶۶، باب الغصب والعارية).

(۴) قال تعالى: للرجال نصيبٌ مما ترك الوالدان والأقربون وللنساء نصيبٌ مما ترك الوالدان والأقربون مما قل منه أو كثر نصيبًا مفروضًا. (النساء:۷).

تقسیم کرلینا اور تیسرے بھائی کو محروم کردینا نہایت سنگین گناہ ہے، آخرت میں ان کا انجام یہ ہوگا کہ ان کو اس سامان کے بدلے میں اپنی نیکیاں دینی ہوں گی،[1] اس لئے ہر مسلمان کو ایسے گناہوں سے توبہ کرنی چاہئے اور ایسے غاصبانہ وظالمانہ برتاؤ سے پرہیز کرنا چاہئے۔

حصہ داروں کو حصہ دے کر مکان سے بے دخل کرنا

سوال:... میرا مکان جس میں، میں اپنے آٹھ بچوں کے ساتھ (جن میں ایک لڑکا شادی شدہ ہے) رہتا ہوں، مکان میری مرحومہ بیوی کے نام ہے، حکومت کے کاغذات میں بیوی کے ساتھ میرا نام درج ہے، یہ مکان بیوی مرحومہ کے والد نے عنایت فرمایا تھا۔ قرآن وسنت کی روشنی میں فرمائیں کہ اس مکان پر میرا حق ہے یا نہیں؟ اور کیا میں اس بات کا حق رکھتا ہوں کہ اگر کوئی بیٹا یا بیٹے کی بیوی وجہ فساد ہے تو ان کو مکان سے بے دخل کردوں؟

جواب:... مکان آپ کی مرحومہ بیوی کا تھا، اس کے انتقال پر چوتھائی حصہ آپ کا اور باقی تین حصے مرحومہ کی اولاد کے ہیں، لڑکوں کا حصہ لڑکیوں سے دُگنا۔[2] آپ حصہ داروں کو حصے سے محروم نہیں کرسکتے، ان کا حصہ ادا کرکے ان کو بے دخل کرسکتے ہیں۔

مرحوم کے مکان پر دعویٰ کی حقیقت

سوال:... ایک مکان رہائشی مرحوم شخص "الف" کا ہے، اور تاحال تمام سرکاری دفاتر میں اسی کے نام پر ہے۔ مرحوم کی ایک بیٹی مسماۃ "ز" تمام سرکاری واجبات ادا کرتی چلی آرہی ہے، اس نے ایک شخص "م" کو یہ مکان دسمبر ۱۹۷۵ء میں کرایہ پر دیا تھا (صرف ۶ ماہ کے لئے) یہ معاملہ زبانی ہوا تھا، کیونکہ کرایہ دار کا اپنا مکان زیرِ تعمیر تھا، چند ماہ بعد کرایہ دار "م" نے مرحوم "الف" کے ایک وارث "خ" سے مئی ۱۹۷۶ء میں اس مکان کا سودا خرید و فروخت بالا بالا ہی کرلیا، اور بقول کرایہ دار اس نے اس سلسلے میں ۱۵ ہزار روپیہ پیشگی ادا کیا تھا، اس معاملے کا کوئی غیر جانبدار گواہ بھی نہیں۔ بدقسمتی سے جس وارث یعنی "خ" نے یہ سودا کیا تھا وہ بھی فروری ۱۹۸۸ء میں انتقال کرچکا ہے، واضح رہے کہ اس سودے میں مرحوم "الف" کے دیگر ورثاء کا کوئی دخل و واسطہ نہ تھا، نہ ہی اس سودے کی بذریعہ اخبار تشہیر کی گئی، اور نہ ہی کسی سرکاری ادارے میں اس کی رجسٹریشن ہوئی۔ بعدۂ مئی ۱۹۷۶ء سے لے کر تاحال کرایہ دار نے کوئی کرایہ بھی ادا نہیں کیا، اس کی مسلسل خاموشی نے بھی معاہدے کو مشکوک کردیا ہے۔ جبکہ مرحوم کی بیٹی مسماۃ "ز" کے حق میں دیگر ورثاء بشمول مرحوم وارث "خ" بھی ۱۹۷۶ء میں دستبردار ہوچکے ہیں (جس کی بذریعہ اخبار تشہیر کی جاچکی ہے)۔ اب کرایہ دار اس بات پر مصر ہے

---

(۱) عن أبي هريرة أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: أتدرون من المفلس؟ قالوا: المفلس فينا يا رسول الله من لا درهم له ولا متاع۔ قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: المفلس من أمتي من يأتي يوم القيامة بصلاة وصيام زكوة، ويأتي قد شتم هذا وقذف هذا وأكل مال هذا وسفك دم هذا وضرب هذا، فيقعد فيقتص هذا من حسناته وهذا من حسناته فإن فنيت حسناته قبل أن يقتص ما عليه من الخطايا أخذ من خطاياهم فطرح عليه ثم طرح في النار۔ هذا حديث حسن صحيح۔ (سنن جامع الترمذي ج:۲ ص:۶۷، أبواب صفة القيامة، طبع قديمي)۔

(۲) قال تعالى: فإن كان لهن ولد فلكم الربع مما تركن من بعد وصية يوصين بها أو دين۔ (النساء: ۱۲)۔ قال في السراجي: وأما للزوج فحالتان، النصف عند عدم الولد والربع مع الولد ... إلخ۔ (ص:۷)۔ قال الله تبارك وتعالى: يوصيكم الله في أولادكم للذكر مثل حظ الأنثيين۔ (النساء: ۱۱)۔

کہ مرحوم وارث ''خ'' سے کئے ہوئے مبینہ معاہدۂ خرید و فروخت پر عمل درآمد کیا جائے اور اسے حقِ ملکیت منتقل کیا جائے، جبکہ مرحوم ''الف'' کے بقیدِ حیات وارثان یہ کہتے ہیں کہ: نہ ہم نے کرایہ دار ''م'' سے کوئی معاہدہ کیا ہے، اور نہ ہی ہم نے کوئی رقم پیشگی وصول پائی ہے، یا لی ہے، اور سوال یہ ہے کہ جب مرحوم ''الف'' کی جائیداد متروکہ وارثان کے نام ہی منتقل نہیں ہوئی تو کسی اور کے نام کیسے منتقل کردی جائے؟

الف:...آیا مرحوم ''الف'' کے بقیدِ حیات وارثان، مرحوم ''الف'' کے ایک وارث ''خ'' جو اَب خود بھی مرحوم ہوچکے ہیں، سے کئے ہوئے مبینہ مشکوک معاہدے کے پابند ہیں یا نہیں؟

ب:...مرحوم ''الف'' کی بیٹی مسماۃ ''ز'' اب بیوہ ہوچکی ہے، اور اس کی دو یتیم بچیاں ہیں، جو بسبب اَمرِ مجبوری رشتہ داروں میں مقیم ہیں، اور کرایہ دار صاحب ان کو کرایہ بھی ادا نہیں کر رہے ہیں، حالانکہ وہ بیوہ ہونے کے باوجود سرکاری واجبات ادا کر رہی ہیں۔

ج:...اب چونکہ کرایہ دار، کرایہ ادا نہیں کر رہا، لہٰذا وہ ناجائز قابض یا غاصب ہے یا نہیں؟ نیز غاصب کے لئے شرعی سزا کیا ہے؟

د:...سرکاری عمال غاصب سے حقِ پدری نہ دِلوانے پر کسی شرعی سزا کے مستوجب ہیں یا نہیں؟

ہ:...وہ رقم (جو ۱۹۷۶ء سے ۱۹۸۸ء تک) کرایہ کی مد میں جمع ہے، اس پر زکوٰۃ واجب الادا ہے یا نہیں؟

جواب:...الف مرحوم کے فوت ہوجانے کے بعد یہ مکان اس کے وارثوں کا ہے، اور ان کی مشترک ملکیت ہے، جس چیز میں کئی شخص شریک ہوں اس کو کوئی ایک شخص دُوسرے شرکاء کی رضامندی کے بغیر فروخت نہیں کرسکتا، لہٰذا کرایہ دار کے بقول ''خ'' نے اس کے ہاتھ جو مکان فروخت کیا ہے، یہ سودا کالعدم ہے۔[1] اور اس کی بنیاد پر اس شخص کا یہ دعویٰ کرنا کہ میں نے یہ مکان خرید لیا ہے، غلط ہے، اور اس کے لئے قبضہ رکھنا حرام ہے، چونکہ تمام وارثان ''الف'' مرحوم کی بیٹی کے حق میں اپنے حصے سے دستبردار ہوچکے ہیں، اس لئے اس مکان کی تنہا مالک اب مرحوم کی بیٹی ہے۔ ایک بیوہ کے مکان پر ناجائز قبضہ کرنا اور اس کا کرایہ بھی نہ دینا، بدترین غصب اور ظلم ہے، جو اس غاصب اور ظالم کی دُنیا و آخرت کو برباد کردے گا۔ سرکاری حکام، بلکہ ہر مسلمان کا فرض ہے کہ بیوہ کی اور اس کے یتیم بچوں کی مدد کریں اور اس غاصب کے ظالمانہ چنگل سے نجات دِلائیں، جو لوگ باوجود قدرت کے ایسا نہیں کریں گے وہ بھی اس وبال میں شریک ہوں گے۔[2] کرائے کی رقم جب تک وصول نہ ہوجائے اس پر زکوٰۃ نہیں۔[3]

اس پلاٹ کا مالک کون ہے؟

سوال:...میں (غلام محمد ولد غلام نبی) نے اپنے بھائی غلام صابر ولد غلام نبی کو گورنمنٹ ہاؤسنگ سوسائٹی کا پلاٹ حاصل

---

(۱) قال في البحر الرائق (ج:۵ ص:۱۶۷): (قوله وكل أجنبي في قسط صاحبه) أي وكل واحد من الشريكين ممنوع من التصرف في نصيب صاحبه لغير الشريك إلّا بإذنه.

(۲) من رأى منكم منكرًا فليغيره بيده فإن لم يستطع فبلسانه ...إلخ. (مشكوٰة ص:۴۳۶ باب الأمر بالمعروف).

(۳) قال رحمه الله الزكوٰة واجبة .... إذا ملك نصابًا ملكًا تامًا يحترز من ملك المكاتب والمديون والمبيع قبل القبض لأن الملك التام هو ما اجتمع فيه الملك واليد. (الجوهرة النيرة ص:۱۱۶، كتاب الزكوٰة).

کرنے کے لئے اپنے خرچ سے ممبر بنایا، میرا بھائی گورنمنٹ میں ملازم تھا، اس واسطے وہی ممبر بن سکتا تھا، سوسائٹی نے ممبر شپ کی رسید مجھے دے دی، جبکہ میرے بھائی غلام صابر نے مجھے اس کا وارث مقرّر کیا، اور سوسائٹی آفس کو خط لکھ دیا گیا۔ ۱۹۶۱ء میں سوسائٹی آفس نے میرے بھائی غلام صابر کو خط لکھا کہ بذریعہ قرعہ اندازی زمین کی الاٹمنٹ کا بندوبست کیا ہے۔ میرے بھائی صاحب نے مجھے خط لکھا کہ مجھے جتنی زمین درکار ہو اس کے مطابق سوسائٹی آفس میں روپیہ بھردیں، میں نے ۳۰۰ گز کے پلاٹ کے لئے سوسائٹی آفس میں بذریعہ بینک ڈرافٹ روپے بھردیئے۔ مگر ایک سال بعد سوسائٹی آفس نے میرے نام بینک ڈرافٹ واپس بھیج دیا اور لکھ دیا کہ آئندہ جب الاٹمنٹ ہوگی آپ کو مطلع کردیں گے۔ کئی سال بعد میرے کراچی کے پتے پر میرے بھائی غلام صابر کے نام سوسائٹی آفس نے لکھا کہ پلاٹ تمہارے نام الاٹ کردیا گیا ہے، میں نے فوراً اس پلاٹ کی قیمت ادا کردی، اور اسی پلاٹ کی جنرل پاور آف اٹارنی اپنے بھائی صاحب غلام صابر سے راولپنڈی جاکر لے لی۔ اس کے بعد بھائی صاحب کی وفات ہوگئی، تمام تر اخراجات میں نے اپنے پاس سے کئے ہیں، تمام کارروائی پوری کرنے کے بعد جب پلاٹ پر قبضہ لینے کا وقت آیا تو سوسائٹی آفس نے کہا کہ تمہارا بھائی وفات پاچکا ہے، اس واسطے جنرل پاور آف اٹارنی اور وراثت سب ختم ہوگئی، اب وارث صرف اس کے بیوی بچے ہیں۔ میں نے تمام حالات آپ کی خدمت میں پیش کردیئے ہیں، آپ مہربانی فرماکر قرآن پاک اور حدیث کی روشنی میں مجھے بتائیں کہ اس پلاٹ کی ملکیت میری ہے کہ نہیں؟ میں نے جو حالات لکھے ہیں ان سب کے دستاویزی ثبوت موجود ہیں۔

جواب:... آپ نے حالات کی جو تفصیل دستاویزی حوالوں کے ساتھ لکھی ہے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جو پلاٹ آپ کے مرحوم بھائی جناب غلام صابر صاحب کے نام پر لیا گیا وہ درحقیقت آپ کی ملکیت ہے، مرحوم بھائی کا صرف نام استعمال ہوا، ورنہ یہ ان کی ملکیت نہیں تھی، بلکہ اس کی ملکیت آپ کی تھی، اس لئے مرحوم کی وفات کے بعد بھی شرعاً آپ ہی اس پلاٹ کے مالک ہیں۔ علاوہ ازیں چونکہ مرحوم نے آپ کو مختارنامے میں وارث قرار دیا تھا اور متعلقہ ادارے کو قانونی طور پر اس سے مطلع بھی کردیا تھا، اس لئے اگر بالفرض یہ پلاٹ مرحوم کی ملکیت ہوتا تب بھی چونکہ مرحوم کی وصیت آپ کے حق میں تھی، لہٰذا وصیت کے تحت یہ پلاٹ آپ ہی کو ملتا ہے۔[1] بہرحال شرعاً آپ اس پلاٹ کے مالک ہیں اور اس کو اپنے نام منتقل کراسکتے ہیں، واللہ اعلم!

مرحوم کا اپنی زندگی میں بہن کو دیئے ہوئے مکان پر بیوہ کا دعویٰ

سوال:... ایک شخص کا ۱۹۷۰ء میں انتقال ہوا، جس نے جائیداد لاہور اور حیدرآباد سندھ میں کافی چھوڑی تھی۔ مرحوم نے سگی بہن کو ہندوستان سے ۱۹۴۸ء میں بلایا، جس کو رہنے کے لئے مکان حیدرآباد سندھ میں دیا، جس میں وہ رہتی رہی۔ مرحوم خود لاہور میں اپنی دو بیویوں اور بچیوں کے ساتھ رہتے تھے۔ انتقال کے بعد دُوسری سب جائیداد بیواؤں نے فروخت کردی، اس میں سے ایک بیوہ، مرحوم کے چند سال کے بعد مرگئی، مرنے والی بیوہ کے کوئی اولاد نہیں تھی۔ بیوہ کے مرنے کے بعد دُوسری بیوہ اپنی دو لڑکیوں کے

(۱) قال في العالمگيرية: والموصى به يملك بالقبول فإن قبل الموصى له الوصية بعد موت الموصي يثبت الملك له في الموصى به قبضه أو لم يقبضه۔ (ج:۶ ص:۹۰، كتاب الوصايا، طبع رشيديه)۔

ساتھ آکر حیدرآباد سندھ کے اس مکان میں آباد ہوگئی، وہ مکان جو کہ مرحوم نے اپنی زندگی میں بہن کو لے کر دیا تھا، اب اس وقت حیدرآباد سندھ کی جائیداد میں مرحوم کی بہن، مرحوم کی بیوہ اور دو لڑکیاں رہتی ہیں، اب بیوہ اس مکان کو بھی فروخت کرنا چاہتی ہے، جس مکان کو مرحوم اپنی بہن کو دے کر گیا تھا، جبکہ مرحوم کی بہن ۱۹۴۸ء سے حیدرآباد سندھ کے مکان میں آباد ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ بہن کا بھائی کی جائیداد میں کوئی حصہ ہے یا نہیں؟ اور اگر ہے تو پوری جائیداد میں ہے یا صرف اس مکان میں جس میں وہ رہتی ہے؟ اور حق ہے تو کتنا کتنا؟ کس کس کا حق وحصہ ہے؟

جواب:... اگر مرحوم کی کوئی نرینہ اولاد نہیں تھی تو مرحوم کی کل جائیداد (تجہیز و تکفین، ادائے قرضہ جات اور تہائی مال میں نفاذ وصیت کے بعد) اڑتالیس حصوں میں تقسیم ہوگی، تین تین حصے بیواؤں کے، سولہ سولہ حصے دونوں لڑکیوں کے، اور باقی ماندہ دس حصے اس کی بہن کے۔ اس سے معلوم ہوا کہ بہن، مرحوم کی پوری جائیداد کے اڑتالیس حصوں میں سے دس حصوں کی مالک ہے۔[1] تقسیم کا نقشہ درج ذیل ہے:

بیوہ	بیوہ	بیٹی	بیٹی	بہن
۳	۳	۱۶	۱۶	۱۰

کسی کی جگہ پر تعمیر کردہ مکان کے جھگڑے کا فیصلہ کس طرح ہوگا؟

سوال:... میری ایک غیرشادی شدہ لڑکی عمر ساڑھے ۴۳ سال ہے، میرا ایک پلاٹ ناظم آباد نمبر ۳ میں ۴۷ ۳ گز کا تھا، اور اب بھی ہے، اس پر مفلسی کی وجہ سے صرف دو کمرے تعمیر تھے، میری یہ لڑکی برطانیہ سے ایم ایس سی کی ڈگری حاصل شدہ ہے اور سعودی عرب مدینہ منورہ میں ملازم ہے، میں نہیں چاہتا تھا کہ میرا مکان بنے، لیکن اس نے اور کچھ بھائیوں نے زور دیا کہ "بنے"، میں مان گیا، میری دیکھ بھال میں وہ پیسہ بھیجتی گئی اور مکان بنتا گیا، کچھ دن حساب رکھا، بعد میں یہ سوچ کر کہ اگر کچھ پیسہ میرے تصرف میں آ ہی گیا تو اولاد کا پیسہ والد کے لئے جائز ہے، تو حساب چھوڑ دیا۔ اور مکان ۱۹۷۸ء میں پورا ہوگیا، اور دُکانیں اور پہلی منزل کرایہ پر دی ہوئی ہیں، اور اُوپر والی منزل پر میں مع بیوی بچوں کے رہائش پذیر ہوں۔ اب وہ لڑکی کہتی ہے کہ پیسے مکان پر بہت کم لگائے، غبن کر گئے اور کھا گئے، اور میرا کرایہ سب کھا گئے، حساب نہیں رکھا، اور حساب نہ رکھنے کا بنیادی الزام بددیانتی اور غبن ہے، اور ناگفتنی گالی اور گندے گندے خط مجھے لکھے، اور مجھے بدنام کرنے کی کوشش کر رہی ہے، مکان میرے نام ہے، کہتی ہیں کہ نکلو میرے مکان سے اور سارا مکان میرے نام کردو۔ میرا کہنا ہے کہ نیچے والی منزل اور دُکانیں تم لے لو اور اُوپر والی منزل ہماری رہائش کے لئے چھوڑ دو، مگر وہ راضی

---

(۱) كما قال الله تعالى: فإن كان لكم ولد فلهن الثمن مما تركتم من بعد وصية توصون بها أو دين. (النساء. ۱۲). وأما للزوجات . ... الثمن مع الولد أو ولد الإبن وإن سفل. (سراجي ص:۷، باب معرفة الفروض). قال الله تعالى. فإن كن نساءً فوق ثنتين فلهن ثلثا ما ترك. (النساء ۱۱). وأما لبنات الصلب ...... الثلثان للإثنين فصاعدة. (سراجي ص.۸، باب معرفة الفروض). وأما للأخوات لأب وأم فأحوال خمس ...إلخ. ولهن الباقي مع البنات أو بنات الإبن لقوله عليه السلام. اجعلوا الأخوات مع البنات عصبة. (ص: ۱۱).

نہیں۔ میں کہتا ہوں: تمہارا پیسہ ضرور لگا ہے، جتنا لگا ہے اس سے زائد مالیت کا حصہ وصول کرلو، مگر وہ مکان کو شراکت میں نہیں رکھنا چاہتی ہیں۔ دریافت طلب امر یہ ہے کہ جو رقم اس کی میرے تصرف میں آگئی کیا وہ حقوق العباد ہے؟ اور عنداللہ میں ذین دار ہوں؟ جبکہ میں نے بنوانے اور دوڑ دُھوپ کا کوئی معاوضہ نہیں لیا۔ یہ پڑھے لکھے گھرانے کا حال ہے، مجھے ایسے خطوط لکھتی ہے جو ارذل سے ارذل انسان بھی اپنے باپ کو نہیں لکھتا۔ کہتی ہیں کہ مکان سے نکل جاؤ، جہاں چاہے رہو، سڑک پر رہو، اور تین سال کا پچھلا دو ہزار روپے کے حساب سے کرایہ دو۔ سمجھ نہیں آتا کہ کیا کروں؟ براہِ کرم شرعی لحاظ سے کوئی فیصلہ صادر فرمادیں۔

جواب:... صاحبزادی کا پیسہ آتا تھا، آپ نے اپنا (یعنی اپنی اولاد کا) سمجھ کر خرچ کیا ہے، آپ پر اس کا کوئی معاوضہ نہیں۔[1] مکان کی عمارت آپ کی صاحبزادی کی ہے، اور زمین آپ کی، اس کا شرعی حکم یہ ہے کہ اگر مصالحت کے ذریعے کوئی بات طے ہوجائے تو اس کے مطابق عمل کیا جائے، ورنہ آپ اس کو کہہ سکتے ہیں کہ اپنا مکان اُٹھائے اور آپ کی جگہ خالی کردے، اور شرعاً اس کو آپ کی جگہ خالی کرنی لازمی ہے۔[2]

آپ نے جو پڑھے لکھے گھرانے کی شکایت ہے، وہ فضول ہے۔ یہ تعلیمِ جدید کا اثر ہے، ببول بوکر جو شخص آموں کی توقع رکھتا ہے، وہ احمق ہے...!

مرحومہ کا ترکہ خاوند، ماں باپ اور بیٹے میں کیسے تقسیم ہو؟

سوال:... عرض یہ ہے کہ میری شادی مؤرخہ ۲۶ رجون ۱۹۹۲ء کو ہوئی، شادی کے گیارہ ماہ بعد مؤرخہ ۱۸-۱۹ رمئی کی درمیانی رات کو تقریباً تین بجے میری بیوی کے ہاں لڑکا پیدا ہوا، زچگی کے تقریباً ساڑھے چھ گھنٹے بعد ۱۹ رمئی ۱۹۹۳ء کو صبح تقریباً ساڑھے نو بجے میری بیوی اپنے خالقِ حقیقی سے جاملی، بچہ حیات ہے، میری بیوی کے انتقال کے پونے تین ماہ بعد میری بیوی کے والد اور اس کے بھائیوں نے میرے گھر آکر جہیز واپس کرنے کا مطالبہ کیا، مجھے جہیز واپس کرنا چاہئے یا نہیں؟ جبکہ میرا بچہ اور میرے والدین حیات ہیں، میری بیوی کے والدین بھی حیات ہیں۔ مندرجہ بالا صورتِ حال میں مجھے کیا کرنا چاہئے؟ قرآن و سنت کی روشنی میں جواب سے مستفید فرمائیں۔

جواب:... مرحومہ کا جہیز اور اس کا تمام ترکہ ۱۲ حصوں پر تقسیم ہوگا، ان میں سے ۳ حصے شوہر کے،[3] دو دو حصے ماں باپ

(۱) عن جابر أن رجلًا قال: یا رسول الله! إنّ لی مالًا وولدًا وانّ أبی یرید أن یحتاج مالی قال: أنت ومالک لأبیک۔ (هدایة ج:۲ ص:۵۱۵)۔

(۲) قال فی البحر الرائق (أو یرضٰی بترکه فیکون البناء والغرس لهٰذا والأرض لهٰذا) یعنی إذا رضی المؤجر بترک البناء والغرس لا یلزم المستأجر القلع۔ (ج:۷ ص:۳۰۶)۔ وقال أیضًا (فإن مضت المدة قلعها وسلمها فارغة) لأنه لا نهایة لهما ففی إبقائهما إضرار بصاحب الأرض فوجب القلع۔ (ج:۷ ص:۳۰۵)۔

(۳) وأما للزوج .... الربع مع الولد أو ولد الإبن وإن سفل۔ (سراجی ص:۷، باب معرفة الفروض)۔

کے، اور باقی ۵ حصے بچے کے ہیں۔[1] تقسیم کا نقشہ درج ذیل ہے:

شوہر	ماں	باپ	بیٹا
۳	۲	۲	۵

مرحومہ کے والدین کا جہیز واپس کرنے کا مطالبہ غلط ہے، ماں باپ دونوں کا ایک تہائی حصہ ہے، اگر وہ چاہیں تو لے لیں، چاہیں تو بچے کے لئے چھوڑ دیں۔

دادا کی جائیداد میں پھوپھی کا حصہ

سوال:... ایک میری سگی پھوپھی ہیں، وہ چاہتی ہیں کہ آدھی زمین حصے میں لیں گی جبکہ پہلے عدالت و پٹواری کے کاغذات میں اپنا نام درج نہیں کرایا تھا، اب پھوپھی مجھ سے زمین کا حصہ لینا چاہتی ہیں۔ مفتی صاحب! شریعت میں کتنا حصہ پھوپھی کو آتا ہے؟

جواب:... آپ کے دادا کی جائیداد میں آپ کی پھوپھی کا حق آپ کے والد مرحوم سے نصف ہے، یعنی دادا کی جائیداد کے تین حصے ہوں گے، دو حصے آپ کے تھے، اور ایک حصہ آپ کی پھوپھی کا، دادا کی جائیداد کا ایک تہائی حصہ اپنی پھوپھی کو دے دیجئے۔[2]

دادا کے ترکہ میں دادی کے چچازاد بھائی کا حصہ

سوال:... آزاد کشمیر میں میرے دادا کی زمین ہے گاؤں میں جو کہ ۶۰ کنال تھی، کچھ تو میں نے ۱۰ سال پہلے فروخت کردی تھی اور کچھ باقی ہے، آج سے تقریباً ۴۰، ۴۵ سال پہلے کی بات ہے، میری سگی دادی کا انتقال ہوگیا، تو میرے دادا نے دُوسری شادی کرلی اور پھر کچھ سال بعد میرے دادا کا بھی انتقال ہوگیا، اور پھر کچھ ہی سال بعد میرے والد کا بھی انتقال ہوگیا، اور میری سوتیلی دادی جو کہ بیوہ ہوگئی تھی بعد میں میری موجودگی میں ۲۵ سال پہلے فوت ہوئی۔ میرے دادا اور سوتیلی دادی کی کوئی بھی اولاد نہیں ہوئی، اور سوتیلی دادی کا ایک سگا بھائی تھا جو کہ ۵ سال پہلے فوت ہوگیا، اور اس کے بیٹے بھی ہیں، اور آج تک انہوں نے میرے سے سوتیلی دادی کے حصے کی بات نہیں کی، لیکن سوتیلی دادی کا ایک چچازاد بھائی ہے، اس نے عدالت و پٹواری کے کاغذات میں میری سوتیلی دادی کا نصف حصہ یعنی آدھی زمین اپنے نام پر کی ہوئی ہے، اور اب اتنے سال کے بعد وہ میرے سے وصول کرنا چاہتا ہے، اور میری والدہ بھی ہیں جو کہ اب تیسرے نکاح میں ہے، اور میرے بھی بچے بیوی ہیں۔ مولانا صاحب! شریعت میں کتنا حصہ سوتیلی دادی کے اس چچازاد بھائی کو ملتا ہے؟

---

(۱) ولأبويه لكل واحد منهما السدس مما ترك إن كان له ولد (النساء: ۱۱)۔ والعصبة كل من يأخذ ما أبقته أصحاب الفرائض۔ (سراجی ص:۴)۔

(۲) وأما لبنات الصلب فأحوال ثلث ثلاث النصف للواحدة .... والعصبة كل من يأخذ ما أبقته أصحاب الفرائض۔ (سراجی ص:۴-۸، باب معرفة الفروض، طبع المصباح)۔

جواب:... جو صورتِ مسئلہ آپ نے لکھی ہے، اس جائیداد میں آپ کی سوتیلی دادی کے چچا زاد بھائی کا کوئی حق نہیں بنتا، آپ کی دادی مرحومہ کا وارث اس کا حقیقی بھائی تھا، اس کی موجودگی میں چچا زاد بھائی وارث نہیں ہوتا۔[1] اس نے جو کاغذات میں نصف جائیداد اپنے نام کرالی ہے یہ شرعاً ناجائز اور حرام ہے، اس کا فرض ہے کہ اس جائیداد سے دستبردار ہو جائے ورنہ اپنی قبر اور آخرت گندی کرے گا۔

آپ کے دادا کی جائیداد میں آٹھواں حصہ آپ کی سوتیلی دادی کا حق تھا،[2] اور سوتیلی دادی کے انتقال کے بعد اس کا بھائی اس حصے کا وارث تھا، اگر بھائی نے حصہ نہیں لیا تو چچا زاد بھائی کو حصہ لینے کا کوئی حق نہیں۔

مرحوم کی وراثت کیسے تقسیم ہوگی؟ جبکہ ورثاء میں بیوہ، لڑکی اور چار بہنیں ہوں

سوال:... میری ادلے بدلے کی شادی ۱۹۸۰ء میں ہوئی، میرے خاوند کا انتقال ۱۹۸۲ء میں سعودی عرب میں ایکسیڈنٹ کے ذریعے ہوا، میری ایک بیٹی ۹ سال کی ہے، میرے خاوند کی بینک (پنجاب) میں تقریباً ۱۵,۰۰۰ روپے کی رقم جمع ہے۔ میرے ساس اور سسر انتقال کر گئے ہیں، کوئی دیور نہیں ہے، ۴ نندیں ہیں، جن میں دو بیوہ ہیں، اور ان کی اولاد کی شادی بھی ہو چکی ہے۔ میرے خاوند گھر میں سب سے چھوٹے تھے، ایکسیڈنٹ کی رقم کے سلسلے میں سعودی عرب کی حکومت سے ۱۹۸۲ء سے خط و کتابت جاری ہے، ان کی تمام طلبیں پوری کردی ہیں، لیکن ابھی تک رقم نہیں ملی۔ اس کے علاوہ حق مہر میں شادی کے موقع پر میرے خاوند نے مکان لکھ کر دیا تھا، اس کے علاوہ میرے سسر کا مکان جس میں میری ایک نند (بیوہ) رہ رہی ہے، اس مکان کی تقسیم کس طرح ہوگی؟ میرے خاوند کے انتقال کے بعد سے میں اپنی والدہ کے ہاں رہ رہی ہوں، کیونکہ ان سے تعلقات اچھے نہیں ہیں، اور تقریباً دس سال سے ان سے بات چیت نہیں ہے، اور یہ پنجاب میں رہائش پذیر ہیں، خاوند کے انتقال کے بعد ابھی تک میں نے شادی نہیں کی۔

۱:... پنجاب میں ایک بینک میں ۱۵,۰۰۰ روپے کی رقم کی تقسیم۔

۲:... ایکسیڈنٹ کی رقم میں کس کس کا حصہ بنتا ہے؟

۳:... حق مہر میں جو مکان لکھ کر دیا ہے، کس کا حصہ ہے اور کتنا ہے؟

۴:... سسر کے مکان میں میرا کتنا حصہ ہے؟

جائیداد آسانی سے مجھے کس طرح مل سکتی ہے؟ تاکہ مجھے عدالت کی طرف نہ جانا پڑے، آسان حل بتائیں۔

---

(۱) أما العصبة بنفسه فكل ذكر لَا تدخل في نسبته إلى الميت أنثى، وهم أربعة أصناف جزء الميت وأصله، وجزء أبيه، وجزء جده، الأقرب فالأقرب يرجحون بقرب الدرجة، أعني أولٰهم بالميراث .... ثم جزء أبيه أي الإخوة ثم بنوهم وإن سفلوا ثم جزء جده أي الأعمام ...إلخ۔ (سراجي ص:۱۴، باب العصبات)۔

(۲) وللمرأة من ميراث زوجها الربع إذا لم يكن له ولد، ولَا ولد ابن، فإن كان له ولد أو ولد ابن، وإن سفل فلها الثمن، وذالك لقول الله تعالى: ولهن الربع مما تركتم إن لم يكن لكم ولد، فإن كان لكم ولد فلهن الثمن مما تركتم۔ (شرح مختصر الطحاوي ج:۴ ص:۸۴، باب قسمة المواريث، طبع دار البشائر الإسلامية، بيروت)۔

جواب:... آپ کے شوہر نے جو مکان آپ کو حق مہر میں لکھ دیا تھا، وہ تو آپ کا ہے، اس میں تقسیم جاری نہیں ہوگی۔[1] اس مکان کے علاوہ آپ کے مرحوم شوہر کا کل ترکہ ۳۲ حصوں پر تقسیم ہوگا، جن میں سے ۴ حصے آپ کے، ۱۶ حصے آپ کی بیٹی کے، اور تین تین حصے مرحوم کی چاروں بہنوں کے۔[2] تقسیم نقشہ یہ ہے:

بیوہ	بیٹی	بہن	بہن	بہن	بہن
۴	۱۶	۳	۳	۳	۳

پندرہ ہزار کی رقم میں آپ کا حصہ ہے: ایک ہزار آٹھ سو پچھتر روپے (۱,۸۷۵)، آپ کی بیٹی کا حصہ ہے سات ہزار پانچ سو روپے (۷,۵۰۰) اور مرحوم کی ہر بہن کا حصہ ایک ہزار چار سو چھ روپے پچیس پیسے (۱,۴۰۶،۲۵)۔ سعودی حکومت کی جانب سے جو رقم آپ کے مرحوم شوہر کے سلسلے میں ملے گی اس کی تقسیم بھی مندرجہ بالا اُصول کے مطابق ہوگی، یعنی اس میں سے آٹھواں حصہ آپ کا، نصف حصہ آپ کی بیٹی کا، اور باقی ماندہ رقم مرحوم کی بہنوں پر تقسیم ہوگی۔

اگر آپ کے شوہر کا انتقال آپ کے سسر کی زندگی میں ہوگیا تھا تو سسر کے مکان میں آپ کا اور آپ کی بیٹی کا کوئی حق نہیں، وہ مکان آپ کی نندوں کو ملے گا، اور اگر آپ کے سسر کا انتقال آپ کے شوہر سے پہلے ہوا تو اس مکان کی قیمت کے ۹۶ حصے کئے جائیں گے، ان میں سے آپ کے ۴ حصے، آپ کی بیٹی کے ۱۶ حصے، اور آپ کی ہر نند کے ۱۹ حصے ہوں گے۔ تقسیمِ میراث کا نقشہ یہ ہے:

بیوہ	بیٹی	بہن	بہن	بہن	بہن
۴	۱۶	۱۹	۱۹	۱۹	۱۹

مردے کے مال سے پہلے قرض ادا ہوگا

سوال:... میرے بھائی کی شادی ۱۹ر ستمبر ۱۹۸۰ء کو ہوئی، اور دو مہینے بعد یعنی ۲۸ر نومبر کو اس کا انتقال ہوگیا۔ میرے بھائی نے مرنے سے پہلے ۱۴ تولے کے جو زیورات بنوائے تھے اس کی کچھ رقم اُدھار دینی تھی، میرے بھائی نے دو مہینے کا وعدہ کیا تھا، لیکن وہ رقم ادا کرنے سے پہلے اپنے خالقِ حقیقی سے جاملا۔ آپ قرآن وسنت کی روشنی میں جواب دیں کہ رقم لڑکے کے والدین ادا کریں گے یا لڑکے کے بنائے ہوئے زیورات میں سے وہ رقم ادا کردی جائے؟ اور وراثت کی تقسیم کس طرح ہوگی جبکہ مرحوم کی بیوہ حمل سے ہے؟

جواب:... اگر آپ کے مرحوم بھائی کے ذمہ قرض ہے تو جو زیورات انہوں نے بنوائے تھے ان کو فروخت کرکے قرض ادا

---

(۱) اعلم ان المهر يجب بالعقد .... ثم يستقر المهر بأحد أشياء ثلاثة أما بالدخول أو بموت أحد الزوجين ۔ إلخ۔ (البناية شرح الهداية ج:۴ ص:۱۶۳، كتاب النكاح، باب المهر، طبع حقانيه)۔

(۲) وأما للزوجات .... الثمن مع الولد أو ولد الإبن وان سفل، وأما لبنات الصلب فأحوال ثلاث النصف للواحدة۔ وأما الأخوات لأب وأم فأحوال خمس .... ولهن الباقي مع البنات أو بنات الإبن ...إلخ۔ لقوله عليه السلام: اجعلوا الأخوات مع البنات عصبة۔ (سراجي ص:۸، ۱۰، باب معرفة الفروض، فصل في النساء)۔

کرنا ضروری ہے،[1] والدین کے ذمہ نہیں۔ وہ زیورات جس کے پاس ہوں وہ قرض ادا نہ کرنے کی صورت میں گنہگار ہوگا۔ مردہ کے مال پر ناجائز قبضہ جمانا بڑی سنگین بات ہے، مرحوم کی مملوکہ اشیاء میں (ادائے قرض کے بعد) وراثت جاری ہوگی، اور مرحوم کے بچے کی پیدائش تک اس کی تقسیم موقوف رہے گی، اگر لڑکے کی پیدائش ہوئی تو مرحوم کا کل ترکہ ۲۴ حصوں پر تقسیم ہوگا، چار چار حصے والدین کے، تین حصے بیوہ کے، اور باقی تیرہ حصے لڑکے کے ہوں گے، اور اگر لڑکی کی پیدائش ہو تو بارہ حصے لڑکی کے، تین بیوہ کے، چار ماں کے اور پانچ باپ کے۔[2] تقسیمِ میراث کی دونوں صورتوں کا نقشہ حسبِ ذیل ہے:

پہلی صورت:

بیوہ	والد	والدہ	لڑکا (حمل)	بھائی
۳	۴	۴	۱۳	محروم

دُوسری صورت:

بیوہ	والد	والدہ	لڑکی (حمل)	بھائی
۳	۵	۴	۱۲	محروم

بیٹے کے مال میں والد کی خیانت

سوال:... میرے بڑے بھائی نے کراچی میں یورپ جانے سے پہلے کاغذات امانت رکھے میرے پاس، والد لاہور سے آئے ہوئے تھے، ان کو معلوم ہوا تو کاغذات انہوں نے مجھ سے لے لئے، میں سمجھا دیکھنے کے لئے لئے ہیں، واپس کردیں گے، مگر انہوں نے واپس دینے سے انکار کردیا، کیونکہ ان کی رقم بنتی ہے بھائی پر، فرمانے لگے: جب تک رقم نہیں دے گا، کاغذات نہیں دُوں گا۔ مزید فرمایا کہ: باپ کو یہ حق حاصل ہے کہ اولاد کی اجازت کے بغیر چاہے استعمال کرے، فروخت کرے۔ جب بھائی یورپ سے آیا تو اس نے امانت رکھے ہوئے کاغذات طلب کئے، میں نے صورتِ حال بتلائی، تو وہ کہنے لگے کہ: ''اگر والد صاحب کی رقم میری طرف بنتی ہے تو مجھ سے براہِ راست بات کریں، اور کاغذات میں نے آپ کے پاس بطورِ امانت رکھے تھے ان کی واپسی تمہاری ذمہ داری ہے، واپس لاؤ۔'' اب سوال یہ ہے کہ باپ کو یہ حق حاصل ہے کہ بیٹے کی امانت میں (خواہ وہ امانت دُوسرے بیٹے کی ہو) خیانت کرے؟ شرع کی رُو سے امانت میں کن حالات میں خیانت کی جاسکتی ہے؟ کیا ایسا باپ حسنِ سلوک کا مستحق ہے؟ براہِ کرم بتائیں کہ ہم ان سے کیا رویہ اختیار کریں؟

جواب:... والد کو یہ حق نہیں تھا کہ بھائی کے ضروری کاغذات جو اس نے دُوسرے بھائی کے پاس بطورِ امانت رکھوائے تھے، لے لے، اور کہے کہ چونکہ اس لڑکے پر میرا قرض ہے اس لئے میں یہ کاغذات لیتا ہوں۔ والد کو چاہئے کہ اپنا قرض بیٹے سے وصول

(۱) قال علمائنا رحمهم الله تعالىٰ: تتعلق بتركة الميت حقوق أربعة مرتبة الأوّل يبدأ بتكفينه وتجهيزه من غير تبذير ولَا تقتير ثم تقضٰى ديونه من جميع ما بقي من ماله ثم تنفذ وصاياه من ثلث ما بقي بعد الدين. (سراجي ص:۳).

(۲) قال في العالمگيرية. يوقف جميع التركة إلىٰ أن تلد لجواز أن يكون الحمل ابنًا. (ج:۶ ص:۴۵۶، كتاب الفرائض).

کرے اور کاغذات اس بیٹے کو واپس کردے، جس سے لئے تھے، تاکہ وہ امانت واپس کرسکے۔ والد نے یہ مسئلہ بھی غلط بتایا کہ باپ کو بیٹے کا مال لینے یا اس کو فروخت کرنے کا حق ہے۔[1] صحیح مسئلہ یہ ہے کہ والد اگر حاجت مند اور ضرورت مند ہو اور اس کے پاس کچھ مال نہ ہو، اس صورت میں بیٹے کا مال لے سکتا ہے تاکہ گزر اوقات کرسکے، ہر صورت میں والد کو یہ حق حاصل نہیں۔[2]

بیوہ کے مکان خالی نہ کرنے کا موقف

سوال:... ایک شخص کا انتقال ہوگیا، مرحوم کے مکان پر اس کی بیوی کا قبضہ ہے، اور مرحوم کے نام بینک میں کیش رقم بھی ہے، گھر میں استعمال کا سامان بھی ہے، مرحوم کا ایک لڑکا اور دو لڑکیاں ہیں، اور مرحوم کی والدہ، تین بہنیں اور چار بھائی بھی بقیدِ حیات ہیں، اور اب مرحوم کی بیوی کہتی ہے کہ میں یہ مکان کسی صورت خالی نہیں کروں گی۔ ہاں کیش رقم اور مکان کی قیمت ملاکر شرعی طور پر وراثت تقسیم کردو اور کیش جو مجھے اور میرے بچوں کو ملے گا وہ مکان کی قیمت سے کاٹ کر تم ماں، بھائی اور بہن آپس میں تقسیم کرلو۔ کیا مرحوم کی اہلیہ کا یہ موقف صحیح ہے؟ واضح ہو کہ کیش کی ساری تفصیلات کہاں کہاں اور کس بینک میں ہے صرف مرحوم کی بہن اور بھائی کو معلوم ہے۔

جواب:... مرحوم کا کل ترکہ ۹۶ حصوں پر تقسیم ہوگا، ان میں سے ۱۶ حصے مرحوم کی والدہ کے (یعنی چھٹا حصہ)، ۱۲ حصے اس کی بیوہ کے (یعنی آٹھواں حصہ)، ۱۷، ۱۷ حصے دونوں لڑکیوں کے، اور ۳۴ حصے لڑکے کے ہیں۔ مرحوم کے بھائی بہنوں کو کچھ نہیں ملے گا۔[3]

بیوہ کا یہ موقف صحیح ہے کہ والدہ کا حصہ بینک کیش میں سے دے دیا جائے، اس سے اور اس کے بچوں سے مکان خالی نہ کرایا جائے۔[4] تقسیمِ میراث کا نقشہ درج ذیل ہے:

بیوہ	والدہ	بیٹی	بیٹی	بیٹا
۱۲	۱۶	۱۷	۱۷	۳۴

ترکہ میں سے شادی کے اخراجات نکالنا

سوال:... ہمارے والد کی پہلی بیوی سے دو لڑکیاں ایک لڑکا ہے، پہلی بیوی کی وفات کے بعد دُوسری بیوی سے سات

---

(۱) قال فی البحر الرائق: ویجب رد عینه فی مکان غصبه لقوله علیه الصلٰوة والسلام: علی الید ما أخذت حتّٰی ترد أی علی صاحب الید۔ (ج:۸ ص:۱۲۴، کتاب الغصب، طبع دار المعرفة، بیروت)۔

(۲) ویجب علی الرجل الموسر ...... أن ینفق علٰی أبویه ...... إذا کانوا فقراء ولو قادرین علی الکسب .. وقال علیه الصلاة والسلام: أنت ومالک لأبیک ... إلخ۔ (الفقه الحنفی وأدلّته ج:۲ ص:۲۸۵، کتاب النفقات)۔

(۳) وأما للأم فأحوال ثلاث السدس مع الولد وولد الإبن۔ وأما للزوجات .... الثمن مع الولد ... إلخ۔ وأما لبنات الصلب .... ومع الإبن للذکر مثل حظ الأنثیین ... إلخ۔ (سراجی ص:۸-۱۱)۔

(۴) ولو أخرجت الورثة أحدهم عن عرض أو عقار بمال أو عن ذهب بفضة أو علی العکس صح قلّ أو کثر، حملًا علی المبادلة۔ (البحر الرائق ج:۷ ص:۲۶۰، باب الصلح فی الدین، فصل فی صلح الورثة، طبع دار المعرفة، بیروت)۔

لڑکیاں ایک لڑکا ہے، تین لڑکیوں اور ایک لڑکے کی شادی باقی ہے۔ دسمبر ۱۹۹۳ء میں والد صاحب کی وفات کے بعد والدہ صاحبہ کا کہنا ہے کہ والد نے جو کچھ چھوڑا ہے اس میں سے غیرشادی شدہ اولاد کی شادی ہوگی، اس کے بعد وراثت تقسیم ہوگی۔

۱:...وراثت کب تقسیم ہونی چاہئے؟

۲: کیا وراثت میں سے غیرشادی شدہ اولاد کے اخراجات نکالے جاسکتے ہیں؟

جواب:...تمہارے والد کے اِنتقال کے ساتھ ہی ہر وارث کے نام اس کا حصہ منتقل ہوگیا، تقسیم خواہ جب چاہیں کرلیں۔ [۱]

۲:... چونکہ والدین نے باقی بہن بھائیوں کی شادیوں پر خرچ کیا ہے، اس لئے ہمارے یہاں یہی رواج ہے کہ غیرشادی شدہ بہن بھائیوں کے اِخراجات نکال کر باقی تقسیم کرتے ہیں۔

دراصل باقی بہن بھائی والدہ کی خواہش پوری کرنے پر راضی ہوں تو شادی کے اِخراجات نکال کر تقسیم کیا جائے، اگر راضی نہ ہوں تو پورا ترکہ تقسیم کیا جائے، [۲] لیکن شادی کا خرچہ تمام بہن بھائیوں کو اپنے حصوں کے مطابق برداشت کرنا ہوگا۔

غیرمسلموں کی طرف سے والد کے مرنے پر دی ہوئی رقم کی تقسیم کس طرح ہو؟

سوال:...میرے والد صاحب کا انتقال بحری جہاز کے ایک حادثے میں ہوا تھا، وہ ایک غیرمسلم اور غیرملکی کمپنی کے جہاز میں ملازم تھے۔ ان کی کمپنی نے تلافیٔ جان کے طور پر کچھ رقم بھجوائی ہے، جو کہ ہمیں پاکستانی عدالت کے ذریعہ اسلامی شریعت کے مطابق ملے گی۔ ہمارا خاندان تین بھائی، چار بہنوں اور والدہ پر مشتمل ہے۔ کمپنی نے یہ رقم کمپنی کے قانون کے مطابق بھیجی ہے۔ جس کے تحت والدہ کا اور سب سے چھوٹے کا حصہ جو کہ نابالغ ہے سب سے زیادہ ہوتا ہے، ہر ایک کے نام کے ساتھ اس کے حصے کی واضح صراحت کردی گئی ہے، جبکہ عدالت یہ رقم ہمیں شریعت کے مطابق د . رہی ہے، سوال یہ ہے کہ اس رقم کی تقسیم کمپنی کے متعین کردہ طریقے سے ہونی چاہئے یا اسلامی شریعت کے مطابق؟

جواب:...اسلامی شریعت کے مطابق ہونی چاہئے۔

کیا میراث کا مکان بہنوں کی اجازت کے بغیر بھائی فروخت کرسکتا ہے؟

سوال:...کیا فرماتے ہیں علمائے کرام اس مسئلۂ میراث میں جس میں کہ ہم چھ بہنیں اور ایک بھائی ہے، والدین نے وراثت میں ایک دومنزلہ مکان چھوڑا ہے، والد اور والدہ دونوں انتقال کرچکے ہیں، مکان کی اصل وارث میری والدہ تھیں، ہماری چار بہنوں کی شادی ہوچکی ہے، اور دو بہنیں کنواری ہیں، بھائی بھی شادی شدہ ہیں، مکان کو بھائی نے کرایہ پر دیا ہوا ہے، کیا وہ ہم بہنوں کی مرضی کے خلاف مکان بیچ سکتا ہے یا نہیں؟ اس میں ہم بہنوں کا کیا حصہ ہے شریعت کی رُو سے؟ اور اس کے علاوہ مکان کے کرایہ میں

---

(۱) والإرث في اللغة البقاء وفي الشرع انتقال مال الغير إلى الغير على سبيل الخلافة. (عالمگیری ج:۶ ص:۴۴۷).

(۲) ثم تنفذ وصايا من ثلث ما يبقى بعد الكفن والدين إلّا أن يجيز الورثة أكثر من الثلث ثم يقسم الباقي بين الورثة على سهام الميراث. (عالمگیری ج:۶ ص:۴۴۷، كتاب الفرائض، رد المحتار ج:۶ ص:۷۶۲، كتاب الفرائض).

بھی ہم بہنوں کا حصہ ہے یا نہیں؟ قرآن وحدیث کی روشنی میں ہم سب کا الگ الگ حصہ کیا ہوگا؟

جواب:... اس مکان کے آٹھ حصے ہوں گے، ایک ایک حصہ چھ بہنوں کا، اور دو حصے بھائی کے، مکان کا جو کرایہ آتا ہے اس میں بھی یہی آٹھ حصے ہوں گے۔[1] بھائی کے ذمہ شرعی فریضہ ہے کہ وہ بہنوں کا حصہ ان کو ادا کرے، اور چونکہ وہ مکان کے ایک چوتھائی حصے کا مالک ہے، تین چوتھائی بہنوں کا حصہ ہے، اس لئے وہ تنہا مکان نہیں بیچ سکتا۔[2] تقسیمِ میراث کا نقشہ حسبِ ذیل ہے:

بھائی	بہن	بہن	بہن	بہن	بہن	بہن
۲	۱	۱	۱	۱	۱	۱

(۱) قال في العالمگيرية: وإذا إختلط البنون والبنات عصب البنون البنات فيكون للإبن مثل حظ الأنثيين. (ج.٦ ص:۴۴۸، كتاب الفرائض، طبع رشيديه).

(۲) فشركة الأملاك العين يرثها الرجلان ...... وكذا ما وهب لهما .... ولَا يجوز لأحدهما أن يتصرف في نصيب الآخر إلّا بإذنه وكل واحد منهما في نصيب صاحبه كالأجنبي لأن تصرف الإنسان في مال غيره لَا يجوز إلّا بإذنه أو ولَايته. (الجوهرة النيرة ج:۱ ص:۲۸۷، كتاب الشركة، هداية ص:۶۲۴، كتاب الشركة).

وراثت کے متفرق مسائل

مقتولہ کے وارثوں میں مصالحت کرنے کا مجاز بھائی، والدہ یا بیٹا؟

سوال:... جنم قیدی بکر اپنی مقتولہ بیوی کے ورثاء سے صلح کرنا چاہتا ہے، مگر ہر فرد کہتا ہے کہ اصل وارث میں ہوں، دُوسرے سے بات مت کرو۔ مقتولہ کا بھائی، والدہ، بیٹا زندہ ہیں، مگر والد فوت ہوچکا ہے، اب ان تینوں میں سے شرعاً جائز، حقیقی اور بڑا وارث کون ہے؟

جواب:... مندرجہ بالا صورت میں مقتولہ کا بیٹا صلح کا مجاز ہے، بیٹے کی موجودگی میں بھائی وارث نہیں۔ [1]

کیا اولاد کے نام جائیداد وقف کرنا جائز ہے؟

سوال:... کیا اسلام میں وقفِ اولاد کا قانون جائز ہے؟ یعنی کیا اسلام کسی شخص کو اجازت دیتا ہے کہ وہ اس قانون کے ذریعہ اپنے جائز وارثان یعنی بیٹے، بیٹیوں، پوتے، پوتیوں کی موجودگی میں بلا جواز ان کو اپنے حقوقِ وراثت (ملکیت، رہن رکھنا، فروخت کرنا) سے محروم کردے؟

جواب:... "وقفِ اولاد" کے قانون کا آپ کی تشریح کے مطابق مطلب نہیں سمجھا، اگر یہ مطلب ہے کہ وہ اپنی جائیداد بحقِ اولاد وقف کردے تو صحت کی حالت میں جائز ہے، مرض الموت میں صحیح نہیں۔ [2] اگر سوال کا منشا کچھ اور ہے تو اس کی وضاحت کی جائے۔

مشترک مکان کی قیمت کا کب سے اعتبار ہوگا؟

سوال:... اس وقت ہمارے گھر میں ایک ماں، کنواری بہن، اور ہم دو بھائی رہتے ہیں، شادی شدہ دو بہنیں الگ رہتی ہیں۔ والد کی حیات میں (۱۹۷۴ء میں) اس مکان کے ۸۰ ہزار روپے مل رہے تھے، ہم دونوں کے تعمیر کردینے پر اب یہ مکان تین لاکھ میں فروخت ہونے والا ہے، ہم دو شادی شدہ بہنوں اور کنواری بہن کو ۸۰ ہزار کی تقسیم کرنے پر تیار ہیں، لیکن وہ اس کے بجائے تین لاکھ کی

---

(۱) قال في السراجي: الأقرب فالأقرب يرجحون بقرب الدرجة أعني أولٰهم بالميراث جزء الميت أى البنون ثم بنوهم وان سفلوا. (سراجي، باب العصبات ص:۱۴).

(۲) مريض وقف دارًا في مرض موته فهو جائز إذا كان يخرج من ثلث المال، وان كان لم يخرج فأجازت الورثة فكذٰلك وان لم يجيزوا بطل في ما زاد على الثلث. (عالمگیری ج:۶ ص:۴۵۱، كتاب الفرائض).

تقسیم پر اصرار کر رہی ہیں۔ براہِ کرم بتائیے مکان فروخت نہ کیا جائے تب بھی ہمیں ادائیگی کرنا ہوگی یا نہیں؟ مولانا صاحب! آپ سے التماس ہے کہ حصے تحریر کرنے کے بجائے رقم کی مقدار کو آسان ترین طریقے سے تقسیم کرنے کا شرعی طریقہ بتادیجئے، ہر فرد آپ کے بتائے ہوئے حصے کو من وعن تسلیم کرنے پر تیار ہے۔

جواب: . والد کی وفات کے وقت مکان کی جو حیثیت تھی اندازہ لگایا جائے کہ آج اس حیثیت کے مکان کی کتنی قیمت ہوسکتی ہے، اس قیمت کو آٹھ حصوں پر تقسیم کرلیا جائے۔[1] ایک حصہ آپ کی بیوہ والدہ کا، دو دو حصے دونوں بھائیوں کے، اور ایک ایک حصہ تینوں بہنوں کا۔[2] جو اضافہ آپ نے والد صاحب کے بعد کیا ہے اور جس کی وجہ سے مکان کی قیمت میں جو اضافہ ہوا ہے، وہ آپ دونوں بھائیوں کا ہے۔ نقشۂ تقسیم اس طرح ہے:

بیوہ والدہ	بھائی	بھائی	بہن	بہن	بہن
۱	۲	۲	۱	۱	۱

ترکہ کا مکان کس طرح تقسیم کیا جائے جبکہ مرحوم کے بعد اس پر مزید تعمیر بھی کی گئی ہو

سوال:... ایک صاحب کا انتقال ہوگیا ہے، جنھوں نے اپنے ترکہ میں ایک عدد مکان چھوڑا ہے جو کہ آدھا تعمیر شدہ ہے، جس کی قیمت ڈھائی لاکھ روپے تھی۔ مرحوم کی وفات کے بعد ان کی اولادِ نرینہ نے اپنی رقم سے اس کو مکمل کرا کر فروخت کردیا، چار لاکھ بیس ہزار میں۔ اب آپ فرمایئے کہ مندرجہ بالا مسئلے کی صورت میں وراثت کی تقسیم کس طرح سے ہوگی؟ وارثوں میں مرحوم نے ایک بیوہ، چار لڑکے، دو شادی شدہ اور دو غیر شادی شدہ لڑکیاں چھوڑی ہیں۔

جواب:... یہ دیکھا جائے کہ اگر یہ مکان تعمیر نہ کیا جاتا تو اس کی قیمت کتنی ہوتی؟ چار لاکھ بیس ہزار میں سے اتنی قیمت نکال کر اس کو ۹۶ حصوں پر تقسیم کیا جائے، ۱۲ حصے بیوہ کے، ۱۴، ۱۴ چاروں لڑکوں کے، اور ۷، ۷ چاروں لڑکیوں کے۔[3] نقشۂ تقسیم اس طرح ہے:

بیوہ	لڑکا	لڑکا	لڑکا	لڑکا	لڑکی	لڑکی	لڑکی	لڑکی
۱۲	۱۴	۱۴	۱۴	۱۴	۷	۷	۷	۷

---

(۱) واذا کان أرض وبناء فعن أبي یوسف أنه یقسم کل ذٰلک علی اعتبار القیمة لأنه لا یمکن اعتبار المعادلة إلّا لتقویم. (هدایة، کتاب القسمة ج:۴ ص:۴۱۴).

(۲) کما قال الله تبارک وتعالٰی: فإن کان لکم ولد فلهن الثمن مما ترکتم. (النساء:۱۲). قال في السراجي: أما للزوجات فحالتان الربع للواحدة فصاعدةً عند عدم الولد وولد الإبن وإن سفل والثمن مع الولد وولد الإبن وإن سفل. (ص:۷،۸). قال الله تبارک وتعالٰی: یوصیکم الله فی أولادکم للذکر مثل حظ الأنثیین. (النساء:۱۱). قال في العالمگیریة. وإذا اختلط البنون والبنات عصب البنون البنات فیکون للإبن مثل حظ الأنثیین. (عالمگیری ج:۶ ص:۴۴۸، کتاب الفرائض).

(۳) ایضاً۔

اپنے پیسے کے لئے بہن کو نامزد کرنے والے مرحوم کا ورثہ کیسے تقسیم ہوگا؟

سوال:... میرا سب سے چھوٹا بھائی عبدالخالق مرحوم پی آئی اے میں انجینئرنگ آفیسر کے عہدے پر فائز تھا، کنوارا تھا اور گزشتہ دو ماہ پہلے کنوارا ہی اللہ کو پیارا ہوگیا۔ مرحوم کے تین بھائی اور چار بہنیں ہیں اور سب حقیقی ہیں۔ مرحوم نے مرنے سے پہلے اپنی بڑی بہن کو اپنے پیسے کے لئے نامزد کردیا تھا، اس کی وجہ یہ تھی کہ مرحوم اس بہن کی ایک لڑکی کے یہاں رہتا تھا، کھانے کے پیسے بھی اپنی اس بہن کو ہر ماہ دیا کرتا تھا، بھانجی، مرحوم سے کرایہ وغیرہ نہیں لیتی تھی۔ یہ بتایئے کہ شرعی اعتبار سے یہ بہن اس کے ترکہ کی کہاں تک حق دار ہوسکتی ہے؟ جبکہ اس کے حقیقی اور بھی ہیں جیسا کہ میں بتاچکا ہوں۔ اور اگر اس بہن کے علاوہ حق دار اور بھی ہیں تو اس کے ترکے کی تقسیم کس طرح ہونی چاہئے؟ یہ بھی بتایئے کہ اس بھائی کا حج بدل کیسے ہوسکتا ہے اور کون کرسکتا ہے؟ جبکہ اس نے اس کے بارے میں کوئی وصیت بھی نہیں کی ہے۔ آخر میں یہ اور معلوم کرنا چاہوں گا کہ جو قرضہ اس پر ہے اس کی ادائیگی کی کیا صورت ہوگی؟

جواب:... مرحوم کے ترکہ سے سب سے پہلے اس کا قرض ادا کرنا فرض ہے، قرض ادا کرنے کے بعد جو کچھ باقی ہے، اس کے ایک تہائی حصے میں اس کی وصیت پوری کی جائے، اگر اس نے کوئی وصیت کی ہو۔ ورنہ باقی ترکہ کو دس حصوں پر تقسیم کیا جائے۔[1] دو دو حصے تینوں بھائیوں کے، اور ایک ایک حصہ چاروں بہنوں کا۔ مرحوم کا اپنی بڑی بہن کو ترکہ کے لئے نامزد کردینا اس کی کوئی شرعی حیثیت نہیں۔[2] مرحوم کے وارث اگر چاہیں تو اس کی طرف سے حج کراسکتے ہیں۔ نقشہ تقسیم اس طرح ہے:

بھائی	بھائی	بھائی	بہن	بہن	بہن	بہن
۲	۲	۲	۱	۱	۱	۱

والد کے فروخت کردہ مکان پر بیٹے کا دعویٰ

سوال:... والد نے بیس ہزار روپے پر مکان فروخت کیا، جبکہ بڑا بیٹا سفر پر تھا، سفر سے واپسی پر بیٹے نے کہا کہ میں مکان واپس کروں گا، باپ اپنے وعدے پر قائم ہے اور جس نے مکان لیا ہے، وہ بھی مکان واپس نہیں کرتا۔ اس شخص کے بیٹے کا اور مالک مکان کا اس پر جھگڑا ہے، باپ مالک مکان کی طرف ہیں تو شرعاً بیٹا حق پر ہے یا مالک مکان؟ اور یہ بیع کیسی ہے؟

جواب:... مکان اگر باپ کی ملکیت ہے تو بیٹے کو روکنے کا کوئی حق نہیں، اور اگر بیٹے کا ہے تو باپ کو بیچنے کا کوئی حق نہیں۔[3]

---

(۱) قال علمائنا رحمهم الله تعالىٰ: تتعلق بتركة الميت حقوق أربعة مرتبة، الأول يبدأ بتكفينه وتجهيزه من غير تبذير ولا تقتير ثم يقضي ديونه من جميع ما بقي من ماله ثم تنفذ وصاياه من ثلث ما بقي بعد الدين ثم يقسم الباقي بين ورثته بالكتاب والسُّنَّة وإجماع الأُمّة. (ص۲،۳).

(۲) وأما للأخوات لأب وأم .... ومع الأخ لأب وأم للذكر مثل حظ الأنثيين يصرن به عصبة. (سراجي ص:۱۰).

(۳) عن أبي حرة الرقاشي عن عمه رضي الله عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: ألا لا تظلموا! ألا لا يحل مال امرىء إلا بطيب نفس منه. (مشكوٰة المصابيح ص:۲۵۵ باب الغصب والعارية). لا يجوز لأحد أن يتصرف في ملك غيره بلا إذنه، أو وكالة منه أو ولاية عليه، وإن فعل كان ضامنًا. (شرح المجلة ص:۶۱ المادة:۹۶، طبع حبيبيه كوئته).

اولاد کے مال میں والدین کا تصرف کس حد تک جائز ہے؟

سوال:... میں نے اپنے ہاتھوں سے کمائی ہوئی ایک خطیر رقم کچھ عرصہ قبل اپنے ایک عزیز کے پاس بطور امانت رکھوائی تھی، کچھ دنوں پہلے مجھے معلوم ہوا کہ یہ رقم میری والدہ نے اس عزیز سے لے کر کسی اور کو قرض دے دی ہے۔ مجھے یہ سن کر بڑی کوفت ہوئی، کیونکہ میری مالی حالت آج کل خراب ہے اور مجھے پیسوں کی ضرورت ہے، تاہم خدا کے خوف سے میں نے والدہ سے باز پُرس نہیں کی۔ آپ سے یہ معلوم کرنا ہے کہ ماں اپنی اولاد کی اجازت کے بغیر اس کے مال پر کس حد تک متصرف ہوسکتی ہے؟ کیا خدا نے ماں کو اتنا حق دیا ہے کہ وہ اپنی اولاد سے پوچھے بغیر اس کے مال کو جہاں چاہے خرچ کردے؟

جواب:... آپ نے جس عزیز کے پاس امانت رکھی تھی، اس کا رقم کو آپ کی والدہ کے حوالے کردینا خیانت تھا، یہ ان کا فرض ہے کہ وہ رقم آپ کی والدہ سے واپس لے کر آپ کو دیں۔[1] والدین اگر محتاج ہوں تو اپنی ضرورت کے بقدر اپنی اولاد کے مال میں سے لے سکتے ہیں،[2] لیکن والدین کا ایسا تصرف جائز نہیں ہے جیسا کہ آپ کی والدہ نے کیا ہے۔

پہلے سے علیحدہ ہونے والے بیٹے کا والد کی وفات کے بعد ترکہ میں حصہ

سوال ۱:... میرے دادا کے ۵ بیٹے ہیں، میرے دادا نے فوت ہونے سے پہلے اپنی وصیت میں لکھا تھا کہ میرے بڑے بیٹے کے بڑے بیٹے یعنی ان کے پہلے پوتے کو مبلغ ۵ ہزار روپے دے دیئے جائیں، اور بیٹے کو کچھ نہ دیا جائے۔ ہوسکتا ہے آپ سوچیں کہ انہوں نے عاق کردیا ہوگا، ایسی بات نہیں، بلکہ میرے والد میرے دادا کی زندگی میں الگ رہتے تھے۔ اس چیز کو دیکھتے ہوئے انہوں نے صرف پوتے کو وصیت کے ذریعہ مستفیض فرمایا۔ اب ہمارے ۴ چچاؤں میں سے ایک وفات پاچکے ہیں، باقی تین چچا اور چوتھے کی اولاد ہمارے دادا کی بیش بہا دولت پر بہ خوش اُسلوبی زندگی بسر کر رہے ہیں، عرصہ دو سال پہلے ہم نے اس سنگین مسئلے پر مفتی صاحب سے فتویٰ لیا تھا، انہوں نے فرمایا تھا کہ: کسی ہوشمند انسان کو شریعت یہ حق نہیں دیتی کہ وہ اپنی اولاد کو اپنی وراثت سے محروم رکھے، اس وقت بڑے چچا حیات تھے۔

سوال ۲:... اب مسئلہ یہ ہے کہ ہمارے چچا یہ کہتے ہیں کہ ہم نے اپنے بھائی کا حصہ ان کے بیٹے کو دے دیا۔ ان کا کہنا کہاں تک دُرست ہے؟ آیا ہمارے والد کا جائز حصہ ابھی تک ان پر باقی ہے کہ نہیں؟ وہ دیتے ہیں یا نہیں، وہ بعد کی بات ہے، اگر ہے تو کتنا؟ کیا پوتے کو دیا ہوا پیسہ بھی اس حصے میں شامل ہوگا؟ اور اگر دادا کے مرنے کے وقت یعنی ۱۹۶۰ء میں کل جائیداد ایک لاکھ ہو اور اب وہی جائیداد چاروں چچاؤں کی محنت سے ۲۵ سے ۳۰ لاکھ کی ہوچکی ہو، تو حصہ کس حساب سے ہوگا؟ یعنی ایک لاکھ کا یا موجودہ رقم کا؟ اگر

---

(۱) قال فی العالمگیریة: وأما حکمها فوجوب الحفظ علی المودع وصیرورة المال أمانةً فی یده ووجوب أدائه عند طلب مالکه۔ کذا فی الشمنی: والودیعة لَا تودع ولَا تعار ولَا تؤاجر ولَا ترهن وإن فعل شیئًا منها ضمن، کذا فی البحر الرائق۔ (عالمگیری ج:۴ ص:۳۳۸، کتاب الودیعة)۔ قال تعالٰی: إن الله یأمرکم أن تؤدوا الأمٰنٰت إلٰی أهلها۔ (النساء:۵۸)۔

(۲) ویجب علی الرجل الموسر ...... أن ینفق علٰی أبویه ...... قال تعالٰی: فلا تقل لهما أُفٍّ ولا تنهرهما، نهاه عن الإضرار بهما بهذا القدر، وترک الإنفاق علیهما عند حاجتهما أکثر ضررًا من ذالک۔ (الفقه الحنفی ج:۲ ص:۲۸۵، باب النفقات)۔

ایک لاکھ کا تو اس وقت سونا ۲۰۰ روپے تولہ تھا، اور اب ۴۰۰،۳ روپے تولہ کے قریب ہے۔ برائے مہربانی کتاب و سنت کی روشنی میں یہ بتائیں کہ ہمارے والد کا حصہ وراثت میں ابھی تک ہے یا نہیں؟

جواب ۱:... آپ کے مرحوم دادا کو اپنے پوتے کے حق میں وصیت کرنے کا تو حق تھا، مگر اپنے بیٹے کو وراثت سے محروم کرنے کا حق نہیں تھا۔ لہٰذا وصیت کے مطابق پوتا تو پانچ ہزار کا حق دار ہے، یہ پانچ ہزار اس کو دینا لازم ہے،[1] اور باقی ماندہ کل ترکہ ۵ حصوں پر تقسیم کرنا لازم ہے، یعنی باپ کی وصیت کے باوجود بڑا بیٹا اپنے بھائیوں کے برابر کا وارث ہے،[2] اگر بھائی اس کو یہ حق نہیں دیتے تو قیامت کے دن دینا پڑے گا۔[3] آپ کے چچاؤں کا یہ کہنا غلط ہے کہ ہم نے بھائی کا حصہ اس کے بڑے بیٹے کو دے دیا۔

جواب ۲:... جو جائیداد ۱۹۶۰ء میں ایک لاکھ کی تھی اور وہ ۱۹۹۱ء میں تیس لاکھ کی ہوگئی تو تیس لاکھ ہی کی تقسیم ہوگی، یعنی بڑے بھائی کی اولاد کو تیس لاکھ میں سے پانچواں حصہ دینا پڑے گا۔

آپ کے چچاؤں کی محنت کی وجہ سے جائیداد میں جو اِضافہ ہوا، اس میں حق و انصاف کی رُو سے دسواں حصہ آپ کے والد کا ہے۔

بیوی کی جائیداد سے بچوں کا حصہ شوہر کے پاس رہے گا

سوال:... کیا مذہبِ اسلام میں بیوی کی چھوڑی ہوئی دولت ہو تو بچوں کی بہتر تربیت اور ضرورت پر شوہر کو حق نہیں ہے کہ وہ پیسے کو ہاتھ لگائے؟ حالانکہ یہ حکم ہے کہ پیسے کو کسی قانونی طریقے سے بچوں کو بالغ ہونے تک ادائیگی کروادے۔

جواب:... بیوی کی چھوڑی ہوئی دولت میں سے جو حصہ بچوں کو پہنچے وہ بچوں کے والد کی تحویل میں رہے گا، اور وہی ان کی ضروریات پر خرچ کرنے کا مجاز ہے۔[4]

مرحوم شوہر کا ترکہ الگ رہنے والی بیوی کو کتنا ملے گا؟ نیز عدّت کتنی ہوگی؟

سوال:... میرے شوہر کا انتقال ہوگیا ہے، ہم دونوں کافی عرصہ الگ رہے، یہ اپنے والدین کے پاس رہتے تھے، جن کا

---

(۱) قال فی العالمگیریة: والموصٰی به یملک بالقبول فإن قبل الموصٰی له الوصیة بعد موت الموصی یثبت الملک له فی الموصی قبضه أو لم یقبضه۔ (ج:۶ ص:۹۰، کتاب الوصایا)۔

(۲) قال الله تعالٰی: للرجال نصیب مما ترک الوالدان والأقربون۔ (النساء:۷)۔ العصبات: وهم کل من لیس له سهم مقدر، ویأخذ ما بقی من سهام ذوی الفروض، وإذا إنفرد أخذ جمیع المال، وإذا إجتمع جماعة من العصبة فی درجة واحدة، یقسم المال علیهم باعتبار أبدانهم لکل واحد سهم۔ (فتاویٰ عالمگیری ج:۶ ص:۴۵۱ کتاب الفرائض)۔

(۳) عن أبی هریرة رضی الله عنه قال: قال رسول الله صلی الله علیه وسلم: من کانت له مظلمة لأخیه من عرضه أو شیء إلٰی أمر آخر کأخذ ماله أو المنع من الإنتفاع به أو هو تعمیم بعد تخصیص، فلیتحلله منه الیوم قبل أن لا یکون دینار ولا درهم، إن کان له عمل صالح أخذ منه بقدر مظلمته۔ (مرقاة ج:۸ ص:۸۴۹ کتاب الآداب، باب الظلم)۔

(۴) الولایة فی مال الصغیر للأب ثم وصیه۔ (فتاویٰ شامی ج:۶ ص:۷۱۳، قبیل فصل فی شهادة الأوصیاء)۔ قال فی العالمگیریة: نفقة الأولاد الصغار علی الأب لا یشارکه فیها أحد۔ (کذا فی الجوهرة النیرة ج:۱ ص:۵۶۰)۔

انتقال ہو چکا ہے، اور میں اپنی بوڑھی والدہ کے ساتھ۔ انتقال کے وقت میں اس کے گھر گئی اور بعد میں اپنی والدہ کے گھر ۴۰ دن عدت گزارے، میرا ذریعہ معاش نوکری ہے اور چھٹی لی تھی؟ کیا عدت ہوگئی؟

جواب:... شوہر کی وفات کی عدت چار مہینے دس دن ہے،[1] اور یہ عدت اس عورت پر بھی لازم ہے جو شوہر سے الگ رہتی ہو، آپ پر چار مہینے دس دن کی عدت لازم تھی۔

سوال:... مرحوم کے بھائی نے مجھ پر دُوسری شادی کا الزام لگایا ہے، جو شرعی اور قانونی لحاظ سے غلط ہے، اور مرحوم کی جائیداد اور رقم بیوہ (میں) سمیت اپنے بہن بھائیوں میں تقسیم کرنا چاہتا ہے، لیکن کتنی رقم ہے؟ یہ نہیں بتاتا، اور ساتھ میں یہ بھی لکھا ہے کہ ایک کمپنی میں مرحوم کی رقم ہے اور اس کو حرام اور ناجائز بھی کہتا ہے۔ لیکن میرے نزدیک جب بیوی موجود ہے کسی اور کو وراثت نہیں مل سکتی، اور بیوی جائیداد اور رقم کی وارث ہے۔

جواب:... مرحوم اگر لاولد فوت ہوئے ہیں تو ان کے کل ترکہ میں چوتھا حصہ بیوہ کا ہے،[2] اور باقی تین حصے بہن بھائیوں میں تقسیم ہوں گے۔ بھائی کا حصہ بہن سے دُگنا ہوگا۔[3] کسی وارث کے لئے یہ حلال نہیں کہ دُوسرے کے حصے کے ایک پیسے پر بھی قبضہ جمائے۔[4]

چچازاد بہن کا وراثت میں حصہ

سوال:... ہمارے والد صاحب جو کہ اب انتقال کر چکے ہیں، ان کی ایک چچازاد بہن ابھی تک حیات ہیں، ہمارے والد صاحب دو بھائی تھے، ہمارا کچھ باغ کا حصہ ہے جس میں کھجور کے پیڑ لگے ہوئے ہیں جو کہ مشترکہ ہیں۔ ہمارے والد صاحب نے زندگی میں اپنی چچازاد بہن کو چار پیڑ اس لئے دیئے تھے کہ جب تک تم زندہ ہو، اس کا پھل کھاؤ، اب جبکہ ہمارے والد صاحب اور چچا صاحب وفات پاچکے ہیں تو کہہ رہی ہیں کہ مجھے ان درختوں کی زمین بھی دے دو۔ اب یہ بات ہمیں بھی صحیح معلوم نہیں کہ یہ زمین بڑے بوڑھوں نے تقسیم کی تھی یا نہیں؟ جبکہ ہمارے والد صاحب کے چچا اپنا باقی جائیداد میں تمام حصہ بانٹ چکے تھے۔ البتہ یہ حصہ مشترکہ چلا آرہا ہے، اس میں اب ہم اپنے والد صاحب کی چچازاد بہن کو کتنا حصہ دیں؟ ان کی ایک اور بہن بھی تھی جو شادی شدہ تھی اور ۲۰ سال قبل وفات پاچکی ہے۔ اس کے بچے ہیں اور ہمارے والد صاحب کا ایک تیسرا بھائی بھی تھا جس کا زندہ یا مردہ ہونے کا پتا نہیں جو کہ کافی عرصہ قبل گھر سے نکل گیا تھا۔

جواب:... اگر آپ لوگوں کا غالب گمان یہ ہے کہ اس باغ میں والد کے چچا کا بھی حصہ ہے اور وہ اس نے وصول نہیں کیا تو

---

(۱) قال تعالیٰ: والذین یتوفون منکم ویذرون أزواجًا یتربصن بأنفسهن أربعة أشهر وعشرًا۔ (البقرة: ۲۳۴)۔

(۲) قال تعالیٰ: ولهن الربع مما ترکتم إن لم یکن لکم ولد۔ (النساء: ۱۲)۔ وقال تعالیٰ: وإن کانوا إخوة رجالًا ونساءً فللذکر مثل حظ الأنثیین۔ (النساء: ۱۷۶)۔

(۳) قال تعالیٰ: للذکر مثل حظ الأنثیین (النساء: ۱۱)۔

(۴) عن أبی حرة الرقاشی .... ألَا لَا یحل مال امرئ مسلم إلّا بطیب نفس منه۔ (مشکوٰة ج:۱ ص:۲۶۶)۔

والد کے چچا کی لڑکی کا حق بنتا ہے، اس کو ملنا چاہئے۔ آپ نے پورا شجرۂ نسب ذکر نہیں کیا کہ والد کے چچا کتنے بھائی تھے؟ پھر آپ کے والد کے کتنے بھائی تھے؟ اب اگر آپ کے والد صاحب کے چچا دو بھائی تھے ایک آپ کے دادا، دُوسرے ان کے بھائی (والد کے چچا) تو والد کے چچا کا اس پر آدھا حصہ ہوا، اور اگر والد کے چچا کی اس لڑکی کے سوا کوئی اولاد نہیں تھی تو اس لڑکی کا اپنے والد کے حصے میں سے آدھا حصہ ہوا۔[1] اس طرح آپ کے والد کے چچا کی لڑکی اس باغ پر چوتھائی کی حق دار ہوئی، اب اس کو جتنے درختوں پر راضی کرلیا جائے صحیح ہے۔

ایک مشترکہ بلڈنگ کا تنازعہ کس طرح حل کریں؟

سوال:... مسئلہ یہ ہے ایک بلڈنگ کی ملکیت دو مالکوں کے درمیان مشترک ہے، "الف" کی ملکیت کا حق روپیہ میں ۴ آنے ہے، جبکہ "ب" کا حق روپیہ میں ۱۲ آنے ہے، بلڈنگ کی نچلی منزل (گراؤنڈ فلور)، پہلی منزل اور دُوسری منزل (چھت) میں سے ہر ایک پر دو برابر کے حصے ہیں۔

"الف" کے پاس پہلی منزل کا ایک مکمل حصہ ہے، جبکہ دُوسری منزل (چھت) کا بھی ایک مکمل حصہ ان کے پاس ہے، جس پر انہوں نے تعمیر بھی کر رکھی ہے، اور ان کے زیر استعمال ہے۔

"ب" کے پاس نچلی منزل (گراؤنڈ فلور) کے دونوں مکمل حصے پہلی منزل اور دُوسری منزل (چھت) کے ایک ایک مکمل حصے ہیں۔

دینِ متین کی روشنی میں یہ ارشاد فرمائیں کہ "الف" کا نچلی منزل کے کھلے حصے پر (یعنی تعمیر شدہ دو حصوں کے علاوہ پر) آیا کوئی حق بنتا ہے یا نہیں؟ جبکہ "الف" کا خیال ہے کہ نچلی منزل کے کھلے حصے میں بھی ان کی ملکیت کا حق ہے۔

جواب:... اس کے لئے عدل و انصاف کی صورت یہ ہے کہ تینوں منزلوں کی قیمت ماہرین سے لگوائی جائے، اور پھر یہ دیکھا جائے کہ "الف" اور "ب" کا اس قیمت میں کتنا کتنا حصہ بنتا ہے؟ اور پھر یہ دیکھا جائے کہ ان دونوں کے قبضے میں جتنا جتنا حصہ ہے وہ ان کی قیمت کے حصے کے مساوی ہے یا کم و بیش؟ ہر ایک کے پاس اس کا حصہ ملکیت کی قیمت کے مساوی ہو تو ٹھیک، ورنہ جس کے پاس کم ہو اس کو دِلا دیا جائے، اور جس کے پاس زیادہ ہو اس سے زائد حصہ لے لیا جائے۔[2] اور اگر دونوں کے درمیان تنازع کی بنیاد یہ

---

(۱) قال الله تعالىٰ: وإن كانت واحدة فلها النصف. (النساء: ۱۱). العصبات: وهم كل من ليس له سهم مقدر، ويأخذ ما بقي من سهام ذوي الفروض وإذا إنفرد أخذ جميع المال، وإذا إجتمع جماعة من العصبة في درجة واحدة يقسم المال عليهم باعتبار أبدانهم لكل واحد سهم. (فتاویٰ عالمگیری ج:۶ ص:۴۵۱ كتاب الفرائض).

(۲) وإذا كان أرض وبناء فعن أبي يوسف أنه يقسم كل ذٰلك علىٰ إعتبار القيمة لأنه لَا يمكن إعتبار المعادلة إلَّا بالتقويم. (هداية، كتاب القسمة، فصل في كيفية القسمة ج:۴ ص:۴۱۴). (دور مشتركة أو دار وضيعة أو دار وحانوت قسم كل وحدا) منفردةً مطلقًا ولو متلازقةً أو في محلتين أو مصرين) مسكين (إذا كانت كلها مصر واحد أولا) وقالَا: إن الكل في مصر واحد فالرأي فيه للقاضي، وإن في مصرين فقولهما كقوله (ويصور القاسم ما يقسمه على قرطاس) ويعدله علىٰ سهام القسمة ويذرعه، ويقوم البناء ويفرز كل نصيب بطريقه وشربه، ويلقِّب الأنصباء بالأوّل والثاني والثالث) وعلمّ جراء، ويكتب أساميهم ويقرع) لتطييب القلوب. (الدر المختار مع رد المحتار ج:۶ ص:۲۶۲، كتاب القسمة، طبع سعيد).

ہے کہ ہر ایک یہ چاہتا ہے کہ مجھے میرے حصے میں فلاں جگہ ملنی چاہئے تو اس کا فیصلہ قرعہ کے ذریعہ کرلیا جائے۔ مکان کے اس وقت چھ حصے ہیں، اس کے بارہ حصے بنالئے جائیں، پہلے تین اور تین کے درمیان قرعہ ڈال کر ایک حصہ تین چوتھائی والے کو دیا جائے، اور دُوسرے حصے میں دوبارہ قرعہ ڈال کر آدھا ایک کو اور آدھا دُوسرے کو دے دیا جائے۔[1] سب سے اہم چیز یہ ہے کہ ہر فریق کو یہ خیال رکھنا چاہئے کہ میرا حق تو دُوسرے کی طرف چلا جائے، مگر دُوسرے کا حق میرے پاس نہ آجائے کہ کل قیامت میں مجھے ادا کرنا پڑے۔

مرحوم کو سسرال کی جانب سے ملی ہوئی جائیداد میں بھائیوں کا حصہ

سوال:... میرے والد صاحب نے شادی دُوسرے گاؤں سے کی تھی، ان کے سسرال والوں نے ان کو ایک مکان بنا کر دیا اور کچھ زمین بھی دے دی، جس سے وہ اپنا گزر بسر کرتے تھے۔ اب ان کی وفات کے بعد ان کے بھائی اس زمین میں حصہ مانگتے ہیں، حالانکہ یہ زمین ان کی ذاتی ہے، والد کی طرف سے ملی ہوئی نہیں ہے۔ اب شرعاً اس کے وارث بیٹے ہیں یا بھائی؟

جواب:... اگر یہ زمین آپ کے والد صاحب کو ہبہ کی گئی تھی تو اس میں والد کے بھائیوں کا کوئی حق نہیں، بلکہ صرف ان کی اولاد وارث ہے۔[2]

اپنی شادی خود کرنے والی بیٹیوں کا باپ کی وراثت میں حصہ

سوال:... میرے ایک رشتہ دار کے تین بیٹے اور چار بیٹیاں ہیں، بیٹیوں میں سے ایک بیٹی نے باپ کی زندگی میں اپنی مرضی سے شادی کی، اور ایک نے باپ کے انتقال کے بعد شادی اپنی مرضی سے کی، کیونکہ اب باپ کا انتقال ہوچکا ہے اور بھائیوں میں سے بڑا بھائی اپنے باپ کی جائیداد کا وارث بن بیٹھا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ جن دو بہنوں نے اپنی مرضی سے شادی کی ہے، ان کا باپ کی جائیداد میں سے کوئی حصہ نہیں ہوتا۔ جن دو بیٹیوں نے اپنی مرضی سے شادی کی ہے اور وہ دونوں باپ کی حقیقی بیٹیاں ہیں، کیا ان دونوں بیٹیوں کا اپنے باپ کی وراثت میں اسلام کی رُو سے حصہ ہوتا ہے؟

جواب:... جن بیٹیوں نے اپنی مرضی کی شادیاں کیں، ان کا بھی اپنے باپ کی جائیداد میں دُوسری بہنوں کے برابر حصہ ہے۔[3] بڑے بھائی کا جائیداد پر قابض ہوجانا حرام اور ناجائز ہے۔[4] اسے چاہئے کہ اپنے باپ کی جائیداد کو دس حصوں پر تقسیم کرے، دو

---

(۱) ثم يخرج القرعة فمن خرج اسمه أوّلًا فله السهم الأوّل ومن خرج ثانيًا فله السهم الثاني .... والقرعة لتطيب القلوب وازاحة تهمة الميل. (هداية ج:۴ ص:۴۱۲ كتاب القسمة).

(۲) فيبدأ بأصحاب الفرائض وهم الذين لهم سهام مقدرة في كتاب الله ثم بالعصبات من جهة النسب ..إلخ. (سراجي ص:۴). من أعمر عمرىٰ فهي لمعمره في حياته وموته لا ترقبوا فمن أرقب شيئًا فهو سبيل الميراث. (درالمختار على هامش ردالمحتار ج:۲ ص:۷۰۷).

(۳) قال تعالىٰ: يوصيكم الله في أولادكم للذكر مثل حظ الأنثيين. (النساء:۱۱).

(۴) عن أنس .... من قطع ميراث وارثه قطع الله ميراثه من الجنة يوم القيامة. (مشكوٰة ص:۲۶۶).

دو حصے بھائیوں کو دیئے جائیں اور ایک ایک بہنوں کو،[1] واللہ اعلم!

بھائی	بھائی	بھائی	بہن	بہن	بہن	بہن
۲	۲	۲	۱	۱	۱	۱

ورثاء کی اجازت سے ترکہ کی رقم خرچ کرنا

سوال:... ترکہ میں ورثاء کی اجازت اور مرضی کے بغیر کیا کسی قسم کے کارِ خیر پر رقم خرچ کی جاسکتی ہے؟

جواب:... وارثوں کی اجازت کے بغیر خرچ نہیں کرسکتے۔[2]

سوال:... کچھ رقم ورثاء یعنی حقیقی چچا اور حقیقی پھوپھی کی اجازت کے بغیر مسجد میں دی گئی ہے، کیا یہ رقم مسجد کے لئے جائز ہے؟

جواب:... اگر وارث اجازت دیں تو صحیح ہے، ورنہ واپس کی جائے۔[3]

مرحوم کی رقم ورثاء کو ادا کریں

سوال:... ایک صاحب کے کارخانے سے میں نے کچھ چیزیں بنوانے کا آرڈر دیا، یہ چیزیں مجھے آگے کہیں اور سپلائی کرنا تھیں۔ کارخانے دار نے چیزیں وقت پر بنا کر نہیں دیں اور مجھے بہت پریشان کیا، مجھے بہت دوڑایا، تب جاکر چیزیں بنا کر دیں۔ چونکہ وہ کارخانہ دار میرے محلے میں رہتا تھا اس لئے میں نے اسے فوری ادائیگی نہیں کی اور پیسے بعد میں دینے کا وعدہ کیا۔ اس نے مجھے بہت پریشان کیا تھا اس لئے میرا ارادہ بھی پیسوں کی ادائیگی میں اسے پریشان کرنے کا تھا۔ اس دوران میں دُوسرے محلے میں آگیا اور اس شخص کا انتقال ہوگیا۔ اب میں بے حد پشیمان ہوں کہ میں نے اس شخص کو پیسے کیوں نہیں ادا کردیئے تھے، اب اس کی بیوی اور بچے موجود ہیں، کیا شرعاً میں کچھ کرسکتا ہوں یا معاملہ روزِ حشر طے ہوگا؟

جواب:... مرحوم کی جس قدر رقم آپ پر لازم ہے، وہ اس کے ورثاء (بیوی بچے) کو ادا کردیجئے۔[4]

ساس اور دیور کے پرس سے لئے گئے پیسوں کی ادائیگی کیسے کی جائے؟ جبکہ وہ دونوں فوت ہوچکے ہیں

سوال:... میرے شوہر نے کبھی ہاتھ خرچ نہیں دیا، مجھے جب ضرورت ہوتی، میں ان کے سیف میں سے پیسے نکال لیتی، انہیں خبر نہ ہوتی۔ ایک دفعہ یہ ہوا کہ مجھے ضرورت تھی پیسوں کی، جب مجھے پیسے نہ ملے تو میں نے اپنے دیور کے پرس سے ۲۰۰ روپے

---

(۱) يوصيكم الله في أولادكم للذكر مثل حظ الأنثيين۔ (النساء: ۱۱)۔

(۲) لا يجوز لأحد أن يتصرف في ملک غيره بلا إذنه، أو وكالة منه أو ولاية عليه، وإن فعل كان ضامنًا۔ (شرح المجلة لسليم رستم باز ص۶۱ المادة: ۹۶، طبع كوئٹه)۔

(۳) ايضاً۔

(۴) فإن مات الطالب صار الدين للورثة فإن قضاه الدين فقد برئ من الدين۔ (عالمگیری ج:۶ ص:۳۶۲)۔

نکال لئے، یہ ایک چوری ہوگئی۔ دُوسری چوری جب میں نے کی، میرے شوہر کا انتقال ہوگیا، مجھے پیسوں کی سخت ضرورت ہوئی تو میں نے ۵۰۰ روپے اپنی ساس کے پرس سے نکال لئے۔ میں نے اپنی زندگی میں دو دفعہ چوری کی ہے، اب مجھے بہت دُکھ اس گناہِ کبیرہ کا ہے، کیونکہ نہ ساس زندہ ہیں، نہ دیور۔ بتائیے ضمیر کی اس خلش کو کیسے دُور کروں تاکہ اللہ پاک راضی ہوجائے؟

جواب:... دیور اور ساس کے مرنے کے بعد ان کا ترکہ ان کے وارثوں کا حق ہے،[1] لہٰذا آپ کے دیور اور ساس کے جو لوگ وارث ہیں ان میں سے ہر ایک کا جو شرعی حصہ بنتا ہے، وہ کسی عنوان سے مثلاً: تحفہ کے نام سے ہر ایک کو دے دیجئے۔[2]

بیوی مالک نہیں تھی، اس لئے اس کے ورثاء حق دار نہیں

سوال:... زید نے ایک پلاٹ تقریباً تیس سال پیشتر اپنے بھائی کے نام الاٹ کرایا، اور ان کو بتلادیا کہ یہ میں اپنے واسطے لے رہا ہوں۔ پلاٹ مل جانے کے بعد زید نے اپنے بھائی سے کہا کہ اب یہ پلاٹ بجائے میرے، بیوی کے نام تبدیل کردیجئے اور اس طرح زید کی بیوی کے نام یہ پلاٹ تبدیل ہوگیا۔ اس کے بعد زید نے اپنے روپوں سے اس پلاٹ پر دُکان تعمیر کرادی اور پھر اس کو کرایہ پر اُٹھادیا۔ کرایہ دار زید کو دُکان کا کرایہ ادا کرتا رہا، اور زید ہی اپنے دستخط سے کرایہ دار کو رسید دیتا رہا۔ زید کا ہمیشہ سے یہ اُصول تھا کہ اپنی کل آمدنی بیوی کے سپرد کردیتا تھا اور بیوی کو اختیار تھا کہ جس طرح چاہے گھر کے خرچ میں ان روپوں کو کام میں لائے۔ یہ کرایہ دُکان کا جو ملتا تھا وہ بھی زید اپنے اُصول کے مطابق بیوی کو دیتا رہا۔ دُکان دار کی زید کے ساتھ کچھ نااتفاقی ہوئی اور دُکان دار نے مارچ ۱۹۸۰ء سے فروری ۱۹۸۵ء تک یعنی ساٹھ ماہ کا کرایہ کورٹ میں جمع کرایا۔ ستمبر ۱۹۸۵ء میں یہ دُکان زید کی بیوی نے زید کے نام تبدیل کردی۔ ستمبر ۱۹۸۴ء تا فروری ۱۹۸۵ء یعنی چھ ماہ کا کرایہ تو زید کو ہی ملنا چاہئے کیونکہ دُکان اس کے نام تبدیل ہوچکی تھی، اس وقت کا کرایہ جبکہ دُکان بیوی کے نام پر تھی کس کو ملنا چاہئے، زید کو یا زید کی بیوی کے ورثاء کو؟ جبکہ میں اُوپر درج کرچکا ہوں کہ محض بیوی کی خوشنودی کے واسطے پلاٹ ان کے نام تبدیل کیا گیا، کرایہ سے بیوی کو کوئی دِلچسپی نہیں تھی کیونکہ زید تو اپنی کل آمدنی بیوی ہی کے سپرد کرتا رہا اور اس طرح کرایہ کی رقم بھی بیوی کو دے دیا کرتا تھا۔

جواب:... تحریر کے مطابق یہ مکان زید ہی کا تھا، اس لئے کرایہ بھی اسی کا حق ہے، بیوی کے وارثوں کا حق نہیں، کیونکہ خود بیوی کا بھی حق نہیں تھا۔[3]

غیرمسلم، مسلمان کا وارث نہیں ہوسکتا

سوال:... ہم چار بھائی تھے، تین بھائیوں کا اِنتقال ہوچکا ہے، میں سب سے چھوٹا ہوں، چاروں بھائیوں کی اولادیں ہیں، سب الگ رہ رہے ہیں، مجھ سے بڑے بھائی تقریباً ۳۵ سال سے لندن میں مقیم رہے اور وہیں ایک عیسائی عورت سے شادی کی، جس

---

(۱) گزشتہ صفحے کا حاشیہ نمبر ۴ ملاحظہ فرمائیں۔
(۲) ایضاً۔
(۳) فللموٴجر أجر۔ (النتف في الفتاویٰ) وقال أیضًا: ولہ أی للمالک أجر۔ (ص: ۳۴۲)۔

سے ان کے دو بچے پیدا ہوئے، جو دونوں عیسائی ہیں اور لندن میں مقیم ہیں، بڑے بھائی کے اِنتقال کو تین سال گزر چکے ہیں، اس درمیان میں مرحوم بھائی کی بیوی دو مرتبہ کراچی آئی اور واپس چلی گئی۔ مرحوم بھائی کا ایک مکان ہے، مرحوم بھائی کے وارثوں میں، میں ہی ایک چھوٹا بھائی زندہ ہوں، کیا مرحوم بھائی کی عیسائی بیوی اور عیسائی بیٹے اس کے وارث ہوسکتے ہیں؟ نیز کیا دیگر مرحوم بھائیوں کی اولادیں اپنے چچا یعنی میرے لندن والے بھائی کی وارث ہوسکتی ہیں؟

جواب:... غیرمسلم، مسلمان کا وارث نہیں،[1] اس لئے آپ کے مرحوم بھائی کا عیسائی لڑکا اور عیسائی بیوی اس کی جائیداد کے وارث نہیں۔ اور بھائی کے ہوتے ہوئے دُوسرے بھائیوں کی اولاد وارث نہیں، اس لئے مرحوم بھائی کی جائیداد زندہ بھائی کو ملے گی، واللہ اعلم!

پہلے شوہر کی وراثت میں بیوی کا حق

سوال:... میرے بھائی کا اِنتقال ہوگیا اور میں نے بھاوج کو ماں کہا اور اپنا سارا سامان اس کے حوالے کردیا، کیونکہ میری بڑی بھاوج سالی بھی ہوتی ہیں، بھائی کی اولاد نہیں، انہوں نے میری بچی پالی ہے، میں نے ان کی پنشن، انشورنس کے کاغذات بنوائے جو رقم ملی، بھاوج نے بینک میں اپنے نام جمع کرادی، بھائی نے ایک مکان بنایا تھا، وہ بھی اسی کے نام کرایا تھا، اب بھاوج نے دُوسرا نکاح رچالیا ہے، آپ بتائیں کہ شادی کے بعد وراثت گھر، پیسے، کپڑے، فرج، ٹی وی، پنشن اور انشورنس جس میں اس کو وارث کیا گیا تھا وغیرہ کس کے لئے حلال اور کس کے لئے حرام؟ گھر کے ایک کمرے میں ہمارے سسرال قبضہ کرکے براجمان ہیں۔

جواب:... جو مکان آپ کے مرحوم بھائی نے اپنی بیوی کے نام کردیا تھا، وہ تو اس کا ہے۔ اس کے علاوہ باقی ترکہ جو آپ کے مرحوم بھائی کا تھا شرعاً اس میں چوتھا حصہ بیوہ کا ہے،[2] اور باقی تین حصے مرحوم کے بھائیوں کے (اگر والدین نہیں)۔ آپ کی بیوہ بھاوج نے اگر نکاح کرلیا تو بہت اچھا کیا، دُوسرا نکاح بھی ایسا ہی ہے جیسے پہلا نکاح۔ جو چیزیں اس کے مرحوم شوہر کی وراثت سے اس کے حصے میں آئی ہیں، وہ اس کی ہیں۔ خواہ اس نے اور عقد کرلیا ہو، اور جتنا حصہ آپ کا ہے، وہ آپ وصول کرسکتے ہیں۔

آپ کا یہ خیال کہ بیوی بچوں کو چھوڑ کر چلی جائے، اسلامی نقطۂ نظر سے بہت ہی بُرا ہے، اگر آپ ایسا کریں گے تو دُنیا و آخرت کا خسارہ اُٹھائیں گے۔

صاحبِ مال کی وفات کے بعد زندگی میں اُس سے چوری کردہ مال کو کیا کریں؟

سوال:... کسی آدمی نے چوری سے کسی کا مال کھایا، صاحبِ مال کی وفات سے کئی سال بعد اَب اسے خیال آیا کہ کسی طرح مجھ سے بوجھ اُتر جائے، مرحوم کے صحیح وارثوں کا علم نہیں ہے، جن وارثوں کا پتا ہے ان سے مرحوم زندگی میں متنفر رہا، اب اس رقم سے مسجد

(۱) واختلاف الدين أيضًا يمنع الإرث والمراد به الإختلاف بين الإسلام والكفر ... إلخ. (الهندية ج:۶ ص:۴۵۴، كتاب الفرائض، طبع بلوچستان بک ڈپو)۔

(۲) قال تعالٰى: ولهن الربع مما تركتم إن لم يكن لكم ولد (النساء:۱۲)۔

یا مدرسے کی تعمیر یا قرآن شریف خرید کر مسجدوں میں رکھنا یا خیرات کرنا بہتر ہے جس کا ثواب مرحوم کو بخشا جائے، یا ان ناجائز وجبری وارثوں کو دیدے؟ اس کی رقم کا صحیح مصرف کیا ہے؟

جواب:... سب سے پہلے مرحوم کے تمام شرعی وارثوں کی تحقیق کی جائے، اس کے بعد علماء سے دریافت کیا جائے کہ کس کا کتنا حصہ ہے؟ اور پھر ہر ایک کو اُس کا حصہ پہنچایا جائے۔[1]

بیٹے اور والد کے درمیان مشترک مکان کے بارے میں بیٹے کے سسر کا تقسیم کا مطالبہ دُرست نہیں

سوال:... میں نے اور میرے بڑے بیٹے نے مل کر ایک مکان تعمیر کرایا، جس میں صرف ہم دونوں نے رقم خرچ کی، میرے بیٹے کی شادی میری بہن کی لڑکی سے ہوئی، میرے بہنوئی جو میرے چچازاد اور سمدھی بھی ہیں، شادی کے بعد سے مکان تقسیم کرنے کی باتیں کر رہے ہیں اور اِشارے کنایہ میں اکثر کہتے رہتے ہیں کہ میں اور میری بیوی مکان کی موجودہ قیمت کا ۶/۱ حصہ لے کر الگ ہوجائیں۔ میرا بیٹا مع اپنے اہل وعیال کے میرے ساتھ ہی مقیم ہے، اس صورتِ حال میں سمدھی کا مطالبہ کہاں تک دُرست ہے؟ کیا ان کا یہ مطالبہ فتنہ انگیزی کے مترادف نہیں ہے؟

جواب:... چونکہ مکان میں رقم دونوں باپ بیٹے کی لگی ہے، اس لئے سب سے پہلے تو یہ دیکھنا ہوگا کہ کس کی رقم زیادہ لگی ہے؟ اس کے بعد بیٹا چونکہ باپ کا فرمانبردار ہے، اس لئے اس کو یہی مشورہ دیا جائے گا کہ وہ اپنے باپ کے ساتھ رہے، البتہ مکان کا ایک حصہ بیٹے کی رہائش کے لئے تجویز کردیا جائے۔ آپ کی وفات کے بعد بیٹا اپنا حصہ الگ وصول کرلے گا، اور آپ کی جائیداد میں جو اس کا حصہ ہوگا، وہ الگ وصول کرے گا۔ آپ کے سمدھی کا اس معاملے میں مداخلت کرنا شرعاً ناجائز اور گھر میں فتنہ وفساد پھیلانا ہے۔ آپ کے بیٹے کو چاہئے کہ اپنے والدین کی رضامندی کو مقدم سمجھے۔

---

(۱) إن علم أرباب الأموال وجب رده عليهم وإلّا .... يتصدق بنية صاحبه. (فتاویٰ شامی ج:۵ ص ۹۹).

وصیت

وصیت کی تعریف نیز وصیت کس کو کی جاسکتی ہے؟

سوال:... وصیت کی شرعی حیثیت کیا ہے؟ کیا موصی یہ وصیت ہر اس شخص کو کرسکتا ہے جو خاندان کا فرد ہو اور موصی کی وصیت پر عمل درآمد کراسکے؟ یا وصیت صرف اولاد ہی کو کی جاسکتی ہے؟

جواب:... "وصی" ہر اس شخص کو بنایا جاسکتا ہے جو نیک، دیانت دار اور شرعی مسائل سے واقف ہو، خاندان کا فرد ہو یا نہ ہو۔[1]

سوال:... ایک سرپرست کی شرعی حیثیت کیا ہے؟ مثال کے طور پر زید ایک مطلقہ عورت سے شادی کرے اور وہ خاتون ایک ڈیڑھ سالہ بچہ بھی اپنے سابقہ شوہر کا ساتھ لائے تو ایسے بچے کی شرعی حیثیت کیا ہوگی؟ کیا یہ بچہ اپنی ولدیت میں اپنے اصلی باپ کی جگہ اس سرپرست کا نام استعمال کرسکتا ہے؟ جواب سے مستفید فرمائیں۔

جواب:... سوتیلا باپ اعزاز و اکرام کا مستحق ہے، اور بچے پر شفقت بھی ضرور باپ ہی کی طرح کرنی چاہئے،[2] لیکن نسب کی نسبت حقیقی باپ کے بجائے اس کی طرف کرنا صحیح نہیں۔[3]

وصیت کس طرح کی جائے اور کتنے مال کی؟

سوال:... میرا ارادہ ہے کہ میں سنت کے مطابق اپنی جائیداد کی وصیت کروں، میری صرف ایک لڑکی ہے، دُوسری کوئی اولاد نہیں، اور ہم چار بھائی ہیں اور پانچ بہنیں ہیں، جو سب شادی شدہ ہیں، ہم چار بھائیوں کی کمائی جدا جدا ہے اور والد مرحوم کی میراث صرف برساتی زمین ہے، جو اَب تک تقسیم نہیں ہوئی، باقی ہر کسی نے اپنی کمائی سے دُکان، مکان خرید لیا ہے، جو ہر ایک کے اپنے اپنے نام پر ہے، اور میری اپنی کمائی سے دو دُکان اور رہائشی مکان ہیں، ایک میں، میں خود رہتا ہوں، اور دُوسرے مکان کو کرایہ پر دے رکھا ہے، اور ایک آٹے کی چکی ہے جس کی قیمت تقریباً ایک لاکھ بیس ہزار روپیہ ہے۔ اب میرا خیال ہے کہ میں ایک دُکان لڑکی اور اپنی زوجہ کے نام کروں اور دُوسری دُکان اور چکی اور مکان جو کرایہ پر ہے، ان کے بارے میں خدا کے نام پر وصیت کروں، یعنی کسی مسجد یا

---

(۱) قال فی العالمگیریة. ثم تصح الوصیة لأجنبی من غیر إجازة الورثة، کذا فی التبیین۔ (عالمگیری ج:۶ ص:۹۰)۔

(۲) عن ابن عباس قال: قال رسول الله صلی الله علیه وسلم: لیس منا من لم یرحم صغیرنا ولم یوقّر کبیرنا ویأمر بالمعروف وینهی عن المنکر۔ رواه الترمذی۔ (مشکوٰة ج:۱ ص:۴۲۳، باب الشفقة والرحمة علی الخلق)۔

(۳) عن سعد قال: سمعت النبی صلی الله علیه وسلم یقول: من ادّعی إلٰی غیر أبیه وهو یعلم انه غیر أبیه فالجنّة علیه حرام۔ (صحیح البخاری ج:۲ ص:۱۰۰۱، باب من ادعی إلٰی غیر أبیه، طبع نور محمد کراچی)۔

دِینی مدرسہ میں ان کی قیمت فروخت کر کے دے دی جائے، اور بقایا زمین کا میرا حصہ بھائیوں اور بہنوں کو ملے، اور کیونکہ میرا لڑکا وغیرہ نہیں ہے جو بعد میں میرے لئے دُعا فاتحہ کرے، اس لئے اب میرے دِل میں فکر رہتا ہے کہ میں اپنی تمام جائیداد کی وصیت کر کے دُنیا سے جاؤں، اور تمام جائیداد اللہ تعالیٰ کے دِین کے لئے وقف کروں، جو صدقۂ جاریہ بن جائے۔ اور میں نے ایک عالمِ دِین سے مسئلہ وصیت کا دریافت کیا، اس نے کہا کہ آپ زندگی میں اپنی جائیداد فروخت کر کے کسی دِینی مدرسہ میں لگادیں کیونکہ آج کل بھائی لوگ وصیت کو پورا نہیں کریں گے، اس لئے آپ اپنی زندگی میں یہ کام کریں۔ لیکن مولانا صاحب! آج کل حالات اجازت نہیں دیتے ہیں، کیونکہ میری دس سال کی کمائی ہوئی چیزیں ہیں اور کوئی دُوسرا ذریعہ نہیں ہے کہ میں اپنی زندگی بسر کروں اور مزدوری نہیں کرسکتا ہوں، زمین وغیرہ برساتی ہے، اس پر کوئی بھروسہ نہیں ہے۔ اگر میں ان کو اپنی زندگی میں فروخت کر کے صدقہ کروں تو ڈر ہے محتاج ہونے کا، اور اب میری عمر چالیس بیالیس سال ہے۔ آپ براہِ کرم میری رہنمائی فرمائیں، کیا کروں؟ اور باقی میرے بھائی وغیرہ سب الحمدللہ اچھی حالت میں ہیں، محتاج نہیں، صاحبِ دولت ہیں، اگر میں کسی اور کو اپنا وکیل مقرّر کروں کہ آپ میرے مرنے کے بعد یہ فروخت کر کے دِینی کام میں لگادیں یا کسی عالمِ دِین کو وکیل بنادوں تو کیسا ہے؟ کیونکہ وارثوں پر بھروسہ نہیں ہے، وہ اپنے لالچ میں وصیت کو پورا نہ کریں گے، اس لئے آپ میری جائیداد تقسیم کر کے اور وصیت کے بارے میں بتاکر شکریہ کا موقع دیں۔ میرے وارث یہ ہیں: چار بھائی، پانچ بہن، ایک لڑکی، بیوہ اور میری والدہ صاحبہ۔

جواب:... آپ کے خط کے جواب میں چند ضروری مسائل ذکر کرتا ہوں:

۱:... آپ اپنی صحت کے زمانے میں کوئی دُکان یا مکان بیوی کو یا لڑکی کو ہبہ کردیں تو شرعاً جائز ہے، مکان یا دُکان ان کے نام کر کے ان کے حوالے کردیں۔[۱]

۲:... یہ وصیت کرنا جائز ہے کہ میرے مرنے کے بعد میرا اتنا مال مساجد و مدارس میں دے دیا جائے۔[۲]

۳:... وصیت صرف ایک تہائی مال میں جائز ہے، اس سے زیادہ کی وصیت وارثوں کی اجازت کے بغیر صحیح نہیں، اگر کسی نے ایک تہائی سے زیادہ کی وصیت کی تو تہائی مال میں تو وصیت نافذ ہوگی، اس سے زیادہ میں وارثوں کی اجازت کے بغیر نافذ نہیں ہوگی۔[۳]

۴:... اگر کسی کو اندیشہ ہو کہ وارث اس کی وصیت کو پورا نہیں کریں گے تو اس کو چاہئے کہ ایک دو ایسے آدمیوں کو، جو متقی اور

---

(۱) رجل وهب في صحته كل المال للولد جاز في القضاء. (عالمگیری، کتاب الهبة ج:۴ ص:۳۹۱). الهبة عقد مشروع وتصح بالإيجاب والقبول والقبض. (الهداية ج:۳ ص:۲۸۱، كتاب الهبة).

(۲) الإيصاء في الشرع تمليك مضاف إلى ما بعد الموت يعني بطريق التبرع سواء كان عيناً أو منفعة. (عالمگیری ج ۶ ص:۹۰، کتاب الوصايا، طبع رشيديه). هي تمليك مضاف إلى ما بعد الموت عيناً كان أو ديناً .... سببها ما هو سبب التبرعات. (شامي ج:۶ ص:۶۴۸، كتاب الوصايا، طبع ايچ ايم سعيد).

(۳) ولا تجوز بما زاد على الثلث إلّا أن يجيزه الورثة بعد موته. (عالمگیری ج:۶ ص:۹۰، طبع رشيديه).

پرہیزگار بھی ہوں اور مسائل کو سمجھتے ہوں، اس وصیت کو پورا کرنے کا ذمہ دار بنادے، اور وصیت لکھوا کر اس پر گواہ مقرر کردے، اور گواہوں کے سامنے یہ وصیت ان کے سپرد کردے۔[1]

۵:...وفات کے وقت آپ جتنی جائیداد کے مالک ہوں گے، اس میں سے ایک تہائی میں وصیت نافذ ہوگی،[2] اور باقی دو تہائی میں درج ذیل حصے ہوں گے:

بیوی کا آٹھواں حصہ، والدہ کا چھٹا حصہ، بیٹی کا نصف، باقی بھائی بہنوں میں اس طرح تقسیم ہوگا کہ بھائی کا حصہ بہن سے دُگنا ہو۔

اسٹیمپ پر تحریر کردہ وصیت نامے کی شرعی حیثیت

سوال:...ہمارے والد صاحب کا انتقال اس ماہ کی ۷ تاریخ کو ہوا تھا، انہوں نے اپنی زندگی میں ایک وصیت نامہ اسٹیمپ پیپر پر اپنی اولاد کے لئے چھوڑا ہے، جس کی رُو سے ایک مکان ہم دونوں بھائیوں میں تقسیم کیا جائے، اور اسی طرح دُوسرا مکان دو بہنوں میں برابر تقسیم کیا جائے۔ کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ یہ وصیت نامہ کوئی اہمیت نہیں رکھتا، والد صاحب اگر اپنی زندگی میں جائیداد کا بٹوارہ کرجاتے تو ٹھیک ہوتا۔ ہمارے والد کی والدہ صاحبہ بفضلہٖ تعالیٰ حیات ہیں اور ان کی ایک بہن بھی حیات ہیں اور وہ شادی شدہ ہیں، وصیت نامے کی رُو سے تو صرف ان کی اولاد ہی جائز حق دار ہوسکتی ہے۔ براہ کرم بتائیں کہ اسلامی رُو سے اسٹیمپ پیپر پر وصیت نامہ کی کیا حیثیت ہے؟

جواب:...اس وصیت نامے کی حیثیت صرف ایک مصالحتی تجویز کی ہے، اگر سب وارث بخوشی اس پر راضی ہوں تو ٹھیک ہے،[3] ورنہ جائیداد شریعت کے مطابق تقسیم کی جائے اور آپ کی دادی صاحبہ کا بھی حصہ لگایا جائے۔[4]

کیا ماں کے انتقال پر اس کا وصیت کردہ حصہ بیٹے کو ملے گا

سوال:...ایک ماں اپنے مرحوم بیٹے کی املاک میں سے اپنے حصے کی وصیت لکھتی ہے کہ میرا حصہ میرے فلاں بیٹے ''ع'' کو دیا جائے، تو کیا ماں کے انتقال کے بعد بھی وہ وصیت قابلِ عمل ہوگی؟ اور کیا وہ بیٹا ماں کا وہ حصہ لینے کا شرعی اور قانونی طور سے حق دار

---

(۱) یٰـأیها الذین اٰمنوا إذا تداینتم بدین إلٰی أجل مسمًّی فاکتبوه ولیکتب بینکم کاتب بالعدل .... واستشهدوا شهیدین من رجالکم (البقرة:۲۸۲).

(۲) ولَا تجوز بما زاد علی الثلث إلّا أن یجیزه الورثة بعد موته. (عالمگیری ج:۶ ص:۹۰، طبع رشیدیه).

(۳) قال فی العالمگیریة: ولَا تجوز الوصیة للوارث عندنا إلّا أن یجیزها الورثة. (ج:۶ ص:۹۰). عن عمر بن خارجة أنّ النبی صلی الله علیه وسلم خطب علٰی ناقته وأنا تحت جرانها وهی تقصع بجرتها وأنّ لعابها یسیل بین کتفیّ فسمعته یقول إن الله عزّ وجلّ أعطی کل ذی حق حقه فلا وصیة لوارث. (الترمذی ج:۲ ص:۳۳، أبواب الوصایا).

(۴) قال علمائنا رحمهم الله تعالٰی: تتعلق بترکة المیت حقوق أربعة مرتبة .... ثم یقسم الباقی بین ورثته بالکتاب والسُّنّة وإجماع الأمّة فیبدأ بأصحاب الفروض وهم الذین لهم سهام مقدرة فی کتاب الله. (سراجی ص:۳،۴ طبع المصباح).

ہوگا یا نہیں؟ اور مرحوم بیٹے کی بیوہ پر وہ حصہ دینا شرعی اور قانونی طور سے لازم ہے یا نہیں؟ اَزراہِ کرم جواب دے کر ممنون فرمائیں۔

جواب:... بیٹا، ماں کا وارث ہے، اور وارث کے لئے وصیت باطل ہے،[۱] لہٰذا جس طرح اس "ماں" کا دُوسرا ترکہ شرعی حصوں کے مطابق اس کی پوری اولاد کو ملے گا، اسی طرح مرحوم بیٹے سے اس کو جو حصہ پہنچتا ہے وہ بھی شرعی حصوں پر تقسیم ہوکر اس کی ساری اولاد کو ملے گا۔[۲]

ورثاء کے علاوہ دیگر عزیزوں کے حق میں وصیت جائز ہے

سوال:... میرا ایک نابالغ لڑکا ہے، اہلیہ کا انتقال ہوچکا ہے، علاتی والدہ اور دو علاتی بھائی ہیں، اَز رُوئے فقہِ حنفی میرے وارث کون کون ہوسکتے ہیں؟ میں اپنی اولاد کے لئے تو وصیت نہیں کرسکتا، لیکن کیا کسی ایسے اشخاص کے لئے وصیت کرسکتا ہوں جن کے مجھ پر قطعی اور قرارواقعی احسانات ہیں؟ (باپ شریک کو "علاتی" کہتے ہیں)۔

جواب:... لڑکا آپ کا وارث ہے، لڑکے کی موجودگی میں بھائی اور سوتیلی والدہ وارث نہیں،[۳] جو آپ کے وارث نہیں ان کے حق میں وصیت (تہائی مال کے اندر) کرسکتے ہیں۔[۴]

مرحوم کی وصیت کو تہائی مال سے پورا کرنا ضروری ہے

سوال:... میرے والد نے فوت ہونے سے چند ماہ قبل وصیت یہ کی کہ میری جائیداد میں میرا ثلث دو لاکھ روپے بنتا ہے، بعد میں اس ثلث کو اس طرح تقسیم کرلیں کہ دو حج بدل کریں، ایک میرے والد کے لئے، دُوسرا میرے لئے، باقی ماندہ رقم مدرسوں کو دے دیں۔ اب ہم خود یہ مسئلہ پوچھتے ہیں کہ یہ ثلث جو کہ بعد از موت والد کا ترکہ ہے اس میں سے کچھ ہم رکھ سکتے ہیں یا نہیں؟

جواب:... مرنے والا اگر ایک تہائی مال کے بارے میں وصیت کرجائے تو وارثوں کے ذمہ اس وصیت کا پورا کرنا فرض ہوجاتا ہے، پس آپ کے والد مرحوم نے جو ترکہ چھوڑا ہے اس کے ایک تہائی حصے کے اندر ان کی وصیت کو پورا کرنا آپ کے ذمہ لازم ہے،[۵] اور مرحوم نے جس طرح وصیت کی ہے، اسی طرح پورا کرنا ضروری ہے، یعنی ان کی طرف سے اور ان کے والد کی طرف سے حجِ بدل کرانا۔[۶] اور جو کچھ تہائی مال میں سے اس کے بعد بچ رہے اس کو مدرسوں میں دینا۔

---

(۱) ولَا تجوز الوصية لوارثه لقوله عليه السلام: إن الله تعالى أعطى كل ذى حق حقه ألَا لَا وصية لوارث، ولأنه يتأذى البعض بإيثار البعض ففى تجويزه قطيعة الرحم، ولأنه حيف بالحديث الذى رويناه۔ (هداية ج:۴ ص:۶۲۵ كتاب الوصايا)۔

(۲) گزشتہ صفحے کا حاشیہ نمبر ۴ ملاحظہ فرمائیں۔

(۳) أم العصبة بنفسه .... أولٰهم بالميراث جزء الميت أى البنون ثم بنوهم وإن سفلوا۔ (سراجى ص:۱۴)۔

(۴) وتجوز بالثلث للأجنبى۔ (درمختار على هامش رد المحتار ج:۶ ص:۶۵۰)۔

(۵) ثم تنفذ وصاياه من ثلث ما بقى بعد الكفن والدفن۔ (فتاوىٰ عالمگيرى ج:۶ ص:۴۴۷ كتاب الفرائض)۔ أيضًا: تنفذ وصاياه من ثلث ما بقى بعد الدّين۔ (السراجى ص:۳،۲)۔

(۶) وإن مات حاج فى طريقه وأوصى بالحج عنه يحج من بلده راكبًا۔ (ردالمحتار ج:۶ ص:۶۶۳)۔

وصیت کردہ چیز دے کر واپس لینا

سوال:... میرے دادا اور دادی جان حج پر جاتے وقت اپنا مکان اور دو ٹیکسیاں میرے نام وراثت میں لکھ گئے تھے، اور کچھ زیورات میری والدہ کو دے گئے تھے، میرے دادا کی دو اولاد ہیں، یعنی ایک میری شادی شدہ پھوپھی جو کہ امریکہ میں قیام پذیر ہیں، اور دُوسرے میرے والد جن کا میں اکلوتا بیٹا ہوں، اور حج سے واپسی کے بعد میرے دادا نے وراثت نامہ واپس لے کر مکان کو کرائے پر اُٹھادیا، اور اب وہ مکان اور ٹیکسیوں کا کرایہ خود لے رہے ہیں، نیز تمام کا تمام اپنے تصرف میں لا رہے ہیں۔ آپ براہِ کرم اس مسئلے پر اپنی عالمانہ رائے کا اظہار فرماکر ممنون فرمائیں۔

جواب:... آپ کے دادا نے آپ کے حق میں وصیت کی ہوگی اور وصیت کو مرنے سے پہلے واپس لیا جاسکتا ہے، اس لئے آپ کے دادا کی وہ وصیت منسوخ سمجھی جائے گی۔[1]

بھائی کے وصیت کردہ پیسے اور مال کا کیا کریں؟

سوال:... میرا بھائی پی آئی اے میں ملازم تھا، میرے بھائی کے اخراجات سب میں نے برداشت کئے تھے، مزید یہ کہ وہ میرے پاس ہی رہتا تھا۔ پی آئی اے ہر سال ایک فارم پُر کرواتی ہے جس میں ملازم سے پوچھا جاتا ہے کہ دورانِ ملازمت ملازم کے مرجانے کی صورت میں اس کو ملنے والی رقم کا حق دار کون ہوگا؟ اس میں دو آدمیوں کی گواہی بھی ہوتی ہے، اس طرح مرحوم ہر سال میرا ہی نام ڈلواتا رہا، اسی طرح مرحوم نے بیماری کے دوران اپنے قرض کا بھی تذکرہ کیا تھا کہ میرے مرنے کے بعد ان، ان لوگوں کا میں قرض دار ہوں، جب پی آئی اے سے پیسے ملیں تو ان لوگوں کو پیسے دے دینا۔ مرحوم کی وفات کے کئی ماہ بعد پی آئی اے نے ہم سے رابطہ قائم کیا اور سارا پیسہ ہمارے اکاؤنٹ میں ٹرانسفر کردیا، اسی دوران پی آئی اے کی طرف سے ہمیں خطوط موصول ہوئے جن میں پیسے کی تفصیل درج ذیل ہے۔ ۱: فنڈ، ملازمت کے دوران محکمہ کچھ رقم ملازم سے لے لیتا ہے، اور مرنے کی صورت میں یا ریٹائرمنٹ کی صورت میں جتنی رقم ہوتی ہے اتنی ہی ملاکر دے دیتا ہے۔ ۲: پنشن، ماہانہ پنشن مقرّر کی ہے جو ہر ماہ پی آئی اے ادا کرے گی۔ مرحوم کے دُوسرے بھائی بہن بھی ہیں، مرحوم کے انتقال کے بعد میں نے بھائیوں سے کہا کہ مرحوم کا ساز و سامان اپنے ساتھ لے جاؤ، تو انہوں نے کہا کہ یہ سب آپ کا ہے، آپ جس کو چاہیں دے دیں۔ تحریر کردہ مسئلے کی روشنی میں یہ بتائیں کہ اس پیسے کا حق دار نامزد کردہ ہوگا یا تمام افراد؟ اور یہ بھی بتائیں کہ بینک کے پیسوں کا حق دار کون ہوگا؟

جواب:... آپ کے بھائی نے پی آئی اے کے فارم میں جو آپ کا نام نامزد کیا ہے، اس کی حیثیت وصیت کی ہے اور شرعی

---

(۱) ویجوز للموصی أن یرجع عن الوصیة ...إلخ۔ (النتف فی الفتاویٰ ص:۵۰۳)۔ وفی الهدایة: ویجوز للموصی الرجوع عن الوصیة، وإذا صرح بالرجوع أو فعل ما یدل علی الرجوع کان مرجوعًا۔ (هدایة ج:۴ ص:۶۴۴)۔ وفی الهندیة (ج:۶ ص:۹۲) کتاب الوصایا، الباب الأوّل: ویصح للموصی الرجوع عن الوصیة ثم الرجوع قد یثبت صریحًا وقد یثبت دلالةً۔

اُصول کے مطابق وارث کے لئے وصیت صحیح نہیں، اور اگر کردی جائے تو وصیت نافذ العمل نہیں ہوگی۔ لہٰذا صورتِ مسئولہ میں آپ کے مرحوم بھائی کے نام پی آئی اے اور بینک سے جو رقم مل رہی ہے، سب سے پہلے تو اس رقم سے مرحوم کا قرضہ ادا کیا جائے، اس کے بعد جو رقم بچے اس کی حیثیت میراث کی ہے، اور اس کی تقسیم ورثاء میں ہونی چاہئے، لیکن اگر آپ کے چاروں بھائی اور بہن، مرحوم کی وصیت کو برقرار رکھتے ہوئے یہ کہہ دیں کہ: "ہم نے مرحوم بھائی کی ملنے والی رقم آپ کو ہبہ کردی" تو پھر آپ کو وہ ساری رقم لینے کا حق ہوگا۔ بصورتِ دیگر ورثاء میں سے جو جو وارث مطالبہ کریں ان کے درمیان اس مال کی تقسیم میراث کے اُصولوں کے مطابق ہوگی۔[1]

بہنوں کے ہوتے ہوئے مرحوم کا صرف اپنے بھائی کے لئے وصیت کرنا جائز نہیں

سوال:... ایک نیک آدمی جو گورنمنٹ ملازم تھا، نو ماہ کی بیماری کے بعد انتقال کرگیا، اس نے شادی نہیں کی تھی اور والدین کا انتقال ہوچکا ہے۔ اس کا صرف ایک بھائی ہے اور چار بہنیں ہیں۔ جس میں سے تین بہنیں شادی شدہ ہیں اور ایک بہن کی شادی نہیں ہوسکی۔ مرنے سے پہلے اس آدمی نے اپنی زمین اور دفتر سے واجبات کی ادائیگی کے لئے بھائی کو نامزد کیا ہے، زبانی بھی سب بہنوں کے سامنے کہا اور لکھ کر بھی دیا کہ: "میری ہر چیز کا مالک میرا چھوٹا بھائی ہے۔" اب آپ سے فقہ کی روشنی میں یہ پوچھنا ہے کہ اگر حکومت کی طرف سے مرنے والے کی پنشن اور دیگر واجبات مل جائیں تو صرف بھائی اس کا حق دار ہوگا یا بہنوں کو بھی حصہ دیا جائے گا، جبکہ مرنے والے نے صرف بھائی کو ہی نامزد کیا ہے، اور کہا ہے کہ: "میری ہر چیز کا مالک میرا بھائی ہے۔"

جواب:... مرحوم کی وصیت غلط ہے، بہنیں بھی حصہ دار ہوں گی،[2] مرحوم کے ترکہ کے (جس میں واجبات وغیرہ بھی شامل ہیں) چھ حصے ہوں گے، دو بھائی کے اور ایک ایک چاروں بہنوں کا۔[3]

سوال:... فقہ کی روشنی میں کیا حکومت اور مرنے والے کے دفتر والوں کو اس کی پنشن اور دیگر واجبات جو کہ تقریباً ڈیڑھ لاکھ بنتے ہیں، اس کے نامزد کردہ بھائی یا بہنوں کو ادا کرنے چاہئیں، جبکہ اس کے بیوی بچے نہیں ہیں، اور والدین بھی نہیں، یا یہ رقم دفتر والے خود رکھ لیں، کیونکہ دفتر والوں نے اس رقم کی ادائیگی سے نامزد کردہ حقیقی بھائی اور بہنوں کو انکار کردیا ہے یہ کہہ کر کہ مرنے والے کے

---

(۱) ولَا تجوز الوصية لوارثه، لقوله عليه الصلٰوة والسلام: إن الله أعطىٰ كل ذى حق حقه، ألَا لَا وصية لوارث، ولأنه يتأذى البعض بإيثار البعض ففى تجويزه قطعية الرحم، ولأنه حيف بالحديث الذى رويناه. (الهداية ج:۴ ص:۶۲۵). قال فى العالمگيرية: لَا تجوز الوصية لوارث إلّا أن تجيزها الورثة. (فتاوىٰ عالمگيرية ج:۶ ص:۹۰). قال فى السراجى: قال علمائنا رحمهم الله تعالىٰ: تتعلق بتركة الميت حقوق أربعة مرتبة، الأول يبدأ بتكفينه وتجهيزه من غير تبذير ولَا تقتير ثم تقضى ديونه من جميع ما بقى من ماله ثم تنفذ وصاياه من ثلث ما بقى بعد الدَّين ثم يقسم الباقى بين ورثته بالكتاب والسُّنَّة واجماع الأمّة. (سراجى ص:۲،۳).

(۲) عن أبى أمامة الباهلى رضى الله عنه قال: سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول فى خطبته عام حجة الوداع إن الله قد أعطى كل ذى حق حقه، فلا وصية لوارث. (جامع الترمذى ج:۲ ص:۳۲ أبواب الوصايا). وفى سنن نسائى ج:۲ ص.۱۳۱ عن عمرو بن خارجة خطب رسول الله صلى الله عليه وسلم فقال: إن الله قد أعطىٰ كل ذى حق حقه ألا، لا وصية لوارث.

(۳) قال الله تعالىٰ: وإن كانوا إخوة رجالًا ونساءً فللذكر مثل حظ الأنثيين. (النساء:۱۷۶).

بیوی بچے نہیں ہیں اور والدین بھی نہیں ہیں، جبکہ فقہ کی روشنی میں اگر سگے بہن بھائی موجود نہ ہوں تو حق دار اور وارث بھتیجے اور بھانجے ہوتے ہیں۔

جواب:... پنشن اور دیگر واجبات میں حکومت کا متعلقہ قانون لائقِ اعتبار ہے، اگر قانون یہی ہے کہ جب مرنے والے کے والدین اور بیوی بچے نہ ہوں تو کسی دُوسرے عزیز کو پنشن اور دیگر واجبات نہیں دیئے جائیں گے تو دفتر والوں کی بات صحیح ہے، ورنہ غلط ہے۔

وصیت کئے بغیر مرنے والے کے ترکہ کی تقسیم جبکہ ورثاء بھی معلوم نہ ہوں

سوال:... ایک افغانی شخص دُوسری حکومت میں مثلاً: افغانستان میں فوت ہوجائے، اس کا ترکہ یہاں رہ جائے اور اس کا کوئی وارث معلوم نہ ہو اور نہ وصیت کی ہو تو کیا اس ترکہ کو یہاں کے مساکین یا مسجد یا مدرسہ یا دینی کتابوں پر خرچ کرنا جائز ہے یا نہیں؟

جواب:... اس شخص متوفی کا ترکہ اس کے ملک افغانستان بھیج دیا جائے، تاکہ وہاں کی حکومت تحقیق کے بعد اس کے ورثاء میں تقسیم کردے، یہاں اس کے متروکہ کو خرچ کرنے کی اجازت نہیں۔[1]

(۱) عن ابن عباس عن النبی صلی الله علیه وسلم قال: ألحقوا الفرائض بأهلها۔ الحدیث (صحیح البخاری ج:۲ ص ۹۹۷)۔

ذوِی الارحام کی میراث

''نوٹ:... ''ذوِی الارحام'' ان وارثوں کو کہا جاتا ہے کہ ان کے درمیان اور میت کے درمیان عورت کا واسطہ ہو، مثلاً: بیٹی کی اولاد، یا پوتی کی اولاد۔''

سوال:... ایک شخص فوت ہوا، اس کی چھٹی پشت میں اس کی اولاد میں صرف ذوِی الارحام ہیں، جن کی تفصیل درج ذیل نقشے سے معلوم ہوگی، اس شخص کا ترکہ چھٹی پشت کے ذوِی الارحام پر کیسے تقسیم ہوگا؟

جواب:... چھ پشتوں کے لئے دو صدیاں درکار ہوتی ہیں، اور اس زمانے میں یہ عادۃً ممکن نہیں کہ کوئی شخص مرے اور

اس کی چھٹی پشت میں صرف نواسے نواسیاں رہ جائیں۔ اس لئے آنجناب کا یہ سوال محض اس ناکارہ کا امتحان لینے کے لئے ہے، اور امتحان کا موزوں وقت طالب علمی کا یا نوجوانی کا زمانہ تھا، اب اس غریب بڈھے کا امتحان لے کر آپ کیا کریں گے؟ اس لئے جی نہیں چاہتا تھا کہ اس کا جواب لکھوں، پھر اس خیال سے کہ آج تک کسی نے ذوی الارحام کی میراث کا مسئلہ نہیں پوچھا، جواب لکھنے کا ارادہ کر ہی لیا۔

پہلے یہ اُصول معلوم ہونا چاہئے کہ جب پہلی پشت کے بعد ذوی الارحام (بیٹی کی اولاد) ہوں تو امام ابو یوسفؒ تو آخری پشت کے افراد کو لے کر ان کو "لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْأُنْثَيَيْنِ" کے قاعدے سے تقسیم کر دیتے ہیں۔ اُوپر کی پشتوں کو دیکھنے کی ضرورت نہیں سمجھتے۔

مثلاً: آپ کے مسئلے میں چھٹی پشت میں آٹھ لڑکے ہیں، یعنی: ۱، ۳، ۵، ۶، ۷، ۹، ۱۱، ۱۳۔ اور سات لڑکیاں ہیں، یعنی: ۲، ۴، ۸، ۱۰، ۱۲، ۱۴، ۱۵۔

پس امام ابو یوسفؒ کے نزدیک یہ ترکہ کل ۲۳ حصوں پر تقسیم ہوگا، دو، دو حصے لڑکوں کو اور ایک ایک حصہ لڑکیوں کو دے دیا جائے گا۔

اور امام محمدؒ سب سے پہلی پشت سے جس میں اختلاف ہوا ہو (یعنی اس پشت میں لڑکے اور لڑکیاں دونوں موجود ہوں) "لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْأُنْثَيَيْنِ" (یعنی لڑکے کا حصہ دو لڑکیوں کے حصے کے برابر) کے قاعدے سے تقسیم کرتے ہیں۔

دُوسرا قاعدہ ان کے یہاں یہ ہے کہ جہاں لڑکے اور لڑکیاں موجود ہوں، وہاں لڑکوں اور لڑکیوں کا حصہ الگ کر دیتے ہیں، اور اس قاعدے کو ہر پشت میں جاری کرتے ہیں۔

تیسرا قاعدہ ان کا یہ ہے کہ اُوپر سے تقسیم کرتے وقت ہر لڑکے اور لڑکی کو ان کے فروع کے لحاظ سے متعدد قرار دیتے ہیں۔

اب ان قواعد کی روشنی میں اپنے مسئلے پر غور کیجئے، اس میں پہلی پشت سے جو اختلاف شروع ہوا تو آخری پشت تک چلا گیا، اس لئے یہاں تقسیم پہلی پشت سے شروع کی جائے گی:

پہلی پشت میں چار بیٹے اور چار بیٹیاں ہیں، لیکن پہلے بیٹے کے نیچے چار فروع ہیں، لہٰذا وہ چار کے قائم مقام ہوگا، اور تیسرے بیٹے کے نیچے دو فروع ہیں، لہٰذا وہ دو بیٹوں کے قائم مقام ہوگا۔ اس لئے لڑکے حکماً چار کے بجائے آٹھ ہوگئے، اور ہر لڑکیوں میں دُوسری لڑکی کے نیچے دو فروع اور چوتھی کے نیچے تین فروع ہیں، ادھر اس لئے چار لڑکیاں حکماً سات لڑکیوں کے قائم مقام ہوئیں، چونکہ آٹھ لڑکے ۱۶ لڑکیوں کے قائم مقام ہیں اس لئے ۲۳ سے مسئلہ نکلے گا، ۱۶ حصے لڑکوں کے اور ۷ حصے لڑکیوں کے۔

دُوسری پشت میں تقسیم کرتے ہوئے ہم نے لڑکوں اور لڑکیوں کے حصے الگ کردیئے، لڑکوں کے نیچے اس پشت میں تین لڑکے اور ایک لڑکی ہے، لیکن پہلا لڑکا چار کے قائم مقام ہے اور تیسرا دو کے قائم مقام، لہٰذا حکماً سات لڑکے اور ایک لڑکی ہوئی، اور

ان کے حصے ۱۵ بنے، ان کے پاس سولہ حصے تھے جو ان پر تقسیم نہیں ہوتے، اور ان کے رؤس اور حصص کے درمیان تباین ہے، لہٰذا اصل مسئلہ کو ۱۵ سے ضرب دینے کی ضرورت ہوگی۔ اِدھر لڑکیوں کے خانے میں ایک لڑکا اور تین لڑکیاں ہیں، لیکن پہلی لڑکی دو لڑکیوں کے قائم مقام ہے، اور تیسری لڑکی تین لڑکیوں کے قائم مقام ہے، گویا حکماً چھ لڑکیاں ہوئیں، اور لڑکے کا حصہ دو لڑکیوں کے برابر ہوتا ہے، لہٰذا ان کا مسئلہ آٹھ سے نکلا، جبکہ ان کے پاس ۷ حصے تھے جو ان پر تقسیم نہیں ہوتے، اور ان کے درمیان اور رؤس کے درمیان تباین ہے۔ لہٰذا لڑکوں کے فریق کے رؤس کو (جو ۱۵ تھے) پہلے لڑکیوں کے فریق کے رؤس سے (جو ۸ ہیں) ضرب دیں گے، حاصلِ ضرب ۱۲۰ نکلا، پھر ۱۲۰ کو اصل یعنی ۲۳ سے ضرب دیں گے، یہ ۲۷۶۰ ہوئے، اب لڑکوں کے حصوں (۱۶) کو ۱۲۰ سے ضرب دی تو ۱۹۲۰ لڑکوں کے فریق کا حصہ نکل آیا، اور وہ پندرہ پر تقسیم کیا تو لڑکی کا حصہ ۱۲۸ اور لڑکوں کا ۱۷۹۲ ہوا۔ اِدھر لڑکیوں کے ۷ حصوں کو ۱۲۰ سے ضرب دیں تو ۸۴۰ ان کا حصہ نکل آیا، اسے آٹھ پر تقسیم کیا تو بیٹے کا حصہ ۲۱۰ اور بیٹیوں کا ۶۳۰ ہوا۔

تیسری پشت میں دُوسری پشت کے لڑکوں اور لڑکیوں کو پھر الگ خانوں میں بانٹ دیا۔ چنانچہ فریقِ اوّل میں سات لڑکے الگ اور ایک لڑکی الگ کردی گئی، اور اس لڑکی کے نیچے چھٹی پشت تک کوئی اختلاف نہیں، اس لئے اس کا حصہ آخری پشت کو منتقل کردیا گیا۔ اسی طرح فریقِ دوم میں بیٹے کو الگ اور چھ بیٹیوں کو الگ کردیا گیا، اور چونکہ بیٹے کے نیچے آخر تک کوئی اختلاف نہیں۔ اس لئے اس کا حصہ اس کے چھٹی پشت کے وارث کو دے دیا گیا۔ اب فریقِ اوّل میں تین بیٹوں کے نیچے ایک بیٹی ہے جو چار کے قائم مقام ہے اور ایک بیٹا ہے جو دو بیٹیوں کے قائم مقام ہے اور ایک بیٹی تنہا ہے، لہٰذا ان کا مسئلہ ۹ سے نکلا، مگر ان کے حصے ۱۷۹۲ نو پر تقسیم نہیں ہوتے، اس لئے اصل مسئلہ کو ۹ سے ضرب دی، حاصلِ ضرب ۲۴۸۴۰ ہوا، پھر فریقِ اوّل کے حصہ ۱۷۹۲ کو ۹ سے ضرب دی تو ۱۶۱۲۸ ہوئے، ان میں سے بیٹے کا حصہ (جو دو بیٹوں یعنی کہ چار لڑکیوں کے برابر تھے) ۷۱۶۸ نکلا، اور پانچ بیٹیوں کا حصہ ۸۹۶۰ نکلا۔ اِدھر فریقِ دوم کے پاس ۶۳۰ حصے تھے، ان کو ۹ سے ضرب دی تو ان کے حصے ۵۶۷۰ بن گئے، اس فریق کے رؤس ۷ ہیں۔ پانچ بیٹیاں اور ایک بیٹا، جب ۵۶۷۰ کو ۷ پر تقسیم کیا تو بیٹے کا حصہ ۱۶۲۰ ہوا اور ۵ بیٹیوں کا حصہ ۴۰۵۰ ہوا، اب دونوں فریقوں کے بیٹوں کا حصہ الگ اور بیٹیوں کا حصہ جدا کردیا گیا۔

چوتھی پشت میں فریقِ اوّل کی بیٹیوں کے نیچے چار وارث ہیں۔ بیٹا، بیٹی (جو دو کے قائم مقام ہے) بیٹی، بیٹی، ان کا مسئلہ چھ سے نکلا۔ جبکہ ان کے حاصل شدہ حصے ۸۹۶۰ چھ پر تقسیم نہیں ہوتے، لہٰذا اصل مسئلہ کو چھ سے ضرب دینے کی ضرورت ہوگی۔ اِدھر فریقِ دوم میں ایک بیٹا دو بیٹیوں کے قائم مقام ہے، اور ایک بیٹی تین بیٹیوں کے قائم مقام ہے، لہٰذا ان کا مسئلہ ۷ سے نکلا، اور ان کے حصے ۴۰۵۰ سات پر تقسیم نہیں ہوتے، لہٰذا سات کو بھی اصل مسئلہ سے ضرب دینے کی ضرورت ہوگی۔ پہلے فریق

اوّل کے رؤس "۶" کو فریقِ دوم کے رؤس "۷" سے ضرب دی، حاصلِ ضرب ۴۲ نکلا، پھر اس حاصلِ ضرب کو اصل مسئلہ ۲۴۸۴۰ سے ضرب دی تو حاصلِ ضرب ۱۰۴۳۲۸۰ نکلا، اسی سے پوری تقسیم ہوگی، فریقِ اوّل ۸۹۶۰ حصوں کو ۴۲ سے ضرب کیا تو ۳۷۶۳۲۰ ہوئے، ان کو چھ پر تقسیم کیا تو لڑکے کا حصہ ۱۲۵۴۴۰ نکل آیا، اور چار لڑکیوں کا ۲۵۰۸۸۰ نکلا۔ ادھر فریقِ دوم کے ۴۰۵۰ حصوں کو ۴۲ سے ضرب دی تو ۱۷۰۱۰۰ ہوئے۔ ان کو سات پر تقسیم کیا تو بیٹے کا (جو دو بیٹیوں کے قائم مقام ہے)، حصہ ۹۷۲۰۰ نکلا، اور بیٹی کا، جو تین بیٹیوں کی جگہ ہے، حصہ ۷۲۹۰۰ ہوا۔ اب ہم نے دونوں فریقوں کے بیٹے اور بیٹیوں کو پھر الگ الگ کر دیا۔

پانچویں پشت میں فریقِ اوّل میں تین لڑکوں کے نیچے تین وارث ہیں، ایک بیٹا جو دو کے قائم مقام ہے، ایک بیٹی، اور ایک بیٹا، ان کا مسئلہ ۷ سے نکلا، ان کے حاصل شدہ حصوں ۲۵۰۸۸۰ کو سات پر تقسیم کیا تو بیٹی کا حصہ ۳۵۸۴۰ نکل آیا، اور تین بیٹوں کا حصہ ۲۱۵۰۴۰ ہوا، اور فریقِ دوم میں بیٹے کے نیچے بیٹا اور بیٹی کے نیچے بیٹی ہے۔ اس لئے ان کا حصہ بلا کم و کاست دونوں کے نیچے کے وارثوں کو منتقل کر دیا۔

چھٹی پشت میں نمبر ۱ اپنے دادا کا تنہا وارث ہے، اس لئے اس کے حصے ۱۲۵۴۴۰ اس کو منتقل کر دیئے۔ نمبر ۲، نمبر ۳ اور نمبر ۵ کو دو لڑکوں کی وراثت ملی، جو تین کے برابر ہیں، اور ان کے حصے ۲۱۵۰۴۰ "لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْأُنْثَيَيْنِ" کے اُصول سے ان کو دیئے گئے تو نمبر ۲ کا حصہ ۴۳۰۰۸، نمبر ۳ کا ۸۶۰۱۶، اور نمبر ۵ کا ۸۶۰۱۶ نکلا، نمبر ۴ اپنی والدہ کی تنہا وارث ہے، لہٰذا اس کا حصہ ۳۵۸۴۰ اس کو ملا، نمبر ۶ اور نمبر ۷ اپنے پرنانا کے وارث ہیں، اس کا حصہ ۳۰۱۰۵۶ دونوں کو برابر دیا گیا تو ہر ایک کا حصہ ۱۵۰۵۲۸ ہوا۔ نمبر ۸ والی لڑکی اپنی دادی کی دادی کی تنہا وارث ہے، اس لئے اس کا حصہ ۱۴۸۳۸۴ اس کو ملا۔ نمبر ۹ اپنے نانا کے نانا کا تنہا وارث ہے، لہٰذا اس کا حصہ ۷۹۳۸۰ اس کو ملا۔ نمبر ۱۰ اور نمبر ۱۱ پر ان کے دادا کے ۹۷۲۰۰ حصے "لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْأُنْثَيَيْنِ" کے قاعدے سے تقسیم کئے گئے تو نمبر ۱۰ کا حصہ ۳۲۴۰۰ اور نمبر ۱۱ کا ۶۴۸۰۰ ہوا۔ نمبر ۱۲ اپنی والدہ کے دادا کی تنہا وارث ہے، اس کا حصہ ۶۸۰۴۰ اس کو مل گیا۔ نمبر ۱۳، نمبر ۱۴ اور نمبر ۱۵ اپنی نانی کے تین وارث ہیں۔ اس کا حصہ ۷۲۹۰۰ "لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْأُنْثَيَيْنِ" کے قاعدے سے ان پر تقسیم ہوا تو نمبر ۱۳ کو ۳۶۴۵۰، نمبر ۱۴ کو ۱۸۲۲۵ اور نمبر ۱۵ کو بھی ۱۸۲۲۵ ملے۔ ایک الگ کاغذ پر تقسیم کا نقشہ بھی لکھ کر بھیج رہا ہوں، کیونکہ آپ نے سوال کے خانے چھوٹے رکھے ہیں جن میں حصوں کا اندراج مشکل ہے۔

۱۰۴۳۲۸۰ = ۴۲ × ۲۴۸۴۰ = ۹ × ۲۷۶۰ = ۱۲۰ × ۲۳

	۱	۲	۳	۴	۵	۶	۷	۸	۹	۱۰	۱۱	۱۲	۱۳	۱۴	۱۵
۱	بیٹا ۱۵				بیٹا ۱۶ — ۱۶ × ۱۲۰ = ۱۹۲۰ ÷ ۱۵ = ۱۲۸	بیٹا		بیٹا	بیٹی	بیٹی		بیٹی	بیٹی — ۷ × ۱۲۰ = ۸۴۰ ÷ ۸ = ۱۰۵		
۲	بیٹا ۹				بیٹا ۱۷۹۲ — ۱۷۹۲ × ۹ = ۱۶۱۲۸	بیٹا			بیٹا — ۱۲۸ × ۹ = ۱۱۵۲ × ۴۲ = ۴۸۳۸۴ — ۲۱۰ × ۹ = ۱۸۹۰ × ۴۲ = ۷۹۳۸۰	بیٹی ۷		بیٹی ۶۳۰	بیٹی — ۶۳۰ × ۹ = ۵۶۷۰ ÷ ۷ = ۸۱۰		
۳	بیٹی ۶	۸۹۶۰ × ۴۲ = ۳۷۶۳۲۰ ÷ ۶ = ۶۲۷۲۰	۸۹۶۰		بیٹی — ۷۱۶۸ × ۴۲ = ۳۰۱۰۵۶	بیٹا		بیٹا	بیٹی	بیٹی	۱۶۲۰ × ۴۲ = ۶۸۰۴۰	بیٹا	بیٹی ۴۰۵۰ — ۴۰۵۰ × ۴۲ = ۱۷۰۱۰۰ ÷ ۷ = ۲۴۳۰۰		
۴	بیٹا ۱۲۵۴۴۰	بیٹی ۷	۲۵۰۸۸۰	بیٹی — ۲۵۰۸۸۰ ÷ ۷ = ۳۵۸۴۰	بیٹی	بیٹی		بیٹی	بیٹا	بیٹا ۹۷۲۰۰		بیٹا	بیٹی ۷۲۹۰		
۵	بیٹا	بیٹا ۵	۲۱۵۰۴۰	بیٹی ۳۵۸۴۰	بیٹا	بیٹی		بیٹا	بیٹی	بیٹا		بیٹی	بیٹی		
۶	بیٹا ۱۲۵۴۴۰	بیٹی ۴۳۰۰۸	بیٹا ۸۶۰۱۶	بیٹی ۳۵۸۴۰	بیٹا ۸۶۰۱۶	بیٹا ۱۵۰۵۲۸	بیٹا ۱۵۰۵۲۸	بیٹی ۴۸۳۸۴	بیٹا ۷۹۳۸۰	بیٹی ۴۳۲۰۰	بیٹا ۶۴۸۰۰	بیٹی ۶۸۰۴۰	بیٹا ۳۶۴۵۰	بیٹی ۱۸۲۲۵	بیٹی ۱۸۲۲۵
	۱	۲	۳	۴	۵	۶	۷	۸	۹	۱۰	۱۱	۱۲	۱۳	۱۴	۱۵

جہاد اور شہید کے اَحکام

اسلام میں شہادت فی سبیل اللہ کا مقام

سوال:... اسلام میں جہاد اور شہادت کا کیا مرتبہ اور مقام ہے؟ ہمارے ہاں آج کل یہ عنوان موضوعِ بحث ہے، تفصیل سے آگاہ فرمادیں۔

جواب:... اس عنوان پر نئی تحریر کے بجائے مناسب ہوگا کہ حضرت مولانا محمد یوسف بنوریؒ کے اس مقالے کا ترجمہ پیش کیا جائے جو راقم الحروف نے آج سے کئی سال قبل کیا تھا۔ حضرت بنوریؒ اَواخرِ مارچ ۱۹۷۱ء میں "مجمع البحوث الإسلامية مصر" کی چھٹی کانفرنس میں شرکت کے لئے قاہرہ تشریف لے گئے تھے، تقریباً تیس بتیس عنوانات میں سے مذکورہ بالا عنوان پر مقالہ لکھا اور پڑھا، جس کا اُردو ترجمہ یہ ہے:

الحمد لله رب العالمين والعاقبة للمتقين، ولا عدوان إلّا على الظالمين، والصلٰوة والسلام على سيد الأنبياء والمرسلين وخاتم النبيين محمد وعلٰى آله وصحبه وتابعيهم أجمعين، اما بعد!

حضرات! اسلام میں شہادت فی سبیل اللہ کو وہ مقام حاصل ہے کہ (نبوّت وصدیقیت کے بعد) کوئی بڑے سے بڑا عمل بھی اس کی گرد کو نہیں پاسکتا۔ اسلام کے مثالی دور میں اسلام اور مسلمانوں کو جو ترقی نصیب ہوئی وہ ان شہداء کی جاں نثاری وجانبازی کا فیض تھا، جنھوں نے اللہ رَبّ العزّت کی خوشنودی اور کلمۂ اسلام کی سربلندی کے لئے اپنے خون سے اسلام کے سدابہار چمن کو سیراب کیا۔ شہادت سے ایک ایسی پائیدار زندگی نصیب ہوتی ہے، جس کا نقش دوام جریدۂ عالم پر ثبت رہتا ہے، جسے صدیوں کا گرد وغبار بھی نہیں دُھندلا سکتا، اور جس کے نتائج وثمرات انسانی معاشرے میں رہتی دُنیا تک قائم ودائم رہتے ہیں۔ کتاب اللہ کی آیات اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث میں شہادت اور شہید کے اس قدر فضائل بیان ہوئے ہیں کہ عقل حیران رہ جاتی ہے اور شک وشبہ کی ادنیٰ گنجائش باقی نہیں رہتی۔

حق تعالیٰ کا ارشاد ہے:

"إِنَّ اللهَ اشْتَرٰى مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ أَنْفُسَهُمْ وَأَمْوَالَهُمْ بِأَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ، يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللهِ فَيَقْتُلُوْنَ وَيُقْتَلُوْنَ، وَعْدًا عَلَيْهِ حَقًّا فِي التَّوْرٰةِ وَالْإِنْجِيْلِ وَالْقُرْاٰنِ، وَمَنْ أَوْفٰى بِعَهْدِهٖ مِنَ اللهِ،

فَاسْتَبْشِرُوْا بِبَیْعِکُمُ الَّذِیْ بَایَعْتُمْ بِہٖ، وَذٰلِکَ ھُوَ الْفَوْزُ الْعَظِیْمُ۔" (التوبہ:۱۱۱)

ترجمہ:... "بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کی جانوں کو اور ان کے مالوں کو اس بات کے عوض میں خرید لیا ہے کہ ان کو جنت ملے گی، وہ لوگ اللہ تعالیٰ کی راہ میں لڑتے ہیں، جس میں قتل کرتے ہیں اور قتل کئے جاتے ہیں، اس پر سچا وعدہ کیا گیا ہے توراۃ میں اور اِنجیل میں اور قرآن میں، اور اللہ سے زیادہ اپنے عہد کو کون پورا کرنے والا ہے؟ تم لوگ اپنی اس بیع پر جس کا معاملہ تم نے ٹھہرایا ہے، خوشی مناؤ، اور یہ ہی بڑی کامیابی ہے۔"

سبحان اللہ! شہادت اور جہاد کی اس سے بہتر ترغیب ہوسکتی ہے؟ اللہ رَبّ العزّت خود بنفسِ نفیس بندوں کی جان و مال کا خریدار ہے، جن کا وہ خود مالک ورزّاق ہے، اور اس کی قیمت کتنی اُونچی اور کتنی گراں رکھی گئی؟ جنت...! پھر فرمایا گیا کہ یہ سودا کچا نہیں کہ اس میں فسخ کا احتمال ہو، بلکہ اتنا پکا اور قطعی ہے کہ توراۃ و انجیل اور قرآن، تمام آسمانی صحیفوں اور خدائی دستاویزوں میں یہ عہد و پیان درج ہے، اور اس پر تمام انبیاء و رُسل اور ان کی عظیم الشان اُمتوں کی گواہی ثبت ہے، پھر اس مضمون کو مزید پختہ کرنے کے لئے کہ خدائی وعدوں میں وعدہ خلافی کا کوئی احتمال نہیں، فرمایا گیا ہے: "وَمَنْ اَوْفٰی بِعَھْدِہٖ مِنَ اللہِ" یعنی اللہ تعالیٰ سے بڑھ کر اپنے وعدہ اور عہد و پیان کی لاج رکھنے والا کون ہوسکتا ہے؟ کیا مخلوق میں کوئی ایسا ہے جو خالق کے ایفائے عہد کی ریس کرسکے؟ نہیں! ہرگز نہیں...! مرتبہ شہادت کی بلندی اور شہید کی فضیلت و منقبت کے سلسلے میں قرآن مجید کی یہی ایک آیت کافی ووافی ہے۔ امام طبریؒ، عبد بن حمید اور ابنِ ابی حاتم نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو لوگوں نے مسجد میں "اللہ اکبر" کا نعرہ لگایا اور ایک انصاری صحابی بول اُٹھے: "واہ واہ! کیسی عمدہ بیع اور کیسا سودمند سودا ہے، واللہ! ہم اسے کبھی فسخ نہیں کریں گے، نہ فسخ ہونے دیں گے۔"[1]

نیز حق تعالیٰ کا ارشاد ہے:

"وَمَنْ یُّطِعِ اللہَ وَالرَّسُوْلَ فَاُولٰٓئِکَ مَعَ الَّذِیْنَ اَنْعَمَ اللہُ عَلَیْھِمْ مِّنَ النَّبِیّٖنَ وَالصِّدِّیْقِیْنَ وَالشُّھَدَآءِ وَالصّٰلِحِیْنَ وَحَسُنَ اُولٰٓئِکَ رَفِیْقًا۔" (النساء:۶۹)

ترجمہ:... "اور جو شخص اللہ اور رسول کا کہنا مان لے گا تو ایسے اشخاص بھی ان حضرات کے ساتھ ہوں گے جن پر اللہ تعالیٰ نے اِنعام فرمایا ہے، یعنی انبیاء اور صدیقین اور شہداء اور صلحاء اور یہ حضرات بہت اچھے رفیق ہیں۔"

---

(۱) وأخرج ابن أبی حاتم وابن مردویہ عن جابر بن عبداللہ قال: نزلت ھذہ الآیۃ علٰی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وھو فی المسجد ان اللہ اشتری من المؤمنین أنفسھم الآیۃ فکبّر الناس فی المسجد فأقبل رجل من الأنصار ثانیا طرفی ردائہ علٰی عاتقہ فقال. یا رسول اللہ! أنزلت ھذہ الآیۃ؟ قال: نعم! فقال الأنصاری: بیع ربیح لَا نقیل ولَا نستقیل۔ (تفسیر الدر المنثور ج.۳ ص ۲۸۰، طبع إیران، سورۃ التوبۃ: ۱۱۱، أیضًا: تفسیر روح المعانی ج: ۱۱ ص: ۲۶، طبع إحیاء التراث العربی).

اس آیت کریمہ میں راہِ خدا کے جانباز شہیدوں کو انبیاء و صدیقین کے بعد تیسرا مرتبہ عطا کیا گیا ہے، نیز حق تعالیٰ کا ارشاد ہے:

"وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ يُّقْتَلُ فِيْ سَبِيْلِ اللهِ اَمْوَاتٌ بَلْ اَحْيَآءٌ وَّلٰكِنْ لَّا تَشْعُرُوْنَ۔"

(البقرۃ:۱۵۴)

ترجمہ:... "اور جو لوگ اللہ تعالیٰ کی راہ میں قتل کردیئے جائیں ان کو مردہ مت کہو، بلکہ وہ زندہ ہیں، مگر تم کو احساس نہیں۔"

نیز حق تعالیٰ کا ارشاد ہے:

"وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللهِ اَمْوَاتًا بَلْ اَحْيَآءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُوْنَ۔ فَرِحِيْنَ بِمَآ اٰتٰهُمُ اللهُ مِنْ فَضْلِهٖ وَيَسْتَبْشِرُوْنَ بِالَّذِيْنَ لَمْ يَلْحَقُوْا بِهِمْ مِّنْ خَلْفِهِمْ اَلَّا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ۔ يَسْتَبْشِرُوْنَ بِنِعْمَةٍ مِّنَ اللهِ وَفَضْلٍ وَّاَنَّ اللهَ لَا يُضِيْعُ اَجْرَ الْمُؤْمِنِيْنَ"

(آل عمران:۱۶۹-۱۷۱)

ترجمہ:... "اور جو لوگ اللہ کی راہ میں قتل کردیئے گئے ان کو مردہ مت خیال کرو، بلکہ وہ لوگ زندہ ہیں، اپنے پروردگار کے مقرّب ہیں، ان کو رزق بھی ملتا ہے، وہ خوش ہیں اس چیز سے جو ان کو اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے عطا فرمائی اور جو لوگ ان کے پاس نہیں پہنچے، ان سے پیچھے رہ گئے ہیں ان کی بھی اس حالت پر خوش ہوتے ہیں کہ ان پر کسی طرح کا خوف واقع ہونے والا نہیں، نہ وہ مغموم ہوں گے، وہ خوش ہوتے ہیں بوجہ نعمت و فضل خداوندی کے اور بوجہ اس کے کہ اللہ تعالیٰ اہلِ ایمان کا اجر ضائع نہیں فرماتے۔" (ترجمہ حکیم الامت تھانویؒ)

ان دونوں آیتوں میں اعلان فرمایا گیا کہ شہداء کی موت کو عام مسلمانوں کی سی موت سمجھنا غلط ہے، شہید مرتے نہیں بلکہ مرکر جیتے ہیں، شہادت کے بعد انہیں ایک خاص نوعیت کی "برزخی حیات" سے مشرف کیا جاتا ہے:

کشتگانِ خنجرِ تسلیم را
ہر زماں از غیب جانے دیگر است

یہ شہیدانِ راہِ خدا، بارگاہِ الٰہی میں اپنی جان کا نذرانہ پیش کرتے ہیں اور اس کے صلے میں حق جل شانہ کی طرف سے ان کی عزّت و تکریم اور قدر و منزلت کا اظہار اس طرح ہوتا ہے کہ ان کی رُوحوں کو سبز پرندوں کی شکل میں سواریاں عطا کی جاتی ہیں، عرشِ الٰہی سے معلق قندیلیں ان کی قرارگاہ پاتی ہیں اور انہیں اِذنِ عام ہوتا ہے کہ جنت میں جہاں چاہیں جائیں، جہاں چاہیں سیر و تفریح کریں اور جنت کی جس نعمت سے چاہیں لطف اندوز ہوں۔[1] شہید اور شہادت کی فضیلت میں بڑی کثرت سے احادیث وارد ہوئی ہیں، اس

---

(۱) أرواحهم في جوف طير خضر لها قناديل معلقة بالعرش تسرح من الجنة حيث شاءت، ثم تأوي إلى تلك القناديل. (مسلم ج.۲ ص.۱۳۵، باب في بيان أن أرواح الشهداء في الجنة، وأنهم أحياء عند ربهم).

سمندر کے چند قطرے یہاں پیشِ خدمت ہیں۔

حدیث نمبر ۱:... حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"لو لَا ان اشق علٰی اُمّتی، ما قعدت خلف سریّة، ولوددت انی اُقتل ثم اُحییٰ ثم اُقتل ثم اُحییٰ ثم اُقتل۔"

(اخرجه البخاری فی عدة ابواب من کتاب الإیمان والجهاد وغیرها فی حدیث طویل، ج:۱ ص:۱۰)

ترجمہ:... "اگر یہ خطرہ نہ ہوتا کہ میری اُمت کو مشقت لاحق ہوگی تو میں کسی مجاہد دستے سے پیچھے نہ رہتا، اور میری دِلی آرزو یہ ہے کہ میں راہِ خدا میں قتل کیا جاؤں پھر زندہ کیا جاؤں، پھر قتل کیا جاؤں پھر زندہ کیا جاؤں اور پھر قتل کیا جاؤں۔"

غور فرمائیے! نبوّت اور پھر ختمِ نبوّت وہ بلند و بالا منصب ہے کہ عقل و فہم اور وہم و خیال کی پرواز بھی اس کی رفعت و بلندی کی حدوں کو نہیں چھوسکتی، اور یہ انسانی شرف و مجد کا وہ آخری نقطۂ عروج ہے اور غایۃ الغایات ہے جس سے اُوپر کسی مرتبے و منزلت کا تصوّر تک نہیں کیا جاسکتا، لیکن اللہ رے مرتبۂ شہادت کی بلندی و برتری! کہ حضرت ختمی مآب صلی اللہ علیہ وسلم نہ صرف مرتبۂ شہادت کی تمنا رکھتے ہیں، بلکہ بار بار دُنیا میں تشریف لانے اور ہر بار محبوبِ حقیقی کی خاطر خاک و خون میں لوٹنے کی خواہش کرتے ہیں:

بنا کردند خوش رسمے بخاک و خوں غلطیدن

خدا رحمت کند ایں عاشقانِ پاک طینت را

صرف اسی ایک حدیث سے معلوم کیا جاسکتا ہے کہ مرتبۂ شہادت کس قدر اعلیٰ و ارفع ہے۔

حدیث نمبر ۲:... حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"ما من احد یدخل الجنة یحب ان یرجع الی الدنیا وله ما فی الأرض من شیء إلّا الشهید یتمنی ان یرجع الی الدنیا فیقتل عشر مرات لما یری من الکرامة۔"[۱]

(اخرجه البخاری فی باب تمنی المجاهد ان یرجع الی الدنیا، ومسلم)

ترجمہ:... "کوئی شخص جو جنت میں داخل ہوجائے، یہ نہیں چاہتا کہ وہ دُنیا میں واپس جائے اور اسے زمین کی کوئی بڑی سے بڑی نعمت مل جائے، البتہ شہید یہ تمنا ضرور رکھتا ہے کہ وہ دس مرتبہ دُنیا میں جائے پھر راہِ خدا میں شہید ہوجائے، کیونکہ وہ شہادت پر ملنے والے انعامات اور نوازشوں کو دیکھتا ہے۔"

حدیث نمبر ۳:... حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"(میں بعض دفعہ جہاد کے لئے اس وجہ سے نہیں جاتا کہ) بعض (نادار اور) مخلص مسلمانوں کا جی اس بات پر راضی نہیں کہ (میں تو جہاد کے لئے جاؤں اور) وہ مجھ سے پیچھے بیٹھ جائیں (مگر ان کے پاس جہاد

(۱) بخاری ج:۱ ص:۳۹۵، طبع نور محمد، مسلم ج:۱ ص:۱۳۴، باب فضل الشهادة فی سبیل الله۔

کے لئے سواری اور سامان نہیں) اور میرے پاس (بھی) سواری نہیں کہ ان کو جہاد کے لئے تیار کرسکوں، اگر یہ عذر نہ ہوتا تو اس ذات کی قسم جس کے قبضے میں میری جان ہے! میں کسی مجاہد دستے سے، جو جہاد فی سبیل اللہ کے لئے جائے، پیچھے نہ رہا کروں۔ اور اس ذات کی قسم جس کے قبضے میں میری جان ہے! میری تمنا یہ ہے کہ میں راہِ خدا میں قتل کیا جاؤں پھر زندہ کیا جاؤں، پھر قتل کیا جاؤں پھر زندہ کیا جاؤں، پھر قتل کیا جاؤں۔"[1] (بخاری و مسلم)

حدیث نمبر ۴:... حضرت عبداللہ بن ابی اوفی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"واعلموا ان الجنة تحت ظلال السیوف" (بخاری)[2]

ترجمہ:... "جان لو! کہ جنت تلواروں کے سائے میں ہے۔"

حدیث نمبر ۵:... حضرت مسروق تابعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ: ہم نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے اس آیت کی تفسیر دریافت کی:

"وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِیْنَ قُتِلُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللهِ اَمْوَاتًا، بَلْ اَحْیَآءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ یُرْزَقُوْنَ"

(آل عمران:۱۶۹)

ترجمہ:... "اور جو لوگ راہِ خدا میں قتل کردیئے گئے ان کو مردہ مت خیال کرو، بلکہ وہ زندہ ہیں، اپنے پروردگار کے مقرّب ہیں، ان کو رزق بھی ملتا ہے۔"

تو انہوں نے ارشاد فرمایا کہ: ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کی تفسیر دریافت کی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"ارواحهم فی جوف طیر خضر لها قنادیل معلقة بالعرش تسرح من الجنة حیث شاءت ثم تأوی الی تلک القنادیل فاطلع الیهم ربهم اطلاعةً فقال: هل تشتهون شیئًا؟ قالوا: ایّ شیءٍ نشتهی ونحن نسرح من الجنة حیث شئنا؟ ففعل ذٰلک بهم ثلاث مرّات، فلما رأوا انّهم لن یترکوا من ان یسألوا، قالوا: یا ربّ! نرید ان ترد ارواحنا فی اجسادنا حتّٰی نقتل فی سبیلک، فلمّا رأی ان لیس لهم حاجة ترکوا."[3] (رواہ مسلم)

ترجمہ:... "شہیدوں کی رُوحیں سبز پرندوں کے جوف میں سواری کرتی ہیں، ان کی قرارگاہ وہ قندیلیں ہیں جو عرشِ الٰہی سے آویزاں ہیں، وہ جنت میں جہاں چاہیں سیر و تفریح کرتی ہیں، پھر لوٹ کر انہی قندیلوں میں

---

(۱) ان أبا هریرة قال. سمعت النبی صلی الله علیه وسلم یقول: والذی نفسی بیده! لو لا أن رجالًا من المؤمنین لا تطیب أنفسهم أن یتخلفوا عنی ولا أجد ما أحملهم علیه ما تخلفت عن سریة تغزو فی سبیل الله، والذی نفسی بیده! لوددت أنّی أقتل فی سبیل الله ثم أحیٰی، ثم أقتل، ثم أحیٰی، ثم أقتل، ثم أحیٰی، ثم أقتل۔ (بخاری ج:۱ ص:۳۹۲، کتاب الجهاد، باب تمنی الشهادة، طبع نور محمد کتب خانه کراچی)۔

(۲) بخاری ج:۱ ص:۳۹۵، (طبع أیضًا)۔

(۳) مسلم شریف ج:۲ ص:۱۳۵، باب فی بیان أنّ أرواح الشهداء فی الجنّة وانهم أحیاء عند ربهم یرزقون (طبع أیضًا)۔

قرار پکڑتی ہیں، ایک بار ان کے پروردگار نے ان سے بالمشافہ خطاب کرتے ہوئے فرمایا: کیا تم کسی چیز کی خواہش رکھتے ہو؟ عرض کیا: ساری جنت ہمارے لئے مباح کردی گئی ہے، ہم جہاں چاہیں آئیں جائیں، اس کے بعد اب کیا خواہش باقی رہ سکتی ہے؟ حق تعالیٰ نے تین بار اصرار فرمایا (کہ اپنی کوئی چاہت ہو تو ضرور بیان کرو)، جب انہوں نے دیکھا کہ کوئی نہ کوئی خواہش عرض کرنی ہی پڑے گی تو عرض کیا: اے پروردگار! ہم یہ چاہتے ہیں کہ ہماری رُوحیں ہمارے جسموں میں دوبارہ لوٹادی جائیں، تاکہ ہم تیرے راستے میں ایک بار پھر جامِ شہادت نوش کریں۔ اللہ تعالیٰ کا مقصد یہ ظاہر کرنا تھا کہ اب ان کی کوئی خواہش باقی نہیں، چنانچہ جب یہ ظاہر ہوگیا تو ان کو چھوڑ دیا گیا۔"

حدیث نمبر۶:... حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"لَا یکلم احد فی سبیل اللہ - واللہ اعلم بمن یکلم فی سبیلہ - الّا جاء یوم القیامۃ وجرحہ یثعب دمًا، اللون لون الدم والریح ریح المسک۔"[1] (رواہ البخاری ومسلم)

ترجمہ:... "جو شخص بھی اللہ کی راہ میں زخمی ہو... اور اللہ ہی جانتا ہے کہ کون اس کی راہ میں زخمی ہوتا ہے... وہ قیامت کے دن اس حالت میں آئے گا کہ اس کے زخم سے خون کا فوارہ بہ رہا ہوگا، رنگ خون کا اور خوشبو کستوری کی۔"

حدیث نمبر۷:... حضرت مقدام بن معدیکرب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"للشھید عند اللہ ست خصال: یغفر لہ فی اوّل دفعۃ ویری مقعدہ من الجنۃ ویجار من عذاب القبر ویأمن من الفزع الأکبر ویوضع علٰی رأسہ تاج الوقار، الیاقوتۃ منھا خیر من الدنیا وما فیھا، ویزوّج ثنتین وسبعین زوجۃً من الحور العین، ویشفع فی سبعین من اقربائہ۔"[2] **(رواہ الترمذی وابن ماجۃ ومثلہ عند احمد والطبرانی من حدیث عبادۃ بن الصامت)**

ترجمہ:... "اللہ تعالیٰ کے ہاں شہید کے لئے چھ انعام ہیں:

۱:... اوّل دہلہ میں اس کی بخشش ہوجاتی ہے۔

۲:... (موت کے وقت) جنت میں اپنا ٹھکانا دیکھ لیتا ہے۔

۳:... عذابِ قبر سے محفوظ اور قیامت کے فزعِ اکبر سے مامون ہوتا ہے۔

---

(۱) صحیح بخاری ج:۱ ص:۳۹۳، باب من یخرج فی سبیل اللہ، صحیح مسلم ج:۲ ص:۱۲۳ باب فضل الجھاد الخروج فی سبیل اللہ۔

(۲) ترمذی ج:۱ ص:۱۹۹، باب أی الناس أفضل۔ طبع کتب خانہ رشیدیہ دھلی۔

۴:... اس کے سر پر "وقار کا تاج" رکھا جاتا ہے، جس کا ایک نگینہ دُنیا اور دُنیا کی ساری چیزوں سے بہتر ہے۔

۵:... جنت کی بہتّر حوروں سے اس کا بیاہ ہوتا ہے۔

۶:... اور اس کے ستّر عزیزوں کے حق میں اس کی شفاعت قبول کی جاتی ہے۔"

حدیث نمبر ۸:... حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"الشهيد لَا يجد الم القتل كما يجد احدكم القرصة"

(رواه الترمذي والنسائي والدارمي)[۱]

ترجمہ:... "شہید کو قتل کی اتنی تکلیف بھی نہیں ہوتی جتنی کہ تم میں سے کسی کو چیونٹی کے کاٹنے سے تکلیف ہوتی ہے۔"

حدیث نمبر ۹:... حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"اذا وقف العباد للحساب، جاء قوم واضعي سيوفهم على رقابهم تقطر دمًا، فازدحموا على باب الجنة، فقيل: من هؤلَاء؟ قيل: الشهداء، كانوا احياء مرزوقين."[۲]

(رواه الطبراني)

ترجمہ:... "جبکہ لوگ حساب کتاب کے لئے کھڑے ہوں گے تو کچھ لوگ اپنی گردن پر تلواریں رکھے ہوئے آئیں گے جن سے خون ٹپک رہا ہوگا، یہ لوگ جنت کے دروازے پر جمع ہوجائیں گے، لوگ دریافت کریں گے کہ: یہ کون لوگ ہیں (جن کا حساب کتاب بھی نہیں ہوا، سیدھے جنت میں آگئے)؟ انہیں بتایا جائے گا کہ یہ شہید ہیں جو زندہ تھے، جنھیں رزق ملتا تھا۔"

حدیث نمبر ۱۰:... حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"ما من نفس تموت لها عند الله خير يسرها ان ترجع الى الدنيا إلّا الشهيد، فانّه يسره ان يرجع الى الدنيا فيقتل مرةً اخرىٰ لما يرىٰ من فضل الشهادة."[۳] (رواہ مسلم)

ترجمہ:... "جس شخص کے لئے اللہ کے ہاں خیر ہو جب وہ مرے تو کبھی دُنیا میں واپس آنا پسند نہیں کرتا، البتہ شہید اس سے مستثنیٰ ہے، کیونکہ اس کی بہترین خواہش یہ ہوتی ہے کہ اسے دُنیا میں واپس بھیجا جائے

---

(۱) ما يجد الشهيد من مس القتل إلّا كما يجد أحدكم من مس القرصة. أيضًا: مشكوة ص:۳۳۳ كتاب الجهاد، الفصل الثاني، طبع قديمي.

(۲) مجمع الزوائد ج:۵ ص:۳۸۳ باب ما جاء في الشهادة وفضلها، حديث رقم:۹۵۳۰، طبع دار المعرفة بيروت.

(۳) مسلم، باب فضل الشهادة في سبيل الله، ج:۲ ص:۱۳۴ طبع نور محمد كتب خانه.

تا کہ وہ ایک بار پھر شہید ہوجائے، اس لئے کہ وہ مرتبہ شہادت کی فضیلت دیکھ چکا ہے۔"

حدیث نمبر ۱۱:... ابنِ مندہؒ نے حضرت طلحہ بن عبیداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے:

"وہ کہتے ہیں کہ: اپنے مال کی دیکھ بھال کے لئے میں غابہ گیا، وہاں مجھے رات ہوگئی، میں عبداللہ بن عمرو بن حرام رضی اللہ عنہ (جو شہید ہوگئے تھے) کی قبر کے پاس لیٹ گیا، میں نے قبر سے ایسی قراءت سنی کہ اس سے اچھی قراءت کبھی نہیں سنی تھی، میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوکر اس کا تذکرہ کیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یہ قاری عبداللہ (شہید) تھے، تمہیں معلوم نہیں؟ اللہ تعالیٰ ان کی رُوحوں کو قبض کرکے زبرجد اور یاقوت کی قندیلوں میں رکھتے ہیں اور انہیں جنت کے درمیان (عرش پر) آویزاں کردیتے ہیں، رات کا وقت ہوتا ہے تو ان کی رُوحیں ان کے اجسام میں واپس کردی جاتی ہیں اور صبح ہوتی ہے تو پھر انہیں قندیلوں میں آجاتی ہیں۔"

یہ حدیث حضرت قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمہ اللہ نے تفسیر مظہری میں ذکر کی ہے، اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ وفات کے بعد بھی شہداء کے لئے طاعات کے درجات لکھے جاتے ہیں۔ (۱)

حدیث نمبر ۱۲:... حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

"جب حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے اُحد کے قریب سے نہر نکلوائی، تو وہاں سے شہدائے اُحد کو ہٹانے کی ضرورت ہوئی، ہم نے ان کو نکالا تو ان کے جسم بالکل تروتازہ تھے، محمد بن عمرو کے اساتذہ کہتے ہیں کہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کے والد ماجد حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کو (جو اُحد میں شہید ہوئے تھے) نکالا گیا تو ان کا ہاتھ زخم پر رکھا تھا، وہاں سے ہٹایا گیا تو خون کا فوارہ پھوٹ نکلا، زخم پر ہاتھ دوبارہ رکھا گیا تو خون بند ہوگیا۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: میں نے اپنے والد ماجد کو ان کی قبر میں دیکھا تو ایسا لگتا تھا کہ گویا سو رہے ہیں، جس چادر میں ان کو کفن دیا گیا تھا وہ جوں کی توں تھی، اور پاؤں پر جو گھاس رکھی گئی تھی وہ بھی بدستور اصل حالت میں تھی، اس وقت ان کو شہید ہوئے چھیالیس سال کا عرصہ ہوچکا تھا۔ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: اس واقعے کو کھلی آنکھوں دیکھ لینے کے بعد اب کسی کو انکار کی گنجائش نہیں کہ شہداء کی قبریں جب

---

(۱) روى ابن مندة عن طلحة بن عبدالله رضي الله عنه قال: أردت مالي بالغابة فادركني الليل فأويت إلى قبر عبدالله بن عمرو بن حرام فسمعت قراءة من القبر ما سمعت أحسن منها، فجئت إلى رسول الله صلى الله عليه وسلم فذكرت ذالك له، فقال: ذاك عبدالله ألم تعلم أن الله قبض أرواحهم فجعلها في قناديل من زبرجد وياقوت ثم علّقها وسط الجنّة فإذا كان الليل ردت إليهم أرواحهم فلا تزال كذالك حتّٰى إذا طلع الفجر ردت أرواحهم إلى مكانها التي كانت فيها، وعلى هذا القول يكتسب الشهيد الدرجات وثواب الطاعات بعد الموت أيضًا. (تفسير مظهري ج:۲ ص:۱۷۲، سورة آل عمران. ۱۶۹، ۱۷۱، طبع رشيديه كوئٹه).

کھودی جاتیں تو جونہی تھوڑی سی مٹی گرتی اس سے کستوری کی خوشبو مہکتی تھی۔“[1]

یہ واقعہ اِمام بیہقی رحمہ اللہ نے متعدّد سندوں سے اور ابنِ سعدؒ نے ذکر کیا ہے، جیسا کہ تفسیر مظہری میں نقل کیا ہے، مندرجہ بالا جواہرِ نبوّت کا خلاصہ مندرجہ ذیل اُمور ہیں:

اوّل:... شہادت ایسا اعلیٰ وارفع مرتبہ ہے کہ انبیائے کرام علیہم السلام بھی اس کی تمنا کرتے ہیں۔

دوم:... مرنے والے کو اگر موت کے بعد عزّت و کرامت اور راحت و سکون نصیب ہو تو دُنیا میں واپس آنے کی خواہش ہرگز نہیں کرتا، البتہ شہید کے سامنے جب شہادت کے فضائل و انعامات کھلتے ہیں تو اسے خواہش ہوتی ہے کہ بار بار دُنیا میں آئے اور جامِ شہادت نوش کرے۔

سوم:... حق تعالیٰ شہید کو ایک خاص نوعیت کی ”برزخی حیات“ عطا فرماتے ہیں، شہداء کی ارواح کو جنت میں پرواز کی قدرت ہوتی ہے اور نہیں اِذنِ عام ہے کہ جہاں چاہیں آئیں جائیں، ان کے لئے کوئی روک ٹوک نہیں، اور صبح و شام رزق سے بہرہ ور ہوتے ہیں۔

چہارم:... حق تعالیٰ نے جس طرح ان کو ”برزخی حیات“ سے ممتاز فرمایا ہے، اسی طرح ان کے اجسام بھی محفوظ رہتے ہیں، گویا ان کی ارواح کو جسمانی نوعیت اور ان کے اجسام کو رُوح کی خاصیت حاصل ہوتی ہے۔

پنجم:... موت سے شہید کے اعمال ختم نہیں ہوتے، نہ اس کی ترقیٔ درجات میں فرق آتا ہے، بلکہ موت کے بعد قیامت تک اس کے درجات برابر بلند ہوتے رہتے ہیں۔

ششم:... حق تعالیٰ، ارواحِ شہداء کو خصوصی مسکن عطا کرتے ہیں، جو یاقوت و زبرجد اور سونے کی قندیلوں کی شکل میں عرشِ اعظم سے آویزاں رہتے ہیں، اور جنت میں چمکتے ستاروں کی طرح نظر آتے ہیں۔

بہت سے عارفین نے جن میں عارف باللہ حضرت شیخ شہید مظہر جانِ جاناں رحمہ اللہ بھی شامل ہیں، ذکر کیا ہے کہ شہید چونکہ اپنے نفس، اپنی جان اور اپنی شخصیت کی قربانی بارگاہِ اُلوہیت میں پیش کرتا ہے، اس لئے اس کی جزا اور صلے میں اسے حق تعالیٰ شانہ کی تجلیٔ ذات سے سرفراز کیا جاتا ہے اور اس کے مقابلے میں کونین کی ہر نعمت ہیچ ہے۔

حضرات! شہادت نتیجہ ہے جہاد کا، اور ہم نے کتاب اللہ کی ان آیات اور بہت سی احادیثِ نبویہ سے تعرض نہیں کیا جو جہاد

---

(۱) روی البیهقی من طرقه عن جابر بن عبدالله رضی الله عنهما، وابن سعد، والبیهقی من طرق آخر عنه، ومحمد بن عمرو عن شیوخه عن جابر قال: استصرخنا إلٰی قتلانا یوم أحد حین أجری معاویة العین فأتیناهم فأخرجناهم رطابًا تنثنی أطرافهم، قال شیوخ محمد بن عمرو: وجدوا والد جابر ویده علٰی جرحه فأمیطت یده عن جرحه فانبعث الدم فردت إلٰی مکانها فکسن الدم، قال جابر. فرأیت أبی فی حفرته کأنه نائم والنمرة التی کفن فیها کما هی علٰی رجلیه علٰی هیئته وبین ذالک ست وأربعون سنة .. .. قال أبو سعید الخدری: لا ینکر بعد هذا منکر ولقد کانوا یحفرون التراب فکلما حفروا نثرة من التراب فاح علیهم ریح المسک۔ (تفسیر مظهری ج:۲ ص:۱۷۲، سورة آل عمران:۱۶۹، ۱۷۱، طبع رشیدیه کوئٹه)۔

کے سلسلے میں وارد ہیں۔ چنانچہ صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں متعدد صحابہ کرام، حضرات عبداللہ بن رواحہ اور سہل بن سعد وغیرہ رضی اللہ عنہم سے مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''اللہ تعالیٰ کے راستے میں ایک صبح کو یا ایک شام کو جہاد کے لئے نکل جانا دُنیا اور دُنیا بھر کی ساری دولتوں سے بہتر ہے۔''[1] اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: ''مجاہد فی سبیل اللہ کی مثال ایسی ہے کہ کوئی شخص ساری عمر رات بھر قیام کرے اور دن کو روزہ رکھا کرے، جہاد فی سبیل اللہ کے برابر کوئی نیکی نہیں۔''[2] ان کے علاوہ اور بہت سی احادیث ہیں۔

حضرات! شہید کی کئی قسمیں ہیں، ان میں سب سے عالی مرتبہ وہ شہید ہے جو اللہ تعالیٰ کی رضاجوئی اور اللہ کی بات کو اُونچا کرنے کے لئے میدانِ جنگ میں کافروں کے ہاتھوں قتل ہوجائے، اس کے علاوہ اپنے دِین کی حفاظت کرتے ہوئے جو قتل ہوجائے وہ بھی شہید ہے، جو شخص اپنی جان کی حفاظت کرتے ہوئے قتل ہوجائے وہ بھی شہید ہے، اور جو شخص اپنے مال کی حفاظت کرتے ہوئے قتل ہوجائے وہ بھی شہید ہے، جیسا کہ سعید بن زید رضی اللہ عنہ کی روایت سے نسائی، ابوداؤد اور ترمذی میں حدیث موجود ہے۔[3]

اِمام بخاریؒ اور اِمام مسلمؒ نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''پانچ آدمی شہید ہیں، جو طاعون سے مرے، جو پیٹ کی بیماری سے مرے، جو پانی میں غرق ہوجائے، جو مکان گرنے سے مرجائے اور جو اللہ کے راستے میں شہید ہوجائے۔''[4]

حضرت جابر بن عتیک رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''اللہ کے راستے میں قتل ہونے کے علاوہ سات قسم کی موتیں شہادت ہیں، طاعون سے مرنے والا شہید ہے، ڈُوب کر مرنے والا شہید ہے، نمونیہ کے مرض سے

---

(۱) عن سهل بن سعد الساعدي عن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: والغدوة يغدوها العبد في سبيل الله خير من الدنيا وما فيها۔ وعن أبي حازم عن سهل بن سعد عن النبي صلى الله عليه وسلم قال: غدوةٌ أو راحة في سبيل الله خير من الدنيا وما فيها۔ (صحيح مسلم ج:۲ ص:۱۳۴، باب فضل الغدوة والروحة في سبيل الله)۔ وفي البخاري (ج:۱ ص:۳۹۲) كتاب الجهاد: عن سهل بن سعد عن النبي صلى الله عليه وسلم قال: الروحة والغدوة في سبيل الله أفضل من الدنيا وما فيها۔

(۲) عن أبي هريرة قال: قيل: يا رسول الله! ما يعدل الجهاد؟ قال .... مثل المجاهد في سبيل الله مثل الصائم القائم الذي لا يفتر من صلوٰة ولا صيام حتّٰى يرجع المجاهد في سبيل الله۔ (جامع الترمذي ج:۱ ص:۱۹۵، بابٌ فضل الجهاد)۔ أيضًا: جاء رجل إلى رسول الله صلى الله عليه وسلم فقال: دلني على عمل يعدل الجهاد، قال: لا أجده۔ (بخاري ج:۱ ص:۳۹۱، كتاب الجهاد)۔

(۳) عن سعيد بن زيد قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: من قتل دون ماله فهو شهيد، ومن قتل دون أهله فهو شهيد، ومن قتل دون دينه فهو شهيد، ومن قتل دون دمه فهو شهيد۔ (نسائي ج:۲ ص:۱۷۲، باب من قتل دون ماله، طبع قديمي)۔

(۴) عن أبي هريرة رضي الله عنه ان رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: بينما رجل يمشي بطريق وجد غصن شوك على الطريق فأخره فشكر الله له، فغفر له وقال الشهداء خمسة: المطعون والمبطون والغرق وصاحب الهدم والشهيد في سبيل الله۔ (مسلم ج:۲ ص:۱۴۲، باب بيان الشهداء، طبع قديمي)۔ وفي البخاري ج:۱ ص:۳۹۷، كتاب الجهاد- عن أبي هريرة ان رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: الشهداء خمس: المطعون، والمبطون، والغرق، وصاحب الهدم، وشهيد في سبيل الله۔

مرنے والا شہید ہے، پیٹ کی بیماری سے مرنے والا شہید ہے، جل کر مرنے والا شہید ہے، دیوار کے نیچے دَب کر مرنے والا شہید ہے، جو عورت حمل یا ولادت میں انتقال کر جائے وہ شہید ہے" (یہ حدیث امام مالکؒ، ابوداؤدؒ اور نسائیؒ نے روایت کی ہے)۔[1]

ابوداؤد میں حضرت اُمِّ حرام رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "سمندر میں سر چکرانے کی وجہ سے جس کو قے آنے لگے اس کے لئے شہید کا ثواب ہے۔"[2]

نسائی شریف میں حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "نفاس میں (ولادت کے بعد) مرنے والی عورت کے لئے شہادت ہے۔"[3]

نسائی شریف میں حضرت سوید بن مقرن رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "جو شخص ظلم سے مدافعت کرتے ہوئے مارا جائے وہ شہید ہے۔"[4]

ترمذی شریف میں حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ فرماتے ہیں کہ: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ: "شہید چار قسم کے ہیں، ایک وہ شخص جس کا ایمان نہایت عمدہ اور پختہ تھا، اس کا دُشمن سے مقابلہ ہوا، اس نے اللہ کے وعدوں کی تصدیق کرتے ہوئے دادِ شجاعت دی یہاں تک کہ قتل ہوگیا، یہ شخص اتنے بلند مرتبے میں ہوگا کہ قیامت کے روز لوگ اس کی طرف یوں نظر اُٹھا کر دیکھیں گے، یہ فرماتے ہوئے آپ نے سر اُوپر اُٹھایا یہاں تک کہ آپ کی ٹوپی سر سے گرگئی، (راوی کہتے ہیں کہ: مجھے معلوم نہیں کہ اس سے حضرت عمرؓ کی ٹوپی مراد ہے یا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی)۔ فرمایا: دُوسرا وہ مؤمن آدمی جس کا ایمان نہایت پختہ تھا، دُشمن سے اس کا مقابلہ ہوا مگر حوصلہ کم تھا، اس لئے مقابلے کے وقت اسے ایسا محسوس ہوا گویا خاردار جھاڑی کے

---

(۱) جابر بن عتیک عن عتیک بن الحارث بن عتیک وهو جد عبدالله ابن عبدالله أبو أمه انه أخبره ان عمه جابر بن عتیک أخبره أن رسول الله صلى الله عليه وسلم جاء يعود عبدالله بن ثابت فوجده قد غلب فصاح به رسول الله صلى الله عليه وسلم فلم يجبه فاسترجع رسول الله صلى الله عليه وسلم وقال: غلبنا عليک يا أبا الربيع، فصاح النسوة وبكين فجعل ابن عتیک يسكتهن فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم: دعهن فإذا وجب فلا تبكين باكية وقالوا وما الوجوب يا رسول الله؟ قال: الموت، قالت ابنته: والله إن كنت لأرجو أن تكون شهيدًا فإنک قد كنت قضيت جهازک، قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: ان الله عزّ وجلّ قد أوقع أجره على قدر نيته وما تعدون الشهادة؟ قالوا: القتل في سبيل الله تعالىٰ! قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: الشهادة سبع سوى القتل في سبيل الله، المطعون شهيد، والغرق شهيد، وصاحب ذات الجنب شهيد، والمبطون شهيد، وصاحب الحريق شهيد، والذى يموت تحت الهدم شهيد، والمرأة تموت بجمع شهيد. (أبوداوٗد ج:۲ ص:۸۷، باب فى فضل من مات بالطاعون، طبع ايج ايم سعيد)۔

(۲) عن أمّ حرام عن النبى صلى الله عليه وسلم المائد فى البحر الذى يصيبه القيء له أجر شهيد والغرق له أجر شهيدين. (أبوداوٗد ج:۱ ص:۳۳۷، باب فى ركوب البحر والغزو، طبع ايج ايم سعيد)۔

(۳) عن عقبة بن عامر ان رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: خمس من قبض فى شىء منهن فهو شهيد، المقتول فى سبيل الله شهيد، والغرق فى سبيل الله شهيد، والمبطون فى سبيل الله شهيد، والمطعون فى سبيل الله شهيد، والنفساء فى سبيل الله شهيد. (نسائى ج:۲ ص:۲۱، مسألة الشهادة)۔

(۴) عن أبى جعفر قال: كنت جالسًا عند سويد بن مقرن فقال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: من قتل دون مظلمته فهو شهيد. (نسائى ج:۲ ص:۱۷۳، باب من قاتل دون أهله، طبع قديمى)۔

کانٹے اس کے جسم میں چبھ گئے ہوں، (یعنی دِل کانپ گیا اور رونگٹے کھڑے ہوگئے) تاہم کسی نامعلوم جانب سے تیر آکر اس کے جسم میں پیوست ہوگیا، اور وہ شہید ہوگیا، یہ دُوسرے مرتبے میں ہوگا۔ تیسرے وہ مؤمن آدمی جس نے اچھے اعمال کے ساتھ کچھ بُرے اعمال کی آمیزش بھی کر رکھی تھی، دُشمن سے اس کا مقابلہ ہوا اور اس نے ایمان ویقین کے ساتھ خوب ڈٹ کر مقابلہ کیا، حتیٰ کہ قتل ہوگیا، یہ تیسرے درجے میں ہوگا۔ چوتھے وہ مؤمن آدمی جس نے اپنے نفس پر (گناہوں سے) زیادتی کی تھی (یعنی نیکیاں کم اور گناہ زیادہ تھے) دُشمن سے اس کا مقابلہ ہوا اور اس نے خوب جم کر مقابلہ کیا یہاں تک کہ قتل ہوگیا، یہ چوتھے درجے میں ہوگا۔''[1]

مسندِ دارمی میں حضرت عتبہ بن عبدالسلمی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''راہِ خدا میں قتل ہونے والے تین قسم کے لوگ ہیں، ایک وہ مؤمن جس نے اپنی جان و مال سے راہِ خدا میں جہاد کیا، دُشمن سے مقابلہ ہوا، خوب لڑا یہاں تک کہ شہید ہوگیا'' آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''یہ وہ شہید ہے جس کے دِل کو اللہ تعالیٰ نے تقویٰ کے لئے چن لیا، یہ عرشِ الٰہی کے نیچے اللہ تعالیٰ کے بنائے ہوئے خیمے میں ہوگا، نبیوں کو اس پر فضیلت صرف درجۂ نبوّت کی وجہ سے ہوگی۔ دُوسرے وہ مؤمن جس نے کچھ نیک عمل کئے تھے، کچھ بُرے، اس نے جان و مال کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے راستے میں جہاد کیا اور دُشمن کے مقابلے میں لڑا یہاں تک کہ قتل ہوگیا'' آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے بارے میں فرمایا: ''مٹا دینے والی (تلوار) نے اس کی غلطیوں اور گناہوں کو مٹا دیا، بلاشبہ تلوار گناہوں کو مٹا دیتی ہے، اور اس شہید کو اجازت دی گئی کہ وہ جس دروازے سے چاہے جنت میں داخل ہوجائے۔ تیسرا منافق، جس نے جان و مال سے جہاد کیا، دُشمن سے مقابلہ ہوا، مارا گیا، یہ دوزخ میں جائے گا، کیونکہ تلوار (اور گناہوں کو تو مٹا دیتی ہے مگر) نفاق (دِل میں چھپے ہوئے کفر) کو نہیں مٹاتی۔''[2]

حاصل یہ کہ ان تمام احادیث کو، جن میں شہادت کی اموات کو متفرق بیان کیا ہے، جمع کرلیا جائے تو شہداء کی فہرست کافی طویل ہوجاتی ہے، اور سب جانتے ہیں کہ جو لوگ مفہومِ مخالف کے قائل ہیں ان کے نزدیک بھی عدد میں مفہومِ مخالف کا اعتبار نہیں،

---

(۱) سمعت عمر بن الخطاب يقول: سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول. الشهداء أربعة: رجل مؤمن جيّد الإيمان لقى العدوّ فصدق الله حتّٰى قتل فذالك الذى يرفع الناس إليه أعينهم يوم القيامة هكذا، ورفع رأسه حتّٰى وقعت قلنسوته، فلا أدرى قلنسوة عمر أراد أم قلنسوة النبى صلى الله عليه وسلم، قال: ورجل مؤمن جيّد الإيمان لقى العدوّ فكأنما ضرب جلده بشوك طلح من الجبن أتاه سهم غرب فقتله فهو فى الدرجة الثانية، ورجل مؤمن خلط عملًا صالحًا وآخر سيئًا لقى العدوّ فصدق الله حتّٰى قتل فذاك فى الدرجة الثالثة، ورجل مؤمن أسرف علٰى نفسه لقى العدوّ فصدق الله حتّٰى قتل فذاك فى الدرجة الرابعة. (ترمذى ج:۱ ص:۲۹۳، باب ما جاء فى فضل الشهداء عند الله، طبع قديمى).

(۲) عن عتبة بن عبدالسلمى، قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: القتلٰى ثلاثة: مؤمن جاهد بنفسه وماله فى سبيل الله إذا لقى العدو قاتل حتّٰى يقتل، قال النبى صلى الله عليه وسلم فيه: فذالك الشهيد الممتحن فى خيمة الله تحت عرشه، لا يفضله النبيون إلّا بدرجة النبوة، ومن خلط عملًا صالحًا وآخر سيئًا، جاهد بنفسه وماله فى سبيل الله إذا لقى العدو، قاتل حتّٰى يقتل، قال النبى صلى الله عليه وسلم فيه: مُمَصْمَصَةٌ محت ذنوبه وخطاياه، ان السيف محاء للخطايا، وادخل من أى أبواب الجنة شاء، ومنافق جاهد بنفسه وماله، فإذا لقى العدو قاتل حتّٰى يقتل فذاك فى النار، إن السيف لا يمحو النفاق. (سنن دارمى ج:۲ ص:۱۲۶ باب فى صفة القتلٰى فى سبيل الله، طبع نَشر السُّنَّة ملتان).

نہایت جلدی میں یہ چند احادیث پیش کی گئیں، ورنہ اس موضوع کے استیعاب کا قصد کیا جاتا تو شہداء کی تعداد کافی زیادہ نکل آتی۔ (۱)

پھر قیاس و اجتہاد کے ذریعہ ایسے شہداء کو بھی ان سے ملحق کیا جاسکتا ہے جو اگرچہ احادیث میں صراحتہً نہیں آئے، مگر حدیث کے اشارات سے نکالے جاسکتے ہیں، مثلاً فرمایا: "جو اپنے حق کی مدافعت کرتا ہوا مارا جائے وہ شہید ہے" اب یہ عام ہے جو تمام حقوق کو شامل ہے، لہٰذا جو شخص مادرِ وطن کی حفاظت کرتا ہوا مارا جائے وہ شہید ہوگا، جو ظلم و عدوان کا مقابلہ کرتے ہوئے مارا جائے وہ شہید ہوگا، الغرض جو مسلمان اپنی جان کی، اپنے اہل و عیال کی، اپنی عزّت کی، اپنے مال کی، اپنے وطن کی، سرزمینِ اسلام کے وقار کی اور مسلمانوں کی عزّت و قوت کی حفاظت کرتا ہوا مارا جائے وہ حسبِ درجہ شہید کا مرتبہ پائے گا، بشرطیکہ اس کی مدافعت رضائے الٰہی کے لئے ہو، محض جاہلی عصبیت، خالص قومیت اور جاہلی حمیت کی بنا پر نہ ہو۔

کون نہیں جانتا کہ "وطن" اپنی ذات سے کوئی مقدس چیز نہیں، اس کی عزّت و حرمت محض اس وجہ سے ہے کہ وہ اسلام کی شان و شوکت اور اس کی سربلندی کا ذریعہ ہے اور "قومی اسٹیٹ" میں سوائے اس کے تقدیس کا کوئی پہلو نہیں کہ وہ اسلامی قوت کا مرکز اور مسلمانوں کی عزّت و شوکت کا مظہر ہے۔ آج جو مشرق و مغرب میں اسلام دُشمن طاقتیں عرب و عجم کے مسلمانوں کے خلاف متحد ہوکر انہیں خود ان کے اپنے علاقوں میں طرح طرح سے ذلیل و خوار اور پریشان کر رہی ہیں، اس کا واحد سبب یہ ہے کہ ہم نے فریضۂ جہاد سے غفلت برتی اور مرتبۂ شہادت حاصل کرنے کا ولولہ جاتا رہا۔ جہاد سے غفلت کی وجہ یہ نہیں کہ ہمارے پاس مال و دولت اور مادّی وسائل کا فقدان ہے، یا یہ کہ مسلمانوں کی مردم شماری کم ہے، اللہ ربّ العزّت نے اسلامی عربی ممالک کو ثروت اور مال کی فراوانی کے وہ اسباب عنایت فرمائے ہیں جو کبھی تصوّر میں بھی نہیں آسکتے تھے، صرف یہی نہیں بلکہ ان وسائل میں یہ اسلام دُشمن طاقتیں بھی عالمِ اسلام اور ممالکِ عربیہ کی دست نگر اور محتاج ہیں۔ الغرض آج مسلمانوں کی ذِلت کا سبب وسائل کی کمی نہیں بلکہ اس کا اصل باعث ہمارا باہمی شقاق و نفاق ہے، ہم نے اجتماعی ضروریات پر شخصی اغراض کو مقدم رکھا، انفرادی مصالح کو قومی مصالح پر ترجیح دی، راحت و آسائش کے عادی ہوگئے، رُوحِ جہاد کو کچل ڈالا اور آخرت اور جنت کے عوض جان و مال کی قربانی کا جذبہ سرد پڑ گیا، یہ ہیں وہ اسباب جن کی بدولت مسلمان قوم اوجِ ثریا سے ذِلت و حقارت کی عمیق وادیوں میں جاگری۔

حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ کی حدیث، جس کو امام ابوداؤدؒ وغیرہ نے روایت کیا ہے، اہلِ علم کے حلقے میں معروف ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "وہ زمانہ قریب ہے جبکہ تمام اسلام دُشمن قومیں تمہارے مقابلے میں ایک دُوسرے کو دعوتِ ضیافت دیں گی، ایک صاحب نے عرض کیا: یا رسول اللہ! کیا اس وجہ سے کہ اس دن ہماری تعداد کم ہوگی؟ فرمایا: نہیں! بلکہ تم بڑی کثرت میں ہوگے، لیکن تم سیلاب کے جھاگ کی مانند ہوگے، اللہ تعالیٰ دُشمنوں کے دِل سے تمہارا رُعب نکال دے گا اور تمہارے دِلوں میں کمزوری اور "وہن" ڈال دے گا، ایک صاحب نے عرض کیا: یا رسول اللہ! "وہن" سے کیا مراد ہے؟ فرمایا: دُنیا کی چاہت

(۱) مظاہر حق شرح مشکوٰۃ میں مرقاۃ اور "طوالع الانوار حاشیہ درمختار" کے حوالے سے، نیز شامی نے ردّ المحتار میں شہداء کی فہرست شمار کی ہے، جو کم و بیش ساٹھ ہیں۔ (مترجم)

اور موت سے گھبرانا۔"[1]

بہرحال جب ہم مسلمانوں کی موجودہ ناگفتہ بہ زبوں حالی کے اسباب کا جائزہ لیتے ہیں تو ہمارے سامنے چند چیزیں اُبھر کر آتی ہیں، جن کی طرف ذیل میں نہایت اختصار سے اشارہ کیا جاتا ہے:

اوّل:... اعدائے اسلام پر وثوق و اعتماد اور بھروسا کرنا، (خواہ رُوس ہو، یا امریکا و مغربی اقوام)، ظاہر ہے کہ کفر - اپنے اختلافات کے باوجود - ایک ہی مِلّت ہے، اور اللہ پر اعتماد و توکل اور مسلمانوں پر بھروسا نہ کرنا، جبکہ تمام مسلمانوں کو حکم ہے کہ:

"وَعَلَى اللهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ" (ابراهيم: ۱۱)

ترجمہ:..." صرف اللہ ہی پر بھروسا کرنا چاہئے مسلمانوں کو۔"

اس آیت میں نہایت حصر و تاکید کے ساتھ فرمایا گیا ہے کہ مسلمانوں کے لئے اللہ رَبّ العزّت کے سوا کسی شخصیت پر اعتماد اور بھروسا نہیں کرنا چاہئے (حيث قدم قوله: وَعَلَى اللهِ)۔

دوم:... مسلمانوں کا باہمی اختلاف و انتشار اور خانہ جنگی، جس کا یہ عالم ہے کہ اگر وہ آپس میں کہیں مل بیٹھ کر صلح صفائی کی بات کرتے ہیں تب بھی ان کی حالت یہ ہوتی ہے:

"وَتَحْسَبُهُمْ جَمِيْعًا وَّقُلُوْبُهُمْ شَتّٰى" (الحشر: ۱۴)

ترجمہ:..." بظاہر تم ان کو مجتمع دیکھتے ہو مگر ان کے دِل پھٹے ہوئے ہیں۔"

سوم:... توکل علی اللہ سے زیادہ مادّی اور عادی اسباب پر اعتماد، بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں ان تمام اسباب و وسائل کی فراہمی کا حکم دیا ہے جو ہمارے بس میں ہوں اور جن سے دُشمن کو مرعوب کیا جاسکے، لیکن افسوس ہے کہ ایک طرف سے تو ہم مادّی اسباب کی فراہمی میں کوتاہ کار ہیں، اور دُوسری طرف فتح و نصرت کا جو اصل سرچشمہ ہے اس سے غافل ہیں، ارشادِ خداوندی ہے:

"وَمَا النَّصْرُ اِلَّا مِنْ عِنْدِ اللهِ الْعَزِيْزِ الْحَكِيْمِ" (آل عمران: ۱۲۶)

ترجمہ:..." نصرت و فتح تو صرف اللہ عزیز و حکیم کے پاس ہے اور اسی کی جانب سے ملتی ہے۔"

تاریخ کے بیسیوں نہیں سیکڑوں واقعات شاہد ہیں کہ کافروں کے مقابلے میں بے سروسامانی اور قلّتِ تعداد کے باوجود فتح و نصرت نے مسلمانوں کے قدم چومے۔

چہارم:... دُنیا سے بے پناہ محبت، عیش پرستی اور راحت پسندی، آخرت کے مقابلے میں دُنیا کو اختیار کرنا، قومی اور ملّی تقاضوں پر اپنے ذاتی تقاضوں کو ترجیح دینا، اور رُوحِ جہاد کا نکل جانا۔ اس کی تفصیل طویل ہے، قرآنِ کریم کی سورۂ آل عمران اور سورۂ توبہ میں

---

(۱) عن ثوبان قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: يوشك الأمم أن تداعى عليكم كما تداعى الأكلة إلى قصعتها، فقال قائل: ومن قلّة نحن يومئذ؟ قال: بل أنتم يومئذ كثير، ولٰكنكم غثاء كغثاء السيل ولينزعن الله من صدور عدوكم المهابة منكم وليقذفن الله في قلوبكم الوهن، فقال قائل: يا رسول الله! وما الوهن؟ قال: حُبّ الدُّنيا وكراهية الموت. (سنن أبي داوُد ج۲ ص۲۳۴، باب في تداعي الأمم على الإسلام، كتاب الملاحم، طبع ايچ ايم سعيد).

نہایت عالی مرتبہ عبرتیں موجود ہیں، اُمت کا فرض ہے کہ اس روشن مینار کو ہمیشہ پیشِ نظر رکھے۔

بہرحال! اللہ کے راستے میں کلمۂ اسلام کی سربلندی کے لئے دُشمنوں سے معرکہ آرائی، راہِ خدا میں جہاد کرنا اور اسلام کی خاطر اپنی جان قربان کردینا نہایت بیش قیمت جوہر ہے، قرآنِ کریم اور سیّدنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے دُنیوی فوائد اور اُخروی درجات کو ہر پہلو سے روشن کردیا ہے، اور اس کی وجہ سے اُمتِ محمدیہ پر جو عنایاتِ الٰہیہ نازل ہوتی ہیں ان کے اسرار کو نہایت فصاحت و بلاغت سے واضح کردیا ہے۔

حضرات! یہ ایک مختصر سا مقالہ ہے، جو نہایت مصروفیت اور کم وقت میں لکھا گیا، اس لئے بحث کے بہت سے گوشے تشنہ رہ گئے ہیں، جس پر مسامحت کی درخواست کروں گا، آخر میں ہم حق تعالیٰ سے دُعا کرتے ہیں کہ ہماری غلطیوں کی اصلاح فرمائے، ہمارے درمیان قلبی اتحاد پیدا فرمائے، کافروں کے مقابلے میں ہماری مدد اور نصرت فرمائے اور ہمیں صبر، عزیمت، مسلسل محنت کی لگن اور تقویٰ کی صفات سے سرفراز فرماکر کامیاب فرمائے، آمین!

جہاد کب فرضِ عین ہوتا ہے؟ اور کب فرضِ کفایہ؟

سوال:... جہاد (قتال) اس وقت ہم پر فرضِ عین ہے یا فرضِ کفایہ؟

جواب:... دفاعی جہاد صرف اس صورت میں فرضِ عین ہوتا ہے جبکہ امام المسلمین کی طرف سے نفیرِ عام کا حکم ہوجائے کہ سب جہاد کے لئے نکلیں۔ اس وقت عورت، شوہر کی اِجازت کے بغیر، غلام، آقا کی اِجازت کے بغیر، اور بیٹا، والدین کی اِجازت کے بغیر۔ جب تک نفیرِ عام نہ ہو، جہاد فرضِ کفایہ رہتا ہے۔[1] جیسا کہ دِین کے دُوسرے شعبے درس و افتاء، دعوت و تبلیغ فرضِ کفایہ ہیں۔

"جہاد فی سبیل اللہ" و "قتال فی سبیل اللہ" میں سے فرضِ عین اور فرضِ کفایہ کون سا ہے؟

سوال:... "جہاد فی سبیل اللہ" و "قتال فی سبیل اللہ" میں سے فرضِ عین اور فرضِ کفایہ کون سا ہے؟

جواب:... جہاد اور قتال دونوں کا حکم ایک ہے، البتہ بعض اوقات جہاد فرضِ عین ہوتا ہے اور بعض دفعہ جہاد فرضِ کفایہ ہوتا ہے۔[2] اس کا تعین علمائے کرام اور مفتیانِ عظام جہاد کی اہمیت اور ضرورت کے پیشِ نظر کرتے ہیں، اسی طرح افراد کے اِعتبار سے بھی جہاد کی فرضیت کا تعین کیا جاتا ہے۔

کیا جہاد کی ٹریننگ کے لئے افغانستان یا کشمیر جانا ضروری ہے؟

سوال:... کوئی شخص جہاد کی ٹریننگ کی غرض سے روزانہ گھر پر ورزش کرے اور دوڑ لگائے تو یہ اس کے لئے کافی ہے یا اسے افغانستان یا کشمیر میں جاکر جدید اسلحے کی ٹریننگ لینا ہوگی؟ کیونکہ سنا ہے کہ جہاد کی ٹریننگ لینے کا حکم ہے۔

(۱، ۲) الجهاد فرض الكفاية ...... إلّا أن يكون النفير عامًا .... فإن هجم العدو على بلد وجب على جميع الناس الدفع، تخرج المرأة بغير إذن زوجها والعبد بغير إذن المولى لأنه صار فرض عين ... إلخ. (هداية ج:۲ ص:۵۵۹، كتاب السير).

جواب:... اگر جہاد فرضِ عین ہو تو اس کی ٹریننگ حاصل کرنا بھی فرضِ عین ہوگا، ورنہ نہیں۔[1]

کیا جہاد اَرکانِ خمسہ میں شامل ہے؟

سوال:.. اسلام میں جو پانچ ارکان ہیں وہ ہم نے اپنی آسانی کے لئے بنائے ہیں یا اللہ پاک کی طرف سے حکم ہے؟ اور جہاد اس میں شامل ہے یا نہیں؟

جواب:... یہ پانچ ارکان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اِرشاد فرمائے ہیں۔[2] جہاد اِسلام کا بہت اعلیٰ حکم ہے، مگر وہ ارکانِ خمسہ میں شامل نہیں۔

جب جہاد کے حالات ہوں تو اس کے بغیر نیک اعمال کی قبولیت

سوال:... کیا ہمارے ذاتی اعمالِ صالحہ اللہ ربّ العزّت کی بارگاہ میں قبول ہوجائیں گے جبکہ ہر طرف منکرات کا بازار گرم ہو، فحاشی عام ہو، اور علی الاعلان اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا اِستہزا کیا جارہا ہو؟ کیا صرف نماز پڑھنے اور روزے رکھنے کے بعد ہماری ذمہ داریاں ختم ہوجاتی ہیں؟ اور خلیفہ فی الارض کا کام مکمل ہوجاتا ہے؟ کیا ہم پر جہاد واجب نہیں ہوگیا ہے؟ اگر ہاں، تو پھر ہم کب اُٹھیں گے؟ اور ہمیں کون اُٹھائے گا؟

جواب:... جہاد سے پہلے دعوت لازم ہے، پہلے دعوت الی اللہ، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ ادا کیا جائے، اور پھر جب کوئی طاقت اس دعوت کے راستے پر حائل ہو تو اس کے خلاف جہاد واجب ہے۔[3] اور جب حالات کا نقشہ وہ ہو جو آپ نے کھینچا ہے، اور ہم اس کے بعد دعوت کے کام کی طرف متوجہ نہ ہوں، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ بجانہ لائیں تو یقیناً ماخوذ ہوں گے۔[4]

موجودہ دور میں کس طرح جہاد میں شریک ہوسکتے ہیں؟

سوال:... موجودہ دور میں جہاد میں کس طرح شریک ہوسکتے ہیں؟

---

(۱) عن عقبة بن عامر قال: سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم وهو على المنبر يقول: وأعدوا لهم ما استطعتم من قوة، ألا ان القوة الرمي! ألا ان القوة الرمي! ألا ان القوة الرمي! رواه مسلم. (مشكوٰة ص:۳۳۶، باب اعداد آلة الجهاد).

(۲) عن ابن عمر رضى الله عنهما قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: بُنيَ الإسلام على خمس: شهادة أن لا إله إلّا الله وأن محمد رسول الله، وإقام الصلوٰة، وإيتاء الزكوٰة، والحج وصوم رمضان. متفق عليه. (مشكوٰة ص:۱۲، كتاب الإيمان).

(۳) ولا يجوز أن يقاتل من لم تبلغه الدعوة إلى الإسلام إلّا أن يدعوه .. .. فإن أبوا ذالك إستعانوا بالله عليهم وحاربوهم .. إلخ. (هداية ج:۲ ص:۵۶۰، باب كيفية القتال).

(۴) عن حذيفة أن النبي صلى الله عليه وسلم قال: والذى نفسي بيده! لتأمرن بالمعروف ولتنهون عن المنكر أو ليوشكن الله أن يبعث عليكم عذابًا من عنده ثم لتدعنه ولا يستجاب لكم. رواه الترمذي. (مشكوٰة ص:۴۳۶، باب الأمر بالمعروف).

جواب:... افغانستان، کشمیر، برما اور دیگر علاقوں مثلاً بوسنیا، کوسوو میں مسلمان جہاد کر رہے ہیں، اس میں شرکت کی جاسکتی ہے۔

طالبان کی حکومت اور مخالفین کا شرعی حکم

سوال:... کیا مسلمان ایک دُوسرے کے خلاف لڑکر شہید ہوسکتے ہیں؟ کیا مسلمانوں کی آپس کی لڑائی کو جہاد کا نام دیا جاسکتا ہے؟ طالبان اور دیگر مجاہد تنظیموں کے حوالے سے اس کا جواب دیجئے۔

جواب:... طالبان محض اسلامی نظام کے نفاذ کے لئے لڑ رہے ہیں، اس لئے وہ ان شاء اللہ حق پر ہیں، اور باقی لوگ ان کے مقابلے میں باغیوں کی حیثیت رکھتے ہیں۔[1]

طالبان کی طرح مسلمان کا مسلمان سے لڑنا کیسا ہے؟

سوال:... مسلمان کا مسلمان کے ساتھ لڑنا کیسا ہے؟ مثلاً: طالبان کا اپنے مخالفین کے ساتھ جنگ کرنا، جبکہ دونوں فریق مسلمان ہونے کے دعوے دار ہیں۔

جواب:... افغانستان میں طالبان کی حکومت قائم ہوجانے کے بعد ان کے ساتھ کسی آدمی کا لڑنا یہ بغاوت کے حکم میں ہے۔ اس لئے احمد شاہ مسعود کے حامیوں کا حکم باغیوں کا ہوگا، ان کے ساتھ لڑنا طالبان کے لئے جائز ہے اور ان کے مخالفوں کے لئے حرام ہے۔[2]

طالبان کا جہاد شرعی جہاد ہے

سوال:... افغانستان میں جو جنگ طالبان اور ربانی حکومت کے درمیان جاری ہے، شرعی نقطۂ نظر سے یہ جہاد ہے؟ اگر جواب نفی یا اِثبات میں ہو تو کچھ دلائل سے بھی بندہ کو نوازیں۔

جواب:... مجھے پورے حالات معلوم نہیں، البتہ جو حالات اَحباب نے بتائے ہیں، ان کے مطابق طالبان، رضائے اِلٰہی کے لئے اور اللہ تعالیٰ کی زمین پر شریعت نافذ کرنے کے لئے لڑ رہے ہیں، اس لئے ان کی محنت کو شرعی جہاد کہنا صحیح ہے۔

طالبان اسلامی تحریک

سوال ۱:... مسلمانوں کا جہاد فی سبیل اللہ کی ادائیگی کے لئے طالبان اسلامی تحریک یعنی "امیر المؤمنین ملا محمد عمر مجاہد دامت

---

(۱) ان علم الخوارج یشهرون السلاح ویتأهبون للقتال فینبغی له أن یأخذهم ویحبسهم حتّٰی یقلعوا عن ذالک ویحدثوا توبة لأنه لو ترکهم لسعوا فی الأرض بالفساد فیأخذهم علٰی أیدیهم ولَا یبدؤهم الإمام بالقتال حتّٰی یبدؤه لأن قتالهم لدفع شرهم الخ۔ (بدائع الصنائع ج:۷ ص:۱۴۰، فصل وأما بیان أحکام البغاة)۔

(۲) ایضاً۔

برکاتہم العالیہ‘‘ کے جہادی نظم میں شامل ہوکر کفار و فساق فجار کے خلاف عملی جہاد کرنا شرعی طور پر جائز ہے یا نہیں؟

سوال ۲:... پوری دُنیا کے کفار و فساق طالبان اسلامی مملکت کے خلاف ہر محاذ پر سرگرم ہیں، اس صورتِ حال میں دُنیا کے عام مسلمانوں کا طالبان کے ساتھ شامل ہوکر جہاد کرنا کیسا عمل ہے، وضاحت فرمائیں؟

جواب:... جہاد فی سبیل اللہ فرض ہے اور امیر المؤمنین ملا عمر کی قیادت میں افغانستان میں طالبان کی جو تحریک شروع ہوئی وہ خالص اسلامی تحریک ہے، اور طالبان کی قائم کردہ حکومت خالص شرعی حکومت ہے اور جو لوگ اس کی مخالفت کر رہے ہیں، ان کا حکم اسلامی حکومت کے باغیوں کا ہے۔ اس لئے ملا عمر کی زیرِ قیادت کفار اور باغیوں سے جہاد کرنا بالکل جائز ہے، بلکہ ضروری ہے، ان کی اسلامی حکومت ہونے کی دلیل یہ بھی ہے کہ تمام اسلامی قوتیں اس کے موافق ہیں اور تمام غیر اسلامی قوتیں اس کے خلاف۔ اگر افغانستان کے حالات معلوم کرنے ہوں، تو تھوڑے سے سفر کی زحمت اُٹھاکر اپنی آنکھوں سے وہاں اسلامی اقدار کا نقشہ دیکھا جاسکتا ہے۔

جہادِ افغانستان

سوال:... ایک آدمی مسلمان ہوتے ہوئے علی الاعلان بزبانِ خود یوں کہنے لگے کہ موجودہ افغانستان کا جہاد بالکل جہاد ہی نہیں بلکہ ایک طرف رُوس کی حمایت اور دوسری طرف امریکہ کی حمایت میں لڑتے ہیں اور دونوں ہی گروہ کافر ہیں، بتائیں کہ ایسا آدمی دائرہ اسلام سے خارج ہے یا نہیں؟

جواب:... افغانستان کا جہاد ہمارے نقطۂ نظر سے تو صحیح ہے، لیکن ہر شخص اپنی فکر و فہم کے مطابق گفتگو کیا کرتا ہے۔ یہ صاحب جو دونوں فریقوں کو کافر قرار دے رہے ہیں یہ ان کی صریح زیادتی ہے، اور ان کا یہ سمجھنا کہ ایک فریق امریکہ کی حمایت میں لڑ رہا ہے، یہ ناقص معلومات کا نتیجہ ہے۔ میں اس شخص کو دائرۂ اسلام سے خارج قرار دینے کی جرأت تو نہیں کرتا، بشرطیکہ وہ ضروریاتِ دِین کا قائل ہو، لیکن یہ ضرور کہوں گا کہ اپنی ناقص معلومات کی بنا پر اتنا بڑا دعویٰ کرکے، اور مسلمانوں کو کافر ٹھہراکر یہ شخص گنہگار ہو رہا ہے، اس کو توبہ کرنی چاہئے، اور دُوسرے لوگوں کو چاہئے کہ اس موضوع پر اس سے گفتگو ہی نہ کریں۔

کیا طالبان کا جہاد شرعی جہاد ہے؟

سوال:... کیا فرماتے ہیں مفتیانِ عظام طالبان تحریک افغانستان کے بارے میں کہ اگر کوئی آدمی اس تحریک میں شامل ہوکر ان کے مخالفین کے ساتھ لڑکر فوت ہوجائے، کیا یہ آدمی شہید کہلایا جائے گا؟ دراصل اشکال اس بات کا ہے کہ ان طالبان کے حریف احمد شاہ مسعود، حکمت یار اور ربانی جیسے سابق مجاہدین ہیں، جنھوں نے رُوسی سامراج کو افغانستان کی سرحد میں سے نکالا اور اب اسلامی حکومت قائم ہوگئی تھی، گوکہ اسلامی نظام انہوں نے بوجوہ نافذ نہیں کیا تھا۔ اب سوال ہے کہ ان لوگوں سے لڑنے والے کو ''مجاہد'' کہا جائے گا؟ نیز اگر مارا جائے، کیا اسے ''شہید'' کہا جائے گا؟ اگر مخالفین کا کوئی آدمی مرجائے ان کے بارے میں جناب کی کیا رائے ہے؟ نیز اس لڑائی کو ''جہاد'' کہا جائے گا یا کچھ اور؟

جواب:... جہاں تک مجھے معلوم ہے طالبان کی تحریک صحیح ہے، افغانستان کی جن جماعتوں اور ان کے لیڈروں نے رُوس کے خلاف لڑائی کی وہ تو صحیح تھی، لیکن بعد میں ان لیڈروں نے اپنے اپنے علاقے میں اپنی حکومت بنالی، اور ملک میں طوائف الملوکی کا دور دورہ ہوا، ملک میں نہ امن قائم ہوا، نہ پورے ملک میں کوئی مرکزی حکومت قائم ہوئی، نہ اسلامی نظام نافذ ہوا۔

طالبان نے جہادِ افغانستان کو رائیگاں ہوتے ہوئے دیکھا تو اِسلامی حکومت قائم کرنے کے لئے تحریک چلائی، اور جو علاقے ان کے زیرِنگین آئے ان میں اسلامی نظام نافذ کیا، افغانستان کے تمام لیڈروں کا فرض تھا کہ وہ اس تحریک کی حمایت کرتے، مگر وہ طالبان کے مقابلے میں آگئے۔ اب افغانستان میں لڑائی اس نکتے پر ہے کہ یہاں اسلامی نظام نافذ ہو یا نہیں؟ طالبان کی تحریک اسلامی نظام کے نفاذ کے لئے ہے اور ان کے مخالفین کی حیثیت باغیوں کی ہے، اس لئے "طالبان" کے جو لوگ مارے جاتے ہیں وہ اعلائے کلمۃ اللہ کے لئے جان دیتے ہیں، بلاشبہ وہ شہید ہیں۔

حکومت کے خلاف ہنگاموں میں مرنے والے اور افغان چھاپہ مار کیا شہید ہیں؟

سوال:... حکومت کے خلاف ہنگامے کرنے والے جب مرجاتے ہیں یا افغان چھاپہ مار مرجاتے ہیں یا ہندوستان کے مسلمان فوجی مارے جاتے ہیں، یہ سب شہید ہیں یا نہیں؟ کیونکہ یہ جہاد کے طریقے سے نہیں لڑتے اور ہنگاموں میں مرنے والوں کی نمازِ جنازہ پڑھی جاتی ہے، جبکہ اخبار میں لکھا جاتا ہے کہ شہداء کی نمازِ جنازہ ادا کی جارہی ہے۔

جواب:... افغان چھاپہ مار تو ایک کافر حکومت کے خلاف لڑتے ہیں، ان کے شہید ہونے میں شبہ نہیں۔ ہندوستان کے مسلمان فوجی، جب کسی مسلمان حکومت کے خلاف لڑیں، ان کو شہید کہنا سمجھ میں نہیں آتا۔ اور حکومت کے خلاف بلووں اور ہنگاموں میں مرنے والوں کی کئی قسمیں ہیں، بعض بے گناہ خود بلوائیوں کے ہاتھوں مارے جاتے ہیں، بعض بے گناہ پولیس کے ہاتھوں مرجاتے ہیں اور بعض دنگا فساد کی پاداش میں مرتے ہیں، اس لئے ان کے بارے میں کوئی قطعی حکم لگانا مشکل ہے۔

اِسرائیل کے خلاف لڑنا کیا جہاد ہے؟

سوال:... اسرائیل کے خلاف بیت المقدس اور فلسطین کی آزادی کے لئے تنظیم آزادیٔ فلسطین (پی ایل او)(P.L.O) جو مزاحمت کر رہی ہے، کیا وہ اسلام کی رُو سے جہاد کے زُمرے میں آتی ہے؟

جواب:... مسلمانوں کی جو لڑائی کافروں کے ساتھ محض اللہ تعالیٰ کی رضامندی اور کلمۂ اسلام کی سربلندی کے لئے ہو، وہ بلاشبہ جہاد ہے۔ اس اُصول کو آپ تنظیم آزادیٔ فلسطین پر خود منطبق کرلیجئے۔ [1]

---

(۱) وعن أبی موسٰی قال: جاء رجل إلی النبی صلی الله علیه وسلم فقال الرجل یقاتل للمغنم والرجل یقاتل للذکر والرجل یقاتل لیریٰ مکانه فمن فی سبیل الله؟ قال: من قاتل لتکون کلمة الله هی العلیا فهو فی سبیل الله. متفق علیه. (مشکوٰة، کتاب الجهاد، الفصل الأوّل ج:۲ ص:۳۳۱، طبع قدیمی)۔ وفی عرف الشرع یستعمل فی بذل الوسع والطاقة بالقتال فی سبیل الله عزّ وجلّ بالنفس والمال واللسان أو غیر ذالک أو المبالغة فی ذالک. (بدائع الصنائع ج:۷ ص:۹۷، کتاب السیر)۔

سوال:… تنظیم آزادیٔ فلسطین کی طرف سے کوئی غیر فلسطینی مسلمان، اسرائیل کے خلاف لڑتا ہوا مارا جائے تو کیا وہ شہادت کا رُتبہ پائے گا؟

جواب:… اس میں کیا شبہ ہے!

سوال:… ہمارے علماء نوجوان مسلمانوں کو اسرائیل کے خلاف جہاد کرنے پر کیوں نہیں اُکساتے؟

جواب:… اسلامی ممالک، اسرائیل کے خلاف جہاد کا اعلان کردیں تو علمائے کرام مسلمانوں کو جہاد کی ترغیب ضرور دیں گے۔

شہید کی تعریف نیز لسانی فسادات میں مارے جانے والوں کو شہید کہنا

سوال:… یہ بتایئے کہ شہید کسے کہتے ہیں؟ کیونکہ سندھ کے موجودہ حالات میں جہاں کہیں بھی دو گروہوں میں لسانی تصادم ہوتا ہے اور اس تصادم میں کسی گروہ کا کوئی فرد مارا جاتا ہے تو وہ گروہ اپنے مرنے والے اس آدمی کو ''شہید'' قرار دیتا ہے۔ اس طرح عام آدمی کے دل میں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا ایک مسلمان دُوسرے مسلمان کے ہاتھوں بغیر کسی وجہ کے محض لسانی تعصب کی وجہ سے قتل ہوجائے تو کیا وہ ''شہید'' ہوگا؟ جبکہ مرنے والا اگر خود قتل نہ ہوتا تو وہ مخالف کو قتل کردیتا۔ اَزراہِ کرم اس کی وضاحت فرمایئے۔

جواب:… صحیح مسلم کی حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حلفاً فرمایا کہ دُنیا ختم نہیں ہوگی یہاں تک کہ لوگوں پر ایک وقت آئے گا کہ قاتل کو پتا نہیں ہوگا کہ اس نے کیوں قتل کیا؟ اور مقتول کو پتا نہیں ہوگا کہ اسے کیوں قتل کیا گیا؟ عرض کیا گیا کہ ایسا کیوں ہوگا؟ فرمایا: فتنہ و فساد ہوگا، قاتل اور مقتول دونوں جہنم میں جائیں گے (مشکوٰۃ ص:۴۶۲)۔[1]

اور صحیحین کی حدیث میں ہے کہ جب دو مسلمان تلواریں سونت کر مقابلے پر اُتر آئیں تو قاتل اور مقتول دونوں دوزخ میں ہوں گے۔ صحابہؓ نے عرض کیا: قاتل تو خیر جہنمی ہوا، مگر مقتول کیوں جہنمی ہوا؟ فرمایا: وہ بھی اپنے مقابل کے قتل کرنے کا حریص تھا (مشکوٰۃ ص:۳۰۷)۔[2]

ان احادیث سے معلوم ہوا کہ جو لوگ ایک دُوسرے کے خلاف ہتھیار اُٹھائے پھر رہے ہیں، یہ تو خواہ قاتل ہوں یا مقتول، دونوں صورتوں میں ''فی النار والسقر'' ہیں، ان کو ''شہید'' کہنا لفظ ''شہید'' کا غلط استعمال ہے۔ اسی طرح جس شخص کو عدالت نے سزائے موت دی ہو، اس کو ''شہید'' کہنا بھی شہیدوں کے لہو کی بے حرمتی ہے۔

اسلامی نقطۂ نظر سے ''شہید'' اس عاقل، بالغ، مسلمان کو کہا جاتا ہے جس کو:

---

(۱) عن أبي هريرة قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: والذي نفسي بيده! لا تذهب الدنيا حتّٰى يأتي على الناس يوم لا يدري القاتل فيم قَتَل ولَا المقتول فيم قُتِل، فيقول كيف يكون ذالك؟ قال: الهرج! القاتل والمقتول في النار. رواه مسلم. (مشكوٰة ص:۴۶۲ كتاب الفتن، الفصل الأوّل، طبع قديمي).

(۲) عن أبي بكرة عن النبي صلى الله عليه وسلم قال: إذا التقى المسلمان حمل أحدهما علٰى أخيه السلاح فهما في جُرف جهنم، فإذا قتل أحدهما صاحبه دخلاها جميعًا. وفي رواية عنه قال: إذا التقى المسلمان بسيفهما فالقاتل والمقتول في النار. قلت: هٰذا القاتل فما بال المقتول؟ قال: انه كان حريصًا علٰى قتل صاحبه. متفق عليه. (مشكوٰة ص:۳۰۷ باب قتل أهل الردة، الفصل الأوّل، طبع قديمي).

۱:...کافروں نے قتل کیا ہو۔
۲:... یا میدانِ جہاد میں مقتول پایا جائے۔
۳:... یا اسے چوروں، ڈاکوؤں اور باغیوں نے قتل کیا ہو۔
۴:... یا وہ اپنی یا کسی دُوسرے کی جان و مال، عزّت و آبرو کی مدافعت کرتا ہوا مارا جائے۔
۵:... یا وہ بے گناہ مسلمان جسے کسی مسلمان نے آلۂ جارحہ سے عمداً قتل کر دیا ہو۔ (۱)

ان تمام صورتوں میں اگر اس شخص میں دو شرطیں پائی جائیں تو یہ دُنیوی حکم کے لحاظ سے بھی شہید ہے، یعنی اس کو غسل نہیں دیا جاتا، بلکہ اسے خون آلود کپڑوں سمیت کفن پہنا کر دفن کر دیا جاتا ہے... نمازِ جنازہ اس کی پڑھی جائے گی...۔ (۲)

پہلی شرط یہ ہے کہ مقتول ہونے سے پہلے اس پر غسل فرض نہ ہو، اگر اس پر غسل فرض تھا مثلاً: جنابت کی حالت میں مارا گیا، یا کوئی خاتون حیض و نفاس کی حالت میں ماری گئی تو اس کو غسل دیا جائے گا، اور شہید کا دُنیوی حکم اس پر جاری نہیں ہوگا۔ (۳)

دُوسری شرط یہ ہے کہ یا تو موقع پر جاں بحق ہو گیا ہو، یا زخمی ہونے کے بعد اسے کچھ کھانے پینے یا علاج معالجے کرانے کی مہلت نہ ملی ہو، اور اگر زخمی ہونے کے بعد اس نے کچھ کھا پی لیا، یا اس کی مرہم پٹی کی گئی، یا ہوش و حواس کی حالت میں اس پر نماز کا وقت گزر گیا، تب بھی اس پر شہید کا دُنیوی حکم جاری نہیں ہوگا، یعنی اس کو غسل دیا جائے گا، البتہ آخرت میں یہ شخص شہیدوں میں اُٹھایا جائے گا۔ (۴)

”شہید“ کا مفہوم اور اُس کی اَقسام

سوال:... اکثر ایسا ہوتا ہے جس بس یا ریل کے نیچے آجائے، یا پاکستان ہندوستان کی جنگ میں قتل کر دیا جائے ”شہید“ کہلاتا ہے، حالانکہ شہید وہ ہے جو اللہ کی راہ میں مارا جائے، اور اس میں وہ تمام صفات پائی جائیں جو ایک مسلمان میں ہونی چاہئیں، نماز، روزہ، زکوٰۃ، وغیرہ کا پابند ہو۔ اور دُنیاوی لالچ، حرص، تمغے کی خاطر نہ لڑے، لیکن یہاں ایسا ہوتا ہے، تو پھر کیوں ہم شہیدوں کے درجے کو مسخ کرتے ہیں اور کیا یہ خیانت نہ ہوگی؟

جواب:... شہید کی دو قسمیں ہیں، ایک حقیقی شہید، دُوسرا معنوی شہید۔ حقیقی شہید جس کو غسل و کفن کے بغیر دفن کرنے کا حکم

---

(۱) الشهيد من قتله المشركون .... أو وجد في المعركة وبه أثر .... أو قتله المسلمون ظلما ..... ولم يجب بقتله دية. (الجوهرة النيرة ج:۱ ص:۱۱۳، باب الشهيد، كتاب الصلاة).

(۲) فيكفن أي يلف في ثيابه ويصلى عليه .... ولَا يغسل عن الشهيد دمه .... ولَا تنزع عنه ثيابه. (الجوهرة النيرة ج:۱ ص:۱۱۳، باب الشهيد، كتاب الصلاة).

(۳) ويغتسل إن قتل جنبًا .... وكذا تغسل إن قتلت حائضًا أو نفساء ...إلخ. (عالمگیری ج:۱ ص:۱۶۸).

(۴) ويغسل من ارتث وهو من صار خلقا في حكم الشهادة لنيل مرافق الحياة وهو أن يأكل أو يشرب أو ينام أو يداوى ...إلخ. (عالمگیری ج:۱ ص:۱۶۸، الباب الحادي والعشرون في الجنائز، الفصل السابع في الشهيد).

ہے، وہ مسلمان ہے جو معرکۂ جنگ میں کافروں کے ہاتھوں سے یا باغیوں اور ڈاکوؤں کے ہاتھ سے مارا جائے، یا کسی مسلمان نے اس کو ظلماً قتل کیا ہو، اور اس کے قتل سے دیت واجب نہ ہو۔[1]

معنوی شہید وہ ہے جو دُنیوی اَحکام کے اِعتبار سے شہید نہیں کہلاتا، بلکہ عام مسلمانوں کی طرح اس کا غسل کفن بھی کیا جاتا ہے، مگر آخرت کے اِعتبار سے شہید کہلاتا ہے۔ اور حدیث میں بہت سے لوگوں کو اس قسم کے شہید قرار دیا گیا ہے، مثلاً: جو طاعون میں مرے، اِستطلاقِ بطن سے مرے، عورت نفاس کی حالت میں مرے، کوئی شخص کسی حادثے میں اِنتقال کرجائے۔[2] جہاں تک کسی کے نیک ہونے کا تعلق ہے، یہ معاملہ براہِ راست اللہ تعالیٰ کے سپرد ہے، ہم ظاہری حالات پر حکم کریں گے، پس جو شخص نیک اور صالح تھا اور اُسے ظاہری یا معنوی شہادت کی موت نصیب ہوئی، اُس کے بارے میں شہادت کی بشارت قوی ہے، اور جو شخص بظاہر اچھا نہیں تھا اس کا معاملہ خدا کے سپرد ہے۔ واللہ اعلم!

شہید کون ہے، مارا جانے والا یا سزا میں پھانسی دیا جانے والا؟

سوال:... ایک طالب علم کو کالج یا یونیورسٹی میں کسی تنظیم کے بعض افراد قتل کردیتے ہیں، اور قاتلوں کو گرفتاری کے بعد عدالت کے ذریعے پھانسی کی سزا ملتی ہے، تو تنظیم والے کہتے ہیں کہ جس کو پھانسی دی گئی ہے، وہ شہید ہے۔ جبکہ دُوسری پارٹی کہتی ہے کہ جسے قتل کیا گیا ہے وہ شہید ہے۔ اصل میں شہید کون ہے؟

جواب:... جو مسلمان ظلماً قتل کردیا جائے وہ شہید ہے، اور جو اپنے جرم کی سزا میں مارا جائے وہ شہید نہیں۔[3]

اپنی مدافعت یا مال کی حفاظت میں مارا جانے والا شہید ہے

سوال:... زید کے گھر میں ڈاکو ڈاکا ڈالنے کی نیت سے یا چوری کی نیت سے یا کوئی لفنگا کسی بُرے کام سے روکنے یا بدلہ لینے، ڈاکا ڈالنے، چوری کرنے آئیں اور زید پر حملہ آور ہوں، زید اپنی جان بچانے کے لئے چور، ڈاکو، لفنگے پر گولی چلائے اور وہ ہلاک ہوجائے تو ایسی صورت میں خدا کے یہاں زید کے ذمہ خون ہوگا یا نہیں؟

---

(۱) الشهيد من قتله المشركون .... أو وجد في المعركة وبه أثر .... أو قتله المسلمون ظلمًا .... ولم يجب بقتله دية .... فيكفن أي يلف في ثيابه ويصلى عليه .... ولَا يغسل عن الشهيد دمه .... ولَا تنزع عنه ثيابه وينزع عنه الفرو والحشو ... إلخ. (الجوهرة النيرة ج:۱ ص:۱۱۳، باب الشهيد، كتاب الصلاة).

(۲) عن أبي هريرة رضي الله عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: ما تعدون الشهيد فيكم؟ قالوا: يا رسول الله! من قتل في سبيل الله فهو شهيد. قال: إن شهداء أمتي إذًا لقليل، من قتل في سبيل الله فهو شهيد، ومن مات في سبيل الله فهو شهيد، ومن مات في الطاعون فهو شهيد، ومن مات في البطن فهو شهيد. رواه مسلم. (مشكوة ص:۳۳۱، كتاب الجهاد، الفصل الأوّل).

(۳) الشهيد من قتله المشركون .... أو قتله المسلمون ظلمًا قيد بالظلم إحترازًا عن الرجم في الزنا والقصاص ... إلخ. (الجوهرة النيرة ج:۱ ص:۱۱۳، باب الشهيد، كتاب الصلاة). ومن قتل في حد أو قصاص غسل وصلى عليه لأنه لم يقتل ظلمًا. (الجوهرة النيرة ج:۱ ص:۱۱۴، باب الشهيد، كتاب الصلاة).

جواب:... اپنی مدافعت میں مارا جائے تو شہید ہے،[1] اور حملہ آور کو قتل کردے تو بری الذمہ ہے۔[2]

کیا ظلماً مسلمان کے ہاتھوں قتل ہونے والا بھی جنت میں جائے گا؟

سوال:... اگر کوئی مسلمان دُوسرے مسلمان کے ہاتھوں مارا جائے تو کیا وہ جنت میں جائے گا اگر جمعہ کا دن ہو؟

جواب:... اگر کسی نے ظلماً قتل کردیا ہو تو شہید ہے، بشرطیکہ مسلمان ہو، نماز روزے کا قائل ہو۔[3]

کیا بے گناہ قتل کیا جانے والا آدمی بھی شہید ہے؟

سوال:... اگر کوئی آدمی بے گناہ قتل کردیا جائے تو کیا وہ بھی شہید ہے؟

جواب:... شہید دو قسم کے ہوتے ہیں، ایک دُنیاوی اَحکام کے اِعتبار سے شہید، دُوسرا وہ ہے جس کو کافروں یا باغیوں یا تخریب کاروں اور ڈاکوؤں نے قتل کیا ہو، جو میدانِ جہاد میں مقتول پایا جائے، یا کسی مسلمان نے اس کو ناحق مارا ہو،[4] ایسے شہید کو غسل اور کفن نہیں دیا جاتا، بلکہ اپنے خون آلود کپڑوں میں اس کو دفن کردیا جاتا ہے۔[5] اور معنوی شہید وہ ہے جو طاعون میں مرے، اِستطلاقِ بطن سے مرے، اچانک ڈُوب جائے یا آگ میں جل جائے یا کسی دیوار وغیرہ کے نیچے دَب کر مرجائے وغیرہ، یہ آخرت کے اِعتبار سے شہید ہیں، دُنیاوی اَحکام کے اِعتبار سے شہید نہیں۔[6]

مقتول شیعہ اثناعشری کو شہید کہنا

سوال:... ہمارے شہر میں شیعہ اثناعشری فرقے سے تعلق رکھنے والے بدر عباس کو نامعلوم لوگوں نے فائرنگ کرکے قتل

---

(۱) ومن قتل مدافعًا عن نفسه أو ماله أو عن المسلمين أو أهل الذمة بأى آلة قتل بحديد أو حجر أو خشب فهو شهيد كذا في محيط السرخسي. (عالمگيرى ج:۱ ص:۱۶۸، الفصل السابع في الشهيد). أيضًا: عن عبدالله بن عمرو قال: سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول: من قتل دونه ماله فهو شهيد. متفق عليه. (مشكوٰة ص:۳۰۵، باب ما لَا يضمن ... إلخ).

(۲) عن أبي هريرة قال: جاء رجل فقال: يا رسول الله! أرأيت إن جاء رجل يريد أخذ مالي؟ قال: فلا تعطه مالك! قال: أرأيت إن قاتلني؟ قال: قاتله! قال: أرأيت إن قتلني؟ قال: فأنت شهيد! قال: أرأيت إن قتلته؟ قال: هو في النار! رواه مسلم. (مشكوٰة ص:۳۰۵، باب ما لَا يضمن من الجنايات).

(۳) الشهيد من قتله .... المسلمون ظلمًا ... إلخ. (الجوهرة النيرة ج:۱ ص:۱۱۳، باب الشهيد، كتاب الصلاة).

(۴) الشهيد من قتله المشركون .... أو وجد في المعركة وبه أثر .... أو قتله المسلمون ظلمًا. (الجوهرة النيرة ج:۱ ص:۱۱۳، باب الشهيد، كتاب الصلاة).

(۵) فيكفن أى يلف في ثيابه ويصلى عليه .... ولَا يغسل عن الشهيد دمه. (الجوهرة النيرة ج:۱ ص:۱۱۳).

(۶) عن أبي هريرة رضي الله عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: ما تعدون الشهيد فيكم؟ ... ... من قتل في سبيل الله فهو شهيد، ومن مات في الطاعون فهو شهيد، ومن مات في البطن فهو شهيد. رواه مسلم (مشكوٰة ص:۳۳۱). أيضًا: عن أبي هريرة رضي الله عنه ان رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: بينما رجل يمشي بطريق وجد غصن شوك على الطريق فأخره فشكر الله له فغفر له وقال الشهداء خمسة المطعون والمبطون والغرق وصاحب الهدم والشهيد في سبيل الله. (مسلم شريف ج:۲ ص:۱۴۲، باب بيان الشهداء، طبع قديمى).

کردیا، مقتول تحریکِ جعفریہ خانیوال کا صدر ضلعی اور ماتمی کمیٹی کا سربراہ تھا۔ مدینہ مسجد خانیوال کے اِمام قاری اِکرام اللہ نے نمازِ جمعہ کے بعد مقتول بدر عباس کے لئے اس کا نام لے کر دو مرتبہ دُعائے مغفرت کرائی اور اسے شہید کہا۔ دُعا کے الفاظ یہ ہیں: ''یا اللہ! سیّد بدر عباس شہید کی مغفرت فرما'' کچھ لوگ قاری صاحب کی اس حرکت پر ناراض ہوئے تو قاری صاحب نے بجائے غلطی تسلیم کرنے کے یہ کہا کہ مجھے کسی کی پروا نہیں، اِنتظامیہ میرے ساتھ ہے۔ بلکہ دو حفاظِ کرام سے قاری اکرام اللہ نے یہ کہا کہ مقتول کا اپنی زندگی میں میرے پاس آنا جانا تھا، تم اس کا کفر ثابت کرو۔ سوال یہ ہے کہ کیا ایسے شخص کو اِمام بنانا جائز ہے؟ کیا اس کے پیچھے نماز ہوجاتی ہے؟ جو لوگ نماز پڑھ رہے ہیں ان کے بارے میں کیا حکم ہے؟ مسجد کی اِنتظامیہ کے بارے میں کیا حکم ہے؟

جواب:... ہمارے یہاں جو تشدّد کی تحریکیں چل رہی ہیں، میں اس کو جائز نہیں سمجھتا۔ باقی اہلِ سنت اور شیعہ کے اِختلافات پر میں مستقل کتاب لکھ چکا ہوں، اور علماء کا فتویٰ بھی سامنے آچکا ہے۔ خلاصہ یہ کہ ان عقائد کے رکھنے والے کو مسلمان[1] یا شہید[2] کہنا صحیح نہیں۔ اور ایسے شخص کے پیچھے نماز دُرست نہیں۔[3] اگر کسی ہندو، عیسائی، یہودی یا کسی اور غیرمسلم کو ناحق قتل کردیا جائے، جبکہ وہ ہمارے ملک کا شہری ہے تو وہ بھی ناجائز ہوگا،[4] لیکن کسی ایسے غیرمسلم کو جو ظلماً قتل کیا گیا ہو، ''شہید'' کہنا صحیح نہیں۔[5] واللہ اعلم!

کیا دو ممالک کی جنگ اور بم دھماکوں، تخریب کاری کے واقعات میں ہلاک ہونے والے بھی شہید ہوتے ہیں؟

سوال:... شہید کسے کہتے ہیں؟

۲:... کیا شہیدوں کے بھی درجے ہوتے ہیں؟

۳:... بم دھماکوں یا تخریب کاری کے دیگر واقعات میں جو ہلاک ہوتے ہیں وہ بھی شہید کہلاتے ہیں؟

۴:... اور دو ممالک جن کے درمیان جنگ چھڑ جاتی ہے اور ایک دُوسرے کے شہری یا دیہی علاقوں پر حملے اور بمباری کے نتیجے میں جو لوگ ہلاک ہوجائیں تو وہ بھی شہید کہلائے جائیں گے؟ اور اگر دونوں ممالک مسلم ممالک ہوں تو پھر بھی شہید کہلائیں گے؟

۵:... ایک شخص جو کسی اور لوگوں کی لڑائی کی وجہ سے بےگناہ غلطی سے ہلاک ہوجائے تو وہ بھی شہید ہوگا؟

۶:... نیز علمائے کرام سے سنا ہے کہ خدا تعالیٰ کا اِرشاد ہے کہ شہیدوں کو مردہ مت کہو، بلکہ وہ زندہ ہیں، اور انہیں جنت کی

---

(۱) ان الرافضي إن كان ممن يعتقد الألوهية في عليّ أو أن جبريل غلط في الوحي أو كان ينكر صحبة الصديق أو يقذف السيّدة الصديقة فهو كافر لمخالفة القواطع المعلومة من الدين بالضرورة. (شامي ج:۳ ص:۴۶، فصل في المحرمات).

(۲) (الشهيد) هو كل مكلف مسلم طاهر .... قتل ظلمًا بغير حق ... إلخ. (الدر المختار مع الرد ج:۲ ص:۲۴۸).

(۳) ويكره تقديم العبد والأعرابي .... والفاسق لأنه لا يهتم بأمر دينه ... إلخ. (الجوهرة النيرة ج:۱ ص:۵۸).

(۴) عن عبدالله بن عمرو قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: من قتل معاهدًا لم يرح رائحة الجنة وإن ريحها توجد من مسيرة أربعين خريفًا. رواه البخاري. (مشكوة ص:۲۹۹، كتاب القصاص، الفصل الأوّل).

(۵) ایضاً حاشیہ نمبر ۲ ملاحظہ کیجئے۔

خوراک ملتی ہے۔ تو کیا وہ شخص جو مثال کے طور پر قاتل ہو، مقروض ہو، یا کسی کی چوری کی ہو تو اس کے لئے کیا حکم ہے؟ کیا اس سے حقوق اللہ یا حقوق العباد کا محاسبہ نہیں ہوگا؟

جواب:... جس عاقل، بالغ، مسلمان کو کسی کافر یا باغی یا ڈاکو نے قتل کردیا ہو، یا کسی مسلمان نے آلۂ جارحہ سے قتل کردیا ہو، وہ شہید ہے۔[1]

۲:... شہیدوں کے درجات بھی ان کے اِخلاص اور مظلومیت کے مطابق مختلف ہوسکتے ہیں۔

۳:... جو مسلمان بم کے دھماکے میں یا تخریب کاری کے واقعے میں جاں بحق ہوجائے وہ بلاشبہ شہید ہے، اس لئے کہ بم پھینکنے والے اور دُوسرے تخریب کار اگر کافر نہ ہوں تو ان کے باغی، مفسد اور قاطع طریق (ڈاکو) ہونے میں تو کوئی شبہ نہیں۔

۴:... ان میں جو مسلمان ظلماً قتل کئے گئے وہ شہید ہوں گے، ہر ایک کی فرداً فرداً تفصیل اللہ تعالیٰ کو معلوم ہے۔

کیا جرائم پیشہ افراد سے مقابلے میں مارا جانے والا پولیس اہلکار شہید ہے؟ نیز حکمرانوں یا افسرانِ بالا کی حفاظت میں مارے جانے والے کا شرعی حکم

سوال:... کیا پولیس کا کوئی فرد اگر جرائم پیشہ افراد کا مقابلہ کرتے ہوئے یا حکومت کے باغی لوگ جو سرکاری یا نجی املاک کو نقصان پہنچا رہے ہوں، یا حکومت کے افسرانِ بالا مثلاً سربراہِ مملکت یا وزراء وغیرہ کی حفاظت کرتے ہوئے اور اپنی ڈیوٹی کو فرض سمجھتے ہوئے حملہ آوروں کا مقابلہ کرتے ہوئے مارا جائے تو کیا وہ شہید ہوگا؟ اگر شہید تصوّر کیا جاتا ہے تو کیسے؟ اگر نہیں تو کیوں؟ قرآن وحدیث کی روشنی میں وضاحت کریں۔

جواب:... اُصول یہ ہے کہ جو مسلمان ظلماً قتل کردیا جائے وہ شہید ہے، اس اُصول کے مطابق پولیس کا سپاہی اپنی ڈیوٹی ادا کرتا ہوا مارا جائے... بشرطیکہ مسلمان ہو... تو یقیناً شہید ہوگا۔[2]

جب شہید کو زِندہ کہا گیا ہے تو پھر اُس کی نمازِ جنازہ کیوں پڑھی جاتی ہے؟ بیوی دُوسرا نکاح کیوں کرتی ہے؟

سوال:... جب شہید کو زِندہ کہا گیا ہے تو پھر ان کی نمازِ جنازہ کیوں پڑھی جاتی ہے؟ اس کی بیوی دُوسرا نکاح کیوں کرسکتی ہے؟ اس کی وراثت کیوں تقسیم ہوتی ہے؟

جواب:... دُنیوی زندگی تو شہید کی بھی پوری ہوگئی، اس کی نمازِ جنازہ کا ہونا، وراثت کا تقسیم ہونا، بیوہ کا عقدِ ثانی کرلینا،

---

(۱) هو كل مكلف مسلم طاهر .... قتل ظلمًا بغير حق بجارحة أى بما يوجب القصاص .... و كذا يكون شهيدًا لو قتله باغ أو حربي أو قاطع طريق ... إلخ۔ (الدر المختار مع الرد ج:۲ ص:۲۴۷، باب الشهيد)۔

(۲) ایضاً حوالہ بالا۔

دُنیوی زندگی کے خاتمے کے لوازم ہیں۔ اور قرآنِ کریم نے شہداء کے لئے جس زندگی کا اِثبات کیا ہے، وہ دُوسرے جہان کی زندگی ہے، جو ہمارے شعور و اِدراک سے بالاتر ہے۔ حالانکہ شہید اس دُنیا سے رُخصت ہوچکے ہیں، مگر اس کے باوجود اللہ تعالیٰ نے ان کو مردے کہنے سے منع کیا ہے، کیونکہ ان کو دُوسرے جہان میں قوی تر حیات حاصل ہے، اور اس حیات کے ہوتے ہوئے ان کو "مردہ" کہنا جائز نہیں۔ (۱)

مشرکوں پر عذاب کا دور بھی جبھی تصوّر کیا جاسکتا ہے جبکہ ان میں کسی نوعیت کی حیات تسلیم کرلی جائے، گو ہم لوگ اس کا اِدراک نہ کرسکیں، ورنہ جمادِ محض کو تو عذاب نہیں ہوسکتا، اس سے ثابت ہوا کہ دُوسرے جہان کی زندگی برحق ہے اور ہر شخص کو یہ زندگی حاصل ہوتی ہے جس سے وہ ثواب و عذاب کا اِدراک کرتا ہے۔ اور شہیدوں کی زندگی اتنی طاقتور ہوتی ہے کہ ان کو "مردہ" کہنے کی بھی ممانعت کردی گئی ہے، اور یہ ظاہر ہے کہ انبیائے کرام علیہم السلام اور صدیقین کا مرتبہ شہیدوں سے بھی اعلیٰ تر ہے، اس لئے ان کی دُوسرے جہان والی زندگی شہیدوں سے زیادہ طاقتور ہوگی، اور جب شہیدوں کو مردہ کہنے کی ممانعت ہے تو نبیوں اور صدیقوں کو مردہ کہنا اس سے بڑھ کر بے ادبی اور گستاخی کی بات ہے۔

شہید کی طرح نبیوں، صدیقوں کو مردہ کہنے کی ممانعت کیوں ہے؟

سوال:... اس وقت خط لکھنے کی وجہ یہ ہے کہ میں نے جمعہ کے اخبار میں "آپ کے مسائل اور اُن کا حل" پڑھا، اس میں آپ نے دُوسرے جہان کی زندگی کے حوالے سے لکھا کہ: "جب شہیدوں کو مردہ کہنے کی ممانعت ہے تو نبیوں اور صدیقوں کو مردہ کہنا اس سے بڑھ کر بے ادبی اور گستاخی کی بات ہے۔" اس کے جواب میں مجھے یہ عرض کرنا تھا کہ شہیدوں کی زندگی کے بارے میں تو خود اللہ تعالیٰ نے قرآن میں اِرشاد فرمایا، جبکہ نبی یا صدیق کے لئے ایسا کوئی حکم نہیں ہے۔

جواب:... قرآنِ کریم نے والدین کو "اُف" کہنے سے منع فرمایا ہے۔ مگر ان کو مارنے پیٹنے اور گالی دینے سے منع نہیں فرمایا۔ لیکن ہر عاقل سمجھتا ہے کہ جب اُف کہنے کی ممانعت فرمائی تو اس سے بڑی چیزوں کی ممانعت ازخود سمجھی گئی۔ اسی طرح سمجھئے کہ جب شہیدوں کو مردہ کہنے سے منع فرمایا تو ان سے بڑے لوگوں کو مردہ کہنے کی ممانعت اَزخود سمجھی گئی۔ (۲)

---

(۱) وقال الشيخ عزالدين ابن عبدالسلام فى أماليه فى قوله تعالٰى: "ولَا تحسبنّ الذين قتلوا فى سبيل الله أمواتًا بل أحياء" فإن قيل: الأموات كلهم كذالك، فكيف خصص هؤلَاء؟ فالجواب ان الكل ليس كذالك، لأن الموت عبارة عن أن تنزع الروح عن الأجساد لقوله تعالٰى: "الله يتوفى الأنفس حين موتها" أى: يأخذها وافية من الأجساد، والمجاهد تنقل روحه إلٰى طير خضر، فقد انتقل من جسد إلٰى آخر بخلاف غيره، فإن أرواحهم تنفى من الأجساد۔ (شرح الصدور ص:۲۴۶، للسيوطى)۔

(۲) الدال بدلَالة النص وهو اللفظ الدال علٰى ان حكم المنطوق به ثابت لمسكوت عنه لفهم علة ذالك الحكم بمجرد العلم باللغة كقوله تعالٰى: فلا تقل لهما أُفٍّ فإنه يدل علٰى ان حكم المنطوق به الذى هو تحريم خطاب الولد لوالديه بكلمة أُفٍّ الموضوعة للتضجر ثابت لضربهما وشتمهما وقتلهما وهٰذه الثلاثة مسكوت عنها لأن النص لم يتناولها لفظًا۔ (تيسير الوصول ص ۱۰۲، محث الدال بدلَالته، طبع إدارة الصديق، ملتان)۔

کیا ہنگاموں میں مرنے والے شہید ہیں؟

سوال:... حیدرآباد اور کراچی میں فسادات اور ہنگاموں میں جو بے قصور ہلاک ہو رہے ہیں، کیا ہم ان کو "شہید" کہہ سکتے ہیں؟ کہہ سکتے ہیں تو کیوں؟ اور نہیں کہہ سکتے تو کیوں؟ قرآن و سنت کی روشنی میں اس کی وضاحت کریں۔

جواب:... شہید کا دُنیاوی حکم یہ ہے کہ اس کو غسل نہیں دیا جاتا اور نہ اس کے پہنے ہوئے کپڑے اُتارے جاتے ہیں، بلکہ بغیر غسل کے اس کے خون آلود کپڑوں سمیت اس کو کفن پہنا کر (نمازِ جنازہ کے بعد) دفن کردیا جاتا ہے۔

شہادت کا یہ حکم اس شخص کے لئے ہے جو: ۱-مسلمان ہو، ۲-عاقل ہو، ۳-بالغ ہو، ۴-وہ کافروں کے ہاتھوں سے مارا جائے یا میدانِ جنگ میں مرا ہوا پایا جائے اور اس کے بدن پر قتل کے نشانات ہوں، یا ڈاکوؤں یا چوروں نے اس کو قتل کردیا ہو، یا وہ اپنی مدافعت کرتے ہوئے مارا جائے، یا کسی مسلمان نے اس کو آلۂ جارحہ کے ساتھ ظلماً قتل کیا ہو۔[۱]

۵-یہ شخص مندرجہ بالا صورتوں میں موقع پر ہلاک ہوگیا ہو اور اسے کچھ کھانے پینے کی، یا علاج معالجے کی، یا سونے کی، یا وصیت کرنے کی مہلت نہ ملی ہو، یا ہوش و حواس کی حالت میں اس پر نماز کا وقت نہ گزرا ہو۔[۲]

۶-اس پر پہلے سے غسل واجب نہ ہو۔[۳]

اگر کوئی مسلمان قتل ہوجائے مگر متذکرہ بالا پانچ شرطوں میں سے کوئی شرط نہ پائی جائے تو اس کو غسل دیا جائے گا اور دُنیوی اَحکام کے اعتبار سے "شہید" نہیں کہلائے گا، البتہ آخرت میں شہداء میں شمار ہوگا۔

افغانستان کے مجاہدین کی اِمداد کرنا

سوال:... افغانستان میں ننگی رُوسی جارحیت کے خلاف تمام مجاہدین برسرِپیکار ہیں اور مجاہدین کے ساتھ اسلحہ، سامانِ خورد و نوش، نیز ان کے بال بچوں کی کفالت کے لئے سخت اقدامات اور فوری امداد کی سخت ضرورت ہے، بنابریں حالات میں اسلامی ممالک پر شریعت کی رُو سے کیا فرائض عائد ہوتے ہیں، قرآن و سنت کی روشنی میں وضاحت سے جواب دیں۔

---

(۱) الشهيد من قتله المشركون أو وجد في المعركة وبه أثر أو قتله المسلمون ظلمًا .... ومن قتله أهل الحرب أو أهل البغي أو قطّاع الطريق فبأي شيء قتلوه لم يغسل .... ولا يغسل عن شهيد دمه ولا ينزع ثيابه ...الخ. (هداية ج:۱ ص:۱۸۳، ۱۸۴، باب الشهيد، كتاب الصلاة).

(۲) من ارتث غسل الارتثات أن يأكل أو يشرب أو ينام أو يداوى أو ينقل من المعركة. (هداية ج:۱ ص:۱۸۴ باب الشهيد، كتاب الصلاة، طبع شركت علميه ملتان).

(۳) إذا استشهد الجنب غسل عند أبي حنيفة. (هداية ج:۱ ص:۱۸۳، باب الشهيد، كتاب الصلاة). ويغسل إن قتل جنبًا ...الخ. (عالمگیری ج:۱ ص:۱۶۸، الباب الحادي والعشرون في الجنائز، الفصل السابع في الشهيد).

جواب: ...ان کی جو مدد بھی ممکن ہو کرنا فرض ہے، مالی، فوجی، اخلاقی۔ (۱)

کشمیری مسلمانوں کی اِمداد

سوال ۱:... اگر کافر کسی اسلامی ملک پر چڑھائی کردیں تو کیا جہاد فرض نہیں ہوجاتا؟ اور اگر لڑنے والے ناکافی ہوں تو قریب والے اسلامی ملک پر بھی جہاد فرضِ عین ہوجاتا ہے۔ اس قاعدے کی رُو سے اس وقت کشمیر کے حوالے سے پاکستان کے لوگوں پر جہاد فرضِ عین ہے، لیکن مسئلہ یہ ہے کہ جہاد کے لئے تو ایک اِمام کا ہونا ضروری ہے جبکہ ہمارا اس وقت کوئی ایک امام نہیں ہے، اور ہمارے حکمرانوں میں اتنا حوصلہ ہے نہیں کہ وہ انڈیا کے خلاف اعلانِ جنگ کرسکیں، یہ تو صرف اقوامِ متحدہ سے مطالبات کرنے والے لوگ ہیں۔ تو ایسی صورتِ حال میں ہمیں اپنی کشمیری ماؤں، بہنوں کی عزتوں سے کھیلنے والے ہندوؤں کے خلاف کیا کرنا ہوگا؟ کیا ہم یونہی ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھے رہیں اور ہندو ہمیں بزدل سمجھ کر ہماری بہنوں کی عزتیں تار تار کرتا رہے؟

سوال ۲:... یہ تو خیر مسئلہ تھا کشمیر کا، لیکن اگر کوئی کافر پاکستان پر حملہ آور ہوجاتا ہے تو کیا ہم اس کے خلاف جہاد نہ کریں؟ کیونکہ جہاد کی تو شرط یہ ہے کہ اِمام کا ہونا ضروری ہے۔

سوال ۳:... اور مزید یہ کہ اس وقت جو پاکستانی تنظیمیں کشمیر میں جہاد کر رہی ہیں کیا ان کا جہاد شریعت کی رُو سے دُرست ہے یا نہیں؟ کیونکہ اِمام تو ہمارا کوئی ہے نہیں، اور نہ ہی ہم نے باقاعدہ اعلانِ جنگ کیا ہے، تو پھر ان لوگوں کا یہ جہاد کس کھاتے میں جا رہا ہے؟

جواب ۱:... کشمیری مسلمانوں کی مدد ضرور کرنی چاہئے۔

جواب ۲:... خدا نہ کرے ایسی صورت پیش آئے، اس وقت حملہ آور کا مقابلہ کرنا ضروری ہوگا۔ (۲)

جواب ۳:... یہ سوال ان تنظیموں سے کرنے کا ہے۔ میری سمجھ میں یوں آتا ہے کہ کشمیر کے تمام مسلمان ایک شخص کو اپنا اِمام بنالیں، اس کے جھنڈے تلے جہاد کریں اور شرعی جہاد کے تمام اَحکام کی رعایت رکھیں، یہ نہ ہو کہ پہلے کافروں سے لڑتے رہیں پھر آپس میں "جہاد" کرنے لگیں۔ (۳)

---

(۱) (فلا بأس بأن يقوى بعضهم بعضا) لأن إعانة البر وجهاد بالمال وكلاهما منصوصان وأحوال الناس في الجهاد تتفاوت فمنهم من يقدر عليه بالنفس والمال لقدرته عليها ومنهم بقدر نفس لقدرته دون المال لفقره ومنهم من يقدر بالمال لغناه دون النفس لعجزه فيجهز الغني بماله لفقير القادر ...إلخ۔ (فتح القدير ج:۵ ص:۱۹۵)۔

(۲) وأما بيان كيفية فرضية الجهاد فالأمر فيه لَا يخلو من أحد وجهين إما إن كان النفير عامًا وإما إن لم يكن، فإن لم يكن النفير عامًا فهو فرض كفاية ومعناه أن يفترض على جميع من هو من أهل الجهاد لٰكن إذا قام به البعض سقط عن الباقين ..إلخ۔ (بدائع الصنائع ج:۷ ص:۹۸، (فصل) وأما بيان كيفية فرضية الجهاد)۔

(۳) عن مكحول عن أبي هريرة قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: الجهاد واجب عليكم مع كل أمير برًا كان أو فاجرًا .إلخ. قال المحدث ظفر أحمد عثماني: وفي الحديث دلَالة على إشتراط الأمير للجهاد وأنه لَا يصح بدونه لقوله صلى الله عليه وسلم الجهاد واجب عليكم مع كل أمير ...إلخ. فإذا لم يكن للمسلمين إمام فلا جهاد نعم يجب على المسلمين أن يلتمسوا لهم أميرًا ويدل على أن الجهاد لَا يصح إلّا بأمير . .إلخ۔ (اعلاء السُّنن ج:۱۲ ص:۲، كتاب السير)۔

جہاد میں ضرور حصہ لینا چاہئے

سوال:... جہادِ اسلامی کیا ہے؟ نیز آج کل کے دور میں افغانستان، بوسنیا، کشمیر اور فلسطین، یہاں پر جہاد کے لئے جانا کیسا ہے؟ اور کیا انسان جہاد کے لئے والدین سے ضرور اجازت لے؟ اور اگر والدین غیرمسلم ہوں یا ان میں سے کوئی ایک غیرمسلم تو کیا ان سے بھی اجازت ضروری ہے؟

جواب ا:... اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے اللہ کے راستے میں کافروں سے لڑنا "جہاد" کہلاتا ہے۔

۲:... ان جگہوں میں جہاں شرعی جہاد ہو رہا ہے، ضرور جانا چاہئے۔

۳:... جہاد اگر فرضِ کفایہ ہے تو والدین کی اجازت کے بغیر جانا جائز نہیں۔[1]

۴:... غیرمسلم والدین کی اجازت شرط نہیں، لیکن اگر وہ خدمت کے محتاج ہوں تو ان کی خدمت ضروری ہے۔

سوال:... میدانِ جہاد میں اگر کوئی ایسا موقع آجائے کہ انسان کے دُشمن کے ہاتھوں پکڑے جانے کا اندیشہ ہو اور تشدّد وغیرہ کا خطرہ ہو تو کیا ایسی صورت میں خودکشی جائز ہے؟

جواب:... خودکشی جائز نہیں،[2] کافرکشی کرکے اس کے ہاتھ سے مرجائے۔

والدین کی اِجازت کے بغیر جہاد میں جانا

سوال:... والدین سے پوچھے بغیر جہاد میں جانا کیسا ہے؟ اگر جائے گا تو گناہگار ہوگا یا ثواب کا مستحق ہوگا؟

جواب:... جہاد فرضِ کفایہ ہے، والدین کی اِجازت کے بغیر جائز نہیں۔ ایک نوجوان نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے جہاد کی اِجازت چاہی، فرمایا: تیرے والدین زندہ ہیں؟ عرض کیا: جی ہاں! فرمایا: پھر جاکر ان میں جہاد کر (مشکوٰۃ)۔[3]

والدین کی نافرمانی کرکے جہاد پر جانا

سوال:... میرا بیٹا جس کی عمر ۱۷ سال ہے، وہ ابھی زیرِ تعلیم ہے، گھر والوں کی مالی معاونت بھی کرتا ہے، لیکن اچانک اسے جہاد کا شوق ہوا، ساتھ ہی اخلاق میں بھی خرابی آنا شروع ہوگئی، یہاں تک کہ گھر والوں پر یعنی والد پر ہاتھ بھی اُٹھالیا، اور گھر کے تمام افراد کے ساتھ بداَخلاقی کے ساتھ پیش آنے لگا۔ وہ اب خاموشی کے ساتھ جہاد کی ٹریننگ کے لئے سفر پر روانہ ہوگیا ہے۔ پوچھنا یہ ہے

---

(۱) عن عبدالله بن عمرو قال: جاء رجل إلى رسول الله صلى الله عليه وسلم فاستأذنه في الجهاد، فقال أحيٌّ والداک؟ قال: نعم! قال: ففيهما فجاهد. متفق عليه. وفي رواية: فارجع إلى والديك فأحسن صحبتهما. (مشكوٰة ج:۲ ص:۳۳۱).

(۲) عن أبي هريرة رضي الله عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: من تردى من جبل فقتل نفسه فهو في نار جهنم خالدًا مخلدًا فيها أبدًا، ومن تحسى سمًّا فقتل نفسه فسمه في يده يتحساه في نار جهنم ...إلخ. (مشكوٰة ص:۲۹۹).

(۳) عن عبدالله بن عمرو قال: جاء رجل إلى رسول الله صلى الله عليه وسلم فاستأذنه في الجهاد، فقال: أحيٌّ والداک؟ قال: نعم! قال: ففيهما فجاهد. متفق عليه. وفي رواية: فارجع إلى والديك فأحسن صحبتهما. (مشكوٰة ج:۲ ص:۳۳۱ كتاب الجهاد، طبع قديمي كتب خانه).

کہ کیا موجودہ دور میں جہاد فرضِ عین ہے؟ یا فرضِ کفایہ؟ نیز اہلِ پاکستان پر فرضِ عین ہوا یا نہیں؟ دُوسرا سوال یہ ہے کہ کیا اس طرح بداَخلاقی کے ساتھ جہاد میں بغیر ماں باپ کی اجازت کے جانا دُرست ہے؟ اور اللہ تعالیٰ اس طرح سے راضی ہوں گے یا ناراض؟

جواب:... مجاہد، بداَخلاقی اور ماں باپ کی نافرمانی کا تصوّر بھی نہیں کرسکتا۔ ابھی اہلِ پاکستان پر جہاد فرضِ عین نہیں کہ ماں باپ کی اِجازت کے بغیر جہاد کے لئے چلا جائے۔[1] اللہ تعالیٰ آپ کے صاحب زادے کو عقلِ سلیم عطا فرمائے۔

جہاد کے لئے والدین کی اِجازت

سوال:... جہاد کے لئے والدین کے علاوہ حکومتِ وقت سے اِجازت لینا ضروری ہے یا نہیں؟

جواب:... اگر محاذِ جنگ پر مجاہدین کی اتنی تعداد ہو جو بخوبی مخالفین سے جنگ کرسکتے ہوں، تو اس صورت میں ماں باپ سے اِجازت لینا ضروری ہے، اور اگر اتنی نفری نہ ہو اور اِمام کی طرف سے نفیرِ عام کا حکم کیا جائے تو اولاد کو ماں باپ کی اِجازت کے بغیر اور بیوی کے لئے شوہر کی اِجازت کے بغیر جہاد کے لئے جانا لازم ہے۔[2]

والدین کی اِجازت کے بغیر جہاد پر جانا

سوال:... میں جہاد پر جانا چاہتا ہوں، مگر میرے والدین اس کی اِجازت نہیں دیتے۔ اگر میں ان کا حکم مان کر جہاد پر نہ جاؤں تو کیا مجھے جہاد پر جانے، والدین کا حکم ماننے اور ان کی فرماں برداری کرنے پر دُہرا اَجر ملے گا؟ یعنی جہاد پر جانے کی نیت رکھنے کا اور والدین کی فرماں برداری کا بھی؟

جواب:... والدین کے اِجازت کے بغیر آپ کو جہاد پر نہیں جانا چاہئے، ان کی خدمت کریں، اس پر آپ کو جہاد کا اَجر ملے گا۔[3]

افغانستان، بوسنیا، کشمیر، فلسطین جہاد کے لئے جانا

سوال:... جہادِ اِسلامی کیا ہے؟ نیز آج کل کے دور میں افغانستان، بوسنیا، کشمیر اور فلسطین یہاں پر جہاد کے لئے جانا کیسا ہے؟ اور کیا انسان جہاد کے لئے والدین سے ضرور اِجازت لے؟ اور اگر والدین غیرمسلم ہوں یا ان میں سے کوئی ایک غیرمسلم ہوں تو ان سے بھی اِجازت ضروری ہے؟

---

(۱) عن عبدالله بن عمرو قال: جاء رجل إلى رسول الله صلى الله عليه وسلم فاستأذنه في الجهاد، فقال: أحيٌّ والداک؟ قال: نعم! قال: ففيهما فجاهد۔ متفق عليه۔ وفي رواية: فارجع إلى والدين فأحسن صحبتهما۔ (مشكوٰة ج ۲ ص: ۳۳۱ كتاب الجهاد، الفصل الأوّل، طبع قديمي)۔

(۲) وفرض عين إن هجم العدو فيخرج الكل ولو بلا إذن ...إلخ۔ (الدر المختار مع الرد ج:۴ ص:۱۲۶، كتاب الجهاد)۔

(۳) ايضاً۔

جواب:...اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے اللہ کے راستے میں کافروں سے لڑنا جہاد کہلاتا ہے۔ [1]

۲:...ان جگہوں میں جہاں شرعی جہاد ہو رہا ہے، ضرور جانا چاہئے۔

۳:...جہاد اگر فرضِ کفایہ ہے تو والدین کی اِجازت کے بغیر جانا جائز نہیں۔ [2]

۴:...غیرمسلم والدین کی اِجازت شرط نہیں، لیکن اگر وہ خدمت کے محتاج ہوں، تو ان کی خدمت ضروری ہے۔ [3]

تبلیغ میں نکلنے کی حیثیت کیا ہے؟

سوال:...بعض حضرات سہ روزہ، عشرہ، چالیس روزہ، چار مہینے یا سال کے لئے اکثر گھربار چھوڑ کر علاقے یا شہر سے باہر جاتے ہیں، تاکہ دِین کی باتیں سیکھیں اور سکھائیں، اکثر لوگ اس کو سنت اور کچھ لوگ اس کو فرض کا درجہ دیتے ہیں، ایک عالم صاحب نے کہا ہے کہ یہ سنت ہے نہ فرض، بلکہ یہ ایک بزرگوں کا طریقہ ہے تاکہ عام لوگ دِین کی باتیں سمجھیں اور اس پر عمل کریں۔ اس کی حیثیت واضح فرمائیں۔

جواب:...دعوت و تبلیغ میں نکلنے سے مقصود اپنی اِصلاح اور اپنے اِیمان اور عمل کو ٹھیک کرنا ہے، اور اِیمان کا سیکھنا فرض ہے، تو اس کا ذریعہ بھی فرض ہوگا، البتہ اگر کوئی اِیمان کو صحیح کرچکا اور ضروری اعمال میں بھی کوتاہی نہ کرتا ہو، اس کے لئے فرض کا درجہ نہیں رہے گا۔

کیا تبلیغ میں نکلنا بھی جہاد ہے؟

سوال:...بعض لوگ یعنی تبلیغی جماعت والے اگر اُن سے جہاد کی بات کریں تو یہ لوگ کہتے ہیں کہ پہلے اِیمان بنالو۔ اِیمان سے کیا مراد ہے؟ اور یہ اِیمان کتنے عرصے میں بن جاتا ہے؟ اور یہ لوگ کس طرح کا اِیمان چاہتے ہیں؟ اور پھر یہ لوگ ٹال مٹول سے بھی کام لیتے ہیں، کیا تبلیغ کرنا فرضِ عین ہے؟

جواب:...تبلیغ میں نکلنا بھی تو جہاد ہے۔

گھر والوں کو خرچ دیئے بغیر تبلیغ میں جانے والوں کا شرعی حکم

سوال:...تبلیغ پر جانے والے کچھ حضرات گھر والوں کا خیال کئے بغیر چلے جاتے ہیں، جس سے ان کے بیوی بچوں وغیرہ کو

---

(۱) وهو لغة: مصدر جاهد في سبيل الله. وشرعًا: الدعا إلى الدين الحق وقتال من لم يقبله. (الدر المختار مع الرد ج:۴ ص:۱۲۱، كتاب الجهاد).

(۲) گزشتہ صفحے کا حاشیہ نمبر۱ ملاحظہ فرمائیں۔

(۳) وشمل الكافرين أيضًا أو أحدهما إذا كره خروجه مخافة ومشقة وإلّا بل لكراهة قتال أهل دينه فلا يطيعه ما لم يخف عليه الضيعة إذ لو كان معسرًا محتاجًا إلى خدمته فرضت عليه ولو كافرًا وليس من الصواب ترك فرض عين كيتوصل إلى فرض كفاية ...إلخ. (شامي ج:۴ ص:۱۲۴، كتاب الجهاد).

معاشی پریشانی ہوتی ہے، اور انہیں قرض مانگنا پڑتا ہے۔

جواب:... ان کو چاہئے کہ غیر حاضری کے دِنوں کا بندوبست کرکے جائیں، خواہ قرض لے کر۔ بچوں کو پریشان نہ ہونا پڑے۔

غلبۂ دِین کس طرح سے آتا ہے؟

سوال:... دِین کے بہت شعبے ہیں، تمام برحق ہیں، تدریس، تصنیف، تصوف، تبلیغ، جہاد، وغیرہ وغیرہ، ان میں غلبۂ دِین کس طریقے سے آتا ہے؟

جواب:... اللہ تعالیٰ کو اپنے دِین کے تمام شعبے چلانے ہیں، جو شخص جس شعبے کا اہل ہو، اس کے لئے وہی افضل ہے۔

تبلیغی جماعت اور جہاد

سوال:... تبلیغ کرنے والے حضرات جہاد کیوں نہیں کرتے؟ یا جہاد کے لئے لوگوں کو تیار کیوں نہیں کرتے؟ ایسا لگتا ہے کہ جیسے ان لوگوں پر جہاد فرض نہیں، جبکہ اُمت پر اس وقت جہاد فرض ہے۔

جواب:... اُوپر کے جواب سے اس کا جواب بھی معلوم ہوگیا، تبلیغی جماعت ایک فرضِ کفایہ میں مشغول ہے، اور مجاہد دُوسرے فرضِ کفایہ میں مصروف ہیں۔ جو حضرات دِین کے دُوسرے شعبوں سے وابستہ ہیں وہ بھی اپنی جگہ فرضِ کفایہ میں مشغول ہیں۔ یہ تو کسی کتاب میں نہیں لکھا کہ دِین کے سارے شعبے بند کرکے پورے جہاد کے فرضِ کفایہ کے لئے نکل جائیں، بلکہ اس کے برعکس قرآنِ کریم میں تو یہ اِرشاد فرمایا ہے: ''اور مسلمانوں کو یہ نہ چاہئے کہ سب کے سب نکل کھڑے ہوں، سو ایسا کیوں نہ کریں کہ ان کی ہر بڑی جماعت میں سے ایک ایک چھوٹی جماعت (جہاد میں) جایا کرے، تاکہ باقی ماندہ لوگ دِین کی سمجھ بوجھ حاصل کرتے رہیں، اور تاکہ یہ لوگ اپنی قوم کو جبکہ ان میں واپس آدیں ڈراویں تاکہ وہ احتیاط رکھیں'' (ترجمہ: مولانا اشرف علی تھانویؒ، سورۂ توبہ:۱۲۲)۔[1]

تبلیغ میں نکلنا افضل ہے یا جہاد میں جانا

سوال:... میں نے سبحانہ وتعالیٰ کے فضل وکرم سے تبلیغ میں چار مہینے گزارے ہیں، اور سبحانہ وتعالیٰ کے کرم سے داڑھی بھی رکھ لی اور ٹوپی بھی پہنتا ہوں، نماز بھی پڑھتا ہوں، پہلے کچھ بھی نہیں کرتا تھا، اب پھر میں گناہوں کی طرف بڑھ رہا ہوں، لیکن پھر احساسِ ندامت ہوتا ہے تو اس غفور ورحیم سے معافی مانگتا ہوں، لیکن تھوڑے عرصے کے بعد پھر گناہوں میں مبتلا ہوجاتا ہوں، تو پھر سوچتا ہوں کہ ایک ہی مرتبہ کام ہوجائے یعنی جہاد میں چلا جاؤں اور شہید ہوجاؤں، کیونکہ میں نے سنا ہے کہ شہید سیدھا جنت میں جائے گا۔ اس لئے آپ سے یہ معلوم کرنا تھا کہ آج کل جو یہ کشمیر وغیرہ میں جہاد ہو رہا ہے، یہ صحیح اور شرعی جہاد ہے؟ اور اس میں جاکر اگر میں قتل ہوجاؤں تو شہادت کا مرتبہ ملے گا؟

---

(۱) "وما كان المؤمنون لينفروا كافة فلو لا نفر من كل فرقة منهم طائفة ليتفقهوا في الدين ولينذروا قومهم إذا رجعوا إليهم لعلهم يحذرون" (التوبة:۱۲۲)۔

جواب:...وہاں کے حالات کی مجھے تحقیق نہیں کہ جہاد کا اِعلان کس نے کیا ہے؟ جہاد کا امیر اور اِمام کون ہے؟ بہر حال اگر یہاں جہاد کی تمام شرائط پائی بھی جاتی ہوں تب بھی فرضِ کفایہ ہے، آپ شریک ہوکر شہید ہوجائیں تو بشرطِ اِخلاص سیدھے جنت میں جائیں گے، اور اگر تبلیغ میں نکل کر اپنی اور اپنے بھائیوں کی فکر کریں تو اکیلے نہیں بلکہ بہت سے لوگوں کو ساتھ لے کر جائیں گے، اب آپ کو اِختیار ہے کہ کونسا راستہ اِختیار کرتے ہیں؟ اور والدین کی اِجازت دونوں کے لئے ضروری ہے۔

تبلیغ اور جہاد

سوال:...ایک صاحب کا کہنا ہے کہ تبلیغ والے جہاد نہیں کرتے، میں نے ان سے کہا کہ: وہ جہاد سے منع بھی نہیں کرتے، اور دِین کے مختلف شعبے ہیں، انہوں نے تبلیغ کو اختیار کیا ہے۔ اس پر وہ کہنے لگے کہ: پورے دِین پر چلنا چاہئے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حکومت بھی کی ہے، جبکہ تبلیغی جماعت کے ایک صاحب فرماتے ہیں کہ تم لوگ جہاد نہیں کرتے ہو، جہاد اور جنگ میں فرق ہوتا ہے۔ آنجناب سے جواب کی درخواست ہے کہ فرمائیں کس کا موقف صحیح ہے؟

جواب:...میں آپ کی بات سے متفق ہوں۔[1]

تقویٰ اور جہاد

سوال:...گزارش ہے کہ ہماری مسجد کے چند مولوی صاحبان ہمیشہ یہ کہتے رہتے ہیں کہ "متقی (فرائض کا پابند، رزقِ حلال کمانے والا، بدعت اور معصیت سے بچنے والا، خوش اخلاق وخوش لباس) انسان بے شک جنت میں جائے گا، اس کے لئے حور وقصور کا وعدہ ہے، لیکن اس کے لئے نصرت کا وعدہ نہیں ہے، وعدۂ نصرت تو صرف جہاد کرنے والے شخص کے لئے ہے۔"

ان مولوی صاحبان کے بیان سے ہمارے ذہنوں میں اُلجھن پیدا ہوئی ہے، اُمید ہے جناب مندرجہ ذیل سوالات کے جوابات عنایت فرماکر مشکور فرمائیں گے تاکہ صحیح بات معلوم ہوسکے۔

۱:...کیا عذابِ قبر اور جہنم سے نجات اور جنت کا حصول "نصرت" نہیں ہے؟ اگر یہ نصرت نہیں ہے تو پھر وہ کون سی خاص چیز ہے جسے "نصرت" کہا جائے؟

۲:...کیا اس پُرفتن دور میں متقی رہنا بذاتِ خود ایک جہاد نہیں ہے؟

جہاں تک ہم (میں اور میرے احباب) سمجھتے ہیں، فرائض کی پابندی، بدعت اور گناہ سے اجتناب، حلال رزق کمانا، شرعی لباس پہننا، خوش اخلاق رہنا اور دیگر شرعی اَحکامات کی حتی الامکان پابندی کرنا، تقویٰ ہے، اور ایسا متقی شخص عملی طور پر پورے معاشرے سے ممتاز ہوتا ہے اور شیطان اور خود اپنے نفس سے جہاد کرتا ہے۔ کیا ایسا متقی شخص (خواہ وہ برائے جہاد نکلا ہو یا گوشہ نشین ہو) یعنی متقی رہنے کے ساتھ ساتھ صرف اپنے خاندان کی کفالت کرتے ہوئے زندگی گزار دے، "مجاہد" نہیں کہلائے گا؟

---

(۱) وعن أبی هريرة رضی الله عنه قال: قال رسول الله صلی الله عليه وسلم: الإيمان بضع وسبعون شعبة فأفضلها قول لا إله إلّا الله وأدناها إماطة الأذیٰ عن الطريق، والحياء شعبة من الإيمان۔ متفق عليه۔ (مشكوٰة ج:۱ ص:۱۲، كتاب الإيمان)۔

۳:...قرآنِ کریم میں جگہ جگہ مرقوم ہے: ''اللہ متقی لوگوں کے ساتھ ہے''، ''اللہ تقویٰ پسند کرتا ہے''، ''اللہ متقی لوگوں کا دوست اور ولی ہے'' یہ ولی اور دوست ہوتے ہوئے بھی اللہ تعالیٰ کا اپنے متقی بندوں کو (جب تک وہ جہاد نہ کریں) ''نصرت'' نہ کرنا سمجھ میں آنے والی بات نہیں۔

شاید ہمارے مولوی صاحبان غلط بیانی کر رہے ہیں یا شاید ہم غلط سمجھ رہے ہیں، تفصیل کے ساتھ آپ اس مسئلے پر روشنی ڈالیں، شکریہ۔

جواب:...مولوی صاحبان جو فرماتے ہیں اس سے خاص ''نصرت'' مراد ہے، یعنی کفار کے مقابلے میں، اور یہ مشروط ہے جہاد کے ساتھ: ''اِنْ تَنْصُرُوا اللهَ يَنْصُرْكُمْ'' اور اس نصرت کا تعلق افراد سے نہیں بلکہ پوری ملت سے ہے۔[1]

آپ نے جو اُمور ذکر کئے ہیں ان کا تعلق افراد سے ہے، اس لئے دونوں اپنی اپنی جگہ صحیح کہتے ہیں، بلاشبہ اس دور میں تقویٰ کا اختیار کرنا بھی ''جہاد'' ہے، مگر ''جہاد'' کا لفظ جب مطلق بولا جاتا ہے، اس سے اعدائے اسلام کے مقابلے میں جہاد مراد ہوتا ہے۔

اُمید ہے ان مختصر الفاظ سے آپ کی تشفی ہوجائے گی۔

اِسلام میں لونڈی کا تصوّر

سوال:...اسلام میں لونڈی رکھنے کا کیا تصوّر ہے؟ زمانۂ قدیم میں عرب کے لوگ زرخرید لونڈی رکھتے تھے، نکاح کے بغیر اس سے ہر قسم کا کام لیتے تھے۔ اِشارہ کافی ہے۔ اور اس سے جو اولاد پیدا ہوتی تھی کیا وہ جائز ہے؟ کیا وہ وراثت میں برابر کی حق دار ہے؟ یہ تو تھا زمانۂ قدیم کے بارے میں۔ اور آج کل کے جدید دور میں بھی عرب ممالک میں ایسا ہی ہوتا ہے، یعنی کہ جو شخص چاہے زرخرید لونڈی رکھ سکتا ہے۔ کیا ہم پاکستانی بھی لونڈی رکھ سکتے ہیں؟ اس بارے میں ہم دوستوں کے درمیان کافی گرما گرم بحث ہوئی ہے، نوبت ہاتھاپائی تک پہنچ گئی، لیکن پھر بعد میں طے ہوا کہ روزنامہ ''جنگ'' کو خط لکھ کر اس مسئلے کا حل معلوم کیا جائے۔

جواب:...زمانۂ قدیم میں شرعی لونڈیوں کا وجود تھا، اور ان سے پیدا ہونے والی اولاد صحیح النسب سمجھی جاتی تھی۔[2] مگر اَب ایک عرصے سے شرعی لونڈیوں کا وجود نہیں رہا، بلکہ لوگ اِدھر اُدھر سے عورتوں کو اغوا کر کے فروخت کر دیتے ہیں، ان کی خرید و فروخت قطعی حرام ہے،[3] اور ان سے بغیر نکاح کے انسانی خواہش پورا کرنا خالص زنا ہے۔

---

(۱) (يا أيها الذين اٰمنوا إن تنصروا الله) أى تنصروا دينه ورسوله (ينصركم) على عدوكم (ويثبت أقدامكم) فى القيام بحقوق الإسلام والمجاهدة مع الكفار. (سورة محمد، تفسير المظهرى ج:۸ ص:۴۲۵، طبع اشاعت العلوم دهلى).

(۲) أمّ الولد والحكم فيها أن يثبت النسب من غير دعوة وينتفى بمجرد النفى كذا فى الظهيرية قالوا وانما يثبت نسب ولد أم الولد بدون الدعوة إن كان يحل للمولى وطؤها أما إذا كان لا يحل فلا يثبت النسب بدون الدعوة . .الخ. (عالمگيرى ج:۱ ص:۵۳۶، كتاب الطلاق، الباب الخامس عشر فى ثبوت النسب).

(۳) إذا كان أحد العوضين محرما أو كلاهما فالبيع فاسد أى باطل كالبيع بالميتة أو بالدم .... وكذالك إذا كان غير مملوك كالحُرّ .... يعنى انه باطل لأنه لا يدخل تحت العقد ولا يقدر على تسليمه. (الجوهرة النيرة ج:۱ ص:۲۰۳، باب البيع الفاسد، طبع دهلى، أيضًا فى الدر المختار ج:۵ ص:۵۲، باب البيع الفاسد).

اِسلام میں باندی کا تصوّر

سوال:… اسلام میں کنیز (باندی) کا کیا تصوّر ہے؟ کیا آج بھی لڑکیاں خرید کر بطورِ کنیز رکھی جاسکتی ہیں؟

جواب:… آج کل شرعی باندیاں دستیاب نہیں، اور کسی آزاد عورت کو پکڑ کر فروخت کردینا بدترین جرم ہے، اس پر شرعی کنیزوں کے اَحکام جاری نہیں ہوتے۔[1]

کیا اَب بھی غلام، لونڈی رکھنے کی اِجازت ہے یا یہ حکم منسوخ ہوچکا ہے؟

سوال:… غلام یا لونڈی رکھنے کی اجازت اب بھی ہے یا نہیں؟ اگر نہیں تو کیوں؟ قرآن مجید میں تو یہ حکم منسوخ نہیں ہوا، اور قسم وغیرہ توڑنے کے فدیہ میں بھی یہ فتویٰ دیا جاتا ہے کہ ایک غلام آزاد کرو، یا اتنے مساکین کو کھانا کھلاؤ، یا اتنے روزے رکھو، وغیرہ۔ لیکن غلام اور لونڈی تو اَب ہی نہیں، یہ رواج کیسے ختم ہوا؟

جواب:… جب شرعی غلام لونڈی نہ رہے تو رواج خود بخود ختم ہوگیا۔ اگر کسی وقت پھر ان کا وجود ہو تو پھر غلام، لونڈیوں کے اَحکام لاگو ہوں گے، اس لئے حکم منسوخ نہیں ہوا۔ اس کی مثال ایسی ہے کہ زکوٰۃ ایک خاص نصاب پر عائد ہوتی ہے، فرض کرو اگر پورے ملک میں ایک بھی صاحبِ نصاب نہ ہو (جیسا کہ کمیونسٹ ملکوں میں یہی صورت پیدا ہورہی ہے) تو زکوٰۃ کا حکم بھی ان پر لاگو نہیں ہوگا۔

کنیزوں کا حکم

سوال:… آپ کی توجہ اسلام کے ابتدائی دور میں کنیز (لونڈی) کی طرف مبذول کرانا چاہتا ہوں، جیسا کہ سورۂ مؤمنون میں ارشادِ خداوندی ہے: ''جو اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرتے ہیں مگر اپنی بیویوں یا (کنیزوں) جو ان کی ملک میں ہوتی ہیں'' اسلام میں اب کنیز (لونڈی) رکھنے کی اجازت ہے یا نہیں؟ اور خلفائے راشدینؓ کے دور میں کنیز رکھنے کی اجازت تھی یا نہیں؟

جواب:… اسلامی جہاد میں جو مرد اور عورتیں قید ہوکر آتی تھیں ان کو یا تو فدیہ لے کر چھوڑ دیا جاتا تھا یا ان کا مسلمان قیدیوں سے تبادلہ کرالیا جاتا تھا، یا ان کو غلام اور باندیاں بنالیا جاتا تھا۔

اس قسم کی کنیزیں یا باندیاں (بشرطیکہ مسلمان ہوجائیں) ان کو بغیر نکاح کے بیوی کے حقوق حاصل ہوتے تھے، کیونکہ وہ اس شخص کی مِلک ہوتی تھیں۔ قرآنِ کریم میں ''وَمَا مَلَکَتْ اَیْمَانُکُمْ'' کے الفاظ سے انہی غلام اور باندیوں کا ذکر ہے۔[2]

---

(۱) گزشتہ صفحے کا حاشیہ نمبر ۳ ملاحظہ فرمائیں۔

(۲) والمحصنٰت من النساء إلّا ما ملکت أیمانکم والصحیح ما رویٰ مسلم وأبوداوٗد والترمذی والنسائی عن أبی سعید الخدری قال: أوطاس لهنّ أزواجٌ فکرهنا أن نقع علیهنّ ولهنّ أزواجٌ فسألنا النبی صلی الله علیه وسلم فنزلت والمحصنٰت من النسا إلّا ما ملک أیمانکم یقول إلّا ما أفاء الله علیکم فاستحللتم بها فروجهنّ. سورة النساء: ۲۵ تفسیر المظهری ج.۲ ص:۶۳۰، طبع رشیدیه کوئٹه).

اب ایک عرصے سے اسلامی جہاد نہیں، اس لئے شرعی کنیزوں کا وجود بھی نہیں۔ آزاد عورت کو پکڑ کر فروخت کرنا جائز نہیں اور اس سے وہ باندیاں نہیں بن جاتیں۔

اس دور میں شرعی لونڈیوں کا تصوّر

سوال:… شرعی لونڈیوں کا تصوّر کیا ہے؟ کیا قرآن شریف میں بھی لونڈی کے بارے میں کچھ کہا گیا ہے؟ میں نے کہیں سنا ہے کہ قرآن پاک کا فرمان ہے کہ مسلمان چار بیویوں کے علاوہ ایک لونڈی بھی رکھ سکتا ہے، اور لونڈی سے بھی جسمانی خواہشات پوری کی جاسکتی ہیں۔ اگر زمانۂ قدیم میں شرعی لونڈی رکھنا جائز تھا جیسا کہ ہوتا رہا ہے تو اب یہ جائز کیوں نہیں ہے؟ پہلے وقتوں میں لونڈیاں کہاں سے اور کس طرح حاصل کی جاتی تھیں؟ جہاں تک میں نے پڑھا اور سنا ہے زمانۂ قدیم میں لونڈیوں کی خرید و فروخت ہوا کرتی تھی، اب یہ سلسلہ ناجائز کیوں ہے؟

جواب:… جہاد کے دوران کافروں کے جو لوگ مسلمانوں کے ہاتھ آجاتے تھے ان کے بارے میں تین اختیار تھے، ایک یہ کہ ان کو معاوضہ لے کر رہا کردیں، دُوسرے یہ کہ بلا معاوضہ رہا کردیں، تیسرے یہ کہ ان کو غلام بنالیں۔[۱]

ایسی عورتیں اور مرد جن کو غلام بنالیا جاتا تھا ان کی خرید و فروخت بھی ہوتی تھی، ایسی عورتیں شرعی لونڈیاں کہلاتی تھیں، اور اگر وہ کتابیہ ہوں یا بعد میں مسلمان ہوجائیں تو آقا کو ان سے جنسی تعلق رکھنا بھی جائز تھا،[۲] اور نکاح کی ضرورت آقا کے لئے نہیں تھی، چونکہ اب شرعی جہاد نہیں ہوتا، اس لئے رفتہ رفتہ غلام اور باندیوں کا وجود ختم ہوگیا۔

لونڈیوں پر پابندی حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے لگائی تھی؟

سوال:… لونڈی کا رکھنا صحیح ہے یا کہ نہیں؟ اور اس کے ساتھ میاں بیوی والے تعلقات بغیر نکاح کے دُرست ہیں یا کہ نہیں؟ شیعہ حضرات کہتے ہیں کہ عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے لونڈیوں پر پابندی لگائی تھی، حالانکہ اس سے پہلے نبی علیہ السلام اور حضراتِ حسنینؓ کے گھروں میں لونڈیاں ہوتی تھیں جو کہ جنگ کے بعد بطور مالِ غنیمت کے ملتی تھیں۔

جواب:… شرعاً لونڈی سے مراد وہ عورت ہے جو جہاد میں بطور مالِ غنیمت کے مجاہدین کے ہاتھ قید ہوجائے،[۳] اگر وہ مسلمان ہوجائے تو اس کے ساتھ جنسی تعلق جائز ہے۔[۴] شیعہ جھوٹ بولتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے لونڈیوں پر پابندی لگائی

---

(۱) "فإذا لقيتم الذين كفروا فضرب الرقاب حتّٰى إذا اثخنتموهم فشدوا الوثاق فإما منًّا بعد وإمّا فداءً حتّٰى تضع الحرب أوزارها" (محمد:۳). أيضًا: وأما الرقاب فالإمام فيها بين خيارات ثلاث إن شاء قتل الأسارىٰ منهم . . . وإن شاء استرق الكل فخمسهم وقسمهم .... وإن شاء من عليهم وتركهم أحرارًا بالذمة ... إلخ. (بدائع الصنائع ج:۷ ص:۱۱۹).

(۲) "ومن لم يستطع منكم طولًا أن ينكح المحصنٰت المؤمنٰت فمن ما ملكت أيمانكم من فتيٰتكم المؤمنٰت" (النساء:۲۵).

(۳) ایضاً حاشیہ نمبر۱ دیکھئے۔

(۴) ایضاً حاشیہ نمبر۲۔

تھی، بلکہ آپ غور فرمائیں تو شیعہ اُصول کے مطابق نہ لونڈیوں کی اجازت ثابت ہوتی ہے، نہ سیّدوں کا نسب نامہ ثابت ہوتا ہے۔ کیونکہ جیسا کہ اُوپر لکھا، لونڈی وہ ہے جو جہاد سے حاصل ہو اور جہاد کسی مسلمان عادل خلیفہ کے ماتحت ہوسکتا ہے، خلافتِ راشدہ کے دور کو شیعہ جن الفاظ سے یاد کرتے ہیں وہ آپ کو معلوم ہے، جب خلفائے ثلاثہؓ کی خلافت صحیح نہ ہوئی تو ان کے زمانے میں ہونے والی جنگیں بھی شرعی جہاد نہ ہوئیں، اور جب وہ شرعی جہاد نہ تھا تو جو لونڈیاں آئیں ان سے تمتع بھی شرعاً جائز نہ ہوا۔ سوال یہ ہے کہ حضرت علی اور حضرات حسنین رضی اللہ عنہم کے پاس شرعی لونڈیاں کہاں سے آگئی تھیں؟ حضرت علی اور حضرت حسن رضی اللہ عنہما کے پانچ سالہ دور میں کوئی جہاد کافروں سے نہیں ہوا، نہ لونڈیاں آئیں۔ تمام سید جو "حسن بانو" کی نسل سے ہیں یہ نسب اس وقت صحیح تسلیم کیا جاسکتا ہے کہ یہ شرعی لونڈی ہوں اور شرعی لونڈی تب ہوسکتی ہیں کہ جہاد شرعی ہو، اور شرعی جہاد جب ہوسکتا ہے کہ حکومت شرعی ہو، تو معلوم ہوا کہ شیعہ یا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی حکومت کو شرعی حکومت مانیں یا سیّدوں کی صحتِ نسب سے انکار کریں۔

سیاست

اسلام میں سیاست کا تصوّر

سوال:... اِسلام میں سیاست کا کیا تصوّر ہے؟ اور موجودہ سیاست، اسلامی سیاست کے معیار پر کس حد تک پوری اُترتی ہے؟

جواب:... سیاست بھی دِین کا ایک حصہ ہے،[1] اور ہماری شریعت نے اس کے بارے میں بھی ہدایات و اَحکام صادر فرمائے ہیں۔ آج کل کی سیاست لادِین سیاست ہے۔

دِینِ اسلام کون سی سیاست کی اِجازت دیتا ہے؟

سوال:... اگر دِین ہمارے علمائے کرام کو سیاست میں حصہ لینے کی اجازت دیتا ہے تو وہ کونسی سیاست ہے؟ اور اس سیاست کی رُوح سے علمائے کرام کے کیا فرائض ہیں؟

جواب:... ہمارے دِین کا ایک حصہ سیاست بھی ہے،[2] لیکن آج کل کی بے خدا سیاست نہیں، بلکہ ایسی سیاست جو اسلامی اُصولوں کی پابند ہو، اس کے لئے یہ خط کافی نہیں۔

کیا اِنتخابات صالح اِنقلاب کا ذریعہ ہیں؟

سوال:... پاکستان میں انتخابات ہونے والے ہیں، اور بار بار یہ عمل دُہرایا جاتا ہے، اس پر لاکھوں روپے خرچ ہوتے ہیں، مختلف پارٹیوں کے راہ نما اپنی اپنی منطق بیان کرتے ہیں، کیا برسرِ اِقتدار آنے کا یہ طریقہ صحیح ہے؟ آیا اِنتخابات صالح اِنقلاب کا ذریعہ ہیں؟

---

(۱) عن أبی هريرة عن النبی صلی الله عليه وسلم قال: كانت بنو إسرائيل تسوسهم الأنبياء، كلما هلك نبی خلفه نبی، وانه لَا نبی بعدی، وسيكون خلفاء فيكثرون، قالوا: فما تأمرنا؟ قال: فُوا بيعة الأوّل فالأوّل، أعطوهم حقهم، فإن الله سائلهم عما استرعاهم. متفق عليه. (مشكوة، كتاب الامارة والقضاء، الفصل الأوّل ص:۳۲۰، طبع قديمی).

(۲) عن أبی هريرة عن النبی صلی الله عليه وسلم قال: كانت بنو إسرائيل تسوسهم الأنبياء، كلما هلك نبی خلفه نبی، وانه لَا نبی بعدی، وسيكون خلفاء فيكثرون، قالوا: فما تأمرنا؟ قال: فُوا بيعة الأوّل فالأوّل، أعطوهم حقهم، فإن الله سائلهم عما استرعاهم. متفق عليه. (مشكوة، كتاب الامارة والقضاء، الفصل الأوّل ص:۳۲۰، طبع قديمی). وفی المرقاة: تسوسهم أی يتولی أمورهم (الأنبياء) كما يفعل الأمراء والولاة بالرعية والسياسة القيام علی الشیء بما يصلحه. (مرقاة ج:۷ ص:۱۲۳، طبع أصح المطابع بمبئی).

جواب:... وطنِ عزیز میں انتخابات ہوں گے یا نہیں؟ ہوں گے تو ان کی نوعیت کی ہوگی؟ ان کے لئے کیا طریقۂ کار اختیار کیا جائے گا؟ اور اِنتخابات کے نتائج کیا ہوں گے؟ یہ وہ سوالات ہیں جن پر گفتگو ہو رہی ہے، اور ہر شخص اپنی ذہنی وفکری سطح کے مطابق ان پر اظہارِ خیال کرتا نظر آتا ہے۔

حکومت کی جانب سے اِنتخابات کی قطعی تاریخ کا اعلان اگرچہ نہیں کیا گیا، لیکن اربابِ حل وعقد کی جانب سے بڑے وثوق سے اعلان کیا جارہا ہے کہ نیا سال اِنتخابی سال ہوگا، اگرچہ سرحدوں کے حالات مخدوش ہیں۔ افغان طیارے پاکستانی فضائی حدود کی مسلسل خلاف ورزی کر رہے ہیں، رُوس کے فوجی دستے پاکستان کی سرحد پر جمع ہیں اور رُوس کی جانب سے پاکستان کو خفی وجلی الفاظ میں دھمکیاں دی جارہی ہیں۔ اِدھر بھارت کی مسلح افواج پاکستان کی سرحدوں پر ڈیرے ڈالے ہوئے ہیں، بھارتی افواج کی طرف سے پاکستانی سرحدوں پر گولہ باری کی خبریں بھی آرہی ہیں اور پاکستان کی پُرامن ایٹمی تنصیبات کو تباہ کرنے کے منصوبے بھی تیار کئے جارہے ہیں۔ مختصر الفاظ میں پاکستان کی سرحدوں پر حالات ''تشویشناک'' ہیں، اس کے باوجود صدرِ مملکت کا ارشاد ہے کہ:

''سرحدوں پر دباؤ سے انتخابی پروگرام متأثر نہیں ہوگا۔ ہم جنگ کی توقع نہیں رکھتے، لیکن اگر ہماری خواہشات اور کوششوں کے باوجود کوئی ناخوشگوار اور تلخ صورتِ حال پیدا ہوئی تو انتخابی پروگرام کا جائزہ لیا جائے گا۔'' (روزنامہ ''جنگ'' کراچی ۱۷ر ستمبر ۱۹۸۴ء)

ظاہر ہے کہ خدانخواستہ سرحدوں پر حالات زیادہ سنگین ہوجائیں تو وطنِ عزیز کا دفاع سب سے اہم ترفریضہ ہے، اور اس صورتِ حال میں انتخابات کا التواء ناگزیر ہوگا۔ گویا حکومت کے اعلانات پر مکمل اعتماد کے باوجود یہ کہنا مشکل ہے کہ مستقبل قریب میں انتخابات ہوں گے یا نہیں؟

رہا دُوسرا سوال کہ انتخابات کس نوعیت کے ہوں گے اور ان کے لئے کیا طریقۂ کار اختیار کیا جائے گا؟ اس سلسلے میں شہسوارانِ سیاست مشوروں کی تیراندازی فرمارہے ہیں، لیکن افسوس کہ ابھی تک کوئی تیر نشانے پر نہیں بیٹھا اور نہ اس سلسلے میں حکومت کا دوٹوک فیصلہ سامنے آیا ہے۔ گویا یہ مسئلہ ہنوز حکومت اور سیاست دانوں کے درمیان متنازعہ فیہ ہے کہ انتخابات جماعتی بنیاد پر ہوں یا غیرجماعتی بنیاد پر۔ اسی طرح انتخابی حکمتِ عملی اور لائحۂ عمل کی تفصیلات بھی ابھی تک پردۂ خفا میں ہیں، البتہ صدرِ مملکت اور ان کی حکومت کی یہ کوشش ہے کہ اچھے آدمی منتخب ہوکر سامنے آئیں، لیکن یہ سوال پھر باقی رہ جاتا ہے کہ ''اچھے آدمی'' کا معیار کیا ہوگا؟ اسے کن صفات کی ترازو میں تول کر دیکھا جائے گا؟ اور یہ کہ بگڑے ہوئے معاشرے میں ''اچھے آدمی'' کیسے تلاش کئے جائیں گے؟ اور اگر ان کی ''دریافت'' میں ہم کامیاب بھی ہوجائیں تو ان کے اندر انتخابی کارزار میں ''ھل من مبارز؟'' پکارنے کی صلاحیت کیسے پیدا کی جائے گی؟ اور وہ زر ودولت کے جادو کا توڑ کیسے کریں گے؟ کیا ہماری سیاسی فضا میں یہ صلاحیت موجود ہے کہ کوئی اچھا آدمی محض اپنی اچھائی کے بل بوتے پر انتخابات جیت جائے؟ ان سوالوں کا کوئی اُمید افزا جواب دینا مشکل ہے۔

اب رہا آخری سوال کہ ملک وملت اور دِین ومذہب کے حق میں یہ انتخابات کس حد تک مفید اور بارآور ہوں گے؟ اس کا

فیصلہ تو مستقبل ہی کرے گا۔ لیکن گزشتہ تجربات اور موجودہ حالات پر نظر ڈالی جائے تو ایسا محسوس ہوتا ہے کہ ان انتخابات سے (سوائے تبدیلیٔ اقتدار کے) خوش کن توقعات وابستہ نہیں کی جاسکتیں۔ اگر انتخابات کو کسی صالح انقلاب کا ذریعہ بنانا مقصود ہو تو اس کے لئے اوّلین شرط یہ ہے کہ تمام دِین دار حلقے گروہی، جماعتی اور ذاتی مفادات سے بالاتر ہوکر کوئی متفقہ لائحہ عمل تجویز کرتے اور اپنا مجموعی وزن انتخابی پلڑے میں ڈالتے۔ تب توقع کی جاسکتی تھی کہ وطنِ عزیز میں لادِین قوتیں سرنگوں ہوتیں اور ملک میں خیر و فلاح کا علم بلند ہوتا، لیکن افسوس ہے کہ صورتِ حال اس سے یکسر مختلف ہے، جو لوگ اس ملک میں دِینی اقتدار کو بلند دیکھنا چاہتے ہیں اور جن سے یہ توقع کی جاسکتی تھی کہ وہ لادینیت کے سامنے سینہ سپر ہوں گے، ان کا شیرازہ کچھ اس طرح بکھیر دیا گیا ہے کہ کوئی معجزہ ہی ان کو متحد کرسکتا ہے۔ نہ جانے یہ حضرات حالات و واقعات کا صحیح تجزیہ کرنے کی صلاحیت ہی سے محروم ہوچکے ہیں، یا مسلمانوں کی بدقسمتی نے ان کی دُوراندیشی و ژرف نگاہی پر پردے ڈال دیئے ہیں، کس قدر افسوس ناک اور لائقِ صد ماتم ہے یہ منظر کہ جن حضرات کے کندھوں پر ملک و ملت کی قیادت و رہنمائی کا بار ہے ان کی نظر سے راہ و رسمِ منزل اوجھل ہورہی ہے اور وہ حزبی و گروہی بھول بھلیوں میں بھٹک رہے ہیں، اس تلخ نوائی پر معذرت خواہ ہوں لیکن اظہارِ دردِ دل کے بغیر چارہ نہیں:

مرا دردے ست اندر دِل اگر گویم زباں سوزد
وگر درکشم ترسم کہ مغز استخواں سوزد

حالات کی شدّت مجبور کررہی ہے کہ کسی لاگ لپیٹ کے بغیر صاف صاف عرض کیا جائے:

نوا را تلخ تر می زن چوں ذوقِ نغمہ کم یابی
حدی را تیز تر می خواں چوں محمل را گراں بینی

ملک کی سیاسی فضاء مارشل لاء کی وجہ سے ٹھٹھری ہوئی ہے، اس کی ظاہری سطح کے پُرسکون ہونے کی وجہ سے کسی کو یہ اندازہ نہیں کہ اس کی اندرونی سطح میں کیسے کیسے لاوے پک رہے ہیں؟ ملک و ملت کے خلاف سازشوں کے کیسے کیسے جال بنے جارہے ہیں؟ لادِینی قوتیں- "اَلْکُفْرُ مِلَّۃٌ وَّاحِدَۃٌ" کے اُصول پر- متفق و متحد ہیں، ان کے پاس اربوں کا سرمایہ ہے، اور بیرونی طاقتوں کی حمایت و رہنمائی میں وہ اس اَمر کے لئے کوشاں ہیں کہ اس ملک سے دِین اور اہلِ دِین کی آواز کو دبایا جائے، (یا پھر اس ملک کے وجود ہی کو معرضِ خطر میں ڈال دیا جائے)، ان کے مقابلے میں دِین کے علم برداروں کے پاس نہ سرمایہ ہے، نہ قوت، نہ اجتماعی سوچ، ان کی تمام تر صلاحیتیں باہمی نزاعات و اختلافات کو ہوا دینے پر صَرف ہورہی ہیں، دیوبندی، بریلوی (اپنے اختلافات کے باوجود) دِینی محاذ پر متحد ہوجایا کرتے تھے، اور ان کا یہ اتحاد لادِین طبقے کے لئے ایک چیلنج کی حیثیت رکھتا تھا، لیکن موجودہ صورتِ حال سب کے سامنے ہے، اسی طرح تمام دِینی جماعتوں کا شیرازہ کچھ اس طرح بکھر رہا ہے کہ ان کے درمیان کسی اہم ترین مقصد پر بھی اتفاق و اتحاد کا سوال خارج از بحث ہوتا جارہا ہے۔

اس تمام تر صورتِ حال کا انجام کیا ہوگا؟ بزرگانِ ملت کو اس کا احساس ہے...؟

عورت کی سربراہی پر علماء و دانشور خاموش کیوں ہیں؟

سوال:... ایک عورت مسلم ملک میں برسرِ اقتدار آگئی، بہت سے لوگ اس کے حق میں بیٹھ گئے۔ دریافت کرنا ہے کہ اگر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو عورت کو اِقتدار دینا منظور ہوتا، یا اللہ اس کو پسند کرتا تو پھر فاطمہ رضی اللہ عنہا جنت کی سردار، اور عائشہ رضی اللہ عنہا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی چہیتی بیوی علم و فضل میں طاق، اگر اس کو خلافت بخش دی جاتی تو کیا حرج تھا؟ یا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ان کو مصلے پر کھڑا کردیتے تو سارے مسائل ہی حل ہوجاتے۔ کیا علمائے اسلام گھوڑے بیچ کر سو رہے ہیں کہ انہیں اللہ کے اَحکام کی خلاف ورزیاں نظر نہیں آتیں؟ مہربانی فرماکر وضاحت فرمایئے کہ کیا جنرل ضیاء الحق اس لئے لوگوں کے زیرِ عتاب آئے کہ انہیں آمر کہا جاتا ہے، ان کا قصور یہ تھا کہ وہ ایسی بدمعاشی کو پسند نہ کرتے تھے، انہوں نے جہاد کے راستے کھول دیئے تھے، وہ امریکا کے لئے ہوا تھے۔ دانشور طبقے نے اَسلاف کی طرف نظر نہ کی، بس کھانے پر مصر رہا۔ علامہ! ذرا اس مسئلے پر رہنمائی فرمایئے کہ آج ہم لوگ کونسے اسلام کا پرچار کر رہے ہیں؟ گندی جمہوریت، گندی سیاست کی خاطر اسلام کو بدنام کر رہے ہیں، ان کے لئے بھی کوئی سزا ہے یا صرف ان کا عتاب نواز شریف پر ہے؟ ذرا قرآن کو دیکھئے! حدیث کو پڑھئے! اور اس گستاخ بیٹی کو سمجھایئے! خدارا کچھ تو بتایئے...! اگر مسلمان عورت کی تذلیل ہی کرنی ہے تو پھر کوئی اور راہ نکالئے، واللہ! ہمیں تاریکیوں کا محور نہ بنایئے۔

جواب:... بیٹی! آپ کا خط بہت جذباتی ہے، اور غصہ اس ناکارہ کے غصے سے بڑھا ہوا معلوم ہوتا ہے۔ سنت اللہ یہ ہے کہ جیسے قوم کے اعمال اُوپر جاتے ہیں، ویسے فیصلے آسمان سے زمین پر نازل ہوتے ہیں۔ مجموعی طور پر ہمارے اعمال اللہ تعالیٰ کو ناراض کرنے والے ہیں، اور اسی شامتِ اعمال نے "بینظیر" شکل اختیار کرلی ہے۔ امام ابنِ مبارکؒ نے "کتاب الزہد والرقائق" میں ایک حدیث نقل کی ہے، جس کو یہ ناکارہ اپنے رسالے "عصرِ حاضر حدیثِ نبوی کے آئینے میں" میں بھی نقل کرچکا ہے، اس کا ترجمہ یہ ہے:

> "حضرت انس رضی اللہ عنہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا اِرشاد نقل کرتے ہیں کہ: لوگوں پر ایک ایسا زمانہ آئے گا کہ بندۂ مؤمن مسلمانوں کی جماعت کے لئے دُعا کرے گا، مگر قبول نہیں ہوگی، اللہ تعالیٰ فرمائیں گے کہ: تو اپنی ذات کے لئے اور خاص اپنی ضروریات کے لئے مانگ! میں قبول کرتا ہوں، لیکن عام لوگوں کے لئے نہیں! اس لئے کہ انہوں نے مجھے ناراض کرلیا ہے۔ اور ایک روایت میں ہے کہ: میں ان سے ناراض ہوں اور ان پر غضبناک ہوں۔"[1] (کتاب الرقائق ص:۱۵۵، ۳۸۴، عصرِ حاضر ص:۴۳)

جب حق تعالیٰ شانہٗ کسی قوم سے راضی ہوتے ہیں تو اَربابِ حل و عقد کو اور قوم کے اہلِ رائے اور دانشوروں کو صحیح فیصلے کرنے کی توفیق عطا فرماتے ہیں، اور جب اللہ تعالیٰ کسی قوم سے ناراض ہوتے ہیں، تو قوم کے اہلِ عقل و دانش کی مت ماری جاتی ہے، اور قوم

---

(۱) عن أنس بن مالک رضی الله عنه أراه مرفوعًا، قال: يأتي على الناس زمان يدعو المؤمن للجماعة فلا يستجاب له، يقول الله: ادعني لنفسک ولما يحزبک من خاصة أمرک، فأجيبک، وأما الجماعة فلا، إنهم أغضبوني، وفي رواية: فإني عليهم غضبان۔ (کتاب الرقاق ص:۱۵۵، ۳۸۴)۔

تباہی و بربادی کا گڑھا خود اپنے ہاتھ سے کھودتی ہے، اور اس میں گر کر ہلاک ہوتی ہے۔

اس نام نہاد "جمہوریت" اور "الیکشن" میں قوم نے نہایت نازک موقع پر اپنی ہلاکت کے لئے جس طرح گڑھا کھودا ہے، اور قوم کے اہلِ علم و فہم اور اَربابِ عقل و دانش کی جس طرح مت ماری گئی، وہ کسی تشریح و وضاحت کی محتاج نہیں۔ اِدھر کشمیر کا قضیہ ہے، پاکستان کی بقاوحیات کا سوال ہے، مسلمانوں کے بین الاقوامی مسائل ہیں، بوسنیا کے مسلمانوں کی آہ و فریاد ہے، صومالیہ کے مسلمانوں کی المناک داستان ہے، آذربائیجان میں مسلمانوں کی بربادی ہے، وغیرہ وغیرہ۔ اِدھر ہماری زمامِ اِقتدار ایسے لوگوں کے ہاتھوں میں تھمادی گئی ہے جو ایک شہر کیا شاید ایک گھر کا نظام بھی صحیح طور پر چلانے کی صلاحیت نہیں رکھتے اب اس کو اللہ تعالیٰ کی ناراضی و غضب کی کا مظہر نہ کہا جائے تو اور کیا نام دیا جائے؟

آپ نے علماء پر غم و غصے کا اِظہار کیا ہے، لیکن رَدِّعمل کے اظہار سے مجھے اِختلاف ہے، کیونکہ اُوپر عرض کرچکا ہوں کہ علماء ہوں یا دُوسرے دانشور، یہ سب مشیتِ خداوندی کی کٹھ پتلیاں ہیں، اگر اللہ تعالیٰ ہم سے راضی ہوتے، اور اگر آسمان پر جانے والے ہمارے اعمال اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کو کھینچ لانے والے ہوتے تو علماء کو بھی صحیح فیصلے کرنے کی توفیق ارزانی فرمائی جاتی، اور دیگر اَربابِ دانش کو بھی۔

اُمّ المؤمنین حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا گیا کہ یا رسول اللہ! کیا ہم ایسی حالت میں بھی ہلاک ہوسکتے ہیں جبکہ ہمارے درمیان نیک لوگ موجود ہوں؟

فرمایا: "ہاں! جب (گناہوں کی) گندگی زیادہ ہوجائے گی (تو قوم پر ہلاکت و تباہی نازل ہوگی، اور نیک لوگوں کے وجود کا بھی لحاظ نہیں کیا جائے گا)۔"[1] (عصرِ حاضر ص:۱۱)

حق تعالیٰ شانہٗ ہم پر رحم فرمائیں، ہماری نالائقیوں سے درگزر فرمائیں، اور ہمارے اِجتماعی گناہوں کو معاف کرکے اس لعنت سے جو قوم کے عوام، علماء اور دانشوروں نے خود اپنے اُوپر مسلط کی ہے، ہمیں نجات عطا فرمائیں۔

عورت کی سربراہی

سوال:... کیا کسی اسلامی ملک کی سربراہ کسی عورت کو بنایا جاسکتا ہے؟ ایک مولانا صاحب اخبار "جنگ" میں بڑے زوردار دلائل سے ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں کہ عورت کو سربراہِ مملکت بنایا جاسکتا ہے۔

جواب:... حق تعالیٰ شانہٗ نے اپنی مخلوق کو مختلف قوتوں اور صلاحیتوں سے آراستہ کرکے مختلف مقاصد کے لئے پیدا فرمایا ہے، اور جس مقصد کے لئے کسی مخلوق کی تخلیق ہوئی ہے، اسی کے مناسب اسے صلاحیتیں عطا فرمائی ہیں، ایک حدیث میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

---

(۱) عن زینب بنت جحش رضی اللہ عنها قالت .... قیل (وفی روایة: قلت) أنهلک وفینا الصالحون؟ قال. نعم إذا کثر الخبث. (بخاری ج:۲ ص:۱۰۴۶ باب قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم ویل للعرب من شرّ قد اقترب).

"بینما رجل یسوق بقرۃ لہ قد حمل علیھا (وفی روایۃ: إذ رکبھا فضربھا) التفتت الیہ البقرۃ، فقالت: انی لم اُخلق لھٰذا، ولٰکنی انما خُلقت للحرث! فقال الناس: سبحان اللہ! .... بقرۃ تتکلم۔ فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: فإنی أومن بہ وأبوبکر وعمر۔ وما ھما ثَمَّ۔"

(صحیح بخاری ج:۱ ص:۳۱۲، صحیح مسلم ج:۲ ص:۲۷۳ واللفظ لمسلم)

ترجمہ:... "ایک شخص بیل پر بوجھ لاد کر اسے ہانک رہا تھا کہ بیل نے اس کی طرف متوجہ ہوکر کہا کہ: ہم اس کام کے لئے پیدا نہیں کئے گئے، ہم کاشتکاری کے لئے پیدا کئے گئے ہیں۔ لوگوں نے اس پر تعجب کیا کہ: کیا بیل بھی گفتگو کرتا ہے؟ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس پر میں ایمان رکھتا ہوں اور ابوبکر و عمر بھی ایمان رکھتے ہیں (رضی اللہ عنہما)، راوی کہتے ہیں کہ یہ دونوں حضرات اس مجلس میں موجود نہ تھے۔"

گویا بیل کی تخلیق سواری یا بار برداری کے لئے نہیں، بلکہ کاشتکاری کے لئے ہے، اور اس سے سواری یا بار برداری کا کام لینا اس مقصد کے خلاف ہے جس کے لئے اللہ تعالیٰ نے اس کی تخلیق فرمائی ہے، اور جن صلاحیتوں سے اسے بہرہ مند فرمایا ہے۔

عورت اور مرد کی صلاحیتوں میں اِمتیاز

دیگر مخلوق کی طرح مرد و عورت کو بھی حق تعالیٰ شانہ نے جداگانہ صلاحیتوں سے نوازا ہے، اور دونوں کو جداگانہ مقاصد کے لئے تخلیق فرمایا ہے، دونوں کی ساخت میں ایسا بنیادی فرق رکھا ہے جو دونوں کی ایک ایک ادا سے ظاہر ہوتا ہے، دونوں کی چال ڈھال، انداز نشست و برخاست، لب و لہجہ، اخلاق و عادات، معاشرتی آداب، خیالات و احساسات اور میلانات و رُجحانات یکسر مختلف ہیں۔ حکیم الامت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی قدس سرہٗ کے نزدیک دونوں کی الگ الگ فطری و طبعی خصوصیات ہی عائلی زندگی کی بنیاد فراہم کرتی ہیں، شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں:

"پھر جبکہ بالطبع عورت کو اولاد کی پرورش کے اچھے طریقے معلوم تھے، وہ عقل میں کم، محنت کے کاموں سے جی چرانے والی، زیادہ حیادار، خانہ نشینی کی طرف مائل، ادنیٰ ادنیٰ اُمور میں خوب کوشش کرنے والی اور فرماں بردار تھی۔ اور مرد بہ نسبت عورتوں کے عقل مند، غیرت مند، باہمت، بامروت، زور آور اور مقابلہ کرنے والا تھا۔ اس لئے عورت کی زندگی بغیر مرد کے ناتمام تھی، اور مرد کو عورت کی احتیاج تھی۔"

(اُردو ترجمہ حجۃ اللہ البالغۃ ج:۱ ص:۸)

چونکہ دونوں کی زندگی ایک دُوسرے کی صنفی خصوصیات کے بغیر ناتمام اور نامکمل تھی، اس لئے فطرت نے دونوں کو باہمی اُلفت و تعاون کے معاہدہ پر مجبور کردیا، اس طرح انسانوں کی عائلی زندگی تشکیل پذیر ہوئی اور یہ انسانیت پر حق تعالیٰ شانہ کا احسانِ عظیم ہے، چنانچہ اِرشاد ہے:

"وَمِنْ اٰیٰتِہٖٓ اَنْ خَلَقَ لَکُمْ مِّنْ اَنْفُسِکُمْ اَزْوَاجًا لِّتَسْکُنُوْٓا اِلَیْھَا وَجَعَلَ بَیْنَکُمْ مَّوَدَّۃً

وَّرَحْمَةً اِنَّ فِیْ ذٰلِکَ لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یَّتَفَکَّرُوْنَ۔" (الروم:۲۱)

ترجمہ:... "اور اسی کی نشانیوں میں سے یہ ہے کہ اس نے تمہارے واسطے تمہاری جنس کی بیبیاں بنائیں تاکہ تم کو ان کے پاس آرام ملے اور تم میاں بیوی میں محبت اور ہمدردی پیدا کی، اس میں ان لوگوں کے لئے نشانیاں ہیں جو فکر سے کام لیتے ہیں۔" (ترجمہ حضرت تھانویؒ)

مرد و عورت دونوں نے معاہدۂ اُلفت و تعاون میں منسلک ہوکر سفرِ معاشرت کا آغاز کیا، تو ضرورت پیش آئی کہ دونوں کے لئے حسنِ معاشرت کا دستور وضع کردیا جائے، جس میں دونوں کے حقوق و فرائض اور مرتبہ و مقام کا تعین کردیا گیا ہو، چنانچہ قرآن و حدیث میں بڑی تفصیل سے ان اُمور کی تشریح فرمائی گئی ہے اور سب کا خلاصہ درجِ ذیل آیتِ شریفہ کے موجز و معجز الفاظ میں سمودیا گیا ہے:

"وَلَهُنَّ مِثْلُ الَّذِیْ عَلَیْهِنَّ بِالْمَعْرُوْفِ، وَلِلرِّجَالِ عَلَیْهِنَّ دَرَجَةٌ، وَّاللّٰهُ عَزِیْزٌ حَکِیْمٌ۔"

(البقرہ:۲۲۸)

ترجمہ:... "اور عورتوں کا حق ہے، جیسا کہ مردوں کا ان پر حق ہے دستور کے موافق، اور مردوں کو عورتوں پر فضیلت ہے اور اللہ زبردست ہے تدبیر والا۔" (ترجمہ شیخ الہند مولانا محمود الحسنؒ)

دُوسری جگہ اسی کی مزید وضاحت و صراحت اس طرح فرمائی گئی:

"اَلرِّجَالُ قَوّٰمُوْنَ عَلَی النِّسَآءِ بِمَا فَضَّلَ اللّٰهُ بَعْضَهُمْ عَلٰی بَعْضٍ وَّبِمَآ اَنْفَقُوْا مِنْ اَمْوَالِهِمْ، فَالصّٰلِحٰتُ قٰنِتٰتٌ حٰفِظٰتٌ لِّلْغَیْبِ بِمَا حَفِظَ اللّٰهُ، وَالّٰتِیْ تَخَافُوْنَ نُشُوْزَهُنَّ فَعِظُوْهُنَّ وَاهْجُرُوْهُنَّ فِی الْمَضَاجِعِ وَاضْرِبُوْهُنَّ، فَاِنْ اَطَعْنَکُمْ فَلَا تَبْغُوْا عَلَیْهِنَّ سَبِیْلًا، اِنَّ اللّٰهَ کَانَ عَلِیًّا کَبِیْرًا۔" (النساء:۳۴)

ترجمہ:... "مرد حاکم ہیں عورتوں پر اس سبب سے کہ اللہ تعالیٰ نے بعضوں کو بعضوں پر فضیلت دی ہے، اور اس سبب سے کہ مردوں نے اپنے مال خرچ کئے ہیں، سو جو عورتیں نیک ہیں، اِطاعت کرتی ہیں، مرد کی عدم موجودگی میں، بحفاظتِ اِلٰہی نگہداشت کرتی ہیں اور جو عورتیں ایسی ہوں کہ تم کو ان کی بددماغی کا احتمال ہو تو ان کو زبانی نصیحت کرو اور ان کو ان کے لیٹنے کی جگہوں میں تنہا چھوڑ دو اور ان کو مارو، پھر اگر وہ تمہاری اِطاعت کرنا شروع کردیں تو ان پر بہانہ مت ڈھونڈو، بلاشبہ اللہ تعالیٰ بڑے رفعت اور عظمت والے ہیں۔"

(ترجمہ حضرت تھانویؒ)

اس آیتِ شریفہ میں عورت پر مرد کی فضیلت کا اِعلان کرتے ہوئے مرد کو قوام، نگران اور حاکم قرار دیا ہے، اور عورت کی صلاح و فلاح اس کی اِطاعت شعاری اور اپنی عصمت کی پاسداری میں مضمر بتائی ہے، پس اس آیتِ کریمہ کی رُو سے وہ معاشرہ صحیح فطرت پر ہوگا جس میں مرد حاکم اور عورت اِطاعت شعار ہو، اس کے برعکس جس معاشرے کی حاکم عورت کو بنادیا جائے، وہ فطرت سے

منحرف اور انسانیت سے برگشتہ معاشرہ قرار پائے گا۔

اس آیت میں حق تعالیٰ نے مرد کی حاکمیت کے دو اَسباب بیان فرمائے ہیں۔ ایک یہ کہ حق تعالیٰ نے مرد کو عورت پر فضیلت بخشی ہے۔ دوم یہ کہ عورت کے مہر اور نان ونفقہ کی ذمہ داری مرد پر ڈالی ہے، اِمام رازیؒ اس کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"ثم انه تعالیٰ لما اثبت للرجال سلطنة علی النساء ونفاذ امر علیهن بین ان ذالک معلل بامرین، احدهما: قوله تعالیٰ "بما فضل الله بعضهم علیٰ بعض" واعلم ان فضل الرجال علی النساء حاصل من وجوه کثیرة، بعضها صفات حقیقیة وبعضها احکام شرعیة، اما الصفات الحقیقیة فاعلم ان الفضائل الحقیقیة یرجع حاصلها الیٰ امرین، الی العلم والی القدرة، ولَا شک ان عقول الرجال وعلومهم اکثر، ولَا شک ان قدرتهم علی الأعمال الشاقة اکمل، فلهٰذین السببین حصلت الفضیلة للرجال علی النساء فی العقل والحزم والقوة، والکتابة فی الغالب والفروسیة والرمی، وان منهم الأنبیاء والعلماء، وفیهم الإمامة الکبریٰ والصغریٰ والجهاد والأذان والخطبة والإعتکاف والشهادة فی الحدود والقصاص بالإتفاق، وفی الأنکحة عند الشافعی رضی الله عنه، وزیادة النصیب فی المیراث، والتعصیب فی المیراث، وفی تحمل الدیة فی القتل والخطاء، وفی القسامة والولَایة فی النکاح والطلاق والرجعة وعدد الأزواج، والیهم الإنتساب، فکل ذالک یدل علیٰ فضل الرجال علی النساء.

(والسبب الثانی) لحصول هذه الفضیلة: قوله تعالیٰ "وبما انفقوا من اموالهم" یعنی الرجل افضل من المرأة لأنه یعطیها المهر وینفق علیها۔" (تفسیر کبیر ج:۱۰ ص:۸۸)

ترجمہ:... "پھر جب اللہ تعالیٰ نے یہ ثابت فرمایا کہ مردوں کو عورتوں پر سلطنت حاصل ہے اور یہ کہ ان کا حکم ان پر نافذ ہے، تو اس کے بعد یہ بیان فرمایا کہ مردوں کے عورتوں پر حاکم ہونے کی دو وجہیں ہیں۔ پہلی وجہ کو اس ارشاد میں بیان فرمایا کہ: "اللہ تعالیٰ نے بعض کو یعنی مردوں کو، بعض پر یعنی عورتوں پر فضیلت عطا فرمائی ہے۔" جاننا چاہئے کہ مردوں کو بہت سی وجوہ سے فضیلت حاصل ہے، ان میں سے بعض صفاتِ حقیقیہ ہیں اور بعض احکامِ شرعیہ۔ جہاں تک صفاتِ حقیقیہ کا تعلق ہے تو یہ واضح رہنا چاہئے کہ فضائلِ حقیقیہ کا مرجع دو چیزیں ہیں: ایک علم، دوسری قدرت۔ اور اس میں شک نہیں کہ مرد عقل اور علم میں بڑھ کر ہیں، اور اس میں بھی شک نہیں کہ اعمالِ شاقہ پر مردوں کی قدرت زیادہ کامل ہے، پس ان دو اَسباب کی بنا پر مردوں کو عورتوں پر فضیلت حاصل ہے، عقل میں، حزم میں، قوت میں، عام طور سے کتابت میں، شہسواری میں، تیراندازی میں، اور یہ کہ انہی میں انبیاء اور (بیشتر) علماء ہوتے ہیں، اور درجِ ذیل مناصب بالاتفاق مردوں سے مخصوص ہیں: اِمامتِ کبریٰ،

صغریٰ، جہاد، اَذان، خطبہ، اِعتکاف اور حدود و قصاص میں شہادت۔ امام شافعیؒ کے نزدیک نکاح کی ولایت بھی مردوں ہی سے مخصوص ہے۔ علاوہ ازیں میراث میں مردوں کا حصہ زیادہ رکھا گیا ہے، اور میراث میں عصبہ صرف مرد ہوتے ہیں، قتلِ خطأ میں دیت اور قسامہ صرف مردوں پر ڈالی گئی ہے، نکاح کی ولایت، طلاق، رجعت اور تعددِ اَزواج کا اِختیار صرف مردوں کو حاصل ہے، بچے کا نسب بھی مردوں سے جاری ہوتا ہے۔ یہ تمام اُمور دلالت کرتے ہیں کہ مردوں کو عورتوں پر فضیلت دی گئی ہے۔ اور فضیلت کی دُوسری وجہ حق تعالیٰ شانہٗ نے اپنے اس ارشاد میں بیان فرمائی ہے: ''اور اس سبب سے کہ مردوں نے اپنے مال خرچ کئے ہیں۔'' یعنی مرد، عورت سے افضل ہے، کیونکہ وہ عورت کو مہر دیتا ہے اور عورت کا نان و نفقہ مرد کے ذمہ ہے۔''

حافظ ابنِ کثیرؒ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

''یقول تعالیٰ ''الرجال قوامون علی النساء'' ای الرجل قیم علی المرأة ای ھو رئیسھا و کبیرھا، والحاکم علیھا، ومؤدبھا اذا عوجت (بما فضل الله بعضھم علیٰ بعض) ای لأن الرجل افضل من النساء، والرجل خیر من المرأة، ولھذا کانت النبوة مختصة بالرجال، وکذالک الملک الأعظم لقوله صلی الله علیه وسلم: ''لن یفلح قوم ولّو امرھم امرأة۔'' رواہ البخاری۔''

(تفسیر ابن کثیر ج۔۱ ص:۵۲۰ مطبوعہ مکتبة النھضة الحدیثة طبعة الأولیٰ ۱۳۸۴ھ)

ترجمہ:...''حق تعالیٰ شانہ فرماتے ہیں: ''مرد عورتوں پر حاکم ہیں'' یعنی مرد، عورت پر نگران ہے، اس کا رئیس ہے، اس کا بڑا ہے، اس پر حاکم ہے، اور جب عورت کجی اختیار کرے تو اس کا مؤدب ہے۔'' اس سبب سے کہ اللہ تعالیٰ نے بعض کو بعض پر فضیلت دی ہے'' یعنی اس وجہ سے کہ مرد، عورتوں سے افضل ہیں اور مرد، عورت سے بہتر ہے، یہی وجہ ہے کہ نبوّت مردوں کے لئے مختص ہے، اسی طرح سلطنت بھی، چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: ''وہ قوم ہرگز کامیاب نہ ہوگی جس نے سلطنت کا کام عورت کے سپرد کردیا۔''

اس آیتِ کریمہ کی تفسیر میں صاحبِ ''روح المعانی'' لکھتے ہیں:

''ولذا خصوا بالرسالة والنبوة علی الأشھر، وبالإمامة الکبریٰ والصغریٰ واقامة الشعائر کالأذان والإقامة والخطبة الجمعة.... الخ۔'' (روح المعانی ج:۵ ص:۲۳)

ترجمہ:...''اسی بنا پر مردوں کو مخصوص کیا گیا رسالت و نبوّت کے ساتھ، امامتِ کبریٰ و صغریٰ کے ساتھ اور اِسلامی شعائر مثلاً: اَذان، اِقامت اور خطبہ جمعہ کے ساتھ.....الخ۔''

اسی قسم کی تصریحات اس آیتِ کریمہ کے ذیل میں دیگر مفسرین نے بھی فرمائی ہیں۔

الغرض مرد و عورت کے درجات کا تعین کرتے ہوئے قرآنِ کریم نے مرد کی حاکمیت کا واضح اعلان کیا، جس طرح اپنی فطری

خصوصیات کی بنا پر عورت نبی و رسول نہیں ہوسکتی، نماز میں مردوں کی امام نہیں بن سکتی، مسجد میں اَذان و اقامت کہنا، خطبہ دینا اور جمعہ وعیدین کا قائم کرنا اس کے لئے جائز نہیں، اسی طرح اِمامتِ کبریٰ (ملک کی سربراہی) کے فرائض انجام دینا بھی اس کی فطری و خلقی ساخت کے منافی ہے۔

یہی وجہ ہے کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اِطلاع دی گئی کہ ایرانیوں نے کسریٰ کی بیٹی کو اپنا سربراہ بنالیا ہے، تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"لن یفلح قوم ولّوا امرھم امرأۃ۔" (صحیح بخاری ج:۱ ص:۶۳۶)

ترجمہ:... "وہ قوم کبھی فلاح نہیں پائے گی جس نے اپنی حکومت کا کام عورت کے سپرد کردیا۔"

اس حدیث میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس قوم سے "فلاح" کی نفی فرمائی ہے، جس کی حکمران عورت ہو، "فلاح" کی تشریح کرتے ہوئے اِمام راغب اصفہانی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

"وَالْفَلَاحُ الظَّفَرُ وَإِدْرَاکُ بُغْیَۃٍ۔ وذالک ضربان دنیویٌ واخرویٌ۔ فالدنیوی: الظفر بالسعادات التی تطیب بھا حیاۃ الدنیا وھو البقاء والغنیٰ والعز..... وفلاح اخرویٌ وذالک اربعۃ اشیاء: بقاء بلا فناء، وغنیً بلا فقر، وعزٌ بلا ذُلٍ، وعلمٌ بلا جَھلٍ۔"

(مفردات القرآن ج:۲ ص:۳۸۵، مطبع خیر کثیر کراچی)

ترجمہ:... "فلاح کے معنی ہیں کامیابی اور مقصود کا پالینا۔ اور اس کی دو قسمیں ہیں: دُنیوی و اُخروی۔ پس دُنیوی فلاح ان سعادتوں اور نیک بختیوں کے ساتھ کامیاب ہونا ہے جن کے ذریعہ دُنیوی زندگی خوشگوار ہوتی ہے۔ اور وہ تین چیزیں ہیں: بقا، غنا، اور عزت۔ اور ایک فلاح اُخروی ہے، اور یہ چار چیزیں ہیں: ایسی بقا جس کے بعد فنا نہیں، ایسی غنا جس میں فقر نہیں، ایسی عزت جس کے بعد ذِلت نہیں اور ایسا علم جس میں جہل کا شائبہ نہیں۔"

"فلاح" کی مندرجہ بالا تشریح کی روشنی میں حدیث کا مفہوم یہ ہوا کہ جس قوم پر عورت حکمران ہو وہ حرماں نصیب ہے، اسے نہ صرف اُخروی سعادتوں سے محرومی ہوگی بلکہ دُنیوی سعادتوں اور برکتوں سے بھی محروم رہے گی، نہ اسے بقا نصیب ہوگی، نہ غنا، نہ عز وجاہت اور نہ زندگی کی خوشگواری اسے نصیب ہوگی، بلکہ ایسی بدقسمت قوم کی زندگی موت سے بدتر ہوگی۔ اسی مضمون کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دُوسری حدیث میں زیادہ وضاحت وصراحت کے ساتھ ارشاد فرمایا ہے:

"إذا کان أمرائکم خیارکم وأغنیائکم سمحائکم وأمورکم شوریٰ بینکم، فظھر الأرض خیر لکم من بطنھا، وإذا کان أمرائکم شرارکم، وأغنیائکم بخلائکم، وأمورکم إلی نسائکم فبطن الأرض خیر لکم من ظھرھا۔" (ترمذی ج:۲ ص:۵۱، مشکوٰۃ شریف ص:۴۵۹)

ترجمہ:... "جب تمہارے حکام تم میں سب سے بہتر ہوں، تمہارے مالدار سخی ہوں اور تمہارے

معاملات باہمی مشورے سے طے پائیں، تو تمہارے لئے زمین کی پشت، زمین کے پیٹ سے بہتر ہے۔ اور جب تمہارے حکام بُرے لوگ ہوں، تمہارے مالدار بخیل ہوں اور تمہارے معاملات عورتوں کے سپرد ہوں تو زمین کا پیٹ تمہارے لئے اس کی پشت سے بہتر ہے۔"

اس حدیث میں جو یہ فرمایا ہے کہ: "تمہارے لئے زمین کا پیٹ اس کی پشت سے بہتر ہے" مطلب یہ کہ ایسی زندگی سے موت لاکھ درجہ اچھی ہے، اور یہ ایسا ہی محاورہ ہے جیسے ہماری زبان میں کہا جاتا ہے کہ: "اس سے تو ڈوب مرنا بہتر ہے" اس میں اشارہ ہے اس امر کی طرف کہ جب انسانی اقدار ملیامیٹ ہو جائیں کہ خود کمالِ وقاحت سے عورت کو اپنا حکمران تسلیم کرلیں تو وہ زندہ انسان کہلانے کے مستحق نہیں بلکہ انسان کی چلتی پھرتی لاشیں ہیں۔

عورت حکمران نہیں بن سکتی! اہلِ علم کی تصریحات

الغرض قرآن کریم اور احادیثِ نبویہ سے واضح ہے کہ عورت کا حکمران بننا نہ صرف عورت کی فطرت سے بغاوت ہے، بلکہ یہ انسانی فطرت کے لئے موت کا پیغام ہے، قرآن و حدیث کی انہی تصریحات کے پیشِ نظر فقہائے اُمت اور علمائے ملت اس پر متفق ہیں کہ: "عورت حکومت کی سربراہ نہیں بن سکتی" اس مسئلے پر اہلِ علم کی بے شمار تصریحات میں سے چند حوالے یہاں پیش کئے جاتے ہیں۔

اِمام محی السنہ بغویؒ "شرح السنہ" میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشادِ گرامی: "لن یفلح قوم ولّوا أمرهم امرأة" اپنی سند کے ساتھ روایت کرنے کے بعد اس کی شرح میں لکھتے ہیں:

"قال الإمام: اتفقوا على ان المرأة لَا تصلح ان تكون إمامًا ولَا قاضيًا، لأن الإمام يحتاج الى الخروج لِاقامة امر الجهاد، والقيام بامور المسلمين، والقاضى يحتاج إلى البروز لفصل الخصومات، والمرأة عورة لَا تصلح للبروز، وتعجز لضعفها عند القيام باكثر الأمور، ولأن المرأة ناقصة، والإمامة والقضاء من كمال الولَايات، فلا يصلح لها إلّا الكامل من الرجال۔" (شرح السنہ ج:۱۰ ص:۷۷ طبع بیروت)

ترجمہ:... "اہلِ علم کا اتفاق ہے کہ عورت اِمام اور قاضی بننے کی صلاحیت نہیں رکھتی، کیونکہ اِمام کو ضرورت ہے اَمرِ جہاد کو قائم کرنے اور مسلمانوں کے مصالح کا اِہتمام کرنے کے لئے باہر نکلنے کی، اور قاضی کے لئے مقدمات کا فیصلہ کرنے کے لئے سب کے سامنے آنا ضروری ہے، اور عورت سراپا ستر ہے، وہ عام مجمعوں میں نکلنے کی صلاحیت نہیں رکھتی، اور وہ اپنے ضعف کی وجہ سے اکثر اُمور کے انجام دینے سے قاصر رہے گی، اور اس لئے بھی کہ عورت (ولایت میں) ناقص ہے، اور اِمامت و قضا کامل ولایتوں میں سے ہے، پس اس کے لئے کامل مرد ہی صلاحیت رکھتے ہیں۔"

اِمام قرطبیؒ آیتِ کریمہ: "اِنّی جاعل فی الأرض خلیفة" کے ذیل میں خلیفہ کی شرائط ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"السابع: ان یکون ذکرًا..... واجمعوا علی ان المرأة لا یجوز ان تکون إمامًا وان اختلفوا فی جواز کونها قاضیة فیما تجوز شهادتها فیه۔"

(القرطبی: الجامع لاحکام القرآن ج:۱ ص:۲۷۰)

ترجمہ:... "ساتویں شرط یہ ہے کہ خلیفہ مرد ہو، اور اہلِ علم کا اِجماع ہے کہ عورت امام (حکومت کی سربراہ) نہیں بن سکتی، البتہ اس میں اختلاف ہے کہ جن اُمور میں اس کی گواہی جائز ہے، ان میں قاضی بن سکتی ہے یا نہیں؟"

"شرح عقائد نسفی" میں ہے:

"ویشترط ان یکون من اهل الولایة المطلقة الکاملة ای مسلمًا، حرًّا، ذکرًا، عاقلًا، بالغًا... إلی قوله... والنساء ناقصات عقل و دین۔"

(شرح عقائد ص:۱۵۸، مطبوعہ مکتبہ خیر کثیر کراچی)

ترجمہ:... "امام (حکمرانِ اعلیٰ) کے لئے شرط ہے کہ وہ کامل و مطلق ولایت کا اہل ہو، یعنی مسلمان، آزاد، مرد، عاقل اور بالغ ہو، (اس کے بعد ہر شرط کے ضروری ہونے کی وجہ ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ: عورت اس لئے امام نہیں بن سکتی کیونکہ) عورتیں دِین و عقل میں ناقص ہیں۔"

علامہ عبدالعزیز فرہاروی رحمۃ اللہ علیہ اس کی شرح میں لکھتے ہیں:

"والأوضح الإستدلال بالحدیث عن ابی بکرة الثقفی قال: لما بلغ رسول الله صلی الله علیه وسلم ان أهل فارس ملکوا علیهم بنت کسری، قال: "لن یفلح قوم ولّوا علیهم امرأة" رواه البخاری۔ وأیضًا هی مأمورة بالتستر وترک الخروج إلی مجامع الرجال، وأیضًا قد اجمع الأمّة علی عدم نصبها حتّی فی الإمامة الصغری۔"

(نبراس شرح شرح عقائد ص:۳۲۱، امدادیہ ملتان)

ترجمہ:... "(عورت کے حکمرانِ اعلیٰ نہ ہوسکنے پر) زیادہ واضح اِستدلال اس حدیث سے ہے جو صحیح بخاری میں حضرت ابوبکرہ ثقفیؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جب یہ خبر پہنچی کہ اہلِ فارس نے کسریٰ کی بیٹی کو اپنا حکمران بنالیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "وہ قوم کبھی فلاح نہیں پائے گی جس نے اپنے اُوپر عورت کو حاکم بنالیا۔" نیز یہ کہ عورت کو پردے کا حکم ہے اور یہ کہ مردوں کے مجمع میں نہ جائے۔ نیز یہ کہ اُمت کا اِجماع ہے کہ عورت کو امام بنانا صحیح نہیں، حتیٰ کہ اِمامتِ صغریٰ میں بھی۔"

شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ "اِزالۃ الخفاء" میں شرائطِ خلافت کا ذِکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"ازاں جملہ آنست کہ ذکر باشد نہ امرأۃ زیرا کہ در حدیثِ بخاری آمدہ: "ما افلح قوم ولوا امرهم

امرأة" چون بسمع مبارک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم رسید کہ اہل فارس دختر کسریٰ را بادشاہی برداشتہ اند، فرمود رستگار نشد قومی کہ والی امر بادشاہی خود ساختند زنے را، وزیرا کہ امرأۃ ناقص العقل والدین است، ودر جنگ و پیکار بیکار، وقابل حضور محافل ومجالس نے، پس از وی کارہای مطلوب نہ برآید۔" (ازالۃ الخفاء ج:۱ ص:۴)

ترجمہ:... "اور من جملہ شرائطِ اِمامت کے ایک یہ ہے کہ اِمام مرد ہو، عورت نہ ہو، کیونکہ صحیح بخاری کی حدیث میں ہے کہ: جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سمع مبارک میں یہ خبر پہنچی کہ اہلِ فارس نے کسریٰ کی بیٹی کو بادشاہ بنایا ہے تو فرمایا: "وہ قوم کبھی فلاح نہیں پائے گی جس نے حکومت عورت کے سپرد کردی" اور اس لئے بھی کہ عورت عقل و دِین کے اعتبار سے ناقص ہے اور جنگ و پیکار میں بے کار ہے، اور عام محفلوں اور مجلسوں میں حاضری کے قابل نہیں، اس لئے حکومت کے مقاصد کو انجام نہیں دے سکتی۔"

فقہ حنفی کی معروف کتاب "درمختار" میں ہے:

"ویشترط کونه مسلمًا، حرًّا، ذکرًا، عاقلًا، بالغًا، قادرًا۔" (درمختار ج:۱ ص:۵۴۸)

ترجمہ:... "اور اِمامتِ کبریٰ (ملک کی حکمرانی) میں اِمام کا مسلمان، آزاد، مرد، عاقل، بالغ اور قادر ہونا شرط ہے۔"

فقہِ مالکی کی مستند کتاب "منح الجلیل شرح مختصر الخلیل" میں ہے:

"(الإمام الأعظم) الخليفة عن رسول الله صلى الله عليه وسلم في إمامة الصلوٰة الخمس والجمعة والعيدين، والحكم بين المسلمين، وحفظ الإسلام، وإقامة حدوده، وجهاد الكفار، والأمر بالمعروف، والنهي عن المنكر. فيشترط فيه العدالة، والذكورة، والفطنة، والعلم۔" (منح الجلیل ج:۸ ص:۲۶۳)

ترجمہ:... "امام اعظم (سربراہِ حکومت) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نائب ہے، نماز پنجگانہ اور جمعہ وعیدین کی اِمامت میں، مسلمانوں کے درمیان فیصلہ کرنے میں، اسلام کی پاسبانی اور اس کی حدوں کو قائم کرنے میں، کفار سے جہاد کرنے میں اور اَمر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ بجالانے میں۔ اس لئے اس میں درج ذیل اوصاف کا پایا جانا شرط ہے: عادل ہو، مرد ہو، سمجھ دار ہو، عالم ہو۔"

فقہِ شافعی کی کتاب "مجموع شرح مہذب" میں ہے:

"ولا يجوز ان يكون امرأة لقوله صلى الله عليه وسلم: "ما أفلح قوم أسندوا أمرهم إلى امرأة۔" ولأنه لا بد للقاضي من مجالسة الرجال من الفقهاء والشهود والخصوم، والمرأة ممنوعة من مجالسة الرجال لما يخاف عليهم من الافتتان بها۔"

(تکملہ مجموع شرح مہذب ج:۲۰ ص:۱۲۷)

ترجمہ:... ''اور جائز نہیں کہ قاضی عورت ہو، کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا اِرشاد ہے کہ: ''وہ قوم کبھی فلاح نہیں پائے گی جس نے حکومت عورت کے سپرد کردی'' اور اس لئے بھی کہ قاضی کے لئے مردوں کے ساتھ ہم نشینی لازم ہے، فقہاء کے ساتھ، گواہوں کے ساتھ اور مقدمے کے فریقوں کے ساتھ، اور عورت کو مردوں کی ہم نشینی ممنوع ہے کہ اس کی وجہ سے اس کے حق میں فتنے کا اندیشہ ہے۔''

فقہِ حنبلی کی کتاب ''المغنی'' میں ہے:

"وجملته انه يشترط في القاضي ثلاثة شروط (احدها) الكمال وهو نوعان: كمال الأحكام، و كمال الخلقة. اما كمال الأحكام فيعتبر في أربعة أشياء: أن يكون بالغًا، عاقلًا، حرًا، ذكرًا. وحكي عن ابن جرير انه لَا تشترط الذكورية لأن المرأة يجوز ان تكون مفتية فيجوز ان تكون قاضية. وقال ابوحنيفة يجوز ان تكون قاضية في غير الحدود لأنه يجوز ان تكون شاهدة فيه.

ولنا قول النبي صلى الله عليه وسلم: "ما أفلح قوم ولّوا أمرهم امرأة" ولأن القاضي يحضره محافل الخصوم والرجال، ويحتاج فيه إلى كمال الرأى وتمام العقل والفطنة، والمرأة ناقصة العقل، قليلة الرأى، ليست اهلا للحضور في محافل الرجال ولَا تقبل شهادتها ولو كان معها الف امرأة مثلها ما لم يكن معهنّ رجل، وقد نبه الله تعالىٰ علىٰ ضلالهن ونسيانهن بقوله تعالىٰ: "ان تضل إحداهما فتذكر إحداهما الأخرىٰ" ولَا تصلح للإمامة العظمىٰ ولَا لتولية البلدان ولهذا لم يولّ النبي صلى الله عليه وسلم ولَا احد من خلفائه ولَا من بعدهم امرأة قضاء ولَا ولَاية بلد فيما بلغنا، ولو جاز ذالك لم يخل منه جميع الزمان غالبًا." (المغنی ج:۱۱ ص:۳۸۰)

ترجمہ:... ''خلاصہ یہ کہ قاضی کے لئے تین شرطیں ہیں: ایک کمال، اور اس کی دو قسمیں ہیں: ایک کمالِ احکام، دُوسرا کمالِ خلقت۔ اور کمالِ احکام چار چیزوں میں معتبر ہے، وہ یہ کہ بالغ ہو، عاقل ہو، آزاد ہو، مرد ہو۔ ابنِ جریر سے نقل کیا جاتا ہے کہ قاضی کا مرد ہونا شرط نہیں، کیونکہ عورت مفتی ہوسکتی ہے تو قاضی بھی ہوسکتی ہے، اور اِمام ابوحنیفہؒ کا قول ہے کہ عورت حدود و قصاص کے علاوہ دُوسرے اُمور میں قاضی بن سکتی ہے، کیونکہ ان اُمور میں گواہ بھی بن سکتی ہے۔

ہماری دلیل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا اِرشادِ گرامی ہے: ''وہ قوم کبھی فلاح نہیں پائے گی جس نے اَمرِ حکومت عورت کے سپرد کردیا۔'' اور اس لئے بھی کہ قاضی کے پاس مقدمے کے فریقوں اور مردوں کا جمگھٹا رہتا ہے اور وہ فیصلے میں کمالِ رائے، تمامِ عقل اور زیرکی کا محتاج ہے، جبکہ عورت ناقص العقل اور قلیل الرائے

ہے، مردوں کی محفلوں میں حاضری کے لائق نہیں، اور جب تک مرد ساتھ نہ ہو تنہا عورت کی گواہی قابل قبول نہیں، چاہے ہزار عورتیں گواہی دے رہی ہوں، اور اللہ تعالیٰ نے ان کے بھول چوک جانے پر اس اِرشاد میں تنبیہ فرمائی ہے کہ: ''اگر ان میں سے ایک بھول جائے تو ایک دُوسری کو یاد دِلادے''۔ عورت اِمامتِ عظمیٰ (حکومت کی سربراہ) اور صوبوں اور شہروں کی حکومت کی صلاحیت نہیں رکھتی، یہی وجہ ہے کہ جہاں تک ہمیں معلوم ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے، خلفائے راشدینؓ نے اور ان کے بعد کے سلاطین نے نہ کسی عورت کو کبھی عہدۂ قضا پر مقرّر کیا، نہ کسی شہر کی حکومت پر، اور اگر یہ جائز ہوتا تو پورا زمانہ اس سے غالباً خالی نہ رہتا۔''

اہلِ ظاہر کے اِمام حافظ ابنِ حزم اندلسیؒ ''المحلّٰی'' میں لکھتے ہیں:

''واما من لم یبلغ والمرأۃ فلقول النبی صلی اللہ علیہ وسلم: "رفع القلم عن ثلاث" وذکر الصبی حتّٰی یبلغ، ولأن عقود الإسلام الی الخلیفۃ، ولَا عقد لغلام لم یبلغ ولَا عقد علیہ، و..... عن ابی بکرۃ رضی اللہ عنہ قال: سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول: لن یفلح قوم أسندوا أمرھم الٰی امرأۃ۔'' (المحلّٰی ج:۹ ص:۳۶۰)

ترجمہ:... ''نابالغ اور عورت کو خلیفہ بنانا صحیح نہیں، کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا اِرشاد ہے کہ: ''تین شخصوں سے قلم اُٹھالیا گیا'' ان تین میں بچے کو ذکر فرمایا جب تک کہ وہ بالغ نہ ہوجائے، اور اس لئے بھی کہ اسلام کے عقود خلیفہ کے سپرد ہیں اور نابالغ بچے کا کوئی عقد صحیح نہیں، اور حضرت ابوبکرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''وہ قوم کبھی فلاح نہیں پائے گی جس نے حکومت عورت کے حوالے کردی۔'' (لہٰذا عورت کی خلافت بھی صحیح نہیں)۔''

ان حوالوں سے واضح ہے کہ تمام اہلِ علم اور مذاہب اس پر متفق ہیں کہ حکومت و مملکت کی سربراہی کے لئے مرد ہونا شرط ہے، لہٰذا زمامِ حکومت کسی عورت کے ہاتھ میں تھمادینا جائز نہیں۔

رہا یہ سوال کہ عورت کو حکومت کا سربراہ بنانا تو جائز نہیں لیکن اگر اسے اس منصب پر فائز کردیا جائے تو کیا وہ سربراہ بن جائے گی یا نہیں؟ اور شرعاً اس کا حکم نافذ ہوگا یا نہیں؟ علامہ شامیؒ، اِمام ابوالسعودؒ کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ چونکہ عورت میں اس کی اہلیت ہی سرے سے نہیں پائی جاتی، اس لئے شرعاً اس کی اِمامت منعقد نہیں ہوگی، علامہ شامیؒ کی عبارت حسبِ ذیل ہے:

''تنبیہ: واما تقریرھا فی نحو وظیفۃ الإمام، فلا شک فی عدم صحتہ لعدم اھلیتھا خلافًا لما زعمہ بعض الجھلۃ انہ یصح وتستنیب لأن صحۃ التقریر یعتمد وجود الأھلیۃ، وجواز الإستنابۃ فرع صحۃ التقریر اھ، ابوالسعود۔'' (فتاویٰ شامی ج:۵ ص:۴۴۰)

ترجمہ:... ''تنبیہ: رہا اِمام کے منصب اور اس جیسے دیگر منصب پر عورت کا تقرّر، سو اس کے صحیح نہ ہونے میں کوئی شک نہیں کیونکہ وہ اس کی اہلیت ہی نہیں رکھتی بخلاف اس کے جو بعض جاہلوں نے سمجھا ہے کہ حاکم کے

منصب پر اس کا تقرر صحیح تو ہے لیکن وہ کسی مرد کو نائب بنا کر کام چلائے، (یہ جاہلانہ بات اس لئے غلط ہے) کیونکہ نائب بنانے کی بات تو تب کی جائے کہ پہلے عورت کا تقرر صحیح ہو اور تقرر کا صحیح ہونا موقوف ہے اہلیت کے پائے جانے پر، پس جب عورت میں اہلیت مفقود ہے تو اس کا تقرر ہی صحیح نہ ہوا، اور جب تقرر صحیح نہ ہوا تو نائب بنانے کی بات بھی غلط ہوئی۔"

یہاں یہ ذکر کر دینا بھی ضروری ہے کہ مملکت کی سربراہی کے لئے مرد کا شرط ہونا اور عورت کا حکومت کی سربراہی کے لئے اہل نہ ہونا، صرف اہلِ اسلام کا اِجماعی مسئلہ نہیں بلکہ تمام عالم کے عقلاء کا متفق علیہ فیصلہ ہے، چنانچہ فیلسوفِ اسلام شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ "حجۃ اللہ البالغہ" میں بابِ "سیرت الملوک" میں لکھتے ہیں:

"بادشاہ کے لئے ضروری ہے کہ اس میں پسندیدہ اخلاق ہوں، ورنہ وہ شہر برباد ہو جائے گا، اگر وہ شجاع نہیں ہے تو اپنے مخالفوں سے پورا مقابلہ نہ کر سکے گا، رعیت اس کو حقارت کی نظر سے دیکھے گی، اگر وہ بُردبار نہیں ہے تو اپنی سطوت سے لوگوں کو برباد ہی کر ڈالے گا، اور اگر صاحبِ حکمت نہیں ہے تو نفع بخش تدبیر کو عمل میں لانے سے عاجز رہے گا، اور بادشاہ کے لئے ضروری ہے کہ عقل مند، بالغ، آزاد، مرد ہو، صاحبِ رائے، بینا شنوا اور گویا ہو، لوگ اس کے شرف اور اس کے خاندان کے اعزاز کو تسلیم کرتے ہوں، اس کے اور اس کے آباء و اجداد کے فضائل کو لوگ دیکھ چکے ہوں، اور خوب جانتے ہوں کہ بادشاہ مصالحِ ملکی کی پاسبانی میں کسی قسم کی کوتاہی نہیں کرتا، یہ سب اُمور عقل کے ذریعے سے معلوم ہوتے ہیں اور تمام بنی آدم اس پر متفق ہیں، خواہ ان کے شہروں میں کیسا ہی بُعد کیوں نہ ہو، اور وہ کسی ہی مذہب کے کیوں نہ ہوں، کیونکہ وہ خوب جانتے ہیں کہ بادشاہ کے مقرّر کرنے سے جو مصلحت مقصود ہے وہ بغیر اُمورِ بالا کے مکمل نہیں ہو سکتی، اگر بادشاہ ان اُمور میں فروگزاشت کرے گا تو لوگ اس کو خلافِ مقصود جانیں گے اور ان کے دِل اس سے بیزار ہو جائیں گے، اور اگر خاموش بھی رہیں گے تو درپردہ غصے میں رہیں گے۔" (حجۃ اللہ البالغہ ج:۱ ص:۹۲)

اور "خلافت" کے عنوان کے تحت حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

"واضح ہو کہ خلیفہ کے اندر عاقل، بالغ، آزاد، مرد، شجاع، صاحبِ رائے، سننے والا اور دیکھنے والا اور گویا ہونا شرط ہے، اور اس کا ایسا شخص ہونا شرط ہے کہ لوگ اس کی اور اس کے نسب کی شرافت کو تسلیم کرتے ہوں اور اس کی فرمانبرداری سے عار نہ کرتے ہوں، اور اس سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ وہ سیاستِ مدنیہ میں حق کا اِتباع کرے گا، یہ سب باتیں ایسی ہیں جن پر عقل دلالت کرتی ہے، اور باوجود ملکوں کے اور دِینوں کے اِختلاف کے تمام بنی آدم کا "خلیفہ" کے اندر ان تمام باتوں کی شرط ہونے کا اِتفاق ہے۔ اس لئے کہ سب لوگ جانتے ہیں کہ خلیفہ کے مقرّر کرنے سے جو مصلحت مقصود ہے وہ بغیر ان اُمور کے تمام نہیں ہو سکتی، اور ان اُمور میں سے جب کبھی کوئی امر رہ گیا ہے تو انہوں نے اس کو نامناسب خیال کیا ہے، اور اس کا خلیفہ ہونا ان کے دِلوں

کو ناگوار گزرا ہے اور غصے کی حالت میں بظاہر سکوت کیا ہے، چنانچہ جب اہلِ فارس نے ایک عورت کو اپنا بادشاہ بنالیا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "جس قوم نے عورت کو اپنے اُوپر حاکم بنایا اس کو ہرگز فلاح نہ ہوگی" اور ملتِ مصطفویہ نے نبی کے خلیفہ ہونے میں ان اُمور کے علاوہ اور باتیں بھی معتبر (رکھی) ہیں، ازاں جملہ اسلام اور علم اور عدالت ہے۔" (حجۃ اللہ البالغہ مترجم ج:۲ ص:۴۲۵)

حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی ان دونوں عبارتوں سے معلوم ہوا کہ پوری دُنیا کے اہلِ عقل، کیا مؤمن اور کیا کافر، ہر زمانے میں اس پر متفق رہے ہیں کہ عورت کارِ مملکت کی انجام دہی کے لئے موزوں نہیں، اس کے باوجود اگر تاریخ عالم میں چند ایسی خواتین کے نام آتے ہیں جنھوں نے زمامِ حکومت ہاتھ میں لی، تو اوّل تو یہ شاذ و نادر مثالیں ہیں، بالکل اسی طرح جس طرح بعض اوقات انسانوں کے گھر میں بعض عجیب الخلقت بچے جنم لیتے ہیں، ایسی شاذ مثالیں کبھی سند کا درجہ نہیں رکھا کرتیں، نہ عقلاً و شرعاً ان سے کوئی حکم ثابت ہوسکتا ہے۔ علاوہ ازیں جس طرح صحت مند بدن پر پھوڑے پھنسیوں کا نکل آنا بھی ایک معمول ہے، مگر اہلِ عقل اس کو لائقِ رشک نہیں سمجھتے، بلکہ اسے فسادِ خون کی علامت سمجھ کر اس کے علاج کی طرف متوجہ ہوتے ہیں۔ ٹھیک اسی طرح کسی معاشرے میں عورت کا حکمران بن جانا بھی لائقِ رشک یا لائقِ تقلید نہیں، بلکہ اہلِ عقل اس کو فسادِ معاشرہ کی علامت سمجھتے ہیں، اور یہ کہ اگر اس فساد کی طرف توجہ نہ کی گئی تو اس کا انجام وہی ہوسکتا ہے جس کو حکیمِ انسانیت صلی اللہ علیہ وسلم نے: "بطن الأرض خیر لکم من ظھرھا" (تمہارے لئے زمین کا پیٹ اس کی پشت سے بہتر ہے) میں بیان فرمایا ہے۔ نعوذ باللہ من الحور بعد الکور!

چند شبہات کا جواب

گزشتہ سطور میں ہم نے قرآن و حدیث اور اَئمہ دین کے حوالوں سے واضح کیا ہے کہ عورت سربراہِ حکومت بننے کی صلاحیت نہیں رکھتی، بعض حضرات کی تحریروں میں اس سلسلے میں چند شبہات کا اظہار کیا گیا ہے، مناسب ہوگا کہ علمی انداز میں ان پر بھی غور کرلیا جائے۔

"اَلرِّجَالُ قَوّٰمُوْنَ عَلَى النِّسَآءِ" پر شبہ

بعض حضرات نے آیتِ کریمہ: "اَلرِّجَالُ قَوّٰمُوْنَ عَلَى النِّسَآءِ" (النساء:۳۴) کے بارے میں فرمایا ہے کہ یہ آیت صرف "اِزدواجی زندگی" اور "تدبیرِ منزل" (گھریلو مسائل) کے بارے میں ہے، "اُمورِ مملکت" سے اس کا کوئی تعلق نہیں، آیت کا مطلب یہ ہے کہ عورت کے اِخراجات کی ذمہ داری اس کے شوہر پر ہے، شوہر کے اِخراجات کا ذمہ عورت پر نہیں، اس کی وجہ سے عورت کو مرد سے وفادار رہنا چاہئے۔

ان حضرات نے اس پر غور نہیں فرمایا کہ جب "اِزدواجی زندگی" اور "تدبیرِ منزل" میں قرآنِ کریم نے مرد کو نگران اور حاکم اور عورت کو اس کے تابع اور مطیع قرار دیا ہے تو "اُمورِ مملکت" میں قرآنِ کریم عورت کو حاکم اور مردوں کو اس کا مطیع و فرمانبردار کیسے قرار دے سکتا ہے...؟ اس نکتے کی وضاحت یہ ہے کہ مرد و عورت، شریعت کے مقرر کردہ دستور کے مطابق اِزدواجی رشتے میں منسلک ہوتے

ہیں، تو اس سے ایک "گھر" وجود میں آتا ہے، یہ انسانی تمدن کا پہلا زینہ ہے، یہیں سے "تدبیرِ منزل" (گھریلو مسائل) کا آغاز ہوتا ہے۔ پھر چند گھروں سے مل کر ایک بستی آباد ہوجاتی ہے اور یہاں سے "سیاستِ مدنیہ" کا آغاز ہوتا ہے، یہ انسانی تمدن کا گویا دُوسرا زینہ ہے۔ پھر چند شہروں کے مجموعے سے ایک ملک وجود میں آتا ہے اور اس سے "اُمورِ مملکت" کی بنیاد فراہم ہوتی ہے، یہ انسانی تمدن کا تیسرا مرحلہ ہے۔

اب ہم دیکھتے ہیں کہ انسانی تمدن کے پہلے قدم اور پہلے مرحلے پر ہی قرآنِ حکیم اعلان کردیتا ہے کہ: "اَلرِّجَالُ قَوّٰمُوْنَ عَلَی النِّسَآءِ" گویا قرآنِ کریم کی نظر میں انسانی تمدن کے پہلے مرحلے کا فطری نظام یہ ہے کہ مرد حاکم ہو اور عورت اس کی مطیع وفرمانبردار ہو، اس کے برعکس اگر عورت حاکم اور مرد اس کا مطیع وفرمانبردار ہو تو یہ نظام قرآنِ کریم کی نظر میں غیرصالح اور خلافِ فطرت ہوگا۔ اب غور فرمایئے کہ جب تمدن کی پہلی اکائی اور اوّلین قدم پر عورت حاکمیت کی صلاحیت نہیں رکھتی، تو تمدن کے آخری زینہ (ملکی سیاست) میں عورت کی حاکمیت کا مقام قرآنِ کریم کی نظر میں کیا ہوگا؟ آپ اسے مختصر الفاظ میں یوں تعبیر کرلیجئے کہ قرآنِ کریم جب ایک چھوٹے سے گھر میں (جس کی اِبتدائی تشکیل صرف دو افراد سے ہوتی ہے) عورت کی حاکمیت کو تسلیم نہیں کرتا تو کروڑوں انسانوں کی آبادی کے ملک میں عورت کی حاکمیت کو کیسے تسلیم کرسکتا ہے...؟

اور پھر ان حضرات نے اس پر بھی غور نہیں فرمایا کہ عائلی زندگی میں مرد کی حاکمیت کا اِعلان کرتے ہوئے قرآنِ کریم نے اس کی پہلی وجہ مرد کی فضیلت قرار دی: "بِمَا فَضَّلَ اللهُ بَعْضَهُمْ عَلٰی بَعْضٍ" اس توجیہ وتعلیل میں صراحت کردی گئی ہے کہ مرد کی حاکمیت کا اصل سبب اس کی فضیلت ہے، لہٰذا جو معاشرہ مردوں اور عورتوں کے مجموعے پر مشتمل ہو (جس کی بالکل اِبتدائی شکل "تدبیرِ منزل" ہے اور اس کی آخری شکل "سیاستِ ملکیہ" ہے) اس میں مرد بوجہ اپنی افضلیت کے حاکم ہوگا اور عورت اس کے تابع فرمان ہوگی: "فَالصّٰلِحٰتُ قٰنِتٰتٌ .... الخ"۔

اور مرد کی حاکمیت کا دُوسرا سبب یہ بیان فرمایا ہے کہ مردوں پر عورتوں کے مہر اور نان ونفقہ کی ذمہ داری ہے، عورتوں پر مردوں کے نان ونفقہ کی ذمہ داری تو کیا ہوتی خود ان کے اپنے نان ونفقہ کی ذمہ داری بھی ان پر نہیں ڈالی گئی۔ ایسا کیوں کیا گیا؟ اس لئے کہ کسبِ معاش کے لئے گھر سے باہر جانے اور کھلے بندوں پھرنے کی ضرورت ہے، اس کی صلاحیت صرف مرد رکھتا ہے، عورت اپنی صنفی خصوصیات کی بنا پر اس کی صلاحیت نہیں رکھتی، اس لئے قرآنِ کریم ان کے نان ونفقہ کی ذمہ داری مردوں کے کندھوں پر ڈال کر خود ان پر گھر میں رہنے اور حجاب وستر اِختیار کرنے کی پابندی عائد کردیتا ہے:

"وَقَرْنَ فِیْ بُیُوْتِکُنَّ وَلَا تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ الْجَاهِلِیَّةِ الْاُوْلٰی" (الاحزاب:۳۳)

ترجمہ: "اور تم اپنے گھروں میں قرار سے رہو اور قدیم زمانۂ جاہلیت کے دستور کے موافق مت پھرو۔" (ترجمہ حضرت تھانویؒ)

اب اِنصاف فرمایئے کہ جو قرآن گھر میں عورت کو حکمران تسلیم نہیں کرتا، جو مرد کی فضیلت کا حوالہ دے کر اس کی حاکمیت کا اِعلان کرتا ہے، جو عورت کے نان ونفقہ کا بار مرد پر ڈال کر عورت پر حجاب وستر اور گھر میں جم کر بیٹھنے کی پابندی عائد کرتا ہے، کیا یہ عقل

ودانش کی بات ہوگی کہ وہی قرآن عورت کو ملک کی ''حاکمِ اعلیٰ'' بن کر سب کے سامنے بے حجابانہ گھومنے پھرنے اور ساری دُنیا کے لوگوں سے ملاقاتیں کرنے کی اجازت دے...؟

الغرض آیت کریمہ مرد کی قوامیت کا اعلان کرتے ہوئے عورت کی حکومت وولایت کی نفی کرتی ہے۔ اکابرِ اُمت نے آیت کا یہی مفہوم سمجھا ہے، جیسا کہ متعدّد اکابر مفسرین کے حوالے پہلے گزر چکے ہیں، یہاں حضرت مولانا ظفر احمد تھانویؒ کی کتاب ''احکام القرآن'' کا حوالہ مزید پیش کیا جاتا ہے، وہ لکھتے ہیں:

''القوّام والقیّم واحد، والقوّام ابلغ، وھو القائم بالمصالح، والتدبیر، والتادیب، وعلل ذالک بامرین: وھبی وکسبی۔ فقال: "بما فضل اللہ بعضھم علٰی بعض" یعنی فضل الرجال علی النساء فی اصل الخلقۃ، وکمال العقل، وحسن التدبیر، وبسطۃ فی العلم والجسم، ومزید القوۃ فی الأعمال، وعلو الإستعداد۔ ولذالک خُصوا بالنبوۃ، والإمامۃ، والقضاء، والشھادۃ فی الحدود والقصاص وغیرھما، ووجوب الجھاد، والجمعۃ، والعیدین، والأذان، والخطبۃ، والجماعۃ، وزیادۃ السھم فی الإرث، ومالکیۃ النکاح، وتعدد المنکوحات، والإستبداد بالطلاق، وکمال الصوم والصلوٰۃ من غیر فتور، وغیر ذالک، وھٰذا امر وھبی۔ ثم قال: "وبما انفقوا من اموالھم" فی نکاحھن من المھور والنفقات الراتبۃ، وھٰذا امر کسبی۔'' (احکام القرآن ج:۲ ص:۱۷۵،۱۷۶)

ترجمہ:...'' قوام اور قیم کے ایک ہی معنی ہیں، اور قوام زیادہ بلیغ ہے، قوام وہ ہے جو کسی کے مصالح، تدبیر اور تادیب کا ذمہ دار ہو، ''مرد عورتوں کے قوام ہیں'' اس کی دو وجہیں ذِکر فرمائی ہیں: ایک وہبی، اور دُوسری کسبی۔ چنانچہ فرمایا: ''اس وجہ سے کہ اللہ تعالیٰ نے بعض کو بعض پر فضیلت دی ہے'' یعنی اللہ تعالیٰ نے مردوں کو فضیلت دی ہے اصل خلقت میں، کمالِ عقل میں، حسنِ تدبیر میں، علم وجسم کی فراخی میں، اعمال کی مزید قوت میں اور اِستعداد کی بلندی میں۔ اسی بنا پر درج ذیل اُمور مردوں سے مخصوص ہیں: نبوّت، اِمامت، قضا، حدود وقصاص وغیرہ پر شہادت دینا، وجوبِ جہاد، جمعہ، عیدین، اَذان، خطبہ، جماعت، وراثت میں زیادہ حصہ ملنا، نکاح کا مالک ہونا، ایک سے زیادہ نکاح کرنا، طلاق دینے کا اِختیار، بغیر وقفہ کے نماز اور روزے کا پورا کرنا وغیر ذالک، اور یہ امر وہبی ہے۔ پھر فرمایا: ''اور اس وجہ سے کہ مردوں نے اپنے مال خرچ کئے ہیں'' یعنی نکاح میں مہر اور نان ونفقہ مردوں پر لازم ہے، اور یہ کسبی امر ہے۔''

اگر کسی کو قرآنِ کریم کو اپنے خود ساختہ معنی ومفہوم پہنانے اور خود ہی اپنے ذہنی خیالات کو قرآنِ کریم سے اُگلوانے کی ضد ہو، اس کا مرض تو لاعلاج ہے، ورنہ قرآنِ کریم کا بالکل سیدھا سادا مفہوم سامنے رکھیے اور پھر بتایئے کہ کیا قرآن ''مردوں پر عورت کی حاکمیت'' کا اِعلان کرتا ہے، یا اس کے برعکس اس کا اِعلان یہ ہے کہ: ''مرد حاکم ہیں عورتوں پر''؟

واقعہ یہ ہے کہ قرآنِ کریم نے معاشرے میں مرد و عورت کے مقام و منصب کا جو تعین کیا ہے، اور خواتین کے بارے میں نکاح، طلاق، عدّت اور ستر و حجاب کے جو تفصیلی اَحکام دیئے ہیں، اگر کوئی شخص ان سے واقف بھی ہے اور ان پر ایمان بھی رکھتا ہے تو اسے یہ تسلیم کرنا ہوگا کہ قرآنِ کریم کی خصوصی ہدایات کی روشنی میں عورت کے سربراہِ مملکت و سربراہِ حکومت بننے کی کوئی گنجائش نہیں۔ ہاں! جو شخص اَحکام و ہدایات سے واقف ہی نہ ہو وہ بے چارا اپنے جہل کی وجہ سے معذور ہے۔

"لن یفلح قوم ولّوا أمرھم امرأۃ" پر شبہات

۱:...کیا یہ حدیث موضوع ہے؟

بعض حضرات نے حدیثِ نبوی: "وہ قوم ہرگز فلاح نہیں پائے گی جس نے حکومت عورت کے سپرد کردی" کو موضوع قرار دینے کی کوشش کی ہے۔ ان حضرات پر اس حبشی کی حکایت صادق آتی ہے، جسے راستہ میں کہیں آئینہ پڑا ہوا مل گیا، اسے اُٹھایا تو اپنی مکروہ شکل نظر آئی، اسے پتھر مار کر توڑ دیا اور کہا کہ: تو ایسا ہی بدشکل تھا تبھی تو تجھے کسی نے یہاں پھینک دیا۔ ان حضرات کو بھی حدیثِ نبوی کے آئینے میں اپنی شکل بھیانک نظر آئی تو انہوں نے اس حدیث کو ہی مجروح کرنے کی کوشش کی۔ یہ حدیث نہ موضوع ہے، نہ کمزور، بلکہ اعلیٰ درجے کی صحیح ہے، اس حدیث کے لئے درج ذیل کتابیں ملاحظہ فرمایئے:

* :...صحیح بخاری: (ج:۱ ص:۶۳۷، باب کتاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم إلی کسریٰ وقیصر۔ ج:۲ ص:۱۰۵۲ باب الفتنة التی تموج کموج البحر)۔
* :...نسائی: (ج:۲ ص:۳۰۴، باب النھی عن استعمال النساء فی الحکم)۔
* :...ترمذی: (ج:۲ ص:۵۱، قبیل ابواب الرؤیا)۔
* :...مستدرک حاکم: (ج:۳ ص:۱۱۹)۔
* :...سننِ کبریٰ للبیہقی: (ج:۳ ص:۹۰، باب لا یأتم رجل بامرأۃ۔ ج:۱۰ ص:۱۱۸ باب لا یولی الوالی امرأۃ...الخ)۔
* :...مسندِ احمد: (ج:۵ ص:۳۸، ۴۳، ۴۷، ۵۱)۔

اس حدیث کا صحیح بخاری میں ہونا ہی اس کی صحت کی کافی ضمانت ہے، اِمام حاکمؒ اس کو نقل کرکے "صحیح علٰی شرط الشیخین" فرماتے ہیں۔ اور اِمام ذہبیؒ "تلخیص مستدرک" میں اس کو "صحیح علٰی شرط الشیخین" تسلیم کرتے ہیں۔

علاوہ ازیں اس حدیث کو بے شمار ائمۂ حدیث اور فقہائے اُمت نے نقل کیا ہے، اس سے اہم ترین مسائل کا اِستخراج کیا ہے، مگر کسی نے کبھی یہ بحث نہیں اُٹھائی کہ یہ حدیث صحیح بھی ہے یا نہیں؟ آج اس حدیث کی صحت کے بارے میں وہ لوگ شک و شبہ کا اِظہار کر رہے ہیں جو "ابوبکر" اور "ابوبکرہ" کے درمیان فرق نہیں کرسکتے، اور یہ محض اس لئے کہ اِرشادِ رسول ان کی خواہشِ نفس کے خلاف ہے۔ اسی مضمون کی دُوسری حدیث "مستدرک حاکم" (ج:۴ ص:۲۹۱) میں ہے:

"عن ابی بکرۃ رضی اللہ عنہ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم اتاہ بشیر یبشرہٗ بظفر

خیل لہٗ و رأسہ فی حجر عائشۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہا، فقام، فخر للہ تعالیٰ ساجدًا، فلما انصرف انشاء یسأل الرسول، فحدثہٗ، فکان فیما حدثہٗ من امر العدو: و کانت تلیھم امرأۃ، فقال النبی صلی اللہ علیہ وسلم: "ھلکت الرجال حین أطاعت النساء۔" (قال حاکم: ھٰذا حدیث صحیح الاسناد ولم یخرجاہ، واقرہ الذھبی)۔" (مستدرک حاکم ج:۴ ص:۲۹۱)

ترجمہ:... "حضرت ابوبکرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک قاصد اس لشکر کی کامیابی کی خوشخبری لے کر آیا جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی مہم پر بھیجا تھا، اس وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا سرِ مبارک حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی گود میں تھا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم اُٹھے اور خوشخبری سن کر سجدۂ شکر بجالائے۔ سجدے سے اُٹھے تو قاصد سے حالات دریافت فرمانے لگے، اس نے دُشمن کے حالات بتاتے ہوئے یہ بھی بتایا کہ ان کی حکمران ایک عورت تھی، یہ سن کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہلاک ہوگئے مرد جب انہوں نے عورتوں کی ماتحتی قبول کرلی۔"

اِمام حاکمؒ اس حدیث کی تخریج کے بعد فرماتے ہیں کہ یہ حدیث صحیح الاسناد ہے، اِمام ذہبیؒ، حاکمؒ کی تصدیق کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ یہ حدیث صحیح ہے۔

۲:... کیا ابوبکر ابن العربیؒ نے اس حدیث کو موضوع کہا ہے؟

ایک صاحب نے تو اس حدیث کو "موضوع" ثابت کرنے کے لئے ایک بہت بڑے فقیہ و محدث قاضی ابوبکر ابن العربیؒ کا حوالہ بھی دے ڈالا، وہ لکھتے ہیں:

"علامہ ابوبکر ابن العربی نے اپنی کتاب "عواصم القواصم" میں اس حدیث پر بحث کرتے ہوئے لکھا ہے کہ حضرت عائشہ صدیقہؓ کی احتجاجی مہم کو ان کا غلط فیصلہ ثابت کرنے کے لئے یہ حدیث وضع کی گئی ہے۔"

(روزنامہ "جنگ" کراچی ص:۷، ۲۴؍دسمبر ۱۹۸۸ء)

جن حضرات نے قاضی ابوبکر ابن العربیؒ (المتوفی ۵۴۳ھ) کی "العواصم من القواصم" کا مطالعہ کیا ہے، انہیں معلوم ہوگا کہ اس پوری کتاب میں زیرِ بحث حدیث کا کہیں ذکر نہیں آیا، اور جس حدیث کا کتاب میں ذکر ہی نہ آیا ہو، اس پر کلام کرنے یا اس کو موضوع و مجروح قرار دینے کا کیا سوال؟ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے قصے میں قاضی ابوبکر ابن العربیؒ نے "حدیث حوأب" کو ذکر کرکے اس کے بارے میں لکھا ہے:

"واما الذی ذکرتم من الشھادۃ علیٰ ماء الحوأب، فقد بؤتم فی ذکرھا بأعظم حوب، ما کان قط شیء مما ذکرتم، ولَا قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم ذالک الحدیث۔"

(العواصم من القواصم ص:۱۶۱)

ترجمہ:... "اور یہ جو تم نے "ماءِ حوأب" پر شہادت کا ذِکر کیا ہے، اس کو ذِکر کر کے تم نے سب سے بڑے گناہ (جھوٹی شہادت) کا اِرتکاب کیا ہے، جو واقعہ تم نے ذِکر کیا ہے وہ کبھی ہوا ہی نہیں، اور نہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ حدیث کبھی اِرشاد فرمائی ہے۔"

"حدیث حوأب" کے بارے میں بھی یہ قاضی ابوبکر ابن العربیؒ کی ذاتی رائے ہے، یہ حدیث مستدرک حاکم (ج:۳ ص:۱۲۰)، صحیح ابن حبان (الاحسان بترتیب ابن حبان) (ج:۹ ص:۲۵۹، حدیث:۶۶۹۷)، موارد الظمآن (ص:۴۵۳ حدیث:۱۸۳۱) میں ہے۔

حافظ ابنِ حجرؒ لکھتے ہیں: "أخرج هذا أحمد وأبو يعلٰى والبزار والحاكم، وسنده على شرط الصحيح" (فتح الباری ج:۱۳ ص:۵۵)۔

حافظ ابنِ کثیرؒ لکھتے ہیں: "هذا اسناد على شرط الصحيحين ولم يخرجوه" (البدایہ والنہایہ ج:۶ ص:۲۱۲)۔

حافظ شمس الدین ذہبیؒ فرماتے ہیں: "هذا حديث صحيح الأسناد ولم يخرجوه" (سیر اعلام النبلاء ج:۲ ص:۱۷۸)۔

حافظ نورالدین ہیثمیؒ فرماتے ہیں: "رواه أحمد وأبويعلٰى والبزار ورجال أحمد رجال الصحيح" (مجمع الزوائد ج:۷ ص:۲۳۴)۔

مضمون نگار کی اس خیانت و بددیانتی اور بہتان طرازی کی داد دیجئے کہ محض جھوٹا اور صریح غلط حوالہ دے کر ایک صحیح حدیث کو ...نعوذ باللہ... موضوع ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ مضمون نگار نے صحیح حدیث کو رَدّ کرنے کے لئے قاضی ابوبکر ابن العربیؒ پر جو بہتان باندھا ہے اس کی تردید کے لئے خود قاضی ابوبکرؒ کی اپنی تصریحات کافی ہیں، قاضی ابوبکر ابن العربیؒ اپنی کتاب "احکام القرآن" میں سورۃ النمل کی آیت:۲۳ کے ذیل میں لکھتے ہیں:

> "فيها ثلاث مسائل ..... المسئلة الثالثة: روى في الصحيح عن النبي صلى الله عليه وسلم قال حين بلغه ان كسرىٰ لما مات ولّى قومه ابنته: "لن يفلح قوم ولّوا امرهم امرأة" وهذا نص في ان المرأة لَا تكون خليفةً ولَا خلاف فيه۔" (احکام القرآن ج:۳ ص:۱۴۵۷)
>
> ترجمہ:... "اس آیت میں تین مسئلے ہیں..... تیسرا مسئلہ: صحیح بخاری میں روایت ہے کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ خبر پہنچی کہ کسریٰ کے مرنے پر اس کی قوم نے حکومت اس کی بیٹی کے حوالے کردی، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اِرشاد فرمایا: "وہ قوم کبھی فلاح نہیں پائے گی جس نے حکومت عورت کے سپرد کردی۔" اور یہ ارشادِ نبوی اس مسئلے میں نصِ صریح ہے کہ عورت خلیفہ نہیں ہوسکتی، اور اس مسئلے میں کسی کا اِختلاف نہیں۔"
>
> اور "شرح ترمذی" میں قاضی ابوبکر ابن العربیؒ لکھتے ہیں:
>
> "ذكر عن ابى بكرة قول النبى عليه الصلوٰة والسلام: "لن يفلح قوم ولّوا أمرهم

امرأة۔" (العارضہ) هذا يدل على ان الولاية للرجال، ليس للنساء فيها مدخل بإجماع۔"

(عارضة الأحوذى بشرح صحيح الترمذى ج:۹ ص:۱۱۹)

ترجمہ:... "امام ترمذیؒ نے حضرت ابوبکرہ رضی اللہ عنہ کی روایت سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نقل کیا ہے کہ: "وہ قوم کبھی فلاح نہیں پائے گی جس نے حکومت عورت کے سپرد کردی" یہ ارشادِ نبوی اس اِجماعی مسئلے کی دلیل ہے کہ حکومت مردوں کے ساتھ مخصوص ہے، عورتوں کا اس میں کوئی حصہ نہیں۔"

آپ دیکھ رہے ہیں کہ دونوں کتابوں میں قاضی ابوبکر ابن العربیؒ اس مسئلے پر اِجماع نقل کر رہے ہیں کہ عورت، حکومت کی سربراہ نہیں بن سکتی، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مذکورالصدر ارشاد کو اس کی دلیل اور نصِ صریح قرار دے رہے ہیں۔

۳:... کیا یہ حدیث عمومی حکم نہیں رکھتی؟

انہی مضمون نگار صاحب نے یہ بھی فرمایا ہے:

"علاوہ ازیں یہ حدیث ایک خاص واقعے سے تعلق رکھتی ہے، اس سے عمومی حکم ثابت کرنا بہت مشکل ہے۔"

کس آیت اور حدیث سے عمومی حکم ثابت ہوتا ہے اور کس سے نہیں؟ اس کو ائمہ مجتہدین اور فقہائے اُمت بہتر سمجھتے ہیں، ہم جیسے لوگ جو قاضی ابوبکر ابن العربیؒ کی کتاب کے نام کی اِملا صحیح نہیں لکھ سکتے اور "العواصم من القواصم" کی جگہ "عواصم القواصم" لکھ جاتے ہیں، اور جو "ابنِ عربیؒ" اور "ابن العربیؒ" کے درمیان فرق نہیں جانتے، وہ کسی آیت یا حدیث کے عموم وخصوص کا فیصلہ کرنے کے مجاز نہیں۔ اور اگر ہم اپنی ذاتی خواہش پر ایسے فیصلے صادر بھی کریں تو ہمارے علم وفہم اور ہماری دیانت وامانت کے پیشِ نظر ایسے فیصلوں کی کیا قیمت ہوگی؟ اہلِ علم اس سے خوب واقف ہیں۔ تعجب ہے کہ جو شخص ایک حوالہ بھی صحیح نقل نہیں کرتا، اور جو کتاب اور مصنف کے نام تک غلط لکھتا ہے وہ (تمام ائمہ فقہاء کے علی الرغم) حدیثِ نبوی میں اِجتہاد کرتے ہوئے لکھتا ہے کہ: "یہ حکم عام نہیں بلکہ ایک خاص واقعے سے متعلق ہے۔"

حالانکہ بہت موٹی سی بات ہے کہ اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اس حدیث میں صرف اہلِ ایران کے عدمِ فلاح کو بیان کرنا ہوتا تو اس کے لئے ایک لفظ کافی تھا یعنی: "لن یفلحوا" (کہ یہ لوگ کبھی فلاح نہیں پائیں گے)۔ اس چھوٹے سے مضمون کو اَدا کرنے کے لئے اتنا طویل فقرہ استعمال نہ فرمایا جاتا۔

اہلِ علم جانتے ہیں کہ اس حدیث میں "قوم" کا لفظ نکرہ ہے، جو سیاقِ نفی میں واقع ہے اور یہ قطعی عموم کا فائدہ دیا کرتا ہے، یہی وجہ ہے کہ اوّل سے آخر تک تمام اہلِ علم نے اس حدیث سے بالاجماع یہ سمجھا ہے کہ یہ حکم عام ہے اور یہ کہ اس ارشادِ نبوی کی روشنی میں یہ طے شدہ امر ہے کہ عورت حکومت کی سربراہ نہیں بن سکتی، اس کے بعد یہ کہنا کہ: "اس میں عمومی حکم نہیں بلکہ ایک خاص واقعے سے متعلق ہے" ارشادِ نبوی کو اپنی خواہش کے مطابق ڈھالنے کی کوشش ہے، جسے کسی بھی طرح مستحسن نہیں کہا جاسکتا۔

۴:... کیا خبرِ واحد حلال و حرام میں حجت نہیں؟

یہی صاحب اپنے مضمون میں مزید لکھتے ہیں:

''علاوہ ازیں یہ حدیث خبرِ واحد ہے، متواتر یا مشہور حدیث نہیں، خبرِ واحد سے حلال و حرام کا کوئی مسئلہ ثابت نہیں ہوسکتا، زیادہ سے زیادہ کسی عمل کو مکروہ ثابت کیا جاسکتا ہے، لیکن مکروہ اور جائز ایک دُوسرے کے قریب ہیں۔''

اس عبارت میں تین دعوے ہیں، اور تینوں غلط ہیں۔ موصوف کا یہ دعویٰ کہ: ''یہ حدیث خبرِ واحد ہے، متواتر یا مشہور حدیث نہیں'' اس لئے غلط ہے کہ اس حدیث کے مضمون پر اُمت کا اِجماع ہے، جیسا کہ اِمام قرطبیؒ، ابوبکر ابن العربیؒ، علامہ عبدالعزیز فرہارویؒ اور دیگر اکابر کی تصریحات سے معلوم ہوچکا ہے، اور جس حدیث پر اُمت کا اِجماع ہو اور اُمت نے اسے بالاتفاق قبول کیا ہو، وہ حدیث حجتِ قطعیہ بن جاتی ہے، اور اسے متواترِ معنوی کا درجہ حاصل ہوجاتا ہے، چنانچہ اِمام ابوبکر جصاصؒ اپنی بے نظیر کتاب ''احکام القرآن'' میں ایک حدیث پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''وقد استعملت الأمّة هذين الحديثين في نقصان العدة وان كان وروده من طريق الآحاد فصار في حيز التواتر لأن ما تلقاه الناس بالقبول من اخبار الآحاد فهو عندنا في معنى المتواتر لما بيناه في مواضع.'' (احکام القرآن ج:۱ ص:۳۸٦)

ترجمہ:... ''اُمت نے نقصانِ عدّت کے مسئلے میں ان دونوں حدیثوں سے اِستدلال کیا ہے، اگرچہ یہ حدیث خبرِ واحد کے طریق سے وارد ہوئی ہے، لیکن یہ متواتر کے درجے میں ہے، کیونکہ جس خبرِ واحد کو تمام لوگوں نے قبول کیا ہو وہ ہمارے نزدیک متواتر کے حکم میں ہے، جس کی وجہ ہم کئی جگہ بیان کرچکے ہیں۔''

علمائے اُصول نے تصریح کی ہے کہ جب خبرِ واحد کے حکم پر اِجماع ہوجائے تو وہ حکم قطعی ہوجاتا ہے، اور اس حدیث کے ثبوت و عدمِ ثبوت کی بحث ختم ہوجاتی ہے، چنانچہ مولانا عبدالحکیم لکھنویؒ ''نور الانوار'' کے حاشیہ میں لکھتے ہیں:

''وفائدة الإجماع بعد وجود السند سقوط البحث وصيرورة الحكم قطعيًا.''

(حاشیہ نورالانوار ص:۲۲۲)

ترجمہ:... ''اور سندِ اجماع کے وجود کے بعد اجماع کا فائدہ یہ ہے کہ بحث ختم ہوجاتی ہے اور وہ حکم قطعی ہوجاتا ہے۔''

شیخ یحییٰ ہارون مصریؒ ''شرح منار لابن ملک'' کے حاشیہ میں لکھتے ہیں:

''وفائدة الإجماع بعد وجود السند سقوط البحث عن الدليل، وحرمة المخالفة وضرورة كون الحكم قطعيا.'' (شرح المنار وحواشیہ من الاصول ج:۲ ص:۷۴۵)

ترجمہ:... "اور سند اجماع کے بعد اجماع کا فائدہ یہ ہے کہ دلیل کے بارے میں بحث ختم ہوجاتی ہے، اس کی مخالفت حرام ہوجاتی ہے اور حکم بدیہی طور پر قطعی ہوجاتا ہے۔"

اُوپر گزر چکا ہے کہ حدیثِ نبوی: "لن یفلح قوم ولّوا أمرهم امرأة" کو تمام علمائے اُمت اور ائمہ دین نے قبول کیا ہے اور اس سے اِستدلال کرتے ہوئے بالاتفاق یہ فیصلہ دیا ہے کہ عورت حکومت کی سربراہ نہیں بن سکتی، جس طرح نماز میں مردوں کی امام نہیں بن سکتی۔ پس جب یہ حدیث تمام اہلِ علم اور ائمہ دین کے اِجماع کی سند ہے تو اس کو خبرِ واحد کہہ کر رَدّ کردینا، ایک طرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اِرشاد کے ساتھ ناروا گستاخی ہے، اور دُوسری طرف تمام ائمہ دین کے اِجماع کو باطل قرار دینا ہے۔ اِمام فخرالاسلام بزدویؒ فرماتے ہیں:

"ومن انکر الإجماع فقد ابطل الدین کلهٗ، لأن مدار اصول الدین کلها ومرجعها إلی إجماع المسلمین۔" (اصول بزدوی ص:۲۴۷)

ترجمہ:... "اور جس شخص نے اِجماع کا انکار کردیا، اس نے پورے دین کو باطل کردیا، کیونکہ دین کے تمام اُصول کا مدار و مرجع مسلمانوں کا اِجماع ہی ہے۔"

مضمون نگار کا یہ دعویٰ کہ: "خبرِ واحد سے حلال و حرام کا کوئی مسئلہ ثابت نہیں ہوسکتا" قطعاً غلط اور مہمل ہے۔ جس شخص کو دین کی معمولی سوجھ بوجھ بھی ہو وہ جانتا ہے کہ دینِ اسلام کے بے شمار مسائل اَخبارِ آحاد ہی سے لئے گئے ہیں، موصوف کے نظریے سے یہ تمام مسائل باطل قرار پائیں گے، حضرت اِمامِ ربانی مجدد الف ثانی رحمہ اللہ کے بقول:

"ایں اعتقاد نکند مگر جاہلے کہ از جہل خود بے خبر است، یا زندیقے کہ مقصودش ابطالِ شطرِ دین است۔" (مکتوبات دفتر دوم مکتوب:۵۵)

خبرِ واحد کا جائز و ناجائز اور حلال و حرام میں حجت ہونا، اہلِ حق اور ائمہ ہدیٰ کا مُسلّمہ اُصول ہے، علمِ اُصول کے مبتدی طلبہ کو بھی یہ فقرہ یاد ہوگا:

"خبر الواحد یوجب العمل لا العلم۔"

ترجمہ:... "خبرِ واحد عمل کو واجب کرتی ہے، یقین کا فائدہ نہیں دیتی۔"

مضمون نگار کا تعلق اگر منکرینِ حدیث سے نہیں تو انہیں غلط سلط اُصول گھڑ کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اِرشادات کو رَدّ کرنے کی جرأت نہیں کرنی چاہئے تھی۔

موصوف کا تیسرا دعویٰ یہ ہے کہ: "مکروہ اور جائز ایک دُوسرے کے قریب ہیں" یہ بھی غلط اور مغالطہ آمیز ہے، کیونکہ "مکروہ" کا لفظ کبھی "حرام" کے لئے بولا جاتا ہے، کبھی "مکروہِ تحریمی" کے لئے اور کبھی "مکروہِ تنزیہی" کے لئے، "مکروہ تحریمی" حرام کے قریب ہے، اور "مکروہِ تنزیہی" جائز کے قریب ہے، علامہ شامیؒ "مکروہاتِ وضو" کے ذیل میں لکھتے ہیں:

"(قوله ومکروهه) هو ضد المحبوب، قد یطلق علی الحرام کقول القدوری فی

مختصره، ومن صلی الظهر فی منزله یوم الجمعة قبل صلاة الإمام ولَا عذر لهٗ کره لهٗ، ذالک، وعلی المکروه تحریما وهو ما کان إلی الحرام اقرب، ویسمیه محمد حرامًا ظنیًا، وعلی المکروه تنزیهًا: وهو ما کان ترکه اولٰی من فعله ویرادف خلاف الأولٰی کما قدمناه۔"

(رد المحتار ج:۱ ص:۱۳۱)

ترجمہ:...'' مکروہ کا لفظ محبوب کی ضد ہے، یہ کبھی حرام پر بولا جاتا ہے، کبھی مکروہِ تحریمی پر، اور مکروہ تحریمی وہ ہے جو حرام سے قریب تر ہو، اِمام محمد (رحمۃ اللہ علیہ) اسی کو'' حرامِ ظنی'' فرماتے ہیں، اور کبھی مکروہ تنزیہی پر بولا جاتا ہے، اور مکروہِ تنزیہی وہ ہے جس کا چھوڑنا اس کے کرنے سے بہتر ہو، اسی کو خلافِ اَولیٰ بھی کہتے ہیں۔''

اور'' مکروہ'' کا لفظ جب جائز و ناجائز کے باب میں مطلق بولا جائے تو اس سے'' مکروہِ تحریمی'' مراد ہوتا ہے، جیسا کہ علامہ شامیؒ نے "**کتاب الحظر والإباحة**" میں تصریح کی ہے (ج:۶ ص:۳۳۷)۔

اس لئے موصوف کا مطلقاً یہ کہنا کہ:'' مکروہ اور جائز ایک دُوسرے کے قریب ہیں'' نہ صرف مغالطہ ہے بلکہ لوگوں کو '' مکروہاتِ شرعیہ'' کے اِرتکاب پر جری کرنے والا ہے۔

۵:...ملکہٴ سبا کے قصے سے اِستدلال:

بعض حضرات نے ملکہٴ سبا کے قصے سے، جو قرآن مجید میں مذکور ہے، یہ اِستدلال کیا ہے کہ عورت حکومت کی سربراہ بن سکتی ہے۔ لیکن اس قصے سے اِستدلال نہایت عجیب ہے، اس لئے کہ وہ ایک مشرک قوم کی ملکہ تھیں، جن کے بارے میں قرآنِ کریم نے فرمایا ہے: "**فَهُمْ لَا يَهْتَدُوْنَ**"۔

حضرت سلیمان علیہ السلام کی دعوت پر وہ آپ کے تابع فرمان ہوگئی تھیں، اور کسی صحیح روایت میں یہ وارد نہیں ہے کہ ان کے اسلام لانے کے بعد حضرت سلیمان علیہ السلام نے ان کو حکومت پر برقرار رکھا تھا۔ اِمام قرطبیؒ نے اس سلسلے میں اِسرائیلی قصے ذِکر کرنے کے بعد لکھا ہے:

"**لم یرد فیه خبر صحیح لَا فی انه تزوّجها ولَا فی انه زوّجها۔**"

(قرطبی: الجامع لاحکام القرآن ج:۱۳ ص:۲۱۰، ۲۱۱)

ترجمہ:...'' اس بارے میں کوئی صحیح روایت وارد نہیں ہوئی کہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے ان سے خود شادی کرلی تھی اور نہ یہ کہ کسی دُوسرے سے شادی کردی تھی۔''

جب تک کسی صحیح روایت سے یہ ثابت نہ ہو کہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے ان کو حکومت پر برقرار رکھا تھا، تب تک یہ بھی ثابت نہیں ہوسکتا کہ کم از کم حضرت سلیمان علیہ السلام کی شریعت میں عورت کو حکومت کا سربراہ بنانا جائز تھا۔

علاوہ ازیں انبیائے سابقین علیہم السلام کے واقعات سے اِستدلال اس وقت جائز ہے جبکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بارے میں ہمیں اس سے کوئی مختلف ہدایت نہ فرمائی ہو۔ زیرِ بحث مسئلے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صاف ہدایت موجود ہے کہ عورت سربراہِ حکومت نہیں ہوسکتی، اور اسی پر اُمتِ محمدیہ کا اِجماع ہے، جیسا کہ اُوپر معلوم ہوچکا، اب اگر کسی قطعی دلیل سے یہ بھی ثابت ہوجائے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے ملکۂ سبا کو حکومت پر برقرار رکھا تھا تو ہدایتِ نبوی اور اِجماعِ اُمت کے بعد اس سے اِستدلال کرنا صریح طور پر غلط ہوگا۔

حضرتِ اقدس مفتی محمد شفیع دیوبندیؒ (سابق مفتیٔ اعظم پاکستان) نے "احکام القرآن" میں اس آیت پر بہت نفیس کلام فرمایا ہے، جو بہت سے فوائد پر مشتمل ہے، یہاں اس کا ضروری اِقتباس نقل کیا جاتا ہے:

"المرأة لَا تصلح تكون ملكة أو إمامًا"

"فعلم ان المرأة لَا تصلح ان تكون ملكة في شريعة محمد صلى الله عليه وسلم، وكان واقعة بلقيس من عمل الكفرة فلا يحتج به على ما قاله الآلوسي. وان قيل ان اسلوب القرآن الحكيم في عامة مواضعه انه إذا ذكر فعلا منكرًا من الكفار صرح عليه بالإنكار، فعدم الإنكار عليه في هذه الآية لعله كان مشيرًا إلى الجواز. قلنا: اولًا: لَا يعلم عموم ما قيل. وثانيًا: لَا يلزم ان يكون التصريح بالإنكار في ذالك الموضع بل يكفي الإنكار عليه في شيء من آياته ولو في موضع آخر، بل في حجة من حجج الشرعية فإذا ورد الإنكار عليه في حديث البخاري كفى لبيان كونه منكرًا، كما يرشدك النظر في أمثال هذه المواضع أفاده شيخنا دامت عوارفه، ويؤيد حديث البخاري ما رواه الذهبي في تلخيص المستدرك عن أبي بكرة ان النبي صلى الله عليه وسلم أتاه بشير يبشره بظفر خيل له ورأسه في حجر عائشة رضي الله عنها، فقام، فخر لله ساجدًا، فلما انصرف انشاء يسأل الرسول فحدثه، فكان فيما حدثه من أمر العدو: وكانت تليهم امرأة. فقال النبي صلى الله عليه وسلم: هلكت الرجال حين اطاعت النساء. قال الذهبي صحيح. (مستدرك ج:۴ ص:۱۹۱)۔" (مفتی محمد شفیع: احکام القرآن ج:۵ ص:۱۸)

"عورت ملکہ یا اِمام بننے کی صلاحیت نہیں رکھتی"

ترجمہ:... "(رُوح المعانی اور درمختار کی عبارت نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں) معلوم ہوا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت میں عورت ملکہ بننے کی صلاحیت نہیں رکھتی، بلقیس کا واقعہ کافروں کا عمل ہے، لہٰذا اس سے اِستدلال نہیں کیا جاسکتا، جیسا کہ آلوسیؒ نے کہا ہے۔ اور اگر کہا جائے کہ قرآنِ کریم کا انداز عام مقامات میں یہ

ہے کہ جب وہ کفار کے کسی منکر فعل کا ذکر کرتا ہے تو اس پر صراحتاً انکار کرتا ہے، اس آیت میں اس فعل پر انکار نہ کرنا، شاید جواز کی طرف مشیر ہو۔ ہم کہتے ہیں کہ اوّل تو قرآنِ کریم کا جو اُسلوب اُوپر ذکر کیا گیا ہے، اس کا عموم معلوم نہیں۔ علاوہ ازیں ضروری نہیں کہ انکار کی تصریح اسی موقع پر کردی جائے، بلکہ اس کی کسی آیت میں انکار کا پایا جانا کافی ہے، خواہ کسی دُوسری جگہ ہو، بلکہ دلائلِ شرعیہ میں سے کسی دلیل میں انکار کا پایا جانا بھی کافی ہے۔ پس جبکہ صحیح بخاری میں عورت کی حکمرانی پر نکیر آچکی ہے تو اس فعل کے "منکر" ہونے کو بیان کرنے کے لئے کافی ہے۔ جیسا کہ اس قسم کے مواقع میں نظر کرنا تمہاری رہنمائی کرے گا۔ یہ ہمارے شیخ (حضرت حکیم الامت مولانا محمد اشرف علی تھانوی قدس سرہٗ) دامت عوارفہ کا افادہ ہے، صحیح بخاری کی حدیث کی تائید تلخیص مستدرک کی اس حدیث سے بھی ہوتی ہے جو حضرت ابوبکرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔"

(یہ حدیث اوپر گزر چکی ہے۔)

۶:... حضرت عائشہؓ کے واقعے سے استدلال

بعض حضرات نے "عورت کی سربراہی" کے مسئلے پر جنگِ جمل کے واقعے سے استدلال کیا ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے جنگِ جمل میں قیادت کی تھی، اور طلحہ وزبیر رضی اللہ عنہما جیسے جلیل القدر صحابہؓ نے ان کی قیادت کو تسلیم کیا تھا۔

واقعہ یہ تھا کہ حضرت اُمّ المؤمنین رضی اللہ عنہا کو نہ اس موقع پر خلافت وامارت کا دعویٰ تھا، نہ انہیں کسی مہم کے لئے کسی نے امیر منتخب کیا تھا، نہ ان کے سیاسی مقاصد تھے اور نہ وہ جنگ وقتال کے لئے نکلی تھیں۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی مظلومانہ شہادت کے موقع پر وہ دیگر اُمہات المؤمنینؓ کے ساتھ حج پر گئی ہوئی تھیں، اکابر صحابہؓ وہاں جمع ہوئے اور انہوں نے اِصرار کیا کہ مادرِ مشفق کی حیثیت سے انہیں اُمت کے بکھرے ہوئے شیرازے کو مجتمع کرنے اور ہولناک صورتِ حال کی اِصلاح کرنے میں اپنا کردار ادا کرنا چاہئے، کیونکہ ان کی لائقِ صد احترام شخصیت اس فتنے کو فرو کرنے میں مؤثر کردار ادا کرسکتی ہے۔ اس وقت نہ حضرت اُمّ المؤمنین رضی اللہ عنہا کی امارت کسی کے گوشۂ ذہن میں تھی اور نہ کسی کو خیال تھا کہ انہیں حضرت امیر المؤمنین علی کرّم اللہ وجہہ سے لڑادیا جائے گا، چنانچہ بصرہ پہنچنے کے بعد جب قعقاع بن حکیمؓ نے ان سے تشریف آوری کا مقصد پوچھا تو انہوں نے فرمایا:

"ای بُنَیَّ! لاصلاح بین الناس!"

ترجمہ:... "بیٹا! میرے آنے کا مقصد لوگوں کے درمیان اِصلاح کرانا ہے۔"

اور حضرات طلحہ وزبیر رضی اللہ عنہما کے ساتھ حضرت امیر المؤمنین علی کرّم اللہ وجہہ کی مصالحتی گفتگو میں "اصلاح بین الناس" کا نقشہ مرتب بھی کرلیا گیا تھا، لیکن مفسدوں کو اس میں اپنی موت نظر آئی اور انہوں نے ایک سوچی سمجھی سازش کے ذریعے رات کی تاریکی میں حملہ کردیا، اس طرح اِصلاح کی مخلصانہ کوشش "جنگِ جمل" میں تبدیل کردی گئی، شیخ الاسلام حافظ ابن تیمیہؒ لکھتے ہیں:

"فإن عائشة لم تقاتل ولم تخرج لقتال وانما خرجت بقصد الْإصلاح بين

المسلمين، وظنت ان فی خروجها مصلحة للمسلمين ..... ولم يكن يوم الجمل لهؤلاء قصد فی القتال، ولكن وقع الإقتتال بغير إختيارهم، فإنه لما تراسل عليٌّ وطلحة والزبير وقصدوا الإتفاق علی المصلحة، وانهم إذا تمكنوا طلبوا قتلة عثمان اهل الفتنة ..... فخشی القتلة ان يتفق عليٌّ معهم علی امساك القتلة فحملوا علی عسكر طلحة والزبير، فظنّ طلحة والزبير ان عليًا حمل عليهم، فحملوا دفعًا عن أنفسهم، فظنّ عليٌّ انهم حملوا عليه، فحمل دفعًا عن نفسه، فوقعت الفتنة بغير إختيارهم وعائشة راكبة، لا قاتلت ولا امرت بالقتال. هٰكذا ذكره غير واحد من اهل المعرفة بالأخبار۔" (منہاج السنہ ج:۲ ص:۱۸۵)

ترجمہ:... "کیونکہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے نہ قتال کیا اور نہ قتال کے لئے نکلی تھیں، وہ تو اِصلاح بین المسلمین کے قصد سے تشریف لائی تھیں، اور ان کا خیال تھا کہ ان کی تشریف آوری میں مسلمانوں کی مصلحت ہے..... اور جنگِ جمل کے دن ان حضرات کا قتال کا قصد نہیں تھا، لیکن ان کے اختیار کے بغیر قتال کی نوبت آئی۔ قصہ یہ ہوا کہ جب حضرت علی رضی اللہ عنہ کی حضرات طلحہ و زبیر رضی اللہ عنہما سے مراسلت ہوئی اور انہوں نے مصالحت پر اتفاق کرنے کا عزم کرلیا اور یہ طے ہوا کہ جب قدرت ہوگی حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے قاتلین اہلِ فتنہ پر گرفت ہوسکے گی..... قاتلینِ عثمان کے لئے یہ خطرے کی گھنٹی تھی کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ، قاتلینِ عثمان پر گرفت کرنے میں ان حضرات کے ساتھ متفق ہوجائیں۔ چنانچہ انہوں نے حضرت طلحہ و زبیر رضی اللہ عنہما کے کیمپ پر شب خون مارا، طلحہؓ و زبیرؓ یہ سمجھے کہ علیؓ نے ان پر حملہ کردیا ہے، انہوں نے مدافعانہ حملہ کیا، حضرت علی رضی اللہ عنہ یہ سمجھے کہ ان لوگوں نے حملہ کیا ہے، انہوں نے اپنی مدافعت میں جنگ شروع کردی، یوں ان کے اختیار کے بغیر یہ فتنہ برپا ہوکر رہا، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا (ہودج میں) سوار تھیں، وہ نہ لڑیں نہ انہوں نے لڑنے کا حکم دیا۔ بہت سے مؤرخین نے اسی طرح ذکر کیا ہے۔"

مسند الہند شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی قدس سرہٗ نے "تحفۂ اثنا عشریہ" میں اس کو مفصل لکھا ہے، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پر اکابر صحابہؓ کے اِصرار کو بیان کرتے ہوئے شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

"وعائشہؓ را نیز باعث شدند کہ تا رفع فتنہ وحصول امن ودرستی امورِ خلافت وملاقات ما با خلیفۂ وقت ہمراہِ ما باش، تا پاسِ ادبِ تو کہ مادرِ مسلمانان وحرمِ محترمِ رسول واز جملہ ازواج محبوب تر ومقبول بودہ، ایں اشقیا قصد ما نکنند وما را تلف نہ سازند، ناچار عائشہؓ بقصد اصلاح وانتظام امورِ امت وحفظ جان چندے از کبرأ صحابۂ رسول کہ ہم اقارب او بودند بسمت بصرہ حرکت فرمود۔" (تحفۂ اثنا عشریہ ص:۳۴۴ مطبوعہ سہیل اکیڈمی لاہور)

ترجمہ:... "ان حضرات نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے یہ بھی اِصرار کیا کہ جب تک فتنہ نہیں اُٹھ جاتا، امن کامل نہیں ہوجاتا، اُمورِ خلافت دُرست نہیں ہوجاتے اور خلیفۂ وقت سے ہماری ملاقات نہیں ہوجاتی،

آپؓ بھی ہمارے ساتھ رہیں، کیونکہ آپ مسلمانوں کی مادرِ مشفق ہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی لائقِ صد اِحترام حرم ہیں اور اَزواجِ مطہراتؓ میں سب سے محبوب و مقبول تھیں، اس لئے آپ کے پاسِ ادب کی وجہ سے یہ اشقیا ہمارا قصد نہیں کریں گے، ہمیں تلف نہیں کریں گے، لہٰذا حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے لوگوں کے درمیان صلح کرانے، اُمورِ اُمت کو نظم میں لانے اور چند اکابر صحابہؓ جو آپ کے عزیز بھی ہوتے تھے، ان کی جان کی حفاظت کی خاطر بصرہ کا رخ کیا۔"

الغرض حضرت اُمّ المؤمنین رضی اللہ عنہا اس لشکر کی نہ امیر تھیں، نہ سپہ سالار، نہ ان کے سیاسی مقاصد تھے اور نہ حضرت امیرالمؤمنین علی کرّم اللہ وجہہ سے مقابلہ و مقاتلہ ان کا مقصود تھا، ان کو اکابر صحابہؓ نے مادرِ مشفق کی حیثیت سے اپنے ساتھ رہنے پر مجبور کیا، تاکہ ان کی لائقِ صد اِحترام شخصیت کی وجہ سے اصلاحِ اَحوال میں سہولت ہو۔

اس کے باوجود اُمّ المؤمنین رضی اللہ عنہا کو اپنے فعل پر ندامت ہوئی، راستے میں جب ایک مقام "حوأب" پر پہنچیں تو واپسی کا اِرادہ فرمایا، لیکن اس میں کامیاب نہ ہوسکیں۔

قیس بن ابی حازم البجلی کا بیان ہے:

"لما اقبلت عائشة، فلما بلغت مياه بني عامر ليلًا نبحت الكلاب، فقالت: اى ماء هذا؟ قالوا: ماء الحوأب! قالت: ما اظنني إلّا انني راجعة. قال بعض من كان معها: بل تقدمين فيراک المسلمون، فيصلح الله ذات بينهم. قالت: ان رسول الله صلى الله عليه وسلم قال ذات يوم: كيف باحداكنّ تنبح عليها كلاب الحوأب."

(سیر اعلام النبلاء ج:۲ ص:۱۷۷)

ترجمہ:... "حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا جب مکہ سے بصرہ روانہ ہوئیں، دورانِ سفر جب رات کے وقت بنوعامر کی آبادی میں پہنچیں تو کتے بھونکے، دریافت فرمایا کہ: یہ کون سی جگہ ہے؟ بتایا گیا کہ: یہ "حوأب" ہے! فرمایا: میرا خیال ہے کہ مجھے یہیں سے واپس لوٹنا ہے! آپ کے بعض ہمراہیوں نے کہا کہ: نہیں! آپ کو آگے چلنا چاہئے، آپ کو دیکھ کر مسلمان متفق ہوجائیں گے، اس طرح آپ کی برکت سے اللہ تعالیٰ مسلمانوں کی حالت کی اِصلاح فرمادیں گے۔ فرمایا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دن فرمایا تھا: تم (اَزواجِ مطہراتؓ) میں سے ایک کی کیا حالت ہوگی؟ جبکہ اس پر "حوأب" کے کتے بھونکیں گے!"

حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

"حضرت عائشہ دریں اصرار معذور بود زیرا کہ وقت خروج از مکہ نمیدانست کہ درین راہ چشمۂ حوأب نام واقع خواہد شد و برآن گزشتن لازم خواہد آمد، و چون برآن آب رسید ودانست ارادہ رجوع مصمم کرد، لیکن میسرش نشد، زیرا کہ کسے از اہل لشکر ہمراہ اور رفاقت در رجوع نہ کرد، و در حدیث نیز بعد از وقوع واقع ہیچ ارشاد نہ

فرمودہ اند کہ چہ باید کرد ناچار بقصد اصلاح ذات البین کہ بلاشبہ مامور بہ ست پیشتر روانہ شد پس حالت حضرت عائشہ درین مرور حالت شخصی است کہ طفلے را از دور دید کہ میخواہد در چاہے بیفتد بے اختیار برائے خلاص کردن او دوید و در اثنائے دویدن بے خبری محاذی نماز گزارندہ مرور واقع شدہ او را در وقت محاذات اطلاع دست داد کہ من محاذی نماز گزارندہ ام پس اگر بر عقب میگردد آن طفل در چاہ می افتد ایں مرور واقع شدہ را تدارک نمیتواند شد ناچار قصد خلاصی طفل خواہد کرد وایں مرور را در حق خود معفو خواہد شناخت۔" (تحفۂ اثنا عشریہ ص:۳۳۲)

ترجمہ:... "حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اس اصرار میں معذور تھیں کہ مکہ سے نکلتے وقت انہیں معلوم نہیں تھا کہ اس راستے میں "حوأب" نامی چشمہ واقع ہوگا، اور اس پر سے گزرنا پڑے گا، اور جب اس پر پہنچیں اور علم ہوا تو واپسی کا پختہ ارادہ کرلیا، لیکن واپسی میسر نہ آئی، کیونکہ اہلِ لشکر میں سے کسی نے رُجوع میں ان کے ساتھ رفاقت نہیں کی اور حدیث (حوأب) میں بھی کوئی ارشاد نہیں فرمایا گیا کہ واقعے کے وقوع میں آنے کے بعد کیا کرنا چاہئے؟ اس لئے ناچار اصلاح ذات البین کی غرض سے، جو بلاشبہ مامور بہ ہے، آگے روانہ ہوئیں، پس اس گزرنے میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حالت اس شخص کے مشابہ ہے کہ جس نے دُور سے کسی بچے کو دیکھا کہ کنویں میں گرا چاہتا ہے، دیکھتے ہی اس کو بچانے کے لئے دوڑ پڑا، اور دوڑتے ہوئے بے خبری میں کسی نمازی کے سامنے سے مرور واقع ہوا، اور عین سامنے آنے کے وقت معلوم ہوا کہ میں نمازی کے آگے سے گزر رہا ہوں، اب اگر پیچھے ہٹتا ہے تو وہ کنویں میں گر جائے گا، اور یہ جو نمازی کے سامنے آچکا ہے اس کا تدارک نہیں ہوسکتا، ناچار اس نے بچے کو بچانے کا قصد کیا، اور اس گزرنے کو اپنے حق میں لائق عفو سمجھا۔"

بعد میں بھی جب انہیں "جنگِ جمل" کا واقعہ یاد آتا تو نہایت افسوس کرتیں، حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ لکھتے ہیں:

"ہرگاہ یوم الجمل را یاد می فرمود آن قدر میگریست کہ معجر مبارکش باشک تر می گشت بسبب آنکہ در خروج عجلت فرمود و ترک تأمل نمود و از پیشتر تحقیق نہ فرمود کہ آب حوأب در راہ واقع است یا نہ تا آنکہ ایں قسم واقعہ عظمیٰ روداد۔" (تحفۂ اثنا عشریہ ص:۳۳۵)

ترجمہ:... "آپؓ جب یوم الجمل کو یاد کرتیں تو اتنا روتیں کہ آنچل مبارک آنسوؤں سے تر ہوجاتا، کیونکہ اس کا سبب یہ تھا کہ خروج میں عجلت فرمائی، تأمل نہیں فرماسکیں، اور پہلے سے تحقیق نہ فرمائی کہ آب "حوأب" راہ میں واقع ہے یا نہیں؟ یہاں تک کہ اس قسم کا واقعۂ عظمیٰ رُونما ہوا۔"

شیخ الاسلام حافظ ابنِ تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

"لم تبين لها فيما بعد ان ترك الخروج كان أولى فكانت إذا ذكرت خروجها تبكي حتّى تبل خمارها۔" (منہاج السنۃ ج:۲ ص:۱۸۵)

ترجمہ:... "پھر بعد میں ان کو ظاہر ہوا کہ ترکِ خروج بہتر تھا، چنانچہ جب اپنے خروج کو یاد کرتیں تو اس

قدر روتیں کہ آنچل بھیگ جاتا۔"

علامہ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

"ولا ریب ان عائشة ندمت ندامةً کلیةً علٰی مسیرها إلی البصرة وحضورها یوم الجمل، وما ظنّت ان الأمر یبلغ ما بلغ۔" (سیر اعلام النبلاء ج:۲ ص:۱۷۷)

ترجمہ:... "اس میں شک نہیں کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو بصرہ جانے اور جنگِ جمل کے دن وہاں موجود ہونے پر کلی ندامت ہوئی، انہیں یہ وہم وخیال بھی نہ تھا کہ معاملے کی نوبت یہاں تک پہنچے گی۔"

اظہارِ ندامت کے طور پر فرماتی تھیں:

"وددت انی کنت ثکلت عشرة مثل الحارث بن هشام وانی لم اسر مسیری مع ابن الزبیر۔" (مستدرک حاکم ج:۴ ص:۱۱۹)

ترجمہ:... "میں آرزو کرتی ہوں کہ میرے حارث بن ہشام جیسے دس لائق بیٹے پیدا ہوکر مرگئے ہوتے اور میں ابن الزبیرؓ کے ساتھ (بصرہ) نہ جاتی۔"

کبھی فرماتی تھیں:

"وددت انی جلست کما جلس غیری فکان احب إلیّ من ان اکون ولدت من رسول الله صلی الله علیه وسلم عشرة کلهم مثل عبدالرحمٰن بن الحارث بن هشام۔"

(فتح الباری ج:۱۳ ص:۵۵۔ قال الحافظ: اخرجه الطبرانی وفیه ابومعشر نجیح المدنی، وفیه ضعف وقال الهیثمی: رواه الطبرانی وفیه ابومعشر نجیح، وهو ضعیف، یکتب حدیثه، وبقیة رجاله ثقات. مجمع الزوائد ج:۷ ص:۲۳۸)

ترجمہ:... "میں آرزو کرتی ہوں کہ میں گھر میں بیٹھی رہتی جیسا کہ دُوسری ازواجِ مطہرات بیٹھی رہیں، تو یہ بات مجھے اس سے زیادہ محبوب تھی کہ میرے بطن سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دس بیٹے پیدا ہوتے اور وہ سب عبدالرحمٰن بن حارث جیسے بیٹے ہوتے۔"

اور کبھی فرماتی تھیں:

"وددت انی کنت غصنًا رطبًا ولم اسر مسیری هذا۔"

(ازالۃ الخفا ج:۲ ص:۲۸۰ مطبوعہ سہیل اکیڈمی لاہور)

ترجمہ:... "میں آرزو کرتی ہوں کہ اے کاش! میں ہری شاخ ہوتی اور اس سفر پر نہ نکلتی۔"

اسی طرح متعدّد صحابہ کرامؓ نے بھی ان کے خروج پر نکیر فرمائی (جس کی تفصیل یہاں غیر ضروری ہے)۔

اب انصاف فرمائیے کہ جس واقعے میں حضرت اُمّ المؤمنین اور ان کے رُفقا (رضی اللہ عنہم) کے ذہن میں حکومت وامارت کا

کوئی تصوّر ہی نہیں تھا، بلکہ اُمّ المؤمنینؓ "اُمت کی ماں" کی حیثیت سے اُمت کے درمیان جوڑ پیدا کرنے نکلی تھیں، جس واقعے پر اکابر صحابہؓ نے نکیر فرمائی اور جس پر خود حضرت اُمّ المؤمنینؓ نے افسوس اور ندامت کا اِظہار فرمایا، کیا اس کو "حکومت کے لئے عورت کی سربراہی" کے جواز کی دلیل بنانا صحیح ہے...؟

اور یہاں یہ بھی نہیں بھولنا چاہئے کہ اس پورے سفر میں حضرت اُمّ المؤمنین رضی اللہ عنہا "ہودج" میں پردہ نشین رہیں، اور آپؓ کے محارم آپؓ کے ساتھ رہے۔ حافظ ابنِ کثیر رحمۃ اللہ علیہ نے اس سلسلے میں ایک عجیب واقعہ لکھا ہے کہ جنگِ جمل کے اِختتام کے بعد اعیان واشراف حضرت اُمّ المؤمنین رضی اللہ عنہا کی خدمت میں سلام کے لئے حاضر ہو رہے تھے، ایک شخص نے "ہودج" کے اندر جھانکا، حضرت اُمّ المؤمنین رضی اللہ عنہا نے ارشاد فرمایا:

"الیک لعنۃ اللہ! ھتک اللہ سترک! وقطع یدک! وأبدیٰ عورتک!"

ترجمہ:... "پرے ہٹ! اللہ تجھ پر لعنت کرے! تیرا پردہ فاش کرے! تیرے ہاتھ کاٹ ڈالے! اور تیرے ستر کو عریاں کردے!"

یہ شخص بصرہ میں قتل ہوا، اس کے بعد اس کے ہاتھ کاٹے گئے اور اس کی برہنہ لاش ویرانے میں ڈال دی گئی (البدایہ والنہایہ ج:۷ ص:۲۴۵)۔

آپ دیکھ رہے ہیں کہ اُمّ المؤمنین رضی اللہ عنہا کا یہ پورا سفر اپنے محرموں کی معیت میں "ہودج" کے اندر ہوا، اور اس ہولناک جنگ میں بھی وہ اپنے "ہودج" کے اندر پردہ نشین رہیں، کسی کو ان کے "ہودج" کے اندر جھانکنے کی جراُت نہیں ہوسکتی تھی، اور یہ بھی ذہن میں رہنا چاہئے کہ آپؓ کے گرد کا پورا مجمع (کیا موافق اور کیا مخالف) آپ کو "ماں" سمجھتا تھا، آپ کو اسی اِحترام وتقدس کا مستحق سمجھتا تھا جو نیک اولاد کے دِل میں سگی ماں کا ہوتا ہے۔

ایک طرف اس پورے پس منظر کو ذہن میں رکھئے، دُوسری طرف دورِ حاضر کی ان خواتین کے حالات پر غور کیجئے جن کی تعلیم وتربیت اور ذہنی تخلیق مغربی یونیورسٹیوں کی آزاد فضاؤں میں ہوتی ہے، جو کسی پردے وردے کی قائل نہیں، جو گھر کی چاردیواری کو "جیل" سے تشبیہ دیتی ہیں اور چادر اور دوپٹے کو "طوق وسلاسل" تصوّر کرتی ہیں، جن کے نزدیک محرَم ونامحرَم کا اِمتیاز "دقیانوسیت" کی علامت ہے، اور جلوَت وخلوَت میں مردوں کے شانہ بشانہ چلنے پر فخر کرتی ہیں، کیا ان خواتین کے لئے حضرت اُمّ المؤمنین رضی اللہ عنہا کی مثال پیش کرنا عقل ودانش اور حق وانصاف کے تقاضوں کو پورا کرتا ہے...؟

۷:... رضیہ سلطانہ، چاند بی بی اور بھوپال کی بیگمات

بعض حضرات "عورت کی سربراہی" کا جواز پیش کرنے کے لئے التمش کی بیٹی رضیہ سلطانہ، بیجاپور کے حکمران کی بیوہ چاند بی بی اور بیگماتِ بھوپال کی مثالیں پیش کرتے ہیں۔ مگر اہلِ فہم پر روشن ہے کہ کتاب وسنت اور اِجماعِ اُمت کے مقابلے میں ان مثالوں کی کیا قیمت اور حیثیت ہے؟ مسلمانوں میں دِینِ اسلام کے خلاف سیکڑوں منکرات وبدعات رائج ہیں، زِنا، چوری، شراب نوشی، سود وقمار

اور رشوت جیسے کبائر تک میں لوگ مبتلا ہیں، مگر مسلمانوں میں ان چیزوں کے رواج ہوجانے کو ان کے جواز و اباحت کی دلیل کے طور پر پیش نہیں کیا جاتا۔ اسی طرح اگر "عورت کی حکمرانی" کے شاذ و نادر واقعات پیش آئے ہیں، تو انہیں قرآن و سنت اور اجماعِ اُمت کے خلاف ہونے کی وجہ سے "بدعتِ سیئہ" کہا جائے گا، ان واقعات کو "عورت کی حکمرانی" کے جواز میں پیش کرنا اہلِ عقل و فہم سے نہایت بعید ہے۔

چونکہ "عورت کی سربراہی" انسانی و نسوانی فطرت کے خلاف ہے، اس لئے میں نے ان واقعات کو ان عجیب الخلقت بچوں کے ساتھ تشبیہ دی تھی جو کبھی مادّۂ فطرت کے نقص کی وجہ سے جنم لیتے ہیں، یا ان کی مثال ان پھوڑے پھنسیوں کی ہے جو فسادِ خون کی علامت کے طور پر ظاہر ہوتے ہیں۔

ان واقعات پر غور کرتے ہوئے اہلِ فہم کو یہ نکتہ بھی فراموش نہیں کرنا چاہئے کہ خواتین کی حکمرانی کے یہ واقعات نظامِ "شہنشاہیت" کے شاخسانے تھے۔ مثلاً: بتایا جاتا ہے کہ سلطان التمش کا لڑکا فیروز نالائق تھا، اور اس کی بیٹی رضیہ بڑی لائق و فائق تھی، اس لئے سلطان نے اپنے بیٹے کے بجائے بیٹی کو تخت کی وارث بنادیا، یہی صورت بیجاپور اور بھوپال کی ریاستوں میں بھی پیش آئی کہ تخت کا وارث کوئی مرد نہیں رہا تھا، اس لئے ان خواتین کو اس وراثت کی ذمہ داری قبول کرنا پڑی۔

کیا یہ عجیب بات نہیں کہ ایک طرف "پرستارانِ جمہوریت" اُٹھتے بیٹھتے شہنشاہیت کے سب و شتم کا وظیفہ پڑھتے رہیں، دُوسری طرف اسی "شہنشاہیت" کی نہایت مکروہ اور بگڑی ہوئی شکل کو بطور معیار پیش کرکے اس سے "عورت کی حکمرانی" کے جواز پر اِستدلال کیا جاتا ہے...!

اب دیکھئے کہ التمش کے تخت کا وارث نالائق تھا، اس لئے بامرِ مجبوری اس نے اپنی بیٹی کو تخت کی وارث بنادیا، کیا پاکستان کے حالات پر اس واقعے کو چسپاں کرتے ہوئے ہم دُنیا کو یہ بتانا چاہتے ہیں کہ پاکستان کے تمام مرد نالائق تھے، اس لئے "شہنشاہِ پاکستان" کی بیٹی کو پاکستان کے تخت کی وارث بنایا گیا...؟

بیجاپور اور بھوپال کی ریاستوں میں شاہی خاندانوں میں کوئی مرد باقی ہی نہیں رہا تھا، اس لئے مجبوراً بے چاری خواتین کو ریاست کا نظم و نسق اپنے ہاتھ میں لینا پڑا، کیا پاکستان کے حالات پر ان کی مثال چسپاں کرنے کے یہ معنی نہیں کہ اس ملک کے سارے مرد مرچکے ہیں، اس لئے "دُخترِ پاکستان" کو حکومت کی گدی پر بیٹھنے کے سوا کوئی چارہ نہیں تھا؟ کہتے ہیں کہ: "غرض آدمی کی بصیرت کو اندھا کردیتی ہے"، جو حضرات "عورت کی حکمرانی" کا جواز اس قسم کے واقعات میں تلاش کرتے ہیں، ان پر یہ مثل پوری طرح صادق آتی ہے۔

۸:...مس فاطمہ جناح

بعض حضرات "عورت کی سربراہی" پر یہ اِستدلال کرتے ہیں کہ صدر ایوب خان کے مقابلے میں مس فاطمہ جناح کو صدارت کے لئے نامزد کیا گیا تھا، اور بڑے بڑے علماء نے اس کی تائید کی تھی، اس وقت یہ فتوے کہاں چلے گئے تھے؟

لیکن یہ صریح مغالطہ ہے، اس لئے کہ علمائے اُمت اور اہلِ فتویٰ نے اُس وقت بھی کھل کر مخالفت کی تھی، کسی ایک مفتی کا نام بھی پیش نہیں کیا جاسکتا، جس نے اس کے جواز کا فتویٰ دیا ہو (اور جو شخص اِجماعِ اُمت کے خلاف فتویٰ دینے کی جرأت کرے اس کو ''مفتی'' کہنا ہی غلط ہے)۔ چنانچہ مولانا مفتی محمودؒ نے اسی بنا پر نہ ایوب خان کے حق میں ووٹ دیا اور نہ فاطمہ جناح کو، انہوں نے اپنا ووٹ ہی اِستعمال نہیں کیا۔

اور جن سیاسی یا نیم مذہبی و نیم سیاسی تنظیموں نے محض سیاسی مصلحتوں کے پیشِ نظر اس منصب کے لئے مس فاطمہ جناح کا اِنتخاب کیا تھا وہ بھی ان کی سیاسی مجبوری تھی، ان کے خیال میں پاکستان میں وہ واحد شخصیت تھی جو ایوب خان کا مقابلہ کرسکتی تھی، اور مس فاطمہ جناح نے ان لوگوں سے صاف کہہ دیا تھا کہ ایوب خان کے ہٹائے جانے کے بعد ان کو تین مہینے میں اپنا صدر کوئی دُوسرا منتخب کرنا ہوگا۔ الغرض اہلِ فتویٰ کے نزدیک تو مس فاطمہ جناح کی نامزدگی بھی خلافِ شرع اور ناجائز تھی، اور اہلِ سیاست کے نزدیک یہ بھی اسی طرح کی اِضطراری کیفیت تھی جس طرح اِضطراری کیفیت مذکرہ بالا خواتین کے شاہی خاندانوں کو پیش آئی۔

۹:...حضرت تھانویؒ کا فتویٰ

بعض حضرات، حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ کے ایک فتوے کا حوالہ دیتے ہیں جو ''اِمداد الفتاویٰ'' (ج:۵ ص:۹۹، ۱۰۰) میں شامل ہے، اس فتوے سے ان حضرات کا اِستدلال کہاں تک صحیح ہے؟ اس پر غور کرنے کے لئے چند اُمور کا پیشِ نظر رکھنا ضروری ہے:

اوّل:... یہ کہ حضرت حکیم الامت تھانویؒ اُمت کے اس اِجماعی فیصلے کے ساتھ پوری طرح متفق ہیں کہ اسلام میں عورت کو سربراہِ حکومت بنانا جائز نہیں، چنانچہ تفسیر بیان القرآن میں تحریر فرماتے ہیں:

> ا:...''اور ہماری شریعت میں عورت کو بادشاہ بنانے کی ممانعت ہے، پس بلقیس کے قصے سے کوئی شبہ نہ کرے، اوّل تو یہ فعل مشرکین کا تھا۔ دُوسرے: اگر شریعتِ سلیمانیہ نے اس کی تقریر بھی کی ہو تو شرعِ محمدی میں اس کے خلاف ہوتے ہوئے وہ حجت نہیں۔'' (بیان القرآن ج:۸ ص:۸۵)

۲:...اُوپر حضرت مولانا مفتی محمد شفیع رحمہ اللہ کی کتاب ''احکام القرآن'' کا حوالہ آچکا ہے، جو حضرت حکیم الامت تھانویؒ کے زیرِ اِشراف لکھی گئی اور جس میں خود حضرتؒ ہی کے حوالے سے ذِکر کیا گیا ہے کہ عورت کو سربراہِ مملکت بنانا جائز نہیں، اور بلقیس کے قصے سے اس کے جواز پر اِستدلال کرنا غلط ہے۔

۳:... اور خود اسی فتویٰ میں، جس کو ''عورت کی سربراہی'' کے لئے پیش کیا جاتا ہے، حضرت تھانویؒ تحریر فرماتے ہیں:

> ''حضراتِ فقہاء نے اِمامتِ کبریٰ میں ذکورۃ (مرد ہونے) کو شرطِ صحت اور قضا میں گو شرطِ صحت نہیں، مگر شرطِ صون عن الاثم فرمایا ہے۔'' (امداد الفتاویٰ ج:۵ ص:۱۰۰)

۴:...اُوپر شیخ الاسلام مولانا ظفر احمد عثمانی رحمہ اللہ کی کتاب ''احکام القرآن'' کا حوالہ بھی گزر چکا ہے جس میں اِمامتِ کبریٰ

وصغریٰ کو مرد کی خصوصیت قرار دیا گیا ہے، "احکام القرآن" کا یہ حصہ بھی حضرت حکیم الامتؒ کی نگرانی میں مرتب ہوا۔

ان حوالہ جات سے واضح ہے کہ حضرت حکیم الامت تھانویؒ کے نزدیک بھی یہ اُصول مسلّم ہے کہ کسی اسلامی مملکت میں حکومت کی سربراہ "عورت" نہیں ہوسکتی۔

دوم:... حضرتؒ نے جس سوال کے جواب میں یہ فتویٰ تحریر فرمایا، اس کا پس منظر پیشِ نظر رکھنا بھی ضروری ہے۔ صورتِ حال یہ تھی کہ انگریزوں کے ہندوستان پر تسلط کے بعد بعض موروثی ریاستوں کو برقرار رکھا گیا تھا، اور ان کی حیثیت نیم خودمختار ریاستوں کی تھی، ان میں بعض مسلم ریاستیں ایسی تھیں جن میں پردہ نشین خواتین کے سوا کوئی قانونی وارث باقی نہیں رہا تھا، اب دو صورتیں ممکن تھیں: ایک یہ کہ ان پردہ نشین خواتین کو (جنھیں انگریزی قانون میں ریاست کی قانونی وارث سمجھا جاتا تھا) والیٔ ریاست تسلیم نہ کیا جاتا، اس صورت میں ان ریاستوں کی نیم آزادانہ حیثیت ختم ہوجاتی، اور یہ انگریزی قلمرو میں مدغم ہوجاتیں، ظاہر ہے کہ یہ ضررِ عظیم تھا۔ اور دُوسری صورت یہ تھی کہ محض مشیر کی حیثیت سے ان خواتین کو والیٔ ریاست تسلیم کیا جاتا اور ریاست کا اِنتظام و اِنصرام ان خواتین کے مشورے سے مردوں کے ہاتھ میں دے دیا جاتا۔ ان ریاستوں میں عملاً یہی صورت اختیار کی گئی تھی اور سوال کرنے والے نے اسی صورت کے بارے میں سوال کیا تھا کہ آیا یہ ریاستیں اس حدیث کا مصداق ہیں یا نہیں؟

سوم:... اس پس منظر کو سامنے رکھتے ہوئے حضرتؒ کے فتویٰ پر غور کیجئے، حضرتؒ لکھتے ہیں:

"حکومت کی تین قسمیں ہیں: ایک قسم وہ جو تام بھی ہو، عام بھی ہو۔ تام سے مراد یہ کہ حاکم بانفرادہ خودمختار ہو، یعنی اس کی حکومت شخصی ہو اور اس کے حکم میں کسی حاکم کی منظوری کی ضرورت نہ ہو، گو اس کا حاکم ہونا اس پر موقوف ہو۔ اور عام یہ کہ اس کی محکوم کوئی محدود قلیل جماعت نہ ہو۔

دُوسری قسم: وہ جو تام تو ہو مگر عام نہ ہو، تیسری قسم: وہ جو عام ہو مگر تام نہ ہو۔

مثال اوّل کی: کسی عورت کی سلطنت یا ریاست بطرزِ مذکور شخصی ہو۔ مثال ثانی کی: کوئی عورت کسی مختصر جماعت کی منتظم بلاشرکت ہو۔ مثال ثالث کی: کسی عورت کی سلطنت جمہوری ہو کہ اس میں والیٔ صوری درحقیقت والی نہیں بلکہ ایک رکن مشورہ ہے، اور والیٔ حقیقی مجموعہ مشیروں کا ہے، حدیث کے الفاظ میں غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ مراد حدیث میں پہلی قسم ہے۔" (امداد الفتاویٰ ج:۵ ص:۹۹)

حضرتؒ کی اس تحریر سے واضح ہے کہ صرف ایسی ریاستیں حدیثِ مذکور کی وعید سے مستثنیٰ ہیں جن میں والیٔ ریاست خواتین کی حیثیت محض مشیر یا رکن مشورہ کی ہو اور اَحکام کے نفاذ کے اِختیارات ان کے ہاتھ میں نہ ہوں، چنانچہ اس کی وجہ ذکر کرتے ہوئے حضرت تحریر فرماتے ہیں:

"اور راز اس میں یہ ہے کہ حقیقت اس حکومت کی محض مشورہ ہے، اور عورت اہل ہے مشورہ کی۔"

(ص:۱۰۰)

اب دیکھنا یہ ہے کہ پاکستان میں وزارتِ عظمیٰ کا جلیل القدر منصب محض مشیر یا رکن مشورہ کی حیثیت رکھتا ہے؟ اگر اس کا

جواب نفی میں ہے (اور یقیناً نفی میں ہے) تو حضرتؒ کی تحریر سے اِستدلال کرنے والے حضرات خود ہی اِنصاف فرمائیں کہ ان کا اِستدلال کہاں تک صحیح ہے...؟

پاکستان میں جو ''پارلیمانی نظام'' نافذ ہے، اس میں ''وزیرِاعظم'' کا منصب بے اختیار قسم کا محض علامتی منصب نہیں ہے، بلکہ ''وزیرِاعظم'' ملک کی حکومت اور اِنتظامیہ کا بااِقتدار و خودمختار سربراہ ہے۔ آئین و قانون کے دائرے میں رہتے ہوئے ملکی نظم و نسق پر اس کو مکمل کنٹرول حاصل ہے، وہ اپنی کابینہ کی تشکیل میں آزاد و خودمختار ہے، اور تمام شعبوں اور وزارتوں کی کارکردگی کا ذمہ دار ہے، وہ اپنی کابینہ سے مشورہ ضرور کرتا ہے، لیکن کسی مشورے کا پابند نہیں، وہ جس وزیر یا مشیر کو جس وقت چاہے اس کے منصب سے فارغ کرسکتا ہے، اس لئے اس کے تمام وزراء اور مشیران اس کی رائے اور خواہش کے خلاف کوئی فیصلہ نہیں کرسکتے، بلکہ اپنی ہر حرکت و عمل میں وزیرِاعظم کے اشارۂ چشم و اَبرو پر نظریں جمائے رکھتے ہیں، اور وہ کسی ایسے اقدام کی جرأت نہیں کرسکتے جس سے وزیرِاعظم کے نازک مزاجِ شاہی کو خدانخواستہ گرانی ہو، یہی وجہ ہے کہ عرفِ عام میں یہی سمجھا جاتا ہے کہ ملک میں وزیرِاعظم کی حکومت ہے اور کہا جاتا ہے کہ فلاں وزیرِاعظم کے دورِ حکومت میں یہ ہوا۔

جہاں تک قانون سازی کا تعلق ہے، سب جانتے ہیں کہ وزیرِاعظم قانون ساز اِدارے میں اکثریتی پارٹی کا لیڈر اور قائدِ ایوان کہلاتا ہے، وہ بڑی آسانی سے اپنی رائے اور خواہش کو قانون کی شکل دے کر قانون ساز اِدارے سے منظور کرالیتا ہے، اپنی پارٹی کے ارکان پر اسے اِعتماد و اِطمینان ہوتا ہے کہ وہ اس کی مخالفت نہیں کریں گے، لیکن اگر کبھی اس قسم کا اندیشہ لاحق ہو تو اپنی پارٹی کے نام خاص ہدایت (حکم) جاری کرسکتا ہے، اور اس ہدایت کے جاری ہونے کے بعد پارٹی کے کسی رُکن کو وزیرِاعظم کی خواہش کے خلاف ''چوں'' کرنے کی گنجائش نہیں رہتی۔

اس سلسلے میں ایک دِلچسپ مثال ہندوستان میں مسلم پرسنل لاء (مسلمانوں کے عائلی قوانین) کے معاملے میں پیش آئی، اس کی تفصیلات مولانا ابوالحسن علی ندوی کی خودنوشت سوانح ''کاروانِ زندگی'' حصہ سوم، باب چہارم میں ملاحظہ کی جائیں۔ مختصر یہ کہ مسلمانوں کی تحریک اور انتھک محنت و کوشش کے نتیجے میں وزیرِاعظم راجیو گاندھی کو اس پر آمادہ کرلیا گیا کہ حکومت ان قوانین کو ''بل'' کی شکل میں اسمبلی سے منظور کرائے گی، اسمبلی میں ''بل'' پیش ہونے کا مرحلہ آیا تو چونکہ ہندوستان کا متعصب پریس اس ''بل'' کے خلاف زہر اُگل رہا تھا اور اسمبلی کے اندر بھی مسلمانوں کے خلاف تعصب کی فضا تھی، اس لئے شدید خطرہ تھا کہ ہندو اور نام نہاد مسلمان اس بل کی مخالفت کریں گے۔

مولانا ابوالحسن علی ندوی لکھتے ہیں:

> ''وزیرِاعظم نے ''وہپ'' (حکم) جاری کردیا کہ پارٹی کے ہر ممبر کو اس کی تائید کرنی ہے، مخالفت کی صورت میں وہ پارٹی سے نکال دیا جائے گا، اگر بلاعذر کوئی ممبر اس دن شریک اجلاس نہیں ہوا تو وہ بھی خارج کردیا جائے گا۔''
>
> (کاروانِ زندگی ج:۳ ص:۱۴۱)

وزیرِاعظم کے اس ''وہپ'' کا نتیجہ یہ ہوا کہ ''بل'' پر بحث و تمحیص کے بعد:

''رات پونے تین بجے بل پروونگ عمل میں آئی اور بل کی مخالفت میں ۵۴ ووٹوں کے مقابلے میں بل کی حمایت میں ۳۷۲ ووٹ آئے، بل کی کامیابی پر تھکے ہوئے کانگریسی ممبران پارلیمنٹ نے اپنی خوشی کا اظہار کیا، دُوسری طرف اپوزیشن کے بل مخالف ممبران تھکے تھکائے ہال سے باہر جارہے تھے۔''

(ایضاً ص:۱۴۷)

یہ صحیح ہے کہ اسمبلی میں حزبِ اِختلاف بھی موجود ہوتی ہے، اور وہ اِقتدار کے مست ہاتھی کو قابو رکھنے میں موٴثر کردار اَدا کرتی ہے، لیکن اکثر و بیشتر ہوتا یہ ہے کہ حزبِ اِختلاف کی دُھواں دھار تقریروں اور تمام تر شور و غوغا کے باوجود وزیراعظم اپنی اکثریت کے نشے میں حزبِ اِختلاف کو خاطر میں نہیں لاتا اور وہ اپنی اکثریت کے بل بوتے پر جو قانون چاہتا ہے، منظور کرالیتا ہے۔ دُور کیوں جایئے؟ حزبِ اِختلاف کے لائقِ صد اِحترام قائد کو ایوان سے باہر پھنکوا کر من مانے قانون منظور کرانے کا تماشا تو خود ہمارے ملک میں دِکھایا جاچکا ہے۔

خلاصہ یہ کہ جمہوری حکومت میں وزیراعظم کوئی بے اِختیار نمائشی بت نہیں ہوتا بلکہ بااِختیار صاحبِ حکومت، اِنتظامیہ کا حاکمِ اعلیٰ اور پورے ملک کا بادشاہ شمار ہوتا ہے۔ اور قانون سازی کے دائرے میں بھی وہ قریب قریب مطلق العنان ہوتا ہے، اکثریتی پارٹی کا لیڈر ہونے کی وجہ سے جو قانون چاہے نافذ کرسکتا ہے۔ اور اگر اسے ایوان میں دوتہائی اکثریت کی حمایت حاصل ہو تو آئین کا تیاپانچہ بھی کرسکتا ہے۔

ان حقائق کو سامنے رکھنے کے بعد کون کہہ سکتا ہے کہ وزیراعظم کا منصب محض والیٴ صوری کا منصب ہے، اس لئے حضرت تھانویؒ کے اس فتوے کا اطلاق اِس پر بھی ہوتا ہے، جس میں کہا گیا ہے کہ:

''والیٴ صوری درحقیقت والی نہیں، بلکہ ایک رُکنِ مشورہ ہے۔''

اور یہ کہ:

''راز اس میں یہ ہے کہ حقیقت اس حکومت کی محض مشورہ ہے، اور عورت اہل ہے مشورہ کی۔''

جن حضرات نے عورت کی وزارتِ عظمیٰ کے لئے حضرت تھانویؒ کے اس فتوے سے اِستدلال کی کوشش کی ہے، ان کی خدمت میں اس کے سوا اور کیا عرض کیا جاسکتا ہے کہ:

''سخن شناس نہ دلبرا خطا اینجا است''

۱۰:...کیا عورت قاضی بن سکتی ہے؟

بعض حضرات نے یہ اِستدلال فرمایا ہے کہ اِمام ابوحنیفہؒ کے نزدیک عورت ''قاضی'' بن سکتی ہے تو وزیراعظم کیوں نہیں بن سکتی؟

ان حضرات کی خدمت میں گزارش ہے کہ ان کے اِستدلال میں دو غلطیاں ہیں:

اوّل:... یہ کہ حضرت اِمام ابوحنیفہ رحمہ اللہ سے جو منقول ہے کہ حدود و قصاص کے علاوہ باقی اُمور میں عورت کا قاضی بننا صحیح ہے، اس کے یہ معنی نہیں کہ عورت کو عہدۂ قضا پر مقرّر کرنا بھی جائز ہے، بلکہ مطلب یہ ہے کہ عورت چونکہ اہلِ شہادت ہے اور اسے فی الجملہ ولایت حاصل ہے، اس لئے اگر بالفرض اس کو قاضی بنادیا جائے، یا دو فریق، کسی قضیہ میں اس کو حکم مان لیں تو حدود و قصاص کے علاوہ دیگر اُمور میں اس کا فیصلہ نافذ ہوجائے گا، بشرطیکہ وہ فیصلہ شریعت کے موافق ہو۔ یہ مطلب نہیں کہ عورت کو قاضی بنانا بھی جائز ہے، نہیں! بلکہ اگر کسی عورت کو قاضی بنایا جاتا ہے تو بنانے والے بھی گناہگار ہوں گے اور منصبِ قضا کو قبول کرنے والی بھی گناہگار ہوگی، چنانچہ حضرت حکیم الامت تھانویؒ کی عبارت اُوپر گزر چکی ہے کہ:

"حضرات فقہاء نے اِمامتِ کبریٰ میں ذکورة (مرد ہونے) کو شرطِ صحت اور قضا میں گو شرطِ صحت نہیں، مگر شرطِ صون عن الاثم فرمایا ہے۔" (امداد الفتاویٰ ج:۵ ص:۱۰۰)

حضرت حکیم الامتؒ کے ان الفاظ سے معلوم ہوا کہ عورت کو قاضی بنانا فقہائے احناف کے نزدیک بھی گناہ ہے، مگر اس کے قاضی بنادیئے جانے کے بعد اس کا فیصلہ غیر حدود و قصاص میں نافذ ہوجائے گا۔

ابوبکر ابن العربی المالکیؒ نے بھی حضرت اِمامؒ کے قول کی یہی توجیہ کی ہے، وہ لکھتے ہیں:

"ونقل عن محمد بن جرير الطبرى امام الدين انه يجوز ان تكون المرأة قاضية ولم يصح ذالك عنه، ولعله كما نقل عن أبى حنيفة انها انما تقضى فيما تشهد فيه، وليس ان تكون قاضية على الإطلاق. ولا بأن يكتب لها منشور بأن فلانة مقدمة على الحكم إلّا فى الدماء والنكاح، وانما ذالك كسبيل التحكيم او الإستبانة فى القضية الواحدة بدليل قوله صلى الله عليه وسلم: "لن يفلح قوم ولّوا أمرهم امرأة" وهذا هو الظن بأبى حنيفة وابن جرير." (احکام القرآن ج:۳ ص:۱۴۵۷)

ترجمہ:... "اِمام محمد بن جریر طبریؒ سے نقل کیا گیا ہے کہ عورت کا قاضی ہونا صحیح ہے، مگر یہ نقل صحیح نہیں۔ شاید یہ ایسا ہی ہے جیسا کہ اِمام ابوحنیفہؒ سے نقل کیا گیا ہے کہ عورت جن اُمور میں شہادت دے سکتی ہے، ان میں فیصلہ بھی کرسکتی ہے۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ وہ علی الاطلاق قاضی بن جائے، یا یہ کہ اس کے نام پروانہ جاری کردیا جائے کہ فلانی عورت کو غیر حدود و نکاح میں منصبِ عدالت پر مقرّر کیا جاتا ہے۔ عورت کے فیصلے کے صحیح ہونے کی بس یہی صورت ہوسکتی ہے کہ کسی معاملے میں دو فریق اس کو حکم بنالیں یا کبھی کسی قضیہ میں اس کو نائب بنادیا جائے، کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ: "وہ قوم کبھی فلاح نہیں پائے گی جس نے اَمرِ حکومت عورت کے سپرد کردیا" اِمام ابوحنیفہؒ اور اِمام ابنِ جریرؒ کے بارے میں یہی گمان کیا جاسکتا ہے۔"

حضرت اِمامؒ کے قول کی قریباً یہی توجیہ شیخ ابوحیانؒ نے "البحر المحیط" (ج:۷ ص:۶۷) میں کی ہے، جسے صاحبِ "روح المعانی" نے بھی نقل کیا ہے (روح المعانی ج:۱۹ ص:۱۸۹، ۱۹۰)۔

درمختار میں ہے:

"والمرأة تقضي في غير حد وقود وان اثم المولّي لها، لخبر البخاري: لن يفلح قوم ولّوا أمرهم امرأة." (رد المحتار ج:۵ ص:۴۴۰)

ترجمہ:... "اور عورت غیر حدود و قصاص میں فیصلہ کرسکتی ہے، اگرچہ عورت کو قاضی بنانے والا گناہگار ہوگا کیونکہ بخاری شریف کی حدیث میں ہے: وہ قوم کبھی فلاح نہیں پائے گی جس نے عورت کو اپنے معاملات سپرد کردیئے۔"

علامہ ابنِ ہمامؒ "فتح القدیر" میں لکھتے ہیں:

"قوله: "ويجوز قضاء المرأة في كل شيء إلّا في الحدود والقصاص."

وقال الأئمة الثلاثة لَا يجوز، لأن المرأة ناقصة العقل، ليست اهلًا للخصومة مع الرجال في محافل الخصوم. قال صلى الله عليه وسلم: "لن يفلح قوم ولّوا أمرهم امرأة" رواه البخاري ..... والجواب ان ما ذكر غاية ما يفيد منع ان تستقضىٰ وعدم حله، والكلام فيما لو وليت واثم المقلد بذالك او حكّمها خصمان فقضت قضاء موافقا لدين الله أكان ينفذ أم لَا؟ لم ينتهض الدليل علىٰ نفيه بعد موافقته ما انزل الله. إلّا ان يثبت شرعًا سلب اهليتها، وليس في الشرع سوى نقصان عقلها ومعلوم انه لم يصل إلىٰ حد سلب ولَايتها بالكلية. ألَا ترىٰ انها تصلح شاهدةً وناظرةً في الأوقاف، ووصيةً على اليتامىٰ، وذالك النقصان بالنسبة والإضافة، ثم هو منسوب الى الجنس، فجاز في الفرد خلافه، ألَا ترىٰ إلىٰ تصريحهم بصدق قولنا: "الرجل خير من المرأة" مع جواز كون بعض افراد النساء خيرًا من بعض افراد الرجال، ولذالك النقص الغريزي نسب صلى الله عليه وسلم لمن يولّيهن عدم الفلاح، فكان الحديث متعرضًا للمولّين ولهن، بنقص الحال، وهذا حق، لٰكن الكلام فيما لو ولّيت فقضت بالحق لماذا يبطل ذالك الحق." (فتح القدیر ج:۵ ص:۴۸۶)

ترجمہ:... "مصنف فرماتے ہیں کہ: "عورت کی قضا ہر چیز میں صحیح ہے، مگر حدود و قصاص میں نہیں۔"

اور ائمہ ثلاثہ (اِمام مالک، اِمام شافعی اور اِمام احمد رحمہم اللہ) فرماتے ہیں کہ صحیح نہیں، کیونکہ عورت ناقص العقل ہے، وہ خصوم کی محفلوں میں مردوں کے ساتھ خصومت کی اہل نہیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: "وہ قوم ہرگز فلاح نہیں پائے گی جس نے اپنے معاملات عورت کے سپرد کردیئے۔" (صحیح بخاری)

......اور جواب یہ ہے کہ جو دلائل ذکر کئے گئے ہیں ان سے زیادہ سے زیادہ جو چیز ثابت ہوتی ہے وہ یہ کہ عورت کو قاضی بنانا ممنوع ہے حلال نہیں، اور ہماری گفتگو اس صورت میں ہے کہ اگر عورت کو قاضی بنادیا گیا اور بنانے

والا گناہگار ہوا ہو، یا دو فریقوں نے اسے حکم بنالیا اور عورت نے ایسا فیصلہ کردیا جو دِینِ خداوندی کے عین مطابق ہے تو کیا اس کا یہ فیصلہ نافذ ہوگا یا نہیں؟ اس کی نفی پر کوئی دلیل قائم نہیں ہوئی، جبکہ وہ فیصلہ ما انزل اللہ کے موافق بھی ہے اور یہ فیصلے کا عدمِ نفاذ اس کے بغیر ثابت نہیں ہوسکتا کہ ثابت ہوجائے کہ شرعاً اس کی اہلیت مسلوب ہے، اور شرع میں صرف عورت کا ناقص العقل ہونا ثابت ہے اور سب جانتے ہیں کہ اس کا نقصانِ عقل اس حد تک نہیں کہ اس کی ولایت کو کلی طور پر سلب کرلے، دیکھتے نہیں ہو کہ عورت گواہ بن سکتی ہے، اوقاف کی نگران بن سکتی ہے، اور یتیم کی وصی بن سکتی ہے، عورت کا ناقص العقل ہونا مردوں کی نسبت سے ہے، پھر یہ نقصانِ عقل منسوب ہے جنس کی طرف، لہٰذا کسی فرد میں اس کے خلاف بھی ہوسکتا ہے، کیا دیکھتے نہیں کہ اس مقولہ کو بالکل سچا سمجھا گیا ہے کہ: ''مرد، عورت سے بہتر ہے'' حالانکہ بعض عورتیں، بعض مردوں سے بہتر ہوسکتی ہیں اور عورتوں کے اس فطری اور خلقی نقص کی بنا پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عدمِ فلاح کو ان لوگوں کی طرف منسوب کیا ہے جو ان کو والی بنائیں، پس حدیث نے ان والی بنانے والوں کے حق میں عدمِ فلاح کا اور عورتوں کے حق میں نقصِ حال کا فیصلہ فرمایا ہے اور یہ فیصلہ برحق ہے، لیکن اس میں ہماری گفتگو نہیں، بلکہ گفتگو اس صورت میں ہے کہ عورت کو قاضی بنادیا گیا ہو، پھر وہ حق کے مطابق فیصلہ کرے، تو یہ حق، باطل کیوں ہوجائے گا؟''

اکابر کی ان تصریحات سے معلوم ہوا کہ اِمام ابوحنیفہؒ کے نزدیک بھی عورت کو قاضی بنانا جائز نہیں، بلکہ حرام ہے۔ اور ایسا کرنے والے گناہگار ہیں، مگر چونکہ عورت اہلِ شہادت ہے، اس لئے اگر اس نے فیصلہ کردیا، بشرطیکہ وہ فیصلہ شریعت کے موافق ہو تو نافذ ہوجائے گا۔

دوم:...ان حضرات کے اِستدلال میں دُوسری غلطی یہ ہے کہ انہوں نے قیاس کرلیا کہ عورت جب قاضی بن سکتی ہے تو حکمران بھی بن سکتی ہے، حالانکہ اوّل تو یہ قیاس قرآن و سنت اور اِجماعِ اُمت کے خلاف ہونے کی وجہ سے مردود ہے۔ علاوہ ازیں ملک کی حکمرانی کے لئے ولایتِ مطلقہ شرط ہے، جو عورت میں بوجہ نقصانِ عقل و دِین کے نہیں پائی جاتی، جبکہ قضا کے لئے صرف اہلِ شہادت ہونا شرط ہے، اس لئے اِمامتِ کبریٰ کو قضا پر قیاس کرنا غلط ہے، خلاصہ یہ کہ عورت کو ''وزیرِاعظم'' کے منصب پر فائز کرنا صحیح نہیں، بلکہ اس کا عزل واجب ہے۔

سانپ گزر چکا ہے، لکیر پیٹنے سے فائدہ؟

بعض حضرات فرماتے ہیں کہ:

''سانپ گزر چکا ہے، اب لکیر پیٹنے سے فائدہ؟ جو ہونا تھا، سو ہوچکا، اچھا ہوا یا بُرا، اب علمائے کرام کا واویلا بعد اَز وقت ہے۔''

ان کی خدمت میں گزارش ہے کہ اہلِ علم پر فرض عائد ہوتا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے دِین کا صحیح مسئلہ لوگوں کو بتاتے رہیں، اور

اگر کوئی غلط اور ''منکر'' رواج پائے تو اپنے اِمکان کی حد تک اس کے خلاف جہاد کریں، اور قوم کو اِصلاح کی طرف متوجہ کریں، کسی ''منکر'' کو دیکھ کر اس پر سکوت اِختیار کرلینا، ان کے لئے جائز نہیں، بلکہ اُصول یہ ہے کہ جب دِین کی ایک مسلّمہ روایت سے اِنحراف کیا جارہا ہو تو اہلِ علم پر کیا فرض عائد ہوتا ہے؟ شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ نے ''حجۃ اللہ البالغۃ'' میں غلط رُسوم کے رائج ہونے کے اسباب پر گفتگو کرتے ہوئے لکھا ہے:

''اور بُری رُسوم کے پیدا ہونے کی وجہ یہ ہوتی ہے کہ کبھی وہ لوگ سردار ہوتے ہیں جن پر جزئی رائیں غالب ہوتی ہیں اور مصالحِ کلیہ سے بعید ہوتے ہیں تو وہ درندوں کے سے کام کرنے لگتے ہیں...... ان کی وجاہت اور دبدبے کی وجہ سے کوئی ان کو بُرا نہیں کہہ سکتا، اس کے بعد فاسق فاجر لوگ پیدا ہوتے ہیں، وہ ان کی پیروی کرتے ہیں اور ان کی مدد کرتے ہیں اور ان اعمال کے پھیلانے میں بڑی کوشش کرتے ہیں، اور پھر ایک قوم ایسی آتی ہے جن کے دِلوں میں نہ اعمالِ صالحہ کا قوی میلان ہوتا ہے، نہ اعمالِ فاسدہ کا، پس اپنے رُؤسا کی حالت دیکھ دیکھ کر ان میں بھی انہی اُمور کی آمادگی پیدا ہوجاتی ہے اور کبھی ان کو نیک باتوں کا پتا ہی نہیں چلتا، اور ایسے خاندانوں کے آخر میں ایسے لوگ باقی رہا کرتے ہیں جن کی فطرتیں دُرست ہوتی ہیں، وہ ان سے میل جول نہیں رکھتے اور غصے کی حالت میں خاموش رہتے ہیں، پس ان کی خاموشی سے بُری رسمیں قائم اور مستحکم ہوجاتی ہیں۔ کامل العقل لوگوں کا فرض ہے کہ حق کے پھیلانے و جاری کرنے میں اور باطل کے نابود کرنے میں پوری کوشش کریں اور بسااوقات یہ بات بغیر جھگڑے اور لڑائیوں کے ممکن نہیں ہوتی، پس یہ لڑائی جھگڑے تمام نیک کاموں میں افضل شمار ہوں گے۔''

(حجۃ اللہ البالغۃ مترجم ج:۱ ص:۱۰۰)

ایک خاتون کو اِسلامی مملکت میں حکومت کی سربراہ بنانا بھی ایک بُری رسم ہے، لیکن جو لوگ حضرت شاہ صاحبؒ کے بقول ''مصالحِ کلیہ سے بعید ہیں'' وہ اس پر فخر کر رہے ہیں کہ پاکستان پہلا اِسلامی ملک ہے جس نے تاریخ میں ایک خاتون کو وزیرِ اعظم بنانے کا شرف حاصل کیا۔ اگر ان حضرات کی نظریں دُوررس ہوتیں تو ان کو صاف نظر آتا کہ یہ امر پاکستان کے لئے لائقِ فخر نہیں، بلکہ لائقِ شرم ہے کہ اس نے قرآن و حدیث کی تصریحات کے خلاف اور اُمتِ اسلامیہ کے اِجماعی فیصلے کے علی الرغم اسلامی تاریخ کی ایک مسلّمہ روایت کو توڑنے کی جرأت کی ہے، پاکستان میں اس بدعتِ سیئہ کی اختراع اور ''منکر'' اور بُری رسم کا اِجرا ملتِ اِسلامیہ کا سر شرم سے جھکا دینے کے لئے کافی ہے، اس بدعت کو جاری کرنے والے گناہگار ہیں، اس بُرائی کا اِزالہ اُمتِ اِسلامیہ کا فرض ہے، اور اس بُرائی کے خلاف جہاد، حضرت شاہ صاحب کے بقول افضل ترین عبادت ہے۔

''شجرۃ الدر'' کی حکومت

بعض لوگوں نے شجرۃ الدر کی حکومت کا بھی حوالہ دیا ہے، اس سلسلے میں مولوی محمد عمران اشرف عثمانی کا ایک مضمون ''البلاغ'' میں شائع ہوا ہے، جسے بطورِ ضمیمہ یہاں نقل کیا جاتا ہے۔

عورت کی سربراہی کے جواز سے متعلق حال ہی میں بعض حضرات کے چند بیانات شائع ہوئے تھے، اور اس سلسلے میں ایک دلیل یہ بھی دی گئی تھی کہ:

''شجرۃ الدر'' نام کی ایک عورت، مصر کی حاکم بنی تھیں، جو مسلمانوں کا مشہور ملک ہے، اور کسی نے بھی اس پر تنقید نہیں کی۔ اور اس نے بحسن و خوبی مملکت کو چلانے کے فرائض انجام دیئے۔''

ذیل میں ہم شجرۃ الدر کے حالات پیش کررہے ہیں تاکہ یہ فیصلہ کیا جاسکے کہ آیا اس قسم کی حکمران عورت (یعنی شجرۃ الدر) کے منصبِ حکومت پر فائز ہونے سے کوئی شرعی اِستدلال کیا جاسکتا ہے یا نہیں؟

شجرۃ الدر اِبتدا میں ایک خوبصورت کنیز تھیں، جن سے بعد میں مصر کے بنی ایوب خاندان کے آٹھویں بادشاہ ملک صالح (نجم الدین ایوب ابن الکامل محمد بن العادل الکبیر) نے نکاح کرلیا تھا۔ ان سے ایک بچہ پیدا ہوا جس کا نام خلیل رکھا گیا، اسی وجہ سے شجرۃ الدر کو اُمِّ خلیل کہا جاتا ہے، کچھ عرصہ بعد ملک صالح کا انتقال ہوگیا۔

شجرۃ الدر فطرتاً ذہین عورت واقع ہوئی تھی، بادشاہ کی موت کو اس نے عام لوگوں سے چھپایا اور اُمرائے سلطنت کو جمع کیا اور ان سے کہا کہ ان کا اِنتقال ہوگیا ہے، اور وہ اپنا خلیفہ اپنے بیٹے توارن شاہ کو نامزد کرگئے ہیں، اور توارن شاہ جو ابھی سفر پر ہیں ان کو بلاتی ہوں، آپ ان کی اِطاعت کا حلف اُٹھائیں۔ اُدھر توارن شاہ کو لانے کے لئے ایک غلام بھیجا، جب وہ منصورہ پہنچا تو شجرۃ الدر نے اپنے بعض بحری کارندوں کے ذریعے توارن شاہ کو قتل کرادیا، اور قتل بھی اس بے دردی سے کرایا گیا کہ پہلی ضرب سے اس کی اُنگلیاں کاٹی گئیں، پھر اس پر جلتا ہوا تیل پھینک دیا گیا اور وہ شور مچاتا رہا کہ مجھے سلطنت اور مملکت نہیں چاہئے (فوات الوفیات لابن شاکر الکتبی ج:۱ ص:۲۶۴)۔

توارن شاہ کے اس قتل کی سازش کا کسی کو علم نہ ہوا اور شجرۃ الدر پر اس سازش کا اس وجہ سے شبہ نہ ہوا کہ اس نے تو بظاہر اس کی سلطنت کے لئے کوششیں کی تھیں۔

توارن شاہ کے قتل کا واقعہ محرم ۶۴۸ھ میں پیش آیا اور اس کے بعد ۲؍صفر ۶۴۸ھ کو شجرۃ الدر بادشاہ بن گئی، یہ مملکتِ مصر میں بنی ایوب کے خاندان کی نویں حکمران تھیں، شجرۃ الدر نے مملکت سنبھالنے کے بعد عزالدین ایبک کو سپہ سالار مقرّر کیا۔

اس نے اُمراء اور عوام کو خوش کرنے کے لئے بڑے بڑے وظائف مقرّر کئے اور بڑی بڑی زمینوں کی جاگیریں دیں اور ان پر دولت کی بارش کردی، اس طرح لوگوں کے منہ بند کردیئے گئے (اعلام النساء ج:۲ ص:۲۸۸)۔

جب خلیفۂ وقت ابوجعفر مستنصر باللہ کو جو بغداد میں تھا یہ خبر پہنچی کہ اہلِ مصر نے سلطنت ایک عورت کو سونپی ہوئی ہے، تو اس نے اُمرائے مصر کے نام ایک پیغام بھیجا:

"اعلمونا ان کان ما بقی عندکم فی مصر من الرجال من یصلح للسلطنة فنحن نرسل لکم من یصلح لها، اما سمعتم فی الحدیث عن رسول الله صلی الله علیه وسلم انه قال: لَا أفلح القوم ولّوا أمرهم امرأة۔"

ترجمہ:... ''اے اہلِ مصر! ہمیں بتاؤ کہ کیا تمہارے پاس کوئی ایسا مرد باقی نہیں رہا جو سلطنت کو سنبھالنے کی اہلیت رکھتا ہو؟ اگر ایسا ہے تو ہم ایک ایسا مرد بھیج دیتے ہیں جو سلطنت کو سنبھالنے کی اہلیت رکھتا ہو۔ کیا تم نے حدیثِ نبوی نہیں سنی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''لَا افلح القوم ... الخ'' یعنی وہ قوم ہرگز فلاح نہیں پاسکتی جس نے اپنے معاملات کسی عورت کے سپرد کردیئے ہوں۔''

مؤرخین اس خط کو نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

''وانکر علیھم انکارا عظیمًا وھددھم وحضّھم علی الرجوع عن تولیتھا مصر۔''

ترجمہ:... ''اور مستنصر باللہ نے ان پر شدید نکیر کی، ان کو ڈرایا اور اس بات کی ترغیب دی کہ وہ مصر کی سربراہی عورت سے واپس لیں۔''

جب اس پیغام کی خبر شجرۃ الدر کو پہنچی تو اس نے بخوشی اپنے آپ کو خود معزول کردیا، اُمراء اور قاضیوں کو حکم دیا کہ عزالدین ایبک جو پہلے سپہ سالار تھا، اس کو میری جگہ بادشاہ بنایا جائے اور ساتھ ساتھ اس خواہش کا بھی اظہار کیا کہ وہ عزالدین سے نکاح کرنا چاہتی ہے۔ چنانچہ عزالدین کو حاکم بنایا گیا اور اس نے شجرۃ الدر سے نکاح بھی کرلیا۔ شجرۃ الدر جس وقت معزول ہوئیں اس وقت ان کی حکومت قائم ہوئے ابھی تین ماہ بھی مکمل نہ ہوئے تھے، گویا بنی ایوب خاندان کی اس خاتون حاکم کی کل حکومت تین ماہ سے بھی کم تھی، اس کے بعد عزالدین ایبک مصر کے ترکی حکمرانوں میں پہلا حکمران تھا جو آخیر ربیع الاوّل ۶۴۸ھ میں برسرِ اقتدار آیا، اس کا لقب ''ملک عزیز'' ہے، لیکن اس کی حکمرانی بھی چند دنوں پر محیط رہی، کیونکہ اس کو قتل کردیا گیا اور اس کی قاتل اس کی بیوی شجرۃ الدر ہی تھی، کیونکہ اسے کچھ اس طرح کی اطلاعات پہنچی تھیں کہ اس کا شوہر موصل کے والی ملک الرحیم (بدرالدین لؤلؤ) کی بیٹی سے شادی کرنا چاہتا ہے، اس شبہ کی وجہ سے اس نے اپنے شوہر کے قتل کی سازش نہایت خفیہ طور پر تیار کی، بایں طور کہ پہلے اس نے اپنے خصوصی معتمد صفی الدین ابراہیم بن مرزوق کو بلایا اور اسے وزارۃِ عظمیٰ کی پیش کش کرکے اس کو قتل کرنے کے لئے کہا، لیکن اس نے بات نہ مانی اور قتل سے انکار کیا اور خود اس کو بھی اس کام سے روکا، لیکن شجرۃ الدر کو قتل کی سوجھ گئی تھی، جس کی وجہ سے اس نے پھر اپنے خاص خدام اور غلاموں کو بلاکر عزالدین کو قتل کرنے کا حکم دیا اور ان پر مال و زر کی بارش کرنے کا وعدہ کیا، انہوں نے اس کے حکم کی تعمیل کا وعدہ کرلیا، اور منصوبہ تیار ہوگیا، چنانچہ منگل کے روز ۲۳ ربیع الاوّل ۶۴۸ھ کو عزالدین جب شام کو گیند کھیل کر واپس قلعہ آیا اور بغرضِ غسل حمام میں داخل ہوا تو اس پر کچھ افراد کود پڑے اور اسے اس کا گلا گھونٹ کر ہلاک کردیا۔

قتل کے بعد شجرۃ الدر نے ابن مرزوق کو بلایا اور اسے قتل کی اطلاع دی تو وہ سخت برہم ہوا اور اس نے کہا کہ میں نے تو آپ کو پہلے ہی اس کام سے منع کیا تھا اب میں کچھ نہیں کرسکتا، تو شجرہ نے پریشان ہوکر اپنے دو معتمد امیر جمال الدین بن ایدغدی بن عبداللہ عزیزی اور عزالدین ایبک حلبی کو بلوایا اور ان کو سلطنت کی پیش کش کی، انہوں نے بھی انکار کیا، اس طرح یہ ہفتہ پورا اسی پریشانی میں گزر گیا، اگلے پیر ۲۹ ربیع الاوّل ۶۴۸ھ کو اس نے اپنے آپ کو عزالدین کے وارثوں کے حوالے کرکے تاج و تخت بھی ان کے حوالے کردیا اور شجرۃ الدر کو گرفتار کرلیا گیا، اس طرح وہ دارالسلطنت سے برجِ احمر میں قید ہوگئی، اس دوران مملکت کا حاکم منصور کو بنادیا

گیا، جو ملک معزالدین (ان کو عزالدین اور معزالدین دونوں کہا گیا ہے) کا بیٹا تھا۔

اِدھر معزالدین ایبک کے اقربا اور عوام کی طرف سے یہ مطالبات ہوئے کہ شجرۃ الدر اور قاتلینِ معز کو قتل کردیا جائے اور ان سے قصاص لیا جائے، لیکن چونکہ شجرہ صالحی خاندان کی ایک فرد تھی، اس وجہ سے صالحی خاندان (جو پہلے ملکِ مصر پر حاکم رہا) نے شجرۃ الدر کی حمایت کی اور اس کو قتل کرنے سے روکا اور ان مخالف اُمراء سے قسم لی کہ شجرہ سے کوئی تعرض نہ کریں گے، لیکن یہ حمایت زیادہ بارآور ثابت نہ ہوئی، اور ہفتہ کے روز ۱۱ ربیع الثانی کو شجرۃ الدر کو قلعے کے باہر مقتول پایا گیا۔ قتل سے قبل شجرہ نے اپنے سب مال ومتاع اور قیمتی جواہر کو اس خوف سے جلادیا کہ ملک منصور بن معز اور اس کی ماں اس پر قابض نہ ہوجائے، کیونکہ اسے ان دونوں سے نفرت تھی۔

شجرۃ الدر کو اسی مقبرے میں دفن کیا گیا جو اس نے اپنے عہدِ حکومت میں اپنے لئے بنوایا تھا، اور یہ مقبرہ مصر (قاہرہ) میں سیّدہ نفیسہ (جو حضرت اِمام حسنؓ کی پوتی یا پڑپوتی ہیں) کے مقبرے کے قرب میں واقع ہے۔

(تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو: **اعلام النساء** ج:۲ ص:۲۸۶۔ **مرأة الجنان للیافعی** ج:۴ ص:۱۲۷۔ **فوات الوفیات لِابن شاکر الکتبی** ج:۱ ص:۲۶۴)۔

اس واقعے سے واضح ہے کہ:

۱:... شجرۃ الدر سازش کے ذریعے مرحوم بادشاہ کے بیٹے کو قتل کرکے ناجائز طور پر برسرِ اِقتدار آئی۔

۲:... خلیفۂ وقت نے ''عورت کی سربراہی'' پر شدید اِعتراض کیا اور حدیثِ نبوی کے حوالے سے انہیں اس ناجائز اِقدام سے باز آجانے کی تاکید کی۔

۳:... خلیفۂ وقت کے دلائل اس قدر مضبوط تھے کہ خود شجرۃ الدر کو بھی استعفیٰ دینا پڑا۔

۴:... بالآخر اس نے اپنے سپہ سالار کو سلطنت سونپ کر بادشاہ کے بجائے بادشاہ کی بیوی بننے کو ترجیح دی اور بعد میں اسے بھی قتل کردیا، جس کے نتیجے میں خود بھی قتل ہوئی۔

کیا واقعے کی ان تفصیلات کے بعد کوئی بھی ہوش مند شخص اس واقعے سے قرآن وسنت کے صریح اَحکام کے خلاف ''عورت کو سربراہ'' بنانے کے جواز پر اِستدلال کرسکتا ہے...؟

ونعوذ بالله من الحور بعد الكور ومن إمارة السفهاء والنساء والغلمان!

وصلى الله تعالىٰ علىٰ خير خلقه سيدنا محمد النبي الأُمّيّ

وآله وصحبه وأتباعه وبارك وسلم

عورت کی سربراہی... جناب کوثر نیازی کے جواب میں

سوال:... بکرم ومحترم جناب حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانوی صاحب مدظلہ العالی۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

ناچیز نے آپ کا رسالہ ''عورت کی سربراہی'' پڑھا تھا، جس سے اس موضوع سے متعلق خلجان دُور ہوگیا تھا، لیکن آج کے

''جنگ'' اخبار مؤرخہ ۲۵ر اکتوبر ۱۹۹۳ء میں مولانا کوثر نیازی صاحب نے اس موضوع پر ایک مضمون لکھا ہے، جس کو پڑھ کر پھر کچھ پریشانی لاحق ہے۔ مولانا کوثر نیازی نے جو مثالیں عورتوں کی سربراہی کی رضیہ سلطانہ، چاند بی بی اور شجرۃ الدر کی دی ہیں، وہ بے چاری عورتیں بہت ناکام اور مختصر عرصے کے لئے سربراہ رہیں۔ ان کی رقابتیں اور اخلاقی کمزوریاں، تاریخ دانوں کے لئے بہت اندوہ گیں ہیں۔ شیکسپیئر کا قول ان پر صادق آتا ہے:

"Frailty! Thy Name is Woman"

''کمزوری! تیرا نام عورت ہے۔'' تینوں بُری طرح قتل ہوئیں۔ مولانا کوثر نیازی کی زیادہ تر مثالیں اہلِ کفر کی ملکاؤں کی ہیں جن کی مسلمان معاشرے پر تطبیق دُرست نہیں، اہلِ علم حضرات تو چاہے ان کا تعلق علمِ دِین سے ہو، چاہے ان کا مطالعہ و مشاہدہ سیکڑوں ممالک کی ہزاروں سال کی تاریخ پر محیط ہو، مولانا کوثر نیازی کی مثالوں کو چندان گنی چنی دُور اَز کار مستثنیات کا درجہ دیں گے، لیکن ہمارے عام مسلمان، موصوف کی شرح تفسیر و حدیث سے ضرور شبہات کا شکار ہوسکتے ہیں۔ اس لئے آنجناب کا عوام الناس پر بڑا اِحسان ہوگا، اگر آپ مولانا کوثر نیازی صاحب کے فقہی اِرشادات کی تصحیح فرمادیں، جزاکم اللہ احسن الجزاء!

ڈاکٹر شہیر الدین علوی، کراچی۔

جواب:... اس مضمون کا مختصر جواب روزنامہ ''جنگ'' کراچی (۶ر نومبر ۱۹۹۳ء) میں لکھ چکا ہوں، مفصل جواب حسبِ ذیل ہے:

اس مسئلے کے اہم ترین پہلو، یہ ناکارہ اپنے رسالے ''عورت کی سربراہی'' میں لکھ چکا ہے، اس کا مطالعہ غور و تدبر کے ساتھ ایک بار پھر کرلیجئے۔ ان شاء اللہ شکوک و شبہات کا بھوت کبھی قریب نہیں پھٹکے گا، اور ہمیشہ کے لئے اس ''آسیب'' سے نجات مل جائے گی۔ تاہم آنجناب کے خط کے حوالے سے مولانا کوثر نیازی کے مضمون پر گفتگو کرنے سے پہلے چند اُمور کا بطور ''اُصولِ موضوعہ'' ذہن نشین رکھنا ضروری ہے:

پہلا اُصول:... جوں جوں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے سے بُعد ہو رہا ہے اور قربِ قیامت کا دور قریب آرہا ہے، اسی رفتار سے فتنوں کی بارش تیز سے تیز تر ہو رہی ہے، ان فتنوں کے طوفان بلاخیز میں سفینۂ نجات بس ایک ہی چیز ہے، اور وہ یہ کہ سلفِ صالحین کی تشریحات کے مطابق کتاب و سنت کا دامن مضبوطی سے تھام لیا جائے اور اس بارے میں ایسی اُولوالعزمی اور اِیمان کی پختگی کا مظاہرہ کیا جائے کہ فتنوں کی ہزاروں آندھیاں بھی ہمارے اِیمان و یقین کو متزلزل نہ کرسکیں، اور کتاب و سنت اور سلفِ صالحین کا دامن ہمارے ہاتھ سے چھوٹنے نہ پائے، ''علیکم بدین العجائز!''

دُوسرا اُصول:... تمام فقہائے اُمت جو کتاب و سنت کے فہم میں حجت اور سند کا درجہ رکھتے ہیں، اس پر متفق ہیں کہ کسی خاتونِ خانہ کو سربراہِ مملکت بنانا حرام ہے، کیونکہ شرعاً وہ جس طرح نماز کی اِمامت کی صلاحیت نہیں رکھتی، جس کو ''اِمامتِ صغریٰ'' (چھوٹی اِمامت) کہا جاتا ہے، اسی طرح وہ ''اِمامتِ کبریٰ'' یعنی ''ملک کی سربراہی'' کی صلاحیت بھی نہیں رکھتی، اگر کوئی مرد، عورت کی اِقتدا میں نماز اَدا کرے تو اس کی نماز نہیں ہوگی۔ اسی طرح اگر عورت کو حاکمِ اعلیٰ بنادیا جائے تو شرعاً اس کی حکومت لائقِ تسلیم نہیں

ہوگی۔ اس سلسلے میں اس ناکارہ نے اپنے رسالے ''عورت کی سربراہی'' میں اکابرِ اُمت کے جو حوالے نقل کئے ہیں، ان کو ایک بار پھر ملاحظہ فرمالیجئے۔

تیسرا اُصول:...آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان واجب الاذعان برحق ہے کہ: ''وہ قوم ہرگز فلاح کو نہیں پہنچے گی جس نے زمامِ حکومت عورت کے سپرد کردی۔'' اس حدیث شریف کو تمام فقہائے اُمت اور اکابرِ ملت نے قبول کیا ہے، امامت وقضا کے مسائل میں اس سے اِستناد کیا ہے اور اسی پر اپنے اِجماع واتفاق کی بنیاد رکھی ہے۔ اور اُصول یہ ہے کہ جس حدیث کو تمام فقہائے اُمت نے قبول کرلیا ہو، اور جس پر اِجماعِ اُمت کی مہر ثبت ہو وہ حجتِ قاطعہ بن جاتی ہے اور ایسی حدیث کو ''حدیثِ متواتر'' کا درجہ حاصل ہوجاتا ہے۔ امام ابوبکر جصاص رازی ''اَحکام القرآن'' ج:۱ ص:۳۸۶ میں لکھتے ہیں:

"لأن ما تلقاء الناس بالقبول من اخبار الآحاد فهو عندنا في معنى المتواتر"

''جس خبرِ واحد کو تمام لوگوں نے قبول کرلیا ہو وہ ہمارے نزدیک متواتر کے حکم میں ہے، جس کی وجہ ہم کئی جگہ بیان کرچکے ہیں۔''

پس ایسی حدیث جو سب کے نزدیک مسلّم الثبوت ہو اس کے اِنکار کی کوئی گنجائش نہیں رہ جاتی، اور نہ اُمت کے مسلّم الثبوت مفہوم کو بدلنے کی۔

چوتھا اُصول:...دِینی مسائل میں اِجماعِ اُمت مستقل حجتِ شرعیہ ہے، خواہ ''سندِ اِجماع'' (یعنی قرآن وحدیث سے اس اِجماعی مسئلے کا ثبوت) ہمیں معلوم نہ ہو، کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اُمت گمراہی پر جمع نہیں ہوسکتی، پس اِجماعی مسائل ''سبیل المؤمنین'' ہیں اور مسلمانوں کا راستہ چھوڑ کر دُوسرا راستہ اپنانے کی کسی کے لئے گنجائش نہیں، حق تعالیٰ شانہٗ کا اِرشاد ہے:

"وَمَنْ يُّشَاقِقِ الرَّسُوْلَ مِنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدٰى وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيْلِ الْمُؤْمِنِيْنَ نُوَلِّهٖ مَا تَوَلّٰى وَنُصْلِهٖ جَهَنَّمَ وَسَآءَتْ مَصِيْرًا" (النساء:۱۱۵)

''اور جو شخص رسول کی مخالفت کرے گا بعد اس کے کہ اس کو اَمرِ حق ظاہر ہوچکا تھا، اور مسلمانوں کا راستہ چھوڑ کر دُوسرے راستے پر ہولیا تو ہم اس کو جو کچھ وہ کرتا ہے کرنے دیں گے اور اس کو جہنم میں داخل کریں گے اور وہ بُری جگہ ہے جانے کی۔''

پس جو شخص اِجماعِ اُمت کے خلاف کوئی نظریہ پیش کرے، اس کا نظریہ لائقِ اِلتفات نہیں، ہر شخص کو ایسے نظریات سے پناہ مانگنی چاہئے جن کا نتیجہ دُنیا میں اہلِ اِیمان کے راستے سے اِنحراف اور آخرت میں جہنم ہو۔

پانچواں اُصول:...دلائلِ شرع، جن سے شرعی مسائل کا ثبوت پیش کیا جائے، چار ہیں:

۱:...کتاب اللہ۔

۲:...سنتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔

۳:...اِجماعِ اُمت۔

۴:...ائمہ مجتہدین کا اِجتہاد و اِستنباط۔

ان چار چیزوں کو چھوڑ کر کسی اور چیز سے شرعی مسائل پر اِستدلال کرنا صحیح نہیں۔

چھٹا اُصول:...اللہ تعالیٰ نے دِینِ قیم کی حفاظت کا وعدہ فرمایا ہے، اور وعدۂ خداوندی کے مطابق یہ دِین اُصولاً وفروعاً ...الحمدللہ... آج تک محفوظ ہے اور اِن شاء اللہ قیامت تک محفوظ رہے گا۔ مختلف ادوار میں "ابوالفضل" اور "فیضی" جیسے لوگوں نے دِین کے مسلّمہ مسائل میں نئی راہیں نکالنے کی کوشش کی، لیکن الحمدللہ! ان کی کوششیں ناکام ہوئیں ورنہ آج تک یہ دِین مسخ ہوچکا ہوتا، جس طرح پہلی قوموں نے اپنے دِین کو مسخ کرلیا تھا۔ آج بھی جو لوگ دِین کے مسلّمہ اِجماعی مسائل کو بدلنا چاہتے ہیں، اطمینان رکھیے کہ ان کی کوششیں بھی ناکامی سے ہمکنار ہوں گی اور اللہ کا دِین اِن شاء اللہ جوں کا توں محفوظ رہے گا۔

ساتواں اُصول:...مؤمن کا کام یہ ہے کہ اگر وہ گناہ سے نہ بچ سکتا ہو تو وہ کم سے کم گناہ کو گناہ تو سمجھے، اور اگر کسی بُرائی کے خلاف جہاد نہ کرسکتا ہو تو دِل سے بُرائی کو بُرائی ہی جانے، یہ اِیمان کا کم سے کم درجہ ہے، کسی گناہ کو گناہ ہی نہ سمجھنا اور کسی بُرائی کو بُرائی سمجھنے کے بجائے اس کو بھلائی ثابت کرنے کی کوشش کرنا تقاضائے اِیمان کے خلاف ہے، اور یہ بڑی خطرناک حالت ہے۔

آٹھواں اُصول:...جو شخص کسی غلطی میں مبتلا ہو اس کا منشا کبھی تو ناواقفی اور غلط فہمی ہوتی ہے اور کبھی اس کا منشا "جہلِ مرکب" ہوتا ہے کہ آدمی کسی بات کو ٹھیک سے نہ سمجھتا ہو، مگر اس خوش فہمی میں مبتلا ہو کہ وہ اس مسئلے کو سمجھتا ہے، دُوسرے نہیں سمجھتے، ان دونوں حالتوں میں چند وجہ سے فرق ہے:

اوّل:...یہ کہ ناواقف آدمی حقیقت کی تلاش و جستجو میں رہتا ہے، اور جو شخص "جہلِ مرکب" میں مبتلا ہو، وہ باطل کو حق سمجھ کر، حق کی تلاش سے بے نیاز ہوجاتا ہے۔

دوم:...یہ کہ ناواقف آدمی کو اگر صحیح مسئلہ بتادیا جائے تو بصد شکر یہ اس کو قبول کرلیتا ہے، لیکن "جہلِ مرکب" کا مریض چونکہ اپنے قلب میں قبولِ حق کی اِستعداد و صلاحیت نہیں رکھتا، اس لئے وہ اپنی غلطی پر متنبہ پر اپنی اِصلاح کی بجائے غلطی کی نشاندہی کرنے والوں پر خفا ہوتا ہے۔

سوم:..."جہلِ بسیط" یعنی ناواقفی کا علاج ہے، اور وہ ہے اہلِ علم سے رُجوع کرنا اور ان سے صحیح مسئلہ معلوم کرلینا، جیسا کہ قرآنِ کریم میں ہے:

"فَاسْئَلُوْٓا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ" (النحل:۴۳)

"سو پوچھ لو اہلِ علم سے، اگر تم کو علم نہیں۔"

اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک موقع پر ارشاد فرمایا تھا:

"ألا سألوا إذ لم يعلموا، فإنما شفاء العي السؤال!" (ابوداؤد ج:۱ ص:۴۹)

ترجمہ:..."جب ان کو علم نہیں تھا تو انہوں نے کسی سے پوچھا کیوں نہیں؟ کیونکہ مرضِ جہل کا علاج تو پوچھنا ہے۔"

لیکن ''جہلِ مرکب'' ایک لاعلاج بیماری ہے، اس کا علاج نہ لقمان حکیم کے پاس ہے، نہ سقراط و بقراط کے پاس، دُنیا بھر کے علماء و فضلاء، غوث و قطب اور نبی و ولی اس کے علاج سے عاجز ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ناواقفی و لاعلمی کا منشا غفلت ہے، سوتے کو جگا دینا اور بے علم کو آگاہ کردینا ممکن ہے، جبکہ ''جہلِ مرکب'' کا منشا کبر ہے، جو شخص ''جہلِ مرکب'' میں مبتلا ہو، اس کو ''انا ولا غیری'' کا عارضہ لاحق ہوجاتا ہے، وہ اپنے کو عقلِ کل سمجھتا ہے اور اپنی رائے کے مقابلے میں دُنیا بھر کے علماء و عقلاء کو ہیچ سمجھتا ہے، ایسے شخص کو کس دلیل اور کس منطق سے سمجھایا جائے؟ اور کس تدبیر سے اسے حق کی طرف واپس لایا جائے...؟

''صحیح مسلم'' وغیرہ کی حدیث میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ:

''عن ابن مسعود قال: قال رسول الله صلی الله علیه وسلم: لا یدخل الجنة من کان فی قلبه مثقال ذرة من کبر! فقال رجل: ان الرجل یحب ان یکون ثوبه حسنًا ونعله حسنًا! قال: ان الله تعالیٰ جمیل یحب الجمال، الکبر بطر الحق وغمط الناس۔ رواه مسلم۔''

(مشکوٰۃ شریف ص:۴۳۳)

ترجمہ:...''ایسا شخص جنت میں داخل نہیں ہوگا جس کے دِل میں رائی کے دانے کے برابر کبر ہو۔ عرض کیا گیا کہ: یا رسول اللہ! ایک شخص چاہتا ہے کہ اس کا لباس اچھا ہو، اس کا جوتا اچھا ہو، کیا یہ بھی کبر ہے؟ فرمایا: نہیں! یہ تو جمال ہے، اللہ تعالیٰ خود صاحبِ جمال ہیں اور جمال کو پسند فرماتے ہیں، کبر یہ ہے کہ آدمی حق بات کو قبول کرنے سے سرکشی کرے اور دُوسروں کو نظرِ حقارت سے دیکھے۔''

الغرض آدمی کا کسی شرعی مسئلے میں ناواقفی کی بنا پر چوک جانا کوئی عار کی بات نہیں، بشرطیکہ یہ جذبہ دِل میں موجود ہو کہ صحیح مسئلہ اس کے سامنے آئے تو اسے فوراً مان لے گا اور اس کے قبول کرنے سے عار نہیں کرے گا، اور جو شخص حق کھل جانے کے باوجود اس کے قبول کرنے سے عار کرتا ہے وہ ''جہلِ مرکب'' میں مبتلا ہے اور اس کی بیماری لاعلاج ہے، اللہ تعالیٰ ہر مؤمن کو اس سے پناہ میں رکھیں۔

ان اُصولِ موضوعہ کے بعد گزارش ہے کہ مولانا کوثر نیازی کو مسئلے کی صحیح نوعیت کے سمجھنے میں بہت سی غلط فہمیاں ہوئی ہیں اور موصوف نے مذکورہ بالا اُصولِ موضوعہ کی روشنی میں مسئلے پر غور نہیں فرمایا، اور نہ مسئلے کے مالہٗ و ماعلیہ پر طائرانہ نظر ڈالنے کی زحمت گوارا فرمائی۔ اگر موصوف نے سلامتیٔ فکر کے ساتھ اس مسئلے کی گہرائی میں اُتر کر اس پر غور و فکر کیا ہوتا تو مجھے توقع تھی کہ ان کو غلط فہمیاں نہ ہوتیں۔

اس ناکارہ کا منصب نہیں کہ ان کی خدمت میں کچھ عرض کرنے کی گستاخی کرے، اور ان کی بارگاہِ عالی میں شنوائی ہو، کیونکہ وہ آشیانِ اِقتدار کے مکین، وزیرِاعظم کے مشیر و ہم نشین اور صاحبِ سخن ہائے دِل نشین ہیں، اور اِدھر یہ ناکارہ فقیرِ بے نوا، زاویۂ خمول کا گدا اور صاحبِ نالہ ہائے نارسا ہے:

کب وہ سنتا ہے کہانی میری؟
اور پھر وہ بھی زبانی میری!

لیکن بزرگوں کا اِرشاد ہے کہ:

گاہ باشد کہ کودک ناداں

بہ غلط بر ہدف زند تیرے

اس لئے اپنے فہمِ نارسا کے مطابق کچھ عرض کرتا ہوں کہ صاحبِ موصوف کی بارگاہ میں شرفِ قبول پائے تو زہے سعادت! ورنہ:

حافظ وظیفۂ تو دُعا گفتن است و بس

در بند آں مباش کہ نشنید یا شنید

بہرحال مولانا موصوف کو مسئلے کی صحیح نوعیت کے سمجھنے میں جو مغالطے ہوئے یہ ناکارہ ان کو ایک ایک کر کے ذکر کرتا ہے، اور نتائج کا فیصلہ خود ان کے فہمِ انصاف پر اور اگر وہ دادِ انصاف نہ دیں تو اللہ تعالیٰ کی عدالت پر چھوڑتا ہے۔

مولانا موصوف اپنے مضمون کی تمہید اُٹھاتے ہوئے لکھتے ہیں:

''۱۹۶۴ء میں صدر اَیوب خان اور محترمہ فاطمہ جناح کے درمیان صدارتی اِنتخاب کا معرکہ برپا ہوا تو صدر اَیوب کے حامی بہت سے علمائے کرام نے یہ فتویٰ جاری کیا کہ عورت کا صدرِ مملکت بننا حرام ہے، اس لئے محترمہ فاطمہ جناح کو ووٹ دینا جائز نہیں، اس پر میں نے جامع مسجد شاہ عالم مارکیٹ لاہور میں خطبہ دیتے ہوئے اس موضوع پر سیر حاصل بحث کی، جو بعد میں ہفت روزہ ''شہاب'' لاہور میں شائع ہونے کے علاوہ ایک کتابچے کی صورت میں بھی چھاپ دی گئی تھی، بعد میں پشتو اور سندھی زبانوں میں بھی اس کے ترجمے ہوئے اور یہ کتابچہ لاکھوں کی تعداد میں ملک بھر میں پھیل گیا، میں نے اپنے اس خطبے میں قرآن وحدیث اور تاریخ کے حوالوں سے علمائے کرام کے مذکورہ بالا فتوے کی ''مدلل تردید'' کی تھی۔''

یہاں موصوف کو چند در چند غلط فہمیاں ہوئی ہیں:

پہلا مغالطہ:... موصوف نے یہ سمجھا کہ علمائے کرام کا یہ فتویٰ کہ ''عورت کی سربراہی حرام ہے'' ایوب خان کی حمایت میں جاری کیا گیا اور اس کا مقصد اَیوب خان کے اِقتدار کی حمایت و پاسبانی ہے۔ ممکن ہے موصوف کو ایسے علمائے سوء سے سابقہ پڑا ہو جن کا مقصد محض ایوب خان کے اِقتدار کو سہارا دینا ہو، مگر میں حلفاً شہادت دے سکتا ہوں کہ اِقتدار کی پاسبانی کے لئے فتوے جاری کرنا علمائے ربانی کا شیوہ کبھی نہیں رہا۔ اِقتدار خواہ ایوب خان کا ہو یا کسی اور کا، ان علمائے حقانی و علمائے ربانی کی نظر میں وقعت نہیں رکھتا، اس کی پاسبانی کا کیا سوال؟ اور اس کے لئے فتوے جاری کرنے کے کیا معنی؟ محض حمایتِ اِقتدار کے لئے وقتی مصلحت کے فتوے جاری کرنا نام نہاد علمائے سوء کا کردار تو ہوسکتا ہے، علمائے ربانی کا دامن اس تہمت سے یکسر پاک ہے، الحمدللہ! آج بھی ایسے خداپرست علمائے حقانی موجود ہیں جن کے نزدیک پاکستان کی حکومت تو کیا؟ امریکا کی حکومت و سلطنت بھی مردہ گدھے کی لاش کے برابر قدر و قیمت نہیں رکھتی۔ اِقتدار کے بارے میں علمائے حقانی کا ذوق وہ ہے، جس کی ترجمانی حضرت پیرانِ پیر (قدس سرہٗ) نے فرمائی کہ:

ما ملک نیم روز را بیک جو نمی خریم

اور جو خاقانیؒ نے فرمایا کہ:

پس از سی سال ایں معنی محقق شد بہ خاقانی

کہ یک دم باخدا بودن بہ از ملک سلیمانی

اس ناکارہ کو ذاتی طور پر ایسے علمائے حقانی کا علم ہے جو اَیوب خان کے دُشمن تھے اور اس کے لئے اوقاتِ قبولیت میں بددُعائیں کرتے تھے، کیونکہ اس نے دِین کے صریح مسائل میں تحریفات کیں اور ''مسلمانوں کا عائلی قانون'' کے نام سے ایسے قوانین ملک پر مسلط کئے جو کتاب وسنت کے خلاف ہیں، اور ان تحریفات کا وبال آج بھی اس کی قبر میں پہنچ رہا ہے۔ الغرض علمائے حقانی ایوب خان کی تحریفات کی وجہ سے اس کے شدید ترین مخالف تھے، اس کے باوجود ۱۹۶۴ء کے صدارتی اِنتخاب میں ان کا فتویٰ بھی یہی تھا کہ: ''اسلام میں عورت کی سربراہی حرام ہے اور ایسا کرنے والے گناہگار ہیں۔'' اگر اس وقت کی حزبِ اِختلاف نے عقل سے کام لیا ہوتا اور مس فاطمہ جناح کی جگہ کسی مرد کو اَیوب خان کے مقابلے میں نامزد کیا ہوتا تو ان علمائے حقانی کی حمایت کا سارا وزن اس کے پلڑے میں ہوتا۔ الغرض علمائے حقانی پر اَیوب خان کی حمایت میں فتوے جاری کرنے کی تہمت بے جا ہے، مگر مولانا کوثر نیازی کو اس معاملے میں معذور سمجھنا چاہئے، اس لئے کہ انہیں سابقہ ایسے ہی علماء سے پڑا ہوگا۔

علاوہ ازیں ہر آدمی اپنی ذہنی سطح کے مطابق سوچتا ہے اور اپنے ذہنی تصوّرات وخیالات کے آئینے میں دُوسروں کے چہرے کا عکس دیکھنے کا عادی ہے۔ مجھے بیرونِ ملک سے ایک صاحب نے (ایک فرقے کے خلاف مضمون کے بارے میں) لکھا کہ: ''یہ سب کچھ ان امریکی ڈالروں کا نتیجہ ہے، جو سعودی تھیلوں میں آپ کو مل رہے ہیں۔'' اس ناکارہ نے ان کو جواب دیا کہ آپ اپنی ذہنی سطح کے مطابق صحیح فرماتے ہیں، آج کے دور میں یہ بات کس کے ذہن میں آسکتی ہے کہ کوئی شخص متاعِ دُنیا کی طمع کے بغیر محض رضائے اِلٰہی کے لئے بھی شرعی مسئلے لکھ سکتا ہے...؟

دُوسرا مغالطہ:... مولانا کوثر نیازی کو دُوسری غلط فہمی یہ ہوئی کہ وہ جس طرح قرآن وحدیث میں اِجتہاد فرماکر ''عورت کی سربراہی'' کو جائز قرار دے رہے ہیں، علمائے کرام بھی شاید اپنے اِجتہاد ہی کی بنا پر یہ فتویٰ جاری کر رہے ہوں گے۔ حالانکہ علمائے کرام اپنی رائے سے فتویٰ نہیں دے رہے تھے، بلکہ وہ اَئمہ متبوعین کے فتویٰ کو نقل کر رہے تھے، اور انہوں نے اَئمہ مجتہدین کے مذاہب کا حوالہ دیا تھا۔ مولانا موصوف کو اگر اپنے مخالف کا حوالہ دینا تھا تو وہ علمائے کرام نہیں تھے بلکہ اَئمہ اِجتہاد... اِمام ابوحنیفہؒ، اِمام شافعیؒ، اِمام مالکؒ، اِمام احمد بن حنبلؒ اور دیگر اَئمہ دِین تھے، موصوف کا اپنے موقف کی مخالفت میں علمائے کرام کا حوالہ دینا یقیناً غلطی شمار ہوگی۔

تیسرا مغالطہ:... اُوپر اُصولِ موضوعہ میں بتاچکا ہوں کہ تمام اَئمہ مجتہدین کا متفقہ فیصلہ ہے کہ عورت کی حکمرانی باطل اور حرام ہے، اور اس کو حکمران بنانے والے گناہگار ہیں۔ مولانا کوثر نیازی جانتے ہیں کہ یہ اَئمہ مجتہدین کون ہیں؟ اِمام رازیؒ، امام غزالیؒ، امامِ ربانی مجدد الفِ ثانیؒ اور اِمام الہند شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ جیسے جبالِ علم کی گردنیں جن کے آگے خم ہیں، قطب الارشاد والتکوین محبوب

سبحانی شاہ عبدالقادر جیلانی، شیخ شہاب الدین سہروردی، قطب الاقطاب خواجہ معین الدین چشتی اور خواجۂ خواجگان بہاء الدین نقشبند، خواجہ علی ہجویری گنج بخش، بابا فریدالدین گنج شکر وغیرہ وغیرہ لاکھوں اولیاء اللہ... قدس اللہ اسرارہم... جن کے مقتدی ہیں، حافظ الدنیا ابن حجر عسقلانی، شیخ الاسلام ابنِ تیمیہ، ابنِ قیم اور شیخ جلال الدین سیوطیؒ جیسے اساطینِ اُمت اور حفاظِ حدیث جن کے مقلد ہیں، ہاں! یہ وہی ائمۂ مجتہدین ہیں کہ جن کے سامنے بعد کی صدیوں کے بڑے بڑے ائمۂ دین، محدثین، مفسرین اور مجدّدین (امامِ ربانی مجدد الف ثانیؒ کے الفاظ میں) ''در رنگِ طفلاں'' نظر آتے ہیں، آج مولانا کوثر نیازی خطبۂ جمعہ میں ان ائمۂ مجتہدین کی ''مدلل تردید'' کرنے چلے ہیں، اور وہ بھی قرآن وحدیث کے حوالے سے...!

بسوخت عقل زحیرت کہ ایں چہ بوالعجبی ست

دراصل مولانا کوثر نیازی کو اپنے مرتبہ ومقام کے بارے میں غلط فہمی ہوئی، انہوں نے خیال کیا ہوگا کہ آج ان سے بڑا مجتہدِ اعظم کون ہوگا؟ اسی غلط فہمی نے ان سے یہ گستاخانہ الفاظ کہلائے کہ انہوں نے ''مذکورہ بالا فتوے کی مدلل تردید کی'' اگر اللہ تعالیٰ نے موصوف کو ''نظرِ مردم شناس'' سے نوازا ہوتا، اگر انہیں ان اکابرِ اُمت اور حافظانِ دین وشریعت کے مرتبے سے آگاہی نصیب ہوتی، اور اگر ان اکابر ائمہ کے مقابلے میں موصوف کو اپنے علم وفہم کا حدودِ اربعہ معلوم ہوتا تو انہیں ان اکابر کے سامنے اپنا قد وقامت ہیچ سے ہیچ تر اور مورِ ناتوان سے بھی فروتر نظر آتا:

بھرم کھل جائے تیرے قامت کی درازی کا
اگر اس طرۂ پُر پیچ وخم کا پیچ وخم نکلے!

بزرگوں کی نصیحت ہے کہ آدمی کو اپنی چادر دیکھ کر پاؤں پھیلانے چاہئیں، اور دُنیا کا سب سے بڑا عقل مند وہ شخص ہے جو اِنسانوں کے درجات کی مرتبہ شناسی سے محروم نہ ہو۔ اس ناکارہ کو مولانا کوثر نیازی کے مقام ومرتبہ کی بلندی سے اِنکار نہیں، وہ مجھ ایسے نالائق گناہگاروں سے ہزار درجہ اچھے ہوں گے، گفتگو اس میں ہے کہ ائمۂ دین کے مقابلے میں مولانا کوثر نیازی کون ہوتے ہیں جو ان اکابر کے منہ کو آئیں اور بقول خود: ''ان اکابر کے فتوے کی مدلل تردید'' کرنے بیٹھ جائیں؟ کیا مولانا کو اس وقت کسی نے یہ مشورہ نہیں دیا کہ: ''ایاز! قدرِ خویش بشناس!''

چوتھا مغالطہ:... ''عورت کی سربراہی باطل اور حرام ہے'' اگر یہ مسئلہ ائمۂ مجتہدینؒ کے درمیان مختلف فیہ ہوتا، مثلاً امام ابوحنیفہؒ کا قول یہ ہوتا کہ ''عورت کی سربراہی جائز نہیں'' اور اِمام شافعیؒ کا اِرشاد یہ ہوتا کہ: ''جائز ہے'' اور مولانا کوثر نیازی نے اپنے اِمام کے قول کو چھوڑ کر دُوسرے اِمام کا قول لے لیا ہوتا تو اگرچہ اُصولی طور پر یہ بھی غلط ہوتا، (اس کی تفصیل کا یہ موقع نہیں) تاہم ایسی صورت میں ہم مسامحت (چشم پوشی) سے کام لیتے، اور یوں سمجھ لیتے کہ اِمام ابوحنیفہؒ کے جلیل القدر شاگردوں اِمام ابویوسفؒ اور اِمام محمد بن حسن شیبانیؒ کی طرح ہمارے مولانا کوثر نیازی بھی مجتہدِ مطلق کے منصب پر فائز ہیں، جس طرح ان دونوں بزرگوں کو اپنے اُستاذِ محترم کا قول چھوڑ کر دُوسروں کے اقوال پر فتویٰ دینے کا حق ہے، ہمارے مجتہدِ مطلق اِمام کوثر نیازی کو بھی حق حاصل ہونا چاہئے۔ لیکن مشکل تو یہ ہے کہ یہ مسئلہ ائمۂ مجتہدینؒ کے درمیان مختلف فیہ ہی نہیں، بلکہ... جیسا کہ اُصولِ موضوعہ میں عرض کرچکا ہوں... یہ مسئلہ تمام ائمۂ مجتہدینؒ

کے درمیان متفق علیہ ہے کہ ”عورت کی سربراہی باطل اور حرام ہے“ اور صدرِ اوّل سے آج تک کے اکابر علمائے اُمت کا اس پر اِجماع مسلسل چلا آرہا ہے، ایسے مسئلے میں اِختلاف کرنے والا تو ”سبیل المؤمنین“ سے منحرف ہے، کیا مولانا کوثر نیازی کی اس نکتے پر نظر نہیں گئی کہ وہ اس مسئلے کی ”مدلل تردید“ کرکے درحقیقت ”اِجماعِ اُمت“ کی آہنی دیوار سے ٹکرا رہے ہیں؟ کسی دینی مسئلے پر غور کرنے والے کا پہلا فرض یہ ہے کہ وہ اس مسئلے میں سلف صالحین کی رائے معلوم کرے، اور یہ دیکھے کہ یہ مسئلہ اِجتہادی ہے یا اِجماعی؟ اگر اِجماعی ہے تو ہمیں اس کے تسلیم کئے بغیر چارہ نہیں، اور ہمیں اس پر رائے زنی اور قیاس آرائی کی اجازت نہیں۔ کسی اِجماعی مسئلے کو غلط قرار دینا اور بزعمِ خود اس کی ”مدلل تردید“ کے لئے کھڑے ہوجانا گویا پوری اُمتِ اِسلامیہ کی تکذیب ہے، اور جو شخص اُمتِ اِسلامیہ پر بداعتمادی کرتے ہوئے اِسلام کے متواتر اِجماعی مسائل کو بھی غلط سمجھتا ہو، اس کے نزدیک گویا پورے کا پورا دینِ اسلام مشکوک ہے، اسے نہ قرآنِ کریم پر صحیح اِیمان نصیب ہوسکتا ہے، نہ نماز روزہ وغیرہ ارکانِ اِسلام پر۔ اس لئے کہ اگر یہ فرض کرلیا جائے کہ اُمتِ اسلامیہ... نعوذ باللہ!... ایک غلط اور باطل مسئلے پر متفق ہوسکتی ہے تو دین کے باقی مسائل پر یقین و اِیمان کس طرح حاصل ہوسکتا ہے...؟

پانچواں مغالطہ:... ایک اِجماعی مسئلے کی ”مدلل تردید“ کرتے ہوئے غالباً مولانا کوثر نیازی کو یہ غلط فہمی ہوئی کہ قرآن وحدیث، جو چودہ صدیوں سے کہیں خلا میں گھوم رہے تھے، پہلی مرتبہ ان کے ہاتھ لگے ہیں، چودہ صدیوں کے ائمہٴ دین، مجدّدین اور اکابرِ اُمت کو شاید ان کی کبھی زیارت بھی نصیب نہیں ہوئی، غور و تدبر کے ساتھ ان کے مطالعے کا موقع انہیں کہاں سے نصیب ہوتا؟ یا موصوف کو یہ غلط فہمی ہوئی کہ پہلے کے علماء و صلحاء کے سامنے قرآن وحدیث تو موجود تھے، مگر وہ سب کے سب ان کے فہم و ادراک سے قاصر رہے، پہلی مرتبہ مولانا موصوف کو قرآن وحدیث کے صحیح فہم کی توفیق ہوئی، اس لئے انہوں نے قرآن وحدیث کے حوالے سے علمائے کرام کی ”مدلل تردید“ کرڈالی۔ کیا یہ بوالعجبی نہیں کہ مجھ ایسا ایک شخص جس کا علم و فہم، جس کی دیانت وتقویٰ اور جس کی صورت وسیرت تک غیرمعیاری ہے، وہ قرآن وحدیث کے حوالے سے تمام اکابرِ اُمت کی تجہیل و تحمیق کرنے لگے؟ نعوذ باللہ!

چھٹا مغالطہ:... اُوپر اُصولِ موضوعہ میں بتاچکا ہوں کہ دلائلِ شرع چار ہیں، کتاب اللہ، سنتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، اِجماعِ اُمت اور ائمہٴ مجتہدینؒ کا قیاس و اِستنباط، لیکن مولانا کوثر نیازی نے اِجماعِ اُمت اور ائمہٴ مجتہدینؒ کے اقوال کی طرف تو اِلتفات نہیں فرمایا، البتہ ان کی جگہ ایک نئی دلیلِ شرعی کا اِضافہ فرماتے ہیں اور وہ ہے ”تاریخ“۔ یہ بات زندگی میں پہلی مرتبہ مولانا نیازی کی تحریر سے معلوم ہوئی کہ کوئی شخص مسلمانوں اور غیرمسلموں کی تاریخ کو بھی شرعی دلائل کی صف میں جگہ دینے کا حوصلہ کرسکتا ہے، اور اس کے ذریعے نہ صرف یہ کہ شرعی مسئلہ ثابت کیا جاسکتا ہے بلکہ اُمت کے مسلّمہ شرعی مسائل کی تردید کی بھی کی جاسکتی ہے:

این کار از تو آید و مرداں چنیں کنند

ساتواں مغالطہ:... تیس سال پہلے جو مولانا موصوف نے علمائے کرام کے فتوے کی تردید فرمائی تھی، موصوف کو غلط فہمی ہے کہ یہ ان کا بڑا لائقِ شکر کارنامہ تھا، چنانچہ تحریر فرماتے ہیں:

> ”اور خدا کا شکر ہے کہ آج تیس سال گزر جانے کے باوجود میرے اس نظریے میں کوئی تبدیلی نہیں ہوئی۔“

''شکر'' نعمت پر کیا جاتا ہے، گویا تیس سال پہلے جو موقف مولانا نے اس مسئلے میں اختیار کیا تھا اس کو نعمتِ خداوندی سمجھ کر اس پر شکر بجالا رہے ہیں۔ یوں تو یہ عجائب خانۂ دُنیا رنگارنگ نظریات کا طلسم خانہ ہے، لیکن عجیب تربات یہ ہے کہ ہر شخص اپنے نظریات پر نازاں ہے۔ یہودی، عیسائی، مجوسی، ہندو، سکھ، مرزائی، بہائی، ذکری، مہدوی، پرویزی، چکڑالوی وغیرہ وغیرہ، کون ایسا ہوگا جس کو اپنے نظریات پر اِیقان واذعان نہ ہو؟ ان پر شاداں وفرحاں نہ ہو؟ اور اس پر کلمۂ شکر نہ بجالاتا ہو؟ کل حزب بما لدیھم فرحون! اور اس سے بڑھ کر عجیب تربات یہ ہے کہ جتنے فرقے اور گروہ اپنی نسبت اسلام کی طرف کرتے ہیں وہ قرآن وحدیث کو اپنی طرف کھینچتے ہیں، اور قرآن وحدیث سے اپنے نظریات کی سند لاتے ہیں، ان اِختلافات کا عملی فیصلہ تو قیامت ہی کے دن ہوگا، لیکن سوال یہ ہے کہ اگر ہم یہ معلوم کرنا چاہیں کہ حق کیا ہے اور باطل کیا ہے؟ صحیح کیا ہے اور غلط کیا ہے؟ تو اس کے لئے کیا طریقہ اِختیار کیا جائے؟ یہ ناکارہ اُوپر اُصولِ موضوعہ میں اس کی طرف اِشارہ کرچکا ہے، یعنی قرآن وحدیث کا مطالعہ اکابر سلف صالحین کی تشریحات کی روشنی میں کیا جائے، ان اکابر پر اِعتماد کیا جائے، ان کا دامن مضبوطی سے تھاما جائے اور اپنی اہواء وخواہشات کے بجائے سلف صالحین کی اِقتدا واِتباع کو ترجیح دی جائے، یہ ہے وہ سفینۂ نجات! جس میں پناہ لینا نظریات وفتن کے طوفانِ نوح سے بچاسکتا ہے: لَا عاصم الیوم من امر اللہ اِلّا من رحم! جناب مولانا کوثر نیازی اگر اس نکتے کی طرف توجہ فرماتے تو انہیں صاف نظر آتا کہ یہ نظریہ، جو انہوں نے سلفِ صالحین کے مقابلے میں اِختراع فرمایا ہے، کوئی ایسا کارنامہ نہیں جس پر شکر کیا جائے بلکہ ایسی بدعت ہے، جس پر سو مرتبہ اِستغفار کرنا چاہئے۔

پھر تیس سال پہلے ان کے علم وتحقیق، عقل ودانش اور بالغ نظری ودقیقہ رسی میں وہ پختگی پیدا نہیں ہوئی ہوگی جو تیس سال بعد پیدا ہوئی، غالباً اس طویل عرصے میں نہ تو مولانا موصوف کو خود تنبہ ہوا، اور نہ کسی صاحبِ علم نے ان کو اس غلطی سے آگاہ کیا، اس لئے عقل ودانش کی پختگی اور علم وتحقیق کی تیس سالہ ترقی کے باوجود انہیں اپنی غلطی کی اِصلاح کا موقع نہیں ملا، بلکہ وہ آج تک اس پر مصر ہیں اور غلطی پر مسلسل تیس سال اِصرار بھی لائقِ شکر نہیں، بلکہ موجبِ اِستغفار ہے۔

ایک جویائے علم وتحقیق کو اگر اس کی غلطی پر متنبہ کردیا جائے تو اسے اللہ تعالیٰ کا شکر بجالانا چاہئے کہ مرنے سے پہلے غلطی کی اِصلاح ہوگئی، اور محاسبۂ آخرت سے بچ گئے۔ میں نے اپنے اکابر سے اِمام العصر، حافظ الدنیا، امیر المؤمنین فی الحدیث مولانا محمد انور شاہ کشمیریؒ کا اِرشاد سنا ہے، وہ فرمایا کرتے تھے کہ:

''مولوی صاحب! تیس تیس سال غلطی میں رہنے کے بعد اپنی غلطی پر تنبہ ہوا۔''

ایک دِن ہمارے حضرت ڈاکٹر عبدالحیٔ عارفی رحمہ اللہ فرمارہے تھے کہ:

''بھئی! مولانا بنوریؒ بڑے آدمی تھے، ایک بار انہوں نے ''بینات'' میں کچھ لکھا تھا، میرے پاس آئے تو میں نے ان سے کہا کہ یہ تحریر آپ کے شایانِ شان نہیں، فوراً کہنے لگے: معاف کردیجئے! آئندہ ایسا نہیں ہوگا۔ بھئی! مولانا بنوریؒ بڑے آدمی تھے۔''

حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ نے تو ترجیح الراجح کے نام سے مستقل سلسلہ ہی شروع کر رکھا تھا کہ جو صاحبِ

علم حضرتؒ کی کسی لغزش پر متنبہ کرے، حضرتؒ اسے اس سلسلے میں شائع فرماتے تھے، اگر حضرتؒ کو اِطمینان ہوجاتا کہ واقعی مسئلے کے لکھنے میں غلطی ہوئی ہے تو اس کا صاف اعلان فرمادیتے، ورنہ ان صاحبِ علم کی تحقیق نقل کرکے لکھ دیتے کہ میری تحقیق یہ ہے، اہلِ علم دونوں پر غور فرماکر جو راجح نظر آئے اس کو اختیار فرمائیں۔

یہ ناکارہ سراپا جہل ہے، اخبار میں جو "آپ کے مسائل اور اُن کا حل" کا سلسلہ جاری ہے، (اور اَب کتابی شکل میں بھی شائع ہوچکا ہے) اس کے بارے میں اہلِ علم کی خدمت میں اِلتماس کرچکا ہوں کہ کوئی صاحبِ علم کسی مسئلے کی غلطی پر متنبہ فرمائیں تو ممنون ہوں گا۔ چنانچہ بعض حضرات نے غلطی کی نشاندہی کی تو اس کو اَخبار میں شائع کردیا، اور صاف لکھ دیا کہ مجھ سے مسئلے کے لکھنے میں غلطی ہوئی، اور واقعہ یہ ہے کہ کوئی صاحبِ علم غلطی کی نشاندہی فرماتے ہیں کہ تو ایسی خوشی ہوتی ہے کہ گویا بے بہا خزانہ ہاتھ لگ گیا۔ الغرض! مرنے سے پہلے غلطی کی اِصلاح ہوجائے تو لائقِ شکر ہے۔

آٹھواں مغالطہ:...اسی تمہید میں مولانا کوثر نیازی، مولانا مودودی مرحوم سے اپنے اِختلاف کی وجہ بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"انہی دنوں میں حضرت مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی مرحوم نے جیل خانے سے جماعت اسلامی کی مجلس شوریٰ کے لئے محترمہ فاطمہ جناح کی تائید میں جو قرارداد لکھ کر بھیجی مجھے اس سے اِختلاف تھا، اور صدارتی مہم ختم ہونے کے بعد میں نے حضرت مولانا سے کئی اور دینی اِختلافات کے ساتھ ساتھ اس موضوع پر بھی اِختلاف کا اِظہار کیا، مولانا نے قرارداد میں یہ لکھا تھا کہ ایک حرام ابدی یعنی ہمیشہ کے لئے ہوتا ہے، اور ایک غیرابدی یعنی ہمیشہ کے لئے نہیں ہوتا۔ ظاہر ہے یہ ایک خطرناک نظریہ تھا جس کی رُو سے تمام حرام چیزوں کو دو قسموں میں بانٹا جاسکتا تھا اور اس طرح شریعت ایک مذاق بن کر رہ جاتی۔ اصل میں مولانا کو یہ تأویل کرنے کی ضرورت اس لئے محسوس ہوئی کہ اس سے پہلے وہ عورت کی اسمبلی کی رُکنیت بلکہ اس کو ووٹ کا حق دینے کو بھی حرام قرار دے چکے تھے (ملاحظہ ہو، ماہنامہ "ترجمان القرآن" ستمبر ۱۹۵۲ء) اور اب انہیں ایک لخت ایک خاتون کے صدرِ مملکت ہونے کی تائید کرنی پڑ رہی تھی، میرا کہنا یہ تھا کہ حضرت مولانا اس کے لئے سیاسی اور جمہوری ضرورت کے حوالے سے بات کرسکتے تھے، اس کے لئے انہیں ایک نظریہ ایجاد کرنے کی ضرورت نہیں تھی۔"

یہ مولانا کوثر نیازی کی حق پژوہی تھی کہ انہیں مولانا مودودی مرحوم کا نظریہ غلط نظر آیا تو انہوں نے نہ صرف یہ کہ اس سے برملا اِختلاف کیا بلکہ جماعت اسلامی سے بھی علیحدگی اختیار کرلی، لیکن یہاں بھی مولانا کوثر نیازی غلط فہمی سے محفوظ نہ رہے۔

شرح اس کی یہ ہے کہ مولانا مودودی "عورت کی سربراہی" کو حرام سمجھتے تھے، لیکن مس فاطمہ جناح کی صدارت کے معاملے میں ان پر ایسی اِضطراری کیفیت طاری ہوئی کہ اس خاص موقع کے لئے انہوں نے اس حرام کے جائز ہونے کا فتویٰ دے دیا، اور اس کے لئے انہوں نے "حرامِ ابدی" اور "حرامِ وقتی" کا نظریہ اِختراع کیا، جس کے بارے میں مولانا کوثر نیازی فرماتے ہیں...اور بجا فرماتے ہیں...کہ:

"ظاہر ہے یہ ایک خطرناک نظریہ تھا، جس کی رُو سے تمام حرام چیزوں کو دو قسموں میں بانٹا جاسکتا تھا، اور اس طرح شریعت ایک مذاق بن کر رہ جاتی۔"

لیکن مولانا کوثر نیازی نے اس نظریے کا تریاق یہ مہیا کیا کہ مولانا مودودی نے جس چیز کو "حرامِ وقتی" کے خانے میں جگہ دی تھی، مولانا کوثر نیازی نے اس کو "حلالِ ابدی" قرار دے دیا۔

مولانا موصوف کو غور کرنا چاہئے تھا کہ محض اپنی خواہش سے کسی چیز کو "حرامِ وقتی" قرار دینے سے اگر شریعت ایک مذاق بن کر رہ جاتی ہے، تو کیا محض اپنی رائے سے اسی چیز کو "حلالِ ابدی" قرار دینے سے شریعت اس سے بڑھ کر مذاق بن کر نہیں رہ جاتی؟ بار بار غور کیجئے کہ جو چیز تمام ائمہ دین اور تمام اکابرِ اُمت کے نزدیک حرام اور باطل ہے، اس کو "حرامِ وقتی" قرار دینا شریعت کے ساتھ مذاق ہے تو اس کو "حلالِ ابدی" قرار دے ڈالنا، شریعت کے ساتھ کتنا بڑا مذاق ہوگا؟ اور اگر اس کی اجازت دے دی جائے کہ تمام اُمت کی مسلّمہ حرام چیزوں کو کوئی شخص اپنے علم و فہم کے زور سے حلال کرسکتا ہے، تو کیا خدا کا دِین ہمارے ہاتھوں میں کھلونا بن کر نہیں رہ جائے گا، ان فی ذٰلک لعبرة لأولی الألباب!

نواں مغالطہ:... تمہیدی نکات کے آخر میں کوثر نیازی صاحب لکھتے ہیں:

"اب چند روز پہلے محترمہ بے نظیر بھٹو اور میاں نواز شریف کے درمیان وزارتِ عظمیٰ کے لئے اِنتخاب ہوا، تو عین اِنتخاب کے دن میرے کسی مہربان اخبارنویس نے مولانا مودودی کے نام میرے اس خط کا ایک ٹکڑا نکال کر یہ تأثر دینے کی کوشش کی ہے کہ میں بھی عورت کی سربراہی کے مسئلے پر عام علماء کا ہم نوا ہوں، اس وسوسہ انگیزی اور مغالطہ طرازی کی وجہ سے ضروری معلوم ہوتا ہے کہ ایک مرتبہ پھر اپنے تیس سالہ پرانے کتابچے "کیا عورت صدرِ مملکت بن سکتی ہے؟" کا خلاصہ قارئین کے سامنے پیش کروں، تاکہ اس سلسلے میں کوئی اِبہام نہ رہے۔"

جناب کوثر صاحب نے اس اِقتباس میں مولانا مودودی کے نام اپنے جس خط کا حوالہ دیا ہے، وہ کافی طویل ہے، یہ خط ۱۲رفروری ۱۹۶۵ء کو لکھا گیا، اوّلاً ان کے ہفت روزہ "شہاب" لاہور (شمارہ:۸، جلد:۱۱، ۲۸رفروری ۱۹۶۵ء) میں شائع ہوا تھا، بعد اَزاں موصوف کی کتاب "جماعت اسلامی، عوامی عدالت میں" میں شامل کیا گیا۔ کوثر صاحب کا صحیح موقف سمجھنے کے لئے اس کے ضروری اِقتباس متذکرہ بالا کتاب کے حوالے سے ذیل میں نقل کرتا ہوں:

"محترم مولانا! اس وقت ہماری حالت یہ ہے کہ دُوسری بہت سی اُصولی غلطیوں کے علاوہ ہم نے عورت کی صدارت کے مسئلے میں جو رَوِش اِختیار کی، اللہ تعالیٰ کے ہاں اس کی جو سزا ملے گی، اس کا مسئلہ تو الگ ہے، اس دُنیا میں بھی اندرون و بیرونِ ملک ہماری دِینی حیثیت ختم ہوچکی ہے۔ اگر ہمیں صدر ایوب کی مخالفت کرنی ہی تھی اور محترمہ فاطمہ جناح کا ساتھ دینا ہی تھا تو سیاسی اور جمہوری ضرورتوں کا اِظہار کرکے ایسا کیا جاسکتا تھا، مگر اس کے لئے ہم نے غریب اِسلام پر جو نوازش کی ہے اور حرمتوں کی ابدی اور غیراَبدی تقسیم

کا جو نیا نظریہ پیش کیا ہے، اس کے بعد دینی حلقے تو ایک طرف رہے، دُوسرے غیرجانبدار عناصر حتیٰ کہ اپوزیشن تک کے بعض نمایاں افراد ہمیں ابن الوقت اور سیاست کی خاطر دین میں ترمیم و تحریف کرنے والا گروہ تصوّر کرنے لگے ہیں۔'' (ص:۲۲)

''میں آپ کے سامنے اِنتہائی ندامت کے ساتھ خود اپنے بارے میں بھی یہ اِظہار ضروری سمجھتا ہوں کہ اپنے حقیر سے علم اور مطالعے کی بنا پر میری رائے یہی تھی کہ موجودہ سیاسی اور جمہوری روایات کی بات تو دُوسری ہے، لیکن شرعاً عورت کسی بھی صورت میں صدرِ مملکت نہیں بنائی جاسکتی اور اس کا تو میں کوئی تصوّر اپنے ذہن میں نہیں رکھتا تھا کہ کبھی ہم بھی اسلام کے نام پر ایسی تحریک چلاسکتے ہیں۔ چنانچہ میں نے اپنی مسجد میں سوالات کے جواب دیتے ہوئے سینکڑوں افراد کے سامنے قرآن و حدیث کے دلائل سے اپنے اس عقیدے کی وضاحت کی اور بعد میں اخباری نمائندوں کی خواہش پر اس خطبے کا خلاصہ اخبارات کو بھی بھجوادیا، مگر اسی دوران مجھ پر انکشاف ہوا کہ جماعت اس سے الگ نقطۂ نظر پر سوچ رہی ہے، اور اِمکان غالب اس کا ہے کہ مس فاطمہ جناح کی حمایت کا فیصلہ کیا جائے گا۔ میں اس انکشاف پر سراسیمگی کا شکار ہوگیا اور جماعت کے فیصلے کے انتظار میں اس بیان کو واپس لے لیا۔''

''مجھے بعد میں یہ جان کر خوشی ہوئی کہ آپ نے جیل سے مرکزِ جماعت کو یہ ہدایت بھجوائی ہے کہ اس مسئلے پر ہرگز متحدہ حزبِ اِختلاف کا ساتھ نہ دیا جائے، آپ کی گزشتہ تحریروں کی روشنی میں اُمید بھی اس بات کی تھی، لیکن جب مجلس مشاورت میں جیل سے آئی ہوئی آپ کی وہ تحریر پڑھ کر سنائی گئی (جسے بعد ازاں لفظ بلفظ مجلس مشاورت کی قرارداد کی صورت میں اخبارات کو اِرسال کردیا گیا) تو میرے حسنِ ظن کو اِنتہائی ٹھیس پہنچی، شاید آپ کو معلوم نہ ہو، میں یہاں بھی وضاحت کردوں کہ مجلس مشاورت کے جس اجلاس میں محترمہ کی حمایت کا فیصلہ کرتے ہوئے اس قرارداد کو منظور کیا گیا، میں اس میں اپنی غلط فہمی (یا وقت کے بارے میں غلط اطلاع؟) کی وجہ سے شریک نہ ہوسکا، جب میں پہنچا تو یہ قرارداد اَخبارات کو بھجوائی جاچکی تھی۔ کاش! میں اس وقت موجود ہوتا اور اس غلط نظریے پر اہلِ مجلس کو متنبہ کرکے کم سے کم قرارداد کے الفاظ تو تبدیل کرادیتا۔ ظاہر ہے اس کے بعد ''تیر از کمان رفت'' والا معاملہ تھا۔ اب جماعتی دستور کی رُو سے میں اس فیصلے کی تائید پر مجبور تھا، اور جس رائے کو میں دلائل کی بنا پر مرجوح بلکہ غلط سمجھتا تھا اب صرف اس لئے کہ وہ بطور قرارداد منظور ہوچکی ہے، جماعت اور مجلس مشاورت کا رکن ہونے کی وجہ سے میں تقریر و تحریر کے ذریعے اس کی تائید و توثیق کرنے لگا۔''

''مولانا! میں بہت گناہگار آدمی ہوں، مگر میری پوری زندگی کے گناہ ایک طرف، اور یہ اکیلا گناہ دُوسری طرف کہ میں نے جس بات کو شرعاً دُرست نہیں سمجھا تھا، صرف جماعتی قواعد و ضوابط کی وجہ سے اس معصیت پر مجبور ہوگیا کہ اب اس کی نمائندگی کروں! اللہ میرے اس جرم کو معاف فرمائے، ورنہ ڈرتا ہوں کہ کہیں

اس جرم کی پاداش میں رہے سہے ایمان سے محروم نہ ہوجاؤں، **نعوذ باللہ من شرور انفسنا ومن سیئات اعمالنا!**'' (ص:۲۶۲۲ ۲۸)

جناب کوثر صاحب کی یہ تحریر اپنے مفہوم اور اظہارِ مدعا میں بالکل واضح ہے، کسی تشریح یا حاشیہ آرائی کی محتاج نہیں، بلکہ اسے صاف گوئی اور دِل کو چیر کر کسی کے سامنے رکھ دینے کا اعلیٰ نمونہ قرار دیا جاسکتا ہے، تاہم اس ضمن میں صاحبِ موصوف کے لئے چند اُمور لائقِ توجہ ہیں:

اوّلاً:... اس خط سے واضح ہوتا ہے کہ ''عورت کی سربراہی'' کے مسئلے پر آپ نے تین رنگ بدلے ہیں:

۱:... جب تک جماعتِ اسلامی نے... جس کے آپ ضلعی صدر تھے... مس فاطمہ جناح کی حمایت کا فیصلہ نہیں کیا تھا، تب تک اپنے علم اور مطالعے کی بنا پر آپ کا عقیدہ یہ تھا کہ شرعاً ''عورت کی حکمرانی'' جائز نہیں، چنانچہ آپ نے اپنی مسجد میں سوالات کے جوابات دیتے ہوئے سینکڑوں افراد کے سامنے قرآن و حدیث کے دلائل سے اپنے اس عقیدے کو مبرہن کیا، اور بعض اخباری نمائندوں کی خواہش پر آپ نے اس خطبے کا خلاصہ اخبارات کو بھی بھجوادیا... جسے بعد میں شتابی سے واپس لے لیا گیا، اور اس کے چھپنے کی نوبت نہیں آئی... یہ وہ دور تھا جب آپ کا دِل اور زبان و قلم ہم آہنگ تھے، جو عقیدہ آپ کے دِل میں تھا وہی زبان و قلم سے نکل رہا تھا۔

۲:... پھر جب ۱۹۶۴ء کے صدارتی اِنتخاب کا معرکہ برپا ہوا، پوری قوم ''اِنتخابی بخار'' میں مبتلا ہوگئی، اور آپ کی جماعتِ اسلامی نے اسی ''اِنتخابی بخار'' کی بحرانی کیفیت میں مس فاطمہ جناح کی حمایت کا فیصلہ کرلیا، تو یہ فیصلہ اگرچہ آپ کے عقیدہ و ضمیر کے خلاف تھا، مگر جماعتی قواعد و ضوابط کی بنا پر آپ اس غلط فیصلے کی حمایت پر مجبور ہوگئے، یہاں سے آپ کے دِل اور زبان و قلم کا راستہ الگ الگ ہوگیا، آپ کا عقیدہ تو یہ تھا کہ ''عورت کی سربراہی شرعاً جائز نہیں'' لیکن ''جماعتی فیصلے کی مجبوری'' کی وجہ سے آپ کی زبان و قلم اپنے عقیدہ و ضمیر کے خلاف، قرآن و حدیث کے دلائل کا انبار لگانے لگے کہ ''عورت کی سربراہی شرعاً جائز ہے''۔ یہی دور ہے جب بقول آپ کے آپ نے شاہ عالم مارکیٹ کی مسجد میں خطبہ دیتے ہوئے اس موضوع پر سیرحاصل بحث کی، اور قرآن و حدیث اور تاریخ کے حوالوں سے علمائے کرام کے مذکورہ بالا فتویٰ کی... کہ عورت کی سربراہی شرعاً حرام ہے... مدلل تردید فرمائی۔ پھر اس خطبے کو کتابچے کی شکل میں چھاپ کر پشتو اور سندھی تراجم کے ساتھ لاکھوں کی تعداد میں پھیلایا۔

۳:... پھر جب الیکشن کا ''بخار'' اُترا، مس فاطمہ جناح الیکشن ہار گئیں تو ہارے ہوئے جواری کی طرح آپ نے یہ دیکھا کہ اس جوئے میں ہم نے کیا کھویا، کیا پایا؟ تب آپ کو اِحساس ہوا کہ الیکشن کے دوران آپ کی زبان و قلم سے جو کچھ نکلا وہ علم و تحقیق پر مبنی نہیں تھا، خدا اور رسول کے منشا کے مطابق نہیں تھا، اپنے ایمان و عقیدہ کے موافق نہیں تھا، بلکہ یہ سب کچھ ''اِنتخابی بخار'' کا ہذیان تھا، اس پر آپ کو ندامت ہوئی، اور یہ اِحساسِ ندامت اس قدر شدید تھا کہ اس سے آپ کو سلبِ ایمان کا اندیشہ لاحق ہونے لگا، چنانچہ اسی اِحساسِ ندامت نے آپ سے مودودی صاحب کے نام وہ خط لکھوایا جس کا اِقتباس ابھی نقل کرچکا ہوں، الغرض آپ نے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں ''توبۂ نصوح'' کی اور اپنے اس موقف سے توبہ و براءت کا اِظہار کرکے پہلے موقف کی طرف رُجوع کرلیا۔

یہ آپ کے تین رنگ بدلنے کی وہ تصویری داستان ہے جو خود آپ کے موئے قلم نے مرتب کی ہے، آپ کی یہ ''سہ رنگی تصویر''

دیکھنے کے بعد ہر شخص کو سر کی آنکھوں سے نظر آرہا ہے کہ علم و تحقیق اور مطالعے کی روشنی میں آپ کا ہمیشہ ایک ہی نظریہ اور ایک ہی عقیدہ رہا ہے کہ ”شرعاً عورت کی سربراہی جائز نہیں“۔ الیکشن ۱۹۶۴ء کے دوران آپ نے جو موقف اختیار کیا تھا وہ محض زبانی جمع خرچ تھا، جس سے آپ توبہ کا اعلان کرچکے ہیں، قلبی عقیدہ آپ کا اس وقت بھی یہی تھا کہ ”شرعاً عورت سربراہ مملکت نہیں بن سکتی“ گویا ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ عقیدے اور نظریے کی حد تک آپ ایک دن بھی اس کے قائل نہیں رہے کہ ”عورت کی سربراہی شرعاً جائز ہے۔“

لیکن ان تین رنگوں کے بعد جب آپ کا چوتھا رنگ سامنے آتا ہے تو عقل و دانش حیرت زدہ رہ جاتے ہیں کہ الٰہی! یہ ماجرا کیا ہے؟ چنانچہ اب آپ اپنے تازہ بیان (روزنامہ ”جنگ“ کراچی ۲۵ر اکتوبر ۱۹۹۳ء) میں فرماتے ہیں کہ فاطمہ جناح کی حمایت میں جو خطبہ آپ نے ارشاد فرمایا تھا:

> ”میں نے اپنے اس خطبے میں قرآن وحدیث اور تاریخ کے حوالوں سے علمائے کرام کے مذکورہ بالا فتوے کی (کہ عورت کی سربراہی شرعاً ناجائز ہے) مدلل تردید کی تھی..... اور خدا کا شکر ہے کہ آج تیس سال گزر جانے کے باوجود میرے اس نظریے میں کوئی تبدیلی نہیں آئی۔“

کیا کوئی آپ سے پوچھ سکتا ہے کہ اگر آپ کے نظریے میں کوئی تبدیلی نہیں آئی تھی تو ۱۲ر فروری ۱۹۶۵ء کے خط (بنام مودودی صاحب) میں آپ نے توبہ و استغفار کس چیز پر کیا تھا؟ اور اندیشہ سلب ایمان کا اظہار آپ نے کس چیز پر فرمایا تھا؟ اپنا یہ خط ایک بار پھر پڑھ لیجئے اور پھر انصاف کیجئے کہ آپ کے اس قول میں کہ: ”تیس سال تک آپ کے نظریے میں کوئی تبدیلی نہیں آئی“ صداقت کا عنصر کتنا ہے؟

آنجناب کی خدمت میں حافظ شیرازیؒ کا یہ مصرعہ دہرانا تو سوءِ ادب ہوگا کہ:

چہ دلاور است دزدے کہ بکف چراغ دارد

لیکن حافظؒ ہی کا یہ لطیف شعر تو پیش کرنے کی اجازت دیجئے:

حالے درون پردہ بسے فتنہ می رود
تا آن زماں کہ پردہ بر افتد چہا کنند

دوم:... مودودی صاحب کے نام خط میں اپنے الیکشن والے موقف سے توبہ وانابت اختیار کرتے ہوئے جب آپ نے لکھا تھا:

> ”اللہ میرے اس جرم کو معاف فرمائے کہ کہیں اس جرم کی پاداش میں رہے سہے ایمان سے محروم نہ ہوجاؤں۔“

تو اس فقرے کو پڑھ کر ذہن میں آپ کی عظمت کا ایسا بلند و بالا مینار تعمیر ہوا جو اپنی بلندی سے آسمان کو چھونے لگا، ذہن نے کہا کہ یہ اتنا بلند و بالا انسان ہے کہ الیکشن کے دوران مسئلے کی غلط تعبیر کے سلسلے میں اس کی زبان وقلم سے جو کچھ نکلا اس سے اس نے برملا توبہ کا اعلان کردیا، اور اپنے ان تمام بیانات و مقالات کو ہفوات و ہذیانات قرار دیتے ہوئے ان سے رُجوع کرلیا، اخلاقی جرأت اور

بلندیٔ کردار کی ایسی مثالیں ہمارے دور میں بہت ہی کمیاب بلکہ نایاب ہیں۔ لیکن ۲۵؍اکتوبر ۱۹۹۳ء والے آپ کے اخباری بیان کو پڑھ کر عظمت کا وہ تصوّراتی مینار دھڑام سے زمین بوس ہوگیا، ذہن نے کہا کہ ۱۲؍فروری ۱۹۶۵ء کو یہ شخص اپنے جس موقف کو غلط اور موجبِ سلبِ ایمان کہہ رہا تھا، اور جس سے خدا کے حضور ناک رگڑتے ہوئے توبہ وندامت کا اظہار کرتا نظر آرہا تھا، آج اسی خطبے کو اور اسی رسالے کو فخریہ انداز میں پیش کر رہا ہے، کل جو چیز موجبِ سلبِ ایمان تھی، آج وہی لائقِ فخر ہے، کل جس سے توبہ ومعذرت کر رہا تھا، آج اسی پر اِترا رہا ہے، کل جس چیز پر عرقِ ندامت میں غرق ہوا جاتا تھا، آج اسی کو طرۂ فضیلت قرار دے رہا ہے...!

جناب کوثر صاحب! غور فرمائیں کہ آپ نے ۱۲؍فروری ۱۹۶۵ء کے خط بنام مودودی میں اِظہارِ توبہ وندامت کرکے الیکشن کے دور کی اپنی تمام تحریروں کو، جو زیرِ بحث موضوع سے متعلق تھیں، منسوخ کردیا تھا یا نہیں؟ اگر کردیا تھا تو آج ان کے حوالے سے یہ کہنے کے کیا معنی کہ تیس سال سے میرا عقیدہ نہیں بدلا؟ اور اگر ان کو منسوخ نہیں کیا تھا تو ان سے توبہ واِستغفار کے کیا معنی تھے؟ کیا یہ توبہ واِستغفار بھی محض نمائشی تھی؟ حافظ شیرازیؒ کے بقول:

گوئیا باور نمی دارند روزِ داوری
کایں ہمہ قلب و دغل درکارِ داور می کنند

سوم:... جس گناہ سے آپ نے ۱۲؍فروری ۱۹۶۵ء کو توبہ کی تھی، آج ۲۵؍اکتوبر ۱۹۹۳ء کو ۲۹ سال بعد اُلٹی زقند لگاکر آپ دوبارہ اسی نظریے پر پہنچ جاتے ہیں، آپ کو اس پر غور کرنا چاہئے کہ کیا اس رجعتِ قہقری کا سبب یہ تو نہیں کہ مس فاطمہ جناح کی حمایت میں آپ نے جو طرزِ عمل اختیار کیا اس کی وجہ سے آپ کو "نولہ ما تولّٰی" کی سزا میں مبتلا کردیا گیا ہو؟ کیونکہ آپ علم وتحقیق کی بنا پر یہ عقیدہ رکھتے تھے کہ "شرعاً عورت حکمران نہیں بن سکتی" اور آپ نے سیکڑوں افراد کے سامنے قرآن وحدیث کے دلائل بھی اس عقیدے پر قائم کردیئے تھے، اس کے باوجود آپ نے کھل کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت کی، اور "سبیل المؤمنین" کو چھوڑ کر دُوسرا راستہ اپنالیا، پس کیا قرآنِ کریم کی یہ پیشینگوئی تو آپ پر پوری صادق نہیں آتی؟:

"وَمَنْ يُّشَاقِقِ الرَّسُوْلَ مِنْۢ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدٰى وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيْلِ الْمُؤْمِنِيْنَ نُوَلِّهٖ مَا تَوَلّٰى وَنُصْلِهٖ جَهَنَّمَ وَسَآءَتْ مَصِيْرًا" (النساء:۱۱۵)

ترجمہ:... "اور جو شخص رسول کی مخالفت کرے گا بعد اس کے کہ اس کو اَمرِ حق ظاہر ہوچکا تھا اور مسلمانوں کا رستہ چھوڑ کر دُوسرے رستے پر ہولیا تو ہم اس کو جو کچھ وہ کیا کرتا ہے کرنے دیں گے، اور اس کو جہنم میں داخل کریں گے اور وہ بُری جگہ ہے جانے کی۔" (ترجمہ حضرت تھانویؒ)

چہارم:... پھر آپ نے اس مسئلے میں مخالفتِ رسول پر ہی اِکتفا نہیں کیا، بلکہ اِرشادِ رسول کو جھٹلایا بھی، اور اس کا مذاق بھی اُڑایا، جیسا کہ آئندہ سطور سے واضح ہوگا، حالانکہ آپ خود اِقرار کرچکے ہیں کہ جس عقیدے کا آپ مذاق اُڑا رہے ہیں وہ قرآن وحدیث سے ثابت ہے، اور ان کا مذاق اُڑانے کے لئے فاسق وفاجر اور کافر عورتوں تک کے قصے سناڈالے، آپ کو سوچنا چاہئے کہ کیا آپ پر یہ اِرشادِ خداوندی تو صادق نہیں آتا؟:

"قُلْ اَبِاللّٰهِ وَاٰيٰتِهٖ وَرَسُوْلِهٖ كُنْتُمْ تَسْتَهْزِءُوْنَ۔ لَا تَعْتَذِرُوْا قَدْ كَفَرْتُمْ بَعْدَ اِيْمَانِكُمْ"

(توبہ:۶۵،۶۶)

ترجمہ:... "آپ کہہ دیجئے گا کہ کیا اللہ کے ساتھ اور اس کی آیتوں کے ساتھ اور اس کے رسول کے ساتھ تم ہنسی کرتے تھے؟ تم اب عذرمت کرو، تم تو اپنے کو مؤمن کہہ کر کفر کرنے لگے۔" (ترجمہ حضرت تھانویؒ)

پنجم:...اب تک اس مسئلے میں آپ کے چار رنگ سامنے آچکے ہیں:

۱:...آپ نے اس عقیدۂ حقہ کا اِقرار کیا ہے کہ قرآن وحدیث کے دلائل کی روشنی میں عورت کی سربراہی شرعاً جائز نہیں۔

۲:...مس فاطمہ جناح کی حمایت میں آپ اس عقیدۂ حقہ سے منحرف ہوگئے۔

۳:...۱۲رفروری ۱۹۶۵ء کے خط بنام مودودی صاحب میں اس عقیدۂ حقہ کا پھر اِقرار کیا۔

۴:...۲۵راکتوبر ۱۹۹۳ء کو آپ بیگم بے نظیر کی حمایت میں عقیدۂ حقہ کے اِقرار سے پھر منحرف ہوگئے۔

اب آپ کی پانچویں حالت باقی ہے کہ آپ اس اِنحراف سے پھر توبہ کرلیتے ہیں اور اسی توبہ پر آپ کا خاتمہ بالخیر ہوتا ہے یا اس سے توبہ کرنے کے بجائے آپ عقیدۂ حقہ کے اِنکار پر آگے بڑھتے چلے جاتے ہیں، اور اسی پر آپ کا خاتمہ ہو؟ اور اگر خدانخواستہ اب بھی آپ کو سچی توبہ کی توفیق نصیب نہ ہوئی تو آپ کی وہی کیفیت ہوگی جو قرآنِ کریم نے ذیل کے الفاظ میں بیان فرمائی ہے:

"اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ثُمَّ كَفَرُوْا ثُمَّ اٰمَنُوْا ثُمَّ كَفَرُوْا ثُمَّ ازْدَادُوْا كُفْرًا لَّمْ يَكُنِ اللّٰهُ لِيَغْفِرَ لَهُمْ وَلَا لِيَهْدِيَهُمْ سَبِيْلًا۔ بَشِّرِ الْمُنٰفِقِيْنَ بِاَنَّ لَهُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا۔ الَّذِيْنَ يَتَّخِذُوْنَ الْكٰفِرِيْنَ اَوْلِيَآءَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِيْنَ، اَيَبْتَغُوْنَ عِنْدَهُمُ الْعِزَّةَ فَاِنَّ الْعِزَّةَ لِلّٰهِ جَمِيْعًا۔" (النساء:۱۳۷ تا ۱۳۹)

ترجمہ:... "بلاشبہ جو لوگ مسلمان ہوئے پھر کافر ہوگئے، پھر مسلمان ہوئے پھر کافر ہوگئے، پھر کفر میں بڑھتے چلے گئے، اللہ تعالیٰ ایسوں کو ہرگز نہ بخشیں گے، اور نہ ان کو راستہ دِکھائیں گے۔ منافقین کو خوشخبری سنادیجئے اس امر کی کہ ان کے واسطے بڑی دردناک سزا ہے۔ جن کی یہ حالت ہے کہ کافروں کو دوست بناتے ہیں مسلمانوں کو چھوڑ کر، کیا ان کے پاس معزز رہنا چاہتے ہیں، سو اعزاز تو سارا خدا تعالیٰ کے قبضے میں ہے۔"

(ترجمہ حضرت تھانویؒ)

آپ اِقرار پھر اِنکار، پھر اِقرار پھر اِنکار، کی چار گھاٹیاں عبور کرچکے ہیں، اس ناکارہ کا مخلصانہ مشورہ یہ ہے کہ اب "اِنکار پر اِصرار" کی پانچویں گھاٹی عبور نہ کیجئے، بلکہ ۱۲رفروری ۱۹۶۵ء کی طرح اب پھر توبہ کرلیجئے اور مرتے دم تک اس پر قائم رہئے۔

ششم:...جس اخبارنویس نے آپ کے خط بنام مودودی صاحب کا اِقتباس نقل کرکے یہ تأثر دینے کی کوشش کی کہ آپ بھی عورت کی سربراہی کے مسئلے میں عام علماء کے ہم نوا ہیں، آپ اس کی اس حرکت کو "وسوسہ اندازی اور مغالطہ طرازی" سے تعبیر فرماتے ہیں، اس ناکارہ کے خیال میں یہ اس غریب اخبارنویس پر آپ کی زیادتی ہے، کیونکہ ۱۲رفروری ۱۹۶۵ء کے "توبہ نامے" کے بعد آپ کی طرف سے کبھی ایسا اِظہار و اِعلان نہیں ہوا تھا جس سے سمجھا جائے کہ آپ نے اس توبہ سے توبہ کرلی ہے، اس لئے جس شخص نے اس

''توبہ نامے'' کی روشنی میں یہ سمجھا کہ آپ بھی عام علماء کے ساتھ متفق ہیں، اس نے کچھ غلط نہیں سمجھا، اس نکتے پر پھر سے غور فرمالیجئے کہ اس غریب کو وسوسہ اندازی اور مغالطہ آفرینی کا طعنہ دینا کہاں تک صحیح ہے؟

دسواں مغالطہ:...اوّل یہ کہ انہوں نے اپنے مندرجہ بالا خط (بنام مودودی) میں خود تسلیم کیا ہے کہ انہوں نے اس عقیدے کو کہ: ''شرعاً عورت کی حکومت باطل ہے'' قرآن وحدیث سے ثابت کیا تھا۔ اس اِقرار کے بعد اِنکار کے کیا معنیٰ؟ اور اگر بالفرض تسلیم کرلیا جائے کہ موصوف کی نظر میں قرآنِ کریم کی کوئی آیت ایسی نہیں جس میں عورت کی حکمرانی کی ممانعت ہو تب بھی چونکہ زیرِ بحث مسئلے پر ائمۂ اِجتہاد کا اِجماع و اِتفاق ہے، اور علمِ اُصول میں موصوف نے پڑھا ہوگا کہ اِجماعِ اُمت مستقل حجتِ شرعیہ ہے، اس لئے موصوف کو یہ زحمت اُٹھانے کی ضرورت ہی نہیں تھی کہ اس مسئلے کو قرآنِ کریم میں تلاش کریں، کیونکہ ائمۂ اِجتہاد کا اِجماع بغیر سندِ اِجماع کے منعقد نہیں ہوتا، لہٰذا اہلِ اِجماع نے جب اس مسئلے پر اِجماع کیا تو ان کے سامنے قرآن وحدیث کی کوئی سند ضرور ہوگی جس پر ان کا اِجماع منعقد ہوا، پھر یہ ''سندِ اِجماع'' کبھی تو بالکل واضح اور ظاہر ہوتی ہے جس کا ادراک ہر صاحبِ علم کو ہوسکتا ہے، اور کبھی یہ ''سندِ اِجماع'' خفی ہوتی ہے کہ بعد کے اہلِ علم کو اس کا ادراک نہیں ہو پاتا۔ الغرض کسی مسئلے پر ائمۂ اِجتہاد کا اِتفاق و اِجماع بجائے خود اتنی بڑی دلیل ہے کہ اس کے بعد قرآن وحدیث سے اس مسئلے کا ثبوت ڈھونڈنے کی ضرورت نہیں رہ جاتی۔

گیارہواں مغالطہ:...موصوف فرماتے ہیں کہ سورہ النساء کی وہ آیت جس میں فرمایا گیا ہے کہ مرد، عورتوں کے ''قوام'' ہیں، اس کے سوا قرآنِ کریم میں اس مسئلے کی کوئی دلیل نہیں۔ یہ بھی ان کی غلط فہمی ہے، کیونکہ قرآنِ کریم کی متعدّد آیاتِ شریفہ میں عورتوں کی حیثیت و مرتبہ کا تعین فرمایا گیا ہے، جن سے ائمۂ اِجتہاد نے یہ مسئلہ اخذ فرمایا ہے کہ عورت، اِمامتِ صغریٰ و کبریٰ کی اہلیت و صلاحیت نہیں رکھتی، مثلاً:

۱:...قرآنِ کریم میں تصریح فرمائی گئی کہ اللہ تعالیٰ نے مردوں کو عورتوں پر فضیلت بخشی ہے: ''**بِمَا فَضَّلَ اللهُ بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ**'' اس فضیلت کی ایک صورت یہ ہے کہ حق تعالیٰ شانہٗ نے مردوں کو فطری طور پر بعض اوصاف و کمالات ایسے عطا فرمائے ہیں جو عورتوں کی فطرت کے مناسب نہیں تھے، جن کی وجہ سے مرد نبی ہوسکتا ہے، عورت نہیں ہوسکتی، مردوں پر جمعہ اور جماعت کی اِقامت لازم کی گئی ہے، عورتوں پر نہیں، مرد نماز میں اِمام بن سکتا ہے، عورت نہیں، مردوں کو جہاد کا حکم ہے، عورتوں کو نہیں، مرد حکمران ہوسکتا ہے، عورت نہیں (دیکھئے تفسیر کبیر وغیرہ)۔

۲:...ان خلقی اوصاف و کمالات میں مردوں کو جو فضیلت دی گئی ہے، عورتوں کو اس کی تمنا سے بھی منع فرمادیا گیا، چنانچہ اِرشاد ہے:

''**وَلَا تَتَمَنَّوْا مَا فَضَّلَ اللهُ بِهٖ بَعْضَكُمْ عَلٰى بَعْضٍ**'' (النساء:۳۲)

ترجمہ:...''اور تم کسی ایسے امر کی تمنا مت کیا کرو جس میں اللہ تعالیٰ نے بعضوں کو بعضوں پر فوقیت بخشی ہے۔'' (ترجمہ حضرت تھانویؒ)

۳:...مرد کو ناکح اور عورت کو منکوحہ قرار دیا گیا، اور نکاح بھی ایک نوع کی ملکیت ہے، اور مملوک کا مملوک ہونا اس کی حاکیت

کے منافی ہے۔

۴:... "بیدہ عقدۃ النکاح" فرما کر بتلادیا گیا کہ نکاح کا حل وعقد مرد کے ہاتھ میں ہے، عورت کے ہاتھ میں نہیں، نکاح کا حل وعقد بھی جس کے ہاتھ میں نہ دیا گیا ہو حکومت کا حل وعقد اس کے ہاتھ میں کیسے دیا جاسکتا ہے؟

۵:... عورت کی شہادت کو مرد کی شہادت سے نصف قرار دیا گیا ہے، جس کا سبب بنصِ حدیث اس کا "ناقص العقل" ہونا ہے، پس ایسا "ناقص العقل" جو شہادتِ کاملہ کا بھی اہل نہ ہو، وہ پورے ملک کی حکمرانی کا اہل کیسے ہوسکتا ہے؟

۶:... پھر دو عورتوں کی شہادت اس وقت تک لائقِ اِعتبار نہیں جب تک کہ کوئی مرد ان کے ساتھ گواہی دینے والا نہ ہو، اور شہادت فرع ہے قضا کی، اور قضا فرع ہے حکومت کی، پس جو شخص فرع کی فرع کا بھی اہل نہ ہو وہ اصل الاصل کا اہل کیونکر ہوسکتا ہے؟

۷:... عورتوں کو گھروں میں بیٹھنے کا حکم دیا گیا ہے، اور باہر نکل کر زینت کا اظہار کرنے کی ممانعت فرمائی گئی ہے، پس وہ طلبِ حکومت کے لئے باہر کیسے نکل سکتی ہے؟

۸:... عورتوں پر ستر وحجاب کی پابندی عائد کی گئی ہے، اور انہیں غیرمحارم کے ساتھ خلوت واِختلاط سے منع کیا گیا ہے، پس وہ حکمران بن کر نامحرَموں بلکہ کافروں تک سے خلوَت واِختلاط کیسے کرسکتی ہے؟

۹:... مرد کو گھر کا حاکم بناکر مرد کو عدل وخوش اخلاقی کا، اور عورت کو اِطاعت شعاری ووفاداری کا حکم دیا گیا: "فَالصّٰلِحٰتُ قٰنِتٰتٌ حٰفِظٰتٌ لِّلْغَیْبِ بِمَا حَفِظَ اللهُ" پس جب ایک گھر کی حکومت بھی عورت کے سپرد نہیں کی گئی تو پوری مملکت کی حکومت اس کے سپرد کیسے کی جاسکتی ہے؟

۱۰:... قرآنِ کریم کے خطابات میں مردوں کو اَصل اور عورتوں کو ان کے تابع رکھا گیا ہے، پس تابع کو متبوع بنانا قلبِ موضوع ہے۔

یہ عشرۂ کاملہ اِرتجالاً زبانِ قلم پر آگیا، ورنہ ان کے علاوہ بھی بہت سے نصوص ہیں جن سے عورت کی حیثیت ومرتبے کا تعین ہوتا ہے، جس کا خلاصہ یہ ہے کہ صنفِ نازک میں فطری نزاکت وضعف ہے، اور جرأت وہمت، صبر وتحمل، حوصلہ مندی واُولوالعزمی اور بہادری جیسی مردانہ صفات سے اس کی نسوانیت مانع ہے، اس لئے خالقِ فطرت نے ایسے اُمور جو اس کی نزاکت ونسوانیت کے شایاں نہیں تھے، ان کا بارِگراں اس کے نازک وناتواں کندھوں پر نہیں رکھا، یہ اس حکیمِ مطلق کی عورتوں کے ساتھ شفقت ورحمت ہے کہ ان کے ضعف وناتوانی کی رعایت فرمائی، آج اگر اس کو صنفِ نازک کی توہین یا حق تلفی سمجھا جاتا ہے تو یہ مسخِ فطرت کی علامت ہے۔

بارہواں مغالطہ:... کوثر نیازی صاحب فرماتے ہیں کہ "قوام" کا ترجمہ عام طور سے حاکم کیا جاتا ہے، مگر وہ "لسان" اور "تاج" کے حوالے سے بتاتے ہیں کہ یہ ترجمہ صحیح نہیں، بلکہ اس کے معنی ہیں روزی کی کفالت کرنے والا، روزی مہیا کرنے والا۔ موصوف کو "قوام" کا مفہوم سمجھنے میں مغالطہ ہوا ہے، قوام اور قیم دونوں کے ایک ہی معنی ہیں، یعنی رئیس، سردار، منتظم، مدبر، کسی کے معاملات کا کفیل اور اَحکام نافذ کرنے والا، "تاج العروس" اور "لسان العرب" میں ہے:

"وقد یجیء القیام بمعنی المحافظة والْإصلاح ومنه قوله تعالٰی: اَلرِّجَالُ قَوّٰمُوْنَ عَلَی

النِّسَآءِ۔" (تاج العروس ج:۹ ص:۳۷)

ترجمہ:... "قیام کا لفظ کبھی محافظت، نگرانی اور اِصلاح کے لئے آتا ہے، اور اسی سے ہے حق تعالیٰ کا ارشاد کہ: "مرد قوام ہیں عورتوں پر" (یعنی ان کے محافظ، نگران اور ان کی اصلاح کرنے والے ہیں)۔"

"والقيم السيد وسائس الأمر وقيم القوم الذى يقومهم ويسوس امورهم۔"

(لسان العرب ج:۱۲ ص:۵۰۲)

ترجمہ:... "قیم کے معنی ہیں سردار اور کسی معاملے کی تدبیر کرنے والا، کسی قوم کا قیم وہ شخص ہے جو ان کو سیدھا رکھے، اور ان کے معاملات کی تدبیر کرے۔"

"وفى تنزيل العزيز: "اَلرِّجَالُ قَوّٰمُوْنَ عَلَى النِّسَآءِ۔" .... فكأنه والله اعلم، الرجال متكفلون بأمور الناس ومعنيون بشؤونهن۔" (لسان العرب ج:۱۲ ص:۵۰۳)

ترجمہ:... "قرآنِ کریم میں ہے کہ: "مرد قوام ہیں عورتوں پر" اس سے مراد... واللہ اعلم!... یہ ہے کہ مرد لوگ عورتوں کے تمام اُمور کے کفیل اور ذمہ دار ہیں، ان کے معاملات کی ذمہ داری اُٹھانے والے اور ان کا اہتمام کرنے والے ہیں۔"

"والقيم السيد وسائس الأمر ..... والقوام المتكفل بالأمر۔"

(تاج العروس ج:۹ ص:۳۷)

ترجمہ:... "قیم کے معنی ہیں سردار اور کسی معاملے کی تدبیر کرنے والا..... اور قوام کے معنی ہیں وہ شخص جو کسی معاملے کا متکفل اور ذمہ دار ہو۔"

ان عبارات سے معلوم ہوا کہ "تاج العروس" اور "لسان العرب" میں بھی "قوام" کے وہی معنی بتائے گئے ہیں، جو عام طور سے علمائے اُمت نے بتائے ہیں، یعنی: رئیس، حاکم، سردار، منتظم، مدبر، مصلح، کسی کے معاملات کا ذمہ دار اور اَحکام نافذ کرنے والا۔ معلوم ہوتا ہے کہ موصوف نے "تاج" اور "لسان" کی عبارتوں کا مطلب ہی نہیں سمجھا۔

لغت کے بعد اَب تفاسیر کو لیجئے!

الف:... "اَلرِّجَالُ قَوّٰمُوْنَ عَلَى النِّسَآءِ.... نافذى الأمر عليهن فيما جعل الله اليهم من امورهن۔" (ابن جریر ج:۴ ص:۵۷)

ترجمہ:... "مرد، عورتوں پر "قوام" ہیں کہ ان کا حکم عورتوں پر نافذ ہے، عورتوں کے ان اُمور میں جو اللہ تعالیٰ نے مردوں کے سپرد فرمائے ہیں۔"

ب:... "اَلرِّجَالُ قَوّٰمُوْنَ عَلَى النِّسَآءِ۔ اى مسلطون على أدبهن والأخذ فوق أيديهن، فكأنه تعالىٰ جعله أميرا عليها ونافذ الحكم فى حقها۔" (تفسیر کبیر ج:۱۰ ص:۸۸)

ترجمہ:... ”مرد مسلط کئے گئے ہیں عورتوں پر، ان کو اَدب سکھانے اور ان کا ہاتھ پکڑنے کے لئے، پس گویا اللہ تعالیٰ نے مرد کو عورت پر حاکم بنایا ہے کہ اس کے حق میں مرد کا حکم نافذ ہے۔“

ج:... ”اَلرِّجَالُ قَوَّامُوْنَ عَلَی النِّسَآءِ۔ قیامهم علیهن بالتأدیب والتدبیر والحفظ والصیانة۔“ (احکام القرآن جصاص ج:۲ ص:۱۸۸)

ترجمہ:... ”قوام سے مراد یہ ہے کہ مرد عورتوں پر مسلط ہیں، ان کو اَدب سکھانے، ان کی تدبیر کرنے اور ان کے حفظ و صیانت کے ذریعہ۔“

د:... ”قَوَّامُوْنَ عَلَی النِّسَآءِ۔ یقومون علیهن آمرین ناهین، کما یقوم الولاة علی الرعایا۔“ (کشاف ج:۱ ص:۵۰۵)

ترجمہ:... ”مرد عورتوں پر مسلط ہیں، ان کو اَمر و نہی کرتے ہیں، جیسا کہ حکام رعایا پر مسلط ہوتے ہیں، اسی بنا پر ان کو ”قوام“ فرمایا گیا ہے۔“

اسی نوعیت کے الفاظ تمام تفاسیر میں ذکر کئے گئے ہیں، جن سے واضح ہوتا ہے کہ مرد، عورت کے صرف معاشی کفیل نہیں، بلکہ ان کی اخلاقی و دینی اِصلاح و تادیب کی ذمہ داری بھی ان پر ڈالی گئی ہے، اور ان کو ”گھر کی حکومت“ کا نگرانِ اعلیٰ بنایا گیا ہے۔

جہاں تک اُردو تراجم کا تعلق ہے، حضرت شاہ عبدالقادر محدث دہلویؒ کے ”اِلہامی ترجمہ“ سے لے کر حضرت حکیم الامت تھانویؒ تک تمام اکابرؒ نے اس کا ترجمہ ”حاکم“ یا اس کے ہم معنی الفاظ میں کیا ہے، لہٰذا کوثر نیازی صاحب کا یہ سمجھنا کہ اس کے معنی ”حاکم“ نہیں، بلکہ صرف معاشی کفیل کے ہیں، صحیح نہیں۔ دراصل موصوف نے کفالت کا اُردو محاورہ ذہن میں رکھ کر یہ سمجھا کہ اس کے معنی صرف معاشی ذمہ داریاں اُٹھانے تک محدود ہیں۔

موصوف کو معلوم ہونا چاہئے کہ ائمۂ اِجتہاد نے اسی آیت سے اِستدلال کرتے ہوئے یہ قرار دیا ہے کہ عورت اِمامتِ صغریٰ و کبریٰ کی صلاحیت نہیں رکھتی، اس پر تفاسیر کے علاوہ فقہائے اَربعہؒ کے مذاہب کے حوالے اپنے رسالے ”عورت کی سربراہی“ میں نقل کرچکا ہوں، ایک جدید حوالہ اِمام شافعیؒ کی ”کتاب الام“ سے نقل کرتا ہوں:

”قال الشافعی رحمه الله تعالٰی: واذا صلت المرأة برجال ونساء وصبیان ذکور، فصلٰوة النساء مجزئة، وصلٰوة الرجل والصبیان الذکور غیر مجزئة، لأن الله عز وجل جعل الرجال قوامین علی النساء، وقصرهن عن أن یکنّ أولیاء وغیر ذالک۔“

(کتاب الام ج:۱ ص:۱۹۱)

ترجمہ:... ”اِمام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ جب کسی عورت نے مردوں، عورتوں اور لڑکوں کو نماز پڑھائی تو عورتوں کی نماز تو ہوگئی، لیکن مردوں اور لڑکوں کی نماز نہیں ہوگی، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے مردوں کو عورتوں پر ”قوام“ بنایا ہے، اور عورتوں کو اس سے قاصر قرار دیا ہے کہ ان کو کسی پر ولایت وغیرہ حاصل ہو۔“

اگر موصوف، ائمۂ مجتہدینؒ کے اِشاروں کو سمجھنے کی صلاحیت رکھتے ہیں تو انہیں امام شافعیؒ کی مندرجہ بالا عبارت سے معلوم ہوگا کہ مردوں کو عورتوں پر "قوام" بنانے کے معنی یہ ہیں کہ عورتیں کسی پر ولایت و اختیار کی صلاحیت نہیں رکھتیں، لہٰذا ان کا حاکم بنایا جانا وضعِ فطرت کے خلاف ہے۔

تیرہواں مغالطہ:... جناب کوثر نیازی صاحب، اِرشادِ خداوندی: "وَبِمَآ اَنْفَقُوْا مِنْ اَمْوَالِهِمْ" کا مدعا سمجھنے سے بھی قاصر رہے ہیں، لہٰذا مختصر الفاظ میں اس کی وضاحت بھی مناسب ہے۔

حق تعالیٰ شانہٗ اس آیتِ شریفہ میں "تدبیرِ منزل" کا صالح اور فطری نظام اِرشاد فرمارہے ہیں، وہ یہ کہ "گھر" مرد اور عورت سے تشکیل پاتا ہے، اس کی تشکیل کی فطری وضع یہ ہے کہ "گھر" میں مرد حاکم ہو، اور عورت اس کے زیرِ حکم ہو، "اَلرِّجَالُ قَوّٰمُوْنَ عَلَى النِّسَآءِ" سے اسی کی طرف اِشارہ فرمایا ہے، پھر مردوں کی حاکیت و قوامیت کے دو اَسباب ذکر فرمائے، ایک خلقی اور فطری سبب، جس کو: "بِمَا فَضَّلَ اللهُ بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ" سے ذکر فرمایا، یعنی اللہ تعالیٰ نے بعض فطری اوصاف و کمالات میں مردوں کو عورتوں پر فوقیت دی ہے، جس کا مقتضا یہ ہے کہ مرد، عورتوں پر "قوام" ہوں، اور عورتیں ان کے زیرِ حکم رہیں۔

دُوسرا سبب کسبی ہے، جس کو "وَبِمَآ اَنْفَقُوْا مِنْ اَمْوَالِهِمْ" سے بیان فرمایا، یعنی چونکہ مردوں نے گھر بسانے کے لئے عورتوں کو مہر ادا کئے ہیں، اور ان کے نان و نفقہ اور معاشی ضروریات کا بار اُٹھایا ہے، اس بنا پر بھی مردوں کو عورتوں پر فوقیت ہے، اور وہ گھر کے حاکم اور اَفسرِ اعلیٰ ہیں۔ پھر مردوں کی حاکیت کے ان دو اَسباب کو ذکر کرنے کے بعد اس حاکیت کا نتیجہ ان الفاظ میں ذکر فرماتے ہیں: "فَالصّٰلِحٰتُ قٰنِتٰتٌ" (پس نیک عورتیں وہ ہیں جو مردوں کی فرمانبردار ہوں)، پس آیتِ شریفہ کا مدعا یہ ہے کہ مردوں کو عورتوں پر "قوام" اور "حاکم" اس لئے مقرّر کیا گیا کہ اوّل تو غیر اِختیاری اور فطری خصائص میں مردوں کو عورتوں پر فوقیت ہے، اب اگر گھر یو حکومت کا حاکم مردوں کے بجائے عورتوں کو مقرّر کیا جاتا تو سارا نظام تلپٹ ہوکر رہ جاتا، دُوسرے عورتوں کے مصارف (مہر اور نان و نفقہ) کی ذمہ داری بھی مردوں پر رکھی گئی ہے، گویا وہ مردوں کی زیردست اور دست نگر ہیں، اور عقل و فطرت کا تقاضا یہ ہے کہ جن لوگوں کو اللہ تعالیٰ نے بالادست بنایا ہو، ان کو زیردستوں پر حاکم تسلیم کیا جائے۔

جناب نیازی صاحب نے ایک غلطی تو یہ کی کہ قرآنِ کریم نے مردوں کی قوامیت کے جو دو اَسباب بیان فرمائے تھے، ان میں سے پہلے سبب کی طرف تو آنکھ اُٹھاکر بھی نہیں دیکھا، اور دُوسری غلطی یہ کہ: "وَبِمَآ اَنْفَقُوْا مِنْ اَمْوَالِهِمْ" کے بلیغ الفاظ سے قرآنِ کریم نے جس دعویٰ کی دلیل بیان فرمائی تھی، موصوف کی نظرِ عالی اس کی حقیقت تک رسائی سے قاصر رہی، عجائبات میں سے ہے کہ ایسی فہم و دانش کے باوصف موصوف ائمۂ اِجتہادؒ کی خردہ گیری فرماتے ہیں، اور ان اکابرؒ کے فیصلوں کا مذاق اُڑاتے ہیں۔

نیازی صاحب نے برسوں تک "جماعتِ اسلامی" کی صحرانوردی کی ہے، خود بھی "قیم جماعت اسلامی حلقہ لاہور" رہے ہیں۔ جماعت اسلامی کی اِصطلاح "قیم جماعت اسلامی" سے یقیناً وہ ناواقف نہیں ہوں گے، ان سے دریافت کیا جاسکتا ہے کہ کیا "قیم جماعت اسلامی" کے معنی یہ ہیں کہ وہ جماعت اسلامی کے "نان و نفقہ کا کفیل" ہوتا ہے؟

چودہواں مغالطہ:... موصوف سورۂ نمل میں ذکر کردہ قصۂ بلقیس سے، حضرت تھانویؒ کے حوالہ سے اِستدلال کرتے ہیں

کہ عورت حکمران بن سکتی ہے، اگر موصوف نے اس جگہ حضرت تھانویؒ کی "بیان القرآن" کے فوائد دیکھ لئے ہوتے تو ان کو غلط فہمی نہ ہوتی، حضرتؒ لکھتے ہیں:

"اور ہماری شریعت میں عورت کو بادشاہ بنانے کی ممانعت ہے، پس بلقیس کے قصے سے کوئی شبہ نہ کرے، اوّل تو یہ فعل مشرکین کا تھا، دُوسرے اگر شریعتِ سلیمانیہ نے اس کی تقریر بھی کی ہو تو شرعِ محمدی میں اس کے خلاف ہوتے ہوئے وہ حجت نہیں۔" (بیان القرآن ج:۸ ص:۸۵)

اور خود اسی فتویٰ میں، جس کا کوثر نیازی صاحب نے حوالہ دیا ہے، حضرت تھانویؒ تحریر فرماتے ہیں:

"حضرات فقہاء نے اِمامتِ کبریٰ میں ذکورۃ (یعنی مرد ہونے) کو شرطِ صحت اور قضا میں، گو شرطِ صحت نہیں، مگر شرطِ صون عن الاثم فرمایا ہے۔" (امداد الفتاویٰ ج:۵ ص:۱۰۰)

مطلب یہ کہ اگر عورت کو حاکمِ اعلیٰ بنادیا گیا تو چونکہ اس منصب کے لئے مرد ہونے کی شرط تھی، اس لئے عورت کی حکومت صحیح نہیں ہوگی، بلکہ اہلِ حل و عقد پر لازم ہوگا کہ کسی مرد کو حاکم بنائیں، اور اگر عورت کو قاضی بنادیا گیا تو فقہائے حنفیہ کے نزدیک اس کا تقرّر تو صحیح ہوجائے گا، لیکن بنانے والے گناہگار ہوں گے، اور اس گناہ کے اِزالے کے لئے ضروری ہوگا کہ عورت کو اس منصب سے ہٹائیں۔ اب کوثر نیازی صاحب اِنصاف فرمائیں کہ کیا حضرت تھانویؒ کے فتویٰ کی رُو سے عورت کے سربراہِ حکومت بننے کی گنجائش ہے...؟ حضرت تھانویؒ کے جس فتوے کا حوالہ مولانا کوثر نیازی نے دیا ہے، اس کی توجیہ و تعلیل، میں اپنے رسالے "عورت کی سربراہی" میں ذِکر کرچکا ہوں، اس کو ملاحظہ فرمالیا جائے۔

نیازی صاحب حدیثِ نبوی: "لن یفلح قوم ولّوا أمرھم امرأۃ" کو ساقط الاعتبار قرار دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

"لے دے کر علمائے کرام اس سلسلے میں ایک حدیث پیش کرتے ہیں، جس میں راوی کہتا ہے کہ:

"مجھے جنگِ جمل کے دوران رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے اس قول سے اِطمینان ہوا جب ایرانیوں نے اپنے بادشاہ کسریٰ کی بیٹی کو اپنا حکمران بنالیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس قوم نے عورت کو اپنا حکمران بنالیا، وہ کبھی فلاح نہیں پاسکتی۔"

اس روایت میں "جنگِ جمل کے دوران" کے الفاظ سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ یہ روایت اس وقت سامنے آئی جب اُمّ المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہؓ خود ایک فوج کی قیادت کرتے ہوئے قصاصِ عثمانؓ کے مطالبے کے لئے میدان میں اُتریں، ان کی قیادت کو غلط ثابت کرنے کے لئے اس روایت کا سہارا لے لیا گیا، اور یہ خیال میرا ہی نہیں فتح الباری جلد:۱۳ صفحہ:۵۶ پر اِمام حجر عسقلانی نے بھی اسی رائے کا اظہار کیا ہے۔"

یہاں بھی موصوف کو چند در چند مغالطے ہوئے ہیں۔

پندرہواں مغالطہ:... موصوف کے حقارت آمیز الفاظ: "لے دے کر علمائے کرام اس سلسلے میں ایک حدیث پیش کرتے ہیں" سے معلوم ہوتا ہے کہ موصوف کے خیال میں اَئمہٴ اِجتہاد... جن کو موصوف "علمائے کرام" کے لفظ سے تعبیر فرماتے ہیں... کے

دامن میں اس ایک حدیث کے سوا کچھ نہیں، حالانکہ یہ موصوف کی غلط فہمی ہے، اُوپر قرآنِ کریم کی آیاتِ شریفہ کی طرف اِشارہ کر آیا ہوں، جو عورت کے مقام و مرتبہ کا تعین کرتی ہیں، اور جن سے ائمہٴ مجتہدینؒ نے یہ مسئلہ اخذ کیا ہے۔ اسی طرح ذخیرہٴ احادیث پر نظر ڈالی جائے تو بہت سی احادیث اس مسئلے پر روشنی ڈالتی ہیں، جیسا کہ اہلِ نظر پر مخفی نہیں، اس لئے ''لے دے کر ایک حدیث پیش کرتے ہیں'' کا جملہ ائمہٴ مجتہدینؒ کے حق میں سوءِ ادب اور گستاخی ہے، افسوس ہے کہ ان کا ''ادب ناشناس'' قلم ایسی گستاخیوں کا عادی ہو چکا ہے۔

سولہواں مغالطہ:... موصوف کو حدیث کا مفہوم سمجھنے میں بھی اِلتباس ہوا ہے، ''صحیح بخاری'' کتاب المغازی، ''بـــاب کتاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم اِلٰی کسریٰ وقیصر'' میں حدیث کا متن ان الفاظ میں مذکور ہے:

ترجمہ:... ''حضرت ابوبکرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے ایک بات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سن رکھی تھی، اس نے مجھے جنگِ جمل کے موقع پر نفع پہنچایا، بعد اس کے کہ قریب تھا کہ میں اصحابِ جمل میں شامل ہو کر ان کی معیت میں جنگ کروں، (جو بات میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سن رکھی تھی، یہ تھی کہ) جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ خبر پہنچی کہ اہلِ فارس نے کسریٰ کی بیٹی کو اپنی ملکہ بنالیا ہے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اِرشاد فرمایا: وہ قوم کبھی فلاح نہیں پائے گی جس نے حکومت عورت کے حوالے کردی۔

اور ترمذی اور نسائی کی روایت ہے کہ حضرت ابوبکرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

مجھے اللہ تعالیٰ نے بچالیا ایک بات کے ذریعے جو میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سن رکھی تھی۔ (آگے حدیث ذکر کرنے کے بعد فرماتے ہیں) جب حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بصرہ آئیں تو مجھے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ بات یاد آگئی، پس اللہ تعالیٰ نے مجھے (جنگ میں شرکت سے) بچالیا۔

اور عمر بن شبہ کی روایت میں ہے کہ:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے حضرت ابوبکرہ رضی اللہ عنہ کو بلوایا تو انہوں نے جواب دیا کہ: بلاشبہ آپ ماں ہیں اور بے شک آپ کا حق بڑا عظیم ہے، لیکن میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ اِرشاد فرماتے ہوئے خود سنا ہے کہ: وہ قوم کبھی فلاح نہیں پائے گی جس کی حکمران عورت ہو۔'' (فتح الباری ج:۱۳ ص:۵۶)

ان روایات سے چند اُمور واضح ہوئے:

۱:... حضرت ابوبکرہ رضی اللہ عنہ مسلمانوں کی باہمی خانہ جنگی میں یکسر غیرجانبدار تھے، مگر ان کا قلبی میلان حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی جانب تھا۔

۲:... اس قلبی میلان کی وجہ سے قریب تھا کہ وہ حضرت اُمّ المؤمنینؓ کی صف میں شامل ہو کر معرکے میں شریک ہوجاتے۔

۳:... لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا اِرشادِ گرامی، جو انہوں نے اپنے کانوں سے سن رکھا تھا، اس کی وجہ سے وہ اپنے اس خیال سے باز رہے۔

۴:... حضرت اُمّ المؤمنینؓ نے جب ان کو اپنی حمایت کے لئے بلایا تو انہوں نے اُمّ المؤمنینؓ کے پورے ادب و احترام کے

باوصف، اسی ارشادِ نبوی کی بنا پر ان سے معذرت کرلی، اور حضرت اُمّ المؤمنینؓ نے بھی یہ اِرشاد سن کر سکوت اختیار فرمایا، اور ان پر مزید اِصرار نہیں فرمایا، گویا حضرت اُمّ المؤمنینؓ بھی اس اِرشادِ نبوی سے ناواقف نہیں تھیں۔

حافظ ابنِ حجرؒ لکھتے ہیں کہ اس حدیثِ نبوی سے حضرت ابوبکرہؓ نے یہ اندازہ کرلیا تھا کہ حضرت عائشہؓ کا لشکر کامیاب نہیں ہوگا، اس لئے وہ اس لڑائی میں ان کا ساتھ دینے سے باز رہے، بعد میں حضرت علیؓ کا غلبہ دیکھا تو ان پر ترکِ قتال کے بارے میں اپنی رائے کی صحت واضح ہوگئی۔

حدیث کا متن اور حافظ الدنیا ابنِ حجر عسقلانی کی تصریحات ملاحظہ کرنے کے بعد دوبارہ ایک نظر کوثر صاحب کی مندرجہ بالا عبارت پر ڈالئے تو معلوم ہوگا کہ:

۱:... جناب کوثر صاحب یا تو حدیث کا مفہوم ہی نہیں سمجھے، یا انہوں نے مطلب براری کے لئے حدیث کے مفہوم کو قصداً مسخ کیا ہے۔

۲:... حدیث کے اوّلین راوی حضرت ابوبکرہ رضی اللہ عنہ ایک مشہور صحابی ہیں، لیکن موصوف ''راوی کہتا ہے'' کے لفظ سے ان کے ''مجہول'' ہونے کا تأثر دے رہے ہیں۔

۳:... رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جلیل القدر صحابیؓ فرماتے ہیں کہ فلاں موقع پر مجھے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہوا اِرشاد یاد آیا، جس نے مجھے فتنے میں واقع ہونے سے بچالیا، کوثر صاحب ان پر یہ تہمت لگا رہے ہیں کہ انہوں نے حضرت عائشہؓ کی قیادت کو غلط ثابت کرنے کے لئے اس روایت کا سہارا لیا، گویا حدیث خود گھڑلی۔

۴:... حافظ ابنِ حجر عسقلانیؒ فرماتے ہیں کہ جنگِ جمل میں حضرت علیؓ کے غلبے نے حضرت ابوبکرہؓ پر ان کی رائے کی صحت واضح کردی تھی، لیکن کوثر نیازی صاحب اپنے مفروضات کو حافظؒ کے سر دھرتے ہیں، إنا لله وإنا إليه راجعون!

سترہواں مغالطہ:... جناب کوثر نیازی صاحب نے ''علم مصطلح الحدیث'' اور ''فن اسماء رجال'' کو بھی اپنے زرّیں ''افادات'' سے مزین کرنا ضروری سمجھا، چنانچہ حدیث کے رجال پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

> ''حدیث پر غور کرنے کے لئے دُوسرا قابلِ غور پہلو یہ ہے کہ جن افراد نے یہ روایت بیان کی ہے یا حدیث کی اِصطلاح میں جتنی اس کی اسناد ہیں، ان سب کا تعلق بصرہ (عراق) سے ہے، فتح الباری جلد:ہشتم صفحہ:۹۷ پر ہے:
>
> ''والأسناد كله بصريون'' اس کے تمام راوی بصرہ سے تعلق رکھتے ہیں۔
>
> مکہ اور مدینہ سے کسی راوی کا تعلق نہیں تھا، حالانکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے حدیث سننے والے اور اوّلیں سننے والے مکہ اور مدینہ کے اصحاب ہونے چاہئیں، یہی وجہ ہے کہ علامہ جلال الدین سیوطیؒ نے اِمام شافعیؒ کے حوالے سے لکھا ہے کہ جس حدیث سے مکہ اور مدینہ کے اصحاب واقف نہ ہوں، اس کا حقیقت سے کوئی تعلق نہیں۔ (تدریب الراوی از سیوطیؒ ص:۲۳)۔''

کوثر نیازی صاحب اس حدیث کی اسناد کے بصری ہونے سے یہ سمجھے ہیں... یا لوگوں کو یہ سمجھانا چاہتے ہیں.. کہ اس کے تمام راوی ہمیشہ بصرہ کے گلی کوچوں تک محدود رہے، ان کو کبھی کسی دُوسرے شہر کی ہوا نہیں لگی، اور وہ کبھی مکہ یا مدینہ نہیں گئے، نہ کسی نے یہ حدیث آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بلاواسطہ سنی، لہٰذا... نعوذ باللہ!... یہ حدیث غلط ہے، خودساختہ ہے، جھوٹی ہے۔ کوثر نیازی صاحب کے یہ ''افادات'' محدثین کی اصطلاح سے ان کی ناواقفی کا نتیجہ ہیں، انہوں نے حافظؒ کے کلام میں یہ تو پڑھ لیا کہ اس کے تمام راوی بصری ہیں، کاش! وہ کسی طالبِ علم سے اس کا مطلب بھی پوچھ لیتے کہ کسی اسناد کے بصری ہونے کا کیا مطلب ہے؟

تفصیل اس کی یہ ہے کہ جب بصرہ، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دور میں سن چودہ ہجری میں آباد ہوا تو اس کی سرزمین کو سب سے پہلے صحابہ کرامؓ کی قدم بوسی کا شرف حاصل ہوا، اور بہت سے صحابہ کرامؓ نے یہاں سکونت اِختیار فرمائی۔ چنانچہ ابنِ سعد نے ''طبقاتِ کبریٰ'' (ج:۷ ص:۵ تا ۹۰) میں ڈیڑھ سو سے زائد اُن صحابہ کرامؓ کا تذکرہ لکھا ہے، جنہوں نے بصرہ میں سکونت اِختیار کرلی تھی، ان میں حضرت انس بن مالک (خادم النبی صلی اللہ علیہ وسلم)، حضرت ابوبرزہ اسلمی، حضرت عمران بن حصین، حضرت عتبہ بن غزوان، حضرت معقل بن یسار، حضرت عبدالرحمن بن سمرہ اور حضرت ابوبکرہ رضی اللہ عنہم، جیسے مشاہیر صحابہ بھی شامل ہیں، حضرت امام حسن بصریؒ کا قول ہے:

''لم ینزل البصرة افضل من ابی بکرة وعمران بن حصین۔''

(استیعاب حاشیہ اصابہ ج:۳ ص:۵۶۸، الذہبی: تاریخ الاسلام ج:۴ ص:۳۳۳، سیر اعلام النبلاء ج:۳ ص:۱۰)

ترجمہ:... ''بصرہ میں کسی ایسے شخص نے رہائش اِختیار نہیں کی، جو حضرت ابوبکرہؓ اور عمران بن حصینؓ سے افضل ہو۔''

حضراتِ محدثین کی اِصطلاح یہ ہے کہ جن حضراتِ صحابہؓ نے ملکِ شام میں سکونت اختیار فرمائی، ان کو ''شامی'' شمار کرتے ہیں، مصر میں آباد ہونے والوں کو ''مصری'' اور بصرہ کے متوطن حضرات کو ''بصری'' شمار کرتے ہیں... وعلیٰ ہذا... اب ان حضرات کے ہم وطن تابعین جب ان صحابہؓ سے روایت کرتے ہیں تو یہ اسناد شامی، مصری، کوفی، بصری، خراسانی (وغیرہ، وغیرہ) کہلاتی ہے۔ اور بعض اوقات کسی محدث کو ایک ہی شہر کے راویوں کے سلسلۂ سند سے روایت پہنچتی ہے تو ایسے موقع پر کہا جاتا ہے: **''والاسناد کلہ مصریون، شامیون، بصریون، کوفیون''** وغیرہ، وغیرہ۔ اور یہ چیز ''لطائفِ اسناد'' میں شمار کی جاتی ہے۔

زیرِ بحث حدیث کے اوّلین راوی حضرت ابوبکرہ رضی اللہ عنہ صحابی ہیں، غزوۂ طائف کے موقع پر اسلام لائے، اور وصالِ نبوی تک سفر و حضر میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہے، اور وصالِ نبوی کے بعد بھی ۱۴ھ تک مدینہ شریف میں قیام پذیر رہے، انہوں نے یہ حدیث اپنے کانوں سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانِ مبارک سے سنی تھی، چنانچہ وہ **''سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم''** کی تصریح فرماتے ہیں، لیکن ہمارے کوثر نیازی صاحب، اسناد کے ''بصری'' ہونے سے یہ مغالطہ دیتے ہیں کہ اس کے اوّلین راوی کو کبھی مکہ و مدینہ کی زیارت کا بھی شرف حاصل نہیں ہوا، چہ جائیکہ اس نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضری کا شرف حاصل کیا ہو، کوثر صاحب کی اس خوش فہمی پر **انا للہ وانا الیہ راجعون!** کے سوا اور کیا عرض کیا جائے...؟

حضرت ابوبکرہ صحابی رضی اللہ عنہ سے اس حدیث کو روایت کرنے والے عالمِ اسلام کی شہرۂ آفاق ہستی حضرت اِمام حسن بصریؒ ہیں، اور ان سے روایت کرنے والی ایک جماعت ہے، حافظ ابنِ حجرؒ، اِمام ابنِ عساکرؒ کے حوالے سے لکھتے ہیں:

"رواہ عن الحسن جماعۃ واحسنھا اسنادًا روایۃ حمید." (فتح الباری ج:۱۳ ص:۵۴)

ترجمہ:... "اس حدیث کو اِمام حسن بصریؒ سے ایک جماعت نے روایت کیا ہے، ان میں سب سے اچھی سند حمید کی روایت کی ہے۔"

اب کوثر نیازی صاحب سے دریافت کیا جاسکتا ہے کہ وہ اس حدیث کو جھوٹی قرار دے کر اس جھوٹ کا اِلزام حضرت ابوبکرہ صحابیؓ کے سر رکھنا چاہتے ہیں، یا عالمِ اسلام کے مایۂ ناز اِمام التابعین حضرت حسن بصریؒ کے سر، یا ان سے روایت کرنے والی ایک پوری جماعت کے سر...؟ اس ناکارہ کا مشورہ یہ ہے کہ وہ ان اکابرؒ پر بہتان باندھنے کے بجائے یہ اِعتراف کرلیں کہ ان کی فنِ حدیث سے ناواقفی اور خوش فہمی نے یہ گل کھلائے ہیں، اور ان اکابر صحابہؓ و تابعینؒ پر بہتانِ عظیم باندھنے سے توبہ کرلیں۔

اٹھارہواں مغالطہ:... موصوف نے "تدریب الراوی" کے حوالے سے اِمام شافعیؒ کا جو قول نقل کیا ہے، اس میں موصوف کو تین غلط فہمیاں ہوئی ہیں:

اوّل:... یہ کہ اِمام شافعیؒ کا یہ قول اپنے دور... یعنی دُوسری صدی کے آخر... کے بارے میں ہے، حاشا کہ حضرات صحابہ کرامؓ اور اکابر تابعینؒ کے بارے میں اِمام شافعیؒ ایسی مہمل بات کہیں۔

دوم:... یہ کہ اِمام شافعیؒ کے اصل الفاظ یہ ہیں:

"کل حدیث جاء من العراق ولیس لہ اصل فی الحجاز فلا تقبلہ وإن کان صحیحًا، ما أرید إلّا نصیحتک." (تدریب الراوی ج:۱ ص:۸۵، مطبوعہ میر محمد کراچی)

ترجمہ:... "ہر وہ حدیث جو عراق سے آئی ہو اور حجاز میں اس کی کوئی اصل نہ ہو، تو اس کو قبول نہ کیجئے، اور اگر صحیح حدیث ہو تو دُوسری بات ہے، میرا مقصد تجھے نصیحت کرنا ہے۔"

آپ دیکھ رہے ہیں کہ اس میں "مکہ اور مدینہ کے اصحاب" کے الفاظ نہیں ہیں، یہ الفاظ موصوف نے غلط فہمی کی بنا پر خود تصنیف کرکے اِمام شافعیؒ سے منسوب کردیئے ہیں۔ اگر موصوف نے اِمام شافعیؒ کی "مسند" کا مطالعہ کیا ہوتا تو انہیں نظر آتا کہ اِمام شافعیؒ کی "مسند" موصوف کے ان الفاظ کی تکذیب کر رہی ہے، کیونکہ خود انہوں نے بہت سی روایات "مکہ اور مدینہ کے اصحاب" کے علاوہ دُوسرے حضرات سے لی ہیں۔

سوم:... یہ کہ عراق کی روایات پر جب محدثین تنقید کرتے ہیں یا انہیں مشکوک نظروں سے دیکھتے ہیں تو "عراق" سے ان کی مراد کوفہ ہوتا ہے، تنہا بصرہ کو "عراق" کے لفظ سے وہ تعبیر نہیں کرتے، البتہ جب کوفہ و بصرہ دونوں ملاکر ذِکر کرتے ہیں تو انہیں "عراقیین" کے لفظ سے تعبیر فرماتے ہیں، کوفہ چونکہ روافض کا مرکز تھا، جنہیں "أکذب خلق اللہ" قرار دیا گیا ہے، اس لئے محدثین "کوفی" روایات کو بے حد مشکوک نظر سے دیکھتے تھے، اور جب تک قرائن و شواہد سے ان کی صحت کا اِطمینان نہ ہوجاتا، ان سے پُرحذر

رہنے کی تلقین فرماتے تھے، لیکن بصری روایات کے بارے میں ان کی رائے ایسی سخت نہیں تھی، "تدریب" میں حافظ سیوطیؒ نے حافظ ابنِ تیمیہؒ کا قول نقل کیا ہے:

"وقال ابن تيمية: إتفق أهل العلم بالحديث على أن أصح الأحاديث ما رواه أهل المدينة، ثم أهل البصرة، ثم أهل الشام." (تدریب ج:۱ ص:۸۶، طبع جدید ج:۱ ص:۳۹)

ترجمہ:... "محدثین کا اس پر اِتفاق ہے کہ صحیح تر حدیث وہ ہے جو اہلِ مدینہ کی روایت ہو، پھر اہلِ بصرہ کی، پھر اہلِ شام کی۔"

اور اس سے پہلے خطیب بغدادیؒ کا قول نقل کیا ہے:

"وقال الخطيب: أصح طرق السنن ما يرويه أهل الحرمين (مكة والمدينة) فإن التدليس عنهم قليل، والكذب ووضع الحديث عندهم عزيز ولأهل اليمن روايات جيدة وطرق صحيحة إلّا انها قليلة ومرجعها إلى أهل الحجاز أيضا. ولأهل البصرة من السنن الثابتة بالأسانيد الواضحة ما ليس لغيرهم مع إكثارهم. والكوفيون مثلهم في الكثرة غير ان رواياتهم كثيرة الدغل قليلة السلامة مع العلل." (تدریب ج:۱ ص:۸۵، طبع جدید ج:۱ ص:۳۹)

ترجمہ:... "احادیث کی صحیح تر اَسانید وہ ہیں جو اہلِ حرمین، مکہ و مدینہ کی روایت سے ہوں، کیونکہ ان میں تدلیس کم ہے، اور جھوٹی احادیث گھڑنا نہ ہونے کے برابر ہے، اور اہلِ یمن کے یہاں روایات جیدہ اور طرق صحیحہ ہیں، مگر کم ہیں۔ اور ان کا بھی مرجع اہلِ حجاز کی طرف ہے، اور اہلِ بصرہ کے پاس بہت سی احادیثِ صحیحہ، اسانیدِ واضحہ کے ساتھ موجود ہیں جو دُوسروں کے پاس نہیں، باوجودیکہ وہ کثیر الروایت ہیں، اور کثرتِ روایت میں اہلِ کوفہ بھی اہلِ بصرہ کی مانند ہیں، مگر ان کی روایات میں کھوٹ اور دھوکا بہت ہے، کم ہی روایات ہیں جو علل سے محفوظ اور سالم ہوں۔"

تدریب کی یہ عبارات اسی صفحہ پر ہیں، جہاں سے کوثر نیازی صاحب نے اِمام شافعیؒ کا فقرہ نقل کیا ہے، اور اس کا مفہوم و مدعا سمجھے بغیر اس سے اپنا مدعا اخذ کرنا چاہا ہے، لیکن افسوس کہ نہ تو انہوں نے کسی ماہرِ فن سے اس علم کو باقاعدہ سیکھا، نہ خود ایسی لیاقت کا مظاہرہ کیا کہ غور و فکر کے بعد وہ کسی صحیح نتیجے پر پہنچتے، اس لئے بلاتکلف اِمام شافعیؒ پر یہ تہمت دھردی کہ وہ مکہ اور مدینہ کے "اصحاب" کے سوا پورے عالمِ اسلام میں پھیلے ہوئے صحابہ کرامؓ کی روایات کو غلط سمجھتے ہیں، استغفر اللہ!

اُنیسواں مغالطہ:... کوثر نیازی صاحب، "صحیح بخاری" کی صحیح حدیث کو تاریخ کی کسوٹی پر پرکھتے ہوئے لکھتے ہیں:

"حدیث کا ایک اور قابلِ غور پہلو یہ ہے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کا کوئی اِرشاد ایسا نہیں ہوسکتا جسے تاریخ جھٹلانے کی جرأت کرسکے۔ اگر آپ نے فرمایا ہے کہ کوئی بھی قوم جس نے عورت کو سربراہ بنایا ہو، فلاح نہیں پاسکتی تو پھر تاریخ کو اس کی تصدیق کرنی پڑے گی۔ وہ اس قولِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی تردید کی جرأت

نہیں کرسکتی۔ "فلاح" دُنیا اور آخرت دونوں جگہ کامیابی اور کامرانی کا نام ہے اور ہمارے سامنے تاریخ ایسے لاتعداد واقعات پیش کر رہی ہے جن میں کئی عورتیں اپنے اپنے ملکوں اور قوموں کی سربراہ ہوئیں اور ان کا دور اپنے وقت کا سنہری دور تھا۔"

اس ضمن میں موصوف نے درج ذیل خواتین کا ذکر کیا ہے: رُوس کی ملکہ کیتھرائن، ہالینڈ کی ملکہ ہمینا، اس کی بیٹی اور نواسی، برطانیہ کی ملکہ وکٹوریہ، موجودہ ملکہ الزبتھ اور وہاں کی خاتونِ آہن مارگریٹ، لکسمبرگ کی ایک ڈچ ملکہ اور اس کی جانشین موجودہ ملکہ، اسرائیل کی گولڈا میئر، انڈیا کی اندرا گاندھی اور سری لنکا کی بندرانائیکے۔ یہ خواتین موصوف کے خیال میں مردوں سے زیدہ کامیاب اور لائق حکمران رہی ہیں اور ان کا دور "سنہری دور" سمجھا گیا ہے۔

مسلم خواتین میں مصر کے بادشاہ نجم الدین کی بیٹی... بیٹی نہیں بلکہ بیوی... ملکہ شجرۃ الدر، فاطمہ شریفہ، ملکہ ترخان، رضیہ سلطانہ، چاند بی بی اور بیگماتِ بھوپال کا حوالہ دیا ہے، مولانا موصوف ان خواتین کا ذکر کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

"سوال پیدا ہوتا ہے کہ اگر تاریخ کی یہ روشن مثالیں سب کی سب یہ شہادت دے رہی ہیں کہ ان خاتون حکمرانوں کے دور میں ان کی رعایا امن اور چین کی بنسری بجاتی رہی تو پھر یہ قولِ رسول کہاں جائے گا، جس میں یہ کہا گیا ہے کہ وہ قوم کامیاب نہیں ہوسکتی جس نے عورت کو اپنا سربراہ بنایا۔ کیا اس کا مطلب یہ ہے کہ خاکم بدہن ہم یہ مان لیں کہ تاریخ نے قولِ رسول کی تردید کردی، سمندر میں آگ لگ گئی، پھول بدبو دینے لگ گئے، چاند اور سورج اندھیرے پھیلانے لگے، دن رات بن گیا اور رات دن میں تبدیل ہوگئی۔"

کوثر نیازی صاحب کی منطق کا خلاصہ یہ ہے کہ ان خواتین کا دورِ حکومت "انسانیت کی فلاح" کا دور تھا، لہٰذا ان تاریخی واقعات نے ثابت کردیا کہ یہ حدیث جھوٹی ہے، حدیثِ رسول نہیں، ورنہ تاریخ کی کیا مجال تھی کہ وہ حدیث رسول کی تکذیب کرتی؟

یہاں موصوف کی فکر و دانش کو اتنی لغزشیں ہوئی ہیں کہ اس مختصر سے مضمون میں ان کا مکمل تجزیہ ممکن نہیں، تاہم مختصراً چند اُمور کی طرف اشارہ کرتا ہوں:

۱:... قرآنِ کریم میں چالیس کے قریب آیاتِ شریفہ ایسی ہیں جن میں "فلاح" کو اہلِ ایمان میں منحصر قرار دیا گیا ہے، اور کفر و فجار سے اس کی نفی کی گئی ہے۔ جناب کوثر نیازی صاحب نے جس منطق سے حدیثِ رسول کو جھٹلایا ہے، کوئی احمق اسی منطق کو آگے بڑھاتے ہوئے تاریخ کے حوالے سے قرآنِ کریم کی ان آیاتِ شریفہ کی... نعوذ باللہ!... تکذیب کرنے بیٹھ جائے تو کوثر صاحب کے پاس اس کا کیا جواب ہوگا؟ کیونکہ جب آنجناب نے یہ تسلیم کرلیا کہ ان کافر و فاجر عورتوں کا "سنہری دور" فلاح و کامرانی کا دور تھا، لہٰذا حدیث میں جو "فلاح" کی نفی کی گئی ہے وہ ان عورتوں کے "سنہری دور" اور ان کے "زرّیں کارناموں" نے غلط ثابت کردی تو آپ نے دانستہ یا نادانستہ یہ بھی تسلیم کرلیا کہ قرآن کا یہ دعویٰ کہ کفار و فجار کو "فلاح" نصیب نہیں ہوگی... نعوذ باللہ!... غلط ثابت ہوا، کیا آپ ہی کے الفاظ میں آپ سے یہ سوال نہیں کیا جاسکتا کہ:

"اگر ان... کافر و فاجر... خاتون حکمرانوں کے دور میں ان کی رعایا امن اور چین کی بنسری بجاتی رہی تو

پھر قرآن کا یہ ارشاد کہاں جائے گا جس میں کہا گیا ہے کہ کافروں اور فاجروں کو فلاح نصیب نہیں ہوگی، کیا اس کا مطلب یہ ہے کہ خاکم بدہن ہم یہ مان لیں کہ تاریخ نے قول اللہ کی تردید کردی؟''

قولِ رسول کے بارے میں تو آپ نے جھٹ سے کہہ دیا کہ یہ قولِ رسول ہی نہیں، کسی نے خود گھڑ کر اسے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے منسوب کردیا ہے، کیا قرآنِ کریم کی ان چالیس آیات کے بارے میں بھی روافض کی طرح یہی کہیں گے کہ تاریخ نے ...نعوذ باللہ!...ان آیات کو غلط ثابت کردیا ہے؟ **نعوذ باللہ من الغواية والغباوة!**

۲:...آنجناب نے ''فلاح'' کی تفسیر خود ہی یہ رقم فرمائی ہے کہ:

''فلاح دُنیا اور آخرت دونوں جگہ کی کامیابی و کامرانی کا نام ہے۔''

اس تفسیر کی روشنی میں آنجناب سے دریافت کیا جاسکتا ہے کہ ان کافر و فاجر خواتین کے دورِ حکمرانی میں... جن کی جھوٹی چمک دمک سے مرعوب ہوکر آنجناب اسے ''سنہری دور'' سمجھ بیٹھے ہیں... ان کو یا ان کی رعایا کو آخرت کی کون سی کامیابی و کامرانی میسر آئی؟ جس کی بنیاد پر آپ حدیثِ رسول کی تکذیب کرنے چلے؟ اگر ان کفار و فجار کو آخرت کی ''فلاح'' نصیب نہیں تو حدیثِ رسول کیسے غلط ثابت ہوئی؟

سب جانتے ہیں کہ ان خواتین کا دورِ حکومت خدا فراموشی اور خود فراموشی کا بدترین دور تھا، جس میں انسانی اقدار کی مٹی پلید ہوئی، انسان نے وحشی درندوں کا رُوپ دھار لیا، مرد و زن کا شدید اِختلاط ہوا، شہوت پرستی، اِباحیت اور جنسی انارکی کی وبا پھوٹ پڑی اور اس نے ساری دُنیا کو ''جنسی زکام'' میں مبتلا کردیا، انہی خواتین کے ''سنہری دور'' میں مغرب نے مادر پدر آزادی حاصل کرلی، معاشرہ تحلیل اور گھر کا نظام تلپٹ ہوکر رہ گیا، انسان نما جانور نے حیوانیت کے وہ کرشمے دِکھلائے کہ وحشی جانوروں کو بھی مات دے دی۔ ہاں! انہی خواتین کے ''زرّیں دور'' میں پارلیمنٹ نے ''ہم جنس شادی'' کے جواز کا قانون وضع کیا، گویا ''عملِ قومِ لوط'' کو قانونی سند مہیا کردی، چنانچہ پادری صاحبان نے گرجا میں دو لڑکوں کا ''نکاح'' پڑھایا، اور ان کو ''میاں بیوی'' کی حیثیت دی۔ پھر انہی خواتین کے دور میں طلاق کا حق مردوں کے بجائے عورتوں کے ہاتھ میں دیا گیا۔ ان خواتین کے منحوس دور میں انسانیت پر کیا کیا ظلم نہیں ڈھائے گئے؟ لیکن کوثر نیازی صاحب کی نظر میں یہ انسانیت کی ''فلاح و کامرانی'' کا دور تھا، اس لئے وہ فرض کرتے ہیں کہ تاریخ نے حدیثِ رسول کو جھٹلا دیا، اس عقل و دانش پر جناب کوثر نیازی صاحب ہی فخر کرسکتے ہیں...!

۳:...جن خواتین کے حوالے سے موصوف، حدیثِ رسول کی تکذیب کا فخریہ اِعلان کر رہے ہیں، ان کی حکومت معمول کی حکومت نہیں تھی، بلکہ حادثے کی پیداوار تھی، اور نظامِ شہنشاہیت کا شاخسانہ تھی، اس شہنشاہی نظام میں حکمرانی ''جہاں پناہ'' کے گھر کی لونڈی تھی، ملک اس کی جاگیر تھی اور تاج و تخت اس کی وراثت تھی، ''جہاں پناہ'' کی رحلت کے بعد اس کا لڑکا... خواہ نابالغ ہی کیوں نہ ہو... تاج و تخت کا وارث تصوّر کیا جاتا تھا۔ لڑکا نہ ہوتا تو لڑکی، بیوی، بہن ''ملکہ'' بن جاتی، چنانچہ نیازی صاحب نے جن خواتین کا حوالہ دیا ہے، وہ سب اسی حادثے کی پیداوار تھیں کہ ان کے ''شاہی خاندان'' میں کوئی مرد باقی نہیں رہا تھا، اور شہنشاہیت ''جہاں پناہ'' کے خاندان سے باہر نہیں جاسکتی تھی، لامحالہ ان خواتین کو زمامِ حکومت اپنے ہاتھ میں لینا پڑی، گویا یہ نظامِ ملوکیت بھی اس نکتے کو تسلیم کرتا تھا

کہ اگر کوئی حادثہ رُونما ہو تو حکومت عورتوں کا نہیں بلکہ مردوں کا حق ہے۔ جہاں تک حادثاتی واقعات کا تعلق ہے، دُنیا کا کوئی عقل مند ان کو معمول کے واقعات پر چسپاں نہیں کیا کرتا، بلکہ اہلِ عقل ایسے واقعات سے عبرت حاصل کیا کرتے ہیں۔ کون نہیں جانتا کہ عجیب الخلقت بچوں کی پیدائش کے واقعات رُونما ہوتے رہتے ہیں، لیکن کسی عاقل نے کبھی ان کو معیاری اور مثالی بچے قرار دے کر ان پر فخر نہیں کیا، یہ کوثر نیازی صاحب ہیں جو دورِ ملوکیت کے حادثاتی واقعات کو بطورِ مثال اور نمونہ پیش کرتے ہیں اور ان حادثاتی واقعات کے سہارے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث کو جھٹلانے کی جرأت کرتے ہیں۔

دورِ ملوکیت لد چکا ہے، اور اس کی جگہ نام نہاد "جمہوریت"... اور صحیح معنی میں جبریت... نے لے لی ہے۔ لیکن عوام کا ذہن آج بھی دورِ ملوکیت کی "غلامانہ ذہنیت" کا صیدِ زبون ہے، یہی وجہ ہے کہ انڈیا کے "تختِ جمہوریت" پر نہرو کے بعد اس کی بیٹی "اندرا" براجمان ہوئی، اور جب تک اس خاندان کا خاتمہ نہیں ہوگیا، انڈیا کا "تخت" اسی خاندان کی جاگیر بنا رہا، اگر قضا و قدر کے فیصلوں نے اس خاندان کے ایک ایک فرد کا خاتمہ نہ کردیا ہوتا تو ناممکن تھا کہ اس خاندان سے بھارت کی جان چھوٹ جاتی۔

۱۹۶۴ء کے صدارتی اِنتخاب میں مس فاطمہ جناح کو ایوب خان کے مقابلے میں لایا جانا بھی اسی ذہنی غلامی کا کرشمہ تھا، کیونکہ وہ بانیٔ پاکستان مسٹر محمد علی جناح کی بہن تھیں، اس لئے "بادشاہ کی بہن" کو صدر ایوب کے مقابلے میں حکومت کرنے کا زیادہ مستحق سمجھا گیا، وہ تو ایوب خان کے بی ڈی نظام نے بیڑا غرق کردیا کہ فاطمہ جناح کو شکست ہوئی، ورنہ اگر "ایک آدمی، ایک ووٹ" کے ذریعے یہ اِنتخابی معرکہ سر کرجاتا تو جیت یقیناً "بادشاہ کی بہن" کی ہوتی، ایوب خان کو کوئی پوچھتا بھی نہیں۔ سری لنکا کی مسز بندرا نائیکے کا اپنے شوہر کے بعد اس کی پارٹی کی قائد بن جانا، بنگلہ دیش کی حسینہ واجد کا باپ کی جگہ اور خالدہ ضیاء کا اپنے شوہر کی گدی پر قابض ہوجانا بھی عوام کی اسی شاہ پرستانہ اور غلامانہ ذہنیت کا مظہر ہے، اسی ذہنی غلامی کا نتیجہ ہے کہ پی پی کے "شاہ" کے بعد اس کے تخت کی وارث اس کی بیگم اور صاحبزادی قرار پائیں، کیونکہ تخت کے "اصل وارث" ان دنوں بیرونِ ملک تھے۔ آپ دیکھیں گے کہ جب تک اس "شاہی خاندان" کا ایک فرد بھی باقی ہے، پارٹی کی قیادت اور ملک کی حکومت، اس کا خاندانی حق تصوّر کیا جائے گا۔ کوثر نیازی صاحب کے خطبات و مقالات بھی اسی غلامانہ ذہنیت کی صدائے بازگشت ہے، جس کی بنیاد پر موصوف، اِرشادِ نبوی کی آہنی دیوار سے ٹکرا ٹکرا کر اپنے دِین و ایمان کا سر پھوڑ رہے ہیں۔

۴:... جن مسلم حکمران خواتین کے نام موصوف، بھولے بھالے عوام کے سامنے بطور "معیار" کے پیش کر رہے ہیں، اگر تاریخ کے اوراق میں ان خواتین کے کارناموں کا مطالعہ کیا جائے تو ان پر فخر کرنے کے بجائے شرم سے سر جھک جائیں گے۔ بطورِ مثال موصوف کی ممدوحہ "شجرۃ الدر" کے حالات میرے رسالے "عورت کی سربراہی" کے آخر میں بطورِ ضمیمہ منسلک ہیں، جن کا خلاصہ یہ ہے کہ اپنے شوہر نجم الدین کی وفات کے بعد اس نے بادشاہت کی خاطر شوہر کے بیٹے "توارن شاہ" کو خفیہ طور پر قتل کرایا، اور خود "بادشاہ" بن گئی، اس پر خلیفۂ بغداد مستنصر باللہ نے اہلِ مصر کے نام خط لکھا کہ:

"اے اہلِ مصر! اگر تمہارے یہاں کوئی مرد باقی نہیں رہا جو سلطنت کی اہلیت رکھتا ہو تو ہمیں بتاؤ، ہم ایسا مرد بھیج دیں گے جو حکمرانی کی اہلیت رکھتا ہو، کیا تم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ حدیث نہیں سنی کہ وہ

قوم ہرگز فلاح نہیں پائے گی جس نے عورت کو حکمران بنالیا۔“

خلیفہ نے اہلِ مصر پر زور دیا کہ عورت کو معزول کر کے اس کی جگہ کسی مرد کو حاکم مقرّر کیا جائے، خلیفہ کا یہ خط مصر پہنچا تو ”شجرۃ الدر“ اپنے سپہ سالار عزالدین ایبک کے حق میں دستبردار ہوگئی، اور اسے بادشاہ بنا کر خود اس سے شادی کرلی، چند دن بعد اپنے شوہر کو قتل کرادیا، بادشاہ کے قتل کے بعد اس نے بہت سے لوگوں کو ”تخت“ کی پیشکش کی، مگر کسی نے اسے قبول نہ کیا، بالآخر تاج وتخت سمیت اپنے آپ کو عزالدین ایبک کے وارثوں کے حوالے کرنے پر مجبور ہوئی، اور اپنے گھناؤنے کردار کی پاداش میں قتل ہوئی۔ کل اسّی (۸۰) دن اس کی حکومت رہی، جس کی خاطر اس نے اپنے شوہر کے بیٹے، اور دُوسرے شوہر کو قتل کرایا، اور خود بھی کیفرِ کردار کو پہنچی۔ حیف ہے کہ ہمارے کوثر نیازی صاحب اس مکار خاتون کی اسّی (۸۰) دن کی سازشی حکومت کو ناواقف عوام کے سامنے پیش کرتے ہوئے لوگوں کو بتاتے ہیں کہ اس خاتون کی تین ماہ سے کم کی حکمرانی کا دور تاریخ کا ”سنہرا دور“ تھا، جس نے اِرشادِ رسول کو جھوٹا ثابت کردیا:

بریں عقل و دانش بباید گریست

بیسواں مغالطہ:...اُوپر آٹھویں مغالطے کے ذیل میں گزر چکا ہے کہ جناب مودودی صاحب نے ”مس فاطمہ جناح“ کے صدارتی انتخاب کا جواز ثابت کرنے کے لئے یہ نظریہ پیش کیا تھا کہ جن چیزوں کو شریعت میں حرام قرار دیا گیا ہے، ان کی دو قسمیں ہیں، حرامِ ابدی اور حرامِ غیرابدی۔ ہمارے کوثر نیازی صاحب نے اس نظریے کو خطرناک قرار دیتے ہوئے لکھا تھا کہ: ”اس طرح شریعت ایک مذاق بن کر رہ جاتی ہے“ اس کے بجائے موصوف نے ”عورت کی حکمرانی“ کا جواز ثابت کرنے کے لئے جو نظریہ اختراع کیا وہ انہی کے الفاظ میں یہ ہے:

> ”اصل بات یہ ہے کہ ہمارے بہت سے رویے ہمارے مخصوص سماجی اور معاشرتی جبر کی پیداوار ہیں، عورت کی سربراہی کا مسئلہ بھی کچھ ایسا ہی مسئلہ ہے، جب عورت کفالت کے لئے مرد کی محتاج تھی، گھر کی چاردیواری میں بند تھی تو مسئلے مسائل کچھ اور تھے، مگر اَب تو سماجی حالات وضروریات کا نقشہ ہی یکسر مختلف ہے، عورت ہر مسلمان معاشرے میں قدم بقدم آگے بڑھ رہی ہے، خود کماتی ہے، قابل ہے، تعلیم یافتہ ہے، ہر شعبۂ زندگی میں ذمہ دارانہ مناصب پر فائز ہے۔ ایسے میں مخصوص سماجی نظریات کی پیداوار کو شریعت بناکر عوام پر مسلط نہیں کیا جاسکتا۔“

میں قارئینِ کرام کو اور خود جناب کوثر نیازی کو بھی دعوتِ اِنصاف دیتا ہوں کہ وہ فیصلہ فرمائیں کہ ایک طرف مودودی صاحب کا نظریہ: ”ابدی حرام اور غیرابدی حرام“ اور دُوسری طرف کوثر نیازی صاحب کا نظریہ کہ: ”شریعت کے بہت سے مسائل سماجی ومعاشی جبر کی پیداوار ہیں“ اور یہ کہ: ”ان کو شریعت بناکر عوام پر مسلط نہیں کیا جاسکتا“ ان دونوں نظریوں میں سے کون سا زیادہ خطرناک ہے؟ اور شریعت سے بدترین مذاق کرنے میں کون سا نظریہ زیادہ جرأت کا مظاہرہ کر رہا ہے؟ مودودی صاحب نے شریعت کے حرام کو حرام تسلیم کرتے ہوئے اس میں صرف اتنی ترمیم کی تھی کہ: ”یہ حرام ابدی نہیں، حرام غیرابدی ہے“ لیکن نیازی صاحب نے اسی حرام کو ”جبر

کی پیداوار'' کہہ کر نہ صرف اس کی حرمت کا انکار کر دیا، بلکہ ''اس کو شریعت بنا کر عوام پر مسلط نہیں کیا جاسکتا'' کے الفاظ سے شریعت محمدیہ کے خلاف صاف صاف بغاوت کا بھی اعلان کر دیا۔ کوثر نیازی صاحب کے کسی گوشۂ قلب میں اگر عقل و ایمان اور فہم و انصاف کی کوئی ادنیٰ سے ادنیٰ رمق باقی ہے تو وہ بار بار سوچیں اور ہزار بار سوچ کر انصاف فرمائیں کہ کیا وہ یہ نظریہ ایجاد کر کے مودودی صاحب کو پیچھے نہیں چھوڑ گئے؟ اور سیدھے پرویزیوں کی صف میں شامل نہیں ہوگئے؟ اور کیا انہوں نے مندرجہ بالا الفاظ کے ذریعے شریعت کو پائے استحقار سے نہیں ٹھکرا دیا؟ مودودی صاحب کی رُوح ان سے بجاطور پر یہ شکایت کر رہی ہوگی:

میری وفا کو دیکھ کر، اپنی جفا کو دیکھ کر
بندہ پرور! منصفی کرنا خدا کو دیکھ کر!

کوثر نیازی صاحب جانتے ہوں یا نہ جانتے ہوں، لیکن ہر وہ شخص جو دین کی ابجد سے بھی واقف ہو وہ جانتا ہے کہ جن مسائل کو موصوف ''جبر کی پیداوار'' کہہ کر بڑی جرأت و جسارت، بلکہ بے باکی اور ڈھٹائی کے ساتھ ٹھکرا رہے ہیں۔ یہ قرآن کریم کے صریح اَحکام ہیں۔

اللہ تعالیٰ جو علیم و خبیر ہے اور خالقِ فطرت ہے، نسوانی فطرت اور اس کے تقاضوں کو بخوبی جانتا ہے، اسی علیم و حکیم نے عورتوں کو حکم دیا ہے کہ وہ اپنے گھروں میں جم کر بیٹھیں، اور جاہلیتِ اُولیٰ کی طرح شہوت کے نیلام گھر میں اپنے حسن کی نمائش نہ کرتی پھریں، چنانچہ ارشاد ہے:

''وَقَرْنَ فِیْ بُیُوْتِکُنَّ وَلَا تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ الْجَاهِلِیَّةِ الْاُوْلٰی'' (الاحزاب:۳۳)

ترجمہ:... ''اور قرار پکڑو اپنے گھروں میں، اور دِکھلاتی نہ پھرو، جیسا کہ دِکھانا دستور تھا پہلے جاہلیت کے وقت میں۔'' (ترجمہ شیخ الہندؒ)

شیخ الاسلام حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی رحمہ اللہ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

''یعنی اسلام سے پہلے زمانۂ جاہلیت میں عورتیں بے پردہ پھرتی اور اپنے بدن اور لباس کی زیبائش کا علانیہ مظاہرہ کرتی تھیں، اس بداخلاقی اور بے حیائی کی رَوِش کو مقدس اسلام کیسے برداشت کر سکتا ہے؟ اس نے عورتوں کو حکم دیا کہ گھروں میں ٹھہریں اور زمانۂ جاہلیت کی طرح باہر نکل کر حسن و جمال کی نمائش نہ کرتی پھریں۔ اُمہات المؤمنینؓ کا فرض اس معاملے میں اوروں سے بھی زیادہ مؤکد ہوگا، جیسا کہ: ''لَسْتُنَّ کَاَحَدٍ مِّنَ النِّسَآءِ'' کے تحت گزر چکا۔

باقی کسی شرعی یا طبعی ضرورت کی بنا پر بدون زیب و زینت کے مبتذل اور ناقابلِ اعتنا لباس میں مستتر ہوکر احیاناً باہر نکلنا، بشرطیکہ ماحول کے اِعتبار سے فتنے کا مظنہ نہ ہو، بلاشبہ اس کی اجازت نصوص سے نکلتی ہے، اور خاص ازواجِ مطہراتؓ کے حق میں بھی اس کی ممانعت ثابت نہیں ہوتی، بلکہ متعدّد واقعات سے اس طرح نکلنے کا ثبوت ملتا ہے، لیکن شارع کے ارشادات سے بداہۃً ظاہر ہوتا ہے کہ وہ پسند اسی کو کرتے ہیں کہ ایک مسلمان

عورت بہرحال اپنے گھر کی زینت بنے اور باہر نکل کر شیطان کو تاک جھانک کا موقع نہ دے۔'' (فوائد عثمانی)

اسی طرح عورتوں کے نان ونفقہ کی کفالت و ذمہ داری بھی اللہ تعالیٰ ہی نے مردوں پر ڈالی ہے، جس کا اعتراف خود فاضل نیازی اس مضمون میں کرچکے ہیں، اب اس بدمذاقی کی کوئی حد ہے کہ قرآنِ کریم کے اَحکامِ منصوصہ کو... جو عین تقاضائے فطرت ہیں... ''سماجی ومعاشرتی جبر'' کہہ کر ان کو پائے اِستحقار سے ٹھکرایا جائے، نیازی صاحب بتائیں کہ جس وقت قرآنِ کریم میں یہ اَحکام نازل کئے جارہے تھے، اگر اس وقت آپ کا کوئی بھائی بندان اَحکام کے بارے میں یہی فقرہ چست کرتا تو اس کا شمار کن لوگوں میں ہوتا؟ اور یہ بھی خوب رہی کہ آج کی عورت خود کماتی ہے، تعلیم یافتہ ہے، قابل ہے وغیرہ، وغیرہ، لہٰذا قرآنِ کریم کے اَحکام کو ''شریعت بناکر عوام پر مسلط نہیں کیا جاسکتا'' یعنی حافظ شیرازیؒ کے بقول چونکہ آج کی زلیخا پردۂ عصمت سے باہر آچکی ہے، لہٰذا قرآن منسوخ ہوگیا، اور شریعت باطل ہوگئی۔ نعوذ باللہ! ایسی عقل ودانش کی بات نیازی صاحب جیسے دانشوروں ہی کو سوجھ سکتی ہے...!

یادش بخیر ڈاکٹر فضل الرحمن، جس کے ذمہ ایوب خان کے زمانے میں اسلام کی مرمت کا ''فرض'' سونپا گیا تھا، اس نے یہی ''نیازی فلسفہ'' پیش کیا تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے کی عورتیں جاہل تھیں، اجڈ تھیں، ناشائستہ تھیں، اس لئے قرآنِ کریم نے دو عورتوں کی شہادت کو ایک مرد کے برابر رکھا تھا، مگر آج کی عورت تعلیم یافتہ ہے، قابل ہے، مہذب ہے، لہٰذا کوئی وجہ نہیں کہ اس کی شہادت، مرد کے برابر نہ قرار دی جائے۔ اس بدتمیزی کا نتیجہ یہ نکلا کہ اس کا ایمان سلب ہوگیا، سنا ہے کہ وہ علانیہ کرسچن ہوکر مرا۔ آج کوثر نیازی صاحب بھی... لیلائے اِقتدار کے عشق میں... اسی کے نقشِ قدم پر چل رہے ہیں، ایسا محسوس ہوتا ہے کہ ڈاکٹر فضل الرحمن کی مسند آج کوثر نیازی صاحب کے سپرد کردی گئی ہے۔ کیا کوئی ہے جو نیازی صاحب کو خیرخواہانہ مشورہ دے کہ وہ ڈاکٹر فضل الرحمن کے انجام سے عبرت حاصل کریں...!

اکیسواں مغالطہ:... نیازی صاحب نے حدیث: **''الأئمة من قریش''** پر بھی گفتگو فرمائی ہے، موصوف کا کہنا ہے کہ اس حدیث کے پیشِ نظر خلیفہ وحکمران ہونے کے لئے ہمارے ''تمام علماء وفقہاء'' قریشی النسل ہونے کو شرطِ لازم قرار دیتے تھے، مولانا ابوالکلام آزاد نے اس حدیث کو ایک پیشین گوئی قرار دیتے ہوئے اس کا ترجمہ یوں کیا تھا کہ ''حکمران قریش میں سے ہوں گے'' ہمارے علماء نے اس کا ترجمہ یہ کیا کہ: ''حکمران قریش میں سے ہونے چاہئیں۔''

اس حدیث شریف پر مفصل بحث کی یہاں گنجائش نہیں کہ یہ ایک مستقل مقالے کا موضوع ہے، مختصر یہ کہ حدیث کا صحیح مفہوم وہی ہے جو ''تمام علماء وفقہاء'' نے لیا، مولانا آزاد مرحوم کی طرف جو مفہوم نیازی صاحب نے منسوب کیا ہے... اگر یہ نسبت صحیح بھی ہو تو وہ بداہتہً غلط ہے، کیونکہ اوّل تو ''تمام علماء وفقہاء'' کے مقابلے میں مولانا آزاد کا قول کوئی قیمت نہیں رکھتا۔ دُوسرے یہ کہ ''تمام علماء وفقہاء'' کے قول کے مطابق یہ ایک حکم شرعی ہے، جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمایا، اب اگر اُمت اس حکم شرعی پر عمل کرتی ہے تو اس کی سعادت ہے، اور اگر اُمت اس حکم کے خلاف کرتی ہے تو اُمت لائقِ عتاب ٹھہرتی ہے، لیکن ارشادِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر کوئی حرف نہیں آتا۔ بخلاف اس کے اگر اس کو پیشین گوئی قرار دیا جائے تو نیازی صاحب خود تسلیم کرتے ہیں کہ یہ پیشین گوئی پوری نہیں ہوئی، اس صورت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشین گوئی کا۔ نعوذ باللہ!... غلط ہونا لازم آتا ہے، ظاہر ہے کہ اُمت کی طرف کوتاہی

کو منسوب کرنا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشین گوئی کو... نعوذ باللہ!... جھوٹا کہنے سے اَہون ہے، اگر نیازی صاحب کی اس نکتے پر نظر ہوتی تو وہ ''تمام علماء وفقہاء'' کی تغلیط پر کمربستہ نہ ہوتے۔

بائیسواں مغالطہ:... نیازی صاحب نے لاؤڈ اسپیکر، فوٹو، ٹیلی فون اور تعلیمِ نسواں کا حوالہ دے کر علماء کا خاکہ اُڑایا ہے۔ جو شخص قرآن مجید کے اَحکام کا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اِرشاداتِ طیبات کا، حضرات سلفِ صالحین، ائمۂ مجتہدین اور ''تمام فقہائے اُمت'' کا مذاق اُڑاتا ہو، اگر وہ اپنے دور کے علماء کے خاکے اُڑائے تو اس کی کیا شکایت کی جائے؟ تاہم نیازی صاحب سے یہ عرض کرنا ضروری سمجھتا ہوں کہ انہوں نے داناؤں کا قول: "لحوم العلماء مسمومة"... علماء کا گوشت زہرآلود ہوتا ہے... ضرور سنا ہوگا، آپ علماء کا تمسخر ضرور اُڑائیں، مگر یہ نہ بھولیں کہ یہ زہر جس شخص کے رگ وپے میں سرایت کرجائے وہ دُنیا سے ایمان سلامت نہیں لے جاتا۔ علاوہ ازیں وہ خود اپنا شمار بھی اسی طائفے میں کرتے ہیں، اور ان کے نام کے ساتھ ''مولانا'' کا سابقہ لگا رہتا ہے، ''جس برتن میں کھانا، اسی میں موتنا'' عقل مندوں کا شیوہ نہیں...!

تیئسواں مغالطہ:... خالص علمی مضامین کے ثبوت میں لطیفے اور چٹکلے پیش کرنا جناب نیازی صاحب کا جدید طرزِ استدلال ہے، اس لئے اہلِ علم کا مذاق اُڑانے کے لئے وہ اپنے قارئین کو چند لطیفوں سے بھی محظوظ فرماتے ہیں، ملاحظہ فرمائیے:

> پہلا لطیفہ:... ''ایک وقت تھا کہ لاؤڈ اسپیکر حرام تھا، اب اِمام صاحب، پانچ آدمی بھی بیٹھے ہوں تو لاؤڈ اسپیکر آن کئے بغیر درس اِرشاد نہیں فرماتے۔''

موصوف کے اس اِرشاد کی حیثیت محض ایک لطیفہ اور بذلہ سنجی کی ہے، تاہم اس میں بھی انہوں نے جھوٹ کا نمک مرچ لگانا مناسب سمجھا۔ موصوف کی اِطلاع کے لئے عرض ہے کہ لاؤڈ اسپیکر پر وعظ واِرشاد کو اہلِ علم نے کبھی ''حرام'' نہیں فرمایا، اس لئے ان کا یہ لطیفہ محض ''کذبِ ملیح'' کی حیثیت رکھتا ہے۔

ثانیاً:... ان کی خدمت میں عرض ہے کہ کسی علمی مسئلے میں تحقیق کے بدل جانے کی وجہ سے اہلِ علم کی رائے بدل جانا، ایسی بات نہیں کہ اس کو بذلہ سنجی کا موضوع بنایا جائے، یہ اہلِ علم کی سنتِ مستمرہ چلی آتی ہے۔ اِمام شافعیؒ نے بیشتر مسائل میں قولِ قدیم کے خلاف قولِ جدید اِختیار فرمایا، جس سے اہلِ علم واقف ہیں۔ اِمام احمد بن حنبلؒ کے یہاں، بہت کم مسائل ایسے ہوں گے جن میں ان سے دو دو، تین تین روایتیں منقول نہ ہوں۔ ہمارے اِمامِ اعظم ابوحنیفہؒ سے بھی بہت سے مسائل میں متعدد روایات منقول ہیں، بعض مسائل کے بارے میں منقول ہے کہ حضرتِ اِمامؒ نے وفات سے چند دن پہلے ان سے رُجوع فرمالیا تھا۔ الغرض اہلِ علم کی رائے بدل جانا ایسی چیز نہیں کہ چٹخارے لے کر آپ اس کا مضحکہ اُڑائیں، یہ تو اہلِ علم کی سنتِ مستمرہ ہے کہ برسہابرس تک جس قول پر فتویٰ دیتے رہے، تحقیقِ حق کے بعد اس سے بلاتکلف رُجوع فرمالیا۔ جناب کوثر نیازی صاحب اس نکتے سے بے خبر نہیں ہوں گے کہ اگر بالفرض لاؤڈ اسپیکر کے مسئلے میں علماء کی تحقیق بدل گئی تو یہ بات محلِ اِعتراض نہیں، لیکن چونکہ ان کا مقصود ہی اہلِ علم کے ساتھ ٹھٹھول کرنا ہے، اس لئے انہوں نے یہ بھی نہیں دیکھا کہ جو کچھ ان کی زبان وقلم سے نکل رہا ہے، وہ کوئی خلافِ واقعہ تو نہیں؟ اور جس چیز کو وہ ہنسی مذاق کا نشانہ بنارہے ہیں، وہ لائقِ اِعتراض بھی ہے یا نہیں؟

ثالثاً:... جناب کی اطلاع کے لئے عرض ہے کہ لاؤڈ اسپیکر کے مسئلے میں اہلِ علم کا فتویٰ تبدیل نہیں ہوا، بلکہ لاؤڈ اسپیکر کی آواز کے بارے میں فنی ماہرین کی رائے تبدیل ہوئی۔ نماز میں اقتدا کا اُصول یہ ہے کہ اِمام کی... یا اس کے نائب مکبّر کی۔ آواز پر رُکوع و سجدہ کرنا صحیح ہے، لیکن اگر اِمام کی آواز کسی دیوار یا پہاڑ سے ٹکرا کر واپس آئے اور مقتدی کے کان تک پہنچے تو اس صدائے بازگشت کی اقتدا مقتدی کے لئے جائز نہیں، اگر کرے گا تو اس کی نماز فاسد ہوجائے گی۔

جب لاؤڈ اسپیکر اِیجاد ہوا تو اہلِ علم نے فنی ماہرین سے دریافت کیا کہ اس کے ذریعے آنے والی آواز آیا بعینہ بولنے والے کی آواز ہے یا اس کی صدائے بازگشت ہے؟ فنی ماہرین نے بتایا کہ یہ اصل آواز نہیں بلکہ "صدائے بازگشت" قسم کی چیز ہے۔ اس پر اہلِ علم نے فتویٰ دیا... اور بالکل صحیح فتویٰ دیا... کہ لاؤڈ اسپیکر کی آواز پر مقتدی کے اِنتقالات (رُکوع و سجود وغیرہ) صحیح نہیں، نماز فاسد ہوجائے گی۔ لیکن بعد میں فنی ماہرین کی تکنیکی رائے بدل گئی، اور انہوں نے پہلی رائے کو غلط قرار دیتے ہوئے کہا کہ لاؤڈ اسپیکر کی آواز بعینہ بولنے والے کی آواز ہے، جس کو آلہ مکبّر الصوت دُور دُور تک پہنچا دیتا ہے۔ اس پر مفتیٔ اعظم پاکستان حضرت اقدس مفتی محمد شفیع رحمہ اللہ نے فتویٰ دیا کہ اگر یہ صورت ہے تو نماز اس پر جائز ہے، اور دیگر اکابر علماء نے اس فتوے کی تصدیق کی۔ چنانچہ اس کی پوری شرح و تفصیل حضرت مفتی صاحبؒ کے رسالے "آلہ مکبّر الصوت" میں موجود ہے۔ اب اِنصاف فرمائیے کہ جناب نیازی صاحب کا علماء کا مضحکہ اُڑانا کہاں تک صحیح ہے؟ یہاں فتوے کی تبدیلی کی مثال تو ایسی ہوئی کہ ایک شخص مفتی صاحب کے پاس ایک واقعہ نقل کرتا ہے، اور دُوسرا شخص اس کے بالکل برعکس صورتِ مسئلہ پیش کرتا ہے، کھلی بات ہے کہ مفتی کا جواب دونوں سوالوں کے بارے میں یکساں نہیں ہوگا۔ اسی طرح لاؤڈ اسپیکر کے بارے میں جیسی صورت اہلِ علم کے سامنے پیش کی گئی، اس کے مطابق انہوں نے فتویٰ دیا، فرمائیے جناب نیازی صاحب! مذاق اُڑانے کی کیا گنجائش رہی...؟

چوں بشنوی سخن اہل دل مگو کہ خطاست
سخن شناس نہ دلبرا خطا ایں جاست

دُوسرا لطیفہ:... "ایک دور میں (بلکہ مسئلے کی حد تک تو اَب بھی) فوٹو کو حرام قرار دیا جاتا تھا، اب جب تک پریس کانفرنس میں فوٹوگرافر نہ پہنچ جائیں، حضرت مولانا صاحب لب کشا نہیں ہوتے۔"

نیازی صاحب کو اعتراف ہے کہ اہلِ علم فوٹو کو اَب بھی حرام سمجھتے ہیں، اب اگر ان کے بقول "جب تک پریس کانفرنس میں فوٹوگرافر نہ پہنچ جائیں، حضرت مولانا صاحب لب کشا نہیں ہوتے" تو یہ ان مولانا صاحبان کی بے عملی یا بدمذاقی ہے، کیا اس کی آڑ لے کر مطلقاً علماء کی عزّت سے کھیلنا نیازی صاحب کے لئے حلال ہوگیا؟ نیازی صاحب جانتے ہیں کہ کسی مجرم کی قانون شکنی کو حوالے کے طور پر پیش کرنا اور اس کی وجہ سے قانون کا، یا قانون کے ماہرین کا، یا قانون پر عمل کرنے والوں کا مذاق اُڑانا، صحت مندانہ فکر کی علامت نہیں، اور اگر ان کا مقصد اس قانون شکنی کے ذریعے حضراتِ اہلِ علم کی تضحیک ہے تو میں تسلیم کرتا ہوں کہ چند "مولانا صاحبان" ہی نہیں، بلکہ اُمت کی غالب اکثریت قانون شکنی کی مرتکب ہے، اللہ و رسول کی ہزاروں نافرمانیاں... بغیر کسی روک ٹوک کے... ہم میں سرایت کرچکی ہیں، اور انہی "اِجتماعی جرائم" کا نتیجہ ہے کہ خدا کے قہر کی لاٹھی نے ہم پر ایک عورت کو حکمران بنا کر مسلط کردیا ہے، جس کی

وجہ سے ہم "بطن الأرض خیر لکم من ظهرها" کا مصداق بن چکے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہم پر رحم فرمائیں، اور ہمارے گناہوں کو معاف فرمائیں، لیکن سوال یہ ہے کہ کیا اُمت کی بے عملی کی وجہ سے اللہ کی شریعت کو بدل دیا جائے...؟

اور اگر نیازی صاحب کا مقصود یہ بتانا ہے کہ "حرمتِ تصویر" کے بارے میں حضرات علمائے کرام کا فتویٰ غلط ہے تو ان کی خدمت میں گزارش ہے کہ یہ جناب کی غلط فہمی ہے، "حرمتِ تصویر" کے مسئلے میں مولانا ابوالکلام آزاد مرحوم اور مولانا سید سلیمان ندوی جیسے اکابر بھی اسی غلط فہمی کا شکار رہے ہیں، حضرت مولانا مفتی محمد شفیع رحمہ اللہ نے اپنا رسالہ "التصویر لاحکام التصویر" ان کو بھجوایا تو ان کی غلط فہمی دُور ہوگئی۔ اور یہ ان بزرگوں کی حق پرستی تھی کہ انہوں نے برملا اپنی غلطی کا اعتراف فرمایا۔ ۱۹۴۵ء میں پرویز نے "طلوعِ اسلام" میں تصویر کے جواز پر ایک مضمون لکھا، جس میں مولانا آزاد اور مولانا ندوی کا بھی حوالہ دیا گیا تھا، اس پر مولانا عبدالماجد دریابادی نے "صدقِ جدید" میں "تصویر اور شریعتِ اسلامی" کے عنوان سے ایک شذرہ لکھا، یہ شذرہ حال میں حضرت مولانا قاضی زاہد الحسینی نے "بینات" کراچی (نومبر ۱۹۹۳ء) میں شائع کرایا ہے، نیازی صاحب کی خدمت میں اس کو پیش کرتے ہوئے استدعا کرتا ہوں کہ وہ بھی ان دونوں بزرگوں کی طرح حق پرستی کا ثبوت دیتے ہوئے اپنے موقف پر نظرِ ثانی کریں، مولانا دریابادی کا شذرہ حسبِ ذیل ہے:

"تصویر اور شریعتِ اسلامی"

"دہلی سے ایک ماہنامہ "قوم" نکلتا ہے، اس کے جنوری نمبر میں رسالہ "طلوعِ اسلام" دہلی کے حوالے سے مولانا سید سلیمان کے ایک بہت پرانے مضمون کا ملخص جو تصویر کشی سے متعلق ہے، شائع ہوا ہے، اور "طلوعِ اسلام" نے خود بھی جوازِ تصویر کشی کی تائید کی ہے۔

کوشش سخت افسوس ناک اور مغالطہ آمیز ہے، سید صاحب کا وہ مضمون آج سے ۲۵، ۲۶ سال قبل ۱۹۱۹ء کا لکھا ہوا ہے، اس وقت ان کی تحقیق اس باب میں نامکمل اور اجتہاد اس مسئلے میں صائب نہ تھا۔ دُنیا کے کسی بڑے سے بڑے فاضل اور محقق کا اجتہاد اپنی عمر اور علم کے ہر دور میں یکساں صائب رہا ہے؟ سن کے اضافے اور فکر و نظر کی پختگی نے سید صاحب کو اپنی رائے کی نظرِ ثانی پر مجبور کردیا، اور جنوری ۱۹۴۳ء کے "معارف" میں حق پسندی کی جرأت کے ساتھ "رُجوع و اعتراف" کے زیرِ عنوان انہوں نے اپنے مسلک سے رُجوع کا اعلان شائع بھی فرمادیا ہے۔ حیرت ہے کہ ان کا اتنا قدیم مضمون ریسرچ سے کام لے کر ڈھونڈ نکالا جائے اور ان کے تازہ اعلان سے یوں اغماض برتا جائے۔

سید صاحب کے اس رُجوع نامے کے ساتھ بہتر یہ ہوگا کہ مولانا ابوالکلام کا بھی یہ دلیرانہ اعلان پیشِ نظر رہے:

"تصویر کھنچوانا، رکھنا، شائع کرنا سب ناجائز ہے۔ یہ میری سخت غلطی تھی کہ تصویر کھنچوائی تھی اور

''الہلال'' کو باتصویر نکالا تھا۔ اب اس غلطی سے تائب ہوچکا ہوں۔ میری پچھلی غلطیوں کو چھپانا چاہئے نہ کہ ازسرِنو تشہیر کرنا چاہئے۔'' (تذکرہ ابوالکلام ص:۸)

''حدیثِ نبوی میں سخت وعیدیں تصویروں اور مصوّروں کے باب میں آئی ہیں۔ ان کے استحضار کے بعد مشکل ہی سے کسی متدین ومتقی مسلمان کو جرأتِ فتویٔ جواز کی ہوسکتی ہے، اور یہ استدلال تو بالکل ہی بودا ہے کہ وہ اَحکام دستی تصویروں کے متعلق ہیں نہ کہ فوٹو کے۔ دونوں قسمیں بہرحال تصویر ہی کی ہیں، جاندار کے پائیدار نقش کی ہیں، اصل کے لحاظ سے دونوں میں کوئی فرق نہیں، اور شرعی حکم دونوں کے حق میں اسی طرح یکساں ہے، جیسے دیہات کی ہاتھ کی بنائی ہوئی ''دارو'' (شراب) اور ولایت کے آلات سے کشید کی ہوئی اعلیٰ درجے کی مقطر شرابِ انگوری یا اسپرٹ کے حق میں یکساں۔

مولانا احمد علی لاہوری (خدام الدین) کے مختصر رسالے ''فوٹو کا شرعی فیصلہ'' کے آخر میں اِمتناعِ تصویر کشی پر تائیدی تحریریں علامہ انور شاہ کشمیریؒ اور مولانا حسین احمد مدنیؒ اور دُوسرے نامور فاضلوں کی شامل ہیں، اور سب سے زیادہ قابلِ اِعتماد، قابلِ مطالعہ تحریر اس باب میں مولانا مفتی محمد شفیع دیوبندی کا رسالہ ''التصویر لاحکام التصویر'' ہے، ادارۂ ''قوم'' اَزراہِ کرم اس کا ضروری مطالعہ کرے۔

فرنگی تمدن کہنا چاہئے کہ تمام تر تصویری تمدن ہے اور ہم لوگوں میں فوٹوگرافی کا شوق یا اس کی وقعت وعزّت تمام تر فرنگی تہذیب سے مرعوبیت کا نتیجہ ہے۔ آج فرنگستان کروڑوں نہیں اربوں روپیہ ہر سال جو تصویروں پر بے تحاشا صرف کر رہا ہے اور اپنے اخلاق اور فکری قوت دونوں کو اس ذریعے سے تباہ کر رہا ہے، اس کی داستان جس قدر طویل ہے اسی قدر عبرت انگیز ہے۔ حیف ہے کہ ہم بجائے اس سے عبرت حاصل کرنے کے اُلٹا اسی کو اپنے لئے دلیلِ راہ بنالیں؟ تصویرکشی، نقاشی اور مجسمہ سازی کو ہندو تہذیب، بدھسٹ تہذیب، غرض ہر قدیم جاہلی تہذیب میں جس قدر قریب کا تعلق ایک طرف شرک وبت پرستی سے اور دُوسری طرف فسق وفحش کاری سے رہا ہے، اس کا کچھ اندازہ آج بھی غار ایلورا، غار اجنتا کی دیواری تصویروں کے مشاہدے سے ہوسکتا ہے۔ شریعتِ اسلامی کی گہری، حکیمانہ نظر نے چن چن کر تہذیبِ جاہلی کے ایک ایک شعار، ایک ایک یادگار کو مٹایا ہے۔'' (''صدق'' لکھنؤ ۱۶رجنوری ۱۹۴۵ء)

تیسرا لطیفہ:... ''اور تو اور جب شروع شروع میں شاہ سعود نے اپنے ہاں ٹیلی فون لگوایا تو علماء وشیوخ نے کہا: یہ حرام ہے، اس میں تو شیطان بولتا ہے۔ ایک دن شاہ سعود نے آپریٹر سے کہا: دُوسری طرف تلاوتِ قرآن لگاکر میرے دربار میں ٹیلی فون کی گھنٹی بجادو۔ تعمیل ہوئی تو شاہ نے سب سے بڑے شیخ سے کہا: سنئے ٹیلی فون سے کیا آواز آرہی ہے، شیخ نے سنا تو کہا: ارے یہ تو کلامِ الٰہی نشر کرتا ہے! اور اس دن سے سعودی

عرب میں ٹیلی فون حلال ہوگیا۔“

نیازی صاحب کے اس لطیفے سے چند باتیں معلوم ہوئیں:

ایک یہ کہ حضرت کی عنایتِ بے پایاں صرف پاکستان کے ”مولویوں“ تک محدود نہیں، بلکہ عرب و عجم کے اکابر علماء و مشائخ جناب کی ”فیاضیوں“ سے یکساں بہرہ ور ہیں۔

دُوسرے یہ کہ حضرت کی بڑی شہرت، ایک ادیب، ایک صحافی، ایک ”مولانا“، ایک موقع شناس سیاست کار کی حیثیت سے تھی، لوگوں کو یہ معلوم ہی نہیں تھا فنِ افسانہ نگاری میں بھی آپ ”بے نظیر“ ہیں، شاہ سعود کے دور کے سعودی علماء و مشائخ کے بارے میں ان کی یہ افسانہ نگاری لائقِ آفرین ہے۔

تیسرے یہ کہ حق گوئی و بے باکی میں آپ کو وہ یدِ طولیٰ حاصل ہے کہ کسی بڑی سے بڑی شخصیت کا ادب و احترام ان کا راستہ نہیں روکتا، ان کے قلم سے نہ کسی مؤمن کو اَمان ہے، نہ کسی کافر کو، ان کا چھرا حلال و حرام کی تمیز کا روادار نہیں۔

چوتھے یہ کہ حدیثِ نبوی: ”کفی بالمرء کذبًا أن یحدّث بکل ما سمع“ ...آدمی کے جھوٹا ہونے کے لئے یہی کافی ہے کہ وہ ہر سنی سنائی بات کو آگے نقل کردے... پر آپ کا پورا عمل ہے۔ وہ مکہ و مدینہ کے علماء و مشائخ تک کی پگڑی اُچھالنے کے لئے بھی یہ سوچنے کی زحمت گوارا نہیں فرماتے کہ جس نے یہ کہانی ان سے بیان کی ہے وہ لائقِ اعتماد بھی ہے یا نہیں؟ اور یہ کہ یہ واقعہ شاہ سعود کے زمانے کا ہے یا ان کے والدِ بزرگوار ملک عبدالعزیز کے زمانے کا؟

اگر نیازی صاحب کی اس افسانہ طرازی کو صحیح بھی تسلیم کرلیا جائے تو آخر وہ اس سے کیا ثابت کرنے جارہے ہیں؟ زیادہ سے زیادہ جو بات ثابت ہوگی وہ یہ کہ سعودی عرب کے ”علماء و مشائخ“ بڑے بھولے بھالے ہیں، جب تک کسی نوایجاد چیز کی حقیقت انہیں معلوم نہ ہو اس کے بارے میں بڑے محتاط رہتے ہیں، فرمائیے کہ یہ ان حضرات کی مدح ہوئی یا قدح؟

چوبیسواں مغالطہ:...موصوف نے ”نہایۃ المحتاج إلٰی شرح المنہاج“ کے حوالے سے شیخ الاسلام خیرالدین رملیؒ کا فتویٰ نقل کیا ہے کہ:

”اگر لوگوں کے لئے ناگزیر ہوجائے کہ ان کی حکمران عورت ہو تو ضرورت کے تحت وہ حکمران بن سکتی ہے۔“

یہاں موصوف کو تین مغالطے ہوئے ہیں:

اوّل:...یہ کہ ”نہایۃ المحتاج“ شیخ خیرالدین رملی حنفی کی تالیف نہیں، بلکہ شمس الدین رملی شافعی کی تالیف ہے، موصوف کو نام میں اِلتباس ہوا ہے۔ شیخ الاسلام خیرالدین رملی حنفی ہیں، اور ”فتاویٰ خیریہ“ کے نام سے ان کے فتاویٰ شائع ہوچکے ہیں، ۹۹۳ھ میں ان کی ولادت ہوئی، اور ۱۰۸۱ھ میں ان کا وصال ہوا، ”نہایۃ المحتاج“ کے مؤلف شیخ شمس الدین محمد بن احمد بن حمزہ الرملی شافعی ہیں، جو ”شافعی صغیر“ کے لقب سے یاد کئے جاتے تھے، ان کی ولادت ۹۱۹ھ میں اور وفات ۱۰۰۴ھ میں ہوئی۔

دوم:... "نهـاية المحتـاج" کے مؤلف شیخ شمس الدین رملی بھی عورت کی ولایت کے قائل نہیں، چنانچہ قاضی کی شرائط بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:

"(وشرط القاضي) .... (ذكر) فلا تولى امرأة لنقصها ولاحتياج القاضي لمخالطة الرجال وهي مأمورة بالتخدر، والخنثى في ذالك كالمرأة ولخبر البخاري وغيره: لن يفلح قوم ولوا أمرهم امرأة." (نهاية المحتاج إلى شرح المنهاج ج:۸ ص:۲۳۸)

ترجمہ:... "اور قاضی کے شرائط میں سے ایک یہ ہے کہ وہ مرد ہو، لہٰذا عورت کا قاضی بن جانا صحیح نہیں، کیونکہ اوّل تو اس میں فطری نقص ہے... دین کا بھی اور عقل کا بھی... دُوسرے قاضی کو مردوں کے ساتھ اختلاط کی ضرورت پیش آئے گی، جبکہ عورت کو پردہ نشینی کا حکم ہے، تیسرے صحیح بخاری اور دُوسری کتابوں میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث موجود ہے کہ: وہ قوم ہرگز فلاح نہیں پائے گی جس نے حکومت عورت کے سپرد کردی۔"

سوم:... "نهاية المحتاج" کی جس عبارت سے موصوف نے یہ مسئلہ کشید کیا ہے کہ:

"اگر لوگوں کے لئے ناگزیر ہوجائے کہ ان کی حکمران عورت ہو تو ضرورت کے تحت وہ حکمران بن سکتی ہے۔"

یا تو موصوف نے اس عبارت کا مطلب ہی نہیں سمجھا، یا جان بوجھ کر ناواقف عوام کو دھوکا دیا ہے، موصوف کی غلط فہمی یا مغالطہ اندازی رفع کرنے کے لئے میں اس عبارت کو نقل کرکے اس کی وضاحت کئے دیتا ہوں۔

"نهـايـة المحتـاج" کے مصنف نے قاضی کے شرائط بیان کرنے کے بعد یہ مسئلہ ذِکر کیا ہے کہ اگر بادشاہ کی طرف سے ایسا قاضی مقرّر کردیا جائے جو منصبِ قضا کا اہل نہ ہو، مثلاً فاسق یا جاہل ہو، تو ضرورت کی بنا پر اس کے فیصلے نافذ قرار دیئے جائیں گے، تاکہ لوگوں کے مصالح معطل ہوکر نہ رہ جائیں، اس کے تحت مصنف لکھتے ہیں:

"ولو ابتلى الناس بولاية امرأة أو قن أو أعمى فيما يضبطه نفذ قضائه للضرورة كما أفتى به الوالد رحمه الله تعالى والحق ابن عبدالسلام الصبي بالمرأة ونحوها لا كافر."

(نهاية المحتاج ج:۸ ص:۲۴۰)

ترجمہ:... "اور اگر بالفرض لوگ مبتلا کردیئے جائیں عورت یا غلام یا اندھے کو قاضی بنائے جانے کے ساتھ تو (باوجود اس کے) اس کا فیصلہ ضرورت کی بنا پر نافذ قرار دیا جائے (تاکہ لوگوں کے مصالح معطل ہوکر نہ رہ جائیں) جیسا کہ والدِ مرحوم نے اس کا فتویٰ دیا تھا، اور حافظ عزالدین ابن عبدالسلام نے کہا ہے کہ عورت وغیرہ کی طرح بچے کا فیصلہ بھی نافذ العمل ہوگا، مگر کافر کا نہیں۔"

آپ دیکھ رہے ہیں کہ یہاں بحث عورت کی حکمرانی کی نہیں، بلکہ بحث یہ ہے کہ بفرضِ محال اگر کسی بادشاہ نے کسی عورت کو، یا کسی غلام کو، یا کسی اندھے کو قاضی بنادیا اور اس کے سوا اس علاقے میں کوئی دُوسرا قاضی نہیں جو لوگوں کے حقوق کا احیا کرسکے تو آیا اندریں صورت ایسے نااہل قاضی کا فیصلہ نافذ العمل قرار دِیا جائے گا یا نہیں؟ اس سوال کے جواب میں مصنف "نہایۃ احتاج" فرماتے ہیں کہ میرے والد مرحوم کا فتویٰ یہ ہے کہ ایسی قاضی عورت کے فیصلے کو نافذ العمل قرار دیا جانا چاہئے، ورنہ لوگوں کے حقوق معطل ہوکر رہ جائیں گے۔ یہ تھا وہ مسئلہ جسے جناب کوثر صاحب نے یوں بگاڑا ہے کہ: ''اگر لوگوں کے لئے ناگزیر ہوجائے کہ ان کی حکمران عورت ہو تو ضرورت کے تحت اس کی حکمرانی جائز ہے۔''

اہلِ علم سمجھ سکتے ہیں کہ صاحبِ موصوف نے "نهاية المحتاج" کی عبارت کے سمجھنے میں تین غلطیاں کی ہیں:

اوّل:... "نهاية المحتاج" کی عبارت میں "ولو ابتلي الناس" کا لفظ ہے، اہلِ علم جانتے ہیں کہ عربی میں حرف "لو" فرضِ محال کے لئے آتا ہے، اس لئے اس عبارت کا مفہوم یہ تھا کہ: ''اگر بالفرض لوگوں کو مبتلا کردیا جائے'' نیازی صاحب اس کا بانکا پھدکا ترجمہ فرماتے ہیں: ''اگر لوگوں کے لئے ناگزیر ہوجائے'' ان دونوں تعبیروں کے درمیان آسمان و زمین کا فرق ہے۔

دوم:... عبارت تھی: "بولاية امرأة أو قن أو أعمى، فيما يضبطه" یعنی ''لوگوں کو مبتلا کردیا جائے کسی عورت، کسی غلام یا کسی اندھے کے قاضی بنائے جانے کے ساتھ'' لیکن حضرت اس کا ترجمہ فرماتے ہیں: ''ان کی حکمران عورت ہو'' قاضی اور ''حکمران'' کا فرق ہر اس شخص کو معلوم ہے جو اُونٹ اور بکری کے درمیان فرق کرنے کی صلاحیت رکھتا ہو۔

سوم:... مصنف "نهاية المحتاج" فرماتے ہیں کہ: ''اس ضرورت کے تحت کہ لوگوں کے حقوق ضائع نہ ہوں، ان کا فیصلہ نافذ العمل قرار دیا جائے گا'' نیازی صاحب اس کا ترجمہ فرماتے ہیں کہ: ''ضرورت کے تحت اس کی حکمرانی جائز ہے'' کسی سے پوچھ لیجئے کہ "نفذ قضائه" کا ترجمہ ''عورت کی حکمرانی جائز ہے'' کس لغت کے مطابق ہے؟ تعجب ہے کہ جن صاحب کی دیانت و امانت اور فہم و دانش کا یہ عالم ہے، وہ ''انا ولا غیری!'' کا ڈنکا بجاتا ہے، اور ائمہ مجتہدین کے اجماعی فیصلوں کا مذاق اُڑاتا ہے۔

پچیسواں مغالطہ:... مقطعِ سخن پر موصوف فرماتے ہیں:

> ''صاف بات ہے جیسا کہ اُوپر کہا گیا، یا تو یہ قولِ رسول نہیں ہے، اس کے راوی مشکوک ہیں، تاریخ اس کے خلاف شہادت دیتی ہے۔
>
> یا پھر یہ پیش گوئی ہے جو صرف اس ایرانی قوم کے لئے تھی جو ایک خاص عورت کو حکمران بنا رہی تھی، راوی نے ''القوم'' کو ''قوم'' بناکر اسے ہمیشہ کے لئے عام کردیا۔
>
> ان دو توجیہات کے علاوہ اس روایت کی کوئی اور شرح کرنا مذہب کے حق میں نادان دوستی کے سوا کوئی حیثیت نہیں رکھتی۔''

گزشتہ مباحث سے واضح ہوچکا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا اِرشادِ گرامی: ''وہ قوم کبھی فلاح نہیں پائے گی جس نے

زمامِ حکومت عورت کے سپرد کردی" قطعاً برحق ہے، عین صدق و صواب ہے، اور جناب کوثر صاحب کے تمام خدشات چاند پر خاک ڈالنے کے مترادف ہیں۔

موصوف کی یہ نکتہ آفرینی کہ: "یہ پیش گوئی صرف ایرانی قوم کے لئے تھی، راوی نے "القوم" کو "قوم" بناکر حدیث کو عام کردیا" یہ بھی غلط ہے، کیونکہ "القوم" معرفہ ہے، اور "قوم" نکرہ ہے، بعد کا جملہ یعنی "ولوا أمرهم امرأة" نکرہ کی صفت تو بن سکتا ہے، معرفہ کی نہیں، یہ موصوف کی ایسی غلطی ہے جس کو علمِ نحو کا مبتدی بھی پکڑ سکتا ہے۔

رہا موصوف کا یہ ارشاد کہ: "ان کی ذِکر کردہ دو توجیہات کے علاوہ حدیث کی کوئی اور شرح کرنا مذہب کے حق میں نادان دوستی ہے" اس کے بارے میں گزارش ہے کہ صحابہ کرامؓ سے لے کر آج تک کے اکابرِ اُمت نے حدیث شریف کا وہی مفہوم بیان فرمایا ہے، جس کو موصوف "نادان دوستی" سے تعبیر فرماتے ہیں۔ اگر آنجناب کے خیال میں صحابہؓ و تابعینؒ اور ائمہ مجتہدینؒ "مذہب کے نادان دوست" تھے، تو ان کے مقابلے میں آنجناب کی حیثیت "مذہب کے دانا دُشمن" کی ٹھہرے گی، اب یہ تو آنجناب کی صوابدید پر منحصر ہے کہ صحابہؓ و تابعینؒ اور بعد کے سلف صالحینؒ کی پیروی کو پسند فرمائیں گے، یا ان کے مقابلے میں دُوسری حیثیت کو ترجیح دیں گے۔ تاہم اس ناکارہ کی خواہش یہ ہے کہ آنجناب بھی اسی رائے کو پسند فرمائیں جس کو اکابرِ اُمت نے اپنے لئے پسند فرمایا، خلیفہ راشد حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے ایک شخص کو نصیحت کے طور پر تحریر فرمایا تھا، حضرتؒ کا یہ خط امام ابوداؤدؒ نے "کتاب السنہ" میں نقل کیا ہے اور یہ ناکارہ اسے اپنی کتاب "شیعہ سنی اختلافات" میں نقل کرچکا ہے۔ اس کا ایک ٹکڑا یہاں نقل کرتا ہوں:

"فارض لنفسک ما رضی به القوم لأنفسهم، فإنهم علٰى علم وقفوا، وببصر نافذ كفوا ولهم علٰى كشف الأمور كانوا أقوىٰ، وبفضل ما كانوا فيه أولٰى، فإن كان الهدىٰ ما أنتم عليه لقد سبقتموهم إليه، ولئن قلتم إنما حدث بعدهم ما أحدثه إلّا من اتبع غير سبيلهم ورغب بنفسه عنهم فإنهم هم السابقون۔" (ابوداؤد ج:۲ ص:۲۷۷)

ترجمہ:... "پس تم بھی اپنی ذات کے لئے وہی پسند کرو جو حضرات سلف صالحین نے اپنے لئے پسند کیا تھا، کیونکہ یہ حضرات صحیح علم پر مطلع تھے، اور وہ گہری بصیرت کی بنا پر ان چیزوں سے باز رہے، بلاشبہ یہ حضرات معاملات کی تہہ تک پہنچنے پر زیادہ قدرت رکھتے تھے، اور اس علم و بصیرت کی بنا پر جو ان کو حاصل تھی، ہم سے زیادہ اس کے مستحق تھے، پس اگر ہدایت کا راستہ وہ ہے جو سلف صالحین کے برخلاف تم نے اختیار کیا تو اس کے معنی یہ ہوئے کہ تم لوگ ہدایت پانے میں ان حضرات سے سبقت لے گئے... اور یہ باطل ہے... اور اگر تم کہو کہ یہ چیز تو سلف صالحین کے بعد پیدا ہوئی، تو خوب سمجھ لو کہ اس چیز کو انہی لوگوں نے ایجاد کیا ہے جو سلف صالحین کے راستے سے ہٹ کر دُوسری راہ پر چل نکلے، اور انہوں نے سلف صالحین سے کٹ جانے کو اپنے لئے پسند کیا، ...اور یہی تمام گمراہیوں کی جڑ ہے... کیونکہ یہ حضرات... ہر خیر و ہدایت کی طرف... سبقت کرنے والے تھے۔"

آخر میں جناب نیازی صاحب سے گزارش کروں گا کہ آپ نے مولانا مودودی کے نام اپنے خط میں جو تحریر فرمایا تھا کہ آپ

نے اپنی مسجد میں سوالات کے جواب دیتے ہوئے سیکڑوں افراد کے سامنے قرآن وحدیث کے دلائل سے اپنے اس عقیدے کی وضاحت کی تھی کہ شرعاً عورت سربراہِ مملکت نہیں بن سکتی اور اخباری نمائندوں کی خواہش پر اس خطبے کا خلاصہ بھی آپ نے اخبارات کو بھجوادیا تھا، غالباً آپ کے کاغذات میں اس کی یادداشت ضرور محفوظ ہوگی، اگر آنجناب اس تحریر کو شائع کردیں۔ خواہ اخبارات میں، یا کتابچے کی شکل میں... تو یہ ایک "بڑا کام" ہوگا، ہوسکتا ہے کہ اس تحریر کی اشاعت کفارۂ سیئات بن جائے۔

اَللّٰھُمَّ وَفِّقْنَا لِمَا تُحِبُّ وَتَرْضَاہُ مِنْ قَوْلٍ اَوْ عَمَلٍ

وَآخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ

جناب کوثر نیازی صاحب کے لطائف

۱۵ر دسمبر ۱۹۹۳ء کے روزنامہ "جنگ" کراچی ایڈیشن میں "عورت کی حکمرانی کے مسئلہ" پر کوثر نیازی کا ایک مضمون پھر شائع ہوا ہے، جس کو دیکھ کر غالب کا شعر بے ساختہ یاد آیا:

بے نیازی حد سے گزری بندہ پرور کب تلک
ہم کہیں گے حالِ دِل اور آپ فرمائیں گے، کیا؟

یہ مضمون ایک تمہید اور چھ نکات پر مشتمل ہے، جس میں کسی معقول علمی بحث کے بجائے چند لطیفے اور چٹکلے اِرشاد فرمائے گئے ہیں، نامناسب نہ ہوگا کہ قارئین ان کے لطیفوں سے محظوظ ہوں۔

تمہیدی لطائف

ا:... اِرشاد ہوتا ہے:

"عورت کی حکمرانی پر میں نے اپنے ایک تیس سالہ پُرانے مضمون کا اعادہ کیا کیا، گویا بھڑوں کے چھتے کو چھیڑ دیا، یارلوگ قلم کے نیزے سنبھال کر اب تک اس خطاکار کو گھونپے ہی چلے جاتے ہیں۔"

یہ حضرت کی قدیم عادت شریفہ ہے کہ مسلّمہ شرعی مسائل میں نئے نئے "اجتہاد" کا شوق فرمایا کرتے ہیں، اور اگر کوئی اَزراہِ اِخلاص ٹوکنے کی گستاخی کرے تو ٹوکنے والوں کو "بھڑوں کے چھتے" کا خطاب عطا فرمایا جاتا ہے۔

۲:... اِرشاد ہوتا ہے:

"حالانکہ یہ کوئی اتنا بڑا مسئلہ نہ تھا۔"

سچ فرمایا! یہ کوئی بڑا مسئلہ تو کجا؟ سرے سے کوئی مسئلہ ہی نہیں تھا، آپ قرآنِ کریم کو غلط تأویلات کے رندے سے چھیلتے رہیں، حدیثِ رسول کی تکذیب فرماتے رہیں، مجتہدینِ اُمت کے اجماعی فیصلوں کو جھٹلاتے رہیں، اکابرِ اُمت کا مذاق اُڑاتے رہیں، شریعت کو دورِ جبریت کی پیداوار فرماتے رہیں، اور جب اللہ کا کوئی بندہ آپ کی ان ترکتازیوں پر ٹوکے تو آپ بڑی معصومیت سے فرمادیا کریں کہ: "یہ کوئی بڑا مسئلہ نہیں تھا، مولوی صاحبان خواہ مخواہ شور مچارہے ہیں۔" حضرت کی خدمت میں عرض ہے کہ ایک مسلمان

کے لئے اللہ و رسول کا ہر حکم "بڑا مسئلہ" ہے۔

۳:...ارشاد ہے:

"اس سے بڑی بُرائیاں معاشرے میں پھیلی ہوئی ہیں، اور علمائے کرام انہیں ٹھنڈے پیٹوں گوارا کئے ہوئے ہیں۔"

حضرت کی معلومات ناقص ہیں، ذرا نام تو لیجئے کہ کون سی بُرائی ہے جس کو علمائے کرام نے ٹھنڈے پیٹوں گوارا کیا ہو اور اس پر نکیر نہ فرمائی ہو؟ لیکن جب ٹوکنے کے باوجود بُرائیوں کا اِرتکاب کرنے والے "کوثر نیازی" بن جائیں تو اس کا کیا علاج کیا جائے؟

۴:...مزید فرماتے ہیں:

"ہمارے دوست علامہ طاہر القادری نے خوب کہا کہ اسلام میں عورت کی حکمرانی حرام نہیں، زیادہ سے زیادہ مکروہ (ناپسندیدہ) ہے۔"

سبحان اللہ! حضرت کی نظر میں اس مسئلے پر قرآنِ کریم کی آیات حجت نہیں، کیونکہ ان کی تاویل ہوسکتی ہے، حدیثِ نبوی حجت نہیں کہ وہ باطل اور وضعی ہے، ائمہ مجتہدینؒ کے ارشادات حجت نہیں کہ وہ دورِ جبریت کی پیداوار تھے، علمائے راسخین کے اقوال حجت نہیں کہ وہ "بھڑوں کے چھتے" ہیں۔ ہاں! دُنیا میں لائقِ اِستناد ہستی بس ایک ہے یعنی: "ہمارے دوست حضرت علامہ طاہر القادری" کیسی لاجواب منطق ہے...؟

حضرت نے غور فرمایا ہوتا کہ "کراہت" بھی ایک حکمِ شرعی ہے، لامحالہ وہ بھی کسی دلیلِ شرعی سے ماخوذ ہوگا، سوال یہ ہے کہ "کراہت" کا یہ حکم آپ کے "حضرت علامہ" نے کہاں سے اخذ کیا ہے؟ قرآن کی کسی آیت سے؟ کسی حدیث سے؟ فقہاء کے اقوال سے؟ یا حضرت علامہ کو ذاتی طور پر "اِلہام" ہوا ہے؟ اگر ایسا ہے تو گویا یہ بھی اُصول طے ہوگیا کہ دلائلِ شرعیہ میں سے ایک دلیل "ہمارے دوست حضرت علامہ" کا اِلہام بھی ہے۔

۵:...ارشاد ہے:

"ترکی اور بنگلہ دیش میں بھی مسلم خواتین وزیرِاعظم ہیں، مگر وہاں کبھی نہیں سنا کہ اس طرح کی کوئی تحریک کسی عالم نے چلائی ہو۔"

اور یہ دلیل تو اُوپر والی دلیل سے بھی زیادہ خوبصورت اور وزنی ہے! مثلاً یوں کہا جائے کہ کراچی میں ڈاکے، چوریاں دن دہاڑے ہوتی ہیں، مگر کراچی کی "شریف پولیس" کسی کو کچھ نہیں کہتی، پنجاب پولیس کو نہ جانے کیا ہوا ہے کہ پکڑ دھکڑ کا شور مچائے رکھتی ہے۔ کیسی نفیس دلیل ہے...؟

وہاں جوان خواتین کے خلاف کوئی تحریک نہیں چلی، اس کی وجہ شاید یہ ہوگی کہ ان خواتین کو کوئی "کوثر نیازی" میسر نہیں آیا ہوگا، جو ان کے حقِ حکمرانی کو قرآن و سنت سے ثابت کر دکھائے، اور تمام ائمہ دین کے موقف کا مذاق اُڑائے، صحابہ کرامؓ پر کیچڑ اُچھالے، صحیح بخاری کی احادیث کو موضوع اور من گھڑت بتائے، اگر ایسی کوئی مخلوق وہاں بھی پیدا ہوتی تو یقین ہے کہ وہاں بھی اللہ تعالیٰ

کا کوئی بندہ اس کی تردید کے لئے ضرور کھڑا ہوتا۔

۶:...ارشاد ہوتا ہے:

''دو چار نکات کا جواب مجبوراً لکھ رہا ہوں کہ خاموشی سے غلط فہمی پیدا ہونے کا امکان ہے۔''

جزاک اللہ! بہت صحیح فرمایا: ''خاموشی سے غلط فہمی پیدا ہونے کا اِمکان ہے'' اسی ''مجبوری'' نے اہلِ علم کو آپ کے جواب میں قلم اُٹھانے پر آمادہ کیا، فرق یہ ہے کہ آپ کی مجبوری ''بے نظیر'' ہے، اور اہلِ علم کی مجبوری دِین و شریعت کی صیانت و حفاظت ہے، الغرض ''مجبوری'' دونوں فریقوں کو لاحق ہے، یہ الگ بحث ہے کہ کس کی مجبوری کس نوعیت کی ہے؟:

سبو اپنا اپنا ہے جام اپنا اپنا!
کئے جاؤ مے خوارو کام اپنا اپنا!

پہلے نکتے کے لطائف

۱:...ارشاد ہے:

''عورت کی بادشاہت کی تائید کون کر رہا ہے؟''

لیکن حضرت بھول گئے، حدیثِ نبوی کو باطل کرنے کے لئے آپ نے قصے ''بادشاہ خواتین'' ہی کے سنائے تھے، یہ حدیثِ نبوی کے مقابلے میں ''عورت کی بادشاہت'' کی تائید نہیں تھی تو اور کیا تھا؟

۲:...ارشاد ہے:

''ہم تو بحث ایک جمہوری ملک میں عورت کے وزیرِ اعظم ہونے کی کر رہے ہیں...... وزیرِ اعظم سربراہِ حکومت ہوتا ہے، سربراہِ ریاست یا سربراہِ مملکت نہیں ہوتا۔''

اجی حضرت! ہماری گفتگو بھی اسی میں ہے کہ عورت حکومت کی سربراہ نہیں ہوسکتی، جب آپ تسلیم کر رہے ہیں کہ جمہوری پارلیمانی نظام میں وزیرِ اعظم حکومت کا سربراہ ہوتا ہے، وہی ملک میں حاکمِ اعلیٰ کہلاتا ہے، وہی حکومت کے نظم و نسق کا ذمہ دار ہوتا ہے، انتظامی مشینری کی کل اسی کے ہاتھ میں ہوتی ہے، اور عرفِ عام میں بھی حکومت اسی کی سمجھی جاتی ہے، تو اب ایسے بااختیار حاکم کو آپ بادشاہ کہہ لیجئے، صدر کہہ دیجئے، یا وزیرِ اعظم کہا کیجئے، الغرض کوئی سی اصطلاح اس کے لئے استعمال کرلیجئے، مدعا ایک ہے، یعنی بااختیار حاکم۔ اور شریعت کہتی ہے کہ مسلمانوں کی حاکم عورت نہیں ہوسکتی، لہٰذا عورت کو نہ بادشاہ بنانا صحیح ہے، نہ صدر، نہ وزیرِ اعظم، نہ گورنر، نہ وزیرِ اعلیٰ، نہ قاضی اور نہ کوئی اور حاکم۔ آپ بادشاہ، صدر اور وزیرِ اعظم جیسی خود ساختہ اصطلاحوں میں اُلجھ کر، بلاوجہ پریشان ہوتے ہیں، حالانکہ دانا ؤں کا قول ہے:

الفاظ کے پیچوں میں اُلجھتے نہیں دانا!
غوّاص کو مطلب ہے صدف سے کہ گہر سے؟

۳:...ارشاد ہے:

''حضرت تھانویؒ کا فتویٰ ہے کہ سلطنتِ جمہوری عورت کی ہوسکتی ہے، جو قسم ثالث ہے حکومت کی اقسامِ ثلاثہ مذکورہ میں سے، اور راز اس میں یہ ہے کہ حقیقت اس حکومت کی محض مشورہ ہے، اور عورت اہل ہے مشورہ کی، چنانچہ واقعہ حدیبیہ میں خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اُمِّ سلمہؓ کے مشورے پر عمل فرمایا، اور اس کا انجام محمود ہوا۔''

حضرتؒ کا فتویٰ سرآنکھوں پر! مگر یاد ہوگا کہ حضرتؒ نے یہ فتویٰ بیگم بھوپال کے بارے میں دیا تھا، اس عفت مآب نے اپنا مدارالمہام نواب صاحب کو بنادیا تھا، خود پردہ نشین رہیں، اور نواب صاحب ان کے مشورے سے اُمورِ مملکت انجام دیتے رہے۔ آپ بھی اپنی ممدوحہ کو پردہ میں بٹھایئے، خود ان کے مدارالمہام بن کر ان کے مشورے سے اُمورِ مملکت انجام دیجئے۔ حضرت تھانویؒ کے فتویٰ پر صحیح عمل ہوجائے گا، ایک عالم بھی اس کی مخالفت نہیں کرے گا، چشم ماروشن دلِ ماشاد! لیکن موجودہ صورتِ حال میں... جبکہ آپ کی وزیرِاعظم مختارِ کل ہیں اور ''مردانِ کار'' اس کے تابع مہمل ہیں... خود سوچ لیجئے کہ حضرت تھانویؒ کا فتویٰ آپ کو کیا کام دے گا؟ وہ تو اُلٹا آپ کے خلاف جاتا ہے، اور حضرت تھانویؒ نے جو حضرت اُمِّ سلمہؓ کے مشورے کا حوالہ دیا ہے، اس کو اپنی ممدوحہ پر چسپاں کرنا لائقِ تعجب ہے، کیا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اُمِّ سلمہؓ کو وزیرِاعظم بناکر ملک کا نظم و نسق ان کے حوالے کردیا تھا...؟

ہماری گزارش کا خلاصہ یہ ہے کہ اگر حضرت تھانویؒ کے فتویٰ پر عمل کرنا ہے تو ''مشیر'' کو مشیر کے درجے میں رکھئے، ملک کی وزیرِاعظم کو مشیر کی حیثیت کوئی احمق سے احمق آدمی بھی نہیں دے سکتا، چہ جائیکہ اس کے لئے حضرت تھانویؒ جیسے حکیم الامت اور مجددّ الملت کا حوالہ دیا جائے؟

دُوسرے نکتے کے لطائف

ارشاد ہوتا ہے:

''میں نے جان بوجھ کر ان صحابی (یعنی حضرت ابوبکرہؓ) کا ذِکر نہیں کیا تھا کہ اس سلسلے میں کوئی بدمزگی پیدا نہ ہو، مگر اَب بات چل نکلی تو عرض کروں گا کہ حضرت ابوبکرہؓ وہ صحابی ہیں جنھوں نے زِنا کے مقدمے میں گواہی دی تھی، مقدمہ پوری گواہیاں نہ ہونے کی وجہ سے خارج ہوگیا، حضرت عمرؓ نے حضرت ابوبکرہؓ کو ان کے دُوسرے دو ساتھیوں کے ہمراہ اسّی (۸۰) کوڑوں کی سزا دی، بعد میں انہوں نے حضرت ابوبکرہؓ سے یہ بھی مطالبہ کیا کہ وہ اپنے فعل پر توبہ کریں، مگر انہوں نے انکار کردیا، یہی وجہ ہے کہ حضرت عمر فاروقؓ ان کی گواہی تسلیم نہیں کرتے تھے۔''

اس عبارت میں چند لطائف ہیں:

ا:...اپنے پہلے مضمون میں آنجناب نے حدیث کے راویٔ اوّل حضرت ابوبکرہؓ کا نام لینا پسند نہیں کیا تھا، اور ''راوی کہتا ہے''

کے مبہم الفاظ سے ان کو "مجہول" ظاہر کرنے کی کوشش کی، اب ارشاد ہوتا ہے کہ میں نے جان بوجھ کر ایسا کیا تھا تاکہ بدمزگی پیدا نہ ہو، گویا بدمزگی سے بچنے کے لئے راوی کے نام کو چھپانا... جس کو تدلیس کہتے ہیں... ضروری تھا۔

۲:... وہ بدمزگی کیا تھی؟ اس کا اظہار اُوپر کے درج شدہ اقتباس سے ہو رہا ہے کہ حضرت ابوبکرہؓ صحابی جناب کی نظر میں... نعوذ باللہ!... اس درجے کے فاسق تھے کہ حضرت عمرؓ ان کی شہادت بھی قبول نہیں فرماتے تھے، لہٰذا ان کی روایت سے جو حدیث نقل کی جاتی ہے اس کا کیا اعتبار؟

حالانکہ اہل سنت کا یہ اُصول جناب کی نظر سے بھی گزرا ہوگا کہ "الصحابة كلهم عدول"... صحابہؓ تمام کے تمام عادل اور ثقہ ہیں... یہ منطق اہل سنت میں سے کسی کو بھی نہیں سوجھی کہ حضرت ابوبکرہؓ کی روایت کو ناقابلِ اعتبار قرار دیا جائے، حافظ ابنِ حزمؒ لکھتے ہیں:

"ما سمعنا ان مسلمًا فسق أبابكرة، ولَا امتنع من قبول شهادته على النبي صلى الله عليه وسلم في أحكام الدين۔" (المحلی ج:۹ ص:۴۳۳)

ترجمہ:... "ہم نے نہیں سنا کہ کسی مسلمان نے حضرت ابوبکرہؓ کو فاسق قرار دیا ہو، یا دِین کے اَحکام میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ان کی شہادت کے قبول کرنے سے انکار کیا ہو۔"

۳:... ایک دِلچسپ لطیفہ یہ ہے کہ حدیث: "لن يفلح قوم ولّوا أمرهم امرأة" کو آپ اس بنا پر مسترد کرتے ہیں کہ اس حدیث سے حضرت اُمّ المؤمنینؓ کی قیادت پر حرف آتا ہے،... حالانکہ اوّل تو حضرت اُمّ المؤمنینؓ "لشکر کی قیادت" کے لئے تشریف ہی نہیں لائی تھیں، بلکہ ان کی تشریف آوری کا مقصد مسلمانوں کی دو جماعتوں کے درمیان صلح کرانا تھا، یہ بات ان کے گوشۂ خیال میں بھی نہیں تھی کہ دونوں فریقوں کے درمیان جنگ چھڑ جائے گی۔ علاوہ ازیں ان کی قیادت پر متعدد صحابہؓ نے نکیر فرمائی اور خود اُمّ المؤمنینؓ کو بھی مدۃ العمر اس کا صدمہ رہا... لیکن اس حدیث کو مسترد کرنے کے لئے آپ ایک ایسے بے سروپا قصے کا سہارا لیتے ہیں جس سے ایک جلیل القدر صحابی کی شخصیت داغدار ہوجاتی ہے۔ سوال یہ ہے کہ اگر آپ کے قلب میں عظمتِ صحابہؓ اتنی زیادہ ہے تو یہاں آپ کی ایمانی غیرت کو کیوں جوش نہیں آیا؟ اور آپ کی رگ حمیت کیوں نہیں پھڑکی؟ آپ کے ضمیر نے آپ کو کیوں ملامت نہیں کی کہ آپ نے بلاتکلف ایک ایسا قصہ نقل کردیا جس سے تین جلیل القدر صحابہؓ کا فاسق و مردود الشہادۃ ہونا لازم آتا ہے؟

۴:... واقعہ یہ ہے کہ آپ جس قصے کے سہارے ایک جلیل القدر صحابی حضرت ابوبکرہؓ... اور ان کے ساتھ ان کے دو بھائیوں کو کہ دونوں صحابی ہیں... فاسق اور مردود الشہادۃ قرار دے کر ان کی روایت کو مسترد کرنے چلے ہیں، یہ قصہ خود ہی مشکوک و مخدوش اور ساقط الاعتبار ہے، یہی وجہ ہے کہ کوفہ و بصرہ کے جلیل القدر تابعینؒ اور اکابر فقہاء و محدثینؒ اس کے خلاف فتویٰ دیتے ہیں۔ چنانچہ امام حسن بصریؒ، امام محمد بن سیرینؒ، امام شعبیؒ، قاضی شریحؒ، امام سفیان ثوریؒ، امام اعظم ابوحنیفہؒ اور عراق کے دیگر جلیل القدر فقہاء و محدثین کا فتویٰ اس کے خلاف ہے۔ بلکہ خود امیر المؤمنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا فتویٰ اس کے خلاف منقول ہے۔ اسی طرح حبرا لامت حضرت عبداللہ بن عباسؓ اور سید التابعین حضرت سعید بن مسیبؒ... جن کے حوالے سے یہ قصہ نقل کیا جاتا ہے... ان کا فتویٰ بھی

بہ سندِ صحیح اس کے خلاف منقول ہے۔ اس قصے پر شدید جرحیں کی گئی ہیں، اور ثابت کیا گیا ہے کہ یہ قصہ غلط اور مہمل ہے۔ تفصیل کے لئے اعلاء السنن ج:۱۵ ص:۱۹۴ کی مراجعت کی جائے...

کیسا اندھیر ہے کہ ایک جلیل القدر صحابیؓ کو فاسق اور مردود الشہادۃ ثابت کرنے کے لئے ایسے مجروح قصے کا سہارا لیا جائے، اور ایک ایسی متفق علیہ حدیث کو، جس کی صحت تمام فقہاء و محدثین کے نزدیک مسلّم ہے، اور جس کی صحت میں ایک متنفس کو بھی اختلاف نہیں، بلکہ طبقہ در طبقہ تمام اکابرِ اُمت کے درمیان متواتر چلی آتی ہے، ساقط الاعتبار قرار دینے کے لئے تنکوں کا سہارا لیا جائے؟

۵:...اور اگر اس قصے کو تسلیم کرنا ہی تھا تو لازم تھا کہ اس قصے کی اصل حقیقت بھی نقل کردی جاتی، جو امام العصر حافظ الدنیا مولانا محمد انور شاہ کشمیریؒ کی تقریر "فیض الباری" میں ذکر کی گئی ہے۔ جس کا خلاصہ یہ ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی جانب سے پابندی کے باوجود حضرت مغیرہؓ نے، جو بصرہ کے گورنر تھے، وہاں خفیہ نکاح کرلیا تھا۔ حضرت ابوبکرہؓ کو اس کا علم نہیں تھا، انہوں نے حضرت مغیرہؓ کو صبح کے اندھیرے میں اس خاتون کے گھر جاتے ہوئے دیکھا، جاکر دیکھا تو ان خاتون کے ساتھ مشغول تھے، انہوں نے اپنے تین ماں شریک بھائیوں... نافع بن حارث، شبل بن معبد اور زیاد بن سمیہ... کو بھی یہ موقع دکھایا، یہ چاروں عینی شاہد گواہی دینے کے لئے حضرت عمرؓ کی عدالت میں پہنچے، پہلے تین بھائیوں نے شہادت ادا کردی، زیاد کا نمبر آیا تو اس نے بات گول کردی، اور صرف یہ کہا کہ "میں نے نامناسب حالت دیکھی" زیاد کے اس طرزِ عمل سے حضرت مغیرہؓ تو زنا کی حد سے بچ گئے، لیکن پہلے تین گواہ "مجرم" بن گئے، اور ان پر حدِ قذف جاری ہوئی۔

اگر یہ چاروں گواہ گواہی دے دیتے تو حضرت مغیرہؓ دو گواہوں کی گواہی سے اس خاتون کے ساتھ اپنا نکاح ثابت کردیتے، اور زنا کی سزا ان پر جاری نہ ہوتی، لیکن حضرت عمرؓ کے عتاب کا سامنا ان کو پھر بھی کرنا پڑتا، غالباً حضرت مغیرہؓ نے زیاد کو ایک مسلمان کی پردہ پوشی کی ترغیب دِلاکر اس پر آمادہ کرلیا ہوگا کہ وہ مبہم شہادت پر اِکتفا کرے، تاکہ اس تدبیر سے ان کے خفیہ نکاح کا راز بھی راز ہی رہے، اور وہ سزا یا عتاب سے بچ جائیں۔

الغرض حضرت ابوبکرہؓ اور ان کے دو بھائیوں نے... کہ تینوں صحابی ہیں... جو شہادت دی وہ ان کے علم کے مطابق صحیح تھی، اگرچہ تیسرے گواہ کی گول مول شہادت نے مقدمے کی نوعیت تبدیل کردی، اگر حضرت ابوبکرہؓ کو پہلے سے اس کا علم ہوتا تو کبھی شہادت کے لئے لب کشائی نہ کرتے، سزا جاری ہونے کے بعد ان کے دو بھائیوں نے غالباً یہ سمجھ لیا ہوگا کہ ان کو مغالطہ ہوا ہے، اس لئے انہوں نے حضرت عمرؓ کے کہنے پر توبہ کرلی، لیکن حضرت ابوبکرہؓ کو اپنی رُؤیت پر عین الیقین تھا، انہوں نے توبہ کرنے سے انکار کردیا، کیونکہ شہادت سے رُجوع کرنے کا مطلب یہ ہوتا کہ گویا انہوں نے ایک مسلمان پر ناحق زنا کی تہمت لگائی۔

یہ ہے واقعے کی اصل نوعیت، جس سے نہ صرف حضرت ابوبکرہؓ کی جلالت قدر پر کوئی حرف آتا ہے اور نہ حضرت مغیرہؓ کی طرف نعوذ باللہ!... زنا کی تہمت منسوب کی جاسکتی ہے۔

الغرض حضرت ابوبکرہؓ کی شہادت اپنی جگہ برحق تھی، اس کے لئے نصابِ شہادت مکمل نہ ہونے کی وجہ سے ان پر حکمِ شرعی کا

نافذ ہوا، مگر اس کے باوجود وہ مردود الشہادۃ نہیں ہوئے، صاحبِ ''رُوح المعانی'' آیت: ''اِنْ جَآءَکُمْ فَاسِقٌ....'' کے ذیل میں لکھتے ہیں:

''وکذا الحد فی شهادة الزنا، لعدم تمام النصاب لَا یدل علی الفسق بخلافه فی مقام القذف، فلیحفظ۔''

ترجمہ:... ''اسی طرح اگر شہادتِ زِنا میں نصابِ شہادت پورا نہ کرنے کی وجہ سے حد جاری کی جائے تو یہ فسق پر دلالت نہیں کرتی، بخلاف اس حد کے جو تہمت کی بنا پر لگائی جائے، خوب سمجھ لو۔''

مزید ارشاد ہے:

''حضرت ابوبکرہؓ سے ایک روایت خطبہ حجۃ الوداع کے باب میں بھی منقول ہے، جس میں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے خطبے کی صرف چھ سطریں ہیں، حالانکہ دُوسری احادیث (اور ثابت شدہ احادیث) میں یہ خطبہ کئی صفحوں پر مشتمل ہے، اگر حضرت ابوبکرہؓ کی روایات کا پایۂ اِستناد اتنا ہی بڑا ہے تو پھر آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ خطبہ بھی صرف چھ سطروں کا ماننا پڑے گا، جو ظاہر ہے کہ کوئی قبول نہیں کرے گا۔''

حضرت نے یہ وضاحت نہیں فرمائی کہ حضرت ابوبکرہؓ کی چھ سطری روایت کے مستند ہونے سے باقی صحابہؓ کی احادیث کا غیر مستند ہونا کیسے لازم آیا؟ یا باقی صحابہؓ کی احادیث کے صحیح ہونے سے حضرت ابوبکرہؓ کی روایت کا مشکوک ہونا کیسے ثابت ہوا؟ مثلاً:

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی احادیث کی کل تعداد ۱۴۲ ہے،... چھ بخاری و مسلم دونوں میں، گیارہ صرف بخاری میں، ایک صرف مسلم میں، باقی دیگر کتابوں میں....

حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی کل روایات ۵۳۹ ہیں،... دس بخاری و مسلم میں، نو صرف بخاری میں، پندرہ صرف مسلم میں اور باقی دیگر کتابوں میں....

حضرت عثمان ذُوالنورین رضی اللہ عنہ سے صرف ۱۴۶ احادیث مروی ہیں،... بخاری و مسلم میں، آٹھ صحیح بخاری میں، پانچ صحیح مسلم میں اور باقی دیگر کتب میں....

حضرت علی بن ابی طالب کرم اللہ وجہہ کی روایات کل ۵۸۶ ہیں،... بیس صحیحین میں، نو صحیح بخاری میں، پندرہ صحیح مسلم میں، باقی دیگر کتابوں میں....

کیا یہاں کوئی شخص یہ کہہ سکتا ہے کہ: ''اگر خلفائے راشدینؓ کی روایات کا پایۂ اِستناد اتنا ہی اُونچا ہے تو پھر ماننا پڑے گا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث کی کل تعداد بس اتنی ہے''؟

تیسرے نکتے کے لطائف

موصوف نے حدیثِ نبوی: ''لن یفلح قوم'' کے مجروح ہونے پر ایک اور ''شاندار ثبوت'' پیش کیا ہے، وہ یہ کہ لاہور کے

کسی ماہنامہ ''کنز الایمان'' میں دہلی کے پروفیسر مشیر الحق کا مضمون شائع ہوا ہے، جس میں انہوں نے اپنے اُستاذ مولانا عبدالسلام قدوائی کے حوالے سے یہ قصہ نقل کیا ہے کہ وہ دارالعلوم ندوۃ العلماء کے سابق شیخ الحدیث اور اس وقت کے مشہور عالم مولانا حیدر حسن ٹونکیؒ سے صحیح بخاری کا درس لے رہے تھے، دورانِ درس مولانا مرحوم کو اس حدیث پر اِشکال ہوا، کتب خانے سے رجال کی مختلف کتابیں منگوائی گئیں.......

''اور جب راویوں کی چھان بین کی گئی تو ان میں ایک حضرت ایسے بھی ملے، جن کے بارے میں متفقہ طور پر علمائے محققین اسناد نے لکھا ہے کہ وہ صاحب حضرت عائشہؓ کے خلاف باتیں گھڑ گھڑ کر پھیلانے کے شوقین تھے۔ اس لئے ان کی روایت کردہ ایسی حدیثوں کو قبول کرنے میں احتیاط برتنی چاہئے جن کا اثر حضرت عائشہؓ کی ذات پر پڑتا ہو۔''

یہ نکتہ چند نفیس لطائف پر مشتمل ہے:

۱:... ابھی تو دُوسرے نکتے میں حضرت ابوبکرہؓ پر نزلہ گرایا جارہا تھا، اور ایک جلیل القدر صحابیؓ پر طعن کرکے ''قبر کی روشنی'' کا سامان کیا جارہا تھا، اور اب یکایک مولانا حیدر حسن ٹونکیؒ کا نام لے کر حدیث کے راویوں میں سے ''ایک حضرت'' پر نوازش ہونے لگی اور یہ بات ابھی تک پردۂ راز میں ہے کہ یہ مشقِ ناز کس راوی پر ہورہی ہے؟ کس کتاب کے حوالے سے ہورہی ہے؟ اور جرح کا راوی کون ہے؟ حدیثِ صحیح کو ایسی ''خوش فعلیوں'' کے ذریعے رَدّ کردینا طرفہ تماشا ہے یا نہیں؟

۲:... مولانا حیدر حسن ٹونکیؒ ذُوالحجہ ۱۳۳۹ھ سے ذُوالحجہ ۱۳۵۸ھ تک پورے اُنیس سال دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ کے شیخ الحدیث رہے، اس دوران ہزاروں اہلِ علم کو ان سے تلمذ و استفادہ کا شرف حاصل ہوا ہوگا، کیسا عجیب لطیفہ ہے کہ حضرت مرحوم کی وفات... ۱۳۶۱ھ... کے نصف صدی بعد یہ اِنکشاف کیا جارہا ہے کہ ندوہ کا ''شیخ الحدیث'' صحیح بخاری کی احادیث کو غلط سمجھتا تھا۔

۳:... لطیفہ یہ کہ ایک طرف دعویٰ کیا جارہا ہے کہ حدیث کا ایک راوی ایسا ہے جو حضرت عائشہؓ کے خلاف باتیں گھڑ گھڑ کر پھیلانے کا شوقین تھا، اور اس کو ''علمائے محققین اسناد کا متفقہ فیصلہ'' بتایا جارہا ہے، دُوسری طرف ندوہ کے شیخ الحدیث کی طرف یہ بات بھی منسوب کی جارہی ہے کہ:

''لہٰذا ان کی روایت کردہ ایسی حدیثوں کو قبول کرنے میں اتنی اِحتیاط برتنی چاہئے جن کا اثر حضرت عائشہؓ کی ذات پر نہ پڑتا ہو۔''

یعنی تمام محققین کا متفقہ فیصلہ ہے کہ یہ راوی جھوٹا ہے، کذاب ہے، مفتری ہے، اُمّ المؤمنینؓ کے خلاف جھوٹ گھڑ گھڑ کر پھیلانے کا شوقین ہے، اور جھوٹے افسانے تراش کر اُمّ المؤمنینؓ کو بدنام کرتا ہے، لیکن دارالعلوم ندوۃ العلماء کے شیخ الحدیث تلقین فرما رہے ہیں کہ ایسے کذاب، مفتری کی روایتوں کے قبول کرنے میں بس ''اتنی احتیاط سے کام لیا جائے کہ حضرت عائشہؓ کی ذات پر اس کا اثر نہ پڑے'' کیا ایسی لغو اور مہمل بات، حدیث کے کسی معمولی طالب علم کے منہ سے بھی نکل سکتی ہے؟ چہ جائیکہ ایک مشہور محدث کی طرف اس کو منسوب کیا جائے؟

اس سے بڑھ کر لطیفہ یہ کہ اہلِ سنت کے امیر المؤمنین فی الحدیث امام بخاریؒ اس کذاب اور مفتری کی حدیث کو "اصح الکتب بعد کتاب اللہ" میں بار بار درج کرتے ہیں، اور ان کو اس کذاب کی خبر ہی نہیں ہوتی، حالانکہ وہ "رجالِ حدیث" کے حافظ، تاریخ صغیر وکبیر کے مصنف اور "علمائے محققین اسناد" کے سرتاج ہیں۔ پھر "صحیح بخاری" کی تألیف سے لے کر آج تک لاکھوں اکابر محدثین اور حفاظِ حدیث نے اس کے درس و تدریس کا سلسلہ جاری رکھا، نوے ہزار نفوس نے تو صحیح بخاری کا سماع خود امام بخاریؒ سے کیا، ان لاکھوں حفاظِ حدیث کو بھی معلوم نہ ہوگا کہ اس حدیث کا فلاں راوی بالاتفاق کذاب اور مفتری ہے۔ پھر سیکڑوں افراد نے صحیح بخاری کی شرحیں لکھیں، بعض نے اس کے رجال پر کام کیا، بعض نے اس کے دیگر متعلقات پر تألیفات کیں، مگر کسی کے خواب میں بھی یہ بات نہ آئی کہ اس حدیث کا فلاں راوی جھوٹا ہے، کذاب ہے، مفتری ہے، حضرت عائشہؓ کے خلاف جھوٹے افسانے تراشتا ہے۔ لاہور کے ایک ماہنامہ کو ایک پروفیسر کی طرف سے "الہام" ہوتا ہے کہ اس حدیث کا ایک راوی "تمام محققین علمائے اسناد کے متفقہ فیصلے" کے مطابق کذاب تھا، اور ہمارے کوثر نیازی صاحب اس "الہام" پر ایمان لے آتے ہیں۔

چوتھے نکتے کے لطائف

نویں مغالطے کے ضمن میں موصوف کے خط بنام مودودی صاحب کا متن اور اس پر تفصیلی گفتگو کرچکا ہوں، موصوف اپنے نئے مضمون میں فرماتے ہیں کہ میں نے تو یہ لکھا تھا:

> "شرعاً عورت کسی صورت میں بھی صدرِ مملکت نہیں بنائی جاسکتی، صدرِ مملکت اور سربراہِ حکومت میں فرق ہے۔ ایوب خان کے زمانے کی صدارت بادشاہت کے مترادف تھی، وہ کہاں؟ اور اس پارلیمانی دور کی وزارتِ عظمیٰ کہاں؟"

یہاں بھی چند لطیفے ہیں:

۱:... جناب سے دریافت کیا جاسکتا ہے کہ شرعاً عورت صدرِ مملکت کیوں نہیں بن سکتی؟ قرآن و حدیث سے اس دعوے کی دلیل اس وقت... جب آپ نے مودودی صاحب کو خط لکھا تھا... جناب کے ذہن میں تھی؟ جس دلیل سے جناب یہ ثابت کریں گے کہ "شرعاً عورت صدرِ مملکت نہیں بن سکتی" اسی دلیل سے ثابت ہے کہ وہ "سربراہِ حکومت" بھی نہیں بن سکتی۔

۲:... نیز آنجناب سے یہ بھی دریافت کیا جاسکتا ہے کہ اگر یہ سچ ہے کہ عورت شرعاً صدرِ مملکت نہیں بن سکتی۔ اور آپ کے خیال میں ایوب خان کے زمانے کی صدارت، صدارت ہی نہیں، بلکہ اس سے بڑھ کر بادشاہت تھی... تو آپ نے مس فاطمہ جناح کی صدارت کے لئے قرآن و حدیث کے حوالے کیسے دیئے تھے؟

۳:... اگر آپ کے خیال میں مس فاطمہ جناح کی صدارت جائز تھی... حالانکہ شرعاً عورت صدرِ مملکت نہیں بن سکتی تو آپ نے مودودی صاحب کے نام اپنے خط میں مس فاطمہ جناح کی حمایت کو اپنی زندگی کے تمام گناہوں سے بڑا گناہ عظیم کیوں قرار دیا تھا؟ اور اس گناہ پر اندیشۂ سلبِ ایمان کا اظہار کیوں فرمایا تھا؟

۴:... اور جس گناہ سے آپ اس خط میں توبہ کرچکے تھے، اب تیس سال پہلے کے خطبے کا... جو مس فاطمہ جناح کی حمایت میں دیا تھا۔ بطورِ فخر حوالے دے کر اسی گناہ کا اعادہ اب کیسے فرما رہے ہیں؟

پانچویں نکتے کا لطیفہ

جناب نے اپنے مضمون... ۲۵؍ اکتوبر... کے آخر میں حدیث کی اصلاح کے لئے لقمہ دیا تھا کہ حدیث کا اصل لفظ "القوم" تھا، راوی نے اس کو "قوم" بنادیا، اس پر عرض کیا گیا کہ حضور! "القوم" کا لفظ معرفہ ہے، بعد کا جملہ اس کی صفت نہیں بن سکتا، یہ تو "قوم" (نکرہ) کی صفت بن سکتا ہے، اس پر فرماتے ہیں کہ:

"میں نے کب کہا تھا کہ "القوم" کے لفظ کے بعد عبارت تبدیل نہیں ہوگی۔"

صد شکر کہ یہ نہیں فرمایا کہ جس طرح صحیح بخاری کی حدیث غلط ہے، اسی طرح نحویوں کا یہ قاعدہ بھی غلط ہے کہ بعد کا جملہ "القوم" کی صفت نہیں بن سکتا، لیکن اتنی کمی اب بھی باقی رہی کہ بعد کی تبدیل شدہ عبارت کی جگہ حدیث کی "اصل" عبارت رقم فرمادی جاتی، تاکہ اہلِ علم کو جناب کا ادبی ذوق بھی معلوم ہوجاتا، اور وہ یہ فیصلہ کرسکتے کہ کیا ایسی مہمل عبارت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے صادر ہوسکتی ہے؟

غور فرمایئے کہ ایرانی قوم نے بھی کسی "خلیفۂ وقت" کا انتخاب تو نہیں کیا تھا، بلکہ اپنے یہاں کے رائج نظام کے مطابق حکمران ہی کا انتخاب کیا تھا، اس کے باوجود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ وہ قوم ہرگز فلاح نہیں پائے گی جس نے زمامِ حکومت ایک عورت کے سپرد کردی۔ اگر ایرانی قوم... مجوسی ہونے کے باوجود... اس حدیث کی زد سے نہ بچ سکی تو آپ... دعوائے مسلمانی کے باوجود... ارشادِ نبوی کا مصداق کیوں نہ بنیں گے؟

ارشاد ہوتا ہے:

"جمہوری دور میں تو اُمیدوار مرد و عورت کی عقل (اور صلاحیت) کو دیکھا جائے گا، اگر عقل محترمہ بے نظیر کو حق تعالیٰ نے زیادہ دی ہے (اور نہیں تو اسے قاعدۂ مستثنیات ہی سے مان لیجئے) تو اس میں غریب ووٹروں کا کیا قصور؟"

اگر آنجناب کو اِصرار ہے کہ آپ کی ممدوحہ، مخدومہ، محترمہ ذہانت و فطانت میں یکتا ہیں، عقلِ کُل ہیں، اور ان کی عقلِ خداداد کے مقابلے میں پورے ملک کے مرد... بشمول آپ کے... بے عقل ہیں، کودن ہیں، نادان ہیں، طفلِ مکتب ہیں، تو چونکہ آنجناب کو محترمہ کی عقل کا بہتر تجربہ ہوگا، اس لئے ہمیں آپ کے تجربہ و مشاہدہ کو جھٹلانے کی ضرورت نہیں، غالباً اسی عقلِ خداداد کا کرشمہ ہے کہ لغاری، مزاری، چیمے، چٹھے، وٹو، ٹوانے، قریشی، نیازی یعنی ملک کے بڑے بڑے جغادری اس کی زُلف کے اسیر ہیں، اور اس کے دامِ ہمرنگ زمیں کے صیدِ زبوں ہیں۔ گویا درج ذیل حدیثِ نبوی کا مضمون آفتاب کی طرح پوری آب و تاب سے چمک رہا ہے:

"ما رأيت من ناقصات عقل ودين أذهب للب الرجل الحازم من إحداكنّ. متفق

علیہ۔" (مشکوٰۃ ص:۱۳)

ترجمہ:..."میں نے تم سے بڑھ کر کوئی ناقص العقل والدین نہیں دیکھا جو اچھے خاصے ہوشیار اور سمجھ دار مردوں کی مت مار دے۔"

رہا یہ کہ ممدوحہ کی "زنانہ عقل" ملک و ملت کے حق میں کیا گل کھلائے گی؟ اس کا فیصلہ قاضیٔ وقت کی عدالت میں ہے، اس کا بے لاگ فیصلہ بہت جلد سب کے سامنے آجائے گا، فانتظروا، اِنّا منتظرون!

حق تعالیٰ شانہٗ اس اُمت پر رحم فرمائیں۔

وَآخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ

کیا موجودہ حالات عورت کو سربراہ بنانے کی وجہ سے ہیں؟

سوال:...ایک حدیث کے مطابق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول ہے کہ جس قوم نے عورت کو اپنا حکمران اور سربراہ بنالیا، وہ قوم اور مملکت کبھی فلاح نہ پاسکے گی۔ گزشتہ تقریباً ڈھائی تین سال سے پاکستانی قوم اور ملک نت نئے بحرانوں سے دوچار ہے، اور ایک دن بھی چین اور سکون نہیں رہا۔ کیا قوم اور ملک کی موجودہ تباہ کن حالت اس حدیث شریف سے انحراف کی وجہ سے تو نہیں؟

جواب:...جب تین سال پہلے قوم نے اپنی نکیل ایک عورت کے ہاتھ میں تھمادی تھی، اور کوثر نیازی نے اس کی حمایت میں اخبار کے کالم سیاہ کرنے شروع کئے تھے، تو میں نے کوثر نیازی کا جواب "جنگ" میں دیا تھا، اور ان تباہ کن حالات سے اس وقت ڈرایا تھا، میں نے اپنا مضمون اس فقرے پر ختم کیا تھا: "رہا یہ کہ (کوثر نیازی کی) ممدوحہ کی "زنانہ عقل" ملک وملت کے حق میں کیا گل کھلائے گی؟ اس کا فیصلہ قاضیٔ وقت کی عدالت ہے، اس کا فیصلہ بہت جلد سب کے سامنے آجائے گا۔"

یہ لکھتے ہوئے اس ناکارہ کے ذہن میں یہ حالات دُور دُور تک نہیں تھے، لیکن جس قوم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کو ٹھکرا کر ایک عورت کو حکمران بنایا،[1] وہ اپنے عمل کی پاداش بھگت رہی ہے، اور سب سے بڑا عذاب اس قوم پر یہ نازل ہوا کہ اس سے توبہ کی توفیق سلب ہوگئی ہے، اور اس کو یہ تمیز ہی نہیں رہی کہ ہم پر لعنت وادبار کی یہ مار، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کو ٹھکرانے کی وجہ سے ہے۔ یہ دُنیا کا عذاب ہے، اور آخرت کا عذاب اس سے بھی سخت ہے۔ کاش! ارباب حل وعقد کو ہدایت نصیب ہوجائے اور وہ اس گناہ سے تائب ہوجائیں۔

آزاد خیال نمائندوں کی حمایت کرنا

سوال:...دیکھنے میں آیا ہے کہ مسلمانوں کی ایک کثیر تعداد اپنی عملی زندگی میں تو نماز، روزے اور دُوسرے شرعی اَحکامات کی

(۱) عن أبي بكرة قال: لما بلغ رسول الله صلى الله عليه وسلم ان أهل فارس قد ملكوا عليهم بنت كسرى، قال: لن يفلح قوم ولّوا أمرهم إمرأة. رواه البخاري. (مشكوة ص: ۳۲۱ كتاب الامارة والقضاء، الفصل الأوّل).

پابند ہوتی ہے، لیکن عام انتخابات میں انہی اَفراد کی بڑی تعداد ایسے اُمیدواروں کے لئے کام کرتی اور ووٹ ڈالتی نظر آتی ہے کہ جن کی عملی زندگیوں میں اسلام کے بنیادی اَحکامات کی پابندی کی جھلک بھی نظر نہیں آتی، بلکہ بعض اُمیدوار تو اسلام سے متصادم نظریات کے پیروکار ہوتے ہیں۔ ایسے اُمیدواروں کے حق میں کام کرنے اور انہیں ووٹ دینے کی شرعی حیثیت کیا ہے؟ کیا ان مسلمانوں کے اس عمل پر آخرت میں ان کی گرفت نہیں ہوگی؟

جواب:... جو لوگ بے دِین قسم کے اُمیدواروں کی حمایت کرتے ہیں، ان کا خیال غالباً یہ ہوتا ہے کہ دِین کا سیاست سے، اور سیاست کا دِین سے کیا تعلق ہے؟ مگر یہ خیال صحیح نہیں، اس لئے کسی بے دِین یا بددِین اُمیدوار کی حمایت کرنا اور اس کو ووٹ دینا بھی جائز نہیں۔[1] ایک تو یہ بے دِینی کی حمایت ہوئی۔ دُوسرے یہ بے دِین نمائندہ منتخب ہونے کے بعد جتنے غلط کام کرے گا، ان کا گناہ اور وبال اس کی حمایت کرنے والوں اور ووٹ دینے والوں پر بھی ہوگا، اور یہ سب لوگ بھی اس گناہ میں برابر کے شریک ہوں گے۔[2]

مسلمان ملک کا سربراہ جو شریعت نافذ نہ کرے اس کا کیا حکم ہے؟

سوال:... مسلمان ملک کا سربراہ جو شریعت نافذ نہ کرے، کیا وہ کافر، فاسق اور واجب القتل ہے؟ کیا یہ بات قرآنِ حکیم کی ہدایات کے مطابق ہے؟

جواب:... اگر وہ واقعتاً مسلمان ہے، اور اللہ تعالیٰ اور رسول کے تمام اَحکام کو دِل و جان سے سچا جانتا ہے، لیکن سستی کی وجہ سے یا کسی موہوم مصلحت کی بنا پر ان اَحکام کو نافذ نہیں کرتا تو کافر اور واجب القتل نہیں، البتہ گناہگار ہے۔[3]

جو شریعت نافذ نہ کرے ایسے حکمران کو ہٹانے کے لئے کیا مناسب کارروائی کی جائے؟

سوال:... ایسے حکمران کو ہٹانے کے لئے کیا مناسب کارروائی کی جائے جو شریعت کے مطابق ہو؟

جواب:... اگر بغیر فتنہ و فساد کے اس کو ہٹا کر اس کی جگہ کسی ایسے شخص کو لایا جاسکتا ہو جو احکامِ خداوندی کو نافذ کرے تو

---

(۱) تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو: كفاية المفتي ج:۹ ص:۳۵۲ تا ۳۵۸، کتاب السیاسیات، طبع دارالاشاعت کراچی۔

(۲) "ولَا تعاونوا على الْإثم والعدوان" (المائدة:۲)۔ وفي الحديث. من سن سنة عمل بها من بعده كان له أجره ومثل أجورهم من غير أن ينقص من أجورهم شيئًا، ومن سن سنة سيئة فعمل بها بعده كان عليه وزره ومثل أوزارهم من غير أن ينقص من أوزارهم شيئًا. (كنز العمال ج:۱۵ ص:۷۸۰، أيضًا. مشكوة ص:۳۳ كتاب العلم، الفصل الأوّل)۔

(۳) عن أمّ سلمة قالت: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم. يكون عليكم امرا معرفون وتنكرون فمن أنكر فقد برىء ومن كره فقد سلم ولكن من رضي وتابع قالوا أفلا نقاتلهم؟ قال: لا ما صلوا، لا ما صلوا، اى من كره بقلبه وأنكر بقلبه. رواه مسلم. (مشكوة ص:۳۱۹، كتاب الإمارة، الفصل الأوّل)۔

اس کو ضرور ہٹانا چاہئے، لیکن اگر بغیر فتنہ و فساد کے ایسا کرنا ممکن نہ ہو، یا اس کی جگہ اس سے بدتر آدمی کے آنے کا اندیشہ ہو تو صبر کیا جائے گا۔[1]

قوم کو اخلاقی تباہی کے گڑھے میں گرنے سے بچانے کے لئے حکومت کو کیا اِقدامات کرنے چاہئیں؟

سوال: اس سلسلے میں حکومت کو کیا اقدامات کرنے چاہئیں؟ کیونکہ اخلاقی تباہی اہم قومی مسئلہ ہے۔

جواب:... حکومت کا اوّلین فرض ہے کہ قوم کو اخلاقی تباہی کے گڑھے میں گرنے سے بچائے۔ ٹی وی، اور ڈش انٹینا کی لعنت کو قانوناً ممنوع قرار دے، دِین کی دعوت و تبلیغ کا اہتمام کرے، اور قوم کے افراد پر محاسبۂ آخرت کی فکر پیدا کرنے کے انتظامات کرے، لیکن جب ارکانِ دولت ان لعنتوں کے گرداب میں خود ہی گلے گلے ڈُوبے ہوئے ہوں تو ان سے دُوسروں کی اصلاح کی توقع کیا کی جائے...؟[2]

مہاجرین یا اولادالمہاجرین؟

سوال:... لفظ "مہاجر" قرآن شریف میں کس کس جگہ پر آیا ہے؟ یعنی کن کن سورتوں کی کون کون سی آیات میں؟ کس معنی میں؟ لفظ "مہاجر" احادیث شریف کی کن کن کتابوں میں کہاں کہاں پر آیا ہے؟ کن معنی میں؟

جواب:... لفظ "مہاجر"، "ہجرت" سے ہے، جس کے معنی ہیں: "ہجرت کرنے والا" اور "ہجرت" کے معنی ہیں: "اپنے دِین کو بچانے کے لئے دارالکفر سے دارالاسلام کی طرف یا دارالفساد سے دارالامن کی طرف ترکِ وطن کرکے جانا۔"

مکہ مکرمہ میں جب کفار کا غلبہ تھا اور مسلمانوں کو اپنے دِین پر عمل کرنا دوبھر تھا، اس وقت دومرتبہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے مکہ

---

(۱) عن عبادة بن الصامت قال: بايعنا رسول الله صلى الله عليه وسلم على السمع والطاعة في العسر واليسر والمنشط والمكره وعلى اثرة علينا وعلى أن لا ننازع الأمر أهله وعلى أن نقول بالحق اينما كنا لا نخاف في الله لومة لائم. وفي رواية. وعلى أن لا ننازع الأمر أهله إلّا أن تروا كفرا بواحًا عندكم من الله فيه برهان. متفق عليه. (مشكوة ص:۳۱۹، كتاب الإمارة، الفصل الأوّل). وفي المرقاة: والمراد بالكفر ههنا المعاصي والمعنى لا تنازعوا ولاة الأمور في ولايتهم ولا تعرضوا عليهم إلّا أن تروا منهم منكرًا محققًا تعلمونه من قواعد الإسلام فإذا رأيتم ذالك فانكروه عليهم وقوموا بالحق حيث ما كنتم. (المرقاة شرح مشكوة ج ۴ ص:۱۱۷، كتاب الإمارة والقضاء، طبع أصح المطابع بمبئي).

(۲) عن أبي سعيد الخدري عن رسول الله صلى الله عليه وسلم: من رأى منكم منكرا فليغيره بيده، فإن لم يستطع فبلسانه، فإن لم يستطع فبقلبه، وذالك أضعف الإيمان. رواه مسلم. (مشكوة ص:۴۳۶ باب الأمر بالمعروف، الفصل الأوّل). وفي شرحه قال الملّا على القاري. قد قال علمائنا الأمر الأول للأمراء والثاني للعلماء والثالث لعامة المؤمنين　　علم انه إذا كان المنكر حرامًا وجب الزجر عنه. (المرقاة ج.۵ ص:۳، باب الأمر بالمعروف. طبع بمبئي).

مکرّمہ سے حبشہ کی طرف ہجرت کی، پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بنفسِ نفیس مکہ مکرّمہ سے ہجرت کرکے مدینہ تشریف لے آئے، اور مکہ مکرّمہ کے تمام مسلمان جو ہجرت کرسکتے تھے وہ بھی آگے پیچھے مدینہ طیبہ آگئے، اور مکہ مکرّمہ میں چند گنے چنے ایسے مسلمان رہ گئے جو اپنے ضعف اور کمزوری کی وجہ سے ہجرت کرنے سے معذور تھے، مکہ مکرّمہ کے فتح ہونے تک ان تمام لوگوں پر ہجرت کرکے مدینہ طیبہ آنا فرض تھا، جو کافروں کے درمیان رہتے ہوئے اپنے دین پر عمل نہ کرسکتے ہوں۔ فتحِ مکہ کے بعد یہ فرضیت باقی نہ رہی،[1] اس لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: "فتحِ مکہ کے بعد ہجرت نہیں"۔[2] قرآن میں ان مہاجرین کا ذکر بار بار آیا ہے اور ان کے بے شمار فضائل بیان فرمائے گئے ہیں، حوالے کے لئے درج ذیل آیات دیکھ لی جائیں:

الحشر: ۹، التوبہ: ۲۰، الانفال: ۷۲، النور: ۲۲، الاحزاب: ۵۰، النحل: ۴۱، ۱۱۰، العنکبوت: ۲۶، الاحزاب: ۶، آل عمران: ۱۹۵، البقرۃ: ۲۱۸، الحج: ۵۸، الممتحنۃ: ۱۰، الحشر: ۸، النساء: ۹۷، ۱۰۰، التوبہ: ۱۰۰، الانفال ۷۲ تا ۷۴، النساء: ۸۹، التوبہ: ۱۱۷۔

"ہجرت" اور "مہاجرین" کا لفظ صحاحِ ستہ اور دیگر کتبِ حدیث میں بھی بڑی کثرت سے آیا ہے، ان تمام کتابوں کے حوالے درج کرنا میرے لئے ممکن نہیں، ان احادیث میں ہجرت اور مہاجرین کے فضائل، ہجرت کی شرائط، اس کی ضرورت اور اس کی قبولیت کی شرط وغیرہ مضامین بیان فرمائے گئے ہیں۔

سوال:... کیا لفظ "مہاجر" قرآن وسنت کے منافی ہے؟

جواب:... "مہاجر" کا لفظ قرآن وسنت کے منافی نہیں، البتہ غیر مہاجر کو "مہاجر" کہنا بلاشبہ قرآن وسنت کے منافی ہے، چنانچہ حدیث میں ہے:

"المهاجر من هجر ما نهى الله عنه۔"

(صحیح بخاری، صحیح مسلم، ابوداؤد، نسائی، مشکوٰۃ ج:۱ ص:۱۲، کتاب الایمان، الفصل الاوّل)

ترجمہ:... "مہاجر وہ ہے جو ان چیزوں کو چھوڑ دے جن سے اللہ تعالیٰ نے منع فرمایا ہے۔"

ظاہر ہے جو شخص محرّمات کا مرتکب اور فرائضِ شرعیہ کا تارک ہو، اس کو "مہاجر" کہنا اس کے منافی ہوگا۔

سوال:... مسلمانوں کی ایک کثیر تعداد ہندوستان کے ان حصوں سے جو اَب بھارت کہلاتا ہے، پاکستان آئی، وہ "مہاجر"

---

(۱) عن عطاء بن رباح قال: زرت عائشة مع عبيد بن عمير الليثي، فسألناها عن الهجرة، فقالت: لا هجرة اليوم ... إلخ۔ قوله فسألناها عن الهجرة أي التي كانت قبل الفتح واجبة إلى المدينة، ثم نسخت بقوله لا هجرة بعد الفتح، وأصل الهجرة هجر الوطن۔ (فتح الباري ج ۷ ص: ۲۲۶-۲۲۹)۔

(۲) عن ابن عباس قال: قال النبي صلى الله عليه وسلم يوم فتح مكة: لا هجرة بعد الفتح، ولكن جهاد ونية وإذا استنفرتم فانفروا۔ (بخاری، ج:۱ ص:۴۳۳، باب لا هجرة بعد الفتح)۔

کہلاتے ہیں اور ان کی اولاد بھی، کیا اس میں ازرُوئے شریعت کوئی قباحت ہے؟

جواب: جو لوگ اپنے دِین کی خاطر ہندوستان سے ترکِ وطن کرکے پاکستان آئے وہ بلاشبہ "مہاجر" ہیں، اور جن لوگوں کے مدنظر دِین نہیں تھا بلکہ دُنیاوی مفادات کی خاطر یہاں آئے وہ قرآن و حدیث کی اصطلاح میں "مہاجر" نہیں، نہ قرآن و حدیث کی رُو سے وہ "مہاجر" کہلاسکتے ہیں۔ "ہجرت" ایک عمل ہے اور اس عمل کے کرنے والے کو "مہاجر" کہا جاتا ہے۔[1] اس لئے جن حضرات نے خود ہجرت کی وہ تو "مہاجر" ہیں، ان کی اولاد کو "اولاد المہاجرین" کہنا تو صحیح ہے، مگر خود ان کو "مہاجر" کہنا قرآن و سنت کی اِصطلاح نہیں، جس طرح کسی نمازی کی اولاد کو نمازی، کسی حاجی کی اولاد کو حاجی، کسی غازی کی اولاد کو غازی کہنا غلط ہے، اسی طرح کسی مہاجر کی اولاد کو مہاجر کہنا بھی غلط ہے۔ احادیث میں انصار کی اولاد کو "اولاد الانصار" فرمایا گیا ہے، جیسا کہ حدیث میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی دُعا منقول ہے:

"اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِلْأَنْصَارِ وَلِأَبْنَاءِ الْأَنْصَارِ وَلِأَبْنَاءِ أَبْنَاءِ الْأَنْصَارِ۔ وفي رواية: وَلِذَرَارِيِّ الْأَنْصَارِ وَلِذَرَارِيِّ ذَرَارِيهِمْ۔" (صحیح بخاری، مسلم، ترمذی، جامع الاصول ج:۹ ص:۱۶۳، ۱۶۴)

پس جس طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انصار کی اولاد کے لئے "ابناء الانصار" اور "ذراری الانصار" کے الفاظ فرمائے، خود "انصار" کے خطاب میں ان کو شامل نہیں فرمایا، اسی طرح "مہاجر" کی اولاد کو "اولاد المہاجرین" یا "ابناء المہاجرین" کہنا تو بجا ہے، لیکن خود "مہاجر" کا لقب ان کے لئے تجویز کرنا بے جا بات ہے۔

ہمارے یہاں جو "نعرۂ مہاجر، جئے مہاجر" بلند کیا جاتا ہے، حدیثِ نبوی کی رُو سے دعوائے جاہلیت ہے۔ چنانچہ حدیث کا مشہور واقعہ ہے کہ کسی مہاجر نے کسی انصاری کے لات ماردی تھی، انصاری نے "یا للأنصار!" کا نعرہ لگایا، اور مہاجر نے "یا للمهاجرين!" کا نعرہ لگایا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم باہر تشریف لائے اور فرمایا:

"ما بال دعوى الجاهلية"

"یہ جاہلیت کے نعرے کیسے ہیں؟"

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو قصہ بتایا گیا تو فرمایا:

"دعوها فانّها منتنة۔ وفي رواية: فانّها خبيثة۔"

(بخاری، مسلم، ترمذی، جامع الاصول ج:۲ ص:۳۸۹)

ترجمہ:... "اس نعرے کو چھوڑ دو، یہ بدبودار ہے!"

---

(۱) عن عمر بن الخطاب يقول: سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول: إنما الأعمال بالنيات، وإنما لامرىء ما نوى، فمن كانت هجرته إلى دنيا يصيبها أو إلى امرأة ينكحها فهجرته إلى ما هاجر إليه. (بخاری ج:۱ ص:۲).

ہمارے بزرگوں نے پاکستان "دوقومی نظریہ" کی بنیاد پر بنایا تھا، یہ سندھی، پنجابی، پختون، بلوچ کے نعرے "دوقومی نظریہ" کی نفی ہے، اسی طرح مہاجر قومیت کا تصور بھی انہی نعروں میں سے ہے۔ اسلام، رنگ و نسل اور وطنیت کے بتوں کو پاش پاش کرنے آیا تھا، نہ کہ ایک مسلمان کو دُوسرے مسلمان سے لڑانے اور ٹکرانے کے لئے۔ اسلام کی تعلیم یہ ہے کہ رنگ و نسل اور قبیلے کی بنیاد پر حمایت و مخالفت کے پیمانے وضع نہ کرو، بلکہ مظلوم کی مدد کرو، خواہ کسی رنگ و نسل اور قبیلے کا ہو اور ظالم کا ہاتھ روکو خواہ کسی برادری کا ہو۔

"جمہوریت" اس دور کا صنمِ اکبر

سوال:... میری ایک اُلجھن یہ ہے کہ: "اسلام میں جمہوریت کی گنجائش ہے یا نہیں؟" کیونکہ میری ناقص رائے کے مطابق "جمہوریت" کی حکومت میں آزاد خیالی اور لفظِ "آزادی" کی وجہ سے مسلمان تمام حدوں سے تجاوز کر جاتے ہیں، جبکہ مذہب "گھر" تک محدود ہو جاتا ہے، حالانکہ "اسلام" نہ صرف ایک بے مثال مذہب ہے بلکہ اس میں خدا کے مستند قوانین سموئے ہوئے ہیں، اور اسلام میں ایک حد میں رہتے ہوئے آزادی بھی دی گئی ہے۔ برائے مہربانی جواب عنایت فرمائیں۔

جواب:... بعض غلط نظریات قبولیتِ عامہ کی ایسی سند حاصل کر لیتے ہیں کہ بڑے بڑے عقلاء اس قبولیتِ عامہ کے آگے سر ڈال دیتے ہیں۔ وہ یا تو ان غلطیوں کا اِدراک ہی نہیں کر پاتے یا اگر ان کو غلطی کا اِحساس ہو بھی جائے تو اس کے خلاف لب کشائی کی جرأت نہیں کر سکتے۔ دُنیا میں جو بڑی بڑی غلطیاں رائج ہیں ان کے بارے میں اہلِ عقل اسی المیے کا شکار ہیں۔ مثلاً "بت پرستی" کو لیجئے! خدائے وحدہٗ لاشریک کو چھوڑ کر خود تراشیدہ پتھروں اور مورتیوں کے آگے سربسجود ہونا کس قدر غلط اور باطل ہے، انسانیت کی اس سے بڑھ کر توہین و تذلیل کیا ہوگی کہ انسان کو... جو اشرف المخلوقات ہے... بے جان مورتیوں کے سامنے سرنگوں کر دیا جائے، اور اس سے بڑھ کر ظلم کیا ہوگا کہ حق تعالیٰ شانہٗ کے ساتھ مخلوق کو شریکِ عبادت کیا جائے۔ لیکن مشرک برادری کے عقلاء کو دیکھو کہ وہ خود تراشیدہ پتھروں، درختوں، جانوروں وغیرہ کے آگے سجدہ کرتے ہیں۔ تمام تر عقل و دانش کے باوجود ان کا ضمیر اس کے خلاف احتجاج نہیں کرتا اور نہ وہ اس میں کوئی قباحت محسوس کرتے ہیں۔

اسی غلط قبولیتِ عامہ کا سکہ آج "جمہوریت" میں چل رہا ہے، جمہوریت دورِ جدید کا وہ "صنمِ اکبر" ہے، جس کی پرستش اوّل اوّل دانایانِ مغرب نے شروع کی، چونکہ وہ آسمانی ہدایت سے محروم تھے، اس لئے ان کی عقلِ نارسا نے دیگر نظام ہائے حکومت کے مقابلے میں جمہوریت کا بت تراش لیا، اور پھر اس کو مثالی طرزِ حکومت قرار دے کر، اس کا صور اس بلند آہنگی سے پھونکا کہ پوری دُنیا میں اس کا غلغلہ بلند ہوا، یہاں تک کہ مسلمانوں نے بھی تقلیدِ مغرب میں جمہوریت کی مالا جپنی شروع کر دی۔ کبھی یہ نعرہ بلند کیا گیا کہ "اسلام جمہوریت کا علَم بردار ہے" اور کبھی "اسلامی جمہوریت" کی اِصطلاح وضع کی گئی، حالانکہ مغرب "جمہوریت" کے جس بت کا پجاری ہے اس کا نہ صرف یہ کہ اسلام سے کوئی تعلق نہیں بلکہ وہ اسلام کے سیاسی نظریے کی ضد ہے، اس لئے اسلام کے ساتھ "جمہوریت" کا پیوند

لگانا اور جمہوریت کو مشرف بہ اسلام کرنا صریحاً غلط ہے۔

سب جانتے ہیں کہ اسلام، نظریۂ خلافت کا داعی ہے جس کی رُو سے اسلامی مملکت کا سربراہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خلیفہ اور نائب کی حیثیت سے اللہ تعالیٰ کی زمین پر اَحکامِ الٰہیہ کے نفاذ کا ذمہ دار قرار دیا گیا ہے۔

چنانچہ مسند الہند حکیم الاُمت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ تعالیٰ، خلافت کی تعریف ان الفاظ میں کرتے ہیں:

''مسئلہ در تعریف خلافت: **هي الرياسة العامة في التصدى لإقامة الدين باحياء العلوم الدينية واقامة اركان الإسلام والقيام بالجهاد وما يتعلق به من ترتيب الجيوش والفرض للمقاتلة واعطائهم من الفيئ والقيام بالقضاء واقامة الحدود ورفع المظالم والأمر بالمعروف والنهي عن المنكر نيابة عن النبي صلى الله عليه وسلم۔**'' (ازالۃ الخفاء ص:۲)

ترجمہ:... ''خلافت کے معنی ہیں: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نیابت میں دِین کو قائم (اور نافذ) کرنے کے لئے مسلمانوں کا سربراہ بننا۔ دِینی علوم کو زندہ رکھنا، ارکانِ اسلام کو قائم کرنا، جہاد کو قائم کرنا اور متعلقاتِ جہاد کا انتظام کرنا، مثلاً: لشکروں کا مرتب کرنا، مجاہدین کو وظائف دینا اور مالِ غنیمت ان میں تقسیم کرنا، قضا و عدل کو قائم کرنا، حدودِ شرعیہ کو نافذ کرنا اور مظالم کو رفع کرنا، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرنا۔''

اس کے برعکس جمہوریت میں عوام کی نمائندگی کا تصوّر کارفرما ہے، چنانچہ جمہوریت کی تعریف ان الفاظ میں کی جاتی ہے:

''جمہوریت وہ نظامِ حکومت ہے جس میں عوام کے چنے ہوئے نمائندوں کی اکثریت رکھنے والی سیاسی جماعت حکومت چلاتی ہے اور عوام کے سامنے جواب دہ ہوتی ہے۔''

گویا اسلام کے نظامِ خلافت اور مغرب کے تراشیدہ نظامِ جمہوریت کا راستہ پہلے ہی قدم پر الگ الگ ہو جاتا ہے، چنانچہ:

❊:...خلافت، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نیابت کا تصوّر پیش کرتی ہے، اور جمہوریت عوام کی نیابت کا نظریہ پیش کرتی ہے۔

❊:...خلافت، مسلمانوں کے سربراہ پر اِقامتِ دِین کی ذمہ داری عائد کرتی ہے، یعنی اللہ تعالیٰ کی زمین پر اللہ کا دِین قائم کیا جائے، اور اللہ کے بندوں پر، اللہ تعالیٰ کی زمین پر اللہ تعالیٰ کے مقرر کردہ نظامِ عدل کو نافذ کیا جائے، جبکہ جمہوریت کو نہ خدا اور رسول سے کوئی واسطہ ہے، نہ دِین اور اِقامتِ دِین سے کوئی غرض ہے، اس کا کام عوام کی خواہشات کی تکمیل ہے اور وہ ان کے منشاء کے مطابق قانون سازی کی پابند ہے۔

❊:...اسلام، منصبِ خلافت کے لئے خاص شرائط عائد کرتا ہے، مثلاً: مسلمان ہو، عاقل و بالغ ہو، سلیم الحواس ہو، مرد ہو، عادل ہو، اَحکامِ شرعیہ کا عالم ہو، جبکہ جمہوریت ان شرائط کی قائل نہیں۔ جمہوریت یہ ہے کہ جو جماعت بھی عوام کو سبز باغ دِکھا کر اسمبلی

میں زیادہ نشستیں حاصل کرلے اسی کو عوام کی نمائندگی کا حق ہے۔ جمہوریت کو اس سے بحث نہیں کہ عوامی اکثریت حاصل کرنے والے ارکان مسلمان ہیں یا کافر، نیک ہیں یا بد، متقی و پرہیزگار ہیں یا فاجر و بدکار، اَحکامِ شرعیہ کے عالم ہیں یا جاہلِ مطلق اور لائق ہیں یا کندہ ناتراش، الغرض! جمہوریت میں عوام کی پسند و ناپسند ہی سب سے بڑا معیار ہے اور اسلام نے جن اوصاف و شرائط کا کسی حکمران میں پایا جانا ضروری قرار دیا، وہ عوام کی حمایت کے بعد سب لغو اور فضول ہیں، اور جو نظامِ سیاست اسلام نے مسلمانوں کے لئے وضع کیا ہے وہ جمہوریت کی نظر میں محض بے کار اور لایعنی ہے، نعوذ باللہ!

☆:... خلافت میں حکمران کے لئے بالاتر قانون کتاب و سنت ہے، اور اگر مسلمانوں کا اپنے حکام کے ساتھ نزاع ہوجائے تو اس کو اللہ و رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف رَدّ کیا جائے گا اور کتاب و سنت کی روشنی میں اس کا فیصلہ کیا جائے گا، جس کی پابندی راعی اور رعایا دونوں پر لازم ہوگی۔ جبکہ جمہوریت کا "فتویٰ" یہ ہے کہ مملکت کا آئین سب سے "مقدس" دستاویز ہے اور تمام نزاعی اُمور میں آئین و دستور کی طرف رُجوع لازم ہے، حتیٰ کہ عدالتیں بھی آئین کے خلاف فیصلہ صادر نہیں کرسکتیں۔

لیکن ملک کا دستور اپنے تمام تر "تقدس" کے باوجود عوام کے منتخب نمائندوں کے ہاتھ کا کھلونا ہے، وہ مطلوبہ اکثریت کے بل بوتے پر اس میں جو چاہیں ترمیم و تنسیخ کرتے پھریں، ان کو کوئی روکنے والا نہیں، اور مملکت کے شہریوں کے لئے جو قانون چاہیں بناڈالیں، کوئی ان کو پوچھنے والا نہیں۔ یاد ہوگا کہ انگلینڈ کی پارلیمنٹ نے دو مردوں کی شادی کو قانوناً جائز قرار دیا تھا اور کلیسا نے ان کے فیصلے پر صاد فرمایا تھا، چنانچہ عملاً دو مردوں کا، کلیسا کے پادری نے نکاح پڑھایا تھا، نعوذ باللہ!

حال ہی میں پاکستان کی ایک محترمہ کا بیان اخبارات کی زینت بنا تھا کہ جس طرح اسلام نے ایک مرد کو بیک وقت چار عورتوں سے شادی کی اجازت دی ہے، اسی طرح ایک عورت کو بھی اجازت ہونی چاہئے کہ وہ بیک وقت چار شوہر رکھ سکے۔ ہمارے یہاں جمہوریت کے نام پر مرد و زن کی مساوات کے جو نعرے لگ رہے ہیں، بعید نہیں کہ جمہوریت کا نشہ کچھ تیز ہوجائے اور پارلیمنٹ میں یہ قانون بھی زیرِ بحث آجائے۔ ابھی گزشتہ دنوں پاکستان ہی کے ایک بڑے مفکر کا مضمون اخبار میں شائع ہوا تھا کہ شریعت کو پارلیمنٹ سے بالاتر قرار دینا قوم کے نمائندوں کی توہین ہے، کیونکہ قوم نے اپنے منتخب نمائندوں کو قانون سازی کا مکمل اختیار دیا ہے۔ ان صاحب کا یہ عندیہ "جمہوریت" کی صحیح تفسیر ہے، جس کی رُو سے قوم کے منتخب نمائندے شریعتِ الٰہی سے بھی بالاتر قرار دیئے گئے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ پاکستان میں "شریعت بل" کئی سالوں سے قوم کے منتخب نمائندوں کا منہ تک رہا ہے، لیکن آج تک اسے شرفِ پذیرائی حاصل نہیں ہوسکا، اس کے بعد کون کہہ سکتا ہے کہ اسلام، مغربی جمہوریت کا قائل ہے؟

☆:... تمام دُنیا کے عقلاء کا قاعدہ ہے کہ کسی اہم معاملے میں اس کے ماہرین سے مشورہ لیا جاتا ہے، اسی قاعدے کے مطابق اسلام نے انتخابِ خلیفہ کی ذمہ داری اہلِ حل و عقد پر ڈالی ہے، جو رُموزِ مملکت کو سمجھتے ہیں اور یہ جانتے ہیں کہ اس کے لئے موزوں ترین شخصیت کون ہوسکتی ہے، جیسا کہ حضرت علی کرّم اللہ وجہہ نے فرمایا تھا:

"انما الشوریٰ للمھاجرین والأنصار"

ترجمہ:... ''خلیفہ کے انتخاب کا حق صرف مہاجرین وانصار کو حاصل ہے۔''

لیکن بت کدۂ جمہوریت کے برہمنوں کا ''فتویٰ'' یہ ہے کہ حکومت کے انتخاب کا حق ماہرین کو نہیں بلکہ عوام کو ہے۔ دُنیا کا کوئی کام اور منصوبہ ایسا نہیں جس میں ماہرین کے بجائے عوام سے مشورہ لیا جاتا ہو، کسی معمولی سے معمولی ادارے کو چلانے کے لئے بھی اس کے ماہرین سے مشورہ طلب کیا جاتا ہے، لیکن یہ کیسی ستم ظریفی ہے کہ حکومت کا اِدارہ (جو تمام اِداروں کی ماں ہے اور مملکت کے تمام وسائل جس کے قبضے میں ہیں، اس کو) چلانے کے لئے ماہرین سے نہیں، بلکہ عوام سے رائے لی جاتی ہے، حالانکہ عوام کی ننانوے فیصد اکثریت یہی نہیں جانتی کہ حکومت کیسے چلائی جاتی ہے؟ اس کی پالیسیاں کیسے مرتب کی جاتی ہیں؟ اور حکمرانی کے اُصول و آداب اور نشیب وفراز کیا کیا ہیں...؟ ایک حکیم ودانا کی رائے کو ایک گھسیارے کی رائے کے ہم وزن شمار کرنا، اور ایک کندہ ناتراش کی رائے کو ایک عالی دماغ مدبر کی رائے کے برابر قرار دینا، یہ وہ تماشا ہے جو دُنیا کو پہلی بار ''جمہوریت'' کے نام سے دِکھایا گیا ہے۔

درحقیقت ''عوام کی حکومت، عوام کے لئے اور عوام کے مشورے سے'' کے الفاظ محض عوام کو اُلّو بنانے کے لئے وضع کئے گئے ہیں، ورنہ واقعہ یہ ہے کہ جمہوریت میں نہ تو عوام کی رائے کا اِحترام کیا جاتا ہے اور نہ عوام کی اکثریت کے نمائندے حکومت کرتے ہیں، کیونکہ جمہوریت میں اس پر کوئی پابندی عائد نہیں کی جاتی کہ عوام کی حمایت حاصل کرنے کے لئے کون کون سے نعرے لگائے جائیں گے اور کن کن ذرائع کو استعمال کیا جائے گا؟ عوام کی ترغیب وتحریص کے لئے جو ہتھکنڈے بھی استعمال کئے جائیں، ان کو گمراہ کرنے کے لئے جو سبز باغ بھی دِکھائے جائیں اور انہیں فریفتہ کرنے کے لئے جو ذرائع بھی اِستعمال کئے جائیں وہ جمہوریت میں سب رَوا ہیں۔

اب ایک شخص خواہ کیسے ہی ذرائع اختیار کرے، اپنے حریفوں کے مقابلے میں زیادہ ووٹ حاصل کرنے میں کامیاب ہوجائے، وہ ''عوام کا نمائندہ'' شمار کیا جاتا ہے، حالانکہ عوام بھی جانتے ہیں کہ اس شخص نے عوام کی پسندیدگی کی بنا پر زیادہ ووٹ حاصل نہیں کئے بلکہ روپے پیسے سے ووٹ خریدے ہیں، دھونس اور دھاندلی کے حربے اِستعمال کئے ہیں اور غلط وعدوں سے عوام کو دھوکا دیا ہے، لیکن ان تمام چیزوں کے باوجود یہ شخص نہ روپے پیسے کا نمائندہ کہلاتا ہے، نہ دھونس اور دھاندلی کا منتخب شدہ اور نہ جھوٹ، فریب اور دھوکادہی کا نمائندہ شمار کیا جاتا ہے، چشمِ بددُور! یہ ''قوم کا نمائندہ'' کہلاتا ہے۔ انصاف کیجئے! کہ ''قوم کا نمائندہ'' اسی قماش کے آدمی کو کہا جاتا ہے؟ اور کیا ایسے شخص کو ملک وقوم سے کوئی ہمدردی ہوسکتی ہے...؟

عوامی نمائندگی کا مفہوم تو یہ ہونا چاہئے کہ عوام کسی شخص کو ملک وقوم کے لئے مفید ترین سمجھ کر اسے بالکل آزادانہ طور پر منتخب کریں، نہ اس اُمیدوار کی طرف سے کسی قسم کی تحریص وترغیب ہو، نہ کوئی دباؤ ہو، نہ برادری اور قوم کا واسطہ ہو، نہ روپے پیسے کا کھیل ہو، الغرض اس شخصیت کی طرف سے اپنی نمائش کا کوئی سامان نہ ہو اور عوام کو بےوقوف بنانے کا اس کے پاس کوئی حربہ نہ ہو۔ قوم نے اس کو

صرف اور صرف اس بنا پر منتخب کیا ہو کہ یہ اپنے علاقے کا لائق ترین آدمی ہے، اگر ایسا انتخاب ہوا کرتا، تو بلاشبہ یہ عوامی انتخاب ہوتا، اور اس شخص کو "قوم کا منتخب نمائندہ" کہنا صحیح ہوتا، لیکن عملاً جو جمہوریت ہمارے یہاں رائج ہے، یہ عوام کے نام پر عوام کو دھوکا دینے کا ایک کھیل ہے اور بس...!

کہا جاتا ہے کہ: "جمہوریت میں عوام کی اکثریت کو اپنے نمائندوں کے ذریعہ حکومت کرنے کا حق دیا جاتا ہے" یہ بھی محض ایک پُرفریب نعرہ ہے، ورنہ عملی طور پر یہ ہو رہا ہے کہ جمہوریت کے غلط فارمولے کے ذریعے ایک محدود سی اقلیت، اکثریت کی گردنوں پر مسلط ہوجاتی ہے! مثلاً: فرض کرلیجئے کہ ایک حلقۂ انتخاب میں ووٹوں کی کل تعداد پونے دو لاکھ ہے، پندرہ اُمیدوار ہیں، ان میں سے ایک شخص تیس ہزار ووٹ حاصل کرلیتا ہے، جن کا تناسب دُوسرے اُمیدواروں کو حاصل ہونے والے ووٹوں سے زیادہ ہے، حالانکہ اس نے صرف سولہ فیصد حاصل کئے ہیں، اس طرح سولہ فیصد کے نمائندے کو ۸۴ فیصد پر حکومت کا حق حاصل ہوا۔ فرمائیے! یہ جمہوریت کے نام پر ایک محدود اقلیت کو غالب اکثریت کی گردنوں پر مسلط کرنے کی سازش نہیں تو اور کیا ہے...؟ چنانچہ اس وقت مرکز میں جو حکومت "کوس لمن الملک" بجارہی ہے، اس کو ملک کی مجموعی آبادی کے تناسب سے ۳۳ فیصد کی حمایت بھی حاصل نہیں، لیکن جمہوریت کے تماشے سے نہ صرف وہ جمہوریت کی پاسبان کہلاتی ہے بلکہ اس نے ایک عورت کو ملک کے سیاہ وسفید کا مالک بنا رکھا ہے۔

الغرض! جمہوریت کے عنوان سے "عوام کی حکومت، عوام کے لئے" کا دعویٰ محض ایک فریب ہے، اور اسلام کے ساتھ اس کی پیوندکاری فریب در فریب ہے، اسلام کا جدید جمہوریت سے کوئی تعلق نہیں، نہ جمہوریت کو اسلام سے کوئی واسطہ ہے، "ضدان لَا یجتمعان!" (یہ دو متضاد جنسیں ہیں جو اکٹھی نہیں ہوسکتیں)۔

اُولوالامر کی اطاعت

سوال:... اطاعتِ اُولوالامر کی قرآنی ہدایت کے تحت پاکستانی مقننہ کے نافذ کردہ وہ قوانین جن کی صحت کی تصدیق اسلامی نظریاتی کونسل کرچکی ہو ان کی خلاف ورزی کرنے پر اللہ اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کا نافرمان قرار پائے گا یا نہیں؟ نیز حکومتِ وقت کی کب تک اور کہاں تک اطاعت ضروری ہے؟

جواب:... "اُولوالامر" کی اطاعت ان اُمور میں لازم ہے، جن پر اللہ تعالیٰ اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی نافرمانی نہ ہوتی ہو۔[1] پس جو ملکی قوانین شریعت کے خلاف نہیں ان کی پابندی لازم ہے، اور جو شریعت کے خلاف ہوں ان کی پابندی حرام اور ناجائز ہے۔[2] الغرض! اُولوالامر کی اطاعت مشروط ہے، اور اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت غیرمشروط ہے۔

---

(۱) "یٰٓایها الذین امنوا أطیعوا الله وأطیعوا الرسول وأولی الأمر منکم" (النساء: ۵۸)۔

(۲) عن النواس بن سمعان قال: قال رسول الله صلی الله علیه وسلم: لَا طاعة لمخلوق فی معصیة الخالق. الحدیث. (مشکوٰة ص:۳۲۱، کتاب الإمارة)۔ أیضًا: عن ابن عمر قال: قال رسول الله صلی الله علیه وسلم: السمع والطاعة علی المرء المسلم فیما أحب وکره ما لم یؤمر بمعصیة، فإذا أمر بمعصیة فلا سمع ولا طاعة. (مشکوٰة ص:۳۱۹، طبع قدیمی)۔

اسلامی نظام کے نفاذ کا مطلب

سوال:... آج تقریباً عرصہ ۴ سال ہوگئے، جب سے ہمارے ملک میں اسلامی نظام آرہا ہے، پینٹ کوٹ وغیرہ لوگ بہت کم پہنتے ہیں، لوگوں میں شلوار قمیص یا کرتے کا رواج ہوگیا ہے، لیکن اس کے ساتھ ہی ساتھ مرد اور عورتیں سب تقریباً یکساں ڈیزائنوں کے شلوار قمیص اور کرتے پہن رہے ہیں، جبکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے عورت کو مرد جیسا لباس اور مرد کو عورت جیسے لباس کے بارے میں فرمایا ہے کہ ایسے پر لعنت ہے۔ ہمارا ٹی وی اس معاملے میں پیش پیش ہے اور پھر ہمارے ملک کے ادبی اور سماجی رسالے، ڈائجسٹ بھی نئے نئے ڈیزائن تخلیق کر رہے ہیں، آیا ہمارے اسلامی معاشرے میں ان چیزوں کی گنجائش ہے؟ یہ ایک معمولی بات ہوسکتی ہے لیکن قرآن کی رُو سے لازم ہے کلمہ پڑھنے والے پر کہ "اسلام میں پورے کے پورے داخل ہوجاؤ" اسلام کی رُو سے مرد اور عورت کے لباس کی وضاحت کریں۔ اقبال ۔

خود بدلتے نہیں قرآں کو بدل دیتے ہیں
ہوئے کس درجہ فقیہان حرم بے توفیق

جواب:... اسلامی نظام کے نفاذ کا مطلب ہے: "اپنی خواہشات پر اَحکامِ الٰہیہ کی بالادستی قائم کرنا اور حکمِ الٰہی کے سامنے اپنی خواہشات کو چھوڑ دینا" مگر شاید ہم اس کے لئے تیار نہیں، اس لئے ہم اسلامی نظام کے نفاذ کا مطلب سمجھتے ہیں: "اسلامی اَحکام کو اپنی پسند و ناپسند کے مطابق ڈھالنا" چنانچہ اسی کا مظاہرہ ہمارے یہاں ہو رہا ہے، جس کی آپ کو شکایت ہے۔

کیا اِسراف اور تبذیر حکومت کے کاموں میں بھی ہوتا ہے

سوال:... گزشتہ دنوں یہاں ایک مسجد میں ایک جید عالمِ دِین تقریر کر رہے تھے، جس کا عنوان یہ تھا کہ ہم پاکستان کے وزیرِاعظم کی آمد کا خیرمقدم کرتے ہیں مگر حکومت آزاد کشمیر ان کے استقبال کے لئے جو بے پناہ رقم خرچ کر رہی ہے، اس کا کوئی جواز شرعاً نہیں، بلکہ یہ اِسراف ہے۔ اس پر انہوں نے ۱۵ویں پارے کی آیت اِسراف پڑھ کر تقریر ختم کردی۔ اختتامِ تقریر پر آزاد کشمیر کی اعلیٰ عہدے پر فائز ایک شخصیت نے اُٹھ کر کہا کہ مولوی جاہل ہوتے ہیں اور یہ کہ اِسراف کا تعلق انسان کی ذات سے ہوتا ہے اور سلطنت میں اِسراف کا اطلاق نہیں ہوتا، اور یہ کہ میں جمعہ پڑھنے کے لئے مسجدوں میں اس لئے نہیں آتا کہ یہ جاہل مولوی کچھ نہ کچھ بے تکی باتیں کردیتے ہیں، جن کی وضاحت یا تردید کرنی ضروری ہوتی ہے، جس سے فساد کا امکان ہوتا ہے۔ قابلِ دریافت یہ اَمر ہے کہ اِسراف اور تبذیر میں کیا فرق ہے؟ اور بغیر اِستثنا کے تمام مولویوں کو جاہل کہنے والا شرعاً کیسا ہے؟ اور اسی خدشے سے جمعہ کو عملاً ترک کرنے والا شرعاً کیا حکم رکھتا ہے؟

جواب:... اپنی ذاتی رقم تو آدمی کی ملکیت ہوتی ہے اور حکومت کے خزانے میں جو روپیہ جمع ہوتا ہے وہ کسی کی ذاتی ملکیت نہیں بلکہ وہ امانت ہے، اور اس پر حکومت کا قبضہ بھی امانت کا قبضہ ہے، جب ذاتی ملکیت میں بے جا تصرف اِسراف ہے تو امانت میں بے جا تصرف اِسراف کیوں نہ ہوگا؟ بلکہ یہ اِسراف سے بڑھ کر ہے، یعنی امانت میں خیانت۔ یہ تو اُصولی جواب ہوا۔ رہا یہ کہ کون سا تصرف بے جا ہے اور کون سا نہیں؟ اس میں بحث و گفتگو کی کافی گنجائش ہے، بہت ممکن ہے کہ ایک شخص کسی خرچ کو بے جا سمجھے اور دُوسرا اس کو بے جا نہ سمجھے۔

ان صاحب نے علماء کے بارے میں جو الفاظ کہے وہ بہت سخت ہیں، ان کو ان الفاظ سے ندامت کے ساتھ توبہ کرنی چاہئے۔ کسی عالم، مولوی میں اگر کوئی غلطی واقعتاً نظر آئے تو اس کی وجہ سے صرف اسی کو غلط کہا جاسکتا ہے، لیکن علماء کی پوری جماعت کو مطعون کرنا یا ان کی تحقیر کرنا کسی طرح بھی قرینِ عقل و انصاف نہیں۔ بلکہ اہلِ علم کی تحقیر و توہین کو کفر لکھا ہے۔[1] اللہ تعالیٰ ہر مسلمان کو اس آفت سے بچائے۔ اور ان صاحب کا ''مولویوں'' کی وجہ سے جمعہ کی جماعت تک کو ترک کر دینا اور بھی سنگین ہے، حدیث میں ہے کہ جو شخص بغیر عذر کے محض معمولی بات سمجھتے ہوئے تین جمعہ چھوڑ دے، اللہ تعالیٰ اس کے دِل پر مہر کر دیتے ہیں (مشکوٰۃ ص:۱۲۱)۔[2] نعوذ باللہ!

اپنے پسندیدہ لیڈر کی تعریف اور مخالف کی بُرائی بیان کرنا

سوال:... آج کل سیاست کا بہت زور ہے، ہر کوئی اپنے پسندیدہ لیڈر کی تعریف کرتا ہے اور اپنے مخالف لیڈر کی بُرائی کرتا ہے، کیا یہ بُرائی بھی غیبت میں شامل ہے؟

جواب:... اپنے لیڈر کی بے جا تعریف کرنا یا ایسی بات پر تعریف کرنا جو اس کے اندر نہیں پائی جاتی یا ایسی چیز پر تعریف کرنا جو شرعاً مستحسن نہ ہو، جائز نہیں۔[3] اور مخالف لیڈر کے ذاتی عیوب و نقائص کو بیان کرنا یہ بھی غیبت ہے،[4] البتہ اگر اس کی کوئی پالیسی یا بیان

---

(۱) وفي الخلاصة: من أبغض عالمًا من غير سبب ظاهر خيف عليه الكفر۔ (خلاصة الفتاوىٰ ج:۴ ص:۳۸۸، كتاب الفاظ الكفر، الفصل الثاني، الجنس الثامن، طبع رشيديه)۔ أيضًا: الإستخفاف بالعلماء لكونه علماء إستخفاف بالعلم والعلم صفة الله تعالى منحه فضلًا على خيار عبده ليدلوا خلقه على شريعته نيابة عن رسوله فاستخفافه بهذا يعلم انه إلى من يعود۔ (بزازية على هامش الهندية ج:۶ ص:۳۳۶، كتاب الفاظ تكون اسلامًا أو كفرًا أو خطأ، الثامن في الإستخفاف بالعلم)۔ أيضًا الإستهزاء بالعلم والعلماء كفر۔ (الأشباه والنظائر ص:۱۹۱، الفن الثاني في كتاب السير)۔

(۲) قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: من ترك ثلاث جمع تهاونا بها، طبع الله على قلبه۔ مشكوٰة ص:۱۲۱)۔

(۳) عن أبي موسى الأشعرى رضى الله عنه قال: سمع النبي صلى الله عليه وسلم رجلًا يثني على رجل ويطريه في المدحة، فقال: أهلكتم أو أقطعتم ظهر الرجل۔ (بخارى ج:۲ ص:۸۹۵ باب ما يكون في التمادح، طبع نور محمد كراچى)۔

(۴) عن أبي هريرة قال: قيل: يا رسول الله! ما الغيبة؟ قال: ذكرك أخاك بما يكره، قال: أرئيت إن كان فيه أقول؟ قال: إن كان فيه ما تقول فقد اغتبته وإن لم يكن فيه ما تقول فقد بهته۔ (رواه الترمذى ج:۲ ص:۱۵، باب ما جاء في الغيبة)۔

وتقریر ملک وملت کے مفاد کے خلاف ہو تو اس پر تنقید جائز ہے۔[1]

بدکار کو مذہبی منصب دینا قیامت کی علامت ہے

سوال:... ایک شخص دیوث ہو اور اپنی بیوی کی حرام کاری میں معاونت کرتا ہو، جس کا ثبوت اور شہادتیں موجود ہوں، کیا ایسا شخص اسلامی جمہوریہ پاکستان کے اہم عہدہ خصوصاً ایسا عہدہ جس میں مسلمانوں کے دِینی معاملات بھی اس شخص کے سپرد ہوسکیں، پاکستان کی نمائندگی کے فرائض بھی انجام دے، ایسے شخص کو ذمہ داری کا عہدہ دینا جائز ہے؟

جواب:... ایسے دیوث کو مسلمانوں کے دِینی معاملات سپرد کرنا قیامت کی علامت ہے، اس کو اس منصب سے ہٹانا چاہئے۔[2]

ووٹ کا وعدہ پورا کریں یا نہیں؟

سوال:... اگر کوئی ووٹر کسی سے (اُمیدوار) وعدہ کرے کہ اپنا ووٹ تم کو دُوں گا، قرآن میں آتا ہے کہ وعدہ پورا کرو: "یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اَوْفُوْا بِالْعُقُوْدِ" لیکن وعدہ کرنے کے بعد کسی عالم سے یہ حدیث سنے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے منع فرمایا ہے کہ جو شخص خود کو پیش کرے کہ امیر بن جائے، اسے ہرگز اَمیر یا حکمران نہ بنایا جائے، اس لئے کہ یہ لالچی ہے۔ ہر شخص کو چاہئے کہ شریعت کی کسوٹی پر پرکھے کہ کون سا اُمیدوار موزوں ہے۔

جنابِ محترم! صورتِ حال یہ ہے ہم اپنا وعدہ پورا کریں یا حدیث پر عمل کریں؟ وعدہ کرتے وقت حدیث شریف سے ناواقف تھے۔

جواب:... اگر غلط آدمی کے ساتھ وعدہ کیا تھا، تو وعدہ کرنا بھی گناہ، اس کو پورا کرنا بھی گناہ۔[3] اور اگر کسی نیک آدمی سے وعدہ کیا تھا تو اس کو ضرور پورا کرنا چاہئے۔

مروّجہ طریقِ اِنتخاب اور اِسلامی تعلیمات

سوال۱:... مروّجہ طریقِ اِنتخاب میں جس میں قومی اسمبلی کے اُمیدوار وغیرہ چنے جاتے ہیں اور اس میں جاہل، عقل مند، باشعور، بے شعور، دِین دار اور بے دِین کے ووٹ کی قدر (Value) ایک برابر ہوتی ہے، کیا اَز رُوئے قرآن وحدیث صحیح ہے؟

---

(۱) قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم: کلّ المسلم علی المسلم حرام (دمہ، ومالہ، وعرضہ)۔ رواہ مسلم وغیرہ، فلا تحل إلّا عند الضرورة بقدرھا۔ (شامی ج:۶ ص:۴۰۹)۔ تفصیل کے لئے دیکھئے: احسن الفتاویٰ ج:۸ ص:۱۹۳، غیبت کی جائز صورتیں۔

(۲) عن أبی ھریرة قال: بینما النبی صلی اللہ علیہ وسلم یحدث إذ جاء أعرابی فقال: متی الساعة؟ قال: إذا ضیعت الأمانة فانتظر الساعة، قال: کیف إضاعتھا؟ قال: إذا وسد الأمر إلی غیر أھلہ فانتظر الساعة۔ رواہ البخاری۔ (مشکوٰة ص:۴۶۹، باب أشراط الساعة، الفصل الأوّل، طبع قدیمی کتب خانہ)۔

(۳) "وتعاونوا علی البر والتقوٰی ولَا تعاونوا علی الإثم والعدوان واتقوا اللہ، إن اللہ شدید العقاب" (المائدة:۲)۔

سوال ۲:... ہر پانچ سال کے بعد الیکشن کروانا اور ملک کے اندر ہیجان برپا کرنا کیا قرآن وحدیث کی رُو سے ازحد ضروری ہے؟ کیا ایک مرتبہ کا انتخاب کافی نہیں؟ اگر ضروری ہے تو بحوالہ قرآن وحدیث تحریر فرمائیں، بار بار الیکشن کی مثال اسلامی رُو سے دیں۔

سوال ۳:... مروّجہ قانون کے تحت وزیرِاعظم اسمبلی کی اکثریت کے فیصلے کا پابند ہوتا ہے، کیا یہ شریعت کے خلاف نہیں؟ کیا اکثریت کے فیصلے کے ماننے کا وزیرِاعظم از رُوئے قرآن وحدیث پابند ہے؟

جواب ا:... اسلامی نقطۂ نظر سے حکومت کا انتخاب تو ہونا چاہئے لیکن موجودہ طریقِ انتخاب جو ہمارے یہاں رائج ہے، کئی وجوہ سے غلط اور محتاجِ اصلاح ہے:

اوّل:... سب سے پہلے تو یہی بات اسلام کی رُوح اور اس کے مزاج کے خلاف ہے کہ کوئی شخص مسندِ اِقتدار کے لئے اپنے آپ کو پیش کرے، اسلام ان لوگوں کو حکومت کا اہل سمجھتا ہے جو اس کو ایک مقدس امانت سمجھتے ہوں اور عہدہ ومنصب سے اس بنا پر خائف ہوں کہ وہ اس امانت کا حق بھی ادا کرسکیں گے یا نہیں؟ اس کے برعکس موجودہ طریقِ انتخاب، اقتدار کو ایک مقدس امانت قرار دینے کے بجائے حریصانِ اقتدار کا کھلونا بنادیتا ہے، حدیث میں ہے کہ: "ہم ایسے شخص کو عہدہ نہیں دیا کرتے جو اس کا طلب گار ہو یا اس کی خواہش رکھتا ہو۔" (صحیح بخاری وصحیح مسلم)۔[1]

دوم:... مروّجہ طریقِ انتخاب میں الیکشن جیتنے کے لئے جو کچھ کیا جاتا ہے وہ اوّل سے آخر تک غلط ہے، رائے عامہ کو متأثر کرنے کے لئے سبز باغ دِکھانا، غلط پروپیگنڈہ، جوڑتوڑ، نعرے بازی، دھن، دھونس، یہ ساری چیزیں اسلام کی نظر میں ناروا ہیں، اور یہ غلط رَوِش قوم کے اخلاق کو تباہ کرنے کا ایک مستقل ذریعہ ہے۔

سوم:... موجودہ طریقِ انتخاب میں فریقِ مخالف کو نیچا دِکھانے کے لئے اس پر کیچڑ اُچھالنا اور اس کے خلاف نت نئے افسانے تراشنا لازمۂ سیاست سمجھا جاتا ہے، اور تکبر، غیبت، بہتان، مسلمان کی بے آبروئی جیسے اخلاقِ ذمیمہ کی کھلی چھٹی مل جاتی ہے، افراد واشخاص اور جماعتوں کے درمیان بغض ومنافرت جنم لیتی ہے اور پورے معاشرے میں تلخی، کشیدگی اور بیزاری کا زہر گھل جاتا ہے، یہ ساری چیزیں اسلام کی نظر میں حرام اور قبیح ہیں، کیونکہ ملک وملت کے انتشار وافتراق کا ذریعہ ہیں۔

چہارم:... اس طریقِ انتخاب کو نام تو "جمہوریت" کا دیا جاتا ہے، لیکن واقعتاً جو چیز سامنے آتی ہے وہ جمہوریت نہیں "جبریت" ہے، الیکشن کے پردے میں شر وفتنہ کی جو آگ بھڑکتی ہے، ہلڑبازی، ہنگامہ آرائی، لڑائی جھگڑا، دنگا فساد، مار پٹائی سے

---

(۱) عن أبی موسٰی قال: دخلت علی النبی صلی الله علیه وسلم أنا ورجلان من بنی عمّی، فقال أحدهما: یا رسول الله! امّرنا علٰی بعض ما ولّاک الله، وقال الآخر مثل ذالک، فقال: إنّا والله لا نولّی علٰی هذا العمل أحدًا یسأله ولا أحدًا حرص علیه۔ وفی روایة: قال: لا نستعمل علٰی عملنا من أراده۔ متفق علیه۔ (مشکٰوة ص:۳۲۰، کتاب الأمارة، الفصل الأوّل).

آگے بڑھ کر کئی جانیں ضائع ہو جاتی ہیں، یہ ساری چیزیں اسی جبریت کا شاخسانہ ہے جس کا خوبصورت نام شیطان نے "جمہوریت" رکھ دیا ہے۔

پنجم:... ان ساری ناہموار گھاٹیوں کو عبور کرنے کے بعد بھی جمہوریت کا جو مذاق اُڑتا ہے وہ اس طریقِ انتخاب کی بدمذاقی کی دلیل ہے، ہوتا یہ ہے کہ ایک ایک حلقے میں دس دس پہلوانوں کا انتخابی دنگل ہوتا ہے، اور ان میں سے ایک شخص پندرہ فیصد ووٹ لے کر اپنے دُوسرے حریفوں پر برتری حاصل کرلیتا ہے، اور چشمِ بددُور! یہ صاحب "جمہور کے نمائندے" بن جاتے ہیں۔ یعنی اپنے حلقے کے پچاسی فیصد رائے دہندگان جس شخص کو مسترد کردیں، ہماری جمہوریت صاحبہ اس کو "نمائندۂ جمہور" کا خطاب دیتی ہے۔

ششم:... تمام عقلاء کا مسلّمہ اُصول ہے کہ کسی معاملے میں صرف اس کے ماہرین سے رائے طلب کی جاتی ہے، لیکن سیاست اور حکمرانی شاید دُنیا کی ایسی ذلیل ترین چیز ہے کہ اس میں ہرکس وناکس کو مشورہ دینے کا اہل سمجھا جاتا ہے اور ایک بھنگی کی رائے بھی وہی قدر و قیمت اور وزن رکھتی ہے جو سپریم کورٹ کے چیف جسٹس کی، اور چونکہ عوام ذاتی اور وقتی مسائل سے آگے ملک و ملت کے وسیع ترین مفادات کو نہ سوچ سکتے ہیں اور نہ سوچنے کی صلاحیت رکھتے ہیں، اس لئے جو شخص رائے عامہ کو ہنگامی وجذباتی نعروں کے ذریعہ گمراہ کرنے میں کامیاب ہوجائے وہ ملک و ملت کی قسمت کا ناخدا بن بیٹھتا ہے، یہی وہ بنیادی غلطی ہے جسے ابلیس نے "سلطانیٔ جمہور" کا نام دے کر دُنیا کے دل و دماغ پر مسلط کردیا ہے۔ اسلام اس احمقانہ نظریے کا قائل نہیں، وہ انتخابِ حکومت میں اہلِ بصیرت اور اربابِ بست و کشاد کو رائے دہندگی کا اہل سمجھتا ہے، شاعرِ ملت علامہ اقبال مرحوم کے الفاظ میں:

گریز از طرزِ جمہوری غلام پختہ کارے شو
کہ از مغزِ دو صد خر فکرِ انسانے نمی آید

ہفتم:... موجودہ طریقِ انتخاب تجربے کی کسوٹی پر بھی کھوٹا ثابت ہوا ہے، اس طریقِ انتخاب سے جو لوگ مسندِ اقتدار تک پہنچے وہ ملک کی شکست و ریخت کے سوا ملک و قوم کی کوئی خدمت نہ کرسکے، اور جو چیز تجربے سے مضر ثابت ہوئی ہو اور قوم اس کا خمیازہ بھگت چکی ہو اس تجربے کو دوبارہ دُہرانا نہ تو شرعاً جائز ہے اور نہ عقلاً ہی اُسے صحیح اور دُرست کہا جاسکتا ہے، لہٰذا موجودہ طریقۂ کار کو بدل کر ایک ایسا طریقۂ انتخاب وضع کرنا ضروری ہے جو ان قباحتوں سے پاک ہو اور جس کے ذریعہ اقتدار کی پُرامن منتقلی ہوسکے۔

جواب ۲:... انتخاب ہر پانچ سال بعد کرانا کوئی شرعی فرض نہیں، لیکن اگر حکمران میں بھی کوئی ایسی خرابی نہ پائی جائے جو اس کی معزولی کا تقاضا کرتی ہو تو اس کو بدلنا بھی جائز نہیں۔ دراصل اسلام کا نظریہ اس بارے میں یہ ہے کہ وہ حکومت تبدیل

کرنے کے مسئلے کو اہمیت دینے کے بجائے منتخب ہونے والے حکمران کی صفاتِ اہلیت کو زیادہ اہمیت دیتا ہے، اسلامی ذوق سے قریب تر بات یہ ہے کہ قوم کے اہلِ رائے حضرات صدر یا امیر کا چناؤ کریں اور پھر وہ اہل الرائے کے مشورے سے اپنے معاونین و رُفقاء کو خود منتخب کرے۔

جواب ۳:... حکومت کا سربراہ اہلِ مشورہ سے مشورہ لینے کا پابند ہے، مگر کثرتِ رائے پر عمل کرنے کا پابند نہیں، بلکہ قوتِ دلیل پر عمل کرنے کا پابند ہے۔ اس مسئلے میں بھی جمہوریت کا اسلام سے اختلاف ہے، جمہوریت کہنے والوں کی بات کا وزن کرنے کی قائل نہیں، صرف مردم شماری کی قائل ہے، بقول اقبال:

جمہوریت اِک طرزِ حکومت ہے کہ اس میں
بندوں کو گنا کرتے ہیں تولا نہیں کرتے!